سلسلۂ مطبوعات نمبر ۱۶۶

سیر الاولیاءؒ

تصنیف

سید محمد مبارک علوی کرمانی

المعروف بہ

امیر خوردؒ

ترجمہ

اعجاز الحق قدوسی

مرکزی اردو بورڈ ○ ۲۹۹۔اپرمال ○ لاہور

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۱٦٦

طبع اول : فروری ۱۹۸۰ء

قیمت : -/۱٦۵ روپے

ناشر

اشفاق احمد
ڈائرکٹر مرکزی اُردو بورڈ ،
۲۹۹ اپر مال ، لاہور

طابع

محمد زرین خاں ، زرین آرٹ پریس
٦١ - ریلوے روڈ ، لاہور

انتساب

اپنے والدِ مرحوم شاہ ظہورالحق

اور

والدۂ مرحومہ سعیدہ خاتون نور اللہ مرقدہما

کے نام

اگرچہ میرے والدِ محترم نے میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے وفات پائی ، مگر مجھ میں اپنی والدۂ مرحومہ سے اُن کے ذوقِ علمی کی روایات سن کر حصولِ علم کا شعور بیدار ہوا ، اُن کے ذوقِ علمی کی روایات نے مجھے علم کی لگن سے اور والدۂ محترمہ کی تربیت نے مجھے قلم کی دولت سے نوازا :

تربیت سے تیری ، میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اعجازالحق قدوسی

قارئین سے ایک ضروری گزارش

''سیرالاولیاء'' فارسی کے مطبوعہ نسخے (مرتبہ چرنجی لال) میں بعض اشعار ایسے ہیں جو بعض ارکان کی کمی و بیشی کی وجہ سے بحر سے خارج ہو جاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ چرنجی لال کے اس فارسی نسخے کے علاوہ اس تذکرے کے کسی دوسرے نسخے کا سراغ نہیں ملتا، جس سے ایسے اشعار کی تصحیح ہو جاتی۔

مترجم نے نہایت حزم و احتیاط سے یہ اشعار من و عن نقل کر دیے ہیں۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر انہیں ترجمے میں کوئی ایسا شعر نظر آئے تو اسے ''سیرالاولیاء'' کے منحصر بفرد فارسی مطبوعہ نسخہ ہونے کی وجہ سے درگزر فرمائیں۔

• • •

فہرست مضامین

باب اول

نکتہ

نکتۂ اوّل

نکتۂ دوم

نکتۂ سوم

نکتۂ چہارم

منہم

ذکر

نکتۂ اوّل

نکتۂ دوم

نکتۂ سوم

نکتۂ چہارم

نکتۂ پنجم

نکتۂ ششم

نکتۂ ہفتم

نکتۂ ہشتم

نکتہ نہم

نکتہ دہم

نکتہ یازدہم

نکتہ دوازدہم

نکتہ سیزدہم

نکتہ چہاردہم

نکتہ پانزدہم

باب دوم

منہم

منهم

نکتہ

منهم

منهم

منهم

منهم

باب چہارم

منهم

نکتۂ اوّل

نکتۂ دوم

نکتہٗ سوم

نکتہٗ چہارم

منہم

نکتہٗ اوّل

نکتہٗ دوم

نکتہ سوم

نکتہٗ چہارم

منہم سوم

نکتہٗ اوّل

نکتۂ دوم

نکتۂ سوم

منہم

منہم

باب پنجم

منہم

منہم

منہم

منہم

منہم

سہم

سہم

سنہم

سہم

باب ششم

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

باب ہفتم

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

باب ہشتم

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

نکتہ

باب نہم

• • •

تعارف

اگر اس بر صغیر پاک و ہند کے ہو صد کے قدیم فارسی تذکروں پر نظر ڈالی جائے تو ہماری نگاہ امیر خورد کی تصنیف "سیرالاولیاء" سے آگے نہیں بڑھتی۔ "سیرالاولیاء" بر صغیر پاک و ہند میں پہلا تذکرہ ہے، جو فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت (۷۵۲ھ-۷۹۰ھ / ۱۳۵۱ء-۱۳۸۸ء) کے دوران کسی وقت لکھا گیا تھا۔

سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے متعلق معلومات کی جو شمع امیر خورد نے روشن کی تھی، اُس سے تمام متأخر تذکرہ نگاروں نے اکتساب نور کیا ہے۔ متاخرین کا کوئی تذکرہ ایسا نہیں، جس میں صاحب "سیرالاولیاء" کی فراہم کی ہوئی معلومات بکھری ہوئی نہ ہوں۔

عہد ہمایوں کے مشہور تذکرہ نگار شیخ حامد بن فضل اللہ جمالی کے تذکرے "سیرالعارفین" (۹۳۸ھ - ۹۴۱ھ/۱۵۳۱ء-۱۵۳۵ء) سے لے کر عہد جہانگیری کے تذکرہ نگار صاحب "گلزار ابرار" اور صاحب "اخبار الاخیار" یہاں تک کہ مفتی غلام سرور لاہوری کے ضخیم تذکرے "خزینۃ الاصفیاء" تک سب اُس کے خوشہ چیں نظر آتے ہیں۔

اُٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اس تذکرے کے مصنف کی سب سے بڑی خصوصیت، جو میرے لیے جاذب توجہ ہوئی، یہ ہے کہ وہ ایک ثقہ راوی ہونے کی حیثیت سے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی اور اُن کے جلیل القدر خلفاء کے حالات کا شاہد عینی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اُس کے دادا اور نانا حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے مرید اور حضرت خواجہ

قطب الدین بختیار کاکیؒ کو دیکھے ہوئے تھے - اس نے اُن دونوں کے متعلق جو روایتیں اپنے باپ ، دادا اور نانا سے سنی تھیں ، ان کو بعینہٖ قلم بند کر دیا ہے - اس لیے یہ تذکرہ اپنے وثوق ، استناد اور شہادتِ عینی کے باعث بڑی اہمیت رکھتا ہے -

اس تذکرے کی ایک اہم خصوصیت ، جو اس کو برِصغیر پاک و ہند کے لکھے ہوئے صوفیہ کے تمام تذکروں سے ممتاز کرتی ہے ، یہ بھی ہے کہ اس نے بالخصوص حضرت سلطان المشائخ اور آپ کے خلفاء کے سوانحی حالات ، ملفوظات ، نوشتوں اور سلسلۂ چشتیہ اسلامیہ کے معارفِ تصوّف اور تعلیمات کی نہایت سلیقے اور ترتیب سے اس طرح چمن بندی کی ہے کہ اس کے آراستہ کیے ہوئے گلشن کی بہاروں کو کبھی خزاں کا ہاتھ چھو نہیں سکتا - وہ اپنی اس خصوصیت میں برِصغیر کے تمام تذکرہ نگاروں میں ممتاز اور منفرد نظر آتا ہے ، گویا اس کی یہ تصنیف ایک وقت تذکرہ بھی ہے ، ملفوظات بھی اور آئینۂ تعلیماتِ تصوّف بھی -

اس کے آراستہ کیے ہوئے گلدستے میں وہ متنوع پھول ہیں ، جن کی خوشبو لافانی ، جن کی تازگی سدا بہار اور جن کی مہک روح اور دماغ کو بالیدگی بخشتی ہے -

امیر خورد کی ایک اور خصوصیت جو اس کی کتاب کے ترجمے کے لیے باعثِ کشش ہوئی ، اس کے طرزِ تحریر کی اثر انگیزی اور سحر آفرینی ہے ، جو اس کے اہلِ دل ہونے کی علامت ہے - اس کا اسلوبِ نگارش اتنا اچھوتا اور طرزِ بیان اتنا دلکش ہے کہ وہ ایک قاری کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے - اس کا فطری مزاج تصوّف سے اس قدر ہم آہنگ ہے کہ وہ تصوف کے اُن باریک نکتوں کو ، جنھیں حضرت سلطان المشائخؒ نے بیان فرمایا تھا ، اپنے دلکش انداز میں تحریر کر کے اپنی کتاب کے اوراق میں موتیوں کی طرح بکھیر دیا ہے - اس کی کتاب کے اکثر اوراق ان موتیوں سے مزین ہیں -

وہ جا بجا اپنی اس کتاب میں اس دور کی ثقافتی ، تہذیبی اور تمدنی روایات کو سمو کر ایک نیا تاثر پیدا کرتا ہے - جب وہ واقعات و حالات سے رخ بدل کر قلم کو اس رخ کی طرف موڑتا ہے تو ایک قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ خلجیوں ، علائیوں اور تغلقوں کے عہد میں گھوم رہا ہے -

میں دو سال تک اس کتاب کا ترجمہ کرتا رہا ، لیکن اس دو سال کے طویل عرصے میں کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ میں نے اس کے ترجمے سے ذرا بھی اُکتاہٹ محسوس کی ہو ، بلکہ جب بھی اس کا ترجمہ کرتا تھا میری آتش شوق تیز تر ہوتی جاتی تھی ۔ امیر خورد کی انشائی خوبیاں اور اُن بزرگوں کے واقعات و حالات کی دلچسپیاں جو اس تذکرے کی زینت و زیبائش ہیں ، مجھے محو رکھتی تھیں ۔

امیر خورد کی تحریر میں ایک سحر انگیز اثر و تاثیر ہے ، جو بہت کم اہل قلم کا مقدر ہے ۔ اُس کی یہ اہم کتاب زبانِ حال سے پکارتی ہے : ع

ما نفس انفس دانستیم و صرف ہوا کردہ ایم

ان خصوصیات کے پیش نظر میرا ایک مدت سے خیال چلا آ رہا تھا کہ اگر حالات اور زندگی نے موقع دیا تو "سیر الاولیاء" کا ترجمہ اور غوثی مانڈوی کے "گلزار ابرار" کو ایڈٹ کروں گا کہ یہ دونوں کتابیں تاریخِ تصوف میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں ۔ لیکن "سیر الاولیاء" کے ترجمے کا خیال اس لیے اب تک عملی جامہ نہ پہن سکا تھا کہ اس کا اصل فارسی متن بھی دستیاب نہ ہوتا تھا ۔ اس خیال کی صورت گری قلب میں ہوتی رہی لیکن عمل کی کوئی صورت بن نہ آتی تھی ۔ وقت گزرتا گیا اور زمانہ ماہ و سال میں بدلتا گیا ۔ پھر تائید ایزدی ہوئی اور میری زندگی کا وہ مبارک لمحہ آیا جب میں نے بسم اللہ کہہ کر اس کتاب کے صفحہ اوّل کا ترجمہ شروع کیا ۔

اس ترجمے کے وقت جو فارسی متن میرے سامنے رہا اور جسے دیکھ کر میں نے ترجمہ کیا وہ "سیر الاولیاء" کا وہ فارسی مطبوعہ نسخہ ہے جو ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۵ء) میں بہ اہتمام چرنجی لال مالک و مہتمم مطبع محب ہند ، فیض بازار ، دہلی سے شائع ہوا تھا ۔ اس مطبوعہ نسخے میں بعض اشعار ارکان کی کمی یا زیادتی کی وجہ سے بحر سے خارج معلوم ہوتے ہیں ، چونکہ "سیر الاولیاء" کا اور کوئی نسخہ ہماری دسترس میں نہ تھا ۔ اس لیے ہم نے مجبوراً مطبوعہ نسخے سے بجنسہٖ وہ اشعار جوں کے توں نقل کر دیے ہیں ۔

میں نے اس ترجمے میں حسبِ ذیل خصوصیات کو پیش نظر رکھا ہے :

۱۔ میں نے کوشش کی ہے کہ یہ ترجمہ سلیس و بامحاورہ اور ایسے

دل نشین انداز میں ہو کہ نفس مفہوم و مطلب بھی ہاتھ سے جانے نہ پائے اور ترجمے کی نفاست ، سلاست اور شگفتگی بھی ہر جگہ قائم رہے ۔ ترجمے کی بہترین خوبی یہ ہے کہ ترجمے میں زبان کی روح کو اس طرح منتقل کیا جائے جو حشو و زوائد سے پاک ہو اور سلاست و روانی میں آپ اپنی مثال ہو ۔ یہ ترجمہ اسی نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے ۔

۲۔ اصل متن ذیلی عنوانات سے بالکل خالی اور معریٰ ہے ۔ میں نے اس ترجمے میں ہر جگہ ذیلی عنوانات قائم کیے ہیں ، تا کہ افادیت کی روشنی اور بڑھے اور یہ ذیلی عنوانات معلومات میں اضافے کا باعث ہوں ۔

۳۔ ترجمے میں جہاں بھی ضرورت محسوس کی گئی ، ضروری اور معلوماتی حواشی دیے گئے ہیں ، تا کہ ایک قاری کے لیے تنوع اور بوقلمونی پیدا ہو اور وہ افادیت کے اعتبار سے قارئین کے لیے زیادہ قابل توجہ بن سکے ۔

۴۔ ہر جگہ سنہ ہجری کے ساتھ سنہ عیسوی کی مطابقت کی گئی ہے ۔

۵۔ متن فل اسٹاپ ، کاموں اور پیروں سے بالکل معریٰ ہے جو ایک قاری کے مطالعے کے وقت اُس کے ذہن میں بڑی اُلجھن پیدا کرتا ہے ۔ میں نے ترجمے میں ہر جگہ کامے ، فل اسٹاپ اور پیرے قائم کر کے اس اُلجھن کو دور کرنے کی کوشش کی ہے ۔

۶۔ ترجمے میں ہر جگہ ، جہاں سے اصل متن شروع ہوتا ہے ، اصل متن کے صفحے کا نمبر قوسین میں اُردو ہندسوں میں دے دیا ہے ، تا کہ وہ قاری جو ترجمے کی مطابقت اصل متن سے کرنا چاہے ، آسانی سے کر لے ۔

ان چند معروضات کے بعد امیر خورد کی سجائی ہوئی یہ محفل روحانیاں جس کے سرخیل حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمہ اور بالخصوص حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی اور اُن کے عظیم المرتبت خلفاء ہیں ، پیش ہے ۔

میں کہ سلسلۂ چشتیہ کے غلاموں کا ایک ادنیٰ غلام ہوں ، میری حیثیت اس تذکرے میں اُردو داں طبقے کے لیے ایک ذریعۂ ابلاغ کے سوا

کچھ ہیں :
اُن ہی کی تائید سمجھتا ہوں زبان بیری جو بات ان کی

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میرے خون میں میرے جد امجد حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ کی وجہ سے سلسلۂ چشتیہ کی آمیزش ہے ۔ میری روح اس سلسلے کے بزرگوں کے حالات اور تذکرے سے ایک بالیدگی محسوس کرتی ہے ۔ میری زبان جب تک ہے اس میں قوتِ گویائی ہے ، ان کے محامد و اوصاف کے بیان کرنے میں اُن کی مدح سرا ہے ۔ میرا قلم جب تک کہ اس میں طاقتِ تحریر ہے اس برصغیر پاک و ہند کے صوفیائے کرام کے تذکروں کو اور اُن کی تبلیغی جد و جہد کے عام کرنے میں ، خواہ وہ سلسلۂ چشتیہ کے ہوں یا سہروردیہ کے ، وقف رہے گا :

کہاں میر کہ بپایاں رسد کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے اس برصغیر پاک و ہند میں انسانیت اور اسلام کی بڑی خدمات انجام دی ہیں اور ان کی سیرت انسانی شخصیت کی تعمیر میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے ۔ ان کی تعلیمات میں ہمیں اخلاق و کردار کے وہ گراں مایہ خزانے ملتے ہیں ، جن سے انسانی زندگی مالا مال ہوتی ہے ۔ دراصل اسلامی تصوف وہ آئینہ ہے کہ جس سے فلسفۂ حیات سے لے کر خدمتِ بنی نوع انسان تک زندگی کا ہر گوشہ جگمگا اٹھتا ہے ۔ ان کی تعلیمات علم و حکمت کی روح ہیں ۔ انھوں نے حقیقت کو شریعت کے جمال سے ہم آہنگ کر کے اپنی تعلیمات کو آراستہ کیا ہے ، ان تذکروں کو جس قدر نئے نئے اسلوب سے پیش کیا جائے گا ، اُن کی افادیت بڑھتی جائے گی ۔

احسان ناشناسی ہوگی اگر میں آخر میں اپنے محترم دوست جناب اشفاق احمد صاحب ڈائرکٹر مرکزی اُردو بورڈ ، لاہور کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے اپنی والہانہ عقیدت کی بنا پر جو اُن کو صوفیائے کرام سے ہے ، اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس ترجمے پر نہ صرف نظرثانی کی ، بلکہ اس کو ایڈٹ کیا اور اپنے گراں قدر مشوروں اور اہم تجاویز سے نوازا ۔ میری زبان ، میرا قلم اور میرا دل اُن کے جذباتِ شکر سے معمور ہے ۔ اگر قلم جذباتِ دلی کا آئینہ دار ہے تو میں اس حقیقت کو

برملا سپردِ قلم کر رہا ہوں کہ میں اشفاق احمد صاحب کے اس علمی احسان کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا ۔

اعجازالحق قدوسی

قدوسی منزل، ۵۰/۳۵/۵
لیاقت آباد ، کراچی - ۱۹

امیر خورد مصنف ''سیر الاولیاء'' کی سوانح

امیر خورد (مصنف ''سیر الاولیاء'') کے سوانحی حالات کی طرف بہت کم تذکرہ نگاروں نے توجہ دی ہے۔ ''اخبار الاخیار''، ''خزینۃ الاصفیاء'' اور ''نزہۃ الخواطر'' (جلد ۲) میں جو معلومات اُن کے متعلق اور اُن کے خاندان کے متعلق ہمیں ملتی ہیں، وہ اس قدر مختصر ہیں کہ اس کی کوئی مکمل تصویر تو کیا، ہلکا سا خاکہ بھی ہمارے سامنے نہیں آتا۔ موخرالذکر دو تذکرے یعنی ''خزینۃ الاصفیاء'' اور ''نزہۃ الخواطر''، ''اخبار الاخیار'' کی محدود معلومات ایک دوسرے سے نقل کرتے ہیں اور ہماری معلومات میں ''اخبار الاخیار'' کی بخشی ہوئی معلومات کے علاوہ کوئی اضافہ نہیں کرتے۔

اب ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اس کی کتاب ''سیر الاولیاء'' سے اُس کی داستان زندگی کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو یک جا کر کے اُس کی سوانح حیات مرتب کریں، تاکہ وہ اس کی زندگی کی مکمل تصویر ہوں اور اسے ایک دستاویزی حیثیت بھی حاصل ہو کہ وہ خود اس کے تحریر کیے ہوئے ہیں۔

مصنف ''سیر الاولیاء'' امیر خورد اپنے آئینے میں

مصنف کا نام، خاندان اور اجداد

''سیر الاولیاء'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصنف کا نام محمد، لقب امیر خورد، والد کا نام نورالدین مبارک اور دادا کا نام سیّد محمد بن محمود علوی تھا۔ اس کا آبائی وطن کرمان تھا۔ یہ خانوادۂ علوی کا چشم و چراغ تھا۔ اور اس کا نام محمد بھی حضرت سلطان المشائخ نے تجویز فرمایا تھا۔

سیّد محمد علوی :

امیر خورد کے بیان کے مطابق سب سے پہلے اُن کے دادا سیّد محمد کرمانی جو کرمان کے ایک خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ، بغرض تجارت کرمان سے لاہور آئے اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی شہرت سن کر حضرت بابا فریدؒ کی عقیدت و محبت کا چراغ اُن کے قلب میں روشن ہو گیا ۔ واپسی میں وہ حضرت بابا فریدؒ کی قدم بوسی کے لیے اجودھن پہنچے ۔ اس ملاقات نے آتشِ اشتیاق کو تیز تر کر دیا ۔ اب اُن کا معمول ہو گیا کہ جب وہ اپنی تجارت کے سلسلے میں لاہور آتے تو واپسی میں اجودھن حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے ۔ پھر اپنے چچا سیّد احمد کی خدمت میں ملتان حاضر ہوتے ، جو بقولِ امیر خورد ملتان میں ٹکسال کے افسر تھے ۔

اس بار بار کی آمد و رفت نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی محبت و عقیدت کو اس درجہ بڑھایا کہ وہ تجارت کو ترک کر کے اجودھن کے ہو رہے اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی بیعت سے مشرف ہو کر اجودھن ہی میں یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے ۔

امیر خورد کا بیان ہے کہ میرے دادا کو بابا فریدؒ سے خرقہ بھی ملا تھا ۔ وہ اپنے خاندانی تبرکات و آثار کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ جامہ ، جو شیخ شیوخ العالم سے میرے دادا کو ملا تھا ، پھر میرے والد کو ملا اور سلطان المشائخ کا جامہ اور بابا فریدؒ کے پوتے شیخ علاء الدین کا جامہ بھی میرے دادا کو ان بزرگوں سے ملے ۔ ان سب جاموں کو میرے دادا نے اکٹھا سی لیا تھا ۔ پھر وہ جامے میرے والد سے مجھے ملے ۔ اس تحریر کے وقت یہ تبرکات میرے خاندان میں موجود ہیں ۔ اس کے علاوہ جو چیزیں میرے چچاؤں کو سلطان المشائخؒ سے ملی تھیں ، وہ بھی ہمارے خاندان میں موجود ہیں ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب سلطان المشائخؒ کے ابتدائی قیام کے زمانے میں مصنف کے دادا کو ملا تھا ، جب کہ سلطان المشائخؒ دہلی میں راوت عرض کے گھر میں مقیم تھے ، وہ بھی اپنے متعلقین کے ساتھ اجودھن سے آ کر سلطان المشائخؒ کے ساتھ راوت عرض کے گھر کی دوسری منزل میں مقیم ہوئے ۔ سلطان المشائخؒ اور (میرے دادا) سیّد محمد میں بڑی محبت تھی ۔ شیخ شیوخ العالم نے ان دونوں کے متعلق فرمایا تھا کہ تم دونوں کے درمیان بھائیوں کا رشتہ ہے ۔ وہ اٹھارہ سال تک

شیخ شیوخ العالم کے مرید رہے اور آپ کی وفات کے بعد بارہ سال تک سلطان المشائخ کی تربیت میں رہے -

سیّد محمد نے ۷۱۱ھ (۱۲ - ۱۳۱۱ء) میں دہلی میں وفات پائی اور چبوترہ یاراں پر مدفون ہوئے -

(''سیرالاولیاء'' فارسی ، صفحات ۲۴۲ - ۲۴۳)

مصنف کی دادی :

''سیرالاولیاء'' کے اندراج سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے دادا نے اپنے چچا کی بیٹی بی بی رانی سے شادی کی تھی اور ابتداءً ملتان میں سکونت اختیار کی ، لیکن بعد میں وہ ملتان کی سکونت ترک کر کے اپنے اہل و عیال کے ساتھ اجودھن آ گئے -

بی بی رانی بھی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی مرید تھیں اور بڑی عابدہ زاہدہ خاتون تھیں - بی بی رانی کو یہ شرف بھی حاصل ہوا تھا کہ اُن کی دی ہوئی چادر حضرت بابا فریدگنج شکرؒ کے جنازے پر ڈالی گئی تھی - اس ضمن میں امیر خورد نے لکھا ہے کہ وفات کے بعد جب شیخ شیوخ العالم کو غسل دیا گیا ، اس موقع پر لوگوں نے ایک چادر مانگی تاکہ آپ کے جنازے پر ڈالی جائے - میرے والد نے بیان کیا کہ مجھے خوب یاد ہے کہ تمھارے دادا جلدی سے گھر میں آئے اور تمھاری دادی سے ایک چادر مانگی - اُنھوں نے ایک نئی اور سپید چادر تمھارے دادا کو دی - وہی چادر آپ کے جنازے پر ڈالی گئی -

''سیرالاولیاء'' میں ہے کہ بی بی رانی نے اجودھن کے قیام کے زمانے میں سلطان المشائخ کی بڑی خدمت انجام دی تھی - وہ آپ کے کپڑے میلے دیکھتیں تو دھو دیتیں اور آپ کے پھٹے ہوئے کپڑوں میں پیوند لگا دیتی تھیں -

مصنف کے نانا :

''سیرالاولیاء'' کے اندراج کے مطابق مصنف کے نانا کا نام مولانا شمس الدین دامغانی تھا ، جو سلطان المشائخ کے بہت دوست تھے اور سلطان المشائخ بھی اُن کا بڑا احترام کرتے تھے -

سیّد محمد کی اولاد :

سیّد محمد کے چار صاحبزادے تھے ، جن کے نام یہ ہیں :

(۱) سیّد نورالدین مبارک
(۲) سیّد کمال الدین احمد
(۳) سیّد قطب الدین حسین
(۴) سیّد خاموش

سیّد نورالدین مبارک :

سیّد نورالدین مبارک ، سیّد محمد کرمانی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے ۔ اُن کی کنیت ابوالقاسم تھی ۔ یہ امیر خورد کے والد بزرگوار ہیں ۔ سیّد نورالدین ، شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی حیات میں اجودھن میں پیدا ہوئے ۔ سلطان المشائخ ان کو سیّد کہہ کر پکارتے تھے ۔ سلطان المشائخ سے بھی تربیت حاصل کی ۔ حضرت شیخ شیوخ العالم بابا فریدؒ نے بچپن میں اپنے منہ کا پان ان کے منہ میں رکھا تھا ۔ سیّد نورالدین نے شیخ علاء الدین کے ساتھ مولانا بدرالدین سے تعلیم پائی تھی ۔

آخر نوے سال کی عمر میں ۵ ، ماہ صفر ۷۳۹ھ (۱۳۳۸ء) کو وفات پائی اور اپنے والد کے پہلو میں چبوترۂ یاراں پر مدفون ہوئے ۔ سیّد نورالدین مبارک نے تین صاحبزادے چھوڑے :

(۱) سیّد محمد کرمانی مصنف ''سیرالاولیاء''
(۲) سیّد لقمان
(۳) سیّد داؤد

سیّد کمال الدین احمد :

سیّد کمال الدین احمد بن سیّد محمد کرمانی کا دوسرا نام امیر احمد بھی تھا ۔ ان کا یہ نام ایک مجذوب صاحبِ نعمت نے رکھا تھا ۔ وہ محمد تغلق کے عہد میں تلنگانے کے لشکر میں ''خان'' بھی رہے تھے ، لیکن اس کی کسی ناراضی کی وجہ سے وہ بھاکسی کے قید خانے میں ، جو دیوگیر کے قریب تھا ، ڈال دیے گئے ۔ بھاکسی کی جیل سے رہا ہوکر ملک معظم کے عہدے پر فائز ہوئے ۔

سیّد کمال الدین نے نواسیر کی بیماری میں بکم جمادی الاخری ۷۲۹ھ (۱۳۲۸ء) میں وفات پائی اور دہلی میں حوض یاران پر مدفون ہوئے۔

سیّد کمال الدین کے دو صاحبزادے تھے ، جن کے نام یہ ہیں :

(۱) عمادالحق والدین

(۲) سید نورالدین

مصنف کے منجھلے چچا سیّد قطب الدین حسین (سیّد السادات) :

امیر خورد کے منجھلے چچا سیّد قطب الدین حسین تھے ، جو سیّد السادات سیّد حسین کے لقب سے مشہور تھے ۔ یہ بارگاہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی میں بڑا اثر و رسوخ رکھتے تھے ۔ سلطان المشائخ کے مرید خاص تھے اور سلطان المشائخ نے ان کو منہ بولے بیٹے ہونے کا شرف بھی بخشا تھا ۔ ساری عمر مجرد بسر کی ۔ ''سیرالاولیاء'' میں بڑی کثرت سے روایتیں اُن سے منقول ہیں ۔ اُنھیں سلطان المشائخ کی ہمنشینی ، تکلّم اور اسرار و انوار سے مشرف ہونے کا شرف بھی حاصل تھا ۔ یہ بزرگ خواجہ احمد جہاں ایاز وزیر سلطان محمد تغلق کے ساتھ دیوگیر بھی گئے تھے ۔

آخر عمر میں فالج میں مبتلا ہوکر ۲۱ ماہ شعبان ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) سیّد السادات نے وفات پائی ۔

مصنف کے چھوٹے چچا سیّد خاموش :

امیر خورد کے تیسرے چچا سیّد خاموش تھے ۔ اُنھوں نے قاضی محی الدین کاشانی سے ''مجمع البحرین'' ، ''ہدایہ'' اور فقہ کی بعض کتابیں پڑھی تھیں ۔ آپ نے سلطان المشائخ کی نگرانی میں تربیت پائی تھی ۔ ہمیں اس کتاب کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سماع سے غیرمعمولی ذوق رکھتے تھے ۔ ان کے گھر میں اکثر مجلس سماع منعقد ہوتی تھی اور سلطان المشائخ ان کی مجلس سماع میں شریک ہوتے تھے ۔

سیّد خاموش نے عنفوان شباب ہی میں دیوگیر میں ۷۳۲ھ (۳۲ - ۱۳۳۱ء) میں مرض اسہال سے وفات پائی اور دیوگیر میں خواجہ خضر نامی مقام پر مدفون ہوئے ۔

سیّد محمد بن سیّد نورالدین مبارک مصنفِ ''سیرالاولیاء''

ہم گزشتہ اوراق میں ذکر کر چکے ہیں کہ سیّد نورالدین مبارک کے تین صاحبزادے یعنی سیّد محمد بن مبارک علوی کرمانی معروف بہ امیر خورد ، سیّد لقمان اور سیّد داؤد تھے ۔

سیّد نورالدین مبارک کی اولاد میں سیّد محمد مبارک معروف بہ امیرخورد وہ گوہر گراں مایہ ہیں کہ جنھوں نے آٹھویں صدی ہجری میں بعہدِ فیروز تغلق سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے قدیم بزرگوں کا یہ تذکرہ ''سیرالاولیاء'' کے نام سے لکھا اور شاہدِ عینی کی حیثیت سے ایک ایسی پاکیزہ محفل آراستہ کی ، جس کی خوشبو اہلِ نظر کے مشامِ جاں کو آج بھی معطر بنائے ہوئے ہے ۔ زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے ، اس کتاب کی اہمیت و افادیت سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے تحقیقی کام کرنے والوں پر کھلتی جاتی ہے ۔

تعلیم و تربیت :

امیر خورد دہلی میں پیدا ہوئے ۔ جب یہ پیدا ہوئے تو امیر خورد کے دادا اور نانا نے سلطان المشائخ سے ان کا نام تجویز کرنے کی درخواست کی ۔ سلطان المشائخ نے امیر خورد کا نام محمد تجویز فرمایا ۔ اسی شہر میں انھوں نے تعلیم و تربیت حاصل کی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے والد نے اُن کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی ۔ اسی کتاب میں اپنے والد کے حالات کے ضمن میں انھوں نے لکھا ہے کہ میرے والد نے میری تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی اور میرے اساتذہ پر بہت روپیہ صرف کیا تھا ۔ امیر خورد کی تعلیم و تربیت پر اُن کے والد کی خاص توجہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اسی کتاب میں امیر خورد نے مولانا فخرالدین زرّادی کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ اُسی زمانے میں میرے والد نے سلطان المشائخ کے گھر کے قریب ایک مکان کرائے پر لے کر مدرسہ قائم کیا تھا ، جس میں ذہین اور طبّاع طالب علموں کو جمع کیا تھا ، تاکہ کاتبِ حروف بھی ان طالب علموں کے ساتھ کچھ پڑھ جائے ۔ وہ خود بھی اس مدرسے میں درس دیا کرتے تھے ۔

امیر خورد کے جوہر قابل کو کن کن اساتذہ نے نکھارا اور سوارا ، ہمیں ان کی تفصیل اس کتاب میں زیادہ نہیں ملتی ، لیکن پھر بھی بعض بعض جگہ امیر خورد نے اپنے چند اساتذہ کے نام لیے ہیں ۔ ''سیرالاولیاء'' میں انھوں نے اپنے جن اساتذہ کا نام لیا ہے ، ان میں مولانا فخرالدین زرّادی ، مولانا رکن الدین اندرپتی ، مولانا علاء الدین اندرپتی اور قاضی شرف الدین ہیں ۔

''سیرالاولیاء'' میں ہے کہ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے زمانۂ طالب علمی میں ، جب وہ مولانا زرّادی سے تعلیم پاتے تھے ، ان کا امتحان بھی لیا تھا ۔

شادی :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد امیر خورد نے اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کی تھی اور اُن کے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا تھا ، جس کا نام محمود تھا ۔ امیر خورد نے ایک خواب کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس خواب کی دیکھنے والی خاتون میرے چچا سیّد کمال الدین احمد بن محمد کی بیٹی ہے اور جو میری بیوی ہے ۔ وہ میرے چچا سیّد السادات کے وسیلے سے سلطان المشائخ کی مرید ہوئیں ۔ اپنے بیٹے سیّد محمود کے متعلق اُنھوں نے لکھا کہ اس کا یہ نام حضرت چراغ دہلی نے رکھا تھا اور اس کی تاراتی کے لیے دستارچہ ، مبارک کپڑا بھی عنایت فرمایا تھا ۔

''سیرالاولیاء'' میں ہے کہ وہ اور حضرت اخی سراج مولانا رکن الدین کی درس گاہ میں ہم سبق تھے اور دونوں نے ''قدوری'' ، ''کافیہ'' ، ''مفصل'' اور ''مجمع البحرین'' ایک ساتھ پڑھی تھیں ۔ قاضی شرف الدین سے اُنھوں نے ''دیوان احسن'' پڑھا تھا ۔

امیر خورد کی حضرت سلطان المشائخ سے بیعت :

امیر خورد نے سلطان المشائخ سے اپنی بیعت کا واقعہ لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے نانا مولانا شمس الدین دامغانی میرے دونوں بھائیوں سیّد لعل اور سیّد داؤد کو سلطان المشائخ کی خدمت میں لے کر آئے اور عرض کیا کہ یہ آپ کے دعاگو سیّد مبارک کے بیٹے ہیں اور آپ کی مریدی کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، مولانا ! یہ

میرے بیٹے بھی ہیں ۔ یہ فرما کر آپ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا اور بنی بیعت سے مشرف کیا ، لیکن گریہ کی کیفیت کی وجہ سے تلقین نہ رما سکے ۔

حضرت سلطان المشائخ سے جو امیر خورد کو بے پایاں عقیدت و محبت تھی اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ وہ "سیرالاولیاء" میں سلطان المشائخ پر اپنے گل ہائے عقیدت و محبت کو نچھاور کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ۔

اس بندہ کمینہ کی کیا طاقت کہ ایسے بادشاہ (سلطان المشائخ) کے اوصاف اس ناپاک زبان سے بیان کرے ۔ ۔ ۔ حق تعالیٰ علیم و علّام ہے کہ جب اس بادشاہ کے جمال ولایت کا تصوّر میرے دل میں گزرتا ہے تو میں مدہوش و متحیر ہو جاتا ہوں کہ کیا لکھوں اور اس عدیم المثال ذات کے اوصاف کو کس طرح عبارت میں سموؤں کہ اُن کے اوصاف کے لیے کوئی عبارت اور کوئی استعارہ متحمل نہیں ہوتا ۔ ۔ لیکن جب سلطان المشائخ کی آتش محبت کا شعلہ میرے دل میں بھڑکتا ہے اور دل کے آئینے کو ، جو بشریت کی کدورت سے آلودہ ہے ، انوار محبت سے روشن کرتا ہے تو میں اپنے بس میں نہیں رہتا اور میرے ہر روئیں سے ، جو میرے جسم پر ہے ، نعرۂ شوق بلند ہوتا ہے ۔

امیر خورد حضرت سلطان المشائخ کے مخلص مرید تھے ۔ اُنھوں نے حضرت سلطان المشائخ کے متعلق اپنے مشاہدات و واقعات اور ان کے فرمودات ، ملفوظات اور نوشتوں کو ، جہاں کہیں الفاظ کا جامہ پہنایا ہے ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرط عقیدت سے قلم کاغذ کا منہ چوم رہا ہے ۔

حضرت چراغ دہلی سے بیعت :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے وصال کے بعد امیر خورد نے حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے بیعت کر کے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا ۔

صاحب "اخبارالاخیار" اور صاحب "خزینۃ الاصفیاء" نے سیّد محمد بن سیّد محمود (جد مصنف "سیرالاولیاء" اور سیّد محمد بن مبارک مصنف "سیرالاولیاء") کا تذکرہ کیا ہے ۔ صاحب "اخبارالاخیار" نے مصنف "سیرالاولیاء" کے متعلق لکھا کہ انھوں نے بچپن میں شیخ نظام الدین

محبوب الٰہی سے بیعت کی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے تربیت حاصل کی۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے اپنی تالیف "خزینۃ الاصفیاء" میں امیر خورد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

"امیر خورد سلطان المشائخ کے مریدوں میں تھے اور شیخ نصیر الدین محمود کے اعظم خلفاء میں تھے۔ امیر خورد بچپن ہی میں سلطان المشائخ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور آپ کی وفات کے بعد تکمیل و تربیت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے حاصل کی۔ ... سید محمد بن مبارک نے عہد سلطان فیروز شاہ میں ۷۷۰ھ (۶۹ - ۱۳۶۸ء) میں وفات پائی۔"

خاندانِ مصنف کا بارگاہ فریدیہ اور نظامیہ میں قرب و اختصاص:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کرمان کے اس عظیم المرتبت خاندان کا ہر فرد شیخ شیوخ العالم بابا فرید گنج شکرؒ اور سلطان المشائخ محبوب الٰہی کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔ قدرت نے ذوق تصوف اس خاندان کے ہر فرد کی فطرت میں ودیعت کیا تھا۔ یہ دونوں بزرگ شمع تھے اور یہ خاندان ان کا پروانہ۔ یہ دونوں بزرگ بھی اس خاندان کے ہر فرد پر غیر معمولی شفقت و مرحمت فرماتے تھے۔ جو قرب و اختصاص بارگاہِ فریدیہ اور نظامیہ میں اس خاندان کے افراد کو حاصل تھا، وہ دوسروں کو میسر نہ آ سکا۔ چنانچہ اس خاندان کی عقیدت و محبت اور ان دونوں بزرگوں کی اس خاندان پر شفقت و مرحمت کی داستان اس کتاب کے اوراق میں بکھری ہوئی ہے۔ ان روایات کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کرمان کا یہ خاندان بھی ان دونوں بزرگوں کے خانوادے میں داخل ہے۔ اس یگانگت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ امیر خورد نے ایک جگہ اس کتاب میں لکھا کہ میرے دادا سید محمد کرمانی شیخ شیوخ العالم بابا فریدؒ کے خاندان کے محرم کرامت تھے۔

ویسے بھی حضرت شیخ شیوخ العالم سے اس خاندان کی بعض رشتہ داریوں کی طرف بھی یہ کتاب ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

مثلاً ایک جگہ امیر خورد نے لکھا کہ میرے والد سید مبارک کرمانی اور شیخ علاء الدین نواسۂ حضرت بابا فریدؒ دونوں دودھ شریک بھائی تھے۔

ایک اور جگہ انھوں نے لکھا کہ عزیز الملت خواجہ نظام الدین ، جو شیخ شیوخ العالم کے پوتے ہیں ، اُن کی والدہ میری پھوپھی تھیں ۔

ایک اور جگہ امیر خورد نے تحریر کیا کہ سلطان المشائخ نے میرے چچا سیّد السادات سیّد حسین کو منہ بولے بیٹے ہونے کا شرف عنایت فرمایا تھا ۔

معیشت :

ہمیں ''سیرالاولیاء'' کے اندرجات سے کہیں اس کا پتا نہیں چلتا کہ امیر خورد کا ذریعۂ معیشت کیا تھا اور وہ کس ذریعہ سے روزی حاصل کرتے تھے ۔ لیکن یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ یہ خانوادہ ایک خوش حال گھرانا تھا ۔ اس خاندان کے افراد عام طور پر خوش حال تھے ۔

دوست و احباب :

اپنے مخلص ترین دوستوں کی فہرست میں امیر خورد نے جن کے نام لیے ہیں ، وہ امیر خسرو اور امیر حسن سجزی ہیں ۔ ان دونوں کے متعلق امیر خورد نے لکھا ہے :

''سالہا سال میرے امیر خسرو اور امیر حسن سے خلوص اور یگانگت کے تعلقات رہے ہیں ۔ وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اور نہ میں اُن کی ہم نشینی کے بغیر زندگی بسر کر سکتا تھا'' ۔

ہم عصر تاریخ ، ملفوظات اور تذکرے :

امیر خورد ''تاریخ فیروز شاہی'' کے مؤلف ضیا برنی کے ہم عصر ہیں ۔ دونوں ایک دوسرے کے دوست ہیں ۔ دونوں حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے مرید ہیں ۔ دونوں ایک عہد کے مورخ و تذکرہ نگار ہیں ۔ ضیا برنی نے اپنے قلم کو اُس دور کے بادشاہوں اور امرا کے حالات کی طرف موڑا ۔ اس کی تاریخ ، اُس عہد کی سیاسی اور ملوکی تاریخ ہے ۔ اُس کی تاریخ میں ہمیں اس عہد کی معاشرتی تمدنی اور علمی جھلکیاں بھی کہیں کہیں ملتی ہیں ۔ سیاسی و ملوکی تاریخ کا جو حسین گل دستہ ضیا برنی نے تیار کیا ہے ، وہ بلاشبہ آج بھی اس کے نام کو حیاتِ دوام بخشے ہوئے ہے ۔

لیکن یہ امر یقینی ہے کہ ضیا برنی نے "تاریخ فیروز شاہی"، "سیرالاولیاء" سے قبل لکھی تھی، کیونکہ "تاریخ فیروز شاہی" کے بعض اقتباسات بجنسہٖ بغیر حوالے کے اس میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ امیر خورد نے ضیا برنی کا تذکرہ بڑی محبت سے کیا ہے اور جہاں برنی کی تصانیف کا ذکر کیا ہے اس میں "تاریخ فیروز شاہی" کا نام بھی لیا ہے۔

"سیرالاولیاء" کے اندراج سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضیا برنی نے امیر خورد کی زندگی میں وفات پائی تھی۔ وہ اس کی وفات کا حسرت ناک واقعہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

> "وفات کے وقت ان کے پاس روپیہ پیسہ کچھ نہ تھا، بلکہ اپنے کپڑے بھی اُنھوں نے راہِ خدا میں خیرات کر دیے تھے۔ اُن کے جنازے پر ایک چادر اور ایک بوریا تھا۔ یہ اثر سلطان المشائخ کی صحبت کا تھا، جو بادشاہوں کی صحبت پر غالب تھی کہ ان کا انجام بخیر ہوا۔"

اس کے علاوہ برنی نے عہد فیروز شاہ میں اپنی تصنیف "تاریخ فیروز شاہی" سلطان فیروز شاہ کے چھٹے سال کے احوال و آثار پر ختم کی ہے اور خاتمے پر فیروز شاہ کے عہد کے باقی احوال و آثار لکھنے کی تمنا ظاہر کی ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہلت نے اُسے اس تمنا کی تکمیل کی فرصت نہ دی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "تاریخ فیروز شاہی" ۷۵۸ھ (۱۳۵۷ء) میں مکمل ہوئی، کیونکہ فیروز شاہ کا عہدِ سلطنت، محرم ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) سے لے کر ۷۹۰ھ (۱۳۸۸ء) تک ہے۔

"فوائد الفواد":

یہ کتاب حضرت سلطان المشائخ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور اسے امیر حسن سجزی نے قلم بند کیا تھا۔ امیر خورد نے امیر حسن سجزی کے حالات کے ضمن میں اس کتاب کے متعلق "سیرالاولیاء" میں لکھا ہے:

> "ان کی ایک بڑی سعادت یہ بھی ہے کہ انھوں نے سلطان المشائخ کے روح افزا ملفوظات (فوائد الفواد کے نام سے) قلم بند کیے اور آپ کے ملفوظات کو حتی الامکان بعینہٖ محفوظ کیا۔ آج "فوائدالفواد"

عالم کے اہلِ دل میں مقبول ہے اور عشاق اُسے اپنا دستورالعمل بنائے ہوئے ہیں ۔''

''سیرالاولیاء'' :

لیکن وہ جس نے اُس دور کی روحانی تاریخ کو اپنے قلم و قرطاس کی زینت بنا کر معاصرین کو ایک نیا پیغام دیا ، جس نے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ بالخصوص حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی اور اُن کے عظیم المرتبت خلفاء کے حالات ، واقعات اور تعلیمات کو عام کر کے ، جن تک رسائی اس کی تصنیف ''سیرالاولیاء'' کے بغیر ممکن نہ تھی ، ایک نئی روحانی صبح طلوع کی ، وہ محمد بن مبارک معروف بہ امیر خورد ہے جس کی شہرۂ آفاق تصنیف کاشنیر تاریخ و تذکرہ میں ایک ممتاز اور منفرد حیثیت رکھتی ہے ۔

''سیرالاولیاء'' کا سنۂ تصنیف :

ہم نے بہت کوشش کی کہ ''سیرالاولیاء'' کے سنۂ تصنیف کو یقینی طور پر متعین کر سکیں ، لیکن افسوس ہے کہ ہم اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے ۔

برٹش میوزیم کے کیٹلاگ اور ''سیرالاولیاء'' کے دیباچے سے اس قدر پتا چلتا ہے کہ یہ تذکرہ امیر خورد نے فیروز شاہ کے عہد میں لکھا تھا ، جب کہ اُس کی عمر پچاس سال کی تھی ۔

یہ امر بھی یقینی ہے ، جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں ذکر کر آئے ہیں ، کہ یہ تذکرہ ''تاریخ فیروز شاہی'' (برنیؒ) کے بعد لکھا گیا اور ضیا برنی نے اپنی تاریخ ۷۵۸ھ (۱۳۵۷ء) میں مکمل کی ۔

چونکہ اس کے اقتباسات ''سیرالاولیاء'' میں موجود ہیں ، اس لیے اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ''تاریخ فیروز شاہی'' کی نشر و اشاعت میں بھی کچھ مدت صرف ہوئی ہوگی جس کے مکمل ہونے کے بعد امیر خورد نے ۷۶۱ھ (۱۳۵۹ء) میں اپنی کتاب کو لکھنا شروع کیا ہوگا ، اور اس کی عمر اس وقت پچاس سال کی تھی ، جیسا کہ اس نے اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے ، تو امیر خورد کا سنہ ولادت ۷۱۱ھ (۱۳۱۱ء) کے لگ بھگ قرار پاتا ہے اور صاحبِ ''خزینۃ الاصفیاء'' نے اُس کا سنہ وفات ۷۷۰ھ (۶۹ - ۱۳۶۸ء) بالصراحت قرار دیا ہے ، تو اس کا مطلب یہ ہے

کہ ''سیرالاولیاء'' سنہ ۷۶۱ھ اور ۷۷۰ھ کے درمیان کسی وقت لکھی گئی ہوگی اور امیر خورد نے ۹۵ سال کی عمر میں فیروز شاہ کی وفات (۷۹۰ھ) سے بہت پہلے وفات پائی اور امیر خورد کی وفات کے [illegible] فیروز شاہ نے وفات پائی۔ یہ جو امر کہ ''سیرالاولیاء'' کے خاتمے پر امیر خورد نے فیروز شاہ کی تاریخ وفات ''فیروز'' نکالی ہے تو ہم وہیں حاشیے میں لکھ چکے ہیں کہ یہ عبارت الحاقی ہے اور صرف مطبوعہ نسخے میں ملتی ہے۔ ''سیرالاولیاء'' کے قدیم مخطوطوں میں اس کا وجود نہیں۔

• • •

مقدمہ

تصوف کی بنیاد اسلام ہے۔ اسلامی تصوف اخلاق و کردار پر زور دیتا ہے، اور اسلام کے اصولوں کو عملی صورت میں پیش کرتا ہے۔ صوفیائے کرام نے عملی کردار کے ذریعے اسلام کو دور دور پھیلانے کی جو خدمت انجام دی ہے اور عوام کے کردار کو جس طرح سنوارا ہے وہ تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ صوفیہ کے عقیدوں کی اساس قرآن اور رسولِ کریمؐ کا کردار و گفتار ہے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کا قول ہے کہ ''مشرب پیر حجت نمی شود۔ دلیل از کتاب و حدیث می باید'' (''اخبار الاخیار'' از شیخ عبدالحق محدث دہلوی)۔ حضرت جنید بغدادیؒ قرآنِ کریم اور سنتِ نبیؐ کو دو ''چراغ'' قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ''انہیں کی روشنی میں راستہ طے کرنا چاہیے تاکہ نہ تو شبہے کے گڑھوں میں گرے نہ بدعت کے اندھیرے میں پھنسے'' ـــ حضرت [illegible]ہیم شہؒ کا کہنا ہے کہ ''اگر تم فقرا کے مراتب کا پتا لگانا چاہو تو ان کے اتباعِ سنت و شریعت پر نظر کرو کہ شریعت معیار ہے۔ اس کسوٹی پر فقیر کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔''

ہر عہد کے صوفیہ نہ صرف اخلاق و کردار میں بڑے پائے کے بزرگ گزرے ہیں بلکہ حصولِ علم کے قائل تھے۔ بابا فرید گنج شکرؒ کا قول کہ جاہل پیر، مسخرِ شیطان ہو جاتا ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی بے علم لوگوں کو اپنا خلیفہ بنانے سے گریز کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ نے علم کو پیر کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔ کتابوں میں یحییٰ بن معاذ رازی کا قول موجود ہے کہ تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے بچنا چاہیے:

ایک غافل عالم سے،
دوسرے مکار فقیر سے،
تیسرے جاہل صوفی سے،

اسلامی تصوّف، اسلام سے الگ کوئی شے نہیں ہے۔ صوفیہ کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصوّف فی الحقیقت قرآنِ کریم کی تعلیم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گفتار و کردار یعنی اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار پر زور دیتا ہے۔ گویا اسلامی تعلیمات کی عملی تصویر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کلام اللہ موجود ہے، احادیثِ نبوی کی شمع اور کردارِ نبی کا مینارِ نور راستہ دکھلا رہا ہے تو پھر تصوّف و صوفی کی کیا ضرورت باقی رہی؟ وہ کیوں وجود میں آئے ـــ تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔ صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ صوفیہ کا گروہ بعض تاریخی عوامل کی بنا پر وجود میں آیا۔ اس گروہ کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کو اور اُن کے عقائد کو طاغوتی قوتوں کی زد سے بچائیں ـــ اور وہ اس طرح کہ خود باری تعالیٰ کے احکامات اور نبی کریم کے ارشادات پر عمل کر کے دکھلائیں اور دوسروں کو ترغیبِ عمل دیں:

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو
پیکرِ عمل بن کر مظہرِ خدا ہو جا

وہ تاریخی عوامل کیا تھے جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد جب خلافت، ملوکیت میں تبدیل ہو گئی تو شاہانہ کرّ و فر اور طاقت و جبروت کے جلو میں ظلم و استبداد کا دیو نمودار ہوا ـــ فتوحات تو بہت ہوئیں ـــ اسلام کا پرچم مشرق و مغرب میں لہرانے لگا ـــ لیکن رفتہ رفتہ جہاد فی سبیل اللہ کی روح کا خاتمہ ہوتا چلا گیا اور اقتدار کی ہوس بڑھ گئی۔ خدا کے بعض نیک بندوں سے یہ صورت نہ دیکھی گئی۔ چنانچہ انھوں نے ملوکیت سے قطع تعلق کر لیا ـــ تاریخ کا مبصر کہتا ہے کہ ان صلح جُو، صالح طبیعت بزرگوں کے سامنے تین راستے تھے:

یا تو بادشاہوں اور حاکموں کی کھلم کھلا مخالفت کریں،
یا اُن کی ہاں میں ہاں ملائیں،
یا ترک تعلق کر کے خود اپنا نمونہ عوام کے سامنے پیش کریں
ـــ صوفیہ کے اوّلین گروہ نے تیسرا راستہ اختیار کیا۔

ابھی تو اسلام کی پہلی ہی صدی تھی۔ اگر وہ مخالفت کرتے تو اندیشہ تھا کہ ملت پارہ پارہ ہو جائے ـــــ مخالف طاقتیں تو عرصے سے تاک میں تھیں کہ جہاں کمزوری دیکھیں ضرب کاری لگائیں اور دین محمدیؐ کا نعوذ باللہ خاتمہ کر دیں۔ اگر موافقت کرتے تو گویا بادشاہوں اور حاکموں کی تمام دلیسیوں پر صاد کرتے اور اُن کی سختی کے شریک کار ہو جاتے جس کی نہ شریعت اجازت دیتی تھی نہ اُن کی طبیعت۔ لہٰذا آج کل کی زبان میں انھوں نے ترک موالات اور غیر متابعت کی پالیسی کو اپنا لیا۔ محلوں اور درباروں سے منہ موڑا، عبادت اور توبہ و استغفار میں مصروف ہو کر عوام کے سامنے نمونہ بن گئے۔ صوفیہ کے اس پہلے دور کی کہکشاں کے درخشندہ ستارے حضرت مالک دینارؒ، خواجہ حسن بصریؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ اور حضرت ابراہیم ادہمؒ اور ان کے دوسرے ہمعصر تھے۔

یہ بزرگ جاہ و حشم کے خلاف تھے۔ بادشاہوں سے ملتے جلتے نہ تھے اور اگر کبھی سامنا ہو جاتا تو انھیں سختی سے تنبیہ کرتے تھے۔ جو راستہ انھوں نے بتایا، کم و بیش اکثر صوفیہ اور زہاد اسی پر عمل پیرا رہے۔ روایت ہے کہ حضرت سفیان ثوری نے خلیفہ منصور کو منیٰ میں پکڑا اور کہا کہ تو بے شمار مال صرف کرتا ہے جب کہ حضرت عمرؓ سے ایک حج میں ۱۶ دینار خرچ ہوگئے تو وہ افسوس کرتے تھے کہ سارا بیت المال صرف ہو گیا ـــــ یہ طریق کار، نکوکاروں کا ہمیشہ طرۂ امتیاز رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے دین کے معاملے میں بادشاہِ وقت کی بات نہ مانی تو ان کے جسم پر کوڑے لگائے گئے ـــــ بعد میں قید کیے گئے لیکن انھوں نے اصول کو ہاتھ سے نہ چھوڑا یہاں تک کہ قید حیات و بند غم دونوں سے نجات مل گئی۔

بنو عباس کے دور میں یونانی فلسفے کا دور ہوا۔ یونان کے فلسفیوں کی کتابیں اونٹوں پر لاد کر دارالخلافے میں لائی گئیں ـــــ اس کے اثر سے "عقلیت" کی گھنگھور گھٹا اس زور و شور سے اُٹھی کہ عقائد کی روشنی پر اُس کی دھند چھانے لگی ـــــ اس دور کے صوفیہ کا طبقہ پھر سامنے آیا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ، معروف کرخیؒ، ذوالنون مصری، شیخ فریدالدین عطارؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ وغیرہ نے اس آڑے وقت میں کتاب اللہ کی حفاظت کی۔ ان بزرگوں نے عشقِ الٰہی پر زور دے کر

یقین و ایمان کی آبیاری کی اور تشکیک پر ضرب کاری لگائی۔ بایزید بسطامیؒ کہتے کہ "من" و "تو" کا پردہ کب تک۔ "من" الگ ہو تو پھر "تو" ہی "تو" ہے معروف کرخیؒ نے استغراق پر زور دیا۔ سری سقطی نے توحید کا نظریہ پیش کیا جو بعد میں وحدت الوجود کا پیش خیمہ بنا۔

جب فقہ کی تدوین کا دور آیا تو فکر و عمل کو ہم آہنگ کیا گیا، دسویں صدی میں تصوف کی تحریک بہت آگے بڑھی۔ گیارھویں صدی میں حضرت داتا گنج بخشؒ مصنف "کشف المحجوب" اور سلطان ابو سعید ابوالخیر پیدا ہوئے۔ اگلے سو سال کے اندر اندر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے شجر اسلام کی آبیاری کی۔ بارھویں صدی میں امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" لکھی۔ مولانا شبلی کی رائے میں اس کی گونج جلال الدین رومیؒ، ابن رشد اور شاہ ولی اللہ کے یہاں سنائی دیتی ہے —— حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے عملی اعتبار سے ارشاد و تلقین کا جو کام شروع کیا اس کے باعث ہزاروں غیر مسلم، اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے —— اجمیر میں پرتھوی راج کے عہد میں خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اپنی خانقاہ کی بنا ڈالی —— کفرستان ہند میں جہاں چھوت چھات اور برہمنی استحصال کا دور دورہ تھا، ایک زبردست سماجی انقلاب رونما ہوا —— ان کے خلفاء میں شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ حمیدالدین ناگوری ہوئے۔ شیخ قطب الدین کا سلسلہ بابا فرید گنج شکرؒ کے واسطے سے حضرت شیخ نظام الدین ولیاء محبوب الٰہی تک پہنچتا ہے، جنھیں عام آدمی حضرت سلطان جی کہتے ہیں —— یہی سلطان جی، "سیرالاولیاء" کا مرکزی کردار ہیں۔ ان سے پہلے کے دور میں جو کردار اس وقت کے صوفیہ نے ادا کیا وہی سلطنت دہلی کے زمانے میں حضرت نظام الدین نے ادا کیا اور اس طرح چراغ سے چراغ جلتا رہا اور اندھیروں کو شکست دیتا رہا۔

"سیرالاولیاء" فارسی میں ہے اس کے مصنف محمد بن مبارک علوی معروف بہ امیر خورد ہیں۔ مصنف کے بیان کے مطابق ان کا نام خود حضرت محبوب الٰہیؒ نے تجویز کیا تھا۔ امیر خورد، حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے ایک اور محبوب مرید حضرت امیر خسرو کے ہم عصر تھے۔

"سیرالاولیاء" کے مترجم مولانا اعجازالحق قدوسی نے امیر خورد کی سوانح پر اسی کتاب میں ایک نوٹ لکھا ہے لہٰذا اس پر مزید قلم فرسائی

کرنا تحصیل حاصل ہے ۔ البتہ ''سیرالاولیاء'' کے بارے میں چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں ۔

''سیرالاولیاء'' ایک ایسے بزرگ کی تصنیف ہے جس کے خاندان نے اپنے وقت کی برگزیدہ ترین ہستیوں سے کسب نور کیا تھا ۔ اس کے نانا ، دادا ، والد ، چچا حضرت بابا فرید گنج شکرؒ ، حضرت شیخ قطب الدین متور کالیؒ اور حضرت شیخ نظام الدینؒ سے قرب خاص رکھتے تھے ۔ خود مصنف محبوب الٰہی کی خانقاہ سے منسلک رہے ۔ لہٰذا وہ اکثر واقعات کا چشم دید گواہ ہے ۔ بعض روایات اس نے اپنے بزرگوں سے سنی جو سچے مسلمان ہونے کے باعث ثقہ راوی تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ''سیرالاولیاء'' نہایت مستند کتاب سمجھی جاتی ہے ۔ بعد کے مورخوں اور مصنفوں نے اسی کتاب سے بہت کچھ مواد حاصل کیا ہے ۔

''سلطنت دہلی'' ـــــ یعنی علائیوں ، خلجیوں اور تغلقوں کا دور بھی عجب دور تھا ۔ مسلمان تعداد میں کم تھے لیکن سیاسی اقتدار ان کے ہاتھ میں آ چکا تھا ۔ اسلام کی عظیم انسان تہذیب ، ہندوستان کے قدیم کلچر سے سے ٹکرا رہی تھی ـــــ برعظیم کے دروازے کھل چکے تھے ۔ ایران ، توران ، عراق و عرب کے علماء صلحاء اور صوفیہ شعرا برابر آ رہے تھے ۔ اور اس برعظیم میں ایک نیا معاشرہ جنم لے رہا تھا ـــــ حضرت نظام الدین اور اس سے قبل کا زمانہ اس معاشرے کے بچپن کا زمانہ ہے ـــــ صاحب ''سیرالاولیاء'' اسی کی تصویر پیش کرتا ہے ۔ اس کتاب میں مرکزی کردار حضرت نظام الدین ہیں لیکن اگلے زمانے کے سربرآوردہ صوفیوں اور ہم عصر عالموں ، صوفیوں اور مریدوں کا بھی تفصیلی ذکر موجود ہے ۔

اس کتاب سے ان تمام بزرگوں کے کردار و گفتار پر روشنی پڑتی ہے جس سے صاف پتا چلتا ہے کہ اسلام کا عملی نمونہ کیسا ہوتا ہے ؟ ـــــ اللہ اللہ کیسے لوگ تھے جو نہ طاقت و جبروت کے آگے سر جھکاتے تھے نہ دولت و ثروت سے مرعوب ہوتے تھے ۔ پھٹے کپڑے پہننے والے نان جویں کھانے والے ، لکڑیاں بیچ کر روزی حاصل کرنے والے ایسے غنی تھے کہ دولت کی تھیلیوں کو ٹھکرا دیتے تھے ۔ اس کتاب میں جگہ جگہ ایسے واقعات ملیں گے کہ حاکم اور بادشاہ ان برگزیدہ ہستیوں کو مرعوب و محکوم بنا کر رکھنا چاہتے تھے مگر یہ لوگ لا الہ الا اللہ کی عملی تفسیر و تصویر تھے ۔ جو سر خدا کے آگے جھکتا ہے وہ کسی اور کے سامنے کیوں جھکتا ۔

اس برعظیم میں ایک طرف تو بت پرستی اور چھوت چھات کی آندھیاں چلتی تھیں اور دوسری طرف اُمراء، دولت کے نشے میں سرشار تھے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ معاشرہ عدم توازن اور بے راہ روی کے باعث ڈگمگ کرنے لگا۔ عیش کوشی، شراب نوشی، قمار بازی، حیلہ طرازی، عام ہو گئی۔ اس نازک وقت میں حضرت نظام الدین اولیاء نے لوگوں کی رہنمائی کی ــــ۔ ادھر لوگ ان کی طرف کھنچنے لگے ادھر بادشاہ کو ان کی طرف سے کھچاؤ پیدا ہوا۔ بادشاہ جسم پر حکومت کر سکتے ہیں، دلوں پر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بادشاہوں کے دلوں میں چور ہوتا ہے۔ وہ صوفیہ کو بلا وجہ اپنا مدِ مقابل یا رقیب سمجھنے لگتے ہیں اور ان پر رعب جمانا چاہتے ہیں۔ ادھر تو یہ حالت ہوتی ہے ــــ اُدھر یہ کیفیت کہ باوجود مخالفتوں کے صوفی صاف، بے باک ہو کر ارشاد و تلقین کیے جاتا ہے:

ہوائیں ہیں تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروانہ

چنانچہ حضرت محبوب الٰہی کا دروازہ بھی ہر ایک کے لیے کھلا رہتا تھا۔ وہ لوگوں سے توبہ کراتے، شر سے روکتے اور خیر کی طرف بلاتے تھے۔ ان کی نظر، کیمیا اثر نے گرتے ہوئے معاشرے کو سنبھال لیا ــــ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر وقتاً فوقتاً ایسے بزرگ نہ پیدا ہوتے رہیں تو معاشرہ شکست و ریخت ہو جائے ــــ بادشاہ جاتم یہ نکتہ بھلا دیتے ہیں کہ متوازن معاشرہ جس میں نیکی اور ایمان‌داری کارفرما ہوتی ہے، خود اُن کے سیاسی اقتدار کی مضبوط بنیاد بن سکتا ہے کہ اسی سے حکومت میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ بدکرداری، بے ایمانی اور افراتفری کے سیلاب پر اگر بند نہ باندھا جائے تو وہ اور لوگوں کے ساتھ ساتھ امیروں اور حاکموں کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ تاریخ کا یہی سبق ہے لیکن عجیب بات ہے کہ تاریخ تو سب پڑھتے ہیں، سبق صرف چند لوگ لیتے ہیں۔

''سیرالاولیاء'' بھی ایک ایسی تاریخ اور اس قسم کے سوانح ہیں جس سے آج کے عوام اور اربابِ حل و عقد دونوں سبق لے سکتے ہیں۔ بابا فریدؒ، شیخ نظام الدینؒ اور حضرت بختیار کاکیؒ آج موجود نہیں ہیں لیکن اُن کی تعلیمات اور ارشادات تو موجود ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ خدا اور رسولؐ کے احکامات کو عملی جامہ کس طرح پہنایا جاتا ہے۔ اور بگڑے ہوئے معاشرے

کو کس عنوان سے سدھارا جاتا ہے۔ "سیرالاولیاء" دلچسپ ہونے کے علاوہ
سبق آموز کتاب بھی ہے۔ دلچسپی کا تو یہ عالم ہے کہ آپ بے تکان
پڑھتے چلے جائیے۔ آپ اس میں ایسے گم ہو جائیں گے --- اور قدیم صلحاء
کی محفلوں اور درگاہوں میں پہنچ جائیں گے --- آپ کو پتا بھی نہیں چلے گا
کہ وقت کدھر گیا۔

اصل کتاب فارسی زبان میں ہے لیکن فارسی کا رواج اب کم ہو چلا ہے
اہلٰذا مخدومی و محترمی مولانا اعجازالحق قدوسی ہمارے بے حد شکریے
کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اسے اُردو کا جامہ پہنایا اور اس طرح اس
بیش بہا خزانے کا منہ عام اُردو داں قاری کے لیے کھول دیا۔ کسی زبان
کی کتاب کو دوسری زبان میں ڈھالنا اور پھر اس کی روح کو برقرار رکھنا ہر
ایک کے بس کا کام نہیں --- لیکن مولانا اعجازالحق قدوسی اُن گنے چُنے
لوگوں میں سے ہیں جو عربی، فارسی اور اُردو پر قدرت کاملہ رکھتے ہیں۔
اسلام ان کا ایمان ہے اور تصوف اُن کی حال ہے۔ ان خصوصیات کی
بنا پر "سیرالاولیاء" کے ترجمے کے لیے اُن سے بہتر اور کون شخص
ہو سکتا ہے۔

مولانا قدوسی --- خدا انھیں سلامت رکھے --- اس وقت ستر کے
پیٹے میں ہیں لیکن ذاتی واقفیت کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ تصنیف و تالیف کے
میدان میں وہ ایک جوان رعنا ہیں۔ مجھے اُن سے کچھ عرصے سے نیاز حاصل
ہے۔ پرانے صوفیہ اور صلحاء کی طرح وہ بھی اپنے سے کمتر لوگوں کے
ساتھ لطف و مرحمت سے پیش آتے ہیں۔ اور اسی لیے مجھ جیسے کم علم
پر توجہ فرماتے ہیں۔ کئی برس سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ تابڑ توڑ ایک
کے بعد دوسری کتاب تصنیف کرتے چلے آ رہے ہیں۔ تصوف اُن کا خاص
میدان ہے۔ اس میں ان کی خاندانی روایات کو بھی دخل ہے اس لیے کہ
حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ ان کے مورث اعلیٰ تھے۔ وہ اسی خانوادہ
کے نام لیوا ہیں جس نے سولھویں صدی میں اس ملک کے گوشے گوشے میں
رُشد و ہدایت کی روشنی پھیلائی تھی --- اسی نسبت سے وہ "قدوسی"
کہلاتے ہیں۔

مولانا قدوسی جالندھر کے محلہ پنج پیراں میں پیدا ہوئے۔ وہاں ان
کے والد محترم شاہ ظہورالحق صاحب مرحوم و مغفور گورنمنٹ اسکول میں
ملازم تھے۔ پھر وہ ترقی کر کے چیف کالج لاہور میں تعینات ہو گئے۔

شاہ صاحب کے انتقال کے بعد اُن کی والدہ محترمہ انھیں لے کر اپنے وطن انبہٹہ (ضلع سہارن پور) لے آئیں ۔ وہ حضرت شاہ ابوالمعالی کے خاندان سے تھیں ۔ ہمارے مولانا قدوسی نے سہارن پور کے مشہور مدرسہ مظاہرالعلوم سے علوم مرقیہ کی تکمیل کی ۔ کہتے تھے کہ "میں نے اپنے اُستاد مولانا خلیل احمد محدث کو دیکھا کہ وہ تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے تھے اور کتابیں ان کے چاروں طرف بکھری پڑی رہتی تھیں ۔ اُنھیں دیکھ کر مجھے بھی تصنیف کی رغبت ہوئی ۔۔۔"

مولانا قدوسی ۱۹۲۷ء میں حیدرآباد دکن گئے اور ۱۹۵۱ء تک محکمہ امور مذہبی میں ملازم رہے ۔ یہ دور اُن کی زندگی کا بڑا اہم دور ہے ۔ حیدرآباد دکن میں انھیں علی حیدر طباطبائی ، مرزا ہادی رسوا، مولانا عبداللہ العمادی ، مولوی وحیدالدین سلیم پانی پتی ، مولانا مناظر احسن گیلانی ، فانی بدایونی ، جوش ملیح آبادی اور حکیم آزاد انصاری جیسے مختلف النوع مشاہیر کی ملاقاتوں کا موقع ملا اور اُن کی طبیعت نے اور بھی جلا پائی۔ خود فرماتے ہیں کہ "وہاں میرا ذوق صحیح بیدار ہوا" ۔

۱۹۳۰ء میں اُنھوں نے اپنی پہلی کتاب "مسلمان بیبیاں" لکھی ۔ ۱۹۵۱ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے اور سندھی ادبی بورڈ میں ملازم ہوگئے ۔ سندھ کے بارے میں کئی بیش بہا تصانیف مولانا کے قلم سے نکلیں سندھ کی تاریخی کہانیاں ، تذکرہ صوفیائے سندھ ، تذکرہ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ ، تذکرہ صوفیائے پنجاب ، تذکرہ صوفیائے سرحد اور تذکرہ صوفیائے بنگال ان کی تصانیف ہیں ۔ اس کے علاوہ انھوں نے تزک جہانگیری کا اُردو ترجمہ مع حواشی ، دو جلدوں میں تاریخ سندھ اور اقبال کے محبوب صوفیہ جیسی معرکہ آرا کتابیں لکھ کر علمی دنیا میں دھوم مچا دی ۔۔۔ "سیرالاولیاء" جیسی کتاب کا ترجمہ کرنا ایسے ہی لائق و فائق اور تجربہ کار اہلِ قلم ہی کا حق ہے ۔

مولانا قدوسی نہایت منکسر مزاج ، سادہ طبیعت بزرگ ہیں ۔ وہ ہمیشہ علمی اور ادبی موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں ۔ میں نے انھیں کبھی بے کار اور لایعنی باتیں کرتے نہیں سنا ۔ اُن کا کردار صوفیانہ اور مزاج شاعرانہ ہے ۔ خود بھی شعر کہتے ہیں اور جوش جیسے رنگین مزاج سے بھی اُن کی دوستی ہے ۔

جب اُن کی یہ تالیف اختتام کو پہنچی تو مولانا قدوسی نے مجھ سے

فرمایا کہ "تم اس پر مقدمہ لکھو" ـــ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ مولانا از راہِ تفنن مجھ سے یہ فرما رہے ہیں ۔ کہاں میں اور کہاں "سیرالاولیاء" کا مقدمہ ـــ لیکن جب دیکھا کہ وہ نہایت سنجیدگی سے یہ حکم دے رہے ہیں تو میں نے عرض کیا کہ "من آنم کہ من دانم ۔ میں اپنی جہالت کم علمی، کم سوادی اور حد درجہ کا لائق امی ہوں ۔ اوّل تو علمی حقوق کی کتاب پر مقدمہ لکھنا ہی کارے دارد ـــ دوسرے ایسی اہم کتاب پر میرا مقدمہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند معلوم ہوگا ۔"

لیکن مولانا کے ارشاد میں شفقت بھی تھی اور اصرار بھی ۔ علاوہ ازیں اس عاجز پر جو لطف و کرم وہ فرماتے ہیں، اس کی بنا پر میں اُن کی بات کو حکم کا درجہ دیتا ہوں ۔ لہٰذا تعمیلِ حکم کے لیے سر تسلیم خم کر دیا ـــ اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کر دیا ۔

ترجمے کی چاشنی اور کتاب کی خوبیوں کا حال آپ کو کتاب پڑھنے کے بعد خود ہی معلوم ہو جائے گا البتہ اس مقدمے کی خرابیوں سے آپ درگزر فرمائیں ـــ اور دعا فرمائیں کہ جن انفاسِ قدسیہ کے ساتھ مولانا کے کرم ہائے بے حد کے باعث میرا نام اس کتاب میں منسلک ہو گیا ہے اُن کی برکت سے میری بھی بخشش ہو جائے ۔

مختار زمن

سیرالاولیاء

مصنفہ

سیّد محمد مبارک علوی کرمانی

مشہور بہ امیرخورد

ترجمہ

اعجازالحق قدوسی

پھر اُن کے دلوں کو اپنی ملاقات کے شوق سے گداز بخشا ، یہاں تک کہ وہ آتشِ شوق سے غم کی کٹھالی میں پگھل گئے :

گدازش یافت دلہائے عزیزاں
ز شوق آں جمالِ لایزالی
جمال لایزالی راست ایں شوق
برقص آمد دلم از شوقِ حالی

اور انوار ذات منکشف کیے یہاں تک کہ وہ (عشاق) محبت کی آگ میں جل گئے ۔

یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

عشقِ تو آتشے بدلِ و جانِ ما بزد
اینک بسوختیم ز عشقت بسوختم

ایک بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

کرا مجال نظر بر جمال میمون
بدیں صفت کہ تو دل می بری ورائے حجاب

ایک اور بزرگ نے نہایت ہی اچھا کہا ہے :

بیت

حیرت اندر حیرت است دل بستگی در بستگی
گہ گماں گردد یقین و گہ یقیں گردد گماں

جب یہ اولیائے کرام چاہتے ہیں کہ صحرائے عظمت و اجلال میں دوڑیں تو وہ اپنی عقل کو دہشت میں غرق پاتے ہیں ، یہ ضعیف کہتا ہے :

شعر

جمالِ لم یزل و لا یزال را ز جلال
ازیں دو دیدۂ خوں ریز احتجاب نمود
[۲] چو دید دیدۂ ما غرقِ خوں ز شوقِ جمال
ہزار حیرت و دہشت دگر بر آں افزود

جب وہ اس غلبۂ دہشت کی وجہ سے اُس کے جمال سے رخ پھیرنا چاہتے ہیں تو جمال کے پردوں سے اُن کے کانوں میں آواز آتی ہے کہ نا امید نہ ہو ، صبر کو اپنا شعار بناؤ اور عجلت سے کام نہ لو کہ جمالِ خداوندی

کے شایانِ شان تمھیں ہو ۔ یہ ضعف کہتا ہے :

رباعی

شایانِ جمالِ ما شمائید
در عشق چہ کاہلی نمائید
گر رویتِ ذوالجلال خواہید
در مذہبِ عاشقاں در آئید

پھر وہ اس بشارت سے اپنی بات پر جمے رہتے ہیں ، اور دریائے معرفت میں رد و قبول ، فراق و وصال کے درمیان غرق رہتے ہیں اور محبت کی آگ میں جلتے رہتے ہیں ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

قطعہ

غرق دریائے معرفت گشتیم
چہ کنم چوں کرا نہ پیدا نیست
سوختن شد نصیبِ جان و دلم
ساختن کار جانِ شیدا نیست

اور اپنے اختیار کی زمام خدا تعالیٰ جل جلالہ کی قدرت کے ہاتھ میں دیتے ہیں ، اور اس کی رضا کے آستانے پر اپنا سر جھکا دیتے ہیں ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

بر آستانِ رضا سر نہادہ ام اینک
کہ نزدِ اہلِ دلاں دینِ صادقاں این است
براہِ عشقِ تو جاں را بخورمی بدہم
ہمیں سب کارِ من و کارِ عاشقاں این است

نعت

درود و سلام بے پایاں اور بے انتہا اُس کے نبی اور اُس کے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر اور اُن پر جو ان کے اردگرد ہیں کہ آپ محبوبوں کے سردار ، رسولوں کے پیشوا اور خاتم النبیین ہیں ۔ صلوٰۃ اللہ و سلامہٗ علیھم اجمعین ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

صلی اللہ و من یحف بعرشہ
و الاطہرون علی النبی الامجد
ما ان مدحت محمداً بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد[۲]

[خدائے تعالیٰ کی رحمت ہو ، اور اُن کی جو اُس کے عرش کے اردگرد ہیں اور اُس نبی امجد پر پاکانِ حق کی رحمت ہو ۔ میں نے اپنے قول میں محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی مدح نہیں کی ، بلکہ آپ کی مدح سے میرے قول (نظم) کی شان بڑھ گئی]

اس فقیر نے بھی عرض کیا ہے :

نظم

قمرٌ منیرٌ دائم الاشراق
قامت علیہ قیامت العشاق
بدر تمنی الناظرون او انّہ
ما بینھم یمسی علی الاحراق[۱]

[حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ایک روشن چاند ہیں ، جس کی روشنی دائمی ہے ، جس کی روشنی نے عشاق پر قیامت برپا کر دی ہے ۔]

اس ماہ کامل کے دیکھنے والے تمنا کرتے ہیں کاش کہ وہ ماہِ کامل ہمیں خاکستر بنانے کے لیے ہمارے درمیان خراماں ہو ۔

اور صلوٰۃ و سلام ہو آپ کی آل و اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کہ وہ خلق کے پیشوا اور راہِ حق کے رہنما ہیں جیسا کہ حضرت [۳] رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا :

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم ۔[۱]

[میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں ، ان میں سے جن کی بھی اقتدا کروگے ، ہدایت پاؤ گے ۔]

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح ، باب المناقب الصحابہ ، فصل ثالث بحوالہ رزین ، ص ۵۵۴ ۔

شعر

هم الضیاء الغر من آل محمد
و هم بایعوه طائعین الذی الشجر
علیهم سلام اللہ ما باح طائر
و ما لاح سیارین فی الظلم القمر

[وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم کی آل شریف میں سب سے زیادہ عزیز ہیں کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آل وسلم کی بیعت بطانت خوشی سے درخت کے نیچے کرتے ہیں ۔[1]
اُن پر حد کا (مسلسل) سلام ہو ، جب تک کہ ہوا میں پرندے اُڑتے ہیں ۔ اور جب تک کہ چاند مسافروں کے لیے اندھیروں میں روشنی کرتا ہے ۔]

مناقب حضرت ابوبکر صدیق رض :

اور صلوٰۃ و سلام ہو بالخصوص امیر المؤمنین حضرت ابوبکرصدیق رض

۱۔ وہ بیعت جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے صحابہ رض سے ببول کے درخت کے نیچے لی تھی ۔ یہ ۶ ہجری کا واقعہ ہے ، جو صلح حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا ، جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنے صحابہ کرام رض کے ساتھ مکۂ معظمہ عمرے کے ارادے سے تشریف لے جا رہے تھے کہ مشرکین مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر آپ کو مکے میں داخل ہونے سے روکا ۔ آپ نے حضرت عثمان رض کو مشرکین سے بات چیت کرنے کے لیے مکہ معظمہ بھیجا ، حضرت عثمان رض ابھی مکے ہی میں تھے کہ غلط طور پر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رض شہید کر دیے گئے ۔ یہ خبر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو ملی تو فرمایا اگر ایسا ہے تو خون عثمان کا قصاص لینا فرض ہے ۔ یہ فرما کر آپ ایک ببول کے درخت کے سائے میں تشریف لے گئے ، اور صحابۂ کرام رض کو آواز دے کر فرمایا ، سر دھڑ کی بازی لگانے پر بیعت کرو ۔ تمام صحابہ بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے ۔ قرآن حکیم میں ان تمام بیعت کرنے والوں کو رضائے الٰہی کی سند عطا کی گئی ۔ اسے "بیعت رضوان" اور "بیعت تحت الشجرہ" بھی کہتے ہیں ، متن کے ترجمے میں درخت کے نیچے جو بیعت کرنے کا اشارہ ہے ، وہ "بیعت رضوان" کی طرف ہے ۔

پھر جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بعد ساری امت سے افضل ترین تھے ، اور رب العالمین کے رسول کے خلیفہ تھے ۔ اہل تجرید کے سردار اور ارباب تفرید کے بادشاہ تھے ، آپ کی کرامتیں مشہور ہیں ۔ اور ان پر آیات و دلائل اس قدر واضح ہیں کہ مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ۔ تمام مشائخ آپ کو ارباب مشاہدہ میں مقدم سمجھتے ہیں ۔ آپ کے ارشادات و ملفوظات میں ہے ۔

دارنا فانیہ و اموالنا عاریہ و انفاسنا معدودہ و کسلنا موجودہ ۔

[ہمارا گھر فانی ہے ، اور ہمارا مال ہمارے پاس عارت ہے ، اور ہمارے سانس گنے چنے اور محدود ہیں ۔ اور سستی ہماری طاعت اور فرماں برداری میں موجود ہے ۔]

حضرت امام زہری کی روایت ہے کہ جب امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رض کی خلافت پر بیعت ہو چکی تو آپ نے منبر پر تشریف لا کر پہلا خطبہ دیا ۔

پہلے خطبے کے ارشادات :

اس خطبے کے دوران ارشاد فرمایا :

واللہ ما کنت حریصاً علی الامارہ یوماً ولا لیلہ قط ولا کنت فیھا راغباً ، ولا سألتھا قط ، فی سرہ و علانیۃ ، و ما لی مع الامارہ راحہ ۔

[خدا کی قسم میں امارت کے لیے کسی دن اور کسی رات کبھی حریص نہ تھا ، اور نہ مجھے کبھی اس کی رغبت تھی ، اور نہ کبھی میں نے خدائے تعالیٰ کے لیے اس کے لیے ظاہر اور باطن میں خواہش کی تھی ، اور نہ میرے لیے اس امارت میں کوئی راحت ہے ۔

میں نے حضرت سلطان المشائخ (حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی) کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے :

قال الاعرابی لابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انت خلیفۃ رسول اللہ قال لا انا الخالفۃ بعدہ ۔

[ایک بدو نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کیا آپ اللہ کے رسول کے خلیفہ ہیں ؟ آپ نے جواب دیا نہیں ، میں تو آپ کے بعد

جانشیں ہوں ۔!١

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رشتے دار عورتوں میں سے ایک عورت سے شادی کر لی ، حضرت عمرؓ نے تنہائی میں اس خاتون سے پوچھا کہ وہ امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مشغولیت کے بارے میں انھیں کچھ بتائے ، تاکہ میں بھی آپ کا اتباع کروں ۔ اس خاتون نے کہا کہ میں اس قدر جانتی ہوں کہ وہ رات کے بڑے حصے میں عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے ۔ جب صبح کا وقت قریب ہوتا تو اپنے سینے سے ایک ایسا سانس لیتے کہ اُس سانس سے جگر کے جلنے کی بُو آتی ۔ جب حضرت عمر فاروقؓ نے اُس خاتون سے یہ بات سنی تو رو پڑے ۔ اور فرمایا کہ میں ہر حال میں اُن کا اتباع کر سکتا ہوں ، لیکن جلے ہوئے جگر کی بُو کہاں سے لا سکتا ہوں ۔ یہی وجہ تھی کہ امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ خاص بشارت دی گئی ۔

ان اللہ یتجلی للخلق عامۃ و لابی بکر خاصۃ ۔

[بیشک اللہ کی تجلی سب کے لیے عام ہوگی ، اور ابوبکر صدیقؓ کے لیے خاص ہوگی ۔]

اور یہی سبب تھا کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ بار بار فرمایا کرتے تھے :

یا لیتنی کنت شعرۃ فی صدر ابی بکر ۔

[کاش کہ میں ابوبکر صدیقؓ کے سینے کا ایک بال ہوتا ۔]

اس کے بعد امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے اُس خاتون سے فرمایا جس سے وہ نکاح کر چکے تھے کہ میرا مقصد اس پوچھ گچھ سے صرف آپؓ کا اتباع تھا ، اس کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہ تھا ۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس کا مہر اس کو ادا کر دیا ، اور اُسے چھوڑ دیا ۔

میں نے حضرت سلطان المشائخ (خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی) کی

١- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ جواب فطری انکسار اور ادب رسول کریمؐ پر مبنی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بالاجماع رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ ہیں ۔

لکھی ہوئی تحریر دیکھی ہے ، جس میں لکھا تھا :

لقب ابوبکرؓ بالعتیق قیل بجماله و قیل لقوله علیه السلام انت عتیق الله من النار۔[1] قالت عائشةؓ کان لابی قحافة ثلاث ولد عتیق و معتق و معتیق ۔

[حضرت ابوبکر کا لقب عتیق کہا جاتا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لقب اُن کے جمال کی وجہ سے تھا ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب رسولِ اکرم علیہ السلام کے اس ارشاد کی بنا پر تھا کہ تم وہ ہو جس کو اللہ نے آگ سے آزاد کیا ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ ابی قحافہ کے تین بیٹے تھے ، عتیق ، معتق ، معتیق ۔]

آخر عمر میں مرض الموت کے پندرہ دن آپ کے رحمتِ حق سے پیوست ہونے میں مزاحم ہوئے ۔ ۱۳ھ میں آپ رحمتِ حق سے جا ملے ۔

میں نے حضرت سلطان المشائخ (خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی) کے دستِ مبارک سے لکھی ہوئی ایک تحریر میں دیکھا ہے :

"لمّا مات ابوبکر ، قام علی رضی الله عنه علی الباب الذی هو مسجی فیه ، فقال کنت والله للدین یعسوباً اولا حین یفرالناس عنه و آخر حین فشلوا کنت کالجبل ، لا تحرکه العواصف ولا تزیله القواصف الیعسوب فحل النحل لانه سابق فیما اختلفت ارائهم [۵] فی قتال مانعی الزکوة العاصف الریح الکاسره ۔

[جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی ، تو حضرت علیؓ اُس دروازے پر کھڑے ہوئے جہاں وہ عبادت کیا کرتے تھے اور کہا کہ ابتدا میں تم دین داروں کا سردار تھا ، جب کہ لوگ دین سے بھاگتے تھے ، اور آخر میں آپ (حضرت ابوبکر صدیقؓ) دین داروں کے سردار تھے جب کہ لوگ دین قبول کرنے سے ڈرتے تھے ۔ آپ اُس پہاڑ کی طرح تھے کہ جس کو تیز ہوائیں نہ ہلا سکتی تھیں اور نہ طوفان اس پر اثر کرتے تھے ۔ کیونکہ جب زکٰوۃ سے انکار کرنے والے کے قتل کے معاملے میں صحابہؓ کی رائے میں اختلاف تھا تو آپ نے ان صحابہؓ کی تائید کی جو زکٰوۃ وصول کرنے کے حق میں تھے ، اور پہاڑ کی طرح اپنی رائے پر جمے رہے ۔

۱۔ مشکٰوۃ شریف ، فصل ثالث ، ص ۵۵۶ بحوالہٗ ترمذی ۔

خواجہ حکیم سنائی خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رض کی مدح میں کہتے ہیں :

قصیدہ

دو سرائے سرور مونس و یار
ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

از زبان صادق و ز جان صدیق
چون نبی مشفق و چون کعبہ عتیق

عالمے قصد کاذبی کردہ
او نبوت پیمبری کردہ

گشتہ چشمہ نوش روح امین
از پئے دردِ او بہ حلقۂ دین

سدہ او نقش لندِ زیبِ فرش
دردِ او مجمر دل و جگرش

پیش او رفتہ اند تا درگاہ
حور و علمان ز جعد و گیسو راہ

صورت و سیرتش ہمہ جان بود
زآن ز چشمِ عوام پنہان بود

چون صدرِ قیامتش خوانند
رافضی قدرِ او کجا دانند

آنکہ ابلیس وار بد بیند
ہمہ را ہمچو خویشتن بیند

چشمِ بوبکر رض دین و دنیں خیزد
نہ ز رفض و ہوا و کین خیزد

او چہ داند کہ نابش جان چیست
چہ شناسد کہ مردِ ایمان کیست

آنکہ جان بہر خاندان خواہد
کے علی رض را بجان ریان خواہد

گر بجانش لطافتے بودے
ورنہ صدقش خلافتے بودے

مصطفیٰ کے بروسپردے مُلک
باز حیدرؓ چگونہ بردے مُلک

مرتضیٰؓ گو کشد ز اعدا پوست
با چنیں دشمنے نباشد دوست

مصلحت بود آنچہ کرد علیؓ
تو چرا سال و ماہ پر جدلی

بود بوبکرؓ با علیؓ ہمراہ
تو زبان فضول کن کوتاہ

آفرین خدائے بے ہمتائے
بر ابوبکرؓ باد و سیر خدائے

مناقب حضرت عمر فاروقؓ :

اور صلوٰۃ و سلام ہو امیرالمومنین حضرت عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کہ جو اہلِ تحقیق کے امام ہیں ، جو دریائے محبت میں غرق تھے ، کرامت اور فراست میں مشہور تھے ، عقل مندی اور پختگی رائے میں مخصوص تھے [۱] ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے متعلق فرمایا :

الحق ینطق علیٰ لسان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

(حق عمر رضی اللہ تعالیٰ کی زبان پر ہوتا ہے ۔

۱- یہ روایت مختلف الفاظ میں حدیثوں میں آئی ہے ۔ لیکن مفہوم سب کا ایک ہے ۔ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ ابی داؤد منقول ہے ، ان اللہ وضع الحق علیٰ لسان عمر یقول بہٖ [بے شک اللہ نے حق کو عمرؓ کی زبان پر رکھ دیا ، وہ وہی کہتے ہیں جو حق ہوتا ہے] اس فصل کی دوسری روایت جو حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے ، اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ، ان اللہ جعل الحق علیٰ لسان عمرؓ و قلبہٖ [بے شک جاری کر دیا اللہ تعالیٰ نے حق کو عمرؓ کی زبان اور اُن کے قلب پر] (مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمرؓ ، فصل ثانی ، ص ۵۵۷) ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ ارشاد اُس وقت ہوا جب کہ کئی مرتبہ وحی حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق نازل ہوئی ۔ (مترجم)

حضرت عمرؓ کے ملفوظات و ارشادات میں ہے :

العزلة راحة من خلطاء السوء ۔

[گوشہ نشینی بروں کی ملاقات سے کہیں بہتر ہے ۔

پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ :

الدنیا دار اُسست علی البلوی ۔ حیوۃ الدنیا بلا بلوی محال ۔

[دنیا وہ گھر ہے ، جس کی بنیاد آزمائش پر رکھی گئی ہے ، دنیا کی زندگی بغیر آزمائش کے محال ہے ۔

امیرالمومنین حضرت عمرؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے عرض کیا :

یا محمدؐ قد استبشر اهل السماء الیوم باسلام عمر و ... صفة اهل التصوف ... ۔

اے محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم آسمان والے آپ کو حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی مبارک باد دیتے ہیں ، اور اہلِ تصوف کے گروہ کے اقتدا کی بشارت دیتے ہیں کہ وہ گدڑی پہنیں گے ۔

دین میں استحکام و مصطفیٰ حضرت عمرؓ کی وجہ سے ہوئی اور ان کے دُرّے کی ہیبت اور انصاف کی وجہ سے دنیا کے کام سنور گئے ، عجیب دُرّہ تھا کہ مدینہ منورہ سے پانسو میل کے فاصلے پر جب کہ خاقانِ روم تختِ شاہی پر بیٹھا ہوا تھا ، اور لوگ اس کے گرد جمع تھے ، اُس کے سر پر گرا ۔

ایک روز جمعہ کے دن حضرت عمرؓ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا : یا ساریة الجبل الجبل [اے ساریہ ! پہاڑ پر جمے رہو] ۔

۱۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے قبل دعا فرمایا کرتے تھے ، اے اللہ اسلام کو عزت دے ۔ یا تو ابو جہل بن ہشام کو مسلمان کر دے یا عمر کو اسلام سے نواز ۔ (مشکوٰۃ المصابیح : فصل ثانی ، ص ۵۵۷ بحوالۂ ترمذی) چنانچہ آپ کی یہ دعا حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہوئی ۔

حضرت عمرؓ کی یہ آواز عین لڑائی کے موقع پر نہاوند میں اُس سپہ سالار کے کان میں پہنچی جو لشکر کی کمان کر رہا تھا ، وجہ یہ تھی کہ کفار کا لشکر دھوکا دے کر چاہتا تھا کہ کسی طرح مسلمان پہاڑ کے درّے سے باہر آئیں ، تاکہ وہ مسلمانوں کے لشکر پر ایک دم ہلّہ بول دیں ۔ سپہ سالار لشکرِ اسلام نے یہ غیبی آواز سنی اور ہوشیار ہوگیا اور اس درّے کو مضبوطی سے اپنا ٹھکانا بنا کر اس کا راستہ روکے رکھا ، یہاں تک کہ کفار جو کہ مسلمانوں کی گھات میں تھے مایوس ہوگئے۔[۱] یہ عظیم الشان فتح امیرالمومنین حضرت عمرؓ کی کرامت کی بدولت عمل میں آئی ۔

ایک دن حضرت عمرؓ مدینۂ منورہ کے نواح میں اینٹیں بنا رہے تھے ۔ سورج کی تیز شعاعیں آپ کی پشت مبارک پر پڑ رہی تھیں ، سورج کی گرمی نے آپ پر اثر کیا ، آپ نے نہایت خشمگیں ہو کر سورج کی طرف دیکھا ، جس سے سورج کی تابانی جاتی رہی ، دنیا تاریک ہوگئی ، سارے مدینے میں شور مچ گیا کہ قیامت آ گئی ، پھر آپ نے نگاہ لطف و کرم سے سورج کی طرف دیکھا اللہ تعالیٰ نے سورج کی روشنی کو اُسے لوٹا دیا ۔ آپ کی مدتِ خلافت دس سال چھ ماہ اور پانچ روز تھی ، آپ نے ۲۳ھ (۶۴۳ء - ۶۴۴ء) میں ابن لولو کے ہاتھ سے شہادت پائی ۔ رضی اللہ عنہ ۔ خواجہ سنائی علیہ الرحمہ نے آپ کی تعریف میں یہ مثنوی لکھی ہے :

۱۔ مشکوٰۃ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک لشکر بھیجا ۔ اور اس لشکر کا امیر ساریہ (بن زنیم) کو بنایا (یہ لشکر مدینے سے کوسوں دور تھا) ۔ اسی زمانے میں حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک آپ نے چیخ کر کہا ۔ "اے ساریہ پہاڑ پر جمے رہو"۔ کچھ دن کے بعد اِسی لشکر سے ایک قاصد آیا اور اُس نے آپ سے بیان کیا کہ امیرالمومنین ! ہم اس جنگ میں دشمن سے مقابلہ کر رہے تھے ، قریب تھا کہ ہمیں شکست ہو جائے کہ ہمیں ایک آواز آئی کہ اے ساریہ ! پہاڑ پر جمے رہو ، اس آواز کے سنتے ہی ہم پہاڑ پر جم گئے ۔ پس اللہ نے دشمنوں کو شکست دی ۔ (مشکوٰۃ : باب الکرامات ، فصل ثالث ، ص ۵۴۶) بروایت بیہقی ۔

مثنوی

آنکہ 'طٰہٰ'[1] طہارتش دادہ
و آنکہ 'یٰسین'[2] اشارتش دادہ

دیدہ از 'طٰہٰ' ہمہ طہارتہا
آگہی کردہ از ما ہمہ اشارتہا

شاہدِ حق روانش در خفتن
نائبِ حق زبانش در گفتن

از پئے دیو در رسالۂ او
سایۂ او سلاحِ حالۂ او

بہتر از ہر زمانے زمانۂ او
سرِ ابلیس در آستانۂ او

روح کردہ ز راحِ سرمستش
امرِ حق دادہ تذکرہ بر دستش

احساس دہ اعتدالِ بہار
گل پیادہ نماندہ و باد سوار

روئے چوں سوئے احتساب آرد
گل چو گل پائے در رکاب آرد

از پئے حکمِ کاغذش بشتاب
نامۂ او بخواندہ داد جواب

مناقب امیرالمومنین حضرت عثمانؓ بن عفان :

اور صلوٰۃ و سلام ہو امیرالمومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ، کہ جو شرم و حیا کا خزانہ اور اہلِ صفا میں برگزیدہ اور درگاہِ رضا سے وابستہ تھے ۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی دو صاحبزادیاں آپ سے منسوب تھیں اور ان دو صاحبزادیوں[3] کی وجہ سے آپ ایک کی وفات

---

۱ ، ۲ ۔ 'طٰہٰ' و 'یٰسین' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نام ہیں۔
۳۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ان دو صاحبزادیوں کے نام حضرت رقیہؓ اور حضرت امِ کلثومؓ تھا ۔

کے بعد دوسری آپ کے نکاح میں آئی تھیں) اس رشتے سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے داماد تھے اور اسی وجہ سے "ذوالنورین" (دو نور والے) کے خطاب سے مشرف ہوئے۔ آپ کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ آپ جامع قرآن[1] اور بھوکوں کے پیٹ بھرنے والے اور اہلِ ایمان کے لشکر کو ساز و سامان سے آراستہ کرنے والے تھے۔[2] الواع و اقسام کی نعمتوں سے مخصوص، حلم کے لباس سے ملبوس اور علم کی کثرت سے مزیّن تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کی انتہائی حلم اور شرم اور پیغمبر علیہ السلام کے خوف کی وجہ سے منبر پر آپ کی زبان خطبہ دیتے ہوئے رک گئی۔[3] آپ کے فضائل و مناقب ظاہر ہیں۔

حضرت عبداللہ بن ابی رباحہؓ اور ابی قتادہؓ سے روایت ہے کہ ہم حرب الدار میں جمعہ کے روز امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کے پاس تھے کہ جب یہ شور برپا ہوا کہ آپ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھا لیے۔ حضرت امیرالمومنین نے اس خبر کے سننے کے بعد اعلان کیا کہ جو ہتھیار نہ اٹھائے، اسے میں آزاد کرتا ہوں۔ جب یہ شور برپا ہوا تو ہم جان کے

۱- حضرت عثمانؓ کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید کو اختلاف و تحریف سے محفوظ کرنا اور اس کی عام اشاعت ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے اس خطرے کو ظاہر کرنے پر کہ اگر قرآن میں اختلافِ قرأت کا یہی حال رہا تو خدا کی کتاب میں شدید اختلافات ہو جائیں گے، آپ نے اُم المومنین حضرت حفصہؓ سے قرآن مجید کا وہ نسخہ جو عہدِ صدیقی میں مرتب و مدوّن ہوا تھا، منگا کر حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت سعید بن عاصؓ کو اس کے نقل کرنے پر مامور کیا، جب اس کی نقلیں تیار ہو گئیں تو آپ نے یہ نقلیں تمام ممالک محروسہ میں بھیجوا کر حکم دیا کہ آئندہ اس نسخے کے مطابق لغتِ قریش پر قرآن مجید کی تلاوت ہو۔ اسی بنا پر آپ کو جامع القرآن کہتے ہیں اور اسی کی طرف اسی کتاب کے متن میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۲- ۹ھ (۶۳۰ء) میں غزوۂ تبوک کے موقعے پر مسلمانوں کی دس ہزار سے زیادہ فوج کو ساز و سامان اور اسلحہ سے اپنے خرچ سے آراستہ کیا تھا۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

۳- یہ حضرت عثمانؓ کے پہلے خطبے کی طرف اشارہ ہے، جو آپ نے خلیفہ ہونے کے بعد دیا۔

خوف سے باہر آ گئے ۔ امیرالمومنین حضرت امام حسن بن علیؓ حضرت عثمانؓ کے گھر کے دروازے پر آئے ۔ ہم بھی اُن کے ساتھ لوٹ کر آئے ۔ امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کو سلام کیا اور کہا ، اے امیرالمومنین ! میں بغیر آپ کے حکم کے مسلمانوں پر تلوار نہیں اُٹھا سکتا ۔ آپ امام برحق ہیں ۔ آپ مجھ کو حکم دیجیے تاکہ میں ان مفسدین کے مقابلے میں آپ کی مدافعت کروں ۔ امیرالمومنین حضرت عثمانؓ نے اُن کے جواب میں فرمایا ، "اے میرے بھتیجے ! لوٹ جاؤ اور اپنے گھر میں بیٹھو ، جہاں تک کہ اللہ کا حکم ظاہر ہو ۔ پس ہمیں اُن کے خون گرانے کی حاجت نہ رہے ۔" اہلِ تصوف کے نزدیک یہ مقامِ رضا ہے جو آپ کو عطا ہوا ۔

حضرت عثمانؓ کی مدتِ خلافت دس روز کم دس سال تھی اور آپ کی عمر شہادت کے وقت ۸۲ سال کی تھی ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر نوے سال کی تھی ۔ قرآن مجید آپ کی بغل میں تھا ۔ آپ بدھ[۲] کے روز ابو عیاض کے ہاتھ سے شہید ہوئے ۔ رضی اللہ عنہ (اللہ اُن سے راضی ہوا) ۔ زر ۸، جو حکیم سنائیؒ نے حدیقہ میں حضرت عثمانؓ کی مدح میں یہ قصیدہ لکھا ہے ۔

۱۔ شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے ، قرآن مجید آپ کے سامنے کھلا ہوا تھا ۔ اس خونِ ناحق نے قرآن مجید کی جس آیت کو خون آلود کیا ، وہ یہ ہے فسیکفیکھم اللہ و ھو العلیم الحکیم ۔ [خدا تم کو بس ہے ، وہ جاننے والا اور حکمت والا ہے ۔] (خلفائے راشدین ، ص ۱۶۶)

۲۔ "خلفائے راشدین" میں ہے کہ جمعہ کے روز عصر کے وقت آپ کی شہادت ہوئی ۔ دو دن تک جسدِ مبارک بے گور و کفن رہا ، سنیچر کا دن گزر کر رات کو چند مسلمانوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ادائے فرض کیا ۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت زبیرؓ نے اور بعض روایتوں کے مطابق حضرت جبیر بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی ، اور حش البقیع کے "حش کوکب" میں اس حلم و بردباری کے مجسمے اور بیکسی و مظلومی کے پیکر کو سپرد خاک کیا گیا ، بعد میں یہ مقام جنت البقیع میں شامل ہوگیا ۔ (خلفائے راشدین ، ص ۱۸۶ - ۱۸۷)

قصیدہ

آں کہ بر جائے مصطفیٰؐ بنشست
برلبش سہم راہِ خطبہ بہ بست

آں ز لکنت نبود ، بود از شرم
زانکہ دانست جانش را آزرم

عینِ ایماں کہ بود جز عثمانؓ
حجتِ ایں کہ الحیا من الایمان[1]

دستِ مشاطۂ سپیدہ
کحلِ شرمش کشیدہ در دیدہ[2]

ہم ز اسلاف مہتر آمد او
درکنارِ شرف برآمد او

دلِ او با نبیؐ موافق بود
نورِ جانش ز صبحِ صادق بود

فتنہ را گرد خاست در قصبش
ذوی الارحام بود در عصبش

آں نہ ز او بود فتنہ و کید
نیست زنگی سود نہ آئینہ

خلق و عالم ہرآنکہ نیک و بد اند
ہمہ در جستجوئے ہوائے خود اند

۱- حدیث - مشکوٰۃ - باب الرفق والحیاء و حسن الخلق - فصل ثانی : ص ۴۳۱ بحوالہ احمد و ترمذی - (ترجمہ : حیا ایمان کا جزو ہے ، اور اہلِ ایمان جنت میں داخل ہوں گے اور بے حیائی بدی ہے اور بد دوزخ میں جائیں گے) اصل حدیث یہ ہے :

الحیاء من الایمان والایمان فی الجنہ والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار رواہ احمد والترمذی -

۲- اس مصرعے میں اُس حدیث کی طرف اشارہ ہے ، جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں اُس شخص (عثمانؓ) سے نہ شرماؤں ، جس کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں - (ترجمہ حدیث مشکوٰۃ شریف : باب مناقب عثمانؓ ، ص ۵۶۱ ، فصل اول ، بحوالۂ مسلم) -

او ہمہ نیک بود ، نیکی یافت
سوئے یاران خویشتن بشتافت

ز آنچنان چونکہ جسمش اروشے تاخت
سیکفیکھہ خلوتے ساخت

مناقب امیرالمومنین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ۔

اور صلوٰۃ و سلام ہو امیرالمومنین حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ پر کہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے (چچا زاد) بھائی تھے ۔ اور عرب کے غریبوں ، محبت کی آگ کے سوختہ ، مقتدائے اولیا ، پیشوائے اصفیا تھے اور قیاس و معرفت ، جود و عطا شجاعت و تہور ، صبر و صفا کے اوصاف کی وجہ سے صحابہ کرام میں ممتاز تھے ۔ شوکت و قوت کے سبب رب العزت کی طرف سے آپ نے اسد اللہ الغالب کے لقب سے سرفراز کیا گیا اور فضیلت علم کی وجہ سے تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس ارشاد کے ساتھ :

انا مدینۃ العلم و علی بابہا[1]

[میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں ۔

کی بشارت سے مخصوص ہوئے ۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے کہا :

لو لا علیؓ لھلک عمر ۔

(اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتے ۔

اور خلعت خرقہ درویشی جو باری تعالیٰ کی طرف سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شب معراج میں عطا کیا گیا تھا ۔ چاروں خلفاء میں حضرت علیؓ کو اس سے مشرف کیا گیا ، جو تا قیامت تک

۱۔ یہ حدیث ضعیف الفاظ کے ساتھ ترمذی نے نقل کی ہے ۔ مگر مفہوم سب کا تقریباً ایک ہے ۔ مشکوٰۃ میں جو روایت منقول ہے ، اس میں ہے :
انا دارالحکمۃ و علی بابہا ۔
[میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں ۔]
(مشکوٰۃ ۔ باب مناقب علی بن ابی طالبؓ بروایت ترمذی ۔ ص ۵۶۴)

خرقۂ مشائخ قدس اللہ سرھم العزیز کی سنت اُن کی نسبت سے باقی رہے۔ اس دینی [و] کام نے اُن سے استقامت حاصل کی۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں:

شیخنا فی الاصول والبدا علی المرتضیٰ ؓ۔

[ہمارے شیخ اصل میں اور ابتداء میں حضرت علی مرتضیٰ ؓ ہیں۔]

اُن سے پوچھا گیا کہ تمام کاموں میں بہترین کام کون سا ہے؟ فرمایا:

غناء القلب باللہ۔

[جس شخص کو اللہ کی طرف سے دل کی تونگری دی جاتی ہے اسے دنیا کی تنگ دستی فقیر نہیں کر سکتی۔]

حضرت سلطان المشائخ (محبوب الٰہی) کے ہاتھ سے لکھا ہوا میں نے دیکھا:

قال علی ؓ یوم الخبیر انا الذی سمتنی امی حیدرہ کلیث غابات کرمت المباخرہ اوفیھم بالصاع کیل السندرہ سمیتہ اسہ اسد باسم ابیھا و ھی فاطمۃ بنت اسد و ابو طالب غائب فلما قدم کرھہ و سماہ علیا الحیدر من اسماء الاسد السندرۃ مکیالہ کبری اقتلھم قتالاً واسعاً قالت عائشۃ رضی اللہ عنھا یوم الجمل حین ادنی من ھودجھا ثم کلمھا بکلام املکت فاستحج فبعث معھا اربعین امراۃ حتی قد قامت المدینہ۔

[فرمایا حضرت علی ؓ نے خیبر کے دن د میری ماں نے میرا نام حیدرہ رکھا۔ حیدر وہ شیر ہوتا ہے کہ جو جنگلے میں تندی اور شجاعت کی وجہ سے راہیوں کو نظر میں نہیں لاتا۔ اور وہ شیر تمام جنگلے والوں پر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ میں اس شیر کے حق کو بڑے پیمانے پر پورا کرتا ہوں، اس لیے میری ماں نے اپنے والد کے نام پر اسد رکھا۔ اس وقت میرے والد ابو طالب موجود نہیں تھے۔ جب وہ آئے تو انھوں نے اس نام کو نا پسند کیا اور انھوں نے میرا نام علی حیدر رکھا، جو شیروں کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

سندرہ بڑے پیمانے کو کہتے ہیں۔ میں کافروں کو بکثرت قتل کرتا ہوں۔ حضرت عائشہ ؓ نے جمل کے دن کہا جب کہ وہ ان کے ہودج سے بہت قریب تھے، کیا تم بادشاہ ہو گئے؟ حضرت علی ؓ نے معذرت کی اور

ان کے ساتھ (بصرے) کی چالیس معزز خواتین کو بھیجا ، یہاں تک کہ وہ مدینے میں مقیم ہو گئیں ۔[1]

شہادت کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عمر تریسٹھ سال تھی ۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے ، جو امیر معاویہ کی طرف ہوگیا تھا ، عین نماز میں اپنی زہر آلود تلوار سے آپ کو سخت زخم لگایا ، جس کے بعد آپ تین روز زندہ رہے ۔ جمعہ کے دن ۱۷ رمضان ۴۰ھ (۶۶۱ء) کو آپ نے شہادت پائی ۔

خواجہ سنائی نے اس خلیفہ برحق کی مدح میں یہ قصیدہ کہا ہے :

قصیدہ

اے سنائی بقوتِ ایمان
مدحِ حیدرؓ بگو پس از عثمانؓ

با مدیحش مدائحِ مطلق
زہق الباطل است و جاء الحق

آں ز فضل آفتِ سرائے فضول
آں علم دار و علم دارِ رسولؐ

ہم نبی را وصی و ہم داماد
چشمِ پیغمبر از جمالش شاد

آمد از سدرہ جبرئیلِ امین
لا فتیٰ کرد مرد را تلقین

شرفِ ملک و دایۂ دین او
صدفِ دُرِّ آلِ یٰسین او

آلِ یٰسین شرف بدو دیدہ
ایزد او را بعلم بگزیدہ

مہرِ او گفت مصطفیٰؐ بالله
کہ خداوند و آل من والاہ

۱۔ یہ واقعہ ''جنگِ جمل'' سے متعلق ہے ۔

راز دار خدا و پیغمبر
رازِ دار پیمبر آں حیدرؓ

کاتبِ نقشِ نامۂ تنزیل
خازنِ گنجِ نامۂ تاویل

لفظِ قرآں چو دید درویشش
خویشتن جلوہ کرد درپیشش

عشق را بحر سود دل را کاں
شرع را دیدہ بود و دیں راجاں

کہ خدائے زمانہ چاکرِ او
خواجۂ روزگار قنبرِ او

از پئے سائلے یک دو رغیف
سورۂ ھل اتیٰ او را تشریف

مرتضای کہ کردہ یزدانش
ہمرہِ جانِ مصطفیٰؐ جانش

ہر دو یک قبلہ و خروساں دو
ہر دو یک روح و کالبد شاں دو

ہر دو یک دُرّ و یک صدف بودند
ہر دو پیرایۂ شرف بودند

دو روندہ چو اختر و گردوں
دو برادر چو موسیٰؑ و ہاروںؑ

دلِ او عالمِ معانی بود
لفظ آدابِ زندگانی بود

عقدِ او با بتولؓ مسا سلویٰ
بود در زیر سایۂ طوبیٰ

مناقب حضرت امام حسنؓ:

اور صلٰوۃ و سلام ہو امیر المومنین حضرت حسن علی بن ابی طالبؓ پر کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے جگر گوشہ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے صاحبزادے تھے اور تمام مخلوق میں رسولِ اکرم

صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سب سے زیادہ ہم شکل تھے ۔ سر سے لے کر ناف تک اور امیر المومنین حضرت حسینؓ ناف سے لے کر قدم تک رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے مشابہ تھے ۔ اس کمالِ کرم کے ساتھ آپ نہایت لطف و شفقت اور نرمی سے پیش آتے تھے ۔ امیر المومنین حضرت حسنؓ دو سال دس ماہ امیر المومنین حضرت امام حسینؓ سے بڑے تھے ۔

"کشف المحجوب" میں ہے کہ ایک دن ایک اعرابی (دیہاتی) جنگل سے آیا اور امیر المومنین حضرت حسنؓ اپنے گھر کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ اس گاؤں والے نے امیر المومنین حضرت حسنؓ کو ماں باپ کی گالیاں دینی شروع کر دیں ۔ آپ نے اس گاؤں والے سے فرمایا کہ اے اعرابی ! کیا تم بھوکے ہو یا پیاسے ہو ، تمھیں کیا ہو گیا ہے ؟ کہ تم مجھے گالیاں دے رہے ہو ۔ لیکن وہ باز نہ آیا اور برابر گالیاں دیتا رہا ۔ امیر المومنین حضرت حسنؓ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ دولت کے باہر جاؤ اور اس کو روپیہ اسباب کو کچھ سرخ دینار دے دو ۔ جب اعرابی نے یہ بات سنی تو اس نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بیٹے ہیں اور اس کے بعد اعرابی نے آپ کی تعریف کرنی اور دعائیں دینی شروع کر دیں ۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ میں یہاں اس تجربے کے لیے آیا تھا کہ آپ کے حلم کا اندازہ کروں ۔ مختصر یہ ہے کہ اہلِ حق کی صفت ہوتی ہے کہ اُن کے نزدیک تعریف اور برائی برابر ہوتی ہے اور وہ برا بھلا کہنے پر بھی خاموش نہیں ہوتے اور وہ گالی کو سونے چاندی و درم سے ذرا و جب جانتے ہیں ۔

آپ کے ارشادات میں سے ہے :

فی حال الوصیۃ علیکم بحفظ السرائر وان اللہ مطلع علی الضمائر ۔

وصیت کے موقع پر لازم ہے کہ رازوں کو محفوظ رکھو ، بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے حالات سے باخبر ہے ۔

آپ علمِ حقائق و اصول میں اس قدر مرتبے پر فائز تھے کہ حضرت حسن بصریؒ اس علم کی اہم باتوں میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے ۔

آپ کی مدتِ خلافت آٹھ ماہ پندرہ دن تھی اور آپ کی عمر وفات کے وقت سینتالیس سال کی تھی ۔ امیر المومنین حضرت امام حسنؓ کی بیوی جعدہ بنتِ اشعث کندی نے امیر معاویہ کے اشارے سے کسی نہ کسی

ترکیب سے موقع پا کر زہر دے دیا ، آپ نے ماہ ربیع الاول ۴۷ھ (۶۶۷ء) میں وفات پائی ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ حکیم سنائی کہتے ہیں :

قصیدہ

تو علی آنکہ در مسامِ ولی
آرد از گیسوانش بوے علیؓ

در سیادت ولی مؤیدِ اوست
در رسالت رسولؐ و سیّد اوست

نامہٗ دوست ، پاکیِ دلِ اوست
دوست را چیست نہ زنامہٗ دوست

قرۃ العینِ مصطفیٰؐ او بود
سیّدِ قومِ اولیا او بود

جگر و جان علیؓ و زہراؓ را
دیدہ و دل حبیب مولیٰؐ را

منہجِ صدق در دلائلِ او
مہتری راست در مخائلِ او

بود مانند جد بخُلقِ عظیم
پاک عرق و نفیس و خلق کریم

مناقب حضرت امام حسینؓ :

اور صلوٰۃ و سلام ہو امیرالمومنین حضرت حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما پر کہ وہ آلِ محمدؐ کی شمع ہیں ، تمام علائق سے چھٹکارا حاصل کیے ہوئے اور دشتِ کربلا کے شہید ہیں اور عالمِ ولا کے بادشاہ ہیں ۔ وہ حق کے تابع تھے ، جب تک کہ حق ظاہر تھا ۔ لیکن جب حق پوشیدہ ہو گیا ، تو آپ نے تلوار کھینچی ، یہاں تک کہ جب تک جانِ عزیز حق تعالیٰ کی راہ میں فدا نہ کر دی آپ چین سے نہیں بیٹھے ۔ آپ کے ارشادات میں سے ہے :

أشفق الاخوان دینک علیک ۔

[میں ڈراتا ہوں بھائیو ! اپنے دین کو لازم پکڑو ۔]

"کشف المحجوب" میں ہے کہ ایک دن ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہا ، اے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم! میں ایک درویش آدمی ہوں ، میرے بال بچے ہیں ، میں آپ سے آج کی رات کا رزق چاہتا ہوں ۔ امیرالمومنین حضرت امام حسینؓ نے اُس سے کہا ، ذرا بیٹھ جاؤ ۔ ہمارا رزق راستے میں ہے ، اُس کے پہنچنے کا انتظار کرو ۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ امیر معاویہؓ کا بھیجا ہوا ایک آدمی آیا اور پانچ تھیلیاں سرخ دیناروں کی امیر معاویہؓ کی بھیجی ہوئی لایا ۔ میں کہا حال ہے کہ آپ یہ پانچوں تھیلیاں دینار کی اس فقیر کو دے دیں اور معذرت کرتے ہوئے فرمایا ، تمھیں بہت دیر انتظار کرنا پڑا ۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ رقم کی مقدار اس قدر کم ہے ، تو میں تمھیں اس تھوڑی سی رقم کے انتظار میں نہ بٹھاتا ۔ ہمیں معاف کر دو کہ ہم اہلِ آزمائش ہیں ۔ تمام دنیا کی راحتوں سے دور رہ کر اپنی تمناؤں سے منہ موڑ کر دوسروں کی ضرورتیں پوری کرنے میں زندگی بسر کر رہے ہیں ۔

شہادت :

جب امیرالمومنین حضرت امام حسینؓ سرزمینِ کربلا میں پہنچے تو آپ نے غارِ ضرار کے متصل قیام کیا ۔ وہ جمعرات کا دن اور ۶۱ھ (۶۸۰ء) تھا ۔ جمعہ کے دن عبیداللہ زیاد چار ہزار سواروں کے ساتھ آپ کے مقابلے کے لیے پہنچا ۔ دوسرے جمعے تک دونوں میں جنگ ہوتی رہی ۔ اس مدت میں اہلِ بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر پانی بند کر دیا گیا ۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اہلِ بیت کے انیس افراد آپ کے ساتھ تھے ۔ جمعہ کے دن ۱۰ محرم ۶۱ھ (۶۸۰ء) آپ نے امیرالمومنین حضرت علیؓ کے سات فرزندوں اور اپنے تین فرزندوں اور اٹھاسی جاں نثاروں کے ساتھ شہادت پائی ۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر اٹھاون سال کی تھی ، رضی اللہ عنہ ۔

خواجہ حکیم سنائی آپ کی مدح میں کہتے ہیں :

قصیدہ

پسرِ مرتضیٰؓ امیرِ حسینؓ

ہمچو او می نبود در کونین

مصطفیٰؐ مرو را کشید بدوش
مرتضیٰ رضؓ پرورید در آغوش

در سرائے فنا و کشور دیں
بود در صدر ملک کوثر دیں

شاخ او پنج شاخ مصطفویؐ
دُرِ او عقد حقہ نبوی

دشمناں قصد جان او کردند
با دمار از تنش بر آوردند

عمر عاص از فساد رائے زد
شرع را زود پشت پائے زد

با یزید پلید بیعت کرد
تا کہ از خاندان بر آرد گرد

کربلا چون مقام و منزل ساخت
تا کہ آل زیاد بروے تاخت

حبّذا کربلا و آن حطیم
کز بہشت آورد بخلق نسیم

و آن تن سر بریدہ در گل و خاک
و آن عزیزان بتیغ دلہا چاک

وآن کہ دین ہمہ جہان کشتہ
در گل و خون تنش بہ آغشتہ

حرمت دین و خاندان رسولؐ
جملہ برداشتند ز جہل فضول

بغضہا لعل گون ز خون حسینؓ
جہ بود در جہاں بتر زین شین

زخم شمشیر و نیزہ و پیکان
[۱۳] بر سر نیزہ سر بجائے سنان

ہمہ را بر دل از علی رضؓ صد داغ
شدہ یکسر ازین طاغی و باغ

کین دل باز خواستہ ز حسینؓ
شدہ مانع برین شماتت و شین

نکتہ

وجہ تالیف ''سیرالاولیاء'' :

کاتب الحروف محمد مبارک ۔ محمد علوی الکرمانی مشہور بہ امیر خورد گزارش کرتا ہے کہ جب اس خاکسار کی عمر پچاس سال کی ہوگئی اور مجھ سے کوئی کام ایسا نہ ہوا کہ جو اُس بارگاہ نیاز کے شایان شان ہوتا اور شیخ سعدی کے ان اشعار نے غفلت کی روئی ہوش کے کانوں سے نکالی :

اشعار

ہر دم از عمر میرود نفسے
چوں نگہ میکنم نماندہ بسے
اے کہ پنجاہ رفت در خوابی
مگر این پنج روز دریابی
خجل آں کس کہ رفت وکار نہ ساخت
کوس رحلت زدند و بار نہ ساخت

میں اپنے ان افسوسناک حالات پر سخت حیرت میں تھا اور اس پر غور کرتا تھا کہ یہ امر کیسا میرے لیے باعث سرگردگی ہے کہ میں کوئی ایسا سامان نہیں رکھتا کہ مجھ گمراہ کے لیے دلیل راہ بن سکے ۔ میں اسی دریائے حیرت میں غرق تھا کہ حق تعالیٰ کی عنایت اور توفیق ایزدی اس شکستہ دل کے شامل حال ہوئی اور محبت سلطان المشائخ (خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ) کی محبت نے میری دستگیری کی ۔

بیت

دست من گیر کہ بے چارگی از حد بگذشت
سر من دار کہ درپائے تو ریزم جاں را

چنانچہ عالم غیب سے اس خاکسار کے دل میں القا کیا گیا کہ اے سرگشتۂ عالم تحیّر ! قرار اختیار کر ، اگرچہ خود یہ دنیا قرار کی جگہ نہیں یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

قرار می طلبی در جہان رہے غافل
ترا قرار نباشد مگر بہ دار قرار

اور اپنے پیروں کے حالات سے ان کے دلوں پر رحم کر اور اُن کے اوقاتِ متبرکہ کو اپنی پریشان حالی کے لیے شفیع بنا ، تا کہ سلطان المشائخ کی محبت کے توسط سے تیرے دل و جان میں محبتِ رب العالمین کے دریا سے چشمہ جاری ہو اور اس کے ذریعے سے تیرا بدکردار نفس نجات حاصل کر سکے ۔ اس دولت کے حاصل کرنے کا اس سے بڑا کوئی ذریعہ نہیں کہ شجرۂ معظم خواجگان چشت ، جو اُس درگاہ پاک بے نیاز کے عاشق ہیں اور عالمِ محبتِ الٰہی کے سیّاح ہیں اور خدا کی مخلوق کو نفس کی ہلاکتوں اور خواہشوں کی طلب سے چھٹکارا دلاتے ہیں ، ان ہی کے متعلق ایک بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

فکانوا لدین اللہ حصناً مؤبداً
و سنہ من سمیہ [۱۰۴] خیر مرسلِ

[یہ لوگ اللہ کے دین کے مضبوط قلعہ تھے ۔ نیز اس کی سُنت کے لیے مضبوط قلعے تھے جن کا نام تو نے خیرالانبیاء رکھا ہے ۔]

فیا رب اکرمھم بروح و رحمہ
و انزلھم بالفضل فی خیرِ منزلِ

[اے میرے پروردگار ! اُن کو خوش رکھ اور اپنی رحمت سے نواز اور اپنے فضل و کرم سے بہترین ٹھکانا دے ۔]

ان بزرگوں کے فضائل و کرامات اور اُن کے روح افزا کلمات اور ملفوظات ، طور و طریقوں ، مولد و منشا اور سلطان المشائخ سے اپنی عقیدت و ارادت کے واقعات اور اس درگاہ معظم سے اپنے آبا و اجداد کے تعلق کو شرح و بسط سے لکھ :

بیت

ہر لحظہ رازِ دل بجہد بر سر زبان
دل می طپد کہ عمر بشد ناگہاں نکوئے

تا کہ اس کے مطالعے سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہو اور پریشان خاطری سکون سے بدلے اور تمھیں آخرت میں نجات حاصل ہو۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

نجات آخرت حاصل توان کرد
اگر در دامن مردان زنی دست

حضرت شیخ سعدیؒ نے بھی کیا اچھا کہا ہے :

بیت

دست در دامن مردان زن و اندیشہ مکن
ہر کہ با نوح نشیند چہ غم از طوفانش

چنانچہ میں نے خواجگان چشت کے اوقات شریفہ و حالات کو شفیع بنا کر حضرت سلطان المشائخ کی بارگاہ میں نہایت الحاح و زاری سے درخواست کی کہ یہ مجموعہ "سیر الاولیاء" جو حق جل و علا کی محبت سے سرشار ہو کر میں لکھ رہا ہوں، اللہ کے کرم اور اس کی مدد سے تکمیل کو پہنچے ۔ پھر میں نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا ہو یہ کتاب سلطان المشائخؒ کی محبت اور مدد سے پایہ تکمیل کو پہنچی ۔ امیر حسن[1] شاعر کہتا ہے :

بیت

مور مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست بر پائے کبوتر زد و ناگہ برسید

کتاب کے متعلق وضاحت :

حق تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے کا سبب سلطان المشائخؒ کی محبت ہے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

وگرنہ من کیا ام آں کہ جاں را
دہم از دیدۂ دل نیکواں را
بہ عشق روئے شاں کردم ہوس ناک
کنم دل را ز غمہا چاک در چاک

۱- مراد امیر حسن علا سجزیؒ ۔

اور ان مشائخ کبار میں سے جن کے مناقب اس کتاب میں مذکور ہیں "منہم" کی علامت سے شروع کیے گئے ہیں ۔ میں نے اس علامت میں شیخ ابوالقاسم قشیری اور شیخ علی ہجویری کا اتباع کیا ہے ، جیسا کہ اوّل الذکر نے اپنے رسالے میں اور موخرالذکر نے اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں اختیار کیا ہے ، لیکن خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے لیے میں نے اس کتاب میں الہام ربانی کی بنا پر "سلطان المشائخ شیخ الشیوخ العالم نظام الحق والشرع والدین" کا خطاب اختیار کیا ہے اور ۱۵۱ اس پوری کتاب میں اس خطاب کی پابندی کی ہے ۔ میں نے سلطان المشائخ کے متعلق بہت سی روایتیں ، حکایتیں اور لطائف و غرائب ان ملفوظات سے اخذ کیے ہیں ، جو آپ کے مخصوص یاروں نے سلطان المشائخ کے جان بخش ملفوظات سے روایت کیے ہیں ۔ وہ ، وہ عزیز ہیں کہ جن کے قول و تحریر کی دیانت و امانت پر اعتماد کلی کیا جا سکتا ہے اور وہ روایتیں بھی نقل کی ہیں جو میں نے اپنے والد محترم اور دونوں چچاؤں سے سنی تھیں جو سلطان المشائخ کے مقربین بارگاہ میں تھے اور سلطان المشائخ کے تربیت یافتہ تھے ۔ میں نے اُن کے بیان کیے ہوئے واقعات کو بھی اس کتاب میں روایت کیا ہے ۔ خواجہ حکیم سنائی نے کیا اچھا کہا ہے :

مثنوی

لطف او ہر چہ در عقول نہاد
روح بر دیدۂ قبول نہاد

جہاں کہیں بھی مجھے کوئی نظم ، شعر اور قطعہ نظر آیا اور وہ اس کتاب کے موقع و محل کے مناسب ہوا ، میں نے جا بجا ان اشعار کو اس کتاب میں نقل کر دیا ہے کہ یہ اشعار سلطان المشائخ کی محبت کے جذبات کو بیدار کرتے ہیں اور آپ کی آتش عشق کے شعلے کو عاشقوں کے دلوں میں فروزاں کر کے ایک نیا سوز عطا کرتے ہیں ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

شعر

آتش عشق تو از ہر جا بخاست
آخر این آتش ز جائے خاستست

اور وہ شعراء جن کے یہ لطائف عشق اور اشعار مزید محبت و عشق

کا سبب بنتے ہیں ، میں نے اُن کے نام نظم اور اشعار کی ابتدا میں لکھ دیے ہیں ۔ لیکن جن اشعار کے متعلق کہنے والوں کا نام مجھے معلوم نہیں ہو سکا ، میں نے اُن کے نام کی بجائے ''بزرگ'' کا لفظ لکھا ہے ۔ اسی طرح جو اشعار سلطان المشائخ سے مروی ہیں ، وہاں میں نے سلطان المشائخ کا اسم گرامی لکھ دیا ہے ۔ اس کے بعد بھی جو نظم و اشعار ناموں سے خالی ہیں ، وہ اس کاتب الحروف کے ہیں ۔ یہ وہ موتی اور گوہر ہیں جو میں سلطان المشائخ کی محبت کے دریا کی گہرائیوں سے نکال لایا ہوں اور میں نے ان موتیوں کو موئے قلم سے کاغذ پر سطور میں منسلک کیا ہے ۔
شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ۔

بیت

شاید بہ دردمان سعدی
بر دعویِ دوستی بیان است

آتش بہ نئے قلم در افتاد
وین چیز کہ مرود دخان است

میں نے اس کتاب کے اول ، درمیان اور آخر کو سلطان المشائخؒ کے تذکرے سے زیب و زینت دی ہے ، تاکہ (یہ کتاب) اہلِ دل کے دلوں پر جلوہ گری کرے اور حسنِ قبول پائے ۔ جیسا کہ سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں :

ذکر الشیخ فی الکلام کالملح فی الطعام او کالروح فی الاجساد ۔

[کلام میں شیخ کا تذکرہ ایسا ہے جیسے کھانے میں نمک یا جسموں میں روح ۔]

کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

گر ہیچ نماند کسکے نشانم
زین نامِ تو میگوید و من می شنوم

یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے ، جن میں سے ہر باب بجائے خود ایک علیحدہ کتاب ہے اور دل کشا نکات اور لطائفِ دل ربا سے مزین ہے ۔ اس کے ہر نکتے سے عالمِ حقیقت کے رموز منکشف ہوتے ہیں ۔ جیسا کہ

اس کتاب کی فہرست سے ، جو اس کتاب میں شامل کی جا رہی ہے ، ظاہر ہوگا ۔ آخر میں التماس ہے کہ اس کاتب الحروف کے لیے ایمان کی دعا فرمائیں اور فاتحہ میں فراموش نہ کریں ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

رباعی

از خاطرِ حق پذیرِ یاراں
یک فاتحہ التماس دارم
تا کارِ شکستہ من بر آید
آں دامنِ شاں نمی گزارم

نکتہ

یہ کاتب الحروف ، خوش اعتقاد مریدوں کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ مشائخ شجرۂ معظم بندگیِ خواجگانِ چشت قدس اللہ سرّہم میں جن کا ذکر ہے اُن میں سے ہر ایک محبتِ حق جل و علا میں سورج کی طرح روشن ہے ۔ اُنھوں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اتباع اور مقامِ محبت سے ترقی کی ہے اور درجۂ محبوبیت کو پہنچے ہیں ، چنانچہ قرآن حکیم میں ہے :

فاتبعونی یحببکم اللہ ۔[1]

[میری پیروی اختیار کرو کہ اللہ تم کو دوست رکھے گا ۔]

ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے زمانے میں عبادتِ الٰہی اور ترکِ دنیا میں اکابرِ مشائخ کے برابر تھا ، لیکن عالمِ محبت میں یہ سب کے سب دوسروں سے ممتاز ہیں ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

مثنوی

در عبادات یافتہ توفیق
بادشاہانِ عالمِ تحقیق
ہر یکے در زمانِ خود ممتاز
در محبت میانِ اہلِ نیاز

۱۔ قرآنِ حکیم : پارہ ۳ ، رکوع ۳ ، سورۃ آلِ عمران ۔

خصوصاً خواجۂ بندہ نواز سلطان المشائخ ، دارالملکِ راز نظام الحق والشرع والدین (ان سب میں ممتاز ہیں) ۔ یہ ضعیف کہتا ہے ۔

بیت

ز عشقِ حق مجسم بود ذاتش
جہانے بندۂ آں ذاتِ پاکش

نکتہ

ہر آن آپ کے انفاسِ متبرکہ سے محبوبِ رب العالمین کی خوشبو آتی تھی اور طالبانِ حق کے مشامِ جان اور جہان کو معطر کرتی تھی ۔ شیخ سعدیؒ نے کیا اچھا کہا ہے ۔

بیت

جانم معطر می شود چوں دم ز آہوئے ختن
گویا کہ نہ روز ز پرس بوئے صحرا می رسد

عارف اور عشاق اس خوشبو پر آپ کے آستانے کی خاک بوسی کے لیے چہرہ خاک پر رکھتے تھے ۔ خواجہ حکیم سنائیؒ نے کیا عمدہ کہا ہے :

بیت

عاشقان سوئے حضرتش سر مست
عقل در آستیں و جان بر دست

عشاق سرگشتہ و مدہوش بے اختیار اس سرورِ عاشقاں کے آستانۂ محبت پر چلے آتے [۱۷] ۔ آپ کے آستانے کی خاک پر سر رکھتے اور اس بارگاہِ عالی کی خاک کو چہرے پر ملتے ۔ میر حسنؒ نے کیا خوب کہا ہے :

بیت

نمی رفتم بلا شد بوئے زلفش
خراب اندر پئے آں زلف رفتیم

حق تعالیٰ کی محبت کی خوشبو اس بادشاہ اہلِ محبت کے ذریعے سے اہلِ دل اپنے مشامِ جان میں محسوس کرتے تھے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

قطعہ

اے عارفانِ عاشقاں جاں می دہم جاں می دہم
بر آستان دوستاں جاں می دہم جاں می دہم
گفتی اگر خواہی لقا جاں را بدہ بر بوئے ما
اینک ببوئے دل ستاں جاں می دہم جاں می دہم

سلطان المشائخ فرمایا کرتے تھے کہ جس مقام پر اہلِ دل جمع ہوتے ہیں اُن کے چلے جانے کے بعد بھی دیر تک خوشبو اُس جگہ باقی رہتی ہے ۔ یہ خوشبو خارجی نہیں ، بلکہ ہر ایک کی ذات میں ایک نافہ ہے ۔ بعض کی خوشبو ظاہر ہوتی ہے اور بعض کی پوشیدہ اور ہر ایک خوشبو دوسرے سے مختلف ہوتی ہے ۔ کسی میں کافور کی خوشبو ہوتی ہے اور کسی میں عنبر کی ۔

مولانا ظہیرالدین دیوال سندہ ، جو کلام ربانی کے حافظ تھے ، روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز سلطان المشائخ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا ۔ مجھے وہاں عود کی خوشبو آئی ۔ میں نے دائیں بائیں ہر طرف نظر دوڑائی کہ کس جگہ عود جلایا جا رہا ہے ، مگر کہیں نظر نہ آیا ۔ مجھے خیال ہوا کہ حجرے میں عود جلا رہے ہیں اور خادم نے مصلحتاً حجرے کا دروازہ بند کر دیا ہے ۔ میں نے حجرے کے اندر نظر ڈالی مگر وہاں بھی مجھے عود جلتا ہوا دکھائی نہیں دیا ۔ سلطان المشائخ نے میرے اس تردد کو محسوس کر کے مجھ سے فرمایا کہ مولانا ! یہ عود کی خوشبو نہیں ، بلکہ یہ خوشبو ہی دوسری ہے ۔

بیت

عطار گو بہ بندد کان را کہ من ز دوست
بوئے کشیدہ ام کہ بہ مشک و عبیر نیست

بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ وہ کملی ، جو سلطان المشائخ بادشاہ دین کے قدم مبارک سے مس ہوئی تھی [۸] ، آپ نے وہ قاضی محی الدین کاشانی کو عطا کر دی تھی ۔ اس کملی سے ایسی خوشبو آتی تھی کہ جنت کی خوشبوؤں کے لیے باعثِ رشک تھی ۔ جب وہ کملی قاضی صاحب کو عطا ہوئی تو آپ نے اُسے سر پر رکھا ، آنکھوں سے لگایا اور اپنے گھر لے کر آئے ۔ وہ اس کملی کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے اور اس کملی

کو وقتاً فوقتاً نکالتے ، اُسے چومتے اور اس سے سعادت و برکت حاصل کرتے اور اُس کملی کی خوشبو سے اپنے مشامِ جان کو معطر کرتے ۔
شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں :

اے بوئے عبیر آسمانی
ز ساختۂ نازِ مہربانی است

قاضی صاحب نے یہ گمان کیا کہ یہ خوشبو عارضی ہے ، لیکن جب ایک طویل مدت گزر گئی اور اُس کملی کی خوشبو میں ذرہ برابر کمی نہ ہوئی اور انھوں نے اس کا خوب خیال کر لیا تو پھر انھوں نے اس کملی کو اپنے ہاتھ سے خوب اچھی طرح دھویا ، لیکن اس دھونے کے باوجود وہ خوشبو اُس کملی سے زیادہ آنے لگی ۔ قاضی صاحب کی حیرت اور بڑھی اور انھوں نے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر خوشبو کا تمام واقعہ بیان کیا ۔ حضرت سلطان المشائخ یہ تمام واقعہ سن کر رو پڑے ۔

اس واقعہ کی مناسبت سے ایک مصنف کہتا ہے :

قطعہ

بگریست چو ابر در بہاراں
خندید چو گل بروئے یاراں

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا ، قاضی صاحب ! یہ محبت کی خوشبو ہے ، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبت کرنے والوں کی ذات میں پوشیدہ رکھا ہے ۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے :

این بوئے نہ بوئے بوستان است
این بوئے ز بوئے دوستان است

نکتہ

جب سلطان المشائخ کے اندر رب العالمین کی محبت کا دریا جوش مارتا تھا تو بہت رونے کی وجہ سے آنسوؤں کے آبدار موتی آنکھوں سے ، جو چشمۂ محبت تھیں ، گرتے تھے اور پانی میں آگ لگاتے تھے :

بیت

چشمِ تو کہ از چشمۂ دریائے محبت
آن چشم بجز لعلِ گہر بار نریزد

اولیائے کرام میں سے کسی نے یہ شعر کہا ہے :

لو لا مدامع عشاق و لو عتهم
لبان فی الناس سر الماء والنار

[اگر عشاق کے آنسو اور اُن کی جلن نہ ہوتی تو آدمیوں میں ضرور آگ اور پانی کا قحط ہوتا ۔]

فکل نار فمن انفاسهم قدحت
و کل ماء فمن عین لهم جار

[ہر آگ اُن کے سانسوں سے نکلتی ہے ۔ اور ہر پانی اُن کی آنکھوں سے جاری ہوتا ہے ۔]

خواجہ سنائی نے کیا خوب کہا ہے :

بیت

دل و چشمش ز شوق در محراب
چشمۂ آفتاب و چشمۂ آب

یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

ہر کہ ز آن چشمہ جرعۂ نوشید
خلعتِ لی مع اللہ او پوشید

اور تشنگانِ عالم محبت کو اپنی شرابِ شوق سے سیراب و مست کرتے تھے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

[۱۹] کسے کز جوئے عشقت جرعۂ یافت
بماند تا قیامت مست و مدہوش

در آن مجلس کہ بخشی جامِ عشقت
نگردانی محمدؐ را فراموش

پھر یہ دلِ مشتاق کہتا ہے :

بیت

ز دریائے جاہلہ چوں سوم سراب اے ساقی

اہ برحسہ پیشتر نیم تمنا بیشتر ساشد

اور سرگشتگاں بیابانِ عشقِ حقیقت کو باری تعالیٰ کی محبت کی راہوں میں رہبری فرما کر منزلِ مقصود تک پہنچاتے تھے یہ ضعیف کہتا ہے ۔

بیت

مے سانیدہ بمقصود و منازل ہمہ را

لطفِ او ورنہ کہ باشم کہ بود دل بر دوست

نکتہ

اُس جنابِ عالی جاہ کی بارگاہ سے آفتابِ معرفت درخشاں ہوتا تھا اور بے چارے ظلمت کے مارے دلوں کو اور اُن لوگوں کو جو خواہشاتِ نفس میں گرفتار ہیں نور بخشتا تھا اور انھیں نظرِ حق تعالیٰ حل و علیٰ میں منظور ہونے کے قابل بناتا تھا ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

ز درگہِ تو بدار آفتاب عشق بتافت

بر آں دلے کہ ز دنیا و دیں مبرّا یافت

ز روشنائی عشقت جہاں منور شد

مگر رقیب کزاں روشنی نصیب نیافت

اورگناہوں کی گرمی کے مارے ہوئے انسانوں کو اور خواہشاتِ نفس سے جلے ہوئے لوگوں کو اپنے سایۂ مرحمت میں پرورش کرتے تھے ۔ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں :

بیت

خدایا ! برحمت نظر کردہ ئی

کہ ایں سایہ بر خلق گستردہ ئی

قطعہ

آلودہ داماناں کہ نظر بر تو افگنند
صاف شوند و پاک چو صوفیِ با صفا

اے آفتابِ حسن! ازاں چشمۂ حیات
آبے ببخش تا نشوم بعد ازیں فنا

یہ ضعیف کہتا ہے :

قطعہ

اے مایۂ حسن و کانِ نعمت
اینک بہ دیت امیدواراں

جاں بر کفِ دست کردہ از دل
بر شکلِ خوشِ تو جاں سپاراں

نکتہ

حضرت سلطان المشائخ کی ذات مبارک اُن کے دریا جیسے دل کے تابع تھی اور حق پذیر دل اُن کی پاک روح کے تابع تھا۔ ان کی پاک روح اپنے کمال کی وجہ سے قلب کو جذب کر لیتی تھی اور قلب روح کے ساتھ متحد ہو کر قالب کو جذب کر لیتا تھا۔ پس اس طرح حضرت سلطان المشائخؒ کی ذات مبارک سراپا روح تھی۔ امیر خسرو نے کیا خوب کہا ہے :

بیت

وجودِ خواجہ نہ از آب و گِل گشتہ مرتب
کہ جانِ خضر و مسیحا بہم شدہ است مرکب

پس (موتوا قبل ان تموتوا) کے حکم کی بنا پر حضرت سلطان المشائخؒ زندگی ہی میں بمنزل وفات پائے ہوؤں کے تھے اور سرتاپا روحانی تھے۔ وہ ذات، جو مجسم روح ہو، ہر آنکھ کے لیے لائق تماشا نہیں ہوتی۔ صرف چشمِ معرفت دریچۂ جاں سے اُسے دیکھ سکتی ہے۔ خواجہ سنائی کہتے ہیں :

بیت

از درِ دل بنظرِ جان آ
بتماشائے باغِ حسن جانان آ

بزرگانِ دین میں سے ایک بزرگ سے سوال کیا گیا کہ تم چاہتے ہو کہ دوست کو دیکھو؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟

[۱] داک الجمال عن نظر مثلی
[۲] انی لاحسد ناظریں علیک

[اس جمال کو مجھ جیسے کی نظر کے دیکھنے سے پاک رکھتا ہوں۔ میں ان پر حسد کرتا ہوں جو تیری طرف دیکھنے والے ہیں۔

حتی اغض اذا نظرت الیک
واراک تخطر فی شمائلک ای

[میں آنکھیں بند کر لیتا ہوں جب کہ تیری طرف دیکھتا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ تیرے دل میں وہ خیال نظر آتا ہے۔

فی منی واغار منک علیک

[حسن میں تیرے لیے لگاؤ ہے، اس لیے مجھے تجھ سے تجھ پر غیرت آتی ہے۔]

فہرست ابواب کتاب "سیرالاولیاء" کی مصنف الحق حسن و علی۔[1]

● ● ●

۱۔ "سیرالاولیاء" کے مؤلف نے خود نے کتاب کے ابواب اور اس کے مضامین کی مفصل فہرست یہاں دی ہے، لیکن ہم اس فہرست کو بجنسہٖ کتاب کے شروع میں دے رہے ہیں کہ اس کے وہاں دینے سے فہرست کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔ یہ فہرست اصل متن کے ص ۲۰ سے لے کر ص ۲۹ تک ہے، ہم نے اسی صفحے سے کتاب کا ترجمہ شروع کیا ہے، کیونکہ یہیں سے باب اوّل شروع ہوتا ہے۔

باب اول

جس میں مناقب و فضائل و کرامات مشائخ چشت کو شجرۂ خاندان چشت کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے لے کر حضرت سلطان المشائخ نظام الحق والشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے عہد تک بیان کیا گیا ہے

نکتہ

جس میں سید المرسلین ، رسول رب العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعت اور بارگاہ نبوت سے امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خرقۂ فقر کے عطا ہونے اور آپ سے دوسرے اکابر شیوخ و اولیائے نامدار قدس اللہ اسرارھم کو خرقۂ خلافت ملنے کا بیان ہے

وہ جوان مردی اور فیاضی کے بادشاہ ، وہ ملک مروت کے سخی ، آسمان رسالت کے آفتاب ، فلک جلالت کے ماہتاب ، صاحب قوسین ، پیشوائے کونین ، اصفیاء کی صفوں کے صدر ، تمام انبیاء کی شمع ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

قطعہ

مسند انبیاء و صدر رسل
مقصد ہشت و ہفت و پنج و چہار
آں رسولے کہ جان و عقل و خرد
کرد پیشش بہ بندگی اقرار

یہ ضعیف کہتا ہے :

نظم

شاہِ رسل شہنشہِ شاہانِ روزگار
عالم برائے دوستی او شد آشکار
گردوں ندید و نیز نہ بیند بچشمِ خویش
شاہے چو تو میانِ رسل شاہِ نامدار
جاہت بلند و مرتبہ عالی بنزدِ حق
نامت بنامِ خویش قرین کرد کردگار
از نورِ روئے تست کہ روشن شدہ است روز
از رنگِ زلفِ تست کہ شبہا حبشی ست تار
تو بادشاہے ہر دو جہانی من گدائے او
چارہ ہمیں بود کہ کنم جانِ خود نثار
ماہی براہِ تست فتادہ میانِ خاک
بیچارۂ ضعیف فتادہ بصد امیدوار
گر قطرۂ ز بحرِ وصالت شود رسد
سادی کنارِ عشق در آید و شد نثار

اس بادشاہ مرسلین؏ نے زبانِ نبوت نشان سے اولیاء کی صفت و کرامات کے بارے میں ارشاد فرمایا :

عن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من عباد اللہ اناساً ما ہم بالانبیاء و لا الشہداء یغبطہم الانبیاء والشہداء یوم القیامۃ بمکانہم من اللہ تعالیٰ قال رجل منہم ما اعمالہم لو انا نحبہم قال قوم یتحابون بروح اللہ من غیر ارحام بینہم ولا مال یتعاطونہا بینہم واللہ ان وجوہہم لنور فانہم لعلی منابر من نور ولا یخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن ـ ثم قرأ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ـ ہم مصابیح الدجیٰ و ینابیع الرشد والحجیٰ حصوا بالخفی الاختصاص وانقوا من التصنع بالاخلاص ـ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ کے بندوں میں سے کچھ بندے

اولیا کی یہ تعریف و توصیف اس برکت کی وجہ سے ہوئی کہ سرور انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شب معراج[1] میں خرقۂ فقر کی خلعت سے مشرف ہوئے۔ پھر وہ خرقہ سلطان الانبیاء کی جانب سے بلند پایہ تخت سے خاتم الخلفاء الراشدین رض و وصی رسول رب العالمین، امیرالمومنین، قطب الاولیاء اور حقائق و توحید کے سرچشمے جناب اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو پہنچا۔ جس کی مفصل کیفیت باب ارادت میں سلطان المشائخ کی طرف سے نکتہ: ''اصل خرقہ اور اس کی بخشش'' میں تحریر کیے گئے ہیں۔

کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

شعر

جعل الالٰہ محمداً شمس الہدی

بضیائہ یہدی جمیع عبادہ

[اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہدایت کا آفتاب بنایا۔ تمام بندے اُس کی روشنی سے ہدایت پاتے ہیں۔]

منہ استضاء وصیہ و ولیہ

فازار مثل البدر کل بلادہ

[اُس آفتاب سے نور آپ کے وصی و ولی نے روشنی لے کر چودھویں کے چاند کی طرح تمام شہروں میں پھیلا دیا۔]

اعنی علیاً سید الزہاد لا بذالک

الابدال والاوتاد من عبادہ

[میری مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے جو زاہدوں کے سردار ہیں اور نیز اس کے بندوں سے جو ابدال و اوتاد ہیں۔]

یہ خرقہ امیرالمومنین حضرت علی رض [۳۲] سے اولیائے نامدار اور مشائخ کبار کو دست بدست ایک دوسرے کے وسیلے سے پہنچا جیسا کہ ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے۔

۱- معراج ۱۲ نبوی ۲۷ رجب دو شنبہ کی رات کو ہوئی۔

متمم

متعلق حضرت خواجہ حسن بصریؒ

نبوت کے پروردہ، حوالِ صداقت کی کان، دریائے علم، حسن و حلم کے خزانے، تابعین کے سردار، متقیوں کے امام تھے۔ خرقہ مشیخت طور پر حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو پہنچا۔[1]

منقول ہے کہ ایک روز خواجہ حسن بصری نے یہ خرقہ ارادت امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پہنا۔ خواجہ حسن بصری کے فضائل بہت اور مناقب بے شمار ہیں۔ خواجہ حسن بصری کی والدہ محترمہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بیوی حضرت ام سلمہؓ کی باندی تھیں۔

حضرت خواجہ حسن بصری جس زمانے میں شیر خوار بچے تھے اور اُن کی ماں کسی کام میں مشغول ہوتیں، خواجہ حسن بصری روتے تو اُن کے بہلانے کے لیے حضرت ام سلمہؓ اپنی چھاتی اُن کے منہ میں دے دیتیں۔ دودھ کے چند قطرے اُن کی چھاتی سے نکلتے۔ یہ تمام حضرت حسن بصری کی برکات و کرامات تھیں۔

حضرت اُم سلمہؓ ہمیشہ اُن کے لیے دعا فرماتیں کہ اے خداوند اس کو خلق کا پیشوا بنا۔ حضرت حسن بصریؒ نے ایک سو تیتیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پایا تھا۔

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب "انتباہ" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چشتیہ سلسلہ خواجہ حسن بصریؒ کے ذریعے حضرت علیؓ تک نہیں پہنچتا، اس لیے کہ خواجہ بصری اُس وقت خورد سال تھے اور وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن حضرت شاہ فخرالدین دہلوی نے جو حضرت شاہ ولی اللہ کے معاصر تھے، اُن کے اس خیال کی تردید میں ایک کتاب "فخر الحسن" لکھی، جس میں حضرت خواجہ حسن بصری کا حضرت علیؓ سے خلافت پانا ثابت کیا ہے۔ اس کتاب کی شرح مولانا احسن الزماں حیدرآبادی نے لکھی ہے۔ (ماخوذ از مشائخ چشت، ص ۱۴۱)

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصرے تشریف لائے اور تمام ناصحوں کو منع فرمایا ، یہاں تک کہ تمام ناصحوں نے اپنے منبر توڑ ڈالے ۔ پھر وہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی مجلس میں آئے اور اُن سے سوال کیا کہ تم عالم ہو یا متعلم (طالب علم) ؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں کچھ بھی نہیں ، جو کچھ مجھ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے پہنچا ہے ، وہی میں مخلوق کو پہنچا رہا ہوں ۔ اُن کا یہ جواب سن کر حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جوان اس قابل ہے کہ اس سے بات کی جائے ۔ جب خواجہ حسن بصریؒ منبر پر سے اُترے اور امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیچھے چلنے لگے ، تو حضرت خواجہ حسن بصری نے آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ برائے خدا مجھے وضو کرنا سکھا دیجیے ۔ چنانچہ اُس مقام پر ، جسے ''باب الطشت'' کہتے ہیں ، طشت لایا گیا اور آپ نے حضرت حسن بصریؒ کو وضو کرنے کا طریقہ سکھایا ۔

منقول ہے کہ خشیتِ الٰہی کی وجہ سے حضرت خواجہ حسن بصریؒ قدس اللہ سرہ بہت روتے تھے ۔ کاتب الحروف نے حضرت سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا کہ جس شب میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی وفات ہوئی اُس رات کو آواز آئی کہ :

ان اللہ اصطفٰی آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل الحسن ۔[1]

[بے شک اللہ نے برگزیدہ کیا آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ حسنؒ کو ۔]

ایک بزرگ نے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی وفات کی شب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور منادی اعلان کر رہا ہے کہ خواجہ حسن بصری اپنے خدا سے جا ملے اور خدا اُن سے راضی ہے ۔

رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ یہ روایت صرف فرط عقیدت کا مظہر ہے اور الحاق معلوم ہوتی ہے کیونکہ قرآن حکم میں اس آیت کا آخری ٹکڑا ''و 'آل' عمران علی العالمین'' ہے ۔

مقالہ

متعلق حضرت خواجہ عبدالواحد زید[۱]

شیخ شیوخ العصر ، علامۃ الدہر ، قطب العالم خواجہ عبدالواحد زید[۱] کہ صاحبِ کرامات اور درجات عالی پر فائز تھے ۔ [۳۲] انھوں نے خرقۂ ارادت خواجہ حسن بصری سے پہنا تھا ۔ شرفہ اللہ بالروح والراحۃ ۔

منقول ہے کہ ایک دن درویشوں کی ایک جماعت ان کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی اور سب شدید بھوک سے سخت نڈھال تھے ۔ کوئی چیز اُن کے پاس ایسی نہ تھی کہ اُسے کھائیں ۔ ان درویشوں نے حضرت خواجہ عبدالواحد زید طیب اللہ مضجعہ سے درخواست کی کہ ہم حلوا کھانا چاہتے ہیں ۔ جب درویشوں کا اصرار بہت بڑھا تو حضرت خواجہ عبدالواحد زید[۲] نے آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر خدا سے درویشوں کے لیے دعا کی ۔ اُسی وقت دینار سرخ آسمان سے برسنا شروع ہوئے ۔ آپ نے درویشوں سے فرمایا کہ ان دیناروں میں سے اس قدر لے لو کہ حلوے سے تمھارا پیٹ بھر سکے ، درویشوں نے ارشاد کی تعمیل کی ، لیکن خواجہ صاحب نے اس حلوے میں سے کچھ نہیں کھایا ۔

منقول ہے کہ آخر عمر میں خواجہ عبدالواحد زید مفلوج ہو گئے تھے ۔ ایک دن نماز کا وقت آ گیا ۔ آپ کے پاس کوئی نہ تھا کہ آپ کو وضو کرائے ، یہاں تک کہ نماز کا وقت قضا ہونے لگا ۔ خواجہ عبدالواحد زید قدس اللہ سرہ العزیز نے بارگاہِ رب العزۃ میں دعا کی ، الٰہی ! مجھ کو اس قدر قوت عطا فرما کہ میں وضو کر سکوں ۔ جب میں وضو کر چکوں تو پھر تیرا حکم جو بھی ہو میرے سر آنکھوں پر ہے ۔ چنانچہ خواجہ صاحب اُسی وقت صحت یاب ہو گئے ۔ جب وہ وضو اپنے حسب منشا کر چکے اور اپنے بستر پر آئے تو پھر اُسی طرح مفلوج ہو گئے ۔

رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ خواجہ عبدالواحد زید کی کنیت ابوالفضل تھی ۔ بصرے کے رہنے والے تھے ۔ ''سیرالاقطاب'' میں ہے کہ انھوں نے خرقۂ خلافت حضرت حسن بصری سے حاصل کیا تھا اور حضرت کمیل بن زیاد نے بھی آپ کو خلافت دی تھی ، آپ نے ۷ صفر ۱۷۷ھ (۷۹۳ء) میں وفات پائی ۔ (سیرالاقطاب ، ص ۲۳ و سفینۃ الاولیاء ، اردو ترجمہ ، ص ۱۲۰)

منہم

متعلق حضرت ابو علی الفضیل ابن عیاضؒ

اہلِ دل کے بادشاہ ، درگاہِ وصلت کے سلطان ، ولایت کے آسمان ، درایت آفتاب ، کثیرالفضائل ابو علی الفضیل ابن عیاض قدس اللہ سرہ العزیز ، جو مشائخ کبار میں سے تھے اور زمانے کے سردار تھے ، جلدی رونے والے ، ہمیشہ غمگین اور نہایت غور و فکر کرنے والے تھے ۔ اُنھوں نے خرقۂ ارادت خواجہ عبدالواحد زید سے پہنا تھا ۔

آپ کے ارشادات میں ہے کہ :

لا یستکمل الایمان العبد حتی یودی ما افترض اللہ علیہ و یجتنب ما حرم اللہ علیہ و یرضی ما قسم اللہ لہٗ ۔ ثم خاف مع ذلک ان لا یتکمل الایمان ولا نقبل منہ ۔

[کسی بندے کا ایمان اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتا ، جب تک کہ وہ ادا نہ کرے ہر اُس چیز کو جس کو اللہ نے اس پر فرض کیا ہے اور بچے ہر اُس چیز سے جسے اللہ نے اُس پر حرام کیا ہے اور اللہ نے جو اس کا مقدّر کر دیا ہے ، اس پر راضی رہے ، پھر اسی کے ساتھ خدا سے ڈرے اس کے بغیر نہ اُس کا ایمان کامل ہوتا ہے اور نہ اُس کا کوئی عمل مقبول ہوتا ہے ۔]

آپ نے ارشاد فرمایا :

اذا احب اللہ عبداً اکثر غمہ فاذا ابغض عبداً وسع علیہ دنیا ٥

[جب خدا کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کے غم زیادہ کر دیتا ہے اور جب خدا کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو اُس کی دنیا کو وسیع کر دیتا ہے]

نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ :

لو عرضت علی الدنیا بحذا فیرھا ولا [۴۴] احاسب بھا لکنت اتقدرھا لما یتقدر احدکم الجیفۃ ۔

[اگر دنیا دریائے بے کرانہ کی طرح میرے سامنے پیش کی جائے ، اور ساتھ یہ بھی کہا جائے کہ تجھ سے اس کا حساب نہ لیا جائے گا تو دنیا کے حصول پر قدرت کے باوجود میں اس کو ایسا سمجھوں گا ، جیسا تم مُردار کو سمجھتے ہو ۔]

اور یہ بھی آپ کا ارشاد ہے :

ترک العمل لاجل الناس هو ریاء العمل لاجل الناس شرک ۔

[لوگوں کے لیے کسی نیک عمل کا چھوڑ دینا ریا ہے اور نیک عمل کا لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرنا شرک ہے ۔]

ابو علی رازی بیان کرتے ہیں کہ میں تیس سال تک خواجہ فضیل عیاضؒ کی صحبت میں رہا ، لیکن میں نے کبھی ان کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا ۔ جس دن کہ اُن کے بیٹے علی بن فضیل نے ، جو خود بھی ولایت کے مرتبے پر فائز تھے ، وفات پائی تو وہ مسکرائے ۔ اُن سے پوچھا گیا کہ آج کون سا موقع ہے کہ آپ مسکرا رہے ہیں ؟ فرمایا کہ میں اس بات پر مسکرایا کہ خدائے تعالیٰ جس کام کو پسند کرتا ہے ، میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں ۔

منقول ہے کہ خواجہ فضیل بن عیاض ابتداءً رہزنی کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ انھوں نے تاجروں کے ایک قافلے کو لوٹا ۔ اس قافلے میں ایک قاری نے یہ آیت پڑھی :

الم یأن للذین امنوا ان تخشع قلوبهم لذکرالله ۔[۱]

[کیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں ، اب بھی وقت نہیں آیا کہ اُن کے قلوب اللہ کے ذکر کے لیے جھک جائیں ۔]

حضرت فضیل نے اس آیت کو سن کر کہا ، اے رب ! وہ وقت آ گیا ہے ۔ اس آیت کو سننے کے بعد حضرت فضیل پر رقت طاری ہوئی اور فوراً اس پیشے سے توبہ کی اور تاجروں کا سارا لوٹا ہوا مال واپس کر دیا ۔ پھر امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں کوفہ حاضر ہوئے اور اُن کی خدمت میں رہے اور بہت سے اولیاء کی زیارت کی ۔

ہارون الرشید کے وزیر فضیل ربیع کی روایت ہے کہ میں ہارون الرشید کے ساتھ مکۂ معظمہ گیا ۔ جب ہم حج ادا کر چکے ، تو ہارون نے پوچھا کہ یہاں مردانِ خدا میں سے کوئی مرد ہے کہ ہم اس کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کریں ؟ کسی نے کہا عبدالرزاق صنعانیؒ ہیں ۔ ہم ان کی

۱۔ قرآن حکیم : پارہ ۲۷ ، رکوع ۱ ، سورۃ الحدید ۔

خدمت میں حاضر ہوئے ۔ ہارون نے گفتگو کے بعد مجھے اشارہ کیا کہ میں اُن سے پوچھوں کہ آپ کو کسی کا قرض دینا تو نہیں ؟ اُنھوں نے فرمایا ہاں ۔ ہارون نے ان کا وہ تمام قرضہ چکا دیا ۔ پھر ہارون نے مجھ سے کہا کہ اے فضیل ! ابھی ہمارے دل کی تمنا پوری نہیں ہوئی ۔ میرا دل کسی دوسرے آدمی سے ملاقات کا تقاضا کرتا ہے ۔ میں نے کہا کہ سفیان بن عتبہ بھی یہیں ہیں ۔ چنانچہ ہم ان کی خدمت میں پہنچے ۔ بہت سی باتوں کے بعد ہارون نے کہا کہ آپ کو کسی کا قرض دینا تو نہیں " سفیان نے کہا ہاں ۔ ہارون نے کہا ان کا قرضہ بھی چکا دیا جائے ۔ پھر ہارون نے مجھ سے کہا کہ فضیل ! ابھی میرا دل کسی اور سے ملنے کو چاہتا ہے ۔ مجھے یاد آیا کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ بھی یہیں ہیں ۔ ہم اُن کے پاس گئے ۔ جس وقت ہم اُن کے پاس پہنچے تو اس وقت وہ اپنے حجرے میں تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ اُس وقت یہ آیت زبان پر تھی :

ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم [۴۵] کالذین آمنوا و عملوا الصالحات ۔

[کیا جو لوگ برائیاں کرتے ہیں ، وہ خیال کرتے ہیں کہ انھیں ان لوگوں کی طرح کر دیا جائے گا جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ۔]

جب یہ آیت ہارون کے کان میں پہنچی تو اس نے اپنے وزیر سے کہا اے فضل ! یہی آیت کافی ہے ۔ فضیل نے حجرے کا دروازہ کھٹکٹایا ۔ پوچھا کون ہے ؟ فضل نے جواب دیا ، امیرالمومنین ۔ خواجہ فضیل نے فرمایا ، امیرالمومنین کو مجھ سے کیا کام اور مجھے اُن سے کیا واسطہ ۔ میں نے کہا کہ وہ اپنی شفاعت کے لیے آئے ہیں اور ان کی اطاعت واجب ہے ۔ اُس وقت آپ نے چراغ بجھا دیا اور دروازہ کھولا اور حجرے کے ایک کونے میں کھڑے ہوگئے (تاکہ ہارون الرشید کو نہ دیکھ سکیں) ۔ ہارون حجرے میں داخل ہوا ۔ وہ اتفاق سے اپنے وزیر کو ہاتھ کے اشارے سے بلا رہا تھا کہ اس کا ہاتھ خواجہ فضیل کے ہاتھ سے چھوگیا ۔ فرمایا ، کیسا نرم ہاتھ ہے ۔ میں نے اس سے نرم ہاتھ نہیں دیکھا ۔ کاش دوزخ کی آگ سے بچ جائے ۔ آپ کی یہ بات سن کر ہارون کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور روتے روتے بے ہوش ہوگیا ۔ جب ہوش میں آیا تو آپ سے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے ۔ فرمایا امیرالمومنین ! تمہارے باپ ، جو

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے چچا تھے، اُنھوں نے رسولِ اکرمؐ سے درخواست کی کہ مجھے کسی صوبے کا حاکم بنا دیجیے۔ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ اے چچا! تمھارا ایک سانس خدا کی اطاعت میں بہتر ہے، مخلوق کی ایک ہزار سال کی اطاعت سے کیونکہ امارت قیامت کے دن ندامت کا سبب ہوگی۔ ہارون نے کہا کہ اس نصیحت میں کچھ اور اضافہ فرمائیے۔ خواجہ فضیل قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ امیرالمومنین! میں ڈرتا ہوں کہ یہ تمھارا خوب صورت چہرہ دوزخ کی آگ میں گرفتار ہو، اس لیے خدا سے ڈرو اور اس کا حق اس سے بہتر طریقے پر بجا لاؤ۔ اس کے بعد ہارون نے پوچھا کہ کیا آپ پر کسی کا کچھ قرض باقی ہے؟ فرمایا، ہاں مجھ پر خدا کا قرض ہے کہ میں اس کی ادائی میں لگا ہوا ہوں۔ حق تعالیٰ اس قرض کو ادا کرائے۔ اس وقت ہارون نے آپ کی خدمت میں ایک ہزار دینار کی تھیلی پیش کی۔ حضرت فضیلؒ نے کہا کہ امیرالمومنین! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری ان نصیحتوں نے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ میں آپ کو جنت کی طرف بلا رہا ہوں اور آپ مجھے آزمائش میں ڈال رہے ہیں۔ ہارون یہ سن کر رونے لگا اور اس نے اپنے وزیر فضل بن ربیع سے کہا کہ بادشاہ حقیقت میں خواجہ فضیل عیاض ہیں۔[1] بیان کیا جاتا ہے کہ خواجہ فضیل بن عیاض نے مکے ہی میں ماہ محرم ۱۸۷ھ (۲۰۵ء) میں وفات پائی۔

منہم

متعلق حضرت خواجہ ابراہیم ادہم قدس سرہ العزیز

سلطان السالکین، مقرب حضرت رب العالمین، تارکِ مملکت دنیا، صاحبِ سلطنتِ عقبیٰ، ظل اللہ فی العالم خواجہ ابراہیم ادہم قدس اللہ

۱۔ "تذکرہ الاولیاء" میں اس روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے کہ ہارون الرشید نے کہا کچھ اور فرمائیے؟ آپ نے فرمایا یہ ملک تمھارا گھر ہے اور خلقت تمھاری اولاد، ماں باپ کے ساتھ نرمی، بہن بھائیوں پر مہربانی، بچے یتیموں سے نیک سلوک کرو۔ اگر پورے ملک میں کوئی مفلس بڑھیا رات کو بھوکی سو جائے گی تو قیامت کے دن وہ بھی تمھاری دامن گیر ہوگی اور تم سے جھگڑے گی۔ (تذکرۃ الاولیاء (اردو ترجمہ)، صفحات ۸۳ - ۸۴)

سرہ العزیز جو تمام معاملات و اصناف میں حقائق اشیاء کے مشاہدہ کرنے میں کمال رکھتے تھے اور تمام عالم میں مقبول تھے ، اکثر مشائخ کبار کو آپ نے دیکھا تھا اور خرقۂ ارادت خواجہ [۳۶] فضیل عیاض سے پہنا تھا کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

ترک ابن ادھم مُلکہ و منزلھا
فاتی الفضیل متابعاً امعادہ

[ابن ادہم اپنی سلطنت اور وطن کو چھوڑ کر فضیل کے پاس آئے اپنی عاقبت کو ڈھونڈھتے ہوئے -]

ترک الخزاین والجنود و اھلہ
فاقام ساعدہ مقام وسادہ

[انہوں نے اپنے خزانوں ، لشکروں اور اہل و عیال کو چھوڑا - اور اپنے بازوؤں کو خواجہ فضیل کے تکیے پر قائم کیا -]

اور امام اعظمؒ (ابو حنیفہ) کی خدمت میں رہے - حضرت امام اعظم ان کو سیدنا ابراہیم ادہم قدس اللہ سرہ کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے - حضرت امام اعظمؒ کے ساتھی امام سے پوچھتے کہ انہوں نے سیادت کس طرح پائی - امام ابوحنیفہؒ فرماتے کہ اللہ کی رحمت ہو ابراہیم ادہم پر کہ وہ ہر وقت خدائے تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ہم دوسرے کاموں میں لگے رہتے ہیں -

خواجہ جنید قدس اللہ سرہ نے ، جو اولیاء کے گروہ کے سردار ہیں ، ان کے متعلق فرمایا کہ علوم کی کنجی ابراہیم بن ادہم ہیں یعنی اس گروہ کے علماء کی کنجی ابراہیم ادھم ہیں -

اور اُن کی توبہ کا سبب اس قدر مشہور ہے کہ یہاں اس کے لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی - اُن کا قول ہے :

ان التصوف التکریم والتسلیم والتطرق والتلطف -

[تصوف کی حقیقت تکریم (یعنی تمام مخلوق کو اپنے سے بزرگ سمجھنا) اور اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینا اور ہر لمحہ خدا پر نظر رکھنا اور لوگوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا ہے -]

نیز آپ کا قول ہے :

واتخذاللہ صاحباً ودع الناس جانباً ۔

[اللہ تعالیٰ کو اپنا صاحب بنا اور لوگوں کو ایک طرف چھوڑ دے ۔]

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ :

کثرۃ النظر الی الباطل یذھب معرفت الحق من القلب ۔

[کثرت سے باطل کی طرف دیکھنا ، حق کی معرفت کو دل سے نکال دیتا ہے ۔]

آپ کا یہ بھی قول ہے کہ :

قلہ الحرص والطمع یورث الصدق و الورع و کثرۃ الحرص والطمع یکثر الغم والجزع ۔

[حرص اور طمع کا کم ہونا آدمی کو سچائی اور پرہیزگاری کا وارث بناتا ہے اور حرص و طمع کی بہتات ، غم اور اندوہ کو بڑھاتی ہے ۔]

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ :

قد رضینا من اعمالنا بالمعانی و من طلب التوبۃ بالتوانی و من العیش الباق بالعیش الفانی ۔

[ہم اپنے اعمال سے صرف معانی پر راضی ہوئے اور کھوٹے کی طلب سے پھٹے پرانے پر اکتفا کی اور عیش باقی کے بدلے عیش فانی کو پسند کیا ۔]

اور یہ بھی آپ کا قول ہے :

اطلب مطعمک ولا علیک ان تقوم اللیل وتصوم النہار ۔

[اپنی روزی طلب کر ، تیرے لیے یہ ضروری نہیں کہ تو راتوں کو جاگتا رہے اور دنوں کو روزہ رکھے ۔]

منقول ہے کہ حضرت خواجہ ابراہیم ادہمؒ نے ایک آدمی کو جنگل میں دیکھا کہ جس نے اُن کو اسم اعظم کی تعلیم دی اور اس اسم کے پڑھنے سے آپ کی ملاقات حضرت خضرؑ سے ہوئی ۔ حضرت خضرؑ نے آپ سے کہا کہ میرے محترم بھائی حضرت الیاس نے تم کو یہ اسم اعظم

تک خضر ہمارے استقبال کے لیے آئے ہیں - اچانک ایک ہاتف غیبی نے صدا دی کہ اے جھوٹو ! اے جھوٹی محبت کے دعوی دارو - تم نے اپنے قول و قرار کو بالکل بھلا دیا اور غیر میں مشغول ہوگئے - جاؤ ہم اس کے تاوان میں تمھاری جان پر تباہی لائیں گے - جب تک کہ ہم تمھارا خون نہ گرائیں گے ، ہم سے صلح نہ کریں گے - یہ سارے جوان مرد اُس کی بارگاہ کے شہید ہیں - اے ابراہیم ! اگر تم بھی اپنے سر میں یہ سودا رکھتے ہو تو بسم اللہ اس راہ میں قدم رکھو ، ورنہ درمیان سے دور ہو جاؤ - کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

مثنوی

خوں ریز بود ہمیشہ در کشور ما
جاں عود بود ہمیشہ در مجمر ما
داری سر ما وگرنہ دور از بر ما
ما دوست کشیم تو نداری سر ما

خواجہ ابراہیم ادہم اُس کی یہ بات سن کر حیران رہ گئے - پھر انھوں نے اس سے پوچھا کہ تمھیں کیوں چھوڑ دیا گیا ؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ سب پختہ تھے - مجھ سے کہا گیا کہ تو ابھی خام ہے ، چند دن کی میں منتظر رہ تاکہ تو بھی پختہ ہو جائے ، اُس وقت ان کے پیچھے آ - یہ کہہ کر اُس نے جان دے دی -

منقول ہے کہ آخر عمر میں خواجہ ابراہیم ادہم مفقود الخبر ہو گئے تھے - چنانچہ کوئی نہیں جانتا کہ اُن کا مزار کہاں ہے - بعض کہتے ہیں کہ بغداد میں ہے اور بعض شام میں بتاتے ہیں - بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں کہ اُنھوں نے بھاگ کر حضرت لوط علیہ السلام کے مزار کے قریب ایک غار میں وفات پائی - جب ان کی وفات کا وقت قریب پہنچا ، تو دنیا سے آواز آئی کہ آگاہ رہو کہ زمین کے لیے امان کا سبب آج وفات پا گیا - تمام مخلوق یہ آواز سن کر حیرت میں پڑ گئی کہ یہ کیا ماجرا ہے ، یہاں تک کہ خبر آئی کہ حضرت ابراہیمؒ نے وفات پائی -

مفهم

متعلق حضرت خواجہ سدیدالدین حذیفہ مرعشی رح

صاحب فضل و احسان ، اکرم اہل ایمان ملک الاولیاء ، اما
الفقراء ، شیخ العصر ، علامة الدہر ، سرمست جام ے عشق خواجہ حذیفہ
المرعشی[۱] خصہ اللہ بالعفو والرضوان اپنے زمانے کے سردار اور مشائ
کبار میں سے تھے - آپ نے خرقہ ارادت حضرت خواجہ ابراہیم ادہم ر
پہنا تھا اور سالہا سال وہ سفر و حضر میں آپ کی خدمت میں رہے تھے
خواجہ حذیفہ کے نیک اعمال خواجہ ابراہیم ادہم کی نظر میں کچھ قدر
منزلت نہ رکھتے تھے - آپ کا قول ہے :

[۳۹] لوجاء نی رجل و قال واللہ الذی لا الہ الا ھو یا حذیفة ما عملک
عمل من یومن بیوم الحساب فاقول لہ یا ھذا لا تکفر عن یمینک
فانک لا تحنث -

[اگر میرے پاس کوئی آدمی آئے اور یہ کہے مجھے اُس ذات کی قس
ہے ، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ، تیرا عمل ایسے شخص کے عمل
طرح ہے جو قیامت پر ایمان رکھتا ہے ، تو میں اس سے کہوں گا کہ ت
اپنی قسم سے انکار نہ کر کیونکہ تو حانث نہیں ہو گا -]

نیز آپ کا قول ہے :

ایاکم و ھذا بالفجار والسفهاء فانکم اذا فعلتموھا ظنوا بانکم
رضیتم بفعلھم -

[اپنے آپ کو بدکاروں اور کمینوں سے دور رکھو - اگر تم اُن کا ر
کرو گے تو وہ گمان کریں گے کہ تم اُن کے کاموں سے خوش ہو -]

۱- خواجہ حذیفہ مرعشی کا لقب سدید الدین تھا - ''سفینة الاولیاء'' می
آپ کی تاریخ وفات ۱۴ شوال مذکور ہے اور ''سیر الاقطاب'' میں آپ ک
تاریخ وفات ۲۴ شوال ۲۵۲ھ (۸۶۶ء) مندرج ہے - مرعش شام ک
قریب ایک شہر کا نام ہے ، اسی نسبت سے آپ مرعشی کہلاتے ہیں
(ماخوذ از ''سفینة الاولیاء'' (اُردو ترجمہ) ، ص ۱۲۳ و ''سیر الاقطاب''
ص ۳۵ تا ۳۸)

منهم

متعلق خواجہ ہبیرہ بصری ؒ

خواجہ ہبیرہ بصری[1] نے خرقۂ ارادت حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی سے پہنا تھا ۔ یہ بزرگ اپنے عہد کے علماء اور اولیاء کے پیشوا تھے اور حق تعالیٰ جل و علیٰ کی معرفت میں معروف و مشہور تھے ۔ بلند درجے اور عالی مقامات پر فائز تھے ۔ قدس اللہ سرہ العزیز ۔

منهم

متعلق خواجہ ممشاد علو دینوری ؒ

شمس الفقرا ، بدرالاتقیا ، شیخ الاصفیائے وقت ، صاحب کشف و کرامات ذات و صفات میں پسندیدہ ، سرداری کا خلعت پائے ہوئے حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری[2] نوراللہ مرقدہ بالوار القدس ۔

آپ نے خرقۂ ارادت حضرت خواجہ ہبیرہ بصری سے پہنا تھا ۔ مجاہدات میں بلند مقام اور مشاہدات میں عالی مرتبہ رکھتے تھے ۔ آپ نے اپنی زندگی میں کسی دن کوئی چیز نہ کھائی ۔ صرف دنیا کی نعمتوں کی بو پر گزارہ کرتے ۔ جب یہ بزرگ پیدا ہوئے تو صرف رات کو دودھ پیتے اور جب صبح ہو جاتی تو ماں کے پستان کو منہ میں نہ لیتے ، یعنی آپ تمام عمر روزہ دار رہے تا کہ ملاماتِ رب العالمین سے روزہ کھولیں ۔

شعر

هو الذی قد صام فی ایامه

من مهده حتیٰ زمان رقاده

[وہ وہ ہیں کہ جنھوں نے تمام عمر روزہ رکھا ۔ گہوارے سے لے کر وفات تک ۔]

۱۔ خواجہ ابی ہبیرہ بصری کا لقب امین الدین تھا ۔ صائم الدہر تھے ۔ آپ نے ۷ شوال ۲۸۷ھ (۹۰۰ء) میں وفات پائی ۔ (ماخوذ از "خزینۃ الاصفیاء" ، جلد اول ، ص ۲۳۹ تا ۲۳۸)

۲۔ خواجہ ممشاد علو دینوری کا اسم گرامی کریم الدین تھا ۔ آپ نے ۱۴ محرم ۲۹۹ھ (۹۱۱ء) میں وفات پائی ("سیرالاقطاب" ، ص ۵۴ - ۵۵) ۔ "خزینۃ الاصفیاء" ، جلد اول میں آپ کا سنہ وفات ۲۹۸ھ (۹۱۰ء) مذکور ہے ۔ (ص ۲۳۹)

منھم

متعلق خواجہ ابو اسحاق چشتیؒ

تاج اولیا ، سراج الاصفیا ، ملک المشائخ ، بالاتفاق مقتدائے وقت خواجہ ابو اسحاق چشتی[1] کہ عالمِ نیازمندی کے بادشاہ تھے ، اور

۱۔ خواجہ ابو اسحاق چشتی : شام کے رہنے والے تھے ۔ یہ پہلے بزرگ ہیں کہ جن کے نام کے ساتھ تذکروں میں چشتی لکھا ہوا ہے ۔ چشت خراسان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے ۔ اس شہر میں کچھ بزرگانِ دین نے روحانی تربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا تھا ، جس کو بعد میں بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ نظام اس مقام کی نسبت سے چشتیہ کہلانے لگا ۔

خواجہ ابو اسحاق اپنے وطن سے چل کر بغداد آئے اور خواجہ ممشاد علو دینوری کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ خواجہ ممشاد اپنی خانقاہ کا دروازہ عام طور پر بند رکھتے تھے ۔ جب کوئی آتا تو پوچھتے کہ مسافر ہو یا مقیم ۔ پھر فرماتے ، اگر مقیم ہو تو اس خانقاہ میں آجاؤ ، اگر مسافر ہو تو یہ خانقاہ تمھاری جگہ نہیں ، کیونکہ جب تم چند روز یہاں رہو گے پھر تم جانا چاہو گے تو مجھے تکلیف ہوگی اور مجھ میں فراق کی طاقت نہیں ۔

جب خواجہ ابو اسحاق اُن کی خانقاہ میں حاضر ہوئے تو انھوں نے پوچھا ، تمھارا کیا نام ہے ؟ عرض کیا ، ابو اسحاق شامی ۔ فرمایا :

آج سے لوگ تمھیں ابو اسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے اور چشت اور اس کے نواح کے لوگ تم سے ہدایت پائیں گے اور ہر وہ شخص جو تمھارے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگا ، اس کو قیامت تک چشتی کہہ کر پکاریں گے ۔

اس کے بعد خواجہ ممشاد نے اُن کو رشد و ہدایت کے لیے چشت روانہ کر دیا ، جہاں اُن کی پُرخلوص جد و جہد سے عظیم سلسلے سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد پڑی ۔

خواجہ ابو اسحاق چشتی فقر و فاقے کی زندگی بسر کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے ۔ ایک دن اپنے مرید خواجہ ابو احمد چشتی سے کہا :

اے ابو احمد درویشی عرب و عجم کی بادشاہی سے بھی بڑھ کر ہے ۔ اگر ابو اسحاق کو ملکِ سلیمان بھی دیں تو خدا کی قسم وہ قبول نہیں کرے گا ۔ (تاریخ مشائخ چشت : ص ۱۲۵ تا ۱۲۹)

دارالسلطنت راز کے بادشاہ تھے ۔ آپ نے خرقۂ ارادت خواجہ ممشاد علو دینوری سے پہنا [۲۰] ۔ ایک بزرگ نے اُن کے بارے میں کہا ہے :

شعر

و بہ اقتدیٰ من اہلِ چشت شیوخہم
کل و لی اللہ فی مــــیــــلادہ

[اور اُن کا اقتدار کیا جو اہلِ چشت کے شیوخ ہیں ۔ ہر اللہ کا ولی اُن کی اولاد (معنوی) ہے ۔]

منہم ابو اسحاق اکبر شیخہم
طود سماء من بشیخ اصوادہ

[اُن میں سے ابو اسحاق ہیں جو اُن میں بڑے شیخ ہیں ۔ آسمان کا نقطہ اوج ہیں ، ان کے نقطہائے اوج میں سے ۔]

اضحوا ہداۃ الدین یتبعونہ
لا یعدلون النہج فی معتادہ

[وہ ہادی ہیں ، جو ان کا اتباع کرتے ہیں ، وہ ان کے معتاد راستے سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتے ۔]

منہم

متعلق خواجہ ابو احمد چشتی طاب ثراہ

عمدۃ الابرار ، قدوۃ الاخیار ، ملک الاولیا ، سلطان الاصفیا ، برہان الاتقیا عزم میں سعد اسعد خواجہ ابو احمد چشتی[۱] طاب ثراہ نے خرقۂ ارادت خواجہ ابو اسحاق چشتی سے پہنا تھا ۔ آپ ممالکِ ملکِ مکاشفات

۱۔ خواجہ ابو احمد چشتی : سلطان فرسناقہ کے صاحبزادے تھے ، جو شرفائے چشت سے تھے ۔ آپ ۶ ماہ رمضان ۲۶۰ھ (۸۷۳ء) میں معتصم باللہ کی خلافت کے زمانے میں پیدا ہوئے ، اور ۱۴ ربیع الثانی ۴۱۱ھ (۱۰۲۰ء) میں وفات پائی ۔ (ماخوذ از "سیرالاقطاب" ، ص ۵۸ - ۶۰)

کے بادشاہ اور دارالسلطنت مشاہدہ کے سلطان تھے ۔ دوست کے اسرار میں سے کوئی راز آپ سے پوشیدہ نہ تھا اور عالم ذوقِ دروں میں بادشاہی کو ٹھکرا دیتے تھے ۔ اللہ کی اُن پر رحمتیں ہوں ۔

منقبت

متعلق حضرت خواجہ ابو محمد چشتیؒ

قطب المشائخ والفقرا ، ملک الائمہ والعلما ، ملجائے اوتاد ، مفخر العباد خواجہ محمد چشتی[۱] طیب اللہ مرقدہ و نوراللہ مشہدہ ۔ انواع کرامات اور قسم قسم مشاہدوں کے درجوں سے آراستہ تھے ۔ آپ نے خرقۂ ارادت حضرت ابو احمد چشتی سے حاصل کیا تھا ۔

منقول ہے کہ خواجہ ابو محمد چشتی اکثر عالم تحیر میں رہتے ، ان کا پہلوئے مبارک سالہا سال زمین سے نہیں لگا اور شوق کے غلبوں اور انتہائے مجاہدات میں ''نماز معکوس'' پڑھتے ۔ آپ کے گھر میں ایک کنواں تھا اس کنویں میں آپ اُلٹے لٹک کر خدائے تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے ۔

منقول ہے کہ ایک روز آپ دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور اپنی گدڑی کو ٹانک رہے تھے ۔ اسی عالم میں خلیفہ کا بیٹا آپ کے پاس پہنچا ۔ خلافت کے شان و شکوہ کے ساتھ گھوڑے سے اُترا اور زمیں بوسی کر کے بیٹھ گیا ۔ آپ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی بڑھیا مملکت کے کسی شہر میں فاقے سے سو جائے گی تو قیامت کے دن جواب دہی کے لیے اپنے والیِ ملک کا دامن پکڑے گی ۔

اس کے بعد خلیفہ کے بیٹے نے مختلف قسم کی بیش بہا چیزیں [۴۱] تحفتاً پیش کیں ۔ خواجہ ابو محمد چشتی نے تبسم فرمایا اور کہا ، ہمارے خواجگان میں سے کسی نے اس قسم کی چیزوں کو قبول نہیں کیا ہے اور مجھے بھی ان کی حاجت نہیں ۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف سر اُٹھایا اور

۱۔ خواجہ ابو محمد : لقب ناصح الدین ، ولادت شب عاشورہ ۳۳۱ھ (۹۴۲ء) ، وفات یکم رجب ۴۱۱ھ (۱۰۲۰ء) بقول صاحبِ ''سفینۃ الاولیاء''، بقول صاحبِ ''سیر الاقطاب'' ۱۴ ربیع الاول ۴۱۱ھ ۔ (''خزینۃ الاصفیا'' ، جلد اوّل ، ص ۲۴۴ تا ۲۶۴)

عرض کیا ، الٰہی ! تو جو اپنے بندوں کو دکھاتا ہے ، اس کو بھی دکھا۔ اسی وقت دریائے دجلہ کی مچھلیاں ایک ایک دینار زرد منہ میں لے کر نکلیں ۔ اس کے بعد خواجہ ابو احمد چشتی نے خلیفہ کے بیٹے سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ حق تعالیٰ جل و علیٰ نے اپنے بندوں پر غیب کے خزانے کھول دیے ہیں اور انہیں خرچ کرنے کا اختیار دیا ہے ۔ مجھے تمہارے اس لائے ہوئے مال کی ضرورت نہیں ۔

منہم

متعلق حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ

اعلم علماء ، سیّد الاولیاء ، سیّد الاذکیا ، پیشوائے اہلِ تصوّف ، ناصرالملت والدین خواجہ ابو یوسف چشتی[1] کہ طریقت کا جمال اور حقیقت کا کمال تھے ، آپ کی کرامتیں کھلی ہوئیں اور آپ کی ولایت کی واضح دلیلیں ہیں ۔ نوراللہ روضتہ و بترد تربتہ ۔ آپ کو خرقۂ خلافت حضرت خواجہ ابو محمد چشتی سے حاصل ہوا تھا ۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ ابو یوسف چشتی راستے سے گزر رہے تھے ، دیکھا کہ ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے ۔ چھت ڈالنے کے لیے ایک شہتیر چھت پر لے جایا جا رہا ہے ، لیکن وہ شہتیر عمارت سے چھوٹا تھا ۔ لوگ پریشان تھے کہ اب کیا کریں کہ عین اس موقع پر خواجہ ابو یوسف چشتی وہاں پہنچ گئے ۔ لوگوں نے آپ کو تمام صورتِ حالات بتائی ۔ جب یہ واقعہ آپ کو معلوم ہوا ، تو آپ گھوڑے سے اُترے اور مسجد کی دیوار پر چڑھے اور ایک لکڑی کا سرا اپنے دستِ مبارک میں لیا اور کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ جب اُس شہتیر کو عمارت پر لائے تو وہ شہتیر اُس جانب سے ، جدھر سے خواجہ ابو یوسف نے اپنے دستِ مبارک سے پکڑ رکھا تھا ، (خدا کی قدرت سے) ایک گز زیادہ بڑھ گیا ، یہاں تک کہ وہ

۱۔ خواجہ ابو یوسف چشتی بن سمعان چشتی الحسنی : یہ اپنے مرشد کے بھانجے ، مرید اور تربیت یافتہ تھے ۔ ''سفینۃ الاولیاء'' میں ہے کہ خواجہ ابو یوسف نے ۸۴ سال کی عمر میں ۳ ربیع الآخر ۴۵۹ھ (۱۰۶۷ء) کو وفات پائی ۔ (اُردو ترجمہ ، ص ۱۲۵)

شہتیر خواجہ صاحب کی کرامت سے مسجد کی عمارت سے ایک گز باہر نکل گیا اور آج بھی یہ شہتیر موجود ہے۔[1]

کاتب حروف (میر خورد) نے اپنے والد سیّد مبارک محمد کرمانیؒ سے سنا تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے چشت اور ہریو کے درمیان اس مسجد کو دیکھا ہے۔ یہ مسجد ہریو رود (ندی) کے کنارے ہے۔

منقول ہے کہ خواجہ یوسف چشتی قدس اللہ سرہ کو قرآن مجید یاد نہ تھا، جس کی وجہ سے وہ پریشان رہتے تھے۔ ایک رات اسی فکر میں سو گئے۔ اُنھوں نے خواب میں اپنے پیر خواجہ محمد چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ تمھارا کیا حال ہے؟ میں تمھیں پریشان دیکھتا ہوں۔ خواجہ یوسف نے کہا کہ میری پریشانی کا سبب کلام اللہ [۴۴] کا یاد نہ ہونا ہے۔ فرمایا ایک سو مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ اُس کی برکت سے تمھیں کلام اللہ یاد ہو جائے گا۔ خواجہ یوسف چشتیؒ نے بیدار ہونے کے بعد ایسا ہی کیا۔ چنانچہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم اور سورۂ فاتحہ کی برکت سے پورا کلام اللہ خواجہ یوسف کو حفظ ہو گیا۔ آپ ہر روز پانچ قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

۱۔ یہ اور اس قسم کی کئی روایتیں اس کتاب کے گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہیں۔ کشف و کرامات بزرگی کی دلیل نہیں۔ اسی بناء پر بعض بزرگوں کا یہ مقولہ: الاستقامۃ فوق الکرامۃ مشہور ہے۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کو اس نعمت سے بھی نوازتا ہے۔ کرامات اُن کی بزرگی کے سمجھنے کے لیے نشانِ راہ کا کام دیتی ہے۔ علمائے اہلِ سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ اولیا کی کرامات حق ہیں۔ قرآن و حدیث میں ہمیں اس مسلک کی تائید میں بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں، جو اولیا کے کرامات کے حق ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

صوفیہ کے قدیم تذکرہ نگاروں نے کرامات کا بہت زیادہ ذکر کیا ہے۔ یہ شاید اُس زمانے کا رواج تھا۔ ''سیر الاولیاء'' میں ہمیں اس قسم کی متعدد روایتیں ملتی ہیں۔

ملفوظ

متعلق حضرت خواجہ مودود چشتیؒ

سرورِ مشائخِ کبار ، بادشاہِ اولیائے نامدار ، ظل اللہ فی الخلق ، سیف اللہ ناطق بالحق ، خواجہ قطب الحق والدین ، مخصوص بعنایتِ رب العالمین ، خادم الفقرا والمساکین ، ملک الاولیاء ، سلطان الاصفیا خواجہ مودود چشتی[۱] کہ تمام اکابرِ مشائخِ وقت اُن کے حکم کے فرمان بردار اور تابع تھے اور آپ کی تعظیم و تکریم میں انتہائی کوشش کرتے تھے ۔ آپ نے خرقۂ ارادت خواجہ ناصرالدین یوسف چشتیؒ سے پہنا تھا ۔

کاتب الحروف نے حضرت سلطان المشائخ کی ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر میں دیکھا تھا کہ شیخ ابوالعباس قصاب[۲] نے چار سو اولیاء کو اپنی نظر سے فنا کر دیا تھا ۔ جب خواجہ مودود چشتی نے شیخ عثمان کو ، جو مردانِ خدا کے پیر تھے ، نیشا پور میں ولایت عطا کی تو پہلے اُن کے دل پر نظر ڈالی ۔

اُن کے گھر والوں سے منقول ہے کہ جس وقت حضرت خواجہ مودود چشتی پر خانۂ کعبہ کی زیارت کا اشتیاق غالب ہوتا تو فرشتوں کو حکم ہوتا کہ خانۂ کعبہ کو لا کر خواجہ مودود چشتی کی نظر کے سامنے

۱- خواجہ مودود چشتی : لقب قطب الدین ۔ ولادت ۴۳۰ھ (۳۱-۱۰۳۰ء) ۔ وفات بقول صاحبِ ''خزینۃ الاصفیا'' یکم رجب ۵۲۷ھ (۱۱۳۳ء) و بقول صاحبِ ''سفینۃ الاولیاء'' رجب ۵۷۷ھ (۱۱۸۱ء) ہے ۔ (''خزینۃ الاصفیا'' ، جلد ۱ ، ص ۲۵۱ ۔ ''سفینۃ الاولیاء'' (اُردو ترجمہ) ، ص ۱۲۵ - ۱۲۶)

۲- شیخ ابوالعباس قصاب کا نام احمد بن محمد بن عبدالکریم ہے ۔ آمل اور طبرستان کے مشہور شیخ تھے اور محمد بن عبد اللہ طبری کے مرید تھے ۔ اگرچہ اُمّی تھے ، مگر ان کی گفتگو ، معارف اور نکات سے مزین ہوتی تھی ۔ طبرستان کے ایک امام کہا کرتے تھے کہ خدائے تعالیٰ کے افضال میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کو بغیر تعلیم و تعلّم کے بھی ایسا کر دیتا ہے کہ جب ہم کو اصولِ دین اور دقائقِ توحید میں کوئی مشکل پیش آتی ہے تو ہم ابوالعباس قصاب سے پوچھتے ہیں ۔ (ماخوذ از ''نفحات الانس'' ، (اُردو ترجمہ) ، ص ۳۱۷ تا ۳۱۸)

کر دو ۔ خواجہ مودود چشتی طواف کرتے اور جس نماز کا وقت ہو جاتا ، وہ ادا کرتے ، پھر فرشتے خانۂ کعبہ کو لے جاتے ۔

منقول ہے کہ بدخشاں کا ایک بزرگ زادہ خواجہ مودود چشتی کی خدمت میں آیا اور مرید ہونے کے بعد اُس نے خواجہ صاحب سے درخواست کی کہ ایک ٹوپی اسے عنایت فرمائی جائے ۔ خواجہ صاحب نے نور باطن سے معلوم کر لیا تھا کہ ابھی اس کے گناہوں کی فہرست میں دنیا سے لگاؤ باقی ہے ، اس لیے آپ نے اس کی درخواست قبول نہیں کی ، یہاں تک کہ وہ جب سے بزرگوں کی سفارش لے کر آیا ۔ خواجہ صاحب نے اُس کو اپنی ٹوپی عنایت فرمائی اور اس سے کہا کہ اے جوان ٹوپی تو لے جا رہے ہو ، لیکن اس کی حفاظت کرنا ، اگر اس کی حفاظت نہ کروگے تو سخت پریشان ہوگے ۔ جب یہ بزرگ زادہ ٹوپی لے کر بدخشاں پہنچا اور وہاں آنے کے بعد دنیا اور خواہشات نفس میں مبتلا ہوگیا تو یہ خبر خواجہ مودود چشتی کو ملی ۔ آپ نے فرمایا : کیا بات ہے کہ ٹوپی اُس کا کام تمام نہیں کرتی ، لیکن اس کے بعد تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ اُسے کسی الزام میں گرفتار کیا گیا اور اُس کی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی ۔

منقول ہے کہ چند روز حضرت مودود [۳۳] چشتی قدس اللہ سرہ العزیز بیمار رہے ۔ بیماری کے زمانے میں ایک رعب دار شخص آپ کی خدمت میں آیا اور ریشم کے ٹکڑے پر لکھی ہوئی تحریر آپ کو دی ۔ خواجہ مودود نے اُس کو پڑھا اور اس ریشم کے ٹکڑے کو اپنی آنکھوں سے لگایا اور وفات پاگئے ۔ عالم میں شور برپا ہوگیا کہ حضرت خواجہ مودود چشتی نے وفات پائی ۔ تجہیز و تکفین کے بعد لوگوں نے چاہا کہ آپ کے جنازے کو اُٹھائیں لیکن کوئی نہ اُٹھا سکا ۔ تمام لوگ حیرت میں پڑ گئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سخت آواز آئی ۔ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے ۔ غیب سے کچھ لوگ آئے اور اُنھوں نے خواجہ مودود چشتی کے جنازے کی نماز پڑھی ۔ بعد میں لوگوں نے نماز پڑھی ، پھر خدا کے حکم سے جنازہ ہوا پر لے جایا گیا اور لوگ جنازے کے پیچھے پیچھے چلے ، یہاں تک کہ اس جگہ پہنچے جو آپ نے اپنی قبر کے لیے پسند کی تھی ۔ جب آپ کی یہ کرامت دیکھی گئی تو کئی ہزار کافر مسلمان ہوگئے ۔

منہم

متعلق حضرت خواجہ شریف زندنیؒ

اعلم علماء ، قدوۃ اولیا ، خواجہ حاجی شریف زندنیؒ[۱] کہ جو اکابر مشائخ میں کلماتِ حقیقت کے بیان کرنے میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے ۔ علماء ، فضلا اور اہلِ حقیقت کی توجہ اُن کی طرف زیادہ تھی ، آپ نے خرقۂ ارادت خواجہ قطب الملۃ والدین مودود چشتی قدس اللہ سرہ العزیز سے پہنا تھا ۔

ترکِ دنیا :

منقول ہے کہ خواجہ شریف زندنی چالیس سال تک مخلوق سے گوشہ نشینی اختیار کر کے ویرانوں میں رہے ۔ جنگلی درختوں کے پتّے اور جنگلی میوے آپ کی غذا تھی ۔ اگر کوئی آپ کی خدمت میں آتا تو آپ کا خادم اس سے کہتا کہ ہرگز آپ کے سامنے دنیا کے جھگڑے اور قصے نہ بیان کرنا ، ورنہ زیارت کی سعادت سے محروم ہو جاؤ گے ۔

منقول ہے کہ ایک دن ایک آدمی کچھ نقد رقم بطور نذرانے کے آپ کی خدمت میں لایا ۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ کیا تم درویشوں سے دشمنی رکھتے ہو کہ دشمنِ خدا کو ساتھ لائے ہو ۔ یہ کہہ کر آپ نے اس سے فرمایا کہ ذرا جنگل کی طرف دیکھو ۔ اس شخص نے دیکھا تو اُسے نظر آیا کہ جنگل میں سونے کی ایک نہر جاری ہے ۔ اس کے بعد خواجہ شریف زندنیؒ نے اس سے فرمایا کہ جس کو خزانۂ غیب پر اس قدر قدرت حاصل ہو ، وہ تمھارے مال کی طرف کیسے دیکھے گا ۔

ملاقاتِ فقرا :

منقول ہے کہ سلطان سنجر کو کسی نے خواب میں دیکھا اور اُس سے پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا ؟ اس نے کہا کہ دنیا میں جو کچھ نیک و بد میں نے کیا تھا ، وہ میرے سامنے

۱- خواجہ شریف زندانی : وفات بقول صاحبِ ''سفینۃ الاولیاء'' ۶ رجب و بقول صاحبِ ''خزینۃ الاصفیا'' ۱۰ رجب ، ۶۱۲ھ (۱۲۱۵ء) ، عمر ایک سو بیس سال ۔ (''سفینۃ الاولیاء'' ، (اردو ترجمہ) ، ص ۱۲۷ ، ''خزینۃ الاصفیا'' ، جلد اوّل ، ص ۲۵۳)

لایا گیا ۔ پھر عذاب کے فرشتوں کو حکم ہوا کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ ۔ اسی اثنا [۲۰] میں یہ حکم پہنچا کہ فلاں دن اس نے مسجد دمشق میں خواجہ شریف زندنی کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی تھی ۔ اس ملاقات کی برکت سے اس کو بخش دیا جائے ۔

منہم

متعلق حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ

صاحبِ کشف و کرامات ، بادشاہِ عالمِ مشاہدات ، خلیفۂ حاجی شریف زندنی ، خواجہ عثمان ہارونیؒ[۱] کہ علم شریعت و طریقت میں اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور مقتدائے اوتاد و ابدال تھے ۔ آپ نے خرقۂ ارادت حضرت خواجہ شریف زندنیؒ سے پہنا تھا ۔ قدس اللہ سرہ العزیز ۔

منقول ہے کہ شیخ الاسلام خواجہ معین الدین سنجریؒ[۲] طیب اللہ مضجعہ فرماتے تھےؒ کہ میں ایک زمانے تک سلسل خواجہ عثمان ہارونی کے ساتھ سفر میں تھا ۔ ہم دریائے دجلہ کے کنارے پہنچے ۔ اتفاق سے وہاں کوئی کشتی نہ تھی ۔ خواجہ عثمان ہارونی قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھ سے فرمایا کہ آنکھیں بند کرو ۔ میں نے آنکھیں بند کیں ۔ آنکھ کھولی تو میں نے حضرت خواجہ عثمان کو اور خود کو دریائے دجلہ کے دوسرے کنارے پر پایا ۔ میں نے حضرت خواجہ عثمان قدس اللہ سرہ العزیز سے پوچھا کہ یہ کیسے ہوا ؟ فرمایا کہ میں نے پانچ مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھی ۔

منقول ہے کہ ایک دن ایک بوڑھا آپ کی خدمت میں نہایت پریشان آیا ۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے اس سے پوچھا کیا حال ہے کہ تم اس قدر پریشان ہو ؟ اس بوڑھے نے کہا کہ چالیس سال سے میرا ایک

۱۔ خواجہ عثمان ہارونی : آپ کی کنیت ابی النور تھی ۔ ہارون ایک موضع ہے جو نیشا پور کے مضافات میں ہے ۔ چونکہ آپ وہاں کے رہنے والے تھے ، اسی نسبت سے آپ ہارونی مشہور ہیں ۔ حضرت خواجہ عثمان نے ۵ ماہ شوال ۶۱۷ھ / ۱۲۲۰ء) میں وفات پائی ۔ وفات کے وقت عمر ۹۱ سال تھی ۔ (''خزینۃ الاصفیا'' ، جلد ۱ ، ص ۲۵۶)

۲۔ سنجری : اس کا صحیح تلفظ سجزی ہے ۔ یہ سیستان سے سجزی بنایا گیا ہے ۔ (بزمِ صوفیہ ، ص ۳۵)

بیٹا غائب ہے ۔ مجھے اس کی خبر نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ۔ میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں کہ آپ سے فاتحہ کی درخواست کروں کہ میرا بیٹا مل جائے ۔ حضرت خواجہ عثمانؒ مراقب ہوئے ۔ جب دیر ہو گئی تو مراقبے سے سر اٹھا کر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ آؤ ہم سب مل کر اس نیت سے فاتحہ پڑھیں کہ اس بوڑھے کا بیٹا اس کو مل جائے ۔ جب سب لوگ فاتحہ پڑھ چکے تو آپ نے اُس بوڑھے سے فرمایا ، جاؤ تمہارا بیٹا تمہارے گھر آ چکا ہوگا ۔ بوڑھا اپنے گھر آیا تو گھر کے ہر آنے جانے والے نے اُسے اس کے بیٹے کے آنے کی مبارک باد دی کہ مبارک ہو تمہارا بیٹا آ گیا ۔ بوڑھے کی اپنے بیٹے سے ملاقات ہوئی ، پھر باپ اور بیٹا حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ خواجہ عثمانؒ نے اس کے بیٹے سے پوچھا کہ اب تک تم کہاں تھے ؟ اس نے جواب دیا کہ میں جزائر دریائے دیواں کے ایک جزیرے میں قید تھا اور مجھے زنجیریں ڈالی گئیں تھیں ۔ میں آج بھی اسی مقام پر تھا کہ ایک درویش نے جو بالکل آپ کی ہم شبیہ تھا ، زنجیر پر ہاتھ ڈالا ۔ زنجیر فوراً ٹوٹ گئی ۔ پھر اُس درویش نے مجھے اپنے پاس کھڑا کر کے کہا کہ میرے قدم بقدم آؤ ۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا ۔ (چند قدم چلنے کے بعد) اُس درویش نے مجھ سے فرمایا کہ آنکھیں بند کر لو ۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں ۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو اپنے گھر کے دروازے پر پایا ۔

منقول ہے کہ [۴۵] کہ شیخ الاسلام معین الدین سنجری قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ میرا ایک ہمسایہ جو حواجہ عثمان ہارونی کے مریدوں میں تھا ، اُس کے جنازے میں شریک تھا ۔ جب اُس کو قبر میں رکھا اور لوٹ گئے تو میں کچھ دیر اس کی قبر پر ٹھہرا رہا ۔ میں نے دیکھا کہ عذاب کے فرشتے حاضر ہوئے ہیں ۔ اسی درمیان خواجہ عثمان ہارونی تشریف لائے اور فرشتوں سے کہا کہ اسے عذاب مت دو کہ یہ میرے مریدوں میں ہے ۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان سے کہو کہ یہ تمہارے خلاف تھا ۔ خواجہ عثمان ہارونی نے فرمایا کہ بے شک یہ میرے برخلاف تھا ، لیکن اس نے اپنے آپ کو میرے دامن سے وابستہ کیا تھا ۔ حکم ہوا کہ خواجہ عثمان کے مرید کو عذاب نہ دو کہ ہم نے اس کو بخش دیا ۔

منہم

متعلق خواجہ معین الدین سنجری قدس اللہ سرہ

شیخ شیوخ طریقت ، اصل اصول بہ حقیقت ، صاحب اسرار الٰہی ، متصف بہ اوصاف صحو صاحی ، وارث الانبیاء والمرسلین ، نائب رسول اللہ فی الہند حضرت خواجہ معین الحق والشرع والدین خواجہ معین الدین حسن سنجری ۔ قدس اللہ سرہ العزیز ۔

آپ تمام اوصاف مشائخ سے موصوف تھے اور انواع و اقسام کی کرامات اور عالی درجات سے مشہور تھے اور بہ بادشاہ اسلام حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے خلیفہ تھے ۔

منقول ہے کہ شیخ الاسلام معین الدین قدس اللہ سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ جب میں خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان بزرگ کی بیعت سے مشرف ہوا تو میں بیس سال تک اُن کی خدمت میں رہا ۔ اس بیس سال کے عرصے میں میں ایک لمحہ بھی اُن کی خدمت سے غافل نہیں رہا ۔ سفر و حضر میں اُن کا بستر اور سامان ساتھ لے کر چلتا تھا ۔ جب آپ نے میرے خلوص خدمت اور عقیدت کو پوری طرح محسوس کر لیا تو اُس وقت حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے اپنے کمال کی نعمتوں سے مجھے سرفراز فرمایا ۔

ملفوظات :

خواجہ معین الدین والحق فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کے پہچاننے کی علامت خلق سے بھاگنا اور معرفت میں خاموش رہنا ہے ۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم سانپ کی طرح کینچلی سے باہر آئے اور نگاہ دوڑائی تو ہم نے دیکھا کہ عاشق و معشوق اور عشق ایک ہیں یعنی عالم توحید میں سب ایک ہیں ۔

فرمایا کرتے تھے کہ حاجی جسم کے ساتھ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہیں لیکن عارف دل کے ساتھ عرش کے گرد اور حجاب عظمت کے گرد طواف کرتے ہیں اور لقائے الٰہی چاہتے ہیں ۔

[۳۶] فرمایا کرتے تھے کہ ایک مدت تک میں نے خانۂ کعبہ کے گرد طواف کیا لیکن اب خانۂ کعبہ میرے گرد طواف کرتا ہے ۔

فرمایا کرتے تھے کہ مرید فقر کے نام کے پانے کا اُس وقت مستحق ہوتا ہے کہ جب وہ عالم فانی میں باقی ہو جائے ۔ آپ سے پوچھا گیا کہ وہ ثابت کب ہوتا ہے ؟ فرمایا کہ اُس وقت جب کہ گناہوں کا لکھنے والا فرشتہ بیس سال تک اُس کا کوئی گناہ نہ لکھے ۔ نیز فرمایا کہ اہل محبت کی علامت یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی کا مطیع نہ ہو اور کسی سے ڈر کر اس کے حکم پر نہ چلے ۔

فرمایا شقاوت کی علامت یہ ہے کہ تُو گناہ کرے اور اُمید رکھے کہ تو مقبولانِ خدا میں سے ہوگا ۔

فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ دوزخ کو سانپ کے منہ سے نکالیں ۔ اُس وقت دوزخ کی آگ کو بھڑکایا جائے گا ، چنانچہ اُس وقت وہ ایک سانس لے گی تو تمام عالمِ حشر دھوئیں سے بھر جائے گا ۔ جو چاہتا ہے کہ اس دن کے عذاب سے مامون رہے ، اُسے چاہیے کہ ایسی اطاعت کرے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر اطاعت نہ ہو ۔ پوچھا گیا کہ وہ کون سی اطاعت ہے ؟ فرمایا کہ مظلوموں کی فریاد کو پہنچنا ، ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنا اور بھوکوں کو پیٹ بھر کھلانا ۔

نیز فرمایا کہ جس میں یہ تین خصلتیں ہوں گی وہ اس حقیقت کو جان لے کہ خدائے تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے ۔ اوّل سخاوت دریا کی طرح ، دوسرے شفقت آفتاب کی طرح ، تیسرے تواضع زمین کی طرح ۔

فرمایا ، جس کسی نے نعمت پائی ، سخاوت سے پائی اور جو تقدم حاصل کرتا ہے ، صفائے (باطن) سے حاصل کرتا ہے ۔

فرمایا کرتے تھے کہ متوکل حقیقت میں وہ ہے کہ جو اپنی تکلیف لوگوں سے ہٹا لے ۔

فرمایا کرتے تھے کہ اس راہ میں سکون حاصل کرنے کے لیے دو چیزیں ہیں ، ایک عبودیت اور دوسرے حق تعالیٰ کی تعظیم ۔

اجمیر میں تشریف آوری :

حضرت سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ جب حضرت شیخ معین الدین

طاب اللہ مضجعہ اجمیر میں تشریف لائے[۱] ، اُس وقت پتھورا کا دارالسلطنہ اجمیر میں تھا ۔ جب حضرت خواجہ معین الدین نے اجمیر میں سکونت اختیار کرلی تو پتھورا اور اس کے درباریوں کو یہ بات ناگوار گزری ، لیکن جب اُنھوں نے شیخ کی عظمت و کرامت کو دیکھا تو اُن میں مجالِ دم زدن نہ تھی۔

الغرض ایک مسلمان جو حضرت شیخ معین الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے وابستگان میں پتھورا کے پاس ملازم تھا ، پتھورا نے اُس مسلمان کو نہایت تکلیفیں پہنچانا شروع کیں ۔ اُس مسلمان نے حضرت خواجہ معین الدین سے اس کی شکایت کی ۔ حضرت خواجہ معین الدین نے اس مسلمان کی سفارش پتھورا سے کی ، لیکن پتھورا پر آپ کے فرمانے کا کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اس ظلم سے باز نہ آیا ۔ اس نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ یہ آدمی اس جگہ آیا ہے اور غیب کی باتیں کہتا ہے اور ہم پر حکم چلاتا ہے ۔ جب اس کی یہ [۲۰] باتیں اس بادشاہِ اسلام (خواجہ معین الدین) کے کان تک پہنچائی گئیں تو آپ کی زبانِ مبارک سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے : کہ پتھورا کو ہم نے زندہ گرفتار کر کے لشکرِ اسلام کے حوالے کر دیا ہے ، اُسی زمانے میں سلطان معزالدین سام انارالله برہانہ غزنی سے اجمیر پہنچا اور پتھورا کا مقابلہ لشکرِ اسلام سے ہوا ۔ وہ سلطان معزالدین کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہوا ۔

کاتب الحروف عرض کرتا ہے کہ کون سی کرامت اور مراتب اعلیٰ میں اس مرتبے سے زیادہ بلند ہوگا کہ جو بزرگ اس بادشاہ دین کے مریدہ ہوئے ، اُنھوں نے خدا کے بندوں کی دستگیری کی ، دنیاوی غرور کو ترک کیا اور عقبیٰ کو اپنا مقام بنایا ۔ قیامت تک اس بادشاہ دین کی عظمت کا ڈنکا آسمان کے گوش ہوش اور فرشتوں کے کانوں تک پہنچتا رہے گا اور خلقت آپ کی وجہ سے منزلِ صدق میں جگہ پائے گی ۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ سے پہلے کا ہندوستان :

دوسرے آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحب

۱۔ اجمیر میں آپ کی تشریف آوری کی تاریخ عام تذکروں میں ۱۰ محرم ۵۶۱ھ (۱۱۶۵ء) مندرج ہے ، لیکن صاحب سوانح خواجہ معین الدین چشتی ، وحید احمد مسعود صاحب نے اس کو غلط قرار دیتے ہوئے آپ کی تشریف آوری اجمیر کا سنہ ۵۸۷ھ (۹۲ - ۱۱۹۱ء) قرار دیا ہے ۔ (سوانح خواجہ معین الدین چشتی (وحید احمد مسعود) ، ص ۱۰۷)

کے تشریف لانے سے پہلے مملکت ہندوستان میں جہاں تک کہ آفتاب نکلتا ہے ، اس کے تمام شہر کفر و کافری ، بت اور بت پرستی میں مبتلا تھے ۔ ہندوستان کے سرکشوں میں سے ہر ایک انا ربکم الاعلیٰ (میں تمہارا بڑا رب ہوں) کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنے آپ کو خدائے جل و علیٰ کے شریک ٹھہراتا تھا ۔ یہ سب پتھروں ، ڈھیلوں ، درخت ، چوپایوں ، گائے ، بیلوں اور اُن کے گوبر کو سجدہ کرتے تھے اور کفر کے اندھیروں سے اُن کے دل کے قفل اور بھی مستحکم ہو گئے تھے :

همه غافل از حکمِ دین و شریعت
همه بے خبر از خــدا و پیمبر

نــه هرگز کسے دیــده پنجارِ قبله
نــه هرگز شنیــده کس الله اکبر

ہندوستان میں خواجہ اجمیریؒ کی تشریف آوری کے بعد :

اُس آفتابِ یقین کے پہنچنے کی وجہ سے کہ جو حقیقت میں معین الدین تھے ، اس ملک کی ظلمت نورِ اسلام سے روشن اور منور ہوئی ۔

از تیغِ او بجائے صلیب و کلیسیا
در دارِ کفر مسجد و محراب و منبر است

آنجا که بود نعرهٔ و فریاد مشرکاں
اکنوں خروشِ نعرهٔ الله اکبر است

جو کوئی بھی اس ملک میں مسلمان ہوگا تو وہ قیامت تک مسلمان رہے گا اور ان کی اولاد جب تک کہ توالد اور تناسل کا سلسلہ جاری ہے ، مسلمان رہے گی اور اس گروہ کو جن کو غزوات کے بعد دارالحرب سے دارالاسلام میں لایا جائے گا قیامت تک ان تمام باتوں کا ثواب بارگاہِ عظیم المرتبت شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزی قدس اللہ سرہ العزیز کو اُن کے شیخ کے توسل سے پہنچتا رہے گا ۔ انشاء اللہ العزیز ۔

منقول ہے کہ جس شب میں کہ شیخ الاسلام معین الدین سنجری [۴۸] قدس اللہ سرہ العزیز وفات پانے والے تھے ، چند بزرگوں نے حضرت رسالت

مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ خدا کا دوست معین الدین سنجری آ رہا ہے۔ ہم اس کے استقبال کے لیے آئے ہیں۔ جب حضرت خواجہ معین الدین نے وفات پائی تو آپ کی پیشانی مبارک پر لکھا ہوا تھا کہ :

حبیب اللہ مات فی حب اللہ۔

خدا کے دوست نے خدا کی محبت میں وفات پائی۔

حضرت خواجہ معین الدین کی وفات بھی اجمیر میں ہوئی اور آپ کا مزار مبارک بھی اجمیر میں ہے۔ آپ کے مزار مبارک کی خاک پاک خوش نصیب دردمندوں کے دل کی دوا ہے۔ خدائے تعالیٰ ان کی زیارت کی سعادت نصیب کرے۔

منہم

متعلق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

شیخ علی الاطلاق ، قطب آفاق ، سبع اسرار ، مطلع انوار ، شمع عالم ، بادشاہ بنی آدم ، شیخ الاسلام ، نامدار قطب الحق والدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز شیخ الاسلام معین الدین حسن سنجری کے خلیفہ تھے اور اکابر اولیا اور جلیل القدر اصفیا میں تھے۔ آپ کے زمانے میں تمام آپ کے مطیع و فرماں بردار اور معتقد تھے۔ ہمہ گیر مقبولیت رکھتے تھے۔ آپ کا ہر سانس "لی مع اللہ" کے ساتھ مخصوص تھا۔ ترک اور تجرید سے متصف تھے۔

بیعت :

یہ بزرگ ماہ رجب ۵۲۲ھ (۱۱۲۸ء) میں بغداد میں مسجد امام ابواللیث سمرقندی میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ، شیخ اوحد الدین کرمانی ، شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد صفہانی کے سامنے حضرت خواجہ معین الدین سنجری کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

نکتہ اوّل

شیخ الاسلام قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مجاہدے کے بارے میں

حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب النہی فرماتے تھے کہ حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین بابا فرید گنج شکرؒ کے یاروں میں سے کسی نے پوچھا کہ حضرت قطب الحق والدین بختیار اوشی کیا چینی کے پیالے اور البار خانے رکھتے تھے؟ فرمایا، نہیں۔ اُن کی زندگی نہایت تنگ دستی کی تھی۔ ایک مسلمان پرچونی آپ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین ہمیشہ اس سے اُدھار لیتے تھے اور اُنھوں نے اُس پرچونی سے فرما دیا تھا کہ جب تمھاری رقم تین سو درم ہو جائے تو پھر اس سے زیادہ اُدھار نہ دو۔ جب کوئی نذر آپ کی خدمت میں بس ہوتی تو اُس پرچونی کی رقم اُس سے ادا کرتے۔ بعد میں خواجہ صاحب نے عہد کر لیا تھا کہ وہ قرض نہ لیں گے۔ چنانچہ اس عہد کے بعد خدائے عزوجل کے فضل سے ہر روز ایک ٹکیا آپ کو اپنے مصلّی کے نیچے سے ملتی، جو آپ کے گھر بھر کے لیے کافی ہو جاتی۔ پرچونی کو خیال ہوا کہ شاید شیخ نے ناراض ہو کر قرض لینا چھوڑ دیا ہے، چنانچہ اُس نے اپنی بیوی کو شیخ کے گھر بھجوایا، تاکہ وہ شیخ کے گھر کے حالات معلوم کرے۔ حضرت شیخ کی بیوی نے پرچونی کی بیوی کے پوچھنے پر بتلایا کہ [۹۳] ہر روز شیخ کے مصلّی کے نیچے سے ایک ٹکیا ملتی ہے، جو سارے گھر کے لیے کافی ہو جاتی ہے، لیکن شیخ کی بیوی کے یہ بیان کر دینے کے بعد وہ ٹکیا[1] شیخ کی جا نماز کے نیچے سے ملنا بند ہوگئی۔ حضرت شیخ نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا تم نے ٹکیا کے ملنے کا واقعہ کسی سے بیان کیا ہے؟ شیخ کی بیوی نے جواب دیا، ہاں میں نے پرچونی کی بیوی سے یہ بات کہی تھی۔

۱۔ صاحبِ ''سیر الاولیاء'' نے یہاں کاک کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کا ترجمہ ہم نے ٹکیا کیا ہے۔ لغت میں کاک کے معنی ہیں ایک قسم کی روٹی جو روغنی ٹکیا کے مثل ہوتی ہے، کاکی آپ اسی واقعہ کی بنا پر کہلاتے ہیں۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی فرماتے تھے کہ حضرت شیخ معین الدین سنجری نے حضرت شیخ قطب الدین کو اجازت دی تھی کہ وہ پانسو درم کی حد تک قرض لے سکتے ہیں ، لیکن جب وہ کمال کی انتہا پر پہنچے تو اُنھوں نے یہ قرض لینا چھوڑ دیا ۔ قدس اللہ سرہ العزیز ۔

نکتۂ دوم

حضرت شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کی مشغولیتوں کے بارے میں

حضرت سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ حضرت قطب الدین بختیار کی مشغولیت (ذکر الٰہی) کی جو علامت ظاہر ہوئی ، وہ یہ کہ آپ نے سونا چھوڑ دیا تھا ، چنانچہ آپ کبھی بھی بستر نہ بچھاتے تھے ۔ ابتدائی زمانے میں جب نیند زیادہ غالب آ جاتی تو کچھ دیر سو رہتے ، لیکن آخر عمر میں یہ نیند بھی بیداری سے بدل گئی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں ذرا سی دیر بھی سو لیتا ہوں تو تکلیف محسوس کرتا ہوں ۔ شغلِ حق کا ذوق اس حد تک پہنچ چکا تھا اور استغراق کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کوئی آپ کی زیارت کے لیے آتا تو اس کو دیر تک انتظار کرنا پڑتا یہاں تک کہ ہوش میں آتے ۔ اُس وقت آنے والے سے گفتگو کرتے ، اُس کا حال پوچھتے ، اپنا حال کہتے ، پھر آنے والے سے معذرت کر کے اُسے رخصت کر دیتے اور ذکرِ حق میں مشغول ہو جاتے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الاسلام قطب الدین کے ایک چھوٹا لڑکا تھا ، اُس کا انتقال ہو گیا ۔ لوگ اُس بچے کو دفن کر کے آپ کی خدمت میں واپس آئے تو شیخ کے کان میں بچے کی ماں کے رونے کی آواز پہنچی ۔ شیخ نے حضرت شیخ بدرالدین غزنوی سے پوچھا کہ یہ رونے کی آواز کیسی ہے ؟ شیخ بدرالدین غزنوی نے آپ کو بچے کی وفات کی خبر دی اور بتایا کہ بچے کی ماں اُس کے غم میں رو رہی ہیں ۔ یہ سن کر آپ افسوس کرتے رہے ۔ شیخ بدرالدین غزنوی نے پوچھا کہ یہ افسوس کیسا ؟

شیخ نے فرمایا ، مجھے اب یاد آتا ہے کہ میں نے کیوں اس بچے

کی بقا کی التجا حق تعالیٰ سے نہیں کی ، اگر میں التجا کرتا تو ضرور اپنی مراد کو پا لیتا ۔

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا ، دیکھو کہ آپ کو دوست کی یاد میں کس درجے کا استغراق تھا کہ اپنے بیٹے کی زندگی اور موت کی بھی خبر نہ تھی ۔

نکتۂ سوم

شیخ الاسلام قطب الدین نوراللہ مرقدہ کی عظمت و کرامات کے بارے میں

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ رئیس نامی ایک شخص نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک قُبّہ ہے اور لوگوں کا ایک ہجوم اُس قُبّے کے گرد جمع ہے ۔ اُن میں سے ایک چھوٹے قد کا آدمی بار بار اس قبے کے اندر آتا جاتا ہے اور لوگوں کے سوالوں کا جواب لا کر انہیں بتاتا ہے ۔ رئیس نے پوچھا کہ اس قُبّے میں کون ہے ؟ اور یہ چھوٹے سے قد کا آدمی کون ہے جو قُبّے کے باہر اندر آتا جاتا ہے ؟ لوگوں نے کہا کہ اس قُبّے میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تشریف فرما ہیں ، اور وہ مرد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جو قُبّے کے اندر آتے جاتے ہیں ۔ رئیس کہتا ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گیا اور میں نے اُن سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے عرض کیجیے کہ میری تمنا ہے کہ میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوں ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اندر گئے اور باہر آ کر فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ ابھی تجھ میں اس کی اہلیت نہیں کہ تو مجھے دیکھ سکے ، لیکن جا اور میرا سلام بختیار کاکی کو پہنچا اور اُن سے کہہ کہ ہر رات جو تحفہ تم مجھ کو بھیجتے ہو ، وہ پہنچتا ہے ، لیکن تین راتیں ایسی گزریں کہ وہ تحفہ نہیں پہنچا ، اس رکاوٹ کا باعث خدا کرے کہ خیر ہو ۔

رئیس کہتا ہے کہ جب میں بیدار ہوا تو میں فوراً شیخ قطب الدین نوراللہ مضجعہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اُن سے عرض کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے آپ کو سلام بھیجا ہے ۔ وہ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے پوچھا کہ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے کیا

فرمایا ہے - میں نے تمام واقعہ بیان کیا اور اُن سے عرض کیا کہ وہ تحفہ جو ہر رات تم مجھ کو بھیجتے ہو وہ مجھے پہنچتا ہے مگر تین راتوں سے تمہارا تحفہ نہیں پہنچا - یہ سن کر شیخ قطب الدین نے اس عورت کو (جس سے تین دن پہلے نکاح کیا تھا) بلایا اور اس کا مہر ادا کر کے اُسے رخصت کر دیا - واقعہ یہ تھا کہ آپ تین راتیں شادی میں مشغول رہے ، جس کی وجہ سے وہ تحفہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں نہ پہنچ سکا -

اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ وہ تحفہ یہ تھا کہ ہر رات تین ہزار مرتبہ آپ درود شریف پڑھتے ، اس کے بعد سوتے تھے -

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک زمانے میں شیخ قطب الدین ، شیخ بہاء الدین زکریا اور شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہم ملتان میں تھے کہ اچانک کافروں کا لشکر ملتان کے قلعے کی دیوار کے نیچے پہنچ گیا - ملتان کا والی (ناصرالدین) قباچہ ان بزرگوں کی خدمت میں آیا اور ان سلامتی کی دعا کے لیے عرض کیا - حضرت شیخ قطب الدین بختیار نے ایک تیر قباچہ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ اسے دشمن کے لشکر کی جانب رات میں اندھا دھند پھینک دینا - چنانچہ قباچہ نے ایسا ہی کیا - جب دن نکلا تو ایک بھی کافر وہاں نہ رہا تھا -

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گیا - میرے دل میں خیال گزرا کہ اتنے کثیر لوگ ان بزرگوں کی زیارت کے لیے آتے ہیں - ان کے آنے کی ان بزرگوں کو اطلاع ہوتی ہے یا نہیں - میرے دل میں یہ خیال گزرا ہی تھا اور میں روضۂ مبارک کے قریب مراقبے میں مشغول تھا کہ میں نے روضۂ مبارک سے یہ شعر سنا :

[۵۱] مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ابتدا میں شیخ قطب الدین بختیار اوش میں رہتے تھے - اس شہر میں ایک ویران مسجد تھی - اس مسجد میں ایک منارہ ہے ، جسے ہفت منارہ کہتے ہیں - آپ کو اپنے بزرگوں سے ایک دعا پہنچی تھی - وہ ایک دعا تھی ، جس کو ہفت دعا کہتے تھے -

جو کوئی اس منارے پر چڑھ کر اس دعا کو پڑھتا ، ضرور اس کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوتی ۔ الغرض حضرت شیخ قطب الدین پر بھی یہ شوق غالب ہوا کہ وہ حضرت خضر سے ملاقات کریں ، چنانچہ وہ رمضان کی راتوں میں سے ایک رات کو اُس مسجد میں گئے ، دوگانہ پڑھا اور منارے پر چڑھ کر اس دعا کو پڑھا اور نیچے اُتر آئے ۔ جب آپ مسجد سے باہر نکلے تو آپ نے ایک آدمی کو کھڑے ہوئے دیکھا کہ جو آپ کو آواز دے کر کہہ رہا تھا کہ ایسے بے وقت تم یہاں کیا کر رہے ہو ؟ شیخ قطب الدین نے جواب دیا کہ میں یہاں اس لیے آیا تھا کہ حضرت خضرؑ سے ملاقات کروں ، لیکن اُن کی ملاقات کی دولت حاصل نہ ہو سکی ، اب میں اپنے گھر واپس جا رہا ہوں ۔ اُس آدمی نے کہا کہ تم خضرؑ سے مل کر کیا کروگے ، وہ خود سرگرداں ہیں ، ان کی ملاقات سے کیا ہوگا ۔ اسی بات چیت کے دوران اُس نے پوچھا کہ کیا تم اُن سے دنیا طلب کرنا چاہتے ہو ؟ شیخ نے کہا کہ میں اُس سے بہتر چاہتا ہوں ۔ اُس آدمی نے پوچھا کہ کیا تم کو کسی کا قرض دینا ہے ؟ شیخ نے کہا کہ میں اُس سے بھی بہتر بات چاہتا ہوں ۔ اس کے بعد اُس آدمی نے کہا کہ خضرؑ کو کیا ڈھونڈتے پھرتے ہو ۔ پھر اُس نے کہا کہ اس شہر میں ایک مرد ہے کہ خضرؑ دس بار اُس کے دروازے پر گئے ہیں ، مگر بار نہیں پا سکے ۔ یہ دونوں ابھی بات چیت کر ہی رہے تھے کہ اچانک ایک نورانی شکل کے انسان پاکیزہ لباس پہنے ہوئے وہاں آئے ۔ جیسے ہی وہ بزرگ تشریف لائے ، یہ آدمی اُن کی انتہائی تعظیم و تکریم بجا لایا اور اُن کے قدموں میں گرا ۔ حضرت خواجہ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ جب نورانی صورت بزرگ میرے پاس پہنچے تو اُس آدمی نے میری طرف رخ کر کے اُن آنے والے بزرگ سے کہا کہ یہ درویش کسی کا قرضدار بھی نہیں اور نہ دنیا کا طالب ہے ، صرف آپ کی ملاقات کی آرزو رکھتا ہے ۔ حضرت شیخ قطب الدین نے فرمایا کہ ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ اذان کی آواز آئی ۔ ہر طرف سے صوفی اور درویش آنا شروع ہوئے اور جماعت ہونے لگی ۔ تکبیر اقامت کہی گئی ۔ اُن میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور نماز پڑھانے لگا ۔ تراویح میں اُس نے بارہ پارے پڑھے ۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر

یہ شخص زیادہ پڑھتا تو اچھا ہوتا - جب نماز ختم ہو گئی تو ہر ایک نے اپنی راہ لی -

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک دن جلال الدین تبریزی ، حضرت شیخ [۵۲۰] قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے گھر آئے - شیخ قطب الدین نور اللہ مرقدہ اُن کے استقبال کے لیے اپنے گھر سے باہر نکلے - وہ جس راستے سے باہر نکلے ، وہ شاہراہ عام نہ تھی ، بلکہ ایک تنگ گلی تھی - شیخ جلال الدین بھی شاہراہ عام سے نہیں آئے ، بلکہ اُسی تنگ گلی سے آئے - دونوں بزرگ ایک دوسرے سے ملے - قدس اللہ سرھما -

دوسری مرتبہ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات مسجد ملک اعزالدین میں ہوئی جو اس کے حمام کے پاس ہے -

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک دن ایک شخص نے شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں اپنے افلاس اور بے نوائی کی شکایت کی - شیخ نے اُس سے فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ میری نگاہ خدا کے عرش تک پہنچی ہے تو کیا تو اُس کا یقین کرے گا؟ اُس شخص نے کہا ، ہاں بلکہ اُس سے بھی کچھ زیادہ - آپ نے فرمایا ، اچھا جب تو مجھ پر اس قدر یقین رکھتا ہے ، تو میں تجھ سے کہتا ہوں کہ وہ اسّی ٹنکے چاندی کے جو تو نے اپنے گھر میں رکھے ہوئے ہیں پہلے اُسے خرچ کر ، پھر شکایت کرنا - وہ شخص آپ کی یہ بات سن کر سخت شرمندہ ہوا اور شرم سے نیچی نگاہیں کیے ہوئے واپس لوٹ گیا -

منقول ہے کہ شیخ قطب الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ ایک وقت میں اور قاضی حمید الدین ناگوری ہم سفر تھے - جب ہم دریا کے گھاٹ پر پہنچے تو مجھے بھوک معلوم ہوئی - تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک بکری دو جَو کی روٹیاں منہ میں لے کر آئی ، پھر اُس نے وہ روٹیاں ہمارے سامنے رکھیں اور لوٹ گئی - ہم دونوں نے وہ روٹیاں کھائیں اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ بکری غیب سے بھیجی گئی تھی -

اسی اثنا میں ایک بچھو دریا کے کنارے کنارے آیا اور اس نے خود اپنے آپ کو پانی میں گرا دیا اور گذر گیا - ہم اُس بچھو کے متعلق سوچنے لگے اور ہم نے کہا کہ اس میں بھی خدا کی کوئی حکمت ہوگی - آؤ ہم بھی اس کے پیچھے چلیں - ہم نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے - خدائے تعالیٰ کے حکم سے دریا شق ہو گیا اور دریا میں خشک زمین پیدا ہوگئی - ہم نے

اسی راستے سے دریا کو پار کیا ، پھر ہم نے ایک درخت کے نیچے ایک آدمی کو سوتے ہوئے دیکھا ۔ اچانک ایک سانپ آیا ، تا کہ اس آدمی کو کاٹ کر ہلاک کر دے ۔ یہ بچھو جو اُس کی ناک میں تھا اپنی جگہ سے اُچھلا اور اس نے قبل اُس کے کہ وہ آدمی کو ہلاک کرے اُس بچھو نے اس سانپ کو ہلاک کر دیا اور ہماری نظروں سے غائب ہو گیا ۔ ہم اُس آدمی کے قریب گئے تا کہ معلوم کریں کہ یہ بزرگ کون ہیں ۔ ہم نے دیکھا کہ ایک مست شراب پیے ہوئے اور قے میں تنا ہوا پڑا ہے ۔ ہم شرمندہ اور متعجب ہوئے کہ ایسے نا فرمان مرد کی خدائے تعالیٰ کی طرف سے اس قدر حفاظت کی جا رہی ہے ۔ یکایک ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اگر ہم بھی صرف مصلحین اور پارساؤں کی حفاظت کریں تو مفسدین اور گنہگاروں کی کون حفاظت کرے گا ۔ [۵۳] ہم اسی غور و فکر میں تھے کہ وہ آدمی بیدار ہوا ۔ ہم نے اس کی ساری کیفیت اُس سے بیان کی ، وہ شخص نہایت شرمندہ ہوا اور اس نے اُسی وقت برے افعال سے توبہ کی ، اور واصلان حق میں سے ہو گیا ۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد شیخ الاسلام قطب الدین نے فرمایا کہ اے درویش ! جب (ہدایت کا) وقت آ جاتا ہے ، اور خدائے تعالیٰ کے لطف و مرحمت کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں تو اُس وقت ایک لاکھ خراباتی صاحب سجادہ ہو جاتے ہیں ، اگر خدا نخواستہ اُس کے قہر کی ہوائیں چلتی ہیں تو وہ سو ہزار سجادہ نشینوں کو جکا کر خرابات میں لے جاتی ہیں ۔

منقول ہے کہ ملک اختیار الدین ایبک حاجب نے کچھ نقد رقم بطور نذرانہ حضرت شیخ الاسلام قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کی ۔ لیکن شیخ الاسلام نے قبول نہیں کی ۔ اس کے بعد آپ نے اُس بوریے کو جس پر آپ بیٹھے ہوئے تھے اُٹھایا اور ملک اختیار الدین کو دکھایا کہ بوریے کے نیچے ایک ندی چاندی کی بہہ رہی ہے ۔ پھر فرمایا کہ (اب تمھیں اندازہ ہو گیا) میں اس تمھاری لائی ہوئی رقم کی حاجت نہیں رکھتا ۔

منقول ہے کہ شیخ الاسلام شیخ معین الدین حسن سجزی کے صاحبزادوں کو ایک گاؤں اجمیر کے قریب بطور جاگیر ملا تھا ، لیکن بعد میں مقطع داروں نے انھیں بے دخل کر دیا ۔ اس لیے ضروری ہوا کہ کوئی شخص بادشاہ کے پاس جا کر اس کی بحالی کا حکم لائے ۔ اس لیے ان کی اولاد میں سے ایک شخص

اجمیر سے دہلی حضرت شیخ قطب الدین کے پاس آیا ۔ شیخ صاحب نے کہا ، تمھیں بادشاہ کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ، میں خود جا کر بحالی کا حکم لاتا ہوں ۔ چنانچہ شیخ خود بادشاہ شمس الدین التمش کے پاس گئے ۔ بادشاہ ان کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جن سے باوجود التجا کے ملاقات کی اجازت حاصل نہ ہوتی تھی ، آج ۔۔ خود تشریف لائے ہیں ۔ جب ملاقات ہوئی تو آپ نے التمش سے اپنی آمد کا مدعا بیان کیا ۔ التمش نے اسی مجلس میں گاؤں کی بحالی کا فرمان اشرفیوں کے توڑوں کے ساتھ آپ کے حوالے کیا ۔ اس مجلس میں علاقہ اودھ کا حاکم رکن الدین حلوائی حضرت شیخ سے اونچے مقام پر بیٹھا ہوا تھا ، یہ امر سلطان التمش کو ناگوار گزرا ۔ آپ نے نور باطنی سے بادشاہ کی اس ناگواری کو معلوم کرکے فرمایا کہ جب حلوا اور کاک [روٹی] موجود ہوں ، تو حلوا کاک کے اوپر ہوتا ہے ۔ اگر حلوائی کاک سے اوپر بیٹھ گیا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ۔

غرض یہ کہ جب اپ بحالی کا فرمان لے کر حضرت شیخ معین الدین کی خدمت میں آئے اور لوگوں کی عقیدت اور شہرت شیخ قطب الدین کے حق میں بڑھی تو آپ نے فرمایا کہ یہ تمُو نے کیا کیا ۔ خلوت میں پوشیدہ رہنا بہتر تھا ۔ آپ نے عرض کیا کہ بندے کی طرف سے کچھ وقوع میں نہیں آیا ۔

[۵۳] سلطان المشائخ سے روایت ہے کہ جب حضرت شیخ معین الدین اجمیر سے دہلی تشریف لائے ، اُس وقت شیخ نجم الدین صغرا دہلی کے شیخ الاسلام تھے ۔ شیخ معین الدین اور شیخ نجم الدین میں نہایت محبت تھی ۔ شیخ معین الدین ، شیخ نجم الدین سے ملنے کے لیے گئے ۔ جس وقت حضرت معین الدین اُن کے گھر گئے تو وہ اپنے صحن میں ایک چبوترہ بنوا رہے تھے ۔ جب شیخ معین الدین کی نظر اُن پر پڑی تو جیسا کہ انھیں پیش آنا چاہیے تھا گرم جوشی سے پیش نہیں آئے ۔ اُن کی سرد مہری کو دیکھ کر حضرت خواجہ معین الدین نے اُن سے فرمایا ۔ شاید شیخ الاسلامی نے تمھارا دماغ خراب کر دیا ہے ۔ شیخ نجم الدین نے جواب دیا کہ میں تو آپ کا وہی مخلص اور قدیم نیازمند ہوں ، لیکن آپ نے شہر میں اپنا ایک ایسا مرید چھوڑا ہے ، جو میری شیخ الاسلامی کو کسی درجے میں بھی شمار نہیں کرتا ۔ اُن کی یہ بات سن کر حضرت شیخ معین الدین نے تبسم

فرمایا اور کہا اچھا تم پریشان مت ہو ، بابا ! قطب الدین کو میں اپنے ہمراہ لے جاؤں گا ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ شیخ قطب الدین کے کمال کی شہرت کی دھوم مچی ہوئی تھی اور تمام اہلِ شہر اُن کے بے حد معتقد تھے ۔ جب شیخ معین الدین گھر واپس آئے تو آپ نے شیخ قطب الدین سے فرمایا ، بابا بختیار ! تم ایک دم اس قدر مشہور ہو گئے ہو کہ لوگ تمھاری شکایت کرنے لگے ہیں ، لہٰذا تم یہاں سے چلو اور اجمیر میں رہو ، میں تمھارے سامنے کھڑا رہوں گا ۔ شیخ قطب الدین نے عرض کیا کہ مخدوم ! میری کیا مجال کہ آپ میرے سامنے کھڑے رہیں اور میں بیٹھا رہوں ۔ پس آپ کے ارشاد کے مطابق حضرت شیخ قطب الدین اپنے شیخ کے ہمراہ اجمیر روانہ ہوئے ۔ جب اس کی سہرت ہوئی کہ شیخ قطب الدین دہلی سے جا رہے ہیں تو تمام دہلی میں کہرام مچ گیا ۔ تمام اہلِ شہر سلطان شمس الدین (التمش) کے ساتھ آپ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے ۔ جہاں کہیں شیخ قطب الدین کے قدم مبارک پڑتے تھے ، مخلوق اُس زمین کی خاک کو تبرک سمجھ کر اُٹھا لیتی تھی اور سب لوگ نہایت آہ و زاری کر رہے تھے ۔

حضرت شیخ معین الدین نے جب لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا ، بابا بختیار ! تم [۵۵] اسی مقام پر رہو کہ لوگ تمھارے لیے پریشان اور بے چین ہیں ۔ مجھے یہ گوارا نہیں کہ اتنے دل تمھارے لیے خراب اور کباب ہوں ۔ میں نے اس شہر کو تمھاری پناہ میں چھوڑا ہے ۔ آپ کے اس حکم کے بعد سلطان شمس الدین (التمش) نے حضرت خواجہ معین الدین کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور حضرت شیخ قطب الدین کے ہمراہ خوشی خوشی شہر لوٹا اور شیخ معین الدین اجمیر کی طرف روانہ ہوئے[۱] ۔

۱۔ ایک اور نسخے میں ہے کہ : جب حضرت شیخ معین الدین ، نجم الدین صغرا سے ملنے کے لیے آئے تو اُنھوں نے منہ پھیر لیا ، شیخ معین الدین دوسری طرف گئے اور اُن کا ہاتھ پکڑا ، شیخ نجم الدین نے شکایت کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ تم نے بختیار کو ہمارے سر پر مسلط کیا ہے ، اُسے منع نہیں کرتے ۔ شیخ معین الدین نے فرمایا اچھا میں اس کو منع کروں گا ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

نکتۂ چہارم

حضرت شیخ قطب الدین بختیارؒ کے انتقال کے متعلق دنیا سے طبعی کی طرف طلب اللہ مضجعہ

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ عید کا دن تھا کہ حضرت شیخ قطب الدین عیدگاہ سے واپس لوٹ کر اُس جگہ آئے، جہاں آج آپ کا روضۂ مبارک ہے۔ یہ زمین اس وقت جنگل تھی۔ یہاں کوئی گنبد اور قبر نہ تھی۔ شیخ اس جگہ آئے اور وہاں کھڑے ہوکر کچھ سوچنے لگے۔ جو عزیز آپ کے ساتھ تھے، اُنھوں نے عرض کیا کہ آج عید کا دن ہے اور مخلوق آپ کی منتظر ہوگی کہ مخدوم گھر تشریف لائیں اور کچھ تناول فرمائیں۔ آپ یہاں کیوں دیر کر رہے ہیں؟ شیخ نے فرمایا کہ مجھے اس زمین سے اہلِ دل کی بُو آتی ہے۔ اُسی زمانے میں آپ نے اُس زمین کے مالک کو طلب کیا اور اپنے خاص پیسے سے قیمت دے کر اُس زمین کو خرید لیا اور وصیت فرمائی کہ مجھے اسی جگہ دفن کیا جائے۔

یہ فرمانے کے بعد سلطان المشائخ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ شیخ نے جو فرمایا تھا کہ مجھے اس زمین سے اہلِ دل کی بُو آتی ہے، دیکھو کہ اس جگہ کیسے کیسے لوگ سو رہے ہیں۔

واقعۂ وفات:

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ الاسلام شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز چار شبانہ روز عالمِ تحیّر میں تھے۔ آپ کی وفات کا واقعہ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

باقی اس نسخے میں وہی ہے جو متن کے نسخے میں ہے۔ صرف اس قدر اضافہ ہے کہ حضرت شیخ معین الدین ابھی اجمیر پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ شیخ قطب الدین دہلی میں رحمتِ حق سے جا ملے۔ (یہ ترجمہ اس حاشیے کا ہے، جو "سیرالاولیاء" مطبوعہ محبِ ہند دہلی، جس سے ہم ترجمہ کر رہے ہیں، کے صفحہ ۵۸ پر ہے)۔

صاحبِ "اخبارالاخیار" نے آپ کی آخری ملاقات کی تفصیل بحوالہ "دلیل العارفین" لکھی ہے (ص ۲۶)۔

طرح ہے کہ شیخ علی سکزیؒ[۱] کی خانقاہ میں محفل سماع تھی ۔ شیخ قطب الدین نوراللہ مرقدہ بھی اس محفل میں حاضر تھے ، قوال نے یہ شعر گایا

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است[۲]

شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز پر اس شعر نے اس قدر اثر کیا کہ آپ خانقاہ سے گھر تک مدہوش و متحیر لائے گئے ۔ بار بار قوالوں سے فرماتے کہ یہی شعر پڑھو ۔ قوال یہی شعر پڑھتے ۔ وہ اسی عالمِ تحیر اور مدہوشی میں تھے ، لیکن جب نماز کا وقت آ جاتا تو نماز پڑھتے ۔ پھر یہی شعر پڑھواتے اور یہی شعر خود بھی پڑھتے ۔ وہ اسی عالمِ تحیر اور مدہوشی میں رہے ، یہاں تک کہ چار شبانہ روز اسی عالم میں گزرے ۔ پانچویں شب میں آپ نے رحلت فرمائی ۔

شیخ بدر الدین غزنویؒ کہتے تھے کہ میں اس رات خواجہ قطب الدینؒ کے پاس حاضر تھا ۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس وقت مجھ پر کچھ غنودگی طاری تھی ۔ اسی عالم میں میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ اپنے مقام سے اٹھ کر [۵۶] اوپر کی جانب جا رہے ہیں اور مجھ سے فرما رہے ہیں ، بدرالدین ! خدا کے دوستوں کو موت نہیں آتی ۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے دیکھا کہ شیخ دارالبقا کو کوچ فرما چکے تھے ۔ اس وقت شیخ احمد نہر والی بھی موجود تھے ۔ رحمۃ اللہ علیہما ۔

۱- شیخ علی سکزی (سجزی) صاحبِ حال درویش اور خواجہ اجمیری کے عزیزوں میں تھے ۔ خواجہ قطب الدین کے پڑوس میں رہتے تھے ۔ اُن کی قبر بھی حضرت خواجہ قطب الدین کے مزار کے متصل ہے ۔ (ماخوذ از ''اخبار الاخیار'' ، ص ۲۵)

۲- یہ شعر شیخ احمد جام قدس سرہ کا ہے ۔ آپ کی کنیت ابوالنصر اصل وطن موضع نامق جو مضافات جام میں ہے ۔ آپ کی ولادت ۴۴۱ھ (۵۰ - ۱۰۴۹) میں ہوئی ۔ شیخ احمد جام کو شیخ طاہر سے شرفِ صحبت حاصل تھا ۔ آپ نے ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی ۔ (''خزینۃ الاصفیا'' ، جلد دوم : ص ۲۴۳ و ''سفینۃ الاولیاء'' ، (اُردو ترجمہ) ، تذکرہ حضرت احمد جام)

وفات کے متعلق مولانا فخرالدین زرادی کا بیان :

کاتب الحروف نے "رسالہ سماع" میں جو مولانا فخرالدین زرادی[1] کی تالیف ہے ، دیکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ : شیخ قطب الدین نوراللہ مرقدہ پر اس سماع کی محفل میں عالمِ تحیر طاری ہوا ۔ اُس زمانے میں ایک حاذق طبیب تھا ، جس کا لقب شمس الدین دلہل تھا ۔ شیخ قطب الدین کو اس کے پاس لے گئے تاکہ وہ اُن کے مرض کو سمجھے ۔ جب شمس الدین دلہل نے آپ کو دیکھا تو کہا کہ یہ علامت اُس مرد کی ہے جس نے اپنے آپ کو آتشِ محبت میں جلایا ہے اور جس کا جگر پگھل گیا ہے ۔

بے شک طبیب مذکور اپنے قول میں صادق تھا اور اس استدلال میں کتنی صحت ہے جو رسول اللہ صلعم کی مجلس میں پیش ہوا تھا :

قد لسعت حیۃ الھوی کبدی و لا طبیب لہ و لا راق الا الحبیب الذی قد شغفت بہ فعندہ رقیتی و تریاق ۔

[بے شک عشق کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا اس کے لیے نہ کوئی طبیب ہے اور نہ کوئی افسوں مگر دوست جس پر میں فریفتہ ہوں ، اسی کے پاس میرے کاٹے کا منتر ہے ۔]

الغرض قاضی محی الدین کاشانی رحمۃ اللہ نے سلطان المشائخ سے بیان کیا کہ جس سال سلطان شمس الدین التمش نے وفات پائی ، اُسی سال شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز اور مولانا قطب الدین کاشانی نے وفات پائی ۔

۱۔ مولانا فخرالدین زرادی کا اصل وطن سامانہ تھا ، بعد میں دہلی میں مقیم ہوگئے تھے ، اپنے زمانے کے اکابر علما میں تھے ۔ انھوں نے علومِ ظاہری کی تعلیم مولانا فخرالدین ہانسوی سے حاصل کی تھی ، جنھوں نے اُن سے تعلیم حاصل کی ، اُن میں "سیرالاولیاء" کے مولف محمد بن مبارک کرمانی اور اُن کے چچا حسین بن محمود وغیرہ ہیں ۔

مولانا زرادی کی تصانیف "رسالہ الثانیہ" اور "رسالہ الخمسین" ، "رسالہ کشف القناع" اور رسالہ "اصول السماع" وغیرہ مشہور ہیں ۔

مولانا فخرالدین زرادی نے ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) میں وفات پائی ۔ ہمارا خیال ہے کہ امیر خورد کی مراد "رسالہ سماع" سے "رسالہ اصول السماع" مراد ہے ۔ ("نزہۃ الخواطر" ، جلد ۲ ، ص ۱۰۳ تا ۱۰۹)

یہ بات سن کر سلطان المشائخ نے سلطان شمس الدین کی تاریخِ وفات یاد کر کے یہ شعر پڑھا :

بسال ششصد و سی و سہ بود کہ از ہجرت
نماند شاہجہاں شمسِ دینِ عالمگیر

صحیح تاریخِ وفات حضرت قطب الدین بختیارؒ :

لیکن شیخ الاسلام حضرت قطب الدین بختیار کی تاریخِ وفات ۱۴ ماہ ربیع الاول ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) ہے ۔
کاتب الحروف نے ایک بزرگ سے سنا تھا کہ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار نوراللہ مرقدہ کی وفات کے بعد دس سال تک قاضی حمید الدین ناگوری زندہ رہے ۔ جب اُن کی وفات کا وقت قریب آیا تو اُنھوں نے وصیت کی کہ مجھے شیخ قطب الدین کے پائیں دفن کیا جائے ۔ قاضی حمیدالدین ناگوری کے صاحبزادے [ے۵] اس وصیت پر عمل کرنا نہیں چاہتے تھے ، لیکن چونکہ قاضی حمید الدین کی وصیت تھی ، اس لیے اُنھوں نے مجبوراً وہاں دفن کیا ، لیکن ان کا چبوترہ شیخ الاسلام قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے روضۂ متبرکہ سے بلند تعمیر کرایا ۔ بعد میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے خواب میں اپنے فرزندوں سے کہا کہ تم نے چبوترہ بلند کر کے مجھے شیخ الاسلام قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے سامنے سخت شرمندہ کیا ہے ۔
سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ میں نے بارہا ان دونوں بزرگوں کی تربتوں کے درمیان نماز ادا کی ہے اور نہایت ذوق اور سکون پایا ہے ۔ یہ جگہ کا اثر نہیں ، جگہ میں کیا رکھا ہے بلکہ یہ اُن دونوں بزرگوں کا اثر ہے ۔ ایک طرف ایک بادشاہ سو رہا ہے اور دوسری طرف دوسرا بادشاہ محو استراحت ہے ۔ قدس سرہما العزیز ۔

منهم

متعلق شیخ العالم فریدالحق والدین گنج شکرؒ

سلطان العارفین ، برہان العاشقین والمحققین ، پیشوائے اصحابِ دین مقتدائے ارباب یقین ، گنج عالم عزلت ، گنجینۂ سرائے دولت ، سرورِ اقلیم اعظم ، قطب اقطابِ عالم فریدالحق والدین شیخ شیوخ العالم ملجائے فقر

و مساکین مسعود بن سلیمانؒ جو دولتِ ابدی اور سرمدی کو پہنچے تھے اور علم و تقویٰ ، زہد و ورع ، ترک و تجرید ، عشق و بکا اور ذوق کلام محبت ، اشارات و رموزات میں بے نظیر اور اپنے عہد کے یگانہ فرد تھے ، کرامت کے میدان میں عالم کے دین کے سرداروں سے گوئے سبقت لے گئے تھے ۔

آپ شیخ الاسلام حضرت قطب الدین بختیار اوشیؒ کے خلیفہ تھے اور اس صاحبِ عظمت بزرگ کی جانب سے مجازِ مطلق تھے ۔ آپ اس قدر عالی ہمت اور رفیع المرتبت تھے کہ عشقِ ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کسی دنیوی اور اُخروی نعمت کی طرف راغب نہ تھے ۔ آپ کا عہد وہ مبارک عہد تھا کہ آپ کے وجودِ باجود سے عالم ، باغِ ارم کی طرح آراستہ تھا اور ایسا شہر یعنی شہر دہلی کہ جو عالم کا قبۃ الاسلام ہے ، جہاں خدا کے بندے مشائخ کے مقامات و کرامات کے دروازے کو کھٹکھٹاتے اور کھلواتے تھے ، علماء معانی کے غوامض اور باریکیوں کو استنباط کرتے تھے اور متوسط درجے کے لوگ مرفہ الحال اور فارغ البال تھے ۔ چنانچہ اُس زمانے میں ہر طبقے کے لوگوں کو سوائے راحت [۵۸] خوش خوئی اور خوش دلی کے کسی سے واسطہ نہ تھا ۔

اس عالمِ حقیقت کے بادشاہ نے ایسے راحت کے زمانے میں اپنے اختیار سے لوگوں سے قطع تعلق کر کے بتمام و کمال دوست کی طرف متوجہ ہو کر اور ایسے پُر رونق اور سادات شہر کو چھوڑ کر بیابانوں اور جنگل کو دین کے شیروں کی طرح اپنا مسکن بنایا اور درویشوں کی روٹی اور فقیرانہ کپڑوں پر قانع ہو گئے ۔ ہر چندکہ آپ اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے ، لیکن آپ کے حسنِ معاملہ کی شہرت کونین میں پہنچ گئی تھی اور انشاء اللہ اس شہرت کا غلغلہ قیامت تک آپ کے نام سے اور آپ کے فرزندوں کے وجود سے کہ اُن میں سے ہر ایک دریائے کرامت اور خاندانِ رحمت سے ہے ، اور آپ کے درویشوں کے نام سے کہ جو آپ کے قرب کا شرف رکھتے تھے ، روشن اور منوّر رہے گا ۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے :

البدر یطلع من فرید جبینہٖ
والشمس تغرب فی شقائق خدّہٖ

[چودھویں رات کا چاند اس کی بے مثل پیشانی سے طلوع ہوتا ہے اور سورج اس کے رخساروں کی روشنی میں چھپتا ہے ۔]

ملک الجمال باثرہ فکانما
حسن البریۃ کلہ من عندہ

[وہ بادشاہِ حسن ہے اور اپنے مکمل حسن کے ساتھ ایسا ہے گویا کہ تمام جہان کا حسن اس کے پاس سے ہے۔]

اے سرورِ اولیائے عالم
اے قبلۂ اصفیائے اکرم
روئے توکہ آفتابِ حسن است
پیدا شد ازو ضیائے عالم

ہر چند کہ یہ بےچارہ آپ کے اوصاف کے دریا میں غوطہ لگاتا ہے لیکن اس کی تہہ نہیں پاتا ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے۔ مصرع :

بدریائے در افتادم کہ پایانش نمی بینم

اس فقیر کی کیا مجال کہ اس بادشاہِ اہلِ یقین کے جمالِ اوصافِ ولایت کو بیان کر سکے :

وصفِ جمال چوں توئی نیست حدِ بیانِ من
من چہ صفت کنم ترا ، اے تو چنانکہ ہم توئی

سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں دعا کروں اور اس منزل سے گزر جاؤں ۔

یہ ضعیف کہتا ہے :

رباعی

جہاں تا قیامت بنامِ تو باد
فلک با مہ و خور غلامِ تو باد
بکام دل و جانِ عشاق تو
شرابِ محبت ز جام تو باد

ذکر

حضرت شیخ شیوخ العالم فریدالحق والملۃ والشرع والدین حضرت فریدالدین شکر بار مسعودگنج شکر اجودھنی چشتی قدس اللہ سرہ العزیز ، جو آٹھ لکتوں پر مشتمل ہے

لکتۂ اول

شیخ شیوخ عالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے حسب و نسب کے بارے میں

عالم کے اہلِ دلوں کو معلوم ہو کہ یہ بادشاہ اہلِ دین (حضرت بابا فرید گنج شکرؒ) کابل کے بادشاہ انصاف پسند فرخ شاہ کی اولاد میں تھے اور اُس زمانے میں دنیا کی زمامِ حکومت فرخ شاہ کے ہاتھ میں تھی اور تمام ملکوں کے بادشاہ اس کے فرماں بردار تھے ۔ کابل کی سلطنت غزنی کی سلطنت سے بڑی تھی ۔ جب کابل کی مملکت زوال پذیر ہوئی تو اس پر غزنی کے بادشاہ نے قبضہ کر لیا تو فرخ شاہ کے بیٹے شہر کابل میں اپنی املاک اور سامان کی حفاظت میں مشغول [۵۹] ہو گئے ، یہاں تک کہ چنگیز خاں نے خروج کیا اور ملک ایران و توران کو تاخت و تاراج کر کے اپنے قبضے میں لیا اور غزنی پر چڑھائی کی ۔ جب وہ کابل پہنچا تو اس نے کابل پر قبضہ کر کے اُسے تباہ و برباد کیا ۔ حضرت شیخ الشیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے دادا بزرگوار کافروں کی لڑائی میں شہید ہوئے ۔

حضرت شیخ فرید گنج شکرؒ کے خاندان کی لاہور میں تشریف آوری :

پھر آپ کے دادا قاضی شعیب اپنے تین صاحبزادوں اور اپنے دوسرے متعلقین اور اہل و عیال کے ساتھ لاہور تشریف لائے اور قصبہ قسور میں قیام فرمایا ۔ قسور کے قاضی صاحب نے ، جو عدل و انصاف و مروّت میں اپنے عہد کے قاضیوں کے لیے باعثِ فخر تھے ، شیخ شیوخ عالم کے خاندان کی عظمت و فضیلت کے تذکرے پہلے سُن چکے تھے ۔ جب انھوں نے اس خاندان کے بزرگوں کو دیکھا تو جو کچھ انھوں نے سنا تھا ، اُس سے سو

گنا زیادہ مشاہدہ کیا ۔ سنائی نے کیا اچھا کہا ہے :

آنچہ گوش از کمالِ خواجہ شنید
چشم ازو صد ہزار چنداں دید

قاضیٔ قسور نے ان آنے والے مہمانوں کی تشریف آوری کو اپنی خوش نصیبی سمجھ کر ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور نہایت ہی پُرتکلف دعوتیں کیں اور اس خاندان کے بزرگوں کا حال جو کمالِ علم اور جمالِ حلم سے آراستہ تھے اور اس خانوادے کی عظمت و کرامت کا حال بادشاہِ وقت کو لکھا ۔ بادشاہ نے اس خانوادے کی انتہائی تعظیم و توقیر کے ساتھ ان کے نام ایک فرمان جاری کیا ، جس میں تحریر تھا کہ آپ بزرگوں کو بالکلیہ اس کا مختار بنایا جاتا ہے کہ ہر دینی و دنیوی کام ، جو آپ کا مجھ سے متعلق ہو ، اس کی تعمیل میں آپ مجھے راضی پائیں گے ۔ مصرع :

رضائے دوست مقدم بر اختیارِ من است

اس کے جواب میں آپ کے جد بزرگوار نے فرمایا کہ ہمیں دنیا کے کسی کام کی ضرورت نہیں جو چیز ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ، ہم اس کے پیچھے نہیں دوڑیں گے ۔

کھتوال کی قضاءت :

اس کے بعد بادشاہ نے آپ کے جد امجد قاضی سعیب کو کھتوال ، جو ملتان سے قریب ہے ، عہدۂ قضا پر مقرر کیا ۔

قاضی شعیب نے وہیں سکونت اختیار کی ۔ حق تعالیٰ نے اسی خاندان سے اس عظیم المرتبت بزرگ یعنی شیخ شیوخ العالم فریدالحق والشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز کو پیدا کیا ، جنھوں نے ہندوستان کے رہنے والوں کو ، جو دریائے ظلمت اور معاصی میں غرق تھے ، دستگیری فرما کر نکالا ۔

نکتۂ دوم

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے عزلت اور گوشہ نشینی اور یادِ الٰہی میں مشغول ہونے اور آپ کے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار [۹۰] قدس اللہ سرہ العزیز کے زمرۂ ارادت میں منسلک ہونے کے بارے میں

منقول ہے کہ شیخ شیوخ عالم فرید الحق والدین طیب اللہ مضجعہ ، عنفوانِ شباب ہی سے جو عیش و کامرانی کا زمانہ ہے حق تعالٰی کی عبادت اور محبت میں مشغول ہوگئے تھے اور یک بارگی ترک کو اختیار کر کے اپنے خویش و اقارب سے جدا ہوگئے تھے :

ہر کسے را بجہاں خویشی و پیوندی ہست
غم تو خویش من و عشقِ تو پیوندِ من است

امیر خسرو بھی کہتے ہیں :

اگر تو باغمِ لیلٰی برغبت خویشی داری
چو مجنوں فرد باید شد ہم از خویش و ہم از بیگاں

چونکہ آپ کی نیت صادق تھی اور حق تعالٰی نے مقدر فرمایا تھا کہ جہان ، قیامت تک آپ کے سایۂ دولت میں آرام لے ، اور آخرت میں نجاتِ ابدی حاصل کرے ۔ اس لیے آپ کو شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز و رزقنا شفاعتہا کی ملاقات کی سعادت اور دست بوسی کی دولت حاصل ہوئی ۔

حضرت قطب الدین بختیارؒ سے ملاقات :

جیسا کہ شیخ نصیر الدین محمودؒ فرماتے تھے کہ جس زمانے میں شیخ شیوخ العالم والدین طیب اللہ مضجعہ تعلیم کے حاصل کرنے میں مشغول تھے ، اُسی زمانے میں آپ کے تعلّم ، تجرد اور تعبد کا شہرہ عالم میں پھیل گیا تھا ۔ یہ شہرہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی نور اللہ مرقدہ و روضتہ کے کانوں تک پہنچا ۔ شیخ الاسلام بہاء الدینؒ کو آپ کی شہرت سن کر اس کی خواہش ہوئی کہ آپ سے ملاقات کریں ۔ اُسی زمانے میں آپ

تعلیم حاصل کرنے کے لیے ملتان تشریف لائے - اُس زمانے میں ملتان تمام عالم کا قبۃ الاسلام تھا - بڑے بڑے علماء اس شہر میں موجود تھے - آپ ملتان تشریف لانے کے بعد ایک مسجد میں مقیم ہوئے -

ایک دن آپ اُس مسجد میں قبلہ رخ بیٹھے ہوئے کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے ، کتاب نافع کا سبق یاد کرنے میں مشغول تھے کہ اس موقع پر شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز اوش سے ملتان پہنچے اور اُس مسجد میں تشریف لائے کہ جس میں آپ رہتے تھے - حضرت شیخ شیوخ العالم نے حضرت شیخ قطب الدین کی پیشانی پر نظر ڈالی اور خدا جانے کہ آپ کو کیا نظر آیا کہ آپ اُن کے ساتھ نہایت تعظیم سے پیش آئے اور ادب سے بیٹھ گئے - جب شیخ الاسلام قطب الدین نماز دوگانہ " تحیۃ المسجد" پڑھ چکے اور آپ کی طرف دیکھا تو فرمایا ، مسعود ! کیا پڑھ رہے ہو ؟ آپ نے عرض کیا کہ کتاب نافع پڑھ رہا ہوں - حضرت شیخ قطب الدین نے فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہیں اس نافع سے نفع ہوگا ؟ آپ نے عرض کیا کہ میرا نفع تو آپ کی نگاہ کیمیا اثر [۶۱] میں ہے - یہ کہہ کر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اُٹھے اور شیخ الاسلام قطب الدینؒ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور سر آپ کے قدموں میں رکھا اور آپ کے عقیدت مندوں میں شامل ہوگئے -

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی تشریف آوری :

اُسی زمانے میں شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ اس حکم کے مطابق کہ ہر آنے والا زیارت کیا جاتا ہے ، اسی مسجد میں کہ جس میں شیخ الاسلام قطب الدین اور شیخ شیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہما موجود تھے ، تشریف لائے اور ایک نے دوسرے سے ملاقات کی - جب شیخ بہاء الدین زکریا رخصت ہونے لگے تو حضرت شیخ الاسلام قطب الدین نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اُن کے جوتے درست کیے -

اکابر مشائخ میں یہ رواج ہے کہ جب وہ کسی کو رخصت کرتے ہیں تو اس کے جوتے اپنے ہاتھوں سے سیدھے کرتے ہیں -

حضرت شیخ قطب الدین کی دہلی کو روانگی اور بابا فرید گنج شکر کی بیعت :

اس کے فوراً بعد ہی شیخ الاسلام قطب الدین قدس سرہ العزیز دہلی

کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ شیخ شیوخ عالم فریدالدین بھی آپ کے ساتھ شہر دہلی آئے اور حضرت شیخ قطب الدین کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

منقول ہے کہ جس مجلس میں آپ نے خواجہ قطب الدین کے دست حق پرست پر بیعت کی، اُس مجلس میں قاضی حمید الدین ناگوری، مولانا علاء الدین کرمانی، سیّد نورالدین مبارک غزنوی[1]، شیخ نظام الدین ابوالموید[2]، مولانا شمس ترک اور خواجہ محمود موئنہ دوز[3] اور دوسرے عزیز کہ اُن میں سے ہر ایک کی نظر عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک دیکھتی تھی، موجود تھے۔ قدس اللہ ارواحھم۔

بیعت ہونے کے بعد شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز شیخ قطب الدین کی خدمت میں شہر میں رہے اور یادِ الٰہی میں مشغول ہوگئے۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ آپ دو ہفتے کے بعد اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، بخلاف شیخ بدرالدین غزنوی اور دوسرے

۱۔ **سیّد نورالدین مبارک غزنوی**: شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ اور دہلی کے مقتدا اور شیخ الاسلام تھے۔ سلطان التمش کے زمانے میں وہ امیر دہلی کہلاتے تھے۔ نعمتِ باطنی اُنھوں نے شیخ محمد اجل شیرازی سے پائی تھی۔ سیّد نورالدین مبارک غزنوی نے ۶۳۲ھ (۳۵-۱۲۳۴ء) میں وفات پائی، اُن کا مقبرہ حوض شمسی کے مشرق جانب ہے۔ (ماخوذ از ''اخبارالاخیار''، ص ۲۸ و ۲۹)

۲۔ **شیخ نظام الدین ابوالموید**: یہ بزرگ سلطان التمش کے عہد میں تھے اور خواجہ قطب الدین بختیار کے ہم عصر تھے۔ ان کے مواعظ بڑے پُراثر ہوتے تھے۔ ان کے پیر ابتداءً شیخ عبدالواحد غزنوی تھے۔ جب یہ دہلی آئے تو خواجہ قطب الدین کی صحبت میں رہنے لگے، اس لیے اُن کا شمار پیرانِ چشت میں ہونے لگا، شیخ نظام الدین نے ۶۷۲ھ (۷۴-۱۲۷۳ء) میں وفات پائی۔ (''خزینۃالاصفیا''، جلد اوّل، ص ۳۰۸)

۳۔ **خواجہ محمود موئنہ دوز**: قاضی حمیدالدین ناگوری کے مرید و خلیفہ تھے اور خواجہ قطب الدین کے مصاحبوں اور معتقدوں میں تھے۔ ''سیرالعارفین'' میں ہے کہ وہ صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے اور حضرت قطب الدین بختیار کے مرقد کے جوار میں آسودہ ہیں۔ (تذکرہ صوفیائے پنجاب، حاشیہ، ص ۳۴۷)

عزیزوں کے کہ وہ ہر وقت حاضر رہتے تھے ۔ اس بات کا خلاصہ یہ مصرع ہے ، جو اس بارے میں سلطان المشائخ کی زبان مبارک پر آیا :

بیرونِ درون بہ کہ درونِ بیرون

نکتہ سوم

حضرت شیخ شیوخ عالم فریدالحق والدین رح کے [۶۲] مجاہدوں اور ابتدا سے لےکر آخر عمر تک کے طور و طریق کے بارے میں

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جتنے زمانے شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز شہر دہلی میں رہے ۔ شیخ بدرالدین غزنوی کے وعظ میں ضرور حاضر ہوتے تھے ۔ ایک روز اُنھوں نے منبر پر آپ کی تعریف کی لیکن حاضرینِ مجلس نہ سمجھ سکے کہ وہ کس کی تعریف کر رہے ہیں ، کیونکہ آپ کے کپڑے پھٹے پُرانے تھے ۔ وعظ کے ختم ہونے کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر رح باہر تشریف لائے تو ایک شخص آپ کے لیے لباس لےکر آیا ۔ آپ نے کپڑے پہنے اور فوراً اُتار دیے اور شیخ نجیب الدین متوکل کو دے دیے اور فرمایا کہ جو لطف مجھے پھٹے پرانے کپڑوں میں حاصل تھا ، ان نئے کپڑوں میں نہیں ۔

بابا فرید گنج شکر رح کی ہانسی میں تشریف آوری :

الغرض جب آپ شیخ الاسلام قطب الدین کی خلافت سے سرفراز ہوئے تو لوگوں کا ہجوم ہوا ، لیکن آپ اپنے آپ کو چھپانا چاہتے تھے اس لیے آپ دہلی سے نکل کر ہانسی پہنچے اور وہاں سکونت اختیار کی اور ظاہری و باطنی مجاہدوں اور ریاضتوں میں مشغول ہوگئے ۔ یہاں آپ اپنے آپ کو چھپائے ہوئے رکھتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ کوئی آپ کے حالات سے باخبر ہو ، یہاں تک کہ ایک دن مولانا نور ترک اور دوسرے علماء نے آپ کو تعصب سے ناصبی اور مرجئی کہا ، حالانکہ آپ ان دونوں فرقوں سے پاک تھے اور نہایت متقی اور پرہیزگار تھے ۔

چنانچہ سلطان المشائخ نے آپ کی بزرگی کے بارے میں متعدد مرتبہ فرمایا ہے ، جس کو امیر حسن سجزی نے ''فوائدالفواد'' میں تحریر کیا

ہے مختصر یہ کہ مولانا نور ترک ہانسی پہنچے اور وعظ کہا ۔ اُس مجلس وعظ میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ بھی حاضر ہوئے ۔ آپ کے کپڑے نہایت پھٹے اور پرانے تھے ، جیسے ہی مولانا نور ترک کی نظر آپ پر پڑی تو اُنھوں نے کہا اے مسلمانوں ! ناقدِ سخن یہاں آ پہنچا ہے ، پھر آپ کی تعریف اس طرح کی جیسے بادشاہوں کی کرتے ہیں ۔

کتھو والا (کھتوال) میں تشریف آوری :

جب آپ کی عظمت و کرامت کی شہرت ہانسی کے باشندوں میں ہوئی ، تو آپ ہانسی کو چھوڑ کر کتھو والا تشریف لے گئے جو آپ کے آباء و اجداد کا قدیم وطن تھا اور ایک عرصے تک وہاں ذکر و شغل میں مصروف رہے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ اُسی زمانے میں شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز جب ملتان سے دہلی آ رہے تھے اور کتھووالا پہنچے تو انھوں نے پوچھا یہاں درویشوں میں سے کوئی ایسا شخص ہے ، جس سے ملاقات کی جائے ؟ لوگوں نے کہا ایک قاضی بچہ ہے ، جو شیخ الاسلام قطب الدین عیار کا مرید ہے ۔ کھتوال کی نمازگاہ کے پیچھے عبادت میں مشغول رہتا ہے ۔ شیخ جلال الدین آپ کی ملاقات کے ارادے سے روانہ ہوئے ۔ [٦٣] راستے میں ایک شخص ایک انار لے کر اُن کی خدمت میں آیا ۔ شیخ جلال الدین نے وہ انار لے لیا اور وہ انار لیے ہوئے آپ کی خدمت میں آئے ۔ ملاقات کے بعد جب بیٹھے تو شیخ جلال تبریزی نے اُس انار کو توڑ کر کھانا شروع کیا ۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ چونکہ روزے سے تھے ، اس لیے آپ نے نہیں کھایا ۔ آپ کا پاجامہ پھٹا ہوا تھا ۔ دورانِ گفتگو جب ہوا ان پھٹے ہوئے سوراخوں میں داخل ہوئی تو بار بار آپ اپنے دامن سے اُس کو ڈھانپتے ۔ شیخ جلال تبریزی نے آپ کی اس کیفیت کو محسوس کر کے فرمایا کہ بخارا میں ایک درویش تھا ، جو تعلیم میں مشغول تھا ۔ سات سال تک اُس کے پاس پاجامہ نہ تھا اور ایک لنگوٹا باندھے ہوئے رہتا تھا ۔ دل کو اس واقعہ سے تسلی دو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین تبریزی کی اُس درویش سے مراد خود اپنی ذات تھی ۔

غرض یہ کہ جب شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے وہ انار کھا لیا اور آپ نے افطار نہیں کیا ، شیخ جلال اُٹھے اور روانہ ہو گئے ۔ اُن کے جانے کے بعد آپ کو افسوس ہوا کہ کیوں نہ میں نے افطار کیا ۔ اتفاق سے اُس انار کا ایک دانہ زمین پر گر پڑا تھا ۔ آپ نے اُسے اپنی دستار کے کھڑے میں اس نیت سے باندھ لیا کہ رات کو اس دانے سے افطار کریں گے ۔ جب رات ہو گئی تو آپ نے اُس دانے سے افطار کیا ۔ اُس دانے کے کھاتے ہی آپ نے اپنے قلب میں ایک روشنی محسوس کی ۔ آپ کے دل میں خیال گزرا کہ کیوں نہ میں نے اس انار کے دانے زیادہ کھائے ۔

جب بابا فریدگنج شکرؒ دہلی آئے اور اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ قطب الدین سے ملے تو اُنھوں نے فرمایا ، مسعود ! تسلی رکھو انار کا دانہ جو مقصود تھا تمھیں مل گیا ۔

اجودھن میں تشریف آوری :

جب آپ کی شہرت عام ہوئی اور اعلیٰ و ادنیٰ آپ کی خاک بوسی کے لیے آنے لگے ، چونکہ موضع کھتوال ملتان سے قریب تھا ، اس لیے ملتان کی خلقت آپ کی زیارت کے لیے ٹوٹ پڑی ، تو آپ کھتوال سے اجودھن تشریف لے آئے کہ وہ ایک گمنام مقام تھا ۔

اجودھن میں قیام کی مدت :

ایک روایت کے مطابق آپ سولہ سال اور ایک روایت کے مطابق آپ چوبیس سال آخر عمر تک اجودھن میں رہے ۔ یہ مقام آپ کے وجودِ مبارک سے ہندوستان اور خراسان کا قبلہ ہو گیا اور قیامت تک بے چاروں ، مسکینوں ، ملوک اور بادشاہوں کا ماویٰ و ملجا رہے گا ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ فریدالحق والدینؒ کچھ زمانے [۶۴] ہانسی میں رہے ، چونکہ علم وافر رکھتے تھے ، اس لیے اُسے عمل سے ہم آہنگ کیا ، جب معتقدین کی کثرت ہوئی اور آپ کا شہرہ ہوا تو وہاں سے کھتوال آئے ، جو لوازم زندگی کم رکھتا ہے اور گمنام مقام ہے ، لیکن یہ مقام بھی ملتان سے قریب تھا ، اس لیے وہاں بھی آپ چھپے نہ رہ سکے ، اس لیے آپ بار بار چاہتے تھے کہ لاہور چلے جائیں کہ جس میں ایک خرابہ

اور مریا ہے تاکہ وہاں سکونت اختیار کریں ، لیکن آپ آخر عمر تک اجودھن میں مقیم رہے ۔

اس واقعہ کے بیان کرنے سے یہ مقصد ہے کہ آپ اپنے آپ کو چھپا کر رکھنا چاہتے تھے اور شہرت آپ کو پسند نہ تھی ، بارہا آپ کی زبان مبارک پر یہ شعر آتا تھا :

ہر کہ در بندِ نام و آوازہ است
خانہ او بروںِ دروازہ است

صومِ داؤدی :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ علی جو میرٹھ کے رہنے والے تھے اور ان کا مزار بھی وہیں ہے وہ ہانسی پہنچے ۔ اس زمانے میں حضرت بابا فرید گنج شکر صوم داؤدی رکھ رہے تھے ۔ افطار کے وقت شیخ علی آپ کے مہمان تھے ۔ جب یہ دونوں بزرگ کھانا کھا رہے تھے تو شیخ علی کے دل میں خیال گزرا کہ کیا اچھا ہوتا اگر آپ صوم دوام رکھتے ۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے کشف باطنی سے ان کے اس خطرے کو معلوم کر لیا اور فوراً کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا جو خاصانِ خدا کے دل میں خیال گزرا ، میں اسے پورا کرتا ہوں ۔ آپ کو صوم دہر کا خیال ان ہی بزرگ کی وجہ سے پیدا ہوا ۔

سلطان المشائخ سے کسی نے پوچھا کہ کیا شیخ الاسلام قطب الدین صوم دہر رکھتے تھے ؟ فرمایا اس کی تحقیق نہیں ، اگر وہ رکھتے تو ان کی پیروی میں شیخ فرید الدین بھی صوم دہر رکھتے ۔

سلطان المشائخ نے ایک موقع پر جب کہ شیخ بدرالدین غزنوی کا ذکر چل رہا تھا فرمایا کہ شیخ العالم فریدالحق والدینؒ کا کام ہی اور تھا ۔ انھوں نے خلوں سے ترکِ تعلق کرکے جنگل اور بیابان کو اختیار کر لیا تھا ، یعنی اجودھن میں مقیم ہو گئے تھے اور درویشانہ روٹی اور ان چیزوں پر جو وہاں کے جنگل میں اُگتی ہیں ، مثلاً پیلو اور اس جیسی دوسری چیزیں اُن پر قناعت فرماتے تھے ۔ لیکن اس کے باوجود لوگوں کی آمد و رفت کی کوئی حد نہ تھی ، پھر بھی آپ کے گھر کا دروازہ تقریباً آدھی رات تک کھلا رہتا اور خدا کے فضل و کرم سے کھانا ہر وقت تیار رہتا ، ہر آنے جانے والا کھانا کھاتا ، کوئی شخص بھی آپ کی خدمت میں آتا ، جو

چیز بھی اس کا مقدر ہوتی اسے حاصل کرتا ، [٦٥] عجیب رزق اور عجیب زندگی تھی جو ہر ایک کو میسر نہیں ہوتی ۔

ایسا شخص جو آپ کی خدمت میں کبھی نہ آیا تھا ، وہ آتا ، یا وہ شخص آتا کہ جس سے آپ کئی سال سے آشنا ہوتے تو دونوں ہم نشینی میں برابر ہوتے اور دونوں کی طرف آپ برابر توجہ فرماتے ۔ دونوں سے ملاقات میں کوئی فرق نہ ہوتا تھا ۔

پھر فرمایا کہ میں نے مولانا بدرالدین اسحاق سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں خادم تھا اور آپ مخدوم ، جو کام ہوتا مجھ سے فرماتے ، مجھے جس کام کے لیے روانہ فرماتے تو خلوت و جلوت میں آپ کی یکساں بات ہوتی ، خلوت میں کوئی ایسی بات نہ کہتے اور کسی ایسے کام کا حکم نہ دیتے کہ آپ جلوت میں بعینہ وہ نہ کہہ سکیں ، یعنی آپ ظاہر و باطن میں ایک روش رکھتے تھے اور یہ زمانے کے عجائبات میں سے ہے ۔

افطار کی کیفیت :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ حضرت شیخ فرید الدین کا اکثر افطار شربت سے ہوتا تھا ۔ ایک پیالا شربت کا آپ کے لیے لایا جاتا اور کبھی کچھ منقہ اس میں ڈال دیے جاتے ۔ آپ اس میں سے نصف بلکہ تین تہائی حاضرین میں تقسیم فرما دیتے اور ایک تہائی جو باقی رہ جاتا اسے خود نوش فرماتے ، اس میں سے بھی اگر کچھ باقی رہ جاتا تو آپ حاضرین میں سے جس کو چاہتے عطا فرماتے ، جس خوش نصیب کی قسمت میں یہ دولت ہوتی اُسے مل جاتی ۔ بعدہ نماز سے پہلے دو روٹیاں گھی میں چرب کر کے لائی جاتیں ۔ یہ دو روٹیاں ایک سیر سے کچھ کم ہوتی نہیں آپ ایک روٹی کے ٹکڑے کر کے حاضرین میں تقسیم فرما دیتے اور دوسری روٹی آپ خود تناول فرماتے اور اس ایک روٹی میں سے بھی جس کو چاہتے عطا فرماتے ۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ ذکر و شغل میں مشغول ہو جاتے ۔ ذکر و اوراد کی مشغولی ختم ہونے کے بعد آپ کے سامنے دستر خوان بچھایا جاتا ، جس پر قسم قسم کے کھانے چُنے جاتے ، آپ سب کا سب تقسیم کر دیتے اور اس میں سے کچھ نہ کھاتے ، پھر دوسرے دن افطار کے وقت اسی معمول کے مطابق کھاتے ۔

پھر فرمایا کہ ایک رات آرام فرمانے کے وقت میں آپ کی خدمت

میں حاضر تھا ۔ ایک دیہاتی وضع کی کھاٹ آپ کے لیے بچھائی گئی اور وہی کمبل جس پر آپ دن کو بیٹھتے تھے ، اسے کھاٹ پر بچھایا گیا ۔ وہ کمبل اس قدر چھوٹا تھا کہ بچھنے کے بعد پاؤں تک نہیں پہنچتا تھا یعنی پاؤں کھٹی کی چارپائی پر رہتے تھے ، آپ کے پائے مبارک کے لیے دوسرا ٹکڑا لایا جاتا اور وہ آپ کے پیروں کے نیچے رکھ دیا جاتا ۔ جب وہ ٹکڑا بستر سے ہٹا لیا جاتا تو وہ حصہ بستر سے خالی ہو جاتا ۔

اور ایک عصا تھا ، جو آپ کو شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے عنایت فرمایا تھا ۔ وہ عصا لایا جاتا اور آپ کے پلنگ کے سرہانے رکھ دیا جاتا ۔ آپ اس کا سہارا لے کر آرام فرماتے اور اس پر ہاتھ پھیرتے ، اسے بوسہ دیتے ۔

(۶۶) سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ حضرت شیخ فریدالدین نور اللہ مرقدہ زیادہ تر زنبیل کی روٹی کھاتے ۔ البتہ افطار کے وقت زنبیل کی روٹی کے ایک دو ٹکڑے زیادہ ہوتے ۔ جب آپ کے گھر سے دو مرتبہ زنبیل بھرتی تو دن کے وقت اکثر یاروں کو زنبیل کا کھانا ملتا ۔ اگر بچ رہتا تو وہ رات کے وقت دسترخوان پر رکھا جاتا ۔

منقول ہے کہ آپ کے خادم نے ایک دمڑی کا نمک قرض لیا ۔ جب افطار کے وقت آپ کے سامنے کھانا لایا گیا تو آپ نے نور باطن سے معلوم کر لیا ۔ فرمایا کہ اس کھانے میں اسراف کی بو آتی ہے ۔ خادم نے عرض کیا کہ گھر میں نمک نہ تھا ۔ اس لیے ہانڈی میں نمک قرض لے کر ڈالا گیا ۔ فرمایا کہ تم نے اسراف سے کام لیا ہے ، تمہیں چاہیے تھا کہ اسی پر اکتفا کرتے ۔ یہ مناسب نہیں ہوگا کہ میں اس کھانے میں سے کھاؤں ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ آخر عمر میں شیخ شیوخ عالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کا ہاتھ تنگ ہوگیا تھا ۔ یہ آپ کی وفات کے قریب کا زمانہ تھا ، یہاں تک کہ رمضان میں میں وہاں تھا ۔ افطار کے وقت اس قدر تھوڑا کھانا لایا جاتا کہ حاضرین کو کافی نہ ہوتا تھا ۔ اس زمانے میں میں نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا ۔ آپ کی آمدنی کے وسائل نہایت محدود تھے ، جو کچھ آپ کو اجودھن سے وصول ہوتا تو آپ اس کی ایک ایک پائی خرچ کر ڈالتے ۔ جب میں اجودھن سے رخصت ہونے لگا تو مجھے مولانا بدرالدین اسحاق کے ذریعہ سے آپ کا حکم ملا کہ آج اور رہو ، کل روانہ ہونا ۔ جب افطار کا وقت آیا تو آپ کے

گھر میں کوئی چیز ایسی نہ تھی کہ اس سے افطار کیا جائے ، جب میں نے یہ حال دیکھا تو وہ سفر خرچ جو مجھے ملا تھا ، میں آپ کی خدمت میں لے گیا اور میں نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے ایک سلطانی[1] خرچ ملا ہے۔ حکم ہو تو اس سے کوئی چیز افطار کے لیے منگوا لی جائے۔ شیخ شیوخ عالم میری یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور مجھے دعائیں دیں ۔ یہ پورا واقعہ سلطان المشائخ کے تذکرے میں نکتہ' فتوح کے ضمن میں تحریر کیا گیا ہے ۔

شیخ نصیرالدین محمودؒ سلطان المشائخ سے روایت کرتے ہیں کہ شیخ شیوخ عالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے اہل و عیال بہت تھے ۔ آپ کے گھر کے خادم آتے اور عرض کرتے کہ حضرت ! آج فلاں بیٹے پر ایک فاقہ گزر چکا ہے یا فلاں بیٹی پر دو فاقے ہو چکے ہیں ، لیکن آپ یادِ حق تعالیٰ میں اس قدر مستغرق رہتے [٦٧] کہ اُن کی باتیں آپ کے لیے ہوا کی طرح ہوتی تھیں یعنی آپ ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیتے تھے ۔

ایک دن ایک حرم نے آ کر عرض کیا کہ آج فلاں بیٹا شدتِ بھوک سے ہلاکت کے قریب ہے ۔ شیخ شیوخ العالم نے سر مراقبے سے اُٹھا کر فرمایا مسعود بندہ کیا کرے ، اگر حق تعالیٰ کی تقدیر یہی ہے اور وہ اس جہان سے سفر کر جائے تو اُس کے پاؤں میں رسی باندھ کر باہر پھینک کر چلے آنا ۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا ، جو شیخ عمدہ کھائے اور خوب سوئے ساتھ ہی خدا کی محبت کا دعویٰ کرے ، وہ جھوٹا ہے ۔

ریاضتیں اور مجاہدے (شکر گنج کی وجہ' تسمیہ) :

منقول ہے کہ جب شیخ شیوخ العالم فریدالدینؒ نے چاہا کہ مجاہدے اختیار کریں ، تو آپ نے اس کے متعلق حضرت شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں عرض کیا ۔ شیخ قطب الدین بختیار نے آپ سے فرمایا کہ ''طے'' کرو ، چنانچہ آپ نے تین روز تک کچھ نہ کھایا ۔ تیسرے دن افطار کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لایا ۔ آپ نے یہ سمجھ

۱۔ سلطانی : اُس دور کا ایک سکہ تھا ۔

گو کہ وہ غیب سے آئی ہیں انہیں تناول فرمایا ۔ کھانے کے بعد آپ نے دیکھا کہ ایک کوّا درخت پر بیٹھا ہوا ایک مُردار کی آنتوں کے ٹکڑے کھا رہا ہے ، جیسے ہی آپ کی نظر اُس کوّے پر پڑی ، اس منظر کو دیکھ کر آپ کا جی متلایا اور جو کچھ کھایا تھا ، وہ قے کے راستے باہر نکل گیا اور آپ کا پاک معدہ اُس کھانے سے خالی ہو گیا ۔ جب آپ نے یہ بات اپنے پیر سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا مسعود ! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے تین روز کے بعد جو افطار کیا تھا وہ ایک سرائی کے کھانے سے افطار کیا تھا ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت تم پر تھی کہ تمہارے معدے نے وہ کھانا قبول نہیں کیا ۔ اب جاؤ اور پھر "طے" کرو ، تین روز کے بعد جو تمہیں غیب سے ملے اُس سے افطار کرنا ۔ چنانچہ پھر آپ نے تین روز کا "طے" کیا ، لیکن چھ روز گزر گئے اور کوئی کھانا آپ کو نہ پہنچا ۔ انتہا درجے کا ضعف پیدا ہوا ، یہاں تک کہ ایک پہر رات گزر گئی ۔ ضعف اور بھی بڑھا اور بھوک کی حرارت سے نفس جلنے لگا ۔ آپ نے مبارک ہاتھ زمین کی طرف بڑھایا اور زمین سے چند سنگ ریزے اُٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لیے ۔ آپ کے دہنِ مبارک کی برکت سے یہ سنگ ریزے شکر ہو گئے ۔ حکیم سنائی نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

سنگ در دستِ تو گہر گردد
زہر در کامِ تو شکر گردد [۶۸]

جب آپ نے یہ کرامت دیکھی تو اپنے دل میں کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی شیطان کا مکر ہو ۔ اس خیال کے آتے ہی آپ نے سنگ ریزے فوراً تھوک دیے اور پھر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے ، یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی ۔ ضعف اور بھی غالب ہوا ، پھر آپ نے چند سنگ ریزے زمین سے اُٹھائے اور منہ میں ڈالے تو وہ بھی شکر ہو گئے ، لیکن پھر بھی آپ کو خیال ہوا کہ شاید یہ بھی مکر ہو ۔ آپ نے اس شکر کو بھی تھوک دیا اور اُسی طرح یادِ الٰہی میں مشغول رہے یہاں تک کہ رات آخر ہو گئی ۔ آپ کو خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ضعف اس قدر بڑھ جائے کہ میں ذکرِ الٰہی سے بھی قاصر ہو جاؤں ۔ پھر آپ نے چند سنگ ریزے اُٹھائے اور منہ میں ڈال لیے ، وہ بھی شکر ہو گئے ۔ اُس وقت

آپ کے دل میں خیال ہوا کہ یہ یقیناً حق تعالیٰ کی جانب سے ہے کہ تیسری مرتبہ بھی مجھے یہ روزی حاصل ہوئی - پھر (میرے) شیخ نے بھی فرمایا تھا جو کچھ غیب سے پہنچے اُس سے افطار کرو ہی طیب ہوگا - جب صبح ہوگئی تو آپ اپنے پیر شیخ الاسلام قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کا واقعہ بیان کیا - اُنھوں نے فرمایا تم نے اچھا کیا کہ اس سے افطار کیا ، جو کچھ غیب سے تمھیں روزی میسر آئی وہ طیب ہے ، جاؤ تم ہمیشہ شکر کی طرح شیریں رہو گے -

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز اس واقعہ کے بعد سے ہی "پیر شکر بار گنج شکر" مشہور ہو گئے -

چلۂ معکوس :

پھر آپ نے مزید مجاہدے کے لیے اپنے شیخ سے عرض کیا اور کہا اگر حکم ہو تو چلۂ کھینچوں - آپ کی یہ بات شیخ کو پسند نہ آئی - فرمایا ، اس کی ضرورت نہیں - یہ چیزیں شہرت کا باعث ہوتی ہیں - آپ نے جواب میں کہا کہ شیخ خوب جانتے ہیں کہ بندے کو شہرت مطلوب نہیں -

شیخ فریدالدین فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ساری عمر اس کا افسوس رہا کہ میں نے اپنے شیخ کو یہ جواب کیوں دیا کہ جو اُن کے مزاج کے مطابق نہ تھا -

الغرض اس کے بعد شیخ الاسلام قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ، اچھا جاؤ اور "چلۂ معکوس" کرو - آپ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ "چلۂ معکوس" کیا ہوتا ہے - میں نے شیخ بدرالدین غزنوی سے کہا کہ شیخ نے مجھے "چلۂ معکوس" کا حکم دیا ہے ، میں شیخ کے رعب کی وجہ سے یہ نہ پوچھ سکا کہ "چلۂ معکوس" کس طرح ہوتا ہے ، یا تو آپ خود میری رہبری فرمائیں یا شیخ سے دریافت کرکے اس کا طریقہ مجھ پر واضح کریں -

چنانچہ حضرت شیخ بدرالدین غزنویؒ نے حضرت شیخ قطب الدین بختیار سے چلۂ معکوس کی کیفیت پوچھی- [۶۹] شیخ نے فرمایا کہ چلۂ معکوس یہ ہے کہ چالیس روز یا چالیس شب پاؤں میں رسّی باندھ کر اور کنوئیں میں اُلٹا لٹک کر خدائے تعالیٰ کی عبادت کرے -

جب آپ نے چلۂ معکوس کی کیفیت سنی تو آپ نے چلۂ معکوس

کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ۔ لیکن آپ کی خواہش یہ تھی کہ یہ چلہ اس طرح پورا کیا جائے کہ کسی کو خبر نہ ہو ۔ چنانچہ آپ ایسے مقام کے متلاشی ہوئے کہ کوئی ایسی مسجد ہو کہ اس میں کنواں ہو اور کنویں کے نزدیک ایک درخت ہو کہ جس کی شاخوں کا سایہ کنویں پر پڑتا ہو اور اُس مسجد میں ایسا مدیّن موذن ہو ، جو درویشوں کی صحبت کے قابل ہو ۔ آپ ایسے مقام کی تلاش کرتے رہے ، لیکن کوئی مقام ایسا نہ ملا ۔ آخر ہانسی تشریف لے گئے اور ایک مدت تک وہاں بھی ایک ایسی جگہ تلاش کرتے رہے ۔ لیکن وہاں بھی کوئی ایسی جگہ نہ ملی ۔ اسی تلاش و جستجو میں ، آپ اُچ پہنچے ۔ وہاں آپ کو ایک ایسی مسجد ملی جو نہایت پرفضا تھی ۔ اس مسجد کو "مسجدِ حاج" کہتے تھے ۔ اس مسجد میں ایک کنواں تھا ، اس کے پاس ایک درخت تھا ، جس کی شاخوں کا سایہ کنویں پر پڑتا تھا ، اُس مسجد کا موذن خواجہ رشیدالدین مینائی تھا ، جو ہانسی کا رہنے والا تھا اور آپ سے نہایت عقیدت رکھتا تھا ۔ شیخ شیوخ العالم چند روز اُس مسجد میں رہے ۔ جب آپ کو موذن کی صدقِ عقیدت اور اسرار کی محافظت کا پورا یقین ہو گیا کہ وہ کسی سے کچھ بیان نہیں کرے گا ، تو آپ نے اپنے آنے کا مقصد موذن سے بیان کیا اور تاکید کی کہ وہ کسی سے آپ کی آمد کی غرض بیان نہ کرے ۔

الغرض آپ نے موذن سے فرمایا کہ وہ عشا کی نماز کے بعد ایک رسّی لائے ، چنانچہ جب موذن رسّی لے آیا تو آپ نے وضو کے بعد اس رسّی کا ایک سرا اپنے پیروں میں باندھا جو اولیا کے سر کا تاج ہیں اور دوسرا اُس درخت کی شاخ سے باندھا جو کنویں کے اُوپر تھی ۔ نظامی نے کیا اچھا کہا ہے :

دارد دو سر این رشتہ یکے عجز و دگر ناز
زیں سو ہمہ عجز آمد و ز آں سو ہمہ ناز

امیر حسن بھی کیا خوب کہتے ہیں :

ہر دل کہ در و مہرِ تو آویختہ شد
آویختہ شد عاقبت از کنگرۂ عشق

اور آپ کنویں میں نماز معکوس میں مشغول ہو گئے ۔ صبح کو جب موذن آیا تو اُس نے دیکھا کہ آپ اُسی طرح نماز معکوس میں مشغول ہیں ۔

موذن نے کہا کہ حضور! اب [۰۔] کیا حکم ہے؟ آپ نے موذن سے پوچھا کیا صبح ہو گئی؟ اُس نے عرض کیا کہ پو پھٹ رہی ہے اور صبح قریب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رسّی کو اُوپر کھینچو۔ چنانچہ آپ کوئیں سے باہر آئے اور مسجد میں قبلہ رخ بیٹھ کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔

غرضیکہ آپ نے اسی طرح متواتر چالیس راتیں چلّہ معکوس میں گزاریں اور اپنے مرشد کے ارشاد کی اس طرح تعمیل کی کہ کسی دوسرے کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

یہ مسجد ابھی تک اُچ میں موجود و برقرار ہے اور یہ متبرک مقام خلق کی حاجت روائی کا ذریعہ بن گیا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رشیدالدین میانی موذن نے آپ سے کہا کہ میں ایک درویش انسان ہوں اور کئی لڑکیوں کا باپ ہوں، مجھ پر بھی کرم فرمائیے اور دعا کیجیے کہ میرے رزق میں بھی وسعت ہو۔ فرمایا، جاؤ اور وعظ کہا کرو۔ موذن نے عرض کیا کہ میں پڑھنے لکھنے سے نابلد ہوں۔ میں کیا وعظ کہہ سکتا ہوں۔ فرمایا، منبر پر قدم رکھنا تمھارا کام ہے اور تم پر کرم فرمانا حق تعالیٰ جل و علیٰ کا کام ہے۔ تم اپنے کام میں لگو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اُسے وہ علم عطا فرمایا کہ وہ ایک مشہور واعظ ہو گیا اور مال بھی کثرت سے اُس کے پاس جمع ہو گیا۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ کہا کرتے تھے کہ مجھے جو کچھ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و آلہٖ سے پہنچا ہے میں نے وہی کیا ہے۔ یہاں تک کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ ایک وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز معکوس بھی پڑھی تھی، تو میں بھی گیا اور اپنے پاؤں کو رسی میں باندھ کر اور کنویں میں سرنگوں ہو کر نماز معکوس ادا کی۔

نکتۂ چہارم

شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے تبحر علمی کے بارے میں

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ضیاء الدین لقب سے موسوم ایک دانش مند تھا جو مینارے کے نیچے درس دیتا تھا۔ وہ بیان کرتا تھا کہ میں

یخ شیوخ عالم فریدالحق والدین نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔
ں فقہ و نحو کے سوا کوئی دوسرا علم نہ جانتا تھا ۔ میرے اُستاد نے
ہی یہی سکھایا تھا ۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ اگر آپ نے فقہ کے
لاوہ دوسرے علوم کے متعلق کچھ پوچھ لیا تو میں کیا جواب دوں گا ۔
بھی یہ خیال میرے دل میں گزر رہا تھا کہ میں شیخ کی خدمت میں
نچا اور بیٹھ گیا ۔ آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور سوال دیا کہ تنقیح مناط
کیا مطلب ہے ؟ میں اپنے دل میں خوش ہوا کہ آپ نے مجھ سے وہی
چھا جو میں جانتا ہوں ۔ میں نے اس کو بیان کرنا شروع کیا اور نفی و
بات ، جو بھی اس معنیٰ میں آیا ہے ، اپنی رائے کے مطابق بیان کیا ۔
اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ
نے اپنے کمال کشفی سے اُس کے مبلغِ علم کو معلوم کر لیا تھا ۔

سلطان المشائخ کی شاگردی :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ میں نے شیوخ العالم سے عرض کیا کہ
ں چاہتا ہوں کہ میں کلام اللہ آپ سے پڑھوں " فرمایا ، پڑھو ۔ پھر میں
معہ کے دن یا کسی دوسرے دن [یعنی] جب آپ کو فرصت ہوتی ،
ہوڑا سا آپ سے پڑھ لیتا ، یہاں تک کہ چھ پارے میں نے آپ سے ختم کیے ۔
ب میں نے آپ سے پڑھنا شروع کیا تو فرمایا پہلے سورۂ الحمد پڑھو ۔
ب میں ولا الضالین پر پہنچا تو فرمایا ضاد کو اس طرح ادا کرو جیسے میں
ا کرتا ہوں ۔ میں نے ہرچند چاہا کہ ضاد کو اس طرح ادا کروں ، جیسا
کہ آپ ادا کرتے ہیں ، لیکن میں اس پر قادر نہ ہو سکا ۔
پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جہاں تک فصاحت و بلاغت کا
علق ہے آپ ضاد کو اس نوعیت سے ادا کرتے کہ دوسرا ادا نہیں کر سکتا ۔
اس کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو
"رسول الضاد" بھی کہتے ہیں ۔ پھر آپ نے ان لفظوں کو دہرایا ۔

رسول الضاد ای اُنزل علیہ الضاد ۔

[رسول الضاد ہیں یعنی جن پر ضاد نازل کی گئی ۔]

ک شبہ کا ازالہ :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ مجھے اور مولانا بدرالدین اسحاق کو

ایک علمی بات میں شبہ ہوگیا۔ ہم اُس شبہے کو دور کرنے کے لیے شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں پہنچے اور مؤدب کھڑے ہوگئے۔ آپ نے پوچھا کہ کیوں کھڑے ہو؟ ہم دونوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ شریعت میں زرّک ہے یا ستّرک۔ آپ نے اس کی صراحت فرمائی اور مثال دیتے ہوئے فرمایا:

استر سرک من زرک۔

[اپنے راز کو اپنے گریبان کی گھنڈی سے بھی چھپاؤ یعنی اس کو کسی سے بھی مت کہو۔]

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ فقیر صابر، شاکر مال دار سے بہتر ہے کیونکہ غنی شاکر سے وعدہ کیا گیا ہے کہ:

لئن سکرتم لازیدنکم۔۱

[اگر تم شکر کروگے تو میں اپنی نعمتیں تم پر زیادہ کروں گا]

اور فقیر صابر کو اُس کے صبر کرنے پر معیت کی ... سے ان اللہ مع الصابرین (بے شک اللہ صبر کرنے والوں ... ہے) نوازا گیا ہے۔ ان دونوں مرتبوں میں کتنا عظیم فرق ہے۔

اس موقع پر قاضی محی الدین کاشانی نے سلطان المشائخ ... گیا کہ: و ہو معکم اینما کنتم (حق تعالیٰ تمھارے ... کہیں بھی ہو) اور ان اللہ مع الصابرین، خاص ہے ... عام و خاص میں کیا فرق ہے۔ فرمایا کہ عام کو معیت ... ہوگی یعنی صرف وہ جانیں اور دیکھیں گے اور خاص کو ... معیت ہوگی، وہ حق تعالیٰ کی خاص عنایتوں کے ساتھ ہوگی یعنی ... سے محبت بھی کرے گا اور اُن سے راضی بھی ہوگا۔

بلبن کے نام بابا فریدگنج شکر کا ایک خط:

شیخ نصیرالدین محمود کا بیان ہے کہ ... فریدالحق والدین سے گزارش کی کہ اس ...

۱۔ قرآن حکیم۔

سلطان غیاث الدین بلبن کو لکھ دیا جائے ، آپ نے اُسے اس طریق پر خط لکھا : [٤٢]

[میں اُس کا حال پہلے اللہ کے سامنے پھر تمھاری طرف پیش کرتا ہوں ۔ پس اگر تم اسے کچھ دوگے تو حقیقی دینے والا اللہ ہے اور تمھارا شکریہ ادا کیا جائے گا اور اگر کچھ نہ دوگے تو حقیقی مانع اللہ تعالیٰ ہے ، اور تم معذور ہوگے ۔]

نکتۂ پنجم

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کے شیخ الاسلام معین الدین سنجری اور شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہما العزیز سے فیض حاصل کرنے کے بارے میں

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ معین الدین سنجری اور شیخ قطب الدین بختیار اوشی اور شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین یہ تینوں بزرگ ایک حجرے میں موجود تھے ۔ حضرت خواجہ معین الدین سنجری نے شیخ قطب الدین سے فرمایا کہ بختیار ! اس نوجوان کو کب تک مجاہدے میں جلاؤگے اس پر عنایت کرو ۔ شیخ قطب الدین نے عرض کیا کہ آپ کے سامنے میری کیا مجال ہے کہ میں اس پر عنایت کروں ۔ شیخ معین الدین نے فرمایا کہ یہ نسبت تو تم سے رکھتا ہے ۔ یہ فرما کر شیخ معین الدین اُٹھے اور فرمایا ۔ آؤ تا کہ میں اور تم دونوں اس پر عنایت کریں ۔ شیخ قطب الدین اور شیخ فریدالحق والدین کھڑے ہوئے اور داہنے شیخ معین الدین اور بائیں شیخ قطب الدین اور درمیان میں شیخ فرید الدین کو کھڑا کیا اور دونوں نے نظرِ عنایت فرمائی ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

قطعہ

مختصر گویم از شیخیں شد در بابِ تو
پادشاہی باقی ربّ پادشاہانِ زماں
مملکت دنیا و دیں گشتہ مسلّم مر ترا
عالم ... گشتہ اقطاعِ تو اے شاہجہاں

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جب شیخ قطب الدین کی وفات کا وقت قریب آیا ، تو آپ نے ایک بزرگ کا نام لیا کہ جو آج آپ کی پائنتی محو استراحت ہیں ۔ ان بزرگ کی تمنا یہ تھی کہ وہ شیخ کی وفات کے بعد اُن کی جگہ پر بیٹھیں اور شیخ بدرالدین غزنوی کی بھی یہی تمنا تھی ، لیکن جس محفل سماع میں آپ کی وفات ہونے والی تھی ۔ آپ نے فرمایا کہ میرے یہ کپڑے ، عصا اور کھڑاؤں ، شیخ فریدالحق والدین کو بھجوا دینا ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ میں نے وہ جامہ دیکھا تھا ، وہ دو تہہ تھا ۔

جس رات میں کہ شیخ قطب الدین نے وفات پائی ، اُس وقت شیخ فریدالحق والدین ہانسی میں تھے ۔ اُسی رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے پیر آپ کو بلا رہے ہیں ۔ جب صبح ہوئی تو آپ ہانسی سے روانہ ہوئے ۔ چوتھے روز آپ دہلی پہنچے ۔ قاضی حمیدالدین ناگوری نے وہ کپڑے ، جو ان کو شیخ قطب الدین نے دیے تھے ، آپ کی خدمت میں پیش کیے ۔ آپ نے دوگانہ ادا کرنے کے بعد وہ کپڑے پہنے اور حضرت شیخ قطب الدین کے گھر میں آ کر بیٹھ گئے ۔

سرہنگا کی عقیدت و محبت :

تین روز گزرے تھے کہ سرہنگا نامی ایک شخص ہانسی سے آیا ۔ اس نے دو تین بار گھر میں جانے کی اجازت چاہی مگر دربان نے جانے نہ دیا ۔ ایک روز شیخ شیوخ گھر سے باہر نکلے ۔ سرہنگا آپ کے انتظار ہی میں تھا ۔ اُس نے جب آپ کو آتے دیکھا تو پائے مبارک پر گر پڑا اور رونا شروع کر دیا ۔ اُس نے کہا کہ آپ جب تک ہانسی میں تھے ، میں آسانی سے آپ کی زیارت کر لیا کرتا تھا ۔ اب آپ کی زیارت دشوار ہوگئی ۔ شیخ نے اسی وقت اپنے عقیدت مندوں سے کہا کہ میں ہانسی جاؤں گا ۔ حاضرین نے کہا کہ حضرت شیخ قطب الدین نے آپ کو یہ مقام دیا ہے ، آپ کیوں دوسری جگہ جا رہے ہیں ؟

فرمایا کہ میرے پیر نے جو نعمت مجھ کو عطا فرمائی ہے ، وہ شہر اور بیابان میں برابر ہے (اس کے لیے جگہ کی کوئی قید نہیں) ۔

حضرت شیخ قطب الدین کی بابا گنج شکر کے لیے دعا :

منقول ہے کہ شیخ شیوخ العالم فریدالدین فرماتے تھے کہ ایک دن

میں شیخ قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں اس نیت سے بیٹھا ہوا تھا کہ ہانسی روانہ ہوں ، حضرت شیخ قطب الدین کی نظر مبارک مجھ پر پڑی ۔ مجھے دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ مولانا فریدالدین ! میں جانتا ہوں کہ تم جانا چاہتے ہو ۔ میں نے عرض کیا کہ جو حکم ہوگا ، میں اس کی تعمیل کروں گا ۔ فرمایا ، جاؤ ۔ مقدر یہ ہے کہ ہمارے عمرِ آخرت کے وقت تم ہمارے پاس نہ ہوگے ۔ اس کے بعد آپ نے حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ، آؤ ، اس فقیر کی نعمت دین و دنیا اور فقر کے اضافے کے لیے سورۂ فاتحہ ، سورۂ اخلاص پڑھیں ۔ چنانچہ سب نے یہ سورتیں پڑھ کر دعا کی ۔ اس وقت آپ نے مصلّٰی خاص اور عصا مجھ کو عنایت کیا اور فرمایا کہ میں تمہاری امانتیں یعنی سجادہ و خرقہ اور نعلین قاضی حمیدالدین ناگوری کو دے دوں گا ۔ وہ پانچویں روز کے بعد تم کو پہنچا دیں گے ۔ اس کو محفوظ رکھو کہ ہمارا مقام تمہارا مقام ہے ۔ جب حضرت شیخ قطب الدین نے یہ بات فرمائی تمام اہلِ مجلس نے نعرہ مارا اور سب نے مل کر دعا کی ۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدینؒ نے ایک درویش صاحب دل کو آتے دیکھا اور پہچانا ۔ فوراً گھر میں تشریف لائے لیکن گھر میں سوائے جوار کے کوئی چیز کھانے کی نہ تھی ۔ آپ نے اس کو خود پیسا اور چھانا اور خود ہی روٹی پکائی اور مسجد جامع میں ، جہاں وہ درویش ٹھہرا ہوا تھا ، لے کر آئے ۔ درویش نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ میں نے نگاہ کشفی سے معلوم کر لیا تھا کہ تمہارے گھر میں سوائے اس جوار کے کوئی چیز کھانے کی نہ تھی ۔ پھر تم نے کس طرح اس جوار کو پیسا اور پکایا مجھے یہ بھی معلوم ہے ۔ اب تم جو چاہتے ہو ، مانگو ۔ آپ نے درویش سے اپنا مقصد بیان کیا اللہ تعالٰی کی عنایت اور اس درویش کے لطف و کرم سے آپ کا مقصد پورا ہوگیا ۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدینؒ کو مصائب کے برداشت کی طاقت اور معیشت کی تنگی بہت تھی ۔

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جب کوئی درویش خلوص سے دوسرے درویش کو کوئی چیز دیتا ہے تو وہ درویش بھی بدلے کے طور پر اپنی وسعت کے مطابق اس درویش کی کچھ نہ کچھ خدمت کرتا ہے ۔

نکتۂ پنجم

شیخ شیوخ العالم فریدالحق قدس سرہ العزیز کے ملفوظات کے بارے میں ، جنھیں سلطان المشائخ نے اپنے قلم سے تحریر کیا

فرمایا کہ چار چیزیں ہیں ، جن کے متعلق سات سو پیروں سے سوال کیا گیا سب نے ایک جواب دیا :

من اعقل الناس تارك الدنیا و من اکیس الناس الذی لا یغیر بشیء ، و من اغنی الناس القانع ، و من افقر الناس تارك القناعة ۔

[لوگوں میں سب سے زیادہ عقل مند وہ ہے جو دنیا کو چھوڑ دینے والا ہے اور لوگوں میں بزرگ ترین آدمی وہ ہے کہ جو کسی بات سے متغیر نہ ہو اور لوگوں میں سب سے زیادہ غنی وہ ہے جو قانع ہو اور لوگوں میں سب سے زیادہ فقیر وہ ہے جو قناعت کو چھوڑ دیتا ہے ۔]

فرمایا :

اللہ یستحیٰ من العبد ان یرفع الیہ یدیہ و یردھما خائبین ۔

[اللہ اُس بندے سے سرماتا ہے کہ جو اپنے دونوں ہاتھ خدا کی بارگاہ میں اٹھائے اور خدا اس کو ناکام رد کر دے ۔]

فرمایا ، اگر ہو تو غم نہیں اور اگر نہ ہو تب بھی کوئی غم نہیں ۔

فرمایا نامرادی کا دن مرد کے لیے شب معراج ہے ۔

فرمایا کہ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ میں نے دس سال صوفیہ کی شاگردی کی ، تب مجھے معلوم ہوا کہ وقت کی اہمیت کیا ہے ۔

فرمایا کہ اپنے عمل کو لوگوں کی گرم و سرد باتوں پر نہ چھوڑنا چاہیے ۔

فرمایا :

بقدر رنج یابی سروری را
شب بیدار بودن مہتری را

فرمایا :

الصوفی یصفوا بہ کل شیء ولا یکدرہ شیء ۔

[صوفی وہ ہے ، جس کی برکت سے تمام چیزیں صفائی حاصل کریں اور اُس صوفی کو کوئی چیز تاریک نہ بنائے ۔]

[۵۰] شیخ الاسلام جلال الدین نوراللہ مرقدہ نے فرمایا :

الکلام مسکر القلوب ، ان اوّل الکلام و آخرہ ان کان للہ فتکلم و الا فاسکت ۔

[بسیارگوئی غافل در دینے والی ہے ۔ اگر تیرا اوّل کلام اور آخر کلام اللہ کے لیے ہے تو بات کر ، ورنہ خاموش رہ ۔]

فرمایا کہ جب کوئی درویش نیا کپڑا پہنے تو اُسے یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ کفن پہن رہا ہے ۔

فرمایا :

الأنبیاء احیاء فی القبور ۔ [انبیاء قبروں میں زندہ ہیں ۔]

فرمایا :

لو کان ھذا العلم یدرک بالمنیٰ
ما کان یبقی فی البریہ جاھل
فاجھد ولا تکسل و لا تک غافلا
فندامة العقبیٰ لمن یتکاسل

[اگر یہ علم صرف خواہشوں سے پا لیا جاتا ، تو دنیا میں کوئی جاہل باقی نہ رہتا ۔ پس کوشش کر ، کاہلی نہ کر اور غافل نہ ہو ، کیونکہ قیامت کے دن پشیمانی اس کو ہوگی جو حق کے پانے میں غافل ہوگا ۔]

فرمایا :

حکایتاً عن اللہ : کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لا عرف ۔

[اللہ نے فرمایا کہ میں مخفی خزانہ تھا ، پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا تاکہ پہچانا جاؤں ۔]

فرمایا کہ تم اپنے آپ کو ایسا ہی ظاہر کرو ، جیسا کہ حقیقت میں ہو ، ورنہ پھر لوگ تم کو ایسا ہی دکھائیں گے جیسا کہ تم ہو گے ۔

فرمایا کہ :

جذبة من جذبات الحق خیر من عبادة الثقلین ۔

[جذبات میں سے حق کا جذبہ دونوں جہاں کی عبادت سے بہتر ہے ۔]

فرمایا کہ :

قال علیہ السلام طوبیٰ لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس ۔

[فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خوش خبری ہے اس شخص کے لیے کہ جس کا عیب اس کو دوسروں کے عیب دیکھنے سے باز رکھے ۔]

فرمایا :

رضینا قسمۃ الجبّار فینا
لنا علم و للجھال مال

[ہم راضی ہیں پروردگار کی اس تقسیم پر کہ ہمارے لیے علم ہے اور جاہلوں کے لیے مال ہے ۔]

فرمایا : صوفی وہ ہے کہ جس کی برکت سے تمام چیزیں صفائی حاصل کرتی ہیں اور اس صوفی کو کوئی چیز تاریک نہیں بناتی ۔

فرمایا :

لو اردتم بلوغ درجہ الکبار فعلیکم بعدم الالتفات الیٰ ابناء الملوک ۔

[اگر تم بڑوں کے درجے پر پہنچنا چاہتے ہو تو اپنے اوپر بادشاہوں کے فرزندوں سے عدمِ التفات لازم کر لو ۔]

رباعی

دو شینہٴ شبنم دلِ حزیم بگرفت
و اندیشہٴ یار نازنینم بگرفت
گفتم بسر و دیدہ روم بر درِ تو
اشکم بدوید و آستینم بگرفت

فرمایا :

المباحثہ بین الاثنین ۔ خیر من تکرار السنتین ۔

[دو آدمیوں کا آپس میں ایک دوسرے سے بحث کرنا دو سال تک تنہا تکرار کرنے سے بہتر ہے ۔]

اے مدعی بدعویٰ چندیں مکن دلیری
یک حرف راز معنی سہ صد جواب باشد

فرمایا :

الآفۃ فی [۷۶] التدبیر والسلام فی التسلیم ۔

[آفت تدبیر میں ہے اور سلامتی تسلیم میں ہے ۔]

فرمایا :

العلماء اشرف الناس والفقراء اشرف الاشراف ۔

[علماء لوگوں میں سب سے زیادہ شریف تر ہیں اور فقرا سربھوں میں سب سے زیادہ شریف ہیں ۔]

فرمایا :

الفقیر بین العلماء کالبدر فی الکواکب ۔

[درویش عالموں کے درمیان ایسا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند ستاروں میں ۔]

فرمایا :

ان اردل الناس من اشتغل بالاکل و اللباس ۔

[لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل شخص وہ ہے کہ جو کھانے اور پہننے میں مشغول رہے ۔

ایک بزرگ کے بابا فرید گنج شکرؒ کے جمع کیے ہوئے ملفوظات میں سے چند ملفوظ :

ایک بزرگ نے شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے پانچ سو ملفوظات جمع کیے تھے ، اُن میں سے چند یہ ہیں :

حق تعالیٰ سے اپنے بندگی کے رشتے کو مضبوط کرو کہ سب اُس سے لیتے ہیں اور وہ سب کو دیتا ہے ۔ جب وہ کسی کو دیتا ہے تو کوئی اس سے چھیننے والا نہیں ۔ خود سے بھاگنا ، حق تک پہنچنا سمجھو ،

جسم کی خواہشات کو پورا نہ کرو ، اگر تم اس کی خواہشات کو پورا کروگے تو وہ تم سے زیادہ مانگے گا ۔ نادان کو زندہ مت جان ۔ دانا بن۔ نادان سے پرہیز کر ۔ وہ سچائی جس میں جھوٹ کی آمیزش ہو زبان سے مت نکال ۔ ایسی چیز مت بیچ جس کو لوگ نہیں خریدتے ۔ جاہ و مال کے لیے اپنے آپ کو خطرے میں مت ڈال ۔ ہر آدمی کی روٹی نہ کھا لیکن روٹی ہر ایک کو دے ۔ موت کو کبھی بھی نہ بھول ۔ قیاساً بات مت کہہ ۔ مصائب کو خواہشوں کا نتیجہ جان ۔ گناہ پر شیخی مت کر ۔ دل کو خواہشات کے دیو کی آماجگاہ نہ بنا ۔ اپنے باطن کو ظاہر سے اچھا رکھ ۔ اپنے راز کو آشکارا کرنے سے بہتر اس کا پنہاں رکھنا ہے ۔ بننے سنورنے میں مت لگا رہ ۔ اپنے نفس کو مرتبہ حاصل کرنے کے لیے ذلیل مت کر ۔ عاجز اور نودولتیے سے قرض مت لے ۔ قدیم خاندانوں کی عزت و حرمت کا خیال رکھ ۔ ہر روز نئی دولت (اُخروی) کے حاصل کرنے میں لگا رہ ، جہاں تک ہو سکے عورتوں کو گالی دینے کی عادت سے باز رکھ ۔ مزاج اور شراب کے انجام کو دیکھ ۔ احسان کو پہچان اور احسان کسی پر نہ رکھ ۔ جس نے نیکی کی ہو ، اُسے اپنا سمجھ ۔ جس کام کی برائی کے متعلق دل گواہی دے جلد وہاں سے اُٹھ جا ۔ دل جس کی برائی کی گواہی دے اس کا خیال جلدی چھوڑ دے ۔ ایسا غلام نہ رکھ ، جس کی خواہش یہ ہو کہ تو اُسے جلد بیچ دے ۔ نیکی کرنے کے لیے بہانہ ڈھونڈھ ۔ پورے طور پر نہ لڑ ، صلح کی گنجائش رکھ ۔ بے عملی اور جمود کو ضعیفی سمجھ ۔ کسی دشمن کو خواہ وہ تجھ سے راضی ہی کیوں نہ ہو اُس سے بے کھٹکے نہ رہ ۔ جو تجھ سے ڈرتا ہے ، اُس سے ڈر ۔ طاقت پر بھروسا نہ کر ۔ شہوت کے وقت اور وقتوں کی بنسبت اپنی زیادہ حفاظت کر ۔ جب تو دولت مندوں کے پاس بیٹھے تو دین کو فراموش نہ کر [illegible] ۔ عزت و حشمت انصاف میں جان ۔ دولت مندی کے وقت ہمت کو بلند رکھ ۔ دین کا کوئی بدل نہیں ۔ وقت کا نعم البدل کوئی چیز نہیں ۔ سخاوت سچ بولنے والے پر کر ۔ گردن کشوں پر تکبر واجب جان ۔ مہمانوں سے تکلف نہ کر ۔ علم اور تجرید کا توشہ ساتھ لے ۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکلیف آئے تو اس سے مت بھاگ ۔ جو درویش دولت مندی کی خواہش رکھتا ہے ، اُسے حریص سمجھ ۔ بادشاہ کو وزیر ایسا رکھنا چاہیے جو حق تعالیٰ سے ڈرے ۔ دشمن کو تدبیر سے برباد کر ۔ دوست کو تواضع سے رام کر ۔ دنیا پرستی

بلائے ناگہانی ہے ۔ اپنے عیب کو دیکھ ۔ تونگری کو خرسندی کے جال سے پکڑ تاکہ قائم رہے ۔ ہنر اگر بے عزتی سے بھی ملے تو اُسے حاصل کر ۔ دشمن کی دھمکیوں سے بے حوصلہ نہ ہو ۔ دشمن کے آگے ڈھال نہ ڈال ۔ اگر ذلیل ہونا نہیں چاہتا تو مت کیڑ گیڑا ۔ اگر سارے عالم کو دشمن بنانا چاہتا ہے تو تکبر کر ۔ اپنے نیک و بد کو پنہاں رکھ ۔ دین کی علم کے ساتھ حفاظت کر ۔ اگر بلندی چاہتا ہے تو شکستہ دلوں کے ساتھ بیٹھ ۔ اگر آسودگی چاہتا ہے تو حسد مت کر ۔ آزار کو ہدیہ کے ساتھ لے ۔ اس کوشش میں لگا رہ کہ مرنے کے بعد زندہ ہو جائے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک شخص شیخ العالم فریدالدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے چند دانے چڑیوں کو ڈالے تھے ۔ دوسرے دن مجھے ایک من گیہوں اور ایک ٹنکہ رائج الوقت ملا ۔ آپ نے فرمایا :

خورش دہ بکنجشک و کبک و حمام
کہ ناگہ ہمائے در اُفتد بدام

ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی جانب سے حضرت شیخ فریدالدین کو ایک ایسی بات پہنچائی گئی ، جو آپ کی مجلس کے شایانِ شان نہ تھی ۔ اس کی معذرت کرتے ہوئے شیخ بہاء الدین نے آپ کو ایک رقعہ لکھا ، جس میں تحریر فرمایا کہ "میانِ ما و شما عشق بازی است" (ہمارے اور تمہارے درمیان عشق بازی ہے) ۔ شیخ فریدالدین نے اس کے جواب میں لکھا کہ :

عشق ہست ، بازی نیست (عشق ہے ، بازی نہیں ہے) ۔ واللہ اعلم ۔

نکتہ ششم

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین اور اُن کی والدہ بزرگوار قدس سرہما العزیز کی بعض کرامات کے بارے میں

سلطان المشائخ قدس اللہ [۷۸] سرہ العزیز فرماتے تھے کہ ایک دن میں نے شیخ شیوخ العالم بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں عرض کیا کہ میری ایک درخواست ہے ، اگر آپ اسے قبول فرمالیں ۔ فرمایا کہو ۔ میں

نے عرض کیا کہ آپ کی داڑھی کا ایک بال گر گیا ہے ۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے تعویذ کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھوں ؟ فرمایا ، اچھا تم رکھ سکتے ہو ۔ میں نے اُسے انتہائی تعظیم کے ساتھ اُٹھا لیا اور اُسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر اپنے ساتھ شہر لے آیا ۔

سلطان المشائخ یہ واقعہ بیان کرکے آب دیدہ ہو گئے ۔ پھر فرمایا ، میں نے اس ایک بال کے بہت سے کرشمے دیکھے ہیں ۔ چنانچہ جب کوئی بیمار اور مریض مجھ سے آ کر تعویذ مانگتا تو میں وہی بال بطور تعویذ کے اُسے دے دیتا ۔ اور حق تعالیٰ اُسی سے اُس کو شفا عطا فرماتا ۔ ایک دفعہ میرے دوست تاج الدین مینائی کا چھوٹا بیٹا بیمار ہوا ۔ جب اُس نے آ کر مجھ سے تعویذ مانگا تو میں نے اُس جگہ جہاں میں نے تعویذ رکھا تھا بہت ڈھونڈھا ، مگر وہ تعویذ مجھے نہ ملا ۔ چنانچہ جب وہ لڑکا فوت ہو گیا تو پھر وہ تعویذ مجھے اُسی جگہ سے ملا جہاں میں نے اُسے رکھا تھا ۔ چونکہ اُس لڑکے کی موت آ چکی تھی ، اسی لیے مجھے وہ تعویذ نہ ملا ۔

مسجدِ ایتم :

سلطان المشائخ فرماتے تھے ، دہلی میں ایک بزرگ ایتم نامی نے ایک مسجد بنوائی اور اس کی امامت شیخ نجیب الدین متوکل[۱] کے سپرد کی ۔ اس بزرگ نے اپنی بیٹی کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی اور اس شادی پر ایک لاکھ جیتل صرف کیے ۔ ایک دفعہ دورانِ گفتگو شیخ نجیب الدین متوکل نے اُن سے کہا کہ مومنِ کامل وہ ہوتا ہے کہ جس کے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت بچوں کی محبت پر غالب ہو ۔ اگر آپ حقِ تعالیٰ کی راہ میں اُس سے دوگنا خرچ کریں ، جتنا آپ نے اپنی بچّی کی شادی پر صرف

۱- شیخ نجیب الدین متوکل ، بابا فرید گنج شکر کے بھائی اور خلیفہ تھے ۔ انتہا درجے کے متوکل تھے ۔ حضرت بابا گنج شکر نے اُن کے متعلق فرمایا تھا کہ تم ابدال ہو ۔
شیخ نجیب الدین متوکل نے ۹ رمضان ۶۶۹ھ (۱۲۷۱ء) میں وفات پائی ۔ شیخ نجیب الدین کا مزار یعنی منڈل کے مقابل ہے کہ جو سلطان محمد عادل کی بنوائی ہوئی عمارت ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ نظام الدین محبوب الٰہی کا گھر اور شیخ نجیب متوکل کا گھر یہیں تھا ۔ (''اخبار الاخیار'' ، ص ۶۰ - ۶۱)

گیا ہے، تو آپ مومن کامل ہو سکتے ہیں۔ وہ صاحب آپ کی یہ بات سن کر ناراض ہوئے اور آپ کو اپنی مسجد کی امامت سے علیحدہ کر دیا۔ جب شیخ نجیب الدین متوکل اجودھن میں بابا فرید الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ بابا فرید الدین نے فرمایا:

ما ننسخ من آیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها۔ (قرآن حکیم)

یہ اپنی جس بات کو منسوخ کر دیتے ہیں، [illegible] اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں، یا کم [illegible] ویسی ہی۔

پھر ارشاد ہوا کہ اگر [illegible] گیا ہے تو [illegible] ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی زمانے میں [illegible] اس ملک میں آیا، جس نے خانوادۂ فریدیہ کی بہت سی خدمات [illegible] وہ اس خاندان [illegible] کی خدمت سے وابستہ ہو۔

سلطان ناصرالدین محمود کی عقیدت و محبت:

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جس زمانے میں سلطان ناصرالدین کا لشکر اچ اور ملتان کی طرف روانہ ہوا تو اجودھن پہنچ کر سارا لشکر شیخ شیوخ العالم فرید الدین قدس سرہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ جس مقام پر آپ تھے، وہ خلقت کی آمد و رفت سے خراب ہو گیا۔ اس وقت آپ کی آستین [illegible] کی طرف بڑھائی گئی۔ لوگ آتے تھے اور اس کو بوسہ دے کر واپس چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ آستین بھی پارہ پارہ ہو گئی۔ پھر آپ مسجد میں تشریف لائے اور مریدوں سے کہا کہ میرے گرداگرد حلقہ باندھو، تاکہ لوگ اس حلقے کے اندر نہ آ سکیں اور دور سے سلام کر کے واپس چلے جائیں۔ مریدوں نے ارشاد کی تعمیل کی۔ یہاں تک کہ ایک بوڑھا فراش آیا اور مریدوں کے حلقے سے گزر کر شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور پائے مبارک کو بوسہ دینے کے لیے کھینچا اور اس پر بوسہ دیا۔ اس فراش نے کہا کہ شیخ فرید آپ کیوں تنگ آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر اس سے بھی زیادہ ادا کیجیے۔ جب فراش نے یہ بات کہی تو شیخ نے نعرہ مارا اور فراش پر نوازش فرمائی اور بہت معذرت کی۔

میں نے اپنے والد بزرگوار سید محمد مبارک کرمانیؒ سے سنا ہے کہ

آپ فرماتے تھے کہ جب سلطان ناصرالدین محمود لشکر لے کر نہر والا کے قریب پہنچا تو اس نے اجودھن حاضر ہو کر شیخ شیوخ العالم کی قدم بوسی کرنی چاہی ، لیکن سلطان غیاث الدین نے جو اس زمانے میں الغ خاں کہلاتا تھا اور نائب السلطنت کے عہدے پر فائز تھا ، بادشاہ سے عرض کیا کہ ہمارا لشکر کثیر ہے اور اجودھن کے راستے میں پانی نہیں ملتا اگر حکم ہو تو میں تحائف اور فتوح لے کر خود شیخ کی خدمت میں چلا جاؤں اور آپ کی حاضری سے معذرت کا طالب ہوں ۔ دراصل سلطان غیاث الدین کے دل میں اُس زمانے میں ملک حاصل کرنے کی ہوس تھی ۔ اُس نے اپنے دل میں خیال کیا ، گر یہ کام میرا مقدر ہے اور تخت شاہی مجھے ملنے والا ہے ، تو اس بارے میں شیخ شیوخ العالم کچھ فرمائیں گے ۔ وہ اس خیال کو اپنے دل میں پختہ کر کے کچھ رقم اور چار گاؤں کی جاگیر کا فرمانِ شاہی لے کر بادشاہ کے حکم سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور وہ رقم اور چار گاؤں کا فرمان شیخ کے سامنے رکھا ۔ شیخ نے فرمایا ، یہ کیا ہے ؟ الغ خاں نے کہا کہ یہ رقم ہے اور یہ چار گاؤں کا فرمان ہے ، جو خاص آپ کے لیے ہے ۔ شیخ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ نقد ہمیں دے کہ جسے ہم درویشوں پر [۸۰] خرچ کریں گے اور چار گاؤں کے فرمان کو لے جا کہ اس کے طالب بہت ہیں ۔ بعد میں کشف سے شیخ پر وہ حقیقت منکشف ہوئی جو الغ خاں کے دل میں کھٹک رہی تھی ۔ فوراً ہی شیخ کی زبان پر یہ شعر آیا :

فریدونِ فرخ فرشتہ نبود
ز عود و ز عنبر سر رشتہ نبود
ز داد و دہش یافت آں نکوئی
تو داد و دہش کن فریدوں توئی

جیسے ہی یہ بات الغ خاں کے کان میں پہنچی تو اُس نے بطورِ یادداشت اپنی پگڑی میں گرہ باندھ لی اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کر کے خوش بخوش واپس لوٹا ۔

اس بات کو کچھ دن بھی نہ گزرے تھے کہ الغ خاں بادشاہ ہوا اور ہندوستان کی سلطنت کے تمام امور اس کے ہاتھ میں آئے ۔ کسی بزرگ

نے کیا اچھا کہا ہے:

سرے کہ سودہ شود بر زمین خدمتِ تو
زیک قبولِ تو تا حشر تاجدار شود

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز فجر کی نماز ادا کر کے ذکرِ حق میں مشغول تھے اور سر زمین پر رکھے ہوئے مستغرق تھے۔ اسی حالت میں بہت دیر گزر گئی۔ سردی کا موسم تھا۔ سرد ہوائیں چل رہی تھیں، اس لیے آپ کی پوستین لائی گئی اور آپ کے جسمِ مبارک پر ڈالی گئی۔ کوئی خادم اُس جگہ نہ تھا، صرف میں تھا۔ اسی عرصے میں ایک شخص آیا اور بلند آواز سے سلام کیا۔ شیخ اُس وقت بھی سر زمین پر رکھے ہوئے تھے اور پوستین پہنے ہوئے تھے۔ اُس وقت شیخ نے پوچھا، یہاں کوئی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اس وقت جو شخص آیا ہے، وہ بڑ پیٹو، کوتاہ گردن اور تنگ دہن اور زردگوں ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایسا ہی تھا۔ میں نے عرض کیا، جی وہ ایسا ہی ہے۔ فرمایا زنجیر لپیٹے ہوئے ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ زنجیر لپیٹے ہوئے تھا۔ پھر فرمایا کہ کان میں کوئی چیز ڈالے ہوئے ہے۔ میں نے دیکھا کہ واقعی اس کے کان میں کوئی چیز پڑی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے کان میں ایک بالا ہے۔ فرمایا، جاؤ اس سے کہو کہ یہاں سے چلا جائے، قبل اس کے کہ رسوائی ہو۔ اب جب میں نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا تو وہ خود جا چکا تھا۔

منقول ہے کہ حضرت شیخ فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی شہادت کی اُنگلی میں سانپ نے کاٹ لیا۔ آپ نے کوئی علاج نہیں کیا اور یادِ الٰہی میں مشغول ہوگئے۔ ذکر و شغل میں معروف ہونے کے دوران جسمِ مبارک [۸۱] سے پسینہ نکلا اور زہر کا اثر زائل ہوگیا۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ہم اجودھن جا رہے تھے کہ سرسی کے جنگل میں میرے سانپ نے کاٹ لیا۔ وہ آدمی جو ہمارے ساتھ جا رہا تھا اس نے اُس جگہ کو، جہاں سانپ نے کاٹا تھا، باندھ دیا۔ زہر کا اثر جاتا رہا اور میں اچھا ہوگیا۔ جب ہم اجودھن پہنچے تو بے وقت ہو چکا تھا اور شہر کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے۔ ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ ہم حصار کی دیوار کود کر داخل ہو جائیں۔ ہم نے دیکھا کہ حصار میں

ہر طرف سوراخ پیدا ہوگئے ۔ الغرض تمام ساتھی اوپر چڑھ گئے اور میں رہ رہا تھا ۔ ساتھیوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اوپر چڑھا لیا ۔ جب صبح ہوئی تو ہم شیخ کی خدمت میں گئے ۔ آپ نے سب کی خیریت دریافت کی اور مجھ سے کچھ نہیں پوچھا ۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا سانپ کا کاٹنا ایک بات ہے لیکن دیوار کا کودنا کہاں آیا ہے ۔

لیکن شیخ نصیرالدین محمود کی روایت ہے کہ سرسی کے جنگل میں سانپ کے ڈسنے کا واقعہ نور باطنی سے آپ کو معلوم ہوگیا تھا ۔ شیخ نے فوراً بہلی بھجوائی تاکہ سلطان المشائخ کو اس پر سوار کر کے لائیں ، چنانچہ بہلی پر آپ کو لایا گیا ۔

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کو ایک بیماری لاحق ہوئی ۔ ایک روز آپ نے چند قدم چلنا چاہا ۔ عصا ہاتھ میں لے کر اس کے سہارے روانہ ہوئے ۔ کچھ دور چل کر عصا ہاتھ سے پھینک دیا ۔ آپ کی پیشانی پر پشیمانی کے آثار ہویدا تھے ۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا ، مجھ پر عتاب ہوا کہ کیوں ہمارے غیر پر بھروسہ کیا ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ یوسف ہانسوی شیخ شیوخ العالم کے اعلٰی یاروں میں سے تھے ۔ ایک دفعہ وہ اُچ سے آئے ۔ آپ نے اُن سے پوچھا ، وہاں کن کن لوگوں سے ملاقات ہوئی اور ان کو کن اشغال میں مشغول پایا ؟ انھوں نے عرض کیا کہ فلاں فلاں اس شغل میں مصروف تھے اور فلاں آدمی اس قسم کی عبادت کرتا تھا ۔ آپ کے دل میں خواہش ہوئی کہ اُن سے ملاقات کریں ۔ آپ وضو کے بہانے سے اُٹھے اور دیر تک تشریف نہ لائے ۔ یاروں نے پریشان ہوکر مسجد کے اندر باہر سب جگہ تلاش کیا ، مگر آپ کہیں نہ ملے ۔ بڑی دیر کے بعد آپ تشریف لائے ۔ یوسف نے پوچھا ، آپ کہاں تشریف لے گئے تھے؟ فرمایا ، تم نے اُچ کے باشندوں کی جو تعریف کی تھی ، اس سے مجھے ان کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا ۔ میں نے انھیں دیکھا ہے ۔ سب نے دکانیں کھول رکھی ہیں ۔ ان پر وہ مثل صادق آتی ہے ، اُونچی دکان پھیکا پکوان ۔

منقول ہے کہ سلطان المشائخ کی مجلس میں کسی مرید نے کہا کہ بہاء الدین خالد کہتا تھا کہ میں اجودھن میں شیخ شیوخ العالم کی خدمت [۸۲] میں حاضر ہوا اور جامع مسجد میں محراب کے آگے بیٹھ گیا ، لیکن لوگوں نے مجھے آپ تک نہ جانے دیا ۔ محراب میں ایک شگاف تھا ، اس میں

کاغذ کا ایک ٹکڑا دیکھا جس پر لکھا ہوا تھا کہ خالد کو فرید کی طرف سے سلام پہنچے یہ فقیر حیران رہ گیا ۔ پھر میں شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں گیا اور یہ واقعہ بیان کیا ۔

ایک مرید نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ یہ کاغذ کوئی لکھتا ہے یا بارگاہِ الٰہی سے آتا ہے؟ سلطان المشائخ نے فرمایا ، ملہم ذاتی ایک فرشتہ ہے ، جب وہ نقش دل میں لکھتا ہے تو الہام ہوتا ہے ۔ پھر اُس شخص نے پوچھا کہ شاید یہ کاغذ بھی وہی فرشتہ تحریر کرتا ہے؟ سلطان المشائخ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ملہم کے تین کام ہیں : ایک تو یہ کہ دل میں کسی بات کا خیال لاتا ہے ، دوسرے ہاتف غیب سے آواز دیتا ہے ، تیسرے کاغذ پر لکھ کر ظاہر کرتا ہے ۔ اولیاء صرف نقش کو دیکھتے ہیں ، نقاش کو نہیں دیکھتے ، لیکن انبیاء نقش بھی دیکھتے ہیں اور نقاش کو بھی ۔ جس وقت نقش ظاہر ہو تو اگر دل میں نور پیدا ہو تو وہ رحمانی ہے جسے فرشتے نے لکھا ہے ، اگر تاریکی پیدا ہو تو شیطانی ہے ، کیونکہ شیطان بھی دل میں القا کرتا ہے ۔ پھر فرمایا کہ یہاں پر فرشتے کا کیا کام اور شیطان کی کیا مجال کیونکہ جو کچھ ہوتا ہے اُسی کی طرف سے ہوتا ہے ۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا لقب :

میں نے اپنے چچا بزرگوار سید السادات سید حسین سے سنا ہے کہ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے شیخ الاسلام بہاءالدین زکریا کو خط لکھنا چاہا ۔ کاغذ لے کر سوچنے لگے کہ خط میں ان کو القاب کیا لکھوں ؟ پھر آپ کے دل میں آیا کہ جو خطاب ان کا لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے ، وہی لکھوں ۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ نے آسمان کی طرف سر اُٹھایا تو لوحِ محفوظ میں ان کا لقب شیخ الاسلام لکھا ہوا دیکھا ۔ بعد میں آپ نے بھی خط میں یہی القاب لکھا ، کسی اللہ کے ولی نے کہا ہے :

قلوب العارفین لہا عیون [۸۳]

تریٰ مالایراہ الناظرینا

[عارفوں کے دلوں کو وہ آنکھیں نصیب ہیں ، جن سے وہ ایسی چیزیں دیکھتے ہیں ، جن کو عام دیکھنے والے نہیں دیکھتے ۔]

ما جنحة تطير بغير ريش
الی ملکوت رب العالمینا

[وہ عالم ملکوت رب العالمین کی طرف بغیر پروں کے بازوؤں کے اڑتے ہیں -]

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ محمد نامی آپ کا ایک دوست تھا ، جو حضرت شیخ فریدالدین قدس سرہ العزیز کے بعض رازوں سے واقف تھا - ایک روز جمعہ کے دن وہ مسجد میں آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو گئے - شیخ نے پوچھا ، تمہارا کیا حال ہے ؟ پھر شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ اس وقت مجھے نماز میں معراج ہوئی ، تجھے بھی درویشوں کی نعمت سے کچھ حصہ ملا ؟

کاتب الحروف عرض کرتا ہے کہ وہ حالت و تحیر ، جو نماز جمعہ کی تکبیر تحریمہ کے بعد آپ میں پیدا ہوا ، اپنی وفات تک آپ اسی حال پر رہے ، جیسا کہ ذکر سلطان المشائخ میں نکتہ مرض موت میں تحریر کیا گیا ہے کہ آپ اسی معراج میں رہے کہ جو شیخ شیوخ العالم کی نماز جمعہ میں پیدا ہوئی تھی ، جیسا کہ اس حکایت کے شروع میں لکھا گیا ہے -

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جب میں سر منڈا کر شیخ شیوخ العالم فریدالدین والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت سے دہلی آیا تو وہ کمبل کا خرقہ ، جو شیخ شیوخ العالم سے مجھے ملا تھا ، پہن کر جامع مسجد جا رہا تھا کہ شرف الدین قیاری نے مجھے بلایا - میں نے اپنے مرید ہونے کی کیفیت اور خلعت پانے کا حال اس سے بیان کیا - میرا سارا حال سن کر اس نے نہایت نامناسب الفاظ میں دو مرتبہ شیخ شیوخ العالم کا ذکر کیا اور مجھے بھی برا بھلا کہا ، لیکن باوجود اس کے کہ میں جواب دینے کی طاقت رکھتا تھا ، میں نے برداشت کیا -

شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

بخدا و بسر و پائے تو کز دوستیت
خبر از دشمن و اندیشہ دشنامم نیست

جب میں پھر شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں گیا تو میں نے سارا واقعہ بیان کیا - یہ واقعہ سن کر شیخ شیوخ العالم ہائے ہائے کر کے رونے

لگے اور میرے برداشت کرنے پر میری تعریف فرمائی ۔ اسی غلبہ حال میں آپ کی زبان مبارک سے نکلا کہ میرا خیال تھا کہ شیخ شرف الدین اس دنیا سے رخصت ہوگیا ۔ جب میں دہلی پہنچا تو شرف الدین قیامی کا انتقال ہو چکا تھا ۔

شیخ نصیرالدین محمود کی روایت ہے کہ ایک شخص شیخ شیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ شیخ نے فرمایا کہ اس کے لیے کھانا لاؤ ۔ اس شخص نے کہا کہ زمانہ ہوا [۸۳] میں کھانا چھوڑ چکا ہوں ۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے کھانا کیوں چھوڑ دیا ہے ؟ اس نے کہا کہ میں ایک گاؤں میں رہتا تھا ۔ وہاں کے سرکشوں نے ان مسلمانوں کو ، جو اس گاؤں میں رہتے تھے ، تاخت و تاراج کیا ۔ اتفاق یہ ہے کہ میرے بیٹوں اور میرے دوسرے رشتے داروں کو بھی قید کر لیا ۔ ایک عورت تھی ، جس پر میں دل و جان سے فریفتہ تھا ، وہ بھی ان کے ہاتھ قید ہوگئی ۔ جس کے فراق میں مجھے ایک لمحے کے لیے قرار نہیں تھا ، یہاں تک کہ اس کے ہجر میں مرنے پر آمادہ ہوگیا ۔ شیخ شیوخ العالم نے اس سے فرمایا ، میاں پہلے کھانا تو کھاؤ ۔ اسی دوران ایک آدمی آیا جو منشیوں میں سے تھا اور زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا ۔ آپ نے اس سے فرمایا ، تم چھوٹ جاؤ گے بشرطیکہ تم اپنی کنیز اس شخص کو دے دو ۔ اس نے آپ کی بات قبول کر لی ، لیکن اس شخص نے کہا کہ میں کنیز کا کیا کروں گا ۔ اس منشی نے کہا کہ میرا چھٹکارا تمھیں کنیز دے دینے پر منحصر ہے ۔ مجبوراً اس شخص کو گھوڑے پر سوار کرکے لے چلے ۔ جب یہ منشی اس ملک کے پاس پہنچا ، جس نے اسے قید کیا تھا ، ملک نے اس سے ملاقات کرتے ہی چھوڑ دیا اور وہ کنیز ، جو اس نے لوٹ میں حاصل کی تھی ، اس کے متعلق ملک نے حکم دیا کہ وہ اس شخص کو دے دی جائے ۔ منشی نے وہ کنیز اس کو دے دی ۔ جب وہ کنیز اس شخص کو ملی اور اس نے اسے دیکھا تو یہ وہی عورت تھی ، جس پر وہ فریفتہ تھا ۔ اس کنیز کے ملتے ہی وہ مطمئن ہوگیا ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جامع مسجد اجودھن میں اس خطیب نے ، جو قاضی کی طرف سے مقرر تھا ، نماز جمعہ میں کچھ غلط پڑھا ۔ شیخ شیوخ العالم نے امام سے فرمایا کہ نماز فاسد ہوگئی ۔ دوبارہ نماز پڑھی جائے ۔ آپ کے ارشاد پر تمام لوگوں نے نماز دوبارہ پڑھی ۔ قاضی عبداللہ

نے ، جیسے قاضی محمد ابوالفضل بھی کہتے تھے اور جو اجودھن کا قاضی تھا ، آپ کو بُرا بھلا کہا ۔ قاضی محمد ابوالفضل ایک جھگڑالو اور ضدی انسان تھا ، اس نے کہا کہ بیکار قسم کے لوگ خدا جانے کہاں کہاں سے یہاں اکھٹے ہو گئے ہیں ۔ جب شیخ شیوخ العالم گھر واپس لوٹے تو اپنے مریدوں سے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی پر ظلم کرتا ہے اور وہ اس کو برداشت کر لیتا ہے ، اگر وہ بھی اپنی آن پر آ جائے تو اس کے لیے جائز ہے ۔ یہ بات آپ کی زبان مبارک سے نکلی ہی تھی کہ قاضی عبداللہ پر فالج پڑا ۔ اس کا منہ ٹیڑھا ہو گیا ۔ قاضی عبداللہ اسی عالم میں آپ کی خدمت میں شکر ، آٹا اور ایک بکری لے کر حاضر ہوا اور آپ کے پاؤں پر گرا ۔ آپ نے فرمایا کہ اٹھارہ سال کی مدت میں جو کچھ لوگوں نے تمھارے متعلق پہنچایا ہے ، میں اس پر صبر کرتا رہا ۔ اب میں تمھارے متعلق قرآن مجید سے فال لیتا ہوں ، اب جو کچھ قرآن مجید سے فال نکلے گی ، وہی خدا کا حکم ہوگا ۔ جب قرآن مجید کھولا گیا تو حضرت نوح علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ نکلا ۔ وہ یہ آیت تھی :

قال یا نوح [۸۵] انہ‘ لیس من اھلک انہ‘ عمل غیر صالح ۔
(قرآن حکیم)

[فرمایا اے نوح : یہ تیری اولاد سے نہیں ، اس کے عمل غیر صالح ہیں ۔]

آپ نے فرمایا یہی حکمِ الٰہی ہے ۔ ہر چند قاضی عبداللہ نے کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہوئی اور وہ اپنی چیزیں لے کر واپس ہو گیا ۔ گھر پہنچتے ہی اس کا انتقال ہو گیا ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک روز اجودھن میں ایک شخص شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آہستہ سے آپ کے کان میں کہا کہ دہلی میں میں اور آپ ہم سبق تھے ۔ اس کے کہنے کا دراصل مقصد یہ تھا کہ اس کو شہر میں قاضی یا مفتی کی جگہ مل جائے ۔ آپ نے اس کی نیت کا پتا نورِ باطن سے چلا لیا اور فرمایا کہ بھائی ! اگر پڑھنے کا مقصد جنگ و جدال ہے تو مت پڑھو ، اگر عمل کے لیے ہے تو اس قدر علم کافی ہے کہ پڑھو اور اس پر عمل کرو ۔ شریعت کے علم کے پڑھنے سے مقصود اس پر عمل کرنا ہے ، نہ کہ خدا کی مخلوق کو تکلیف پہنچانا ہے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک شخص دہلی سے اس لیے روانہ ہوا کہ اجودھن پہنچ کر شیخ شیوخ العالم کے ہاتھ پر توبہ کرے۔ راستے میں ایک گانے والی اس کے ساتھ ہو گئی۔ اس مطربہ نے بہت چاہا کہ وہ مرد اس کی محبت میں گرفتار ہو اور اس سے تعلق پیدا کرے لیکن چونکہ یہ مرد سچی نیت رکھتا تھا، اس نے اس زانیہ کی طرف ذرا بھی التفات نہ کیا، یہاں تک کہ وہ ایک جگہ دونوں ایک بہلی میں سوار ہوئے۔ یہ عورت اُس کے نزدیک آ کر بیٹھ گئی۔ چونکہ اب ان دونوں کے درمیان حجاب باقی نہ تھا، اس حالت میں مرد کے دل میں کچھ معمولی سی اس کی خواہش ہوئی کہ وہ کچھ اُس سے باتیں کرے یا دست درازی کرے، لیکن اس نے عین اس وقت ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ آیا اور ایک طمانچہ اس شخص کے منہ پر مار کر کہا کہ افسوس ہے کہ تم فلاں بزرگ کے پاس توبہ کی نیت سے جا رہے ہو اور تمہاری یہ حرکتیں ہیں۔ وہ شخص فوراً متنبہ ہوا۔ الغرض جب وہ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے سب سے پہلے جو اس سے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے اُس روز تمہاری بڑی حفاظت کی۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ حضرت شیخ فریدالحق والدین قدس سرہ العزیز کے مریدوں میں ایک مرید محمد شہ غوری تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ آپ کا نہایت راسخ العقیدہ معتقد اور سچا مرید تھا۔ ایک روز وہ نہایت پریشان و مضطرب آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اس کو پریشان دیکھ کر پوچھا، بتاؤ کیا بات ہے؟ اُس نے کہا کہ میرا ایک بھائی نہایت سخت بیمار ہے میں نے اُسے اس عالم میں چھوڑا تھا کہ اس میں کچھ رمق جان باقی تھی۔ شاید کہ اب اس کا انتقال بھی ہو چکا ہو [۸۶]۔ اسی وجہ سے میں سخت مضطرب اور پریشان ہوں۔ آپ نے فرمایا جیسا کہ تم اس گھڑی پریشان ہو، میں تمام عمر اسی طرح پریشان رہا ہوں، لیکن میں کسی سے کچھ نہیں کہتا۔ پھر اُس سے فرمایا، جاؤ، تمھارا بھائی صحت یاب ہو چکا ہے۔ محمد شہ جب گھر واپس آیا تو اس نے دیکھا اس کا بھائی صحت یاب ہو چکا تھا اور بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک دن پانچ درویش شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر کی خدمت میں پہنچے۔ یہ درویش درشت مزاج اور منہ پھٹ تھے۔ وہ آپ کے پاس سے رخصت ہوتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم اتنی جگہ

پھرے ، لیکن ہمیں کوئی درویش نہ ملا ۔ آپ نے ان کی یہ بات سُن کر فرمایا ، ٹھہرو میں تمھیں درویش دکھاتا ہوں ۔ انھوں نے اس قسم کی اور واہی باتیں کیں اور روانہ ہو گئے ۔ شیخ نے اُن سے چلتے وقت فرمایا کہ اچھا جا تو رہے ہو ، لیکن بیابان کی راہ سے مت جانا ۔ انھوں نے شیخ کی بات کو نہ مان کر بیابان کی راہ اختیار کی ۔ شیخ شیوخ العالم نے اُن کے پیچھے آدمی دوڑایا اور اس آدمی سے کہا کہ دیکھو وہ کس راہ سے گئے ہیں ۔ اس آدمی نے آ کر خبر دی کہ بیابان کی راہ سے گئے ہیں ۔ جب آپ نے یہ خبر سُنی تو ہائے ہائے کر کے رونے لگے ، جیسا کہ کسی کی موت پر گریہ کرتے ہیں ۔ بعد میں خبر آئی کہ پانچوں کو بادِ سموم لگی اور ہلاک ہو گئے ۔ ان میں سے ایک تشنگی سے بیتاب ہو کر پانی کے پاس پہنچا اور اس نے اس کثرت سے پانی پی لیا کہ مر گیا ۔

کاتب الحروف عرض کرتا ہے کہ منجملہ اور مریدوں کے خواجہ احمد سیوستانی بھی آپ کے قدیم مریدوں میں تھے ۔ اُن کا بیان ہے کہ میں شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے لیے وضو اور غسل کا پانی بھر کر پہنچایا کرتا تھا ۔ ایک روز میری کمر میں درد ہو گیا ۔ آپ نے پانی لانے کے لیے مجھے طلب کیا ۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ میری پیٹھ میں درد ہے ۔ میں مشک نہیں اُٹھا سکتا ۔ آپ نے فرمایا کہ اُسے میرے پاس لاؤ ۔ جب میں شیخ کی خدمت میں گیا تو آپ نے نہایت شفقت سے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا ، جھکو ۔ میں نے اپنی پیٹھ کو خم کیا اور شیخ نے میری کمر پر ہاتھ پھیرا ۔ پھر فرمایا کہ جاؤ اور اب پانی لاؤ ۔ میں اس وقت جوان تھا اور آج جب کہ میری عمر سو سال کے قریب پہنچ چکی ہے ۔ کبھی میری پیٹھ میں درد نہیں ہوا ۔ درآنحالیکہ میں کثرت سے پانی کی مشکیں اپنی کمر پر اُٹھاتا تھا ۔

یہی خواجہ احمد فرماتے تھے کہ ایک دن شیخ شیوخ العالمؒ نے مجھے اپنے مبارک کپڑے دھونے کا حکم دیا ۔ میں نے ان کو ندی کے کنارے لا کر دھویا اور وہ دھلے ہوئے کپڑے آپ کی خدمت میں لے کر آیا ۔ [۸ے] آپ نے فرمایا ، جاؤ اور ان کو دوبارہ دھو کر لاؤ ۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اس ارشاد میں بھی کوئی مصلحت ہوگی اور مجھ سے ان کپڑوں کے دھونے میں ضرور کوئی کمی رہ گئی ہوگی ۔ میں نے جب اس پر غور کیا تو مجھے یاد آیا کہ میں نے پہلے کپڑے دھوئے ہیں اور

بعد میں وضو کیا ہے ۔ ادب کا طریقہ یہ تھا کہ میں پہلے وضو کرتا پھر کپڑے دھوتا ۔ اب دوبارہ جب میں گیا تو میں نے پہلے وضو کیا ، پھر دوگانہ ادا کیا اور کپڑوں کو بہت احتیاط سے دھویا اور ان کپڑوں کو شیخ کی خدمت میں لے کر آیا ۔ اس مرتبہ بھی شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ ایک مرتبہ اور دھو کر لاؤ ۔ اس مرتبہ مجھے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ میں وہ تمام احتیاطیں اختیار کر چکا تھا جو مجھے اختیار کرنی چاہییں تھیں ، لیکن اس پر بھی جب آپ کا یہ ارشاد ہوا تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اس مرتبہ بھی ضرور کوئی کمی رہی ہے ۔ اب جب میں نے اس پر غور کیا تو مجھے یاد آیا کہ میں نے اس مرتبہ کپڑے دھو کر خشک ہونے کے لیے درخت کی ایک شاخ پر پھیلا دیے تھے ۔ اس شاخ کے اوپر ایک اور شاخ تھی اور اس پر پرندے بیٹھے ہوئے تھے ۔ ممکن ہے کہ اُن پرندوں میں کسی نے کپڑوں پر بیٹ کر دی ہو اور وہ ان کپڑوں پر گری ہو ۔ اس مرتبہ میں نے کپڑے دھو کر خشک کرنے کے لیے جنگل میں پھیلائے ۔ اب کی مرتبہ جب میں کپڑے لے کر آیا تو آپ نے ان کو قبول فرمایا ۔

کاتب الحروف نے اُن خواجہ احمد سے ملاقات کی تھی اور اُن کی قدم بوسی کی سعادت سے مشرف ہوا تھا ۔ یہ سلطان تغلق کے عہد میں اجودھن سے غیاث پور آئے تھے اور ایک مدت تک سلطان المشائخ کی خدمت میں رہے تھے ۔ بوڑھے تھے ۔ تقریباً سو سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے ، لیکن کوئی خمی آپ کی قامت میں نہ آئی تھی ۔ اُسی زمانے میں کاتب الحروف کے والد سید مبارک محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ احمد کو اپنے گھر بلایا تھا ۔ میرے بھائی امیر داؤد کی عمر اس وقت چھ ماہ کی تھی ، اُسے کوئی بیماری لاحق ہو گئی تھی ۔ اُس نے اس بیماری کی وجہ سے دودھ پینا چھوڑ دیا تھا ۔ جب اس کو خواجہ احمد سیوستانی کے پاس لے کر آئے اور اس کے دودھ نہ پینے کی کیفیت اُن سے بیان کی تو اس بزرگ نے اپنی مبارک انگلی اپنے لعابِ دہن سے تر کرکے میرے بھائی امیر داؤد کے ہونٹوں پر ملی ۔ اُسی وقت اُس کے ہونٹ ہلنے لگے ۔ خواجہ احمد نے اس کی دایہ سے فرمایا کہ اب اس بچے کو دودھ دو ، جیسے ہی دایہ نے اس کے منہ میں چھاتی کو رکھا تو اس نے چوسنا شروع کر دیا اور پیٹ بھر کر پیا ۔

نکتۂ ہفتم

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز
کی والدۂ محترمہ کی کرامات [۸۸] کے بارے میں

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ کبیر (بابا فرید گنج شکرؒ) کی والدہ[1] ایک بزرگ خاتون تھیں ۔ ایک رات ایک چور اُن کے گھر میں آیا ۔ گھر والے سو رہے تھے ، البتہ آپ کی والدہ یادِ الٰہی میں مشغول تھیں ۔ چور گھر میں داخل ہوتے ہی اندھا ہوگیا ۔ چور نے آواز دے کر کہا کہ اگر اس گھر میں کوئی مرد ہے تو وہ میرا باپ اور بھائی ہے ، اگر کوئی عورت ہے تو وہ میری ماں اور بہن ہے ، گھر میں جو کوئی بھی ہے ، میں اس کی ہیبت سے اندھا ہو چکا ہوں ، اسے چاہیے کہ وہ میرے لیے دعا کرے تاکہ میں بینا ہو جاؤں اور توبہ کروں ۔ آپ کی والدۂ محترمہ نے اس چور کے لیے دعا کی اور وہ بینا ہوکر چلا گیا ۔ آپ کی والدۂ نے یہ واقعہ کسی سے بیان نہیں کیا ۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک آدمی دہی کا ایک مٹکا سر پر لیے ہوئے آیا ۔اس کے گھر والے بھی اس کے ساتھ تھے ۔ گھر والوں نے اس سے پوچھا تو کون ہے ؟ اُس نے جواب دیا کہ میں رات چوری کے ارادے سے اس گھر میں آیا تھا ۔ اس گھر میں ایک بزرگ عورت بیدار تھی ، میں اس کی ہیبت سے اندھا ہوگیا اور اسی کی دعا سے مجھے دوبارہ آنکھیں ملیں ۔ اس کے بعد میں نے عہد کیا کہ میں اب کبھی چوری نہیں کروں گا ۔ اس وقت میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اس لیے آیا تھا تاکہ مسلمان ہوں ، چنانچہ آپ کی والدۂ محترمہ کی برکت سے یہ سارا خاندان مسلمان ہوگیا ۔

حضرت شیخ فریدالدینؒ کی والدہ کی وفات کا واقعہ :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جس زمانے میں کہ شیخ شیوخ العالم نے اجودھن میں سکونت اختیار کی تو آپ نے اپنے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل

۱۔ بابا فرید گنج شکر کی والدہ کا نام قرسم خاتون یا مریم خاتون تھا ، یہ اپنی تالیف سوانح بابا فرید گنج شکر میں وحید احمد مسعود صاحب نے ص ۶۲ - ۶۳ پر لکھا ہے ۔

کو بھیجا کہ وہ آپ کی والدہ کو لے آئیں ۔ شیخ نجیب الدین جب والدہ کو ہمراہ لے کر آ رہے تھے ، تو ایک درخت کے نیچے ٹھہرے ۔ اس موقع پر پانی کی ضرورت پیش آئی ۔ شیخ نجیب الدین پانی کی تلاش میں نکلے ۔ جب واپس آئے تو اس جگہ اپنی والدہ کو نہ پا کر حیران و پریشان ہوئے ۔ انھوں نے دائیں بائیں ، آگے سامنے سب جگہ ڈھونڈھا ، لیکن کہیں اُن کی والدہ کا پتا نہ چلا ۔ آخر واپس آ کر شیخ شیوخ العالم سے سارا واقعہ بیان کیا ۔ شیخ نے فرمایا کھانا پکاؤ اور صدقہ دو ۔ جس کا ان حالات میں رواج ہے ۔ ایک مدت کے بعد شیخ نجیب الدین متوکل کا گزر اس جگہ ہوا جہاں اُن کی والدہ گم ہوئی تھیں ۔ جب وہ اس درخت کے نیچے پہنچے تو اُن کے دل میں خیال ہوا کہ میں اس درخت کے دائیں بائیں دور تک جاؤں شاید والدہ کا کوئی نشان مل جائے ۔ چنانچہ وہ روانہ ہوئے ۔ انھیں ایک جگہ کچھ آدمی کی ہڈیاں پڑی ہوئی ملیں ۔ انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ میری والدہ کی ہڈیاں ہوں جن کو کسی شیر یا درندے نے ہلاک کر دیا ہو ۔ اُنھوں نے ان ہڈیوں کو جمع کر کے ایک تھیلی میں ڈالا اور شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کی خدمت میں لے کر آئے اور تمام قصہ بیان کیا ۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تھیلی میرے پاس لے کر آؤ [۸۹] جب تھیلی کو آپ کے سامنے جھاڑا گیا تو اس میں سے ایک بھی ہڈی نہ نکلی ۔

سلطان المشائخ اس واقعے کو بیان کر کے چشم پُرآب ہو گئے اور فرمایا یہ واقعہ بھی عجائبات زمانہ سے ہے ۔

نکتۂ ہشتم

حضرت شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مرض، موت اور وفات کے بیان میں

بیماری اور وفات :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق رح کو 'خشتہ'[1]

۱۔ پہلو اور جوڑ کا یکایک درد ، ہذیان ، شدید نزلہ ۔ (برہان قاطع ، فرہنگ آنند راج)

کی بیماری ہوئی اور اُسی بیماری میں آپ نے وفات پائی ۔ سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ شیخ کی وفات کے وقت موجود تھے؟ اس سوال پر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا ، آپ نے مجھے شوال میں دہلی روانہ کیا تھا اور آپ کی وفات ۵ محرم کو ہوئی ۔ وفات کے وقت آپ نے مجھے یاد کیا ۔ کسی نے کہا کہ وہ تو دہلی میں ہے ۔ اس پر شیخ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ میں بھی حضرت شیخ قطب الدین کی وفات کے وقت حاضر نہ تھا اور ہانسی میں تھا ۔ سلطان المشائخؒ یہ واقعہ بیان کرتے جاتے اور روتے جاتے تھے ۔ اس واقعہ کو سن کر تمام حاضرینِ مجلس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے ۔ پھر فرمایا ، پانچویں ماہ محرم کو مرض کی تکلیف بڑھ گئی ۔ عشا کی نماز باجماعت پڑھ کر آپ بے ہوش ہوگئے ۔ ایک گھنٹے کے بعد ہوش میں آئے تو لوگوں سے پوچھا کہ کیا میں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے ؟ لوگوں نے عرض کیا ، جی ہاں ۔ آپ نے فرمایا ، میں پھر عشا کی نماز پڑھنا چاہتا ہوں ، خدا ہی جانتا ہے کہ کیا ہو ۔ پھر آپ نے دوسری مرتبہ نماز پڑھی ۔ اس کے بعد آپ بے ہوش ہوگئے ۔ اس مرتبہ آپ بہت دیر تک بے ہوش رہے ۔ جب ہوش میں آئے تو پھر پوچھا کہ کیا میں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ دو بار پڑھ چکے ہیں ۔ فرمایا کہ میں اور ایک بار پڑھنا چاہتا ہوں ۔ خدا جانے کہ کیا ہو ؟ چنانچہ آپ نے تیسری مرتبہ نماز پڑھی ۔ پھر آپ رحمتِ حق سے جا ملے ۔

سیّد مبارک محمد کرمانی کی چادر جو بابا فرید گنج شکرؒ کے جنازے پر ڈالی گئی :

کاتب الحروف نے اپنے والد سیّد مبارک محمد کرمانیؒ سے سنا تھا کہ جب شیخ شیوخ العالم رحمتِ حق سے جا ملے اور مقام مقصدِ صدق میں جاگزیں ہوئے تو آپ کو غسل دیا گیا ۔ اس موقع پر لوگوں نے ایک چادر مانگی تاکہ شیخ شیوخ العالم کے جنازے کے اُوپر ڈالی جائے ۔ راقم الحروف (مصنّف) کے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ مجھے خوب یاد ہے کہ تمھارے دادا میر یعنی سیّد محمد کرمانی جلدی سے گھر میں آئے اور تمھاری دادی سے ایک چادر مانگی ۔ انھوں نے ایک نئی اور سپید چادر تمھارے دادا کو دی ۔ وہی چادر آپ کے جنازے کے اُوپر ڈالی گئی ۔

وفات:

آپ کے تمام صاحبزادوں[1] [۱۰] کا اس پر اتفاق تھا کہ آپ کو اجودھن کی فصیل کے باہر اُس مقام پر ، جہاں شہدا مدفون ہیں ، دفن کیا جائے ۔ اسی نیت سے آپ کے جنازے کو فصیل سے باہر لے کر آئے ۔ عین اس موقع پر میاں خواجہ نظام الدین ، جو آپ کے محبوب ترین صاحبزادے تھے اور وہ سلطان غیاث الدین بلبن کے ملازم تھے اور قصبہ پٹیالی میں متعین تھے ، پہنچے ، انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ شیخ شیوخ العالم اُن کو بلا رہے ہیں ۔ خواجہ نظام الدین فوراً ہی اجازت لے کر اجودھن روانہ ہوگئے ۔ وہ اُس رات میں اجودھن پہنچے ، جس رات میں حضرت شیخ شیوخ العالم نے وفات پائی ، لیکن شہر میں داخل نہ ہو سکے کہ شہر کی فصیل کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے ، اس لیے انھوں نے مجبوراً رات فصیل کے باہر گزاری ۔ وفات کی رات میں آپ بار بار فرماتے تھے کہ نظام الدین آ رہا ہے ، لیکن کیا فائدہ جب کہ اس سے ملاقات نہ ہو سکی ۔ جب صبح ہوئی اور خواجہ نظام الدین شہر میں داخل ہونے کے ارادے سے روانہ ہوکر فصیل کے دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ سامنے سے آپ کا جنازہ آتا ہوا نظر آیا ۔

۱۔ **حضرت بابا فرید گنج شکر کی اولاد :** حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں ۔

صاحبزادوں کے نام یہ ہیں :

(۱) شیخ نصیرالدین نصراللہ ۔

(۲) شیخ شہاب الدین ۔

(۳) شیخ بدرالدین سلیمان ۔

(۴) خواجہ نظام الدین ۔

(۵) شیخ یعقوب ۔

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں :

(۱) بی بی مستورہ ۔

(۲) بی بی شریفہ ۔

(۳) بی بی فاطمہ ۔

(ماخوذ از "تاریخ مشائخ چشت" ، ص ۱۶۸)

غرضیکہ اُنھوں نے اپنے بھائیوں سے پوچھا کہ آپ کو کہاں دفن کرو گے ؟ سب بھائیوں نے کہا کہ فصیل کے باہر کے حصے میں جہاں شہدا مدفون ہیں کہ شیخ شیوخ العالم اکثر وہاں ذکر و عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے ۔ اس کے علاوہ وہ نہایت فرحت افزا مقام ہے ۔ خواجہ نظام الدین نے کہا اگر ہم نے شیخ کو باہر دفن کیا تو کوئی بھی ہم پر اعتبار نہ کرے گا ۔ جو کوئی بھی شیخ شیوخ العالم کی زیارت کو آئے گا وہ باہر سے باہر ہی زیارت کر کے اور فاتحہ پڑھ کر چلا جائے گا ۔ الغرض اُن کے اس مشورے کے بعد پھر جنازہ فصیل کے اندر لایا گیا اور اُس جگہ دفن کیا گیا ، جہاں اب آپ کا مزار مبارک ہے ۔

روضۂ مبارک :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو مسکینوں کا وہ حجرہ ، جو لکڑی اور گارے سے بنا ہوا تھا ، اس کو پختہ اینٹوں سے بنوا دوں ؟ شیخ نے فرمایا ، سات سال ہوئے کہ میں نے عہد کیا تھا کہ اینٹ پر اینٹ نہ رکھوں گا ۔ مختصر یہ کہ اس شخص نے آپ کی اولاد سے کہہ کہلا کر حجرے کو تعمیر کرایا ، لیکن جب شیخ کی وفات ہوئی تو اُس حجرے کو توڑ کر آپ کو اُسی جگہ دفن کیا گیا ۔ آپ کا روضۂ متبرکہ اسی جگہ ہے ، جہاں یہ حجرہ تھا ۔

لحد :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم کی لحد کے لیے کچی اینٹوں کی ضرورت پڑی ، لیکن وہ موجود نہ تھیں ، اس لیے مجبوراً شیخ کے مکان سے کچھ کچی اینٹیں نکال کر [۹۱] لحد میں لگائی گئیں ۔ طیب اللہ مرقدہ و جعل حظیرۃ القدس مثواہ ۔

مختصر سوانح حیات بابا فرید گنج شکر :

واضح رہے کہ سنہ ولادت حضرت شیخ الشیوخ فریدالحق والدین مسعود گنج شکر ۵۶۹ھ (۷۴ - ۱۱۷۳ء) اور آپ کی وفات کا سنہ ۶۶۴ھ (۶۶ - ۱۲۶۵ء) تھا ۔ آپ کی عمر ۹۵ سال ہوئی ۔ ۵۸۴ھ (۸۹ - ۱۱۸۸ء)

میں آپ حضرت خواجہ قطب الدین قدس اللہ سرہا العزیز سے بیعت ہوئے۔ مرید ہونے کے بعد آپ اسّی سال تک حیات رہے۔ طیب اللہ مرقدہ و جعل حظیرۃ القدس مثواہ۔

آخری کلمات :

حضرت سلطان المشائخ سے لوگوں نے پوچھا کہ وفات کے وقت حضرت شیخ شیوخ العالم کی کیا عمر تھی؟ فرمایا پچانوے سال اور وفات کے وقت آپ کی زبانِ مبارک پر یہ کلمے تھے۔ یا حیّ یا قیّوم۔

چار بزرگوں کی وفات :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ پہلے شیخ سعدالدین حمویہؒ نے وفات پائی اور اُن کے تین سال بعد شیخ سیف الدین باخرزیؒ نے۔ اُن کے تین سال بعد شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے۔ اُن کے تین سال بعد شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے وفات پائی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا، وہ بھی کتنا عمدہ زمانہ تھا کہ جب یہ پانچوں بزرگوار حیات تھے۔ یعنی شیخ فریدالحق والدین، شیخ ابوالغیث یمنی[1]، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ سعدالدین حمویہ اور شیخ بہاءالدین زکریا قدس اللہ سرہم العزیز۔

یہ ضعیف کہتا ہے :

قطعہ

شیخ اعظم فریدِ ملت و دین
شیخ ابوالغیث و شیخ سیف الدین
شیخ سعدی حمویہ، شیخ الوقت
شیخ صاحب نفس بہاء الدین
بود ہر پنج پیر در یک عصر
ہر یکے بادشاہِ دنیا، دین

۱۔ شیخ ابوالغیث جمیل یمنی: عالی مقامات، عمدہ حالات اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ آپ نے ۶۵۱ھ (۵۴ - ۱۲۵۳ء) میں وفات پائی۔ (''نفحات الانس''، (اُردو ترجمہ)، ص ۶۰۲)

منہم

سلطان المشائخ ، برہان الحقائق ، سرور اولیائے دیں ، پیشوائے اصفیائے عالمِ یقیں ، عالم علوم ربانی ، کاشفِ اسرارِ رحانی ، وہ جن کا ظاہر و باطن آراستہ اور جن کے وجودِ مبارک سے عالم کے امور پیراستہ ہیں ، حق جل و علیٰ کی صفات کے والہ و شیدا ، ذاتِ باری تعالیٰ کے عاشق معدنِ کانِ کرامت ، صورتِ لطافت ، کثرتِ گریہ و زاری کی وجہ سے اولیاء میں مشہور ، تمام برگزیدہ صفات سے متصف یعنی [۹۲] سلطان المشائخ نظام الحق والحقیقۃ والشرع والدین وارث الانبیاء والمرسلین سیّد سلطان الاولیاء نظام الدین محمد محبوب الٰہی بن سیّد احمد بن سیّد علی البخاری چشتی دہلوی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم العزیز

یہ ضعیف کہتا ہے کہ :

ذاتے کہ در لطافتِ طبع و کرامتش
مثلش نبود و نیز نباشد در ایں جہاں

امیر خسرو نے سلطان المشائخ کی مدح میں کیا اچھا کہا ہے :

قطبِ عالم نظام ملت و دیں
کآفتابِ کمال سد رخِ او
و ز جنید و ز شبلی و معروف
یادگارے ست داتِ فرخِ او
شیخ ایشاں اگر چنیں بودند
ورنہ بودند ایں چنیں شیخ او

آپ کا دریا جیسا باطن ، جو ہر لحظہ عالمِ غیب میں سقاہم ربہم شراباً طہوراً (پلائی ان کو اُن کے رب نے پاک شراب) کے ساقی سے بھرے ہوئے پیالے نوش کرتا ہے ، کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

دریا کشم از کفِ تو ساقی
نگزارم لیم جرعہ باقی

لیکن دوست کے راز کا ایک ذرّہ بھی ظاہر نہ کرتے تھے، چنانچہ بارہا یہ مصرع آپ کی زبان پر آتا تھا :

مرداں ہزار دریا خوردند و تشنہ رفتند

یہ کیسی غذا اور کس قسم کا حوصلہ تھا کہ آخری دم تک صحو کے قاعدے پر تھے - یہ ضعیف کہتا ہے کہ :

قطعہ

جنید را کہ ز اصحابِ صحو می گیرند
عجب قدرش او را نبود اس مقدار
بہرف راہِ پیمبر مدام بہ سر بے
چہار یار نبی را نگشت پنجم یار

خواجہ شمس الدین دبیر[1] نے کیا اچھا کہا ہے :

آہِ سربستہ من اشکہ مرا در دل گفت
خیر بارے تو بروں رو کہ گزر یافتہ ای

شیخ سعدی نے بھی اس بارے میں کیا اچھا کہا ہے :

گرفتم آتشِ دل در نظر نمی آید
نگاہ می نکنی آبِ چشم پیدا را

شیخ عطّارؒ نے بھی کیا اچھا لکھا ہے :

رباعی

عاشقی چیست ترکِ جاں گفتن
سترِ کونین بے زباں گفتن
رازہائے کہ در دلِ پرخوں ست
جملہ از چشمِ خوں فشاں گفتن

اگرچہ آپ شیخ شیوخ العالمؒ کے متاخر مریدوں میں تھے - [۹۳] کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے -

---

۱- شمس دبیر : اس عہد کے ممتاز علماء اور شعرا میں شمار کیے جاتے تھے - تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے : بزم مملوکیہ، ص ۲۶۵ - ۲۸۰ -

قطعہ

خاقانی :

بعد از سہ مراتب آدمی زاد
بعد از سہ کتب رسید فرقان
گل با ہمہ خرمی کہ دارد
از بعد گیاہ رسد بہ بستان

لیکن حق تعالیٰ کی محبت اور عشق میں آپ کے اعلیٰ اور سابق مریدوں اور مشائخ کبار سے بھی سبقت لے گئے تھے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

زمیں را با سما نسبت بباشد
فلک با عرش کے دارد مساوات
تو بادشاہی و بیچارگان اسیر کمند
تو شہسواری و عشاق خاک پائے سمند

اور محبت کی گیند دین کے شہسواروں سے مرد بادشاہوں کی طرح اچک لی ۔

نکتۂ نہم

اس بندۂ کمینہ کی کیا طاقت کہ ایسے بادشاہ کے اوصاف اس ناپاک زبان سے بیان کرے ۔

بدین زبان ملوث مرا چہ زہرہ بود
کہ وصف ذات تو گویم من شکستہ گدا

اسی مفہوم کو ایک اور بزرگ نے کیا اچھا بیان کیا ہے :

آسماں را چہ ثنا گوید بیچارہ زمیں
مدح خورشید چہ داند بسزا گفت سہا

حق تعالیٰ علیم و علام ہے کہ جس وقت اس بادشاہ کے جمال ولایت کا تصوّر میرے دل میں گزرتا ہے تو میں متحیر و مدہوش ہو جاتا ہوں کہ کیا لکھوں اور اُس عدیم المثال ذات کے اوصاف کو کس طرح عبارت میں سموؤں کہ اُن کے اوصاف کے لیے کوئی عبادت اور کوئی استعارہ متحمل نہیں ہوتا ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

قطعہ

دل خواست کہ آرد بہ عبارت
وصفِ رخِ او بسا استعارت
شمع رخِ او ز بسا سہ زد
ہم عقل سوخت ہم عبارت

شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

نشانِ پیکر خوبت نمی توانم داد
کہ از تاملِ آن خیرہ میشود بصرم

اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے یہ فقیر کہتا ہے :

مرا صفت دلِ بیچارہ کے تواند کرد
بعجزِ خویشتن اقرار می کند اینک

ایک اور بزرگ نے اسی خیال کو کتنی عمدگی سے بیان کیا ہے :

ما کہ در شکلِ یار حیرانیم
سترِ اوصافِ او کجا دانیم

یعنی جب سلطان المشائخ کی محبت کی آگ کا شعلہ میرے دل میں بھڑکتا ہے اور دل کے آئنے کو ، جو بشریت کی کدورت سے آلودہ ہے ، انوارِ محبت سے روشن کرتا ہے تو میں اپنے بس میں نہیں رہتا اور میرے ہر روئیں سے ، جو میرے جسم پر ہے ، نعرۂ شوق بلند ہوتا ہے : ع

نعرۂ شوق میزنم تا رمقے است در تنم

[۹۰] خدائے ذوالجلال کے فضل سے متوقع اور اُمیدوار ہوں کہ اس درگاہِ بے نیازی کے عاشقوں کے سرتاج کے دریائے محبت سے ایک گھونٹ مجھ بےچارے کے منہ میں بھی ٹپکے گا ، جو قدیم بزرگوں سے اُن تک پہنچا ہے مصرع :

امیرِ خوان آخر گدائے کوئے تواہ

یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

ز دردِ عشق می میرد بدہ دُردہ اے ساقی !
از آن دریائے عشق آمیز تا او بے خبر گردد

اُس بادشاہ دین کے جمال کے عشق سے قبر تک رقص کرتا ہوا جائے۔
شیخ سعدی فرماتے ہیں :

گر رسد از تو بگوشم کہ بمیر اے سعدی !
تا لب گور بہ اعزاز و کرامت بروم
ور بدانم بہ در مرگ کہ حشرم با تست
از لحد رقص کناں تا بقیامت بروم

لیکن میری عقیدت و محبت سلطان المشائخ سے سچی ہے اور مجھے پختہ یقین ہے کہ اس عاجز و بے چارے کا حشر سلطان المشائخ کے غلاموں میں ہوگا اور آپ کی محبت کے پرچم تلے مجھے جگہ ملے گی ۔ مشہور ہے کہ جویندہ یابندہ باشد ۔ (ہر ڈھونڈھنے والا پانے والا ہوتا ہے) من طلب شیئاً و جدّ وجد (جو کسی شے کے حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے ، اس کو پا لیتا ہے) ۔

اس بادشاہ دین کا ذکر تیرہ نکتوں پر مشتمل ہے ۔

نکتۂ اوّل

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے حسب و نسب کے بارے میں جو یقیناً صاحبدلانِ عالم میں تھے

سلطان المشائخ کے آبا و اجداد شہر بخارا کے رہنے والے تھے ۔ یہ شہر علم و تقویٰ کا خزانہ اور کان ہے ۔ سلطان المشائخ کے پدری جد اعلیٰ کو خواجہ علی بخاری کہتے تھے اور آپ کے جدِ مادری کا نام خواجہ عرب تھا ۔ یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے ساتھی اور بھائی تھے ۔ یہ دونوں کے دونوں اکٹھے ہی بخارا سے لاہور آئے ، پھر لاہور سے بدایوں پہنچے ۔ بدایوں اُس زمانے میں "قبۃ الاسلام" تھا ۔ ان دونوں نے بدایوں ہی میں سکونت اختیار کی ۔

خواجہ عرب :

خواجہ عرب صاحب اقتدار خواجہ تھے ۔ بہت مالدار تھے اور اُن کے پاس بہت سے غلام تھے ۔ اُن کے بعض غلام اپنے ہنروں سے کماتے تھے اور بعض اُن کے مال سے تجارت کرتے تھے ۔

غرضیکہ خواجہ عرب کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھی ۔ ان کے ایک صاحبزادے کا نام خواجہ عبداللہ تھا ، ان کے بیٹے خواجہ سعید ، اُن کے بیٹے خواجہ عبدالعزیز ، اُن کے بیٹے خواجہ حسن تھے ۔ یہ چاروں پشتیں خواجہ عرب کے سامنے موجود تھیں ۔ ان دونوں بزرگوں یعنی خواجہ عرب اور خواجہ علی بخاری کے درمیان نئی قرابت یہ قائم ہوئی کہ خواجہ عرب نے اپنی صاحبزادی بی بی زلیخا رحمۃ اللہ علیہا سے ، جو ولیہ اور اپنے وقت کی رابعہ تھیں ، جن کا روضۂ متبرکہ آج بھی شہر دہلی میں اہلِ درد کا درماں اور درماندوں [۹۵] کا کعبۂ منجات ہے ، اُن کی شادی خواجہ علی بخاری کے صاحبزادے خواجہ احمد سے کر دی اور دنیاوی سامان جہیز کے نام سے جو بزرگوں کا طریقہ ہے اپنی صاحبزادی کو دیا ۔ یہی خواجہ احمد بن علی سلطان المشائخ کے والد محترم تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی خاتون کے بطن سے کانِ کرامت کے موتی اور سرمایۂ عشق و محبت یعنی سلطان المشائخؒ کو پیدا کیا اور اُس آفتاب عالمتاب سے عالم میں روشنی ظاہر ہوئی ، جن کے وسیلے سے اہلِ جہاں نے دنیا میں پرورش اور آخرت میں نجات پائی ۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں :

بیت

آفرین خدائے بر پدرے
کہ ازو ماند ایں چنیں پسرے

ایک بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے ۔ نظم :

پدرے را کہ آنچناں خلف است
مادرے را کہ ایں چنیں پسر است
آفتابش بر آستینِ قبا ست
ماہتابش بر آسمان درست

خواجہ احمد کی وفات :

الغرض سلطان المشائخؒ ابھی بچے ہی تھے کہ سلطان المشائخؒ کے والد خواجہ احمد علی الحسینی بخاری کو بیماری لاحق ہوئی ۔ ایک رات سلطان المشائخ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص اُن سے کہہ رہا ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کرو یا اپنے شوہر خواجہ احمد کو یا اپنے بیٹے سلطان المشائخ کو ، چنانچہ ان بی بی نے سلطان المشائخ کو

چن لیا ۔ صبح کو انھوں نے اپنا یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا اور بیماری میں خواجہ احمد کا پرہیز چھڑوا دیا ۔ جو بھی کھانے پینے میں ان بزرگ کو پسند تھا ، وہ ان کو دیا ۔ چند دن کے بعد خواجہ احمد[۱] رحمتِ حق سے جا ملے اور ان کو بدایوں کے اطراف میں دفن کیا گیا ۔ چنانچہ اب تک اُن کا روضہ مبارک اُسی جگہ واقع ہے ۔

سلطان المشائخؒ کی تعلیم :

سلطان المشائخ جب ذرا بڑے ہوئے ، تو ان کی والدہ نے آپ کو مکتب میں بھجوایا ۔ پہلے آپ نے کلام اللہ ختم کیا ، پھر کتابیں پڑھنی شروع کیں ۔ ایک بڑی کتاب قریب الختم تھی تو آپ کے اُستاد نے سلطان المشائخ سے کہا کہ تم اب معتبر کتاب ختم کر رہے ہو ۔ تمھیں دانشمندی کی دستار اپنے سر پر بندھوانی چاہیے ۔ سلطان المشائخ نے اُستاد کی یہ بات اپنی والدہ سے کہی ۔ آپ کی والدہ نے خود اپنے ہاتھ سے سوت کات کر کپڑا بنوایا اور دستار تیار کی ۔ جب سلطان المشائخ نے اُس کتاب کو ختم کر لیا ، تو آپ کی والدہ بزرگوار نے کھانا تیار کرایا اور اس شہر کے ممتاز بزرگوں اور علماء کو دعوت دی (۹۶) ۔ اس مجلس میں خواجہ علی جو شیخ جلال الدین تبریزی کے مرید تھے اور انھوں نے نعمت دینی شیخ جلال الدین سے حاصل کی تھی ، جن کی کرامتیں مشہور تھیں ، موجود تھے ۔ کھانے کے بعد سلطان المشائخ نے وہ دستار اُن کو دی اور اُن کے ساتھ مجلس میں آئے ، تاکہ تمام بزرگوں کے سامنے آپ کی دستار بندی ہو ۔ شیخ علی نے دستار کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں پکڑا اور دوسرا سلطان المشائخ کے ہاتھ میں دیا ۔ سلطان المشائخ نے وہ بزرگانہ دستار اپنے سر پر باندھی ۔ آپ نے پہلے خواجہ علی کی قدم بوسی کی ۔ خواجہ علی نے دعا کی کہ خدائے تعالیٰ تمھیں علمائے دین میں کرے اور ہمت کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچائے ۔ اس کے بعد آپ نے حاضرینِ مجلس میں دوسرے بزرگوں کی قدم بوسی کی اور اُن کی دعائیں لیں ۔

۱۔ وفات خواجہ احمد : ۶۳۵ھ (۳۸ - ۱۲۳۷ء) ساکرنال کے قریب بدایوں میں دفن ہوئے ۔ ۱۱۸۴ھ (۸ - ۱۷۰۷ء) حافظ رحمت خاں رحمت الملک نے مسجد ، گنبد اور چہار دیواری بنوائی ۔ ("سیر العارفین" (اُردو ترجمہ) ، حواشی ، ص ۹۷)

جب فقیر نعمت اللہ نوری نے دیکھا کہ "سیرالاولیاء" میں حضرت سلطان المشائخؒ کا سلسلۂ نسب پدری و مادری سیّد محمد بن سیّد مبارک بن سیّد محمد علوی الحسنی والکرمانی نے درج نہیں کیا ، تو اپنے آبا و اجداد یعنی خواجہ عرب و خواجہ علی کا شجرۂ طیبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تک ، جو سند صحیح کے ساتھ پہنچا ہے ، لکھا ہے ، جسے انشاء اللہ تعالیٰ عالم کے صاحب دل دیکھیں گے ۔ ابیات :

شجرۂ طیبہ

بعد حمد خدا و نعت رسولؐ
مکنم ذکر شہ ز اولاد بتولؓ

از امام الحق حسینؓ شاہ دین
یادگارے بود زین العابدین

در جہان زین بعد او قائم مقام
بود باقر نور چشم آن امام

او چون محمل جانب فردوس راند
زو بعالم جعفر الصادقؒ بماند

میوہ ماند از شاخ آن عالی درخت
موسیٰ الکاظمؒ امام نیک بخت

زان فروغ مشعل راہ ہدیٰ
بود امام المسلمین علی الرضاؒ

کرد او رحلت سوئے دارالسلام
ماند فرزندش محمد نیک نام

چون فروغ حق بفردوسش رساند
ز علی الہادی اندر دہر ماند

آسمان سوئے بہشتش رہ نمود
آمد آنکہ جعفرؓ از وے در وجود

سرور عالم علی الاصغرؓ است
گوہر روشن زکان جعفرؓ است

گشت عالم خورم و آفاق شاد
از علی اصغر چو عبداللہ زاد

ہم ز عبداللہ احمد شد پدید
زو علی آمد دو عالم را سعید

وز علی آمد حسن فرخ تبار
وز حسن آمد محمد یادگار

ماند ازو خواجہ عرب فرخندہ رائے
بود او سیّد حسینی البخاری باخدائے

آخر ازوے خواجہ عبداللہ زاد
سوئے باغِ خلد او ہم رو نہاد

ماند از و خواجہ سعید اندر جہاں
اہلِ جنت را شدے او مہاں

ماند ز آں صاحب دلِ اہلِ تمیز
سالکِ راہِ ہدیٰ عبدالعزیز

زو حسن ماند از حسن عبدالکریم
احمد ازوے بود با خلقے عظیم

ماند فرزندش بود طاہاش نام
داشت او شغلِ بزرگ از حق مدام

ماند عبدالقاہر ازوے یادگار
بود دانا وفقیہ روزگار

روشنی بخش چراغِ کاخِ او
بود صدرالدین ثمر از شاخِ او

در صلاح و زہد چوں اُو کس نبود
صالح آمد زاں نکو فر در وجود

ماند فضل اللہ زآں عالی مقام
نعمت اللہ نوری ازوے والسلام

نسب اطہر حضرت سلطان المشائخؒ :

شجرۂ طیبہ حضرت قطب الاقطاب محبوب العالمین سلطان المشائخ

نظام الحق والشرع والدین سید نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہ العزیز بن سید خواجہ احمد قدس اللہ سرہ العزیز۔

سید محمد نظام الدین بن سید خواجہ احمد بن خواجہ علی الحسینی البخاری بن سید عبداللہ بن سید حسن بن سید میر علی۔

آپ کے جدِ مادری بن خواجہ عرب حسینی بخاری [۹۸] بن سید محمد بن سید حسن بن میر علی بن میر احمد ابن میر ابی عبداللہ بن میر علی اصغر بن سید جعفر بن سید علی الامام بن سید علی الہادی النقی بن امام سید محمد الجواد بن الامام سلطان الشہدا حضرت علی موسیٰ الرضا[رح] بن امام حضرت موسیٰ کاظم الغیظ بن امام ہمام حضرت امام جعفر الصادق[رض] بن امام حضرت محمد الباقر[رح] بن امام علی حضرت امام زین العابدین بن امام فی الارض والسما سلطان الشہدا حضرت امام حسین شہید کربلا[رض] بن امام فی المغارب والمشارق حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ و علیہ السلام والاکرام۔

امام ہمام سعید الشہید حضرت امام حسین[رض] کی والدۂ ماجدہ حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام افضل الانبیاء اکرم المرسلین رسول الثقلین سرور کائنات ، فخر موجودات رحمت للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہٖ و ائمۃ الاطہار و جمیع اصحابہ الاخیار[رض] والابرار والاولیاء المحبوبین حضرت غفار کی صاحب زادی تھیں۔

ذکر فرزندان حضرت رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم :

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے چار صاحبزادے تھے۔ طیب[رض] ، طاہر[رض] ، قاسم[رض] ، ابراہیم[رض] اور چار صاحبزادیاں تھیں[۱]۔ ان میں عمر میں سب سے چھوٹی سرورکائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں اور سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں ، جن کی شادی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

۱۔ متفق علیہ روایت یہ ہے کہ آپ کی چھ اولادیں تھیں۔ حضرت قاسم[رض] ، ابراہیم[رض] ، زینب[رض] ، رقیہ[رض] ، ام کلثوم[رض] اور حضرت فاطمہ[رض]۔ ابن اسحاق نے دو صاحبزادوں طاہر اور طیب کا نام بھی لیا ہے۔ حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ سے اور بقیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھیں۔ (سیرۃ النبی[ص] (شبلی) ، حصہ اول ، ص ۲۲۱)

نے اپنی خالہ کے بیٹے ابوالعاص[1] بن ربیع بن عبدالعزیز[2] بن عبدالمطلب سے کی تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہؓ[3] جن کی شادی حضور اکرمؐ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے عتبہ بن ابی لہب سے کی تھی۔ اُس نے نکاح کے فوراً بعد ہی اُن کو طلاق دے دی۔ عتبہ کے مرنے کے بعد آپ نے اُن کی شادی حضرت عثمان بن عفانؓ سے کر دی۔ اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبشہ ہجرت کی۔

تیسری صاحبزادی حضرت اُم کلثومؓ[4] تھی، جن کا نام آمنہ تھا، اُن کا نکاح پہلے آپ نے عتیبہ بن ابی لہب سے کیا تھا۔ اُس نے بھی نکاح کے بعد ہی طلاق دے دی۔ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد رسولِ اکرمؐ نے حضرت اُم کلثومؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی۔

۱۔ ابوالعباس سہو کتابت ہے، ان کا صحیح نام ابوالعاص ہے، حضرت زینبؓ حضرت رسولِ اکرم کی بیوی حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں، نبوّت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجہؓ ابوالعاص کی خالہ تھیں۔ ابوالعاص نے ہجرت کے ساتویں سال اسلام قبول کیا۔ ابوالعاص کے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے دونوں میں جدائی ہوگئی تھی، لیکن جب وہ مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ آئے تو حضورِ اکرمؐ نے پہلے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر کے حضرت زینب کو حضرت ابوالعاصؓ کے گھر بھجوایا۔ حضرت زینبؓ نے ہجرت کے آٹھویں سال وفات پائی۔ (رسول پاک کی صاحبزادیاں، ص ۷ تا ۱۰)

۲۔ عبدالعزیز سہو کتابت ہے، بلکہ صحیح عبدالعزیٰ ہے۔

۳۔ حضرت رقیہؓ: رسولِ اکرم کی دوسری صاحبزادی ہیں، جو حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں۔ سنہ ۳۳ قبلِ نبوّت میں پیدا ہوئیں۔ رسولِ اکرمؐ غزوہ بدر میں تھے کہ حضرت رقیہؓ نے وفات پائی۔ (رسولؐ پاک کی صاحبزادیاں، ص ۱۸ تا ۲۳)

۴۔ حضرت اُم کلثومؓ: رسولِ اکرمؐ کی تیسری صاحبزادی ہیں، جو حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ حضرت اُم کلثوم ہجرت کے نویں سال شعبان کے مہینے میں جنت کو سدھاریں۔

صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت بی بی فاطمہؓ کے شوہر شاہ مرداں حضرت علیؓ حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص [ابوالعاص] ، حضرت رقیہؓ کے شوہر حضرت عثمانؓ ، جب وہ وفات پا گئیں تو آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی بی بی اُم کلثومؓ کو حضرت عثمانؓ سے بیاہ دیا ۔ اسی وجہ سے [وہ] حضرت عثمانؓ کو ذوالنورین (دو نور والا) کہتے ہیں ۔

ذکر ازواج مطہراتؓ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بیویوں کا تذکرہ اُن کے نکاح کی ترتیب سے بیان کیا جاتا ہے ۔ پہلی بیوی حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ تھیں ، دوسری بیوی حضرت سودہ بنت زمعہ (زمعہ) تھیں ، تیسری حضرت عائشہ صدیقہ بنت اُم رومان (اُم رومان) حضرت عائشہؓ کا مہر وہ سامان تھا جسے پچاس درم میں خریدا جا سکتا تھا ۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کا مہر پانسو درھم تھا ۔ مہر کی یہ رقم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے قرض لے کر حضرت عائشہؓ کے حوالے کی تھی ۔ چوتھے حضرت حفصہؓ جو حضرت عمر بن خطابؓ کی صاحبزادی اور ان کی والدہ حضرت زینبؓ بنت مظعون تھیں ، پانچویں حضرت زینبؓ بنت خزیمہ ، چھٹے حضرت اُم سلمہ بنت ابوامیہ ، ساتویں حضرت زینب بنت جحشؓ ، آٹھویں حضرت جویریہؓ بنت حارث ، نویں حضرت میمونہؓ بنتِ حارث ، دسویں حضرت اُم حبیبہؓ (بنت ابوسفیان) اور حضرت صفیہؓ بنت حی بن اخطب ۔

یہ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ آپ کی تین اور بیویاں تھیں کہ اُن میں سے بعض سے نکاح کیا تھا اور خلوت نہیں ہوئی تھی اور ان میں سے بعض کی خواستگاری کی لیکن ان سے نکاح نہیں ہوا ۔ لیکن سراری تین تھیں : اول ماریہ قبطیہ بنتِ شمعون ، دوسری ریحانہ بنت زید بن عمر ، تیسری کنیز حضرت زینب بنتِ جحشؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو دی تھی ۔

رسولِ اکرمؐ کی صاحبزادیاں :

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ تھیں ، جن کی ولادت زمانۂ جاہلیت میں واقعۂ فیل کے

تیس سال بعد ہوئی ۔ اُن کا نکاح اُن کے خالہ کے بیٹے ابوالعباس (ابوالعاص) سے ہوا تھا ۔ بدر کے دن اُنھوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم خدا کے بندے اور اُس کے رسول ہیں ، تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اُسی پہلے نکاح سے حضرت زینبؓ کو ان کے حوالے کر دیا اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے ان کے نکاح کی تجدید کی ۔

''مجمع الفتاویٰ'' میں ہے کہ میں نے شیخ امام حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ جس کی ماں سید ہو اور باپ سید نہ ہو کیا وہ سید ہے ؟ میرے اُستاد شمس الائمہ کروریؒ نے جواب دیا ۔ بے شک وہ سید ہے اور استدلال اس دلیل سے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اولاد قرار دیا ہے اور دلیل یہ ہے ۔ و تلک حجتنا آیتناھا ۔ الخ

یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ، حضرت اسحاقؑ کی اولاد سے ہیں ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری اولاد کی مثال کشتی نوحؑ کی طرح ہے ، جو اُس میں سوار ہوا بچ رہا اور جس نے خلاف ورزی کی ہلاک ہوا ۔

نکتہ دوم

[شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ
سرہ العزیز کی محبت اور سلطان المشائخ کے بدایوں سے
بغرض تعلیم دہلی آنے کے بارے میں]

(حضرت سلطان المشائخؒ کے قلب میں بابا فرید گنج شکرؒ کی محبت کا پہلا نقش)

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جب تک میں چھوٹا تھا ، کم و بیش میری عمر دس بارہ سال کی تھی ۔ اُس وقت میں لغت پڑھتا تھا کہ ایک شخص ، جسے ابوبکر خراطہ اور ابوبکر قوال بھی کہتے تھے ، میرے اُستاد کے پاس ملتان سے آیا ۔ اُس نے یہ واقعہ بیان کیا کہ میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی محفل سماع میں یہ شعر پڑھ رہا تھا :

لقد لسعت حیۃ الھوی کبدی ۔

[محبت کے سانپ نے میرے دل کو ڈس لیا ۔]

اتفاق سے مجھے اس شعر کا دوسرا مصرع یاد نہ آیا ۔ شیخ نے مجھے دوسرا مصرع یاد دلایا ۔ پھر وہ شیخ بہاء الدین زکریا کے زہد و عبادت کی تعریف کرنے لگا اور کہنے لگا کہ وہ ایسے بزرگ ہیں کہ ان کی کنیزیں بھی چکی پیستے پیستے ذکر الٰہی کرتی ہیں ۔ وہ بہت دیر تک حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے فضائل و مناقب بیان کرتا رہا لیکن مجھ پر ان باتوں کا اثر نہ ہوا ۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ میں اجودھن [پاک پٹن] بھی گیا ۔ میں نے وہاں شیخ فریدالحق والدین کو دیکھا کہ ایک رشد و ہدایت کا ماہتاب ہیں اور وہ ایسے اور ایسے ہیں ۔ جب آپ کے اوصاف و محامد میرے کان میں پڑے تو ان محامد و اوصاف کو سن کر آپ کی محبت و عقیدت کا دریا میرے دل میں جوش مارنے لگا ۔ یہاں تک کہ یہ کیفیت ہوئی کہ میں ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ شیخ فرید اور دس دس بار مولانائے فرید کہتا تھا اور پھر سوتا تھا ۔ یہاں تک کہ یہ محبت اس انتہا کو پہنچی کہ تمام دوستوں کو اس کی خبر ہو گئی ۔ چنانچہ جب وہ کوئی بات مجھ سے پوچھتے اور مجھے قسم دینا چاہتے تو مجھ سے کہتے شیخ فرید کی قسم کھاؤ ۔

عزم دہلی :

جب میں سولہ سال کا ہوا تو میں نے دہلی جانے کا ارادہ کیا ۔ اس سفر میں میرے ایک عزیز بزرگ عوض نامی میرے ساتھ ہوئے ۔ راستے میں اگر کہیں شیر یا چور کا خوف ہوتا تو وہ بزرگ کہتے کہ اے پیر ! تشریف لائیے ، اے پیر ! ہم آپ کی پناہ میں جا رہے ہیں ۔ میں نے اس بزرگ سے پوچھا کہ آپ کس کو پیر کہتے ہیں ؟ انھوں نے جواب دیا کہ شیخ شیوخ العالم فریدالدینؒ کو ۔ اس بزرگ کا یہ جواب سن کر میرے قلب میں شیخ کی محبت کا جذبہ اور بڑھا ۔

شیخ نجیب الدین متوکل کے قرب و جوار میں قیام :

یہاں تک کہ ہم شہر دہلی پہنچے ۔ اتفاق یہ ہے کہ بابا فرید گنج شکر کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کے قرب و جوار میں ٹھہرے ، جو شیخ شیوخ العالم کے بھائی تھے ۔

نکتۂ سوم

سلطان المشائخ نظام الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے علم و تبحر کے بارے میں

سلطان المشائخؒ فرماتے تھے کہ جب میں شہر دہلی میں آیا تو تین چار سال تک علم حاصل کرنے کی جد و جہد میں مشغول رہا ۔ جس زمانے میں کہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا ، اگرچہ میں لائق اور با صلاحیت طالب علموں کی صحبت میں رہتا تھا ، لیکن میں ان سے بار بار کہتا تھا کہ اگرچہ میں چند روز تمہارے ساتھ ہوں لیکن میں تمہارے ساتھ نہ رہوں گا ۔ چنانچہ یہ واقعہ تفصیل سے اس [۱۰۱] نکتے میں تحریر کیا گیا ہے ، جو سلطان المشائخؒ کی سکونت کے بارے میں ہے ۔ یہاں اجمالاً اس واقعہ کے تحریر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی محبت سلطان المشائخؒ کا مقدر کی تھی ۔ ابتدا ہی سے آپ کا رجحانِ قلبی یہ تھا کہ سب سے قطع کر کے دوست سے اپنے رشتے کو جوڑا جائے ۔ ع

کہ در یک دل نمی گنجد غمِ جان و غمِ جاناں

مولانا نظام الدین کو بحاث و محفل شکن کا خطاب :

منقول ہے کہ سلطان المشائخؒ کا جذبۂ حصولِ علم اور علم اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ تیز طبع طالب علموں اور کامل دانشوروں میں مشہور ہو گئے اور لوگ "مولانا نظام الدین بحاث و محفل شکن" کے خطاب سے آپ کو مخاطب کرنے لگے اور ہر علم میں حظِ کامل اور دستگاہ کلی حاصل کی ۔ جب علمِ فقہ اور حصولِ فقہ میں پورا عبور حاصل کر لیا ، علم اور فضیلت کے علم کو شروع کیا اور مولانا شمس الملت والدین دامغانی سے کہ جو سلطان المشائخؒ کے دوست اور ہم سبق تھے اور کاتب الحروف کے نانا تھے اور علم و فضل میں اپنے عہد کے یگانہ روزگار تھے ، بہت سے شہر کے اساتذہ ان کے شاگرد تھے ، اس علم کا آغاز کیا اور "مقاماتِ حریری" کے چالیس مقامے یاد کیے ۔ جب اس علم میں کمال حاصل کر لیا تو پھر علمِ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو شروع کیا ۔ چالیس مقامے "مقاماتِ حریری" حفظ کرنے کا کفارہ اس طرح ادا کیا کہ "مشارق الانوار" کو حفظ کیا اور مولانا کمال الدین زاہد سے ، جو اپنے عہد کے بڑے عالم

و زاہد تھے اور علم حدیث و روایات میں بے نظیر اور یگانۂ عصر تھے ۔ "مشارق الانوار" پر بحث کرکے اس علم کے غوامض کو حاصل کیا اور صحت سند، واقعات و روایات کی انتہائی تحقیق کی ۔

نکتۂ چہارم

حدیث کی بعض باریک باتوں کی طرف جن کے متعلق سلطان المشائخ نے کچھ فرمایا

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ میں نے مولانا وجیہ الدین پائلی سے پوچھا کہ حدیث میں ہے کہ :

اصنعوا کل شیٔ الا النکاح ۔

[ہر چیز کو کرو سوائے نکاح کے ۔]

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح حرام ہے ۔ مجھے بتائیے کہ اس کا مطلب کیا ہے ؟ میری یہ بات سن کر مولانا وجیہ الدین پائلی کچھ دیر سوچتے رہے ۔ پھر فرمایا کہ پہلے آپ بیان کیجیے کہ آپ نے کیا سمجھا ہے ؟ میں نے عرض کیا کہ صحابۂ کرام رض نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جب عورتیں حائضہ ہو جائیں تو کیا ہم اُن کا بستر علیحدہ کر دیں ؟ اس کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے ؟ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا : اصنعوا کل شیٔ الا النکاح ۔ آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کمر کے نچلے حصے میں مت آؤ اور اُوپر کے حصے میں تم تصرف کر سکتے ہو ۔

فرماتے تھے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

صوموا الشھر و سرہ ۔

[روزہ رکھو اوّل مہینے کا اور آخر مہینے کا ۔]

قاضی محی الدین کاشانی[۳] نے [۱۰۲] فرمایا کہ یہ حدیث غرائب سے معلوم ہوتی ہے اور اس کی باریکیوں کو غوامض حدیث سے استعارہ کرتے ہوئے فرمایا :

لفظ شہر اصل میں مہینے کے پہلے دن کو کہتے ہیں ، جس کو

غرہ بھی کہتے ہیں - پھر پہلے دن کے نام پر پورے مہینے کا یہ نام مشہور ہوگیا ، بسبب غلبۂ استعمال و تحقیق کے اس جگہ شہر سے مہینے کا روز اوّل مراد ہے ، بوجہ عطف کرنے کے شہر کو "سر" پر اور سر مہینے کے روز آخر کا نام ہے - کہا جاتا ہے سرار الشہر اوغرہ' (مہینے کا آخری دن ختم ہو گیا) -

فرماتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی منجملہ حدیثوں کے ایک حدیث یہ ہے :

من قتل معاهداً لم یرح رائحة الجنه ان ریحها یوجد من منزلة خمس مائة عام -

[جس نے کسی ذمی کو قتل کیا ، وہ جنت کی خوشبو کو نہ پا سکے گا ، بے شک جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے آتی ہے -]

ظاہراً یہ حدیث مذہب اہل سنت و جماعت کے مخالف ہے ، لیکن اس حدیث کی تاویل کی گئی ہے - وہ تاویل یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے سے قبل میدان حساب میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بہشت کی خوشبو کی ہوائیں چلتی ہیں ، تا کہ مومنوں پر حساب دینا آسان ہو - پس جس کسی نے کہ ذمی کو قتل کیا ہوگا ، اس کو وہ خوشبو سختی حساب کی وجہ سے نہیں آئے گی - پھر بساختہ آپ کی زبان مبارک پر یہ شعر آیا :

بیت

بادے کہ سحر گہ ز سر کوئے تو آید
جانہاش فدا باد کزو بوئے تو آید

اس کے بعد آپ پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ آپ مغلوب ہو گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ : میرے شیخ کا یہ انعام ہے کہ وہ خوشبو آج بھی اس محلس میں موجود ہے - اس مجلس میں قاضی محی الدین کاشانی اور دوسرے عزیز موجود تھے - آپ نے یہ حدیث پڑھی :

اذا اکل احدکم طعاماً فلا یمسح یدیه حتیٰ یلعقها او یلعقها -

[جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اُس وقت تک ہاتھ نہ پونچھے یہاں تک کہ ان کو چاٹ لے -]

فرمایا کہ "یلشمیقہا و یلشمقہا" ۔ بعض شارحین حدیث نے اسے اسی طرح لکھا ہے البتہ یلطقہا غلط ہے ۔ اس خیال سے کہ الحاق متعدی ہے ، لیکن یہی نہیں کہ یہ فعل صرف متعدی آیا ہے ، بلکہ لازم بھی آیا ہے ، جیسا کہ اولئک هم المفلحون و اشرقت الارض بنور ربها ۔ یلشمقہا او یلشمیقہا میں (۱۰۳) یہ شک راوی کا ہے ۔ دونوں لفظوں کے معنی ایک ہی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں سننا ضروری شرط ہے ۔

نیز فرمایا کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ۔

حبب الی من دنیا کم ، ثلاث ، الطیب والنساء و قرۃ عینی فی الصلوٰۃ ۔

[تمہاری دنیا کی چیزوں میں مجھے تین چیزیں پسند ہیں ۔ خوشبو ، عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے ۔]

پھر فرمایا ، مقصود النساء سے مراد حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اپنی بیویوں میں سب سے زیادہ میلان ان کی طرف تھا ۔ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ سے مراد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں کہ اس گھڑی وہ نماز میں تھیں ۔

پھر فرمایا کہ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مقصود نماز ہے ، لیکن اگر نماز مقصود ہوتی تو حدیث میں ان دونوں چیزوں سے پہلے نماز کا ذکر ہوتا ۔

پھر فرمایا کہ خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیقؓ ، عمر خطابؓ عثمانؓ اور علی رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موافقت میں تین تین چیزوں کا ذکر کیا ۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام نے باری تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچایا کہ میں بھی تین چیزوں کو پسند کرتا ہوں ۔ تائب نوجوان کو ، رونے والی آنکھ کو اور اس دل کو جس میں خشیت الٰہی ہو ۔

فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بہت سی جگہ فرمایا ہے ، جو شخص ایسا کرے گا وہ کل قیامت کے دن بہشت میں میرے ساتھ یک جا ہوگا ۔ اس حدیث کو بیان کرتے وقت رسول اکرمؐ نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ فرمایا اور کہا ان انگلیوں کی مانند ۔

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ جو درجہ میرا درجہ ہوگا ، وہی اس شخص کو دیا جائے گا ۔ سب لوگوں کی انگلیوں میں بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے لمبی ہوتی ہے ، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دونوں انگلیاں برابر نہیں ۔

فرماتے تھے کہ میری ایک بھانجی تھی ۔ اس کی شادی ایک ایسے شخص سے ہوئی جو اچھا آدمی نہیں تھا ۔ میری والدۂ ماجدہ نے مجھ سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ ان دونوں میں خلع ہو جائے ۔ میں نے عرض کیا کہ جو آپ کا ارشاد ہو ، میں اُس کی تعمیل کروں گا ۔ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ شیخ نجیب الدین متوکل رحمہ اللہ علیہ تمہارے گھر آ رہے ہیں ۔ میں نے خواب ہی میں والدہ سے کہا کہ شیخ کے لیے کچھ کھانا تیار کیجیے ۔ والدہ نے فرمایا کہ ہمارے گھر میں کچھ کھانے کے لیے نہیں ہے ۔ اسی درمیان میں میں نے سنا کہ پیغمبر صلی اللہ و آلہ وسلم ایک جماعت کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں ۔ میں نے قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور عرض کیا کہ میرے گھر تشریف لے چلیے ۔ کہا ، کیا کروگے ؟ [م ۱۰۰] میں نے عرض کیا کہ کھانا پیش کروں گا ۔ فرمایا ، تمہارے گھر میں کھانا کہاں ہے ۔ ابھی تو تم اپنی والدہ سے کھانے کے لیے کہہ رہے تھے ۔ میں سخت شرمندہ ہوا ، میں نے عرض کیا ، یا رسول اللہ ، میں چاہتا ہوں کہ آپ کی زبان مبارک سے کوئی حدیث سنوں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

کل امرۃ تزوجت بزوج و طلبت الفرقہ منہ قبل مضی سنتین و نصف سنۃ فھی ملعونہ ۔

[جس عورت نے کسی مرد سے شادی کی اور اُس نے اپنے شوہر سے ڈھائی سال گزرنے سے قبل جدائی چاہی ، تو وہ ملعونہ ہے ۔]

جب میں بیدار ہوا ، تو میں اپنی بھانجی کے معاملے پر غور کرنے لگا ۔ صبح کو میں نے یہ قصہ اپنی والدہ سے بیان کیا ۔ پھر میں نے اُن سے کہا کہ چند روز صبر کیجیے تاکہ تاریخ نکاح سے ڈھائی سال گزر

چاہیے ، بعدہٗ ہم نے صبر کیا ۔ ابھی یہ مدت گزرنے نہ پائی تھی کہ وہ
داماد نیک اور طبیعت کے مطابق ہو گیا ۔

سند مولانا کمال الدین زاہد :

الغرض مولانا کمال الدین زاہد نے علم حدیث پڑھانے کا اجازت نامہ
"مشارق الانوار" کے ضمن میں لکھ کر دیا کہ سلطان المشائخ نے یہ
حدیثیں اُن سے سنی ہیں ۔ کاتب الحروف نے اس کی نقل اس کتاب میں کی
ہے ، وہ یہ ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لمن له الاهتداء والاعطاء و الصباح والرواح والمدح
لمن له الآلاء والنعماء والصباح والمداح والصلوٰة الفصاح على
ذى الفضائل السماء والكلمة والكلام المفتاح واصحاب العلياء والاحاديث
الصحاح صلواة تدوم دوام الصباح والرواح ـ

و بعد فان الله تعالى وفق الشيخ الامام العالم الناصح السالك
نظام الدين محمد بن احمد بن على مع وفور فضله فى العلم و بلوغ
قدره ذروة الحلم مقبول المشائخ الكبار ، منظور العلماء الاخيار والابرار
بان قرأ هذا الاصل المستخرج من الصحيحين على ساطر [ه۱۰،
هذه السطور فى زمن الربيع الحار و درور الامطار من اوله الى
آخره قراءة بحث و اتقان و تنقيح معانيه و تقرير مبانيه و كاتب السطور
يرويه قراءة و سماعاً عن الشيخين الامامين العالمين الكاملين
احد الشيخين مؤلف شرح آثار النيرين فى اخبار الصحيحين ـ والآخر
صاحب المدرستين المنيرتين الامام الاجل الكامل مالک رقاب النظم
والنثر برهان الملة والدين محمود بن ابى الحسن اسعد البلخى رحمة الله
عليهما رحمة واسعة كتابة و شفاهة وهما يرويانه عن مؤلفه و اجزت له ان
يروى عنى كما هو المشروط فى هذا الباب والله اعلم بالصواب ـ و اوصيته
ان لا ينسانى و اولادى فى دعواته فى خلوته، و صح له القرأة والسماع
فى المسجد المنسوب الى نجم الدين ابى بكر التوالسى رحمة الله عليه فى
بلدة دهلى صانها الله عن الآفات والعاهات و هذا خط اضعف العباد و
احقر خلقه، محمد بن احمد بن محمد المارِيكلى الملقب بكمال الزاهد والفراغ

من القراءة والسماع و كتب هذه السطور فی الثانی والعشرین من ربیع الاوّل سنة تسع و سبعین و ستمائة حامداً للہ تعالیٰ و مصلیاً علی رسولہؐ ۔

[تمام حمد و ثنا خاص اس ذات کے لیے ہے کہ جس کی صفت رہنمائی اور بخشش ہے اور صبح و شام اُس کے حکم سے ہے ۔ ستائش و تعریف خاص اس کے لیے ہے ، جس کے قبضۂ قدرت میں تمام نعمتیں اور صبح اور شام ہے ۔ بے انتہا تعریف اور رحمت ان پر ہو جو صاحبِ فضائل اور صاحبِ نکات ہیں اور اُن کا کامہ و کلام بمنزل کنجی کے ہے اور ان کے مناقب بڑے ہیں ۔ جن کی حدیثیں صحیح ہیں ، ان پر دائمی سلام ہو ، جو صبح و شام کی طرح پائیدار ہو ۔]

ثنا و صلٰوۃ کے بعد واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بزرگ امام دانا ، اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنے والے اور حق کی راہ پر چلنے والے نظام الدین محمد بن احمد بن علی بخاری کو یہ توفیق دی کہ باوجود علم و فضل کی کثرت اور بلاغت و قدرت کے کمال اور حلم کے مرتبے اور مشائخ کبار کے مقبول اور علمائے نیکوکار کے منظور ہونے کے ، ان تمام باتوں کے باوجود اُس نے یہ اصل (کتاب ''مشارق الانوار'') جو ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کا نچوڑ ہے ۔ ان سطور کے لکھنے والے (مولانا کمال الدین زاہد) سے شروع سے لے کر آخر تک انتہائی محنت و کوشش سے پڑھی اور اُس پر بحث کرکے تنقیح کی اور اس کے معانی اور بنیاد کی اچھی طرح چھان بین کی ۔

ان سطور کے لکھنے والے نے یہ کتاب دو شیوخ پیشوا ، دانا اور کاملین سے پڑھی اور سنی ۔

اُن میں سے ایک ''آثارالنّیّرین'' کی شرح کا جامع ہے ۔ دوسرا صاحب دو درس یعنی صاحبِ علم ظاہر و باطن اور صاحبِ دو منبر یعنی علمِ شریعت و علمِ طریقت کا واعظ ہے ، جو عظیم پیشوا ، نہایت کامل اور نظم و نثر پر پورے طور پر قادر ہے اور ملت و دین کی دلیل ہے یعنی محمود ابی الحسن اسعد بلخی رحمۃ اللہ علیہ ۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں شیوخ پر بہت سی رحمتیں نازل کرے ۔ یہ دونوں اس کتاب کی روایت اس کے لکھنے والے اور جمع کرنے والے سے کرتے ہیں ۔

میں اس (سلطان المشائخ) سے اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ مجھے اور میری اولاد کو اپنی دعاؤں کے وقت اپنی تنہائیوں میں فراموش نہ کرے۔

اس نے یہ کتاب مجھ سے اس مسجد میں پڑھی جو نجم الدین ابی بکر التوانسی سے منسوب ہے۔ یہ مسجد شہر دہلی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شہر کو آفات اور گزند سے محفوظ رکھے۔

یہ تحریر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے حقیرتر اور اس کے بندوں میں سے ضعیف تر محمد بن احمد بن محمد الماریکلی الملقب بہ کمال زاہد کی ہے۔ ان سطور کا ترجمہ لکھا، سنا اور پڑھنا ۲۲ ربیع الاول ۶۷۹ھ (۱۲۸۰ء) کو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر درود پڑھتے ہوئے ختم ہوا۔]

مولانا کمال الدین زاہد اور بلبن :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ مولانا کمال الدین زاہد علم و کمال [۱۰۶]، زہد و تقویٰ سے متصف اور مشہور تھے۔ اُن کی دینداری و صلاحیت، علم و عمل کی شہرت سلطان غیاث الدین بلبن انار اللہ برہانہٗ تک پہنچی۔ سلطان بلبن کو یہ تمنا ہوئی کہ مولانا زاہد کمال الدین کو اپنا امام مقرر کرے۔ اس لیے اُس نے آپ کو طلب کیا۔ جب مولانا بادشاہ کے پاس گئے، تو بادشاہ نے ان سے کہا کہ مجھے آپ کے کمال علمی اور دیانت و امانت سے بے حد عقیدت ہے۔ اگر آپ ہماری امامت قبول فرمائیں تو آپ کا بے حد کرم ہوگا اور مجھے بارگاہ رب العزت میں اپنی نماز کے قبول ہونے کا یقین واثق ہوگا۔ مولانا نے جواب دیا کہ اب لے دے کر ہمارے پاس سوائے نماز کے کچھ باقی نہیں۔ کیا بادشاہ چاہتا ہے کہ یہ بھی ہم سے لے لے۔ مولانا کے اس دینی شدت کے جواب کو سن کر بادشاہ خاموش ہوگیا اور سمجھ گیا کہ یہ بزرگ امامت قبول کرنے والے نہیں۔ بادشاہ نے مولانا سے معذرت کر کے ان کو واپس کر دیا۔

بابا فرید گنج شکرؒ سے تعلیم :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ میں نے چھ پارے کلام اللہ کے اور تین کتابیں، جن میں سے ایک میں میں قاری تھا اور دو کتابیں شیخ شیوخ العالم کے حلقۂ درس میں سنیں، چھ باب ''عوارف'' کے اور ابو شکور

سالمی کی "تمہید" میں نے تمام کی تمام شیخ شیوخ العالم سے پڑھی ، چنانچہ سبق کی اجازت دینے کا اجازت نامہ اور خلافت نامے کے ساتھ سلطان المشائخ کے لیے ، جو شیوخ العالم زبانی ارشاد فرماتے جاتے تھے اور مولانا بدرالدین اسحاق نے لکھا تھا ، سلطان الاولیاء کے نکتۂ بیان خلافت میں بعینہٖ درج ہے ، جو اپنے موقع پر اہلِ دل کی نظروں سے گزرے گا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ

نکتۂ پنجم

سلطان المشائخ کے اجودھن جانے اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدینؒ سے مرید ہونے کے بارے میں

سلطان المشائخ کی بیعت اور حلقِ راس :

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میرے قلب میں زمانۂ طالب علمی میں حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الدین نوراللہ مرقدہ کی قدم بوسی کی تمنا غالب ہوئی ، چنانچہ میں اجودھن گیا ۔ بدھ کا دن تھا ۔ میں نے آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ میں نے سب سے پہلے جو الفاظ آپ کی زبانِ مبارک سے سنے ، وہ یہ شعر تھا :

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

بعد ازآں میں نے چاہا کہ میں اپنے اشتیاقِ ملاقات کو آپ سے تفصیل سے بیان کروں ، لیکن آپ کا رعب مجھ پر غالب رہا ۔ صرف اس قدر عرض کر سکا کہ مجھے آپ کی قدم بوسی کا نہایت اشتیاق تھا ۔ [۱۰۷] مجھے مرعوب پا کر آپ نے فرمایا کہ :

لکل داخل دھشۃ ۔

[ہر نئے آنے والے پر دہشت غالب ہوتی ہے ۔]

بیعت :

میں نے اُسی روز آپ سے بیعت کی ، لیکن میرا ارادہ سر منڈانے کا نہ تھا ، کیونکہ سر منڈا کر مجھے طالب علموں میں جاتے ہوئے شرم آتی

تھی ، لیکن دوسرے روز میں نے دیکھا کہ ایک شخص مرید ہونے کے لیے آیا ۔ مولانا بدرالدین اسحاق نے اس کا سر مونڈا ، تو میں نے دیکھا کہ جب ان کو سر مونڈ کر اندر سے باہر لائے تو اُن سے ایک نور ظاہر ہوتا تھا ۔ میرے دل میں خواہش ہوئی کہ میں بھی سر منڈواؤں ۔ میں نے مولانا بدرالدین سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ۔ مولانا بدرالدین نے شیخ شیوخ العالم سے عرض کیا ۔ حکم ہوا کہ اسی وقت اس کا سر مونڈو ، چنانچہ فوراً میرا سر مونڈا گیا ۔

جماعت خانے میں قیام :

پھر شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ اس غریب طالب علم کے لیے جماعت خانے میں چارپائی کا انتظام کرو ۔ جب میرے لیے جماعت خانے میں چارپائی بچھا دی گئی تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں ہرگز چارپائی پر نہ سوؤں گا ، کیونکہ کیسے ہی عزیز مسافر ، کلام اللہ کے حفاظ ، بارگاہ رب العزہ کے عشاق زمین پر لیٹ رہے ہیں ۔ میں اُن کے سامنے کس طرح چارپائی پر لیٹ سکتا ہوں ۔ کسی نے میرے اس خیال کی اطلاع مولانا بدرالدین اسحاق تک پہنچائی ۔ مولانا نے فرمایا ، اس سے کہو کہ تم اپنی من مانی کروگے یا شیخ کے فرمان پر چلوگے ۔ میں نے عرض کیا کہ میں شیخ کے حکم پر چلوں گا ۔ مولانا بدرالدین نے فرمایا ، تو جاؤ چارپائی پر سوؤ ۔

بیعت کے وقت سلطان المشائخ کی عمر :

سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ جب آپ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین طیب اللہ مرقدہ کی بیعت سے مشرف ہوئے تو اُس وقت آپ کی عمر کیا تھی ؟ فرمایا بیس سال ۔

بیعت ہونے کے بعد میں نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ میرے متعلق کیا حکم ہوتا ہے ۔ اب میں تعلیم کو جاری رکھوں یا اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاؤں ؟ فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے نہیں روکتا ۔ وہ بھی کرو ، یہ بھی کرو ، یہاں تک کہ ان میں سے ایک غالب آ جائے ۔ پھر فرمایا کہ درویش کے لیے تھوڑا سا علم درکار ہے ۔

شیخ کی حیات میں اور وفات کے بعد اجودھن میں حاضری کی تعداد :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ میں شیخ شیوخ العالم کبیر کی زندگی میں تین مرتبہ یعنی ہر سال میں ایک بار اور آپ کی وفات کے بعد سات مرتبہ یا چھ مرتبہ اغلب گمان یہ ہے کہ سات مرتبہ اجودھن گیا ہوں ، جیسا کہ میرے دل میں ہے کہ میں آپ کی حیات اور وفات میں سب ملا کر دس مرتبہ اجودھن آپ کی خدمت میں گیا ہوں ۔

پھر فرمایا کہ شیخ جمال الدین ہانسوی سات بار ہانسی سے گئے ہیں اور شیخ نجیب الدین متوکل اُنیس بار گئے ہیں ، [۱۰۸] جیسا کہ شیخ نجیب الدین متوکل کے حالات میں تحریر کیا گیا ہے ۔

نکتۂ ششم

سلطان المشائخ کے بیعت ہونے کے بعد دہلی میں تشریف لائے اور وہاں آپ نے کن کن مقامات پر سکونت اختیار کی اور غیاث پور میں کس طرح تشریف لائے

کاتبِ حروف نے اپنے والد سیّد مبارک محمد کرمانی سے سنا تھا کہ اجودھن سے آنے کے بعد چند سال تک سلطان المشائخ شہر (دہلی) میں رہے ۔ چونکہ آپ کا کوئی ذاتی گھر نہ تھا ، اور کوئی گھر آپ کی ملکیت نہیں تھا ، اس لیے آپ نے تمام عمر کوئی مکان اپنی مرضی سے اختیار نہیں کیا ۔

سرائے نمک :

جب آپ بدایوں سے دہلی آئے تو ایک سرائے میں ، جو بازار میں تھی اور ''سرائے نمک'' کے نام سے مشہور تھی ، ٹھہرے اور اپنی والدہ اور ہمشیرہ کو بھی وہیں رکھا اور آپ اُس سرائے کے سامنے ایک کمان ساز کے گھر میں رہے ۔ امیر خسرو کا مکان بھی اُسی محلے میں تھا ۔

راوت عرض کا گھر :

چند دنوں کے بعد روات عرض کا گھر خالی ہوا ، جو امیر خسرو کے نانا تھے ، ان کے بیٹے اپنے مقاطع میں چلے گئے تو سلطان المشائخ اُن کے گھر میں منتقل ہوگئے ۔ سلطان المشائخ تقریباً دو سال اُس گھر میں رہے ۔

یہ گھر قلعۂ دہلی کے متصل دروازہ سندہ پل کے اتنا قریب تھا کہ قلعے کا ایک برج اس گھر کی عمارت میں آ گیا تھا۔ اس مکان کی منزلیں اور چھجے بہت بلند ہیں۔

میرے دادا سید محمد کرمانی بھی اجودھن سے اپنے خاندان سمیت آئے، اور سلطان المشائخ کے ہمراہ اسی مکان میں ٹھہرے۔ اس گھر میں تین منزلیں تھیں۔ پہلی منزل میں سید محمد کرمانی اپنے خاندان کے ساتھ رہتے تھے۔ دوسری منزل میں سلطان المشائخ رہتے تھے اور تیسری میں مرید و عقیدت مند رہتے تھے اور اسی منزل میں کھانا وغیرہ پکتا تھا۔

میرے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ اُن دنوں میرے اور مسر کے سوا کوئی خدمت گار نہ تھا۔ میں اور مسر اُس وقت چھوٹے تھے۔ افطار کا انتظام کاتب حروف کی دادی جو شیخ شیوخ العالم سے بیعت تھیں کرتی تھیں اور افطار کے وقت میرے دادا بزرگوار، جو حضرت شیخ شیوخ العالم فریدالدین کی بیعت سے مشرف تھے، کھانا لے کر جایا کرتے تھے، جو کہ سلطان المشائخ کے ہم خرقہ بھی تھے۔ لیکن خدمت وضو کرانے کی خاص اور استنجے کے ڈھیلے وغیرہ مہیا کرنے کی خدمت میرے والد کے سپرد تھی، فرماتے تھے کہ یہ خدمتیں میں انجام دیتا تھا۔

الغرض تھوڑے دن کے بعد رواتِ عرض کے بیٹے اپنی مقاطع سے واپس آئے اور اُنھوں نے اپنا مکان خالی کرانا چاہا اور سلطان المشائخ کو اتنا موقع نہ دیا کہ وہ کوئی دوسرا مکان تلاش کر لیں اور مکان کے خالی کرانے میں اپنے حکومتی اثرات کو استعمال کیا۔

چھپر والی مسجد:

سلطان المشائخ (رحمۃ اللہ علیہ) فوراً اُس مکان سے نکلے۔ میرے والد بزرگوار نے سلطان المشائخ کی کتابیں، جن کے سوا گھر میں کوئی اور سامان نہ تھا، سر پر اُٹھائیں اور سراج بقال کے گھر کے سامنے والی مسجد میں، جو چھپر والی مسجد مشہور تھی، لا کر رکھیں۔ ایک رات سلطان المشائخ اُس مسجد میں رہے۔

کاتبِ حروف کے دادا سید محمد کرمانی نے اپنے خاندان کے ساتھ وہ رات مسجد کی دہلیز میں بسر کی۔

سعد کاغذی کا گھر :

دوسرے روز سعد کاغذی کو ، جو شیخ صدرالدین کے مریدوں میں تھا ، یہ حال معلوم ہوا ۔ وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت الحاج و زاری کرکے بصد عزت و احترام آپ کو اپنے گھر لے گیا ۔ اس کے گھر کی بالائی منزل میں آپ فروکش ہوئے اور میرے دادا سیّد محمد کرمانی کے ٹھہرنے کا انتظام دوسری جگہ کیا ۔ سلطان المشائخ ایک ماہ اس کے گھر میں رہے ۔

رکابدار کی سرائے :

پھر آپ اس مکان سے اٹھ کر پل قیصر کے قریب رکابدار کی سرائے میں ایک گھر تھا ، اس میں مقیم ہوئے ۔ میرے دادا سیّد محمد کرمانی بھی اپنے خاندان کے ساتھ سرائے کے ایک حجرے میں مقیم ہوئے ۔

شادی گلابی کا گھر :

کچھ مدت کے بعد وہاں سے اٹھ کر شادی گلابی کے گھر میں جو محمد میوہ فروش کی دکانوں کے درمیان تھا ، اس مکان میں رہے ۔

شمس الدین شراب دار کا مکان :

اسی زمانے میں شمس الدین شراب دار[1] کے اعزہ و اقربا ، جو سلطان المشائخ کے معتقد تھے ، سلطان المشائخ کو نہایت تعظیم و تکریم سے شمس الدین شراب دار کے گھر لے گئے ۔ سالہا سال سلطان المشائخ اس گھر میں رہے ۔ راحت اور جمعیت خاطر کے دروازے اسی گھر میں کھلے ۔ اجودھن سے جو معتقد آتے ، وہ سلطان المشائخ سے اسی گھر میں ملاقات کرتے ۔

خواجہ محمد نعلین دوز کی دعوت :

اسی جگہ ایک اور بزرگ صاحب نعمت ، جنھیں لوگ خواجہ محمد نعلین دوز کہتے تھے ، رہتے تھے ان کی انگلیاں ہمیشہ جوتوں کے رنگ سے رنگی

۱۔ شراب دار : ایک عہدہ تھا ، جس کے سپرد بادشاہ کو پانی پلانے کا کام تھا ۔

رہتی تھیں ، ان کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے تھی ۔ اس بزرگ نے سلطان المشائخ کی دعوت کی اور دو تین دوسرے عزیزوں کو بھی بلایا ۔ صحنک میں کھچڑی مہمانوں کے سامنے لائی گئی ۔ کھچڑی میں نمک تیز تھا ۔ مہمانوں نے نمک تیز ہونے پر باتیں شروع کیں ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ یارو اسے کچھ مت کہو ، اس عزیز کے گھر تھوڑا سا نمک تھا ، وہی اس نے پکا کر رکھ دیا ہے اور تمہارے سامنے لایا ہے ۔

راوت عرض کے گھر کا انجام :

الغرض جب سلطان المشائخ ۰۰۰ راوت عرض کے گھر سے اٹھ کر چھپر والی مسجد میں آئے ، اسی رات راوت عرض کے گھر میں آگ لگی اور یہ عالی شان عمارت اور لا جواب بالا خانے زمین پر آ رہے ۔

الغرض جس گھر میں بھی سلطان المشائخ رہتے تھے ، کاتب حروف کے دادا سید محمد کرمانی اپنے خاندان سمیت آپ کے ساتھ رہتے تھے ۔

غیاث پور کی سکونت :

سلطان المشائخ کو اس زمانے میں شہر میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا ۔ چنانچہ سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ قدیم زمانے میں میرا دل اس شہر میں رہنے کو نہ چاہتا تھا ۔ ایک دن میں قتلغ خان کے حوض پر گیا ۔ اس زمانے میں میں قرآن حفظ کر رہا تھا ۔ میں نے وہاں ایک درویش کو دیکھا ، عبادت الٰہی میں مشغول تھا ۔ میں اس کے پاس گیا ۔ میں نے اس سے پوچھا ، کیا تم اس شہر کے رہنے والے ہو ؟ اس نے جواب دیا ، ہاں ۔ پھر میں نے اس سے کہا ، کیا تم خوش دلی کے ساتھ اس شہر میں رہ رہے ہو ؟ اس نے جواب دیا ، نہیں ۔ پھر اس درویش نے ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ایک دن ایک عزیز درویش کو کمال دروازے کے باہر خندق کے کنارے ، جو دروازۂ کمال زہبی کے قریب ہے ، جہاں ایک چبوترہ سا ہے ، وہیں حظیرۂ شہیداں سے دیکھا ۔ غرض کہ اس درویش نے مجھ سے کہا کہ اگر ایمان تو سلامت لے جانا چاہتے ہو تو اس شہر سے باہر چلے جاؤ ۔ میں نے اسی وقت ارادہ کیا کہ اس شہر سے باہر چلا جاؤں ، لیکن کچھ ایسے موانعات پیش آتے رہے کہ میں اس شہر سے نہ جا سکا ۔ بعض سال گزر چکے ، میرا ارادہ چلا جا رہا ہے لیکن میں جا نہیں سکتا تھا ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے ، جب میں نے یہ بات اُس درویش سے سُنی تو میں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ اب میں اس شہر میں نہ رہوں گا۔ میرا دل کئی جگہ جانے کو چاہتا تھا۔ کبھی سوچتا تھا کہ قصبہ پٹیالی میں رہوں کہ اس زمانے میں وہاں ایک تُرک رہتا تھا۔ آپ کا مقصد اس تُرک سے امیر خسرو تھے۔ کبھی میرا خیال ہوتا تھا کہ میں بسنالہ چلا جاؤں کہ یہ موضع قریب ہے۔ الغرض میں بسنالہ گیا۔ میں تین روز وہاں رہا۔ میں تین روز تک ایک شخص کا مہمان رہا ، لیکن مجھے کوئی کرائے کا مکان نہ مل سکا ، لہٰذا میں وہاں سے واپس آ گیا ، لیکن یہ خیال میرے دل میں برابر جاگزیں تھا۔

ایک دن میں حوض رانی پر گیا ، جو باغ حسرت میں ہے۔ میں نے وہاں خدا سے دعا کی۔ اچھا وقت تھا۔ میں نے بارگہِ خداوندی میں عرض کیا ، میں اس شہر سے جانا چاہتا ہوں ، لیکن میں اپنے رہنے کے لیے اپنی مرضی سے کسی جگہ کو پسند نہیں کرتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس جگہ رہوں جہاں تیری مرضی ہو۔ میں یہ دعا کر ہی رہا تھا کہ آواز آئی ''غیاث پور''۔ میں نے کبھی غیاث پور کو نہ دیکھا تھا اور نہ یہ مجھے معلوم تھا کہ غیاث پور کہاں واقع ہے۔ جب میں نے یہ غیبی آواز سنی تو اپنے ایک دوست کے پاس گیا۔ وہ نیشاپور کا ایک چوب دار تھا۔ جب میں اُس کے گھر گیا تو وہ گھر میں نہ تھا۔ اس کے گھر والوں نے بتایا کہ وہ غیاث پور گیا ہوا ہے [۱۱۱]۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ وہی غیاث پور ہے ، جس کی مجھے بشارت دی گئی ہے۔ الغرض میں اُس کے ساتھ غیاث پور آیا۔ میں نے یہاں آ کر سکونت اختیار کی۔ ان دنوں یہ مقام اس قدر آباد نہ تھا ، بلکہ گمنام ایک موضع تھا ، لیکن جب کیقباد نے کیلوکھری میں سکونت اختیار کی تو اُس زمانے میں یہاں لوگوں کا ہجوم رہنے لگا۔ ملوک و اُمرا یہاں آ بسے اور خلق کی کثرت تنہائی اور عبادت میں مزاحم ہونے لگی۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اس جگہ سے بھی چلے جانا چاہیے۔ میں اسی سوچ بچار میں تھا کہ اُسی دن ظہر کی نماز میں ایک خوب صورت لیکن دُبلا کمزور نوجوان آیا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ مردانِ غیب میں سے تھا یا کوئی اور تھا۔ غرض یہ کہ جب وہ

آیا تو چلی بات جو اُس نے کہی وہ یہ شعر تھے :

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواہد شد
امروز کہ زلفت دلے خلقے بربود
در گوشہ نشستنت نمی دارد سود

اس کے بعد اُس نے کہا کہ اوّل تو مشہور نہیں ہونا چاہیے ، لیکن جب کوئی مشہور ہو جائے تو اُسے ایسا مشہور ہونا چاہیے کہ کل قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہو ۔ پھر اس نے کہا کہ یہ بھی کوئی قوت اور حوصلہ ہے کہ خلق سے گوشہ گیر ہوکر حق میں مشغول ہو ۔ جواں مردی اور حوصلہ یہ ہے کہ خلق کے ساتھ مشغول رہ کر حق کے ساتھ مشغول رہو ۔

جب وہ یہ تمام باتیں کہہ چکا تو میں اُس کے لیے کچھ کھانا لے کر آیا ، لیکن اُس نے ذرا سا بھی نہ کھایا ۔ میں نے اُسی وقت نیت کی کہ اب میں یہاں سے کہیں نہ جاؤں گا ۔ جب میں نے یہ نیت کر لی تو اس وقت اُس نے کھانے میں سے کچھ کھایا اور چلا گیا ۔ پھر میں نے اس نوجوان کو کبھی نہیں دیکھا ۔

عزلت پسندی :

سلطان المشائخ ہمیشہ اس خیال پر مستقیم تھے کہ کسی مخلوق کو اُن کے ذکر و شغل کی اطلاع نہ ہو اور خلق سے بالکلیہ منقطع ہوکر حق کے ساتھ مشغول ہوں ۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایام جوانی میں میرا لوگوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تھا ، لیکن ہمیشہ یہ ملاقاتیں مجھے گراں بار ساتی تھیں اور سوچتا تھا کہ کب وہ وقت آئے گا ، جب میں ان کے درمیان سے نکلوں گا ۔ اگرچہ یہ سب کے سب طالب علم تھے ، لیکن ان کے ساتھ بحث میں مشغولی بارہا میرے لیے نفرت کا باعث ہوتی تھی اور میں بار بار اُن سے کہتا تھا کہ میں چند روز تمہارے یہاں مہمان ہوں مگر میں تمہارے درمیان نہ رہوں گا ۔

لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی یہ کیفیت شیخ شیوخ العالم سے مرید ہونے سے پہلے تھی ؟ فرمایا ہاں ۔ پھر فرمایا کہ دوسرا جذبہ مجھ میں

تبدیلیِ مکان کا تھا ۔ میرا دل ایک جگہ قرار نہیں پاتا تھا ، یہاں تک کہ جب تک مجھے غیب سے حکم نہیں ہو گیا ۔

سلوک و طریقت کے مراتب کو اس حد تک [۱۱۲] چھپاتے تھے کہ فرماتے تھے ، میں نے ابتدائی زمانے میں آنے والوں سے سنا کہ شیخ خضر پارہ دوز کی خانقاہ بہار میں درویشوں کی خدمت میں بڑی شہرت رکھتی ہے ۔ میں نے پختہ ارادہ کیا کہ میں بہار چلا جاؤں اور خانقاہ کے درویشوں اور خانقاہ کے خادموں کے بچوں کو تعلیم دوں ۔ چند دن کے بعد وہاں سے کچھ لوگ آئے ۔ شیخ خضر نے اُن کے ذریعہ سے جو خط مجھے بھجوایا اس میں میرے اخلاق و سیرت کی بے حد تعریف کی گئی تھی ۔ میں سمجھ گیا کہ شیخ خضر نے مجھے نے پہچان لیا ۔ اب میں وہاں نہ جاؤں گا ۔

فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حلیرہ جا رہا تھا ۔ راستے میں مجھے چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں نظر آئیں ۔ اُن کو دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ اگر کسی کو اس قدر بھی جھونپڑی مل جائے تو بہتر ہے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ابتدائی زمانے میں میرے دل میں کبھی کبھی خیال آتا کہ مردانِ غیب سے میری ملاقات ہو جائے ۔ پھر میں نے سوچا کہ یہ بھی کوئی تمنا ہے ، اس سے بہتر کوئی تمنا کرنی چاہیے ۔

نیز فرمایا ، مردانِ غیب پہلے آواز دیتے ہیں اور باتیں سناتے ہیں ، پھر ملاقات کرتے ہیں ، پھر لے جاتے ہیں ۔ آخر میں فرمایا وہ مقام بھی کتنی راحت اور سکون کا ہے ، جہاں وہ کسی کو لے جاتے ہیں ۔

نکتۂ ہفتم

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے ان مجاہدوں کے بارے میں ، جو ابتدائی زمانے میں کیے

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ میں شیخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ساتھ کشتی میں بیٹھا ہوا تھا اور تمام مریدین و معتقدین حاضر تھے ۔ گرمی کا زمانہ تھا ۔ معتقدین و مریدین پر نعمہ اُٹھا کر آپ پر سایہ کرتے تھے ، یہاں تک کہ قیلولے کا وقت ہو گیا ۔ تمام مریدین و معتقدین سو گئے ۔ یہ دعا گو آپ کے قریب بیٹھا ہوا مکھیاں اُڑا رہا تھا کہ آپ نے پوچھا کہ یہ سب کہاں ہیں ؟ میں نے عرض کیا کہ سو رہے ہیں ۔

فرمایا ، میرے پاس آؤ تاکہ میں تم سے ایک بات کہوں ۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تم دہلی جاؤ تو مجاہدے کرنا ۔ بیکار بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں ۔ روزہ رکھنا نصف دین ہے اور دوسرے اعمال جیسے نماز و حج نصف دین ہے ۔

مولانا بدرالدین اسحاق نے فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم کا یہ سفر تمھارے لیے تھا ، یعنی اس سفر میں شیخ شیوخ العالم کی عنایت سے تم نے بڑی نعمتیں حاصل کیں ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ کے اس ارشاد کے بعد میرے ذوق و شوق کی یہ کیفیت تھی کہ میں بھول گیا کہ آپ سے پوچھوں کہ مجھے کون سا مجاہدہ کرنا چاہیے ۔ بعد میں نے اپنے دوستوں سے پوچھا اور مشورہ کیا اور اُن کے مشورے سے میں نے صوم دہر رکھنا شروع کیا ، لیکن چونکہ میں نے اپنے شیخ سے اس کی اجازت نہیں لی تھی ، اس وجہ سے کبھی کبھی اس میں خلل واقع ہوتا تھا ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ۶۶۳ھ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں دہ جیتل میں ایک من خربوزے ملتے تھے ۔ خربوزے کی فصل کا بڑا حصہ گزر چکا تھا ۔ میں نے خربوزہ چکھا تک نہیں تھا ، لیکن اس پر خوش تھا کہ مجھے اس کی تمنا تھی کہ اگر باقی فصل بھی خربوزہ نہ کھاؤں تو اچھا ہو ، یہاں تک کہ خربوزے کی آخری فصل میں ایک شخص چند خربوزے اور کچھ روٹیاں میرے لیے لے کر آیا ، چونکہ یہ عطاء غیب سے تھا ، میں نے اُسی دن اس فصل میں خربوزے کھائے ۔

فقر و فاقہ :

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دن رات مجھ پر گزر چکے تھے اور دوسری رات آ چکی تھی بلکہ نصف گزر چکی تھی کہ میں نے کوئی چیز نہ کھائی تھی ، حالانکہ اُس زمانے میں اس قدر سستا تھا کہ ایک جیتل میں میدے کی دو سیر روٹیاں ملتی تھیں ، لیکن میرے پاس ایک دمڑی نہ تھی کہ میں روٹی کھا سکوں ۔ میری والدہ اور میری بہن اور گھر کے دوسرے لوگ جو میری کفالت میں تھے ، سب کے سب کا یہی حال تھا ۔ اگر اس حال میں غفلتاً کوئی مصری یا شکر یا باریک کپڑا لے آتا ، تو اگرچہ اُس کے فروخت کرنے سے میری غرض حاصل ہو سکتی تھی ، لیکن

میں ایسا نہیں کرتا تھا ۔ میں ان سے کپڑے ہی بناتا اور سمجھ لیتا کہ یہ غیب سے ملا ہے ۔ یہ اس لیے نہیں کہ اس سے بھوک کو دور کیا جائے ۔

غیب سے کھچڑی کا انتظام :

شیخ نصیرالدین محمودؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے سلطان المشائخ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ میں اُس برج میں تھا جو دروازۂ مندہ کے قریب ہے ۔ مجھ پر تین روز ایسے گزر چکے تھے کہ مجھے کھانے کی کوئی چیز میسر نہ آئی تھی ۔ اچانک ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا ۔ میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا ، جاؤ دیکھو کہ دروازے پر کون ہے ۔ وہ گیا ۔ دروازہ کھولا ۔ باہر والے شخص نے کھچڑی سے بھرا ہوا پیالہ اُسے دیا اور چلا گیا ۔ میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ تم اُس آدمی کو پہچانتے ہو ؟ اُس نے کہا نہیں ۔ ہم نے وہ کھچڑی کھائی اور جو مزہ اور لذت میں نے اس خشک کھچڑی میں پایا ، آج تک وہ لذت اور مزہ مجھے کسی کھانے میں نہیں آیا ۔ ہر نعمت جو مجھے ملتی ہے آیندہ کے خیال سے کھا لی جاتی ہے ۔

خدا کی مہمانی :

میری والدہ کی عادت تھی کہ جس دن ہمارے گھر میں غلہ نہ ہوتا تھا ، تو وہ مجھ سے فرماتیں کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں ۔ مجھے ان کی اس بات میں بڑا لطف آتا تھا ۔ اتفاقاً ایک شخص ایک ٹنکہ کا غلہ ہمارے گھر لایا ۔ متواتر چند روز تک اُس سے ہمارے گھر میں روٹیاں پکتی رہیں اور میں اس فکر میں رہا کہ والدہ کب کہتی ہیں کہ ہم خدا کے مہمان ہیں ۔ یہاں تک کہ وہ غلہ ختم ہونے لگا ۔ اس وقت میری والدہ نے کہا کہ ہم خدا کے مہمان ہیں ۔ اُن کے اس فرمانے سے جو لطف اور راحت مجھے حاصل ہوئی ، میں بیان نہیں کر سکتا ۔

غذا :

کاتبِ حروف نے اپنے والد سیّد مبارک محمد کرمانی سے سنا تھا کہ فرماتے تھے کہ غیاث پور میں سلطان المشائخ کے گھر میں زلبیل کھائی جاتی تھی ۔ افطار کے وقت روٹیوں کے لکڑے ، جو اس زلبیل [۱۱۳] میں ہوتے ،

سامنے لائے جاتے ۔ سلطان المشائخ کا افطار اور ان چند لوگوں کی غذا ، جو آپ کی خدمت میں رہتے تھے ، ان ہی ٹکڑوں سے ہوتی تھی ۔

کاتبِ حروف نے اپنے چچا سید السادات سید حسن کرمانی سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ ایک درویش افطار کے وقت سلطان المشائخ کے پاس آیا ۔ زنبیل کی روٹی کے ٹکڑے دسترخوان پر رکھے ہوئے تھے ۔ آپ افطار کرنا چاہتے تھے ۔ درویش نے ٹکڑوں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ لوگ کھانا کھا چکے ہیں اور یہ بچے ہوئے ٹکڑے ہیں ۔ وہ یہ سمجھ کر اُن تمام ٹکڑوں کو اُٹھا کر چل دیا ۔ اس کی اس حرکت پر سلطان المشائخ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ابھی ہمارے نام میں برکت بہت ہے کہ ہمیں بھوکا رکھتے ہیں ۔ آپ کی متذکرہ کیفیت دو فاقے کے بعد تھی کہ وہ درویش کو غیب سے وارد ہوا ۔

سلطان جلال الدین خلجی کی سلطان المشائخ سے گاؤں قبول کرنے کی التجا :

کاتبِ حروف نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ اُس زمانے میں سلطان المشائخ کی عسرت ، تنگ دستی اور فقر و فاقے کا یہ عالم تھا کہ بعض خدمتگار فقر و فاقے کی وجہ سے نہایت تنگ آ گئے تھے اور آپ کے وہ ساتھی ، کہ جو شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدینؒ کے مرید تھے ، وہ بھی سختیوں سے گزر رہے تھے اور فاقے کر رہے تھے ۔ اس زمانے میں سلطان جلال الدین خلجی نے کچھ بطور فتوح بھیجا اور کہا ، اگر سلطان المشائخ کا حکم ہو تو آپ کے خدمت گاروں کے لیے ایک گاؤں دوں تاکہ وہ دل و جان سے آپ کی خدمت کر سکیں ، لیکن سلطان المشائخؒ نے اُسے منع فرمایا ۔ بعض خدمت گاروں اور بعض معتقدوں نے ، جو بھوک کے عذاب میں مبتلا تھے ، جب یہ بات سنی تو سب کے سب مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر یہ گاؤں مل جائے تو اچھا ہو ۔ آپ کا یہ عالم ہے کہ آپ تو پانی بھی نہیں پیتے ، لیکن ہم ان حالات کے متحمل نہیں ہو سکتے ۔ ہمارا حال بہت برا ہے ۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ اگر یہ مرید و معتقد اور خدمت گار جو یہ باتیں کہہ رہے ہیں چلے بھی جائیں تو مجھے اس کی مطلقاً پروا نہیں ، لیکن وہ اعلیٰ یار جو میرے ہمخرقہ ہیں ، انھیں اس موقع پر مجھے آزمانا چاہیے کہ آیا وہ بھی اس گاؤں کے طالب ہیں

یا نہیں ۔ اس غرض سے آپ نے کاتبِ حروف کے دادا سیّد محمد کرمانی اور بعض دوسرے اعلیٰ یاروں کو طلب کیا اور گاؤں کے لینے کے بارے میں اُن سے مشورہ کیا ۔ اُن سب نے متفقہ طور پر کہا کہ مولانا نظام الدین جو تمہارے گھر میں وقتاً فوقتاً کھانا کھایا کرتے ہیں ۔ اگر یہ گاؤں مقرر ہو گیا تو وہ تمہارے گھر کا پانی بھی نہ پئیں گے ۔ سلطان المشائخ اس صاف اور کھرے جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں دوسروں کی پروا نہیں کرتا ۔ میرا مقصد صرف تم ہو ۔ تم نے اس وقت [۱۰۵] اپنے جواب سے میرا دل خوش کر دیا ۔ الحمد للہ کہ تم دین کے کاموں میں میری مدد کرتے ہو ، دوستوں کو ایسا ہی کرنا چاہیے ۔

سلطان المشائخ کی احسان شناسی

ثقات سے منقول ہے کہ جس زمانے میں سلطان المشائخ شیخ شیوخ العالم کے پاس اجودھن میں تھے تو آپ کے کپڑے نہایت میلے اور بوسیدہ ہو گئے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے پاس صابون نہ تھا کہ کپڑے دھو سکیں ۔ ایک دن کاتبِ حروف کی دادی بی بی رانی نے آپ سے کہا کہ بھائی ! تمہارے کپڑے بہت میلے ہو رہے ہیں اور پھٹ بھی گئے ہیں ، اگر مجھے دو تو میں اُنھیں دھو بھی دوں اور پیوند بھی لگا دوں سلطان المشائخ نے نہایت لطف پیرائے میں معذرت کی ۔ لیکن میری دادی نے آپ کے عذر کو قبول نہ کیا ۔ اُنھوں نے اپنی چادر آپ کو دی اور کہا کہ اس چادر کو باندھ لو ، یہاں تک کہ میں آپ کے کپڑے دھو دوں ۔ میری دادی آپ کے کپڑے دھونے میں لگ گئیں اور سلطان المشائخ ایک کتاب لے کر گھر کے ایک کونے میں مطالعے میں مشغول ہو گئے جب کپڑے دھل گئے اور خشک ہو گئے ، پھر میرے دادا سیّد محمد کرمانی کا دستارچہ [چھوٹی پگڑی] منگایا ، اُسے دھویا اور اُس سے سلطان المشائخ کے کُرتے میں ، جو گریبان کے پاس سے پھٹ گیا تھا ، پیوند لگائے ۔ اس کے بعد سلطان المشائخ کو کپڑے دیے ۔ سلطان المشائخ نے نہایت معذرت اور شکریے کے ساتھ وہ کپڑے پہنے ، لیکن آخر عمر تک آپ اس معمولی سی بات کا لحاظ سیّد محمد کرمانی اور اُن کی اولاد کے ساتھ کرتے رہے ، جو آج تک سلطان المشائخ کے صدقے میں پرورش پاتے ہیں اور آپ کے روضۂ منوّر،

کے گرد جاں سپاری کرتے ہیں یہ ضعیف کہتا ہے :

ای بخت کو کہ یک قدم آیم سوئے تو
آں دولت از کجا کہ بہ بینم روئے تو
بوئے گل از رخت بمشامِ دلم رسد
... صبحدم بر سرِ کوئے تو ...

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں [illegible] سے [illegible] رہا تھا۔ راستے میں ایک شخص، جو سیاہ گودڑی پہنے ہوئے تھا اور سرخ سی پگڑی باندھے ہوئے تھا، مستوں کی طرح آیا۔ اس نے مجھے سلام کیا۔ بالکل دیکھنے میں مست معلوم ہوتا تھا۔ وہ مجھ سے بغل گیر ہوا اور اپنا منہ میرے سینے سے لگایا اور سونگھنے لگا۔ پھر مجھ سے آنکھ ملا کر کہنے لگا کہ مجھے یہاں سے بوئے سلطانی آتی ہے۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون شخص ہے۔

دوسری مرتبہ میں نے اسے اس وقت دیکھا کہ جب کہ جماعت خانے میں کندوری[1] کا کھانا تیار تھا۔ دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ وہ آیا اور سلام کر کے دسترخوان پر بیٹھ گیا اور چلا گیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اسے دیکھا، لیکن وہ مجھے نظر نہ آیا۔ [illegible] پھر میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس درویش نے کچھ کھایا بھی یا نہیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس نے چار روٹیاں اور کچھ شوربا ایک لکڑی کے پیالے میں ڈالا اور خانقاہ کے مقابل ایک ٹیلے پر بیٹھا اور کھا کر چل دیا۔ اس وقت تنگی کی وجہ سے ہم پر تیسرا فاقہ تھا۔ تیسری مرتبہ جب کلاکھری سے بعض عقیدت مند آ رہے تھے، ان میں سے ایک مولانا حسن بھی تھے۔ وہی درویش سفر میں انہیں ملا اور پوچھنے لگا، کہاں جا رہے ہو؟ مولانا نے جواب دیا۔ فلاں صاحب کے پاس۔ اس نے کہا کہ اس مسکین کے پاس کیا رکھا ہے۔ یہ بارہ جیتل اس کو دو۔ اس دن سے جو فتوح آنا شروع ہوئیں، اس روز پتا چلا کہ وہ مرد تھا، لیکن اس نے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا مگر تنگی کے وقت۔

۱۔ کندوری : اس کھانے کو کہتے ہیں جس پر حضرت فاطمہ زہراؓ کی فاتحہ ہوتی ہے۔ (لغات فارسی، ص ۶۱۲)

نکتۂ ہشتم

سلطان المشائخ نظام الحق والدین کی حضرت شیخ شیوخ العالم فریدالحق قدس سرہ العزیز سے خلافت اور دینی و دنیاوی نعمتیں حاصل کرنے کے بارے میں

دعا :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ابتدائی زمانے میں ، جب میں علم کے حاصل کرنے میں مشغول تھا اور مجھ پر استغراق کا غلبہ تھا ، شیخ شیوخ العالم نے مجھ سے فرمایا کہ نظام الدین ! کیا تمھیں یہ دعا یاد ہے ؟

یا دائم الفضل علی البریة یا باسط الیدین بالعطیة یا صاحب المواھب السنیة یا دافع البلاء والبلیة صل علیٰ محمد و علیٰ آلہ البررہ التقیة و اغفرلنا بالعشاء والعشیة ربنا توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین وصل علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین و علیٰ ملائکہ المقربین وسلم تسلیماً کثیراً برحمتک یا ارحم الراحمین ۔

میں نے عرض کیا کہ نہیں ۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ اس دعا کو یاد کر لو اور اسے ہمیشہ پڑھا کرو ، یہاں تک کہ میں تم کو اپنا خلیفہ بناؤں ۔ جب آپ کے حکم کے مطابق یہ دعاکو دہلی آیا تو میں دہلی سے تین بار اجودھن شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر ہوا ۔

خلافت نامہ :

ایک دن آپ نے مجھے طلب کیا ۔ یہ رمضان المبارک کی ۱۳ تاریخ اور سنہ ۶۶۹ھ (۱۲۷۱ء) تھا ۔ آپ نے فرمایا نظام ! تمھیں یاد ہے جو میں نے تم سے کہا تھا ۔ میں نے عرض کیا جی ہاں ۔ فرمایا ، کاغذ لاؤ کہ خلافت نامہ لکھا جائے ۔ چنانچہ کاغذ لایا گیا اور آپ نے خلافت نامہ لکھا ۔ بعد میں ارشاد فرمایا کہ مولانا جمال الدین[1] کو ہانسی میں اور

۱۔ مولانا جمال الدین ہانسوی : آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے جا ملتا ہے ۔ علوم ظاہری و باطنی میں جامع کمالات تھے ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

قاضی منتجب الدین[۲] کو دہلی میں یہ خلافت نامہ دکھلا لینا ، لیکن آپ نے شیخ نجیب الدین کا کوئی ذکر نہیں فرمایا ۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید آپ اُن سے ناراض ہیں لیکن جب میں دہلی پہنچا تو لوگوں نے بتایا کہ ماہ رمضان کو شیخ نجیب الدین وفات پا گئے ۔"[۱۱]

خلافت کے بعد دعا :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جس روز شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر نے مجھے خلافت سے سرفراز فرمایا ، تو آپ نے میری طرف رخ کر کے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ تم کو نیک بخت کرے ۔

اسعدک اللہ فی الدارین و رزقک علماً نافعاً و عملاً مقبولاً ۔

[تجھ کو خدائے تعالیٰ نیک کرے اور تجھ کو نفع دینے والے علم اور عمل مقبول سے سرفراز کرے ۔]

پھر فرمایا کہ تم ایسے درخت ہوگے ، جس کے سائے میں خدا کی کی مخلوق آرام پائے گی ۔ پھر فرمایا کہ تمہیں مجاہدے کرنے چاہییں تاکہ تم میں استعداد پیدا ہو ۔ جب میں دہلی واپس ہو رہا تھا اور ہانسی پہنچا تو آپ کے حسب ارشاد شیخ جمال الدین ہانسوی کو خلافت نامہ دکھایا ، جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور نہایت لطف و شفقت سے پیش آئے اور یہ شعر پڑھا :

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حضرت بابا فرید گنج شکر کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے ۔ شیخ جمال شاعر اور صاحب تصنیف بزرگ تھے ۔ ان کی تصانیف میں اُن کا فارسی دیوان اور ایک رسالہ ''مُلہمات'' کے نام سے مشہور ہے ۔ شیخ جمال نے ۶۵۹ھ (۱۲۶۰ء) میں وصال فرمایا ۔ (اخبار الاخیار ، ص ۶۸ - ۶۹ و خزینۃ الاصفیاء ، جلد اول ، ص ۵۸۵ - ۵۸۶)

۲- شیخ منتجب الدین : خلیفہ حضرت بابا فرید گنج شکر ، برادر کلاں شیخ برہان الدین غریب ، لقب زر زرین زر بخش ، وفات ، ے ربیع الاول ۶۹۵ھ (۱۲۹۶ء) ۔ (خزینۃ الاصفیاء ، جلد اول ، ص ۳۲۰)

خلافت نامہ و اجازت نامے کی نقل جس سے تمہید ابو شکور سالمی کا سبق پڑھانے کی اجازت ملی اور جو سلطان المشائخ کو شیخ شیوخ العالم کی جانب سے ملا اور جو اس کتاب میں تحریر کیا جاتا ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی قدم احسانہ علیٰ منتہ و اخر شکرہ علیٰ نعمتہ هوالاول و هوالاخر والظاهر و الباطن لا مؤخر لما قدم ولا مقدم لما اخر ولا معانی لما ابطن و لا مخفی لما اظهر و لا یکاد نطق الاوائل والاواخر علیٰ دیموتہ اعتباراً او تقابلاً ۔

والصلوٰة علیٰ رسولہ المصطفیٰ محمد و آلہ و اهل الودد والارتضیٰ و بعد فان الشروع فی الاصول یوسع دعاء الشهود و یبصر لمن یکرع منها محارو الورد علیٰ ان الطریق مخوف والعقبة لوود و نعم الکتاب فی هذا الفن تمهید المهتدی ابی شکور بردائہ مضجعہ و قد قرأ عندی الولد الرشید الامام التقی العالم الرضی نظام الملة والدین محمد بن احمد زین الائمة والعلماء مفخرالاجلة والاتقیاء اعانہ اللہ علیٰ اسعاد مرضاتہ و اناله منتویٰ رحمتہ و اعلیٰ درجاتہ سقاً بعد سبق من اولہ الی آخرہ قراة تدبر و ایقان و تیقظ و اتقان مستجمع رعایتہ سمع و درایتہ جنان وکما حصل الوقوف علی حسن استعدادہ کذلک و موز ۱۱۸ نهاءہ اجزنہ ان یدرس فیہ للمتعلمین بشرط المجانبة عن التصحف والغلط والتحریف و بذل الجد والاجتهاد فی التصحیح والتنقیح عن الزلل و عنہ المعول واللہ العالم و کان ذلک یوم الاربعاء من الشهر المبارک رمضان عظمہ اللہ برکتہ بالاشارة العالیة ادام اللہ علاها و عن الخنس حاها عررت هذہ الاسطر بعون اللہ علیٰ ید اضعف الفقیر الی اللہ الغنی اسحاق بن علی بن اسحاق الدهلوی بتشفنہ حامداً و مصلیاً فاجزت لہ ایضاً بان یروی عنی جمیع ما استفادہ و حوله و سمع ذلک منی و دعی والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ و اجزت لہ ایضاً ان یلزم الخلوة فی مسجد اقیمت فیہ الجماعة و لا یخل بشرائطها التی بها حصول الریادہ و برفضها تکون الاقدام عائلة ناصیة و ذلک تجرید المقاصد عن مفاسدها و تفرید الهمه عما تغفلها و بیان ذلک ما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کن فی الدنیا کانک غریب او کعابری سبیل و عد نفسک من اصحاب القبور الحدیث فعند ذلک صح

قصده واجتمع همته و صارت الهمم المختلفة همة واحدة فليدخل الخلوة مفترا نفسه معدماً للخلق ظالماً بعجزهم تاركاً للدنيا و شهواتها واقفاً على مضارها وآفاتها و لتكن خلوته معمورة بانواع العبادات اذا سئمت نفسه عن احتمال الاعلى يردها الى الادنى وان حجت فلينزلها اما بعمل يسير او بالنوم وان فيه احترازاً عن هواجس النفس وليحترز البطالة فانها تقسي القلوب والله تعالى على ذلك اعانه و يحفظه عما شانه وبرحمته و هو ارحم الراحمين صلى الله على محمد و آله، و ايضاً اذا استوفى حظه من الخلوة و انفتحت بها عين الحكمة واجتمعت حلوته بجذباته و صل اليه من لم قدر الوصول الينا ستوفى اليه ايده الله العزيز ثالثه عن يدنا و هو من جملة خلفائنا و امراء مكة و امرا..... والذنب من جملة تعظيما فرحم الله من اكرمه و عظم من كرمناه و اهان من لم يحفظ حق من حفظنا اياه .... ذلك ...... من ...... المسعود ثم بعون الله و حسن توفيقه ـ والله اعلم ـ

بسم الله الرحمٰن الرحيم

حمد اور تعریف اس ذات پاک کے لیے جس نے اپنے احسان کو تعریف پر مقدم رکھا اور شکر کو نعمت سے موخر کیا ـ وہی اوّل ہے ، وہی آخر ہے ، وہی ظاہر ہے ، وہی باطن ہے ـ جس کو اللہ تعالیٰ بلند کرے ، اُسے پست کرنے والا کوئی نہیں اور جسے وہ پست کرے اُسے بلند کرنے والا کوئی نہیں ـ جسے وہ ظاہر کرے اُسے کوئی پوشیدہ نہیں رکھ سکتا اور جسے وہ پوشیدہ کرے اُسے کوئی ظاہر نہیں کر سکتا ـ ازروئے اعتبار و مقابلہ اوّل اور آخر والوں کی گویائی اللہ تعالیٰ کی ہمیشگی کو نہیں پا سکی ـ

اللہ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ نازل ہو اُن پر جن کا نام محمد ؐ ہے اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے اصحاب رضؓ پر اور آپ کے دوستوں پر اور برگزیدہ اشخاص پر ـ

حمد و صلوٰۃ کے بعد میں عرض کرتا ہوں کہ علم اصول حدیث کا شروع کرنا حاضرین کی دعاؤں کو کشادہ کرتا ہے اور ہر ایسے شخص کو بینا کرتا ہے جو علم اصول حدیث سے بالکل جلی ہوئی جگہوں کو

پالی دیتا ہے ۔ یہ راہ دراصل خوفناک اور مشکل ہے اور الہام کے اعتبار سے نہایت دشوار ۔ اس فن میں سب سے مشکل اور اچھی کتاب ابی شکور سالمی برد اللہ مضجعہ کی کتاب "تمہید المهتدی" ہے ، جسے مجھ سے فرزند رشید ، پاکوں کے امام ، پسندیدہ عالم ، عالموں کی زینت نظام الملت والدین محمد بن احمد نے جو جلیل القدر لوگوں اور متابعوں کےلیے باعث فخر ہیں ، انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی کی جستجو نصیب کرے اور اپنی رحمت کے انتہائی درجے پر فائز کرے اور اللہ اُن کے درجات کو اعلیٰ کرے ، سبقاً سبقاً پڑھا اور ابتدا سے لے کر انتہا تک تدبر و یقین کے ساتھ اُس کا مطالعہ کیا ۔ غور سے اُس کو سنا اور دل سے اُس کے سمجھنے کی کوشش کی اور مجھے اُن کو اس کتاب کے پڑھانے سے اُن کی غیرمعمولی صلاحیت اور آراستگی اور شایستگی کا علم ہوا ۔ میں نے اُن کو اجازت دی ہے [۲۰] کہ اس کتاب کو طالب علموں کو پڑھائیں ، بشرطیکہ وہ تقریر اور تحریر میں غلطیوں سے بچیں اور بات کے ادا کرنے میں پوری طاقت خرچ کریں ۔ اللہ تعالیٰ تقریر کی لغزش سے بچانے والا ہے اور دینی کاموں میں تباہی اور بیماری سے بچانے والا ہے ۔

یہ اجازت نامہ بدھ کے روز رمضان المبارک کے مہینے میں تحریر کیا گیا ۔ اللہ تعالیٰ اس ماہ کی برکتوں کو اور بھی وسیع اور زیادہ کرے ۔

یہ اجازت نامہ شیخ شیوخ العالم کے اشارے سے آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ آپ کے اشارۂ عالیہ کی قدر و منزلت کو ہمیشہ محفوظ رکھے اور تحریر میں خلل سے پاک رکھے ۔ یہ چند سطریں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس ناتوان و محتاج اُس بے نیاز ذات پاک کے محتاج اسحاق بن علی بن اسحاق متوطن دہلی نے اُن کے سامنے لکھیں ۔ اس حال میں کہ حمد و صلوٰة آپ کے ورد زبان تھا ۔

نیز میں اس بات کی بھی اجازت دیتا ہوں کہ نظام الملت والدین اُن تمام باتوں کی روایت کریں ، جن کا اُنھوں نے مجھ سے استفادہ کیا ہے اور مجھ سے سنا ہے اور جمع کیا ہے اور محفوظ رکھا ہے ۔ نیز اس کی اجازت دیتا ہوں کہ مسجد میں خلوت اختیار کریں ، جن میں نماز با جماعت ادا کی جاتی ہے اور خلوت کی شرائط میں دست اندازی نہ کریں ۔ ان شرائط کے حصول میں ترقی ہے اور اس خلوت کے ترک کرنے سے جلد بدی کی طرف قدم اُٹھتا ہے ، وہ شرائط یہ ہیں کہ مقاصد کو تباہی سے بچائیں

اور جو چیز مقاصد کے حصول میں حارج ہے ، اُس سے اعراض کریں اور
اس خلوت کی شرح وہ ہے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ دنیا میں اس طرح رہ گویا کہ تو مسافر ہے یا راہ رو ہے
اور اپنے آپ کو اصحابِ قبور میں شمار کر ۔ پس شرائط کے ادا کرنے سے
خلوت درست ہوتی ہے اور خلوت نشین کے مقصد سے تمام ہمتیں جمع ہو کر
ایک ہمت بنتی ہے ، کیونکہ ایسا شخص خلوت میں داخل ہو بشرطیکہ
وہ اپنے نفس کو توڑنے اور خلقت کو معدوم جانے ۔ دنیا (۱۲۰) اور
اس کی حرص و ہوا کو ترک کرے ۔ دنیا کی حرصوں اور اس کی آرزوں کے
مصائبات کا اس کو علم ہو ۔ ایسے خلوت نشین کا وقت مختلف قسم کی
عبادتوں سے اس وقت آراستہ ہوتا ہے جب کہ وہ نفس کی بری خواہشوں
سے ترک کر اپنے آپ کو چھوٹی سے چھوٹی عبادت میں مصروف رکھے ۔
اگر تلاوت عبادت کرے اور نفس کو تھوڑے عمل یا تھوڑی دیر سو جانے سے
راحت پہنچائے ۔ یہ راحت پہنچانا بھی نفس کی خواہشوں سے پرہیز کرنا ہے ۔
صاحبِ خلوت کو بیکاری سے پرہیز کرنا چاہیے ۔ بے شک ایسا تعطّل
دلوں کو سخت غافل کرتا ہے ۔

خدائے تعالیٰ نظام الحق والدین کو ایسے کام سے محفوظ رکھے اور
ایسی چیز سے اُنھیں بچائے اور اُن کی مدد کرے ۔ سب سے زیادہ مہربان
اللہ تعالیٰ ہے جو تمام مہربانوں سے مہربان تر ہے ، ان پر اپنی رحمت
کاملہ نازل فرمائے ۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کی آل پر نیز نظام الحق
کو جب خلوت جاری سے حظ حاصل ہو جائے اور اس خلوت کی وجہ سے
حکمت اور دانائی کے چشمے جاری ہوں ، جب اُن کی خلوت جملہ عبادتوں
کو جمع کرے ، اس حد تک کہ کوئی قادر نہ ہو جو ہم تک پہنچ
سکے ، ایسے حق تعالیٰ یہ نعمت عطا کرے ۔ نظام الحق ہمارا نائب اور
خلیفہ ہے ۔ دینی اور دنیوی کام میں ان کی پابندی درحقیقت ہماری تعظیم
ہے ۔ پس اللہ اس پر رحم کر جو نظام الحق کی عظمت و توقیر کرے اور
اس کی عظمت کرے جیسے ہم نے بزرگ قرار دیا اور حق تعالیٰ اس کو
ذلیل و رسوا کرے جو اُن کے عظمت و احترام کے حق کو ملحوظ نہ
رکھے ، جیسے ہم نے ملحوظ رکھا ۔ یہ تمام کلمات فقیر مسعود کی طرف سے

مددِ الٰہی اور اس کی حسن توفیق سے ختم ہوئے۔ انجام کار کا جاننے والا خدائے تعالیٰ ہے۔]

سیّد محمد کرمانی سے تعلقات کا استحکام :

کاتبِ حروف نے اپنے والد سیّد مبارک محمد کرمانی سے سنا تھا کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحقؒ کے اس مرض میں جس میں آپ نے دنیا سے عقبیٰ کی طرف رحلت فرمائی، کاتبِ حروف کے دادا سیّد محمد کرمانی عیادت کے لیے دہلی سے [۱۲۲] اجودھن آئے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ شیخ شیوخ العالم حجرے میں چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور صاحبزادے اور مریدین و معتقدین حجرے کے سامنے بیٹھے ہوئے آپس میں مشورہ کر رہے ہیں کہ کون آپ کے بعد آپ کا جانشین اور سجادہ نشین ہو تا کہ اُس کے لیے آپ سے عرض کی جائے۔ عین اس موقع پر سیّد محمد کرمانی علیہ الرحمہ نے چاہا کہ وہ حجرے کے اندر جا کر شیخ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کریں، لیکن شیخ کے صاحبزادوں نے روکا اور کہا کہ اندر جانے کا یہ وقت نہیں ہے، لیکن سیّد محمد کرمانی میں یارائے ضبط نہ رہا اور وہ حجرے کا دروازہ کھول کر حجرے کے اندر گئے اور شیخ کے قدموں میں گر پڑے۔ آپ نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا، سیّد! تم کیسے ہو؟ اور کب آئے ہو؟ سیّد محمد کرمانی نے کہا کہ بندہ ابھی حاضر ہوا ہے۔ سیّد محمد کرمانی کہتے ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ سب سے پہلے سلطان المشائخ کی قدم بوسی کی تمنا سے بات چیت شروع کروں، لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ یقیناً شیخ ان کا نام سن کر لطف و مرحمت کے ساتھ اُن کا تذکرہ فرمائیں گے۔ شاید یہ بات شیخ کے صاحبزادوں کو پسند نہ آئے، چنانچہ اُنھوں نے گفتگو کا آغاز دہلی کے اس وقت کے مشائخ کے سلام پہنچانے اور اُن کی جانب سے مزاج پُرسی سے کیا۔ شیخ خوش دلی سے یہ باتیں سنتے رہے۔ جب سلطان المشائخ کا ذکر چلا تو سید محمد کرمانی نے عرض کیا کہ مولانا نظام الدین بھی جناب کی قدم بوسی کی تمنا رکھتے ہیں اور جناب کی دعا گوئی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ شیخ نے اس بات پر سلطان المشائخ کی تعریف فرمائی اور پوچھا کہ وہ کیسے ہیں؟ خوش تو ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ کپڑے، مصلّیٰ اور عصا ان کو دینا۔

جب یہ بات شیخ کے صاحبزادوں کے کان میں پہنچی تو وہ غصے میں

آئے اور ان میں سے ہر ایک اُن سے خصومت اور ناراضی سے پیش آیا اور کہا کہ تم نے یہ کیا کیا ۔ ہمارے مطلوب کو دوسرے کو دلا دیا ۔ سید محمد کرمانی نے معذرت کرتے ہوئے کہا میں نے شیخ سے خاص طور پر سلطان المشائخ کا ذکر نہیں کیا تھا ، بلکہ میں نے دہلی کے مشائخ کے سلام پہنچائے تھے ، جن کا میں امین تھا ۔ اسی ضمن میں سلطان المشائخ کا بھی ذکر چل پڑا ۔ جب حق تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے کسی کو نوازے تو میری کیا مجال ہے کہ میں اس دولت کو روکوں ۔

جب شیخ شیوخ العالم کی وفات کی خبر سلطان المشائخ کو ملی تو آپ فوراً ہی اجودھن روانہ ہوئے ۔ شیخ کی زیارت سے مشرف ہوئے ۔ مولانا بدرالدین اسحاق نے وہ کپڑے ، مصلیٰ اور عصا سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچایا اور سید محمد کرمانی کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن سے کہا کہ اُنھوں نے آپ کی غیر موجودگی میں آپ کی محبت کے حقوق کا خوب خیال رکھا ہے ۔ یہ بات سن کر سلطان المشائخ سید محمد کرمانی سے بغل گیر [۱۰۰] ہوئے اور محبت کا رشتہ ان دو بزرگوں میں اور بھی مضبوط ہو گیا ۔

حفظ قرآن :

سلطان المشائخ نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے کاتب الحروف کو بلایا ۔ یہ جمعہ کا دن تھا ۔ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد ۲۵ جمادی الاول ۶۶۹ھ (۱۲۷۰ء) کو اپنے منہ کا لعاب اس کاتب الحروف کے منہ میں ڈالا اور کلام اللہ کے حفظ کرنے کی وصیت فرمائی ۔ پھر آپ نے فرمایا ، نظام ! میں نے عرض کیا کہ خواجہ ! حاضر ہوں ۔ فرمایا کہ ہم نے دین و دنیا تجھ کو دے دیے ہیں ۔ اس جگہ لے دے کر یہی ہے ۔ ہندوستان جا اور اُس ملک کو لے ۔ (پھر فرمایا) میری ایک نگاہ ہی میرے نزدیک کافی ہے ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

بسعی لطف تو بتواں ز آتش آب انگیخت
بعون جاہ تو بر چرخ بر تواں آمد

یکم شعبان ۶۶۹ھ (۱۲۷۱ء) کو میں نے شیخ شیوخ العالم سے التماس کی ، اُس کے لیے آپ نے فاتحہ پڑھ کر قبولیت کی دعا مانگی ۔ وہ التماس یہ تھی کہ میں دربدر نہ پھروں ۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب شیخ شیوخ العالم بیمار ہوے تو آپ نے مجھے چند مریدوں کے ساتھ وہاں کے شہدا کی زیارت کے لیے بھیجا تھا۔ جب ہم واپس لوٹے اور آپ سے ملے تو فرمایا کہ تمھاری دعا نے کوئی اثر نہیں کیا۔ میں اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ علی بہاری نامی ایک مرید نے، جو دور ٹھہرا تھا، کہا کہ ہم ناقص ہیں اور شیخ کی ذات کامل۔ ہم ناقصوں کی دعا کاملوں کے حق میں کب مستجاب ہو سکتی ہے۔ شیخ شیوخ العالم اُس کی بات نہ سن سکے۔ میں نے اس کی بات آپ تک پہنچائی تو فرمایا کہ میں نے خدائے تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ تم خدا سے جو مانگو گے، اس کو پاؤ گے، پھر آپ نے اپنا عصا مجھے دیا۔

طلب استقامت :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک روز شیخ شیوخ العالم برہنہ سر چہرہ متغیر حجرے میں ٹہل رہے تھے اور یہ اشعار بار بار پڑھ رہے تھے :

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم
خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم از برائے تو زیم

جب یہ اشعار پڑھ چکے تو سر سجدے میں رکھ دیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے چند مرتبہ اسی طرح کیا۔ میں حجرے میں گیا اور آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ شیخ کبیر نے فرمایا، مانگو جو کچھ تم مانگنا چاہتے ہو۔ میں نے کوئی دینی چیز طلب کی۔ آپ نے وہ چیز مجھے بخشی۔ بعد میں میں [۱۲۴] بہت پچھتایا کہ میں نے کیوں درخواست کی کہ سماع میں مروں۔[1]

بعد میں قاضی محی الدین کاشانی نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کس چیز کی خواہش کی تھی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے استقامت کی خواہش کی تھی۔ شیخ نے مجھے بخش دی۔

۱۔ یہ فقرہ گڑبڑ ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ فقرہ یوں ہونا چاہیے : بعد میں میں بہت پچھتایا کہ میں نے کیوں نہ یہ درخواست کی کہ سماع میں مروں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فرزندی کی بشارت :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک روز شیخ شیوخ العالم کے صاحبزادے نظام الدین اور میں دونوں کے دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ ہم دونوں کو دیکھ کر فرمایا تم دونوں فرزند ہو ۔ پھر شیخ نظام الدین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ، تم ناتو ہو ۔ اور میری طرف اشارہ کر کے فرمایا ، یہ جانی ہے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ ایک شخص تھا جو میرا مرید ہوا ۔ جب وہ میرے پاس سے گیا ، چند دن تک اس کا اعتقاد درست رہا ، لیکن کچھ مدت کے بعد وہ پھر گیا ۔ پھر فرمایا کہ ایک اور شخص تھا جو میرا مرید ہو کر دور چلا گیا ۔ بہت دن تک وہیں رہا ۔ ایک مدت تک اس کا اعتقاد ٹھیک رہا ۔ بعد میں وہ بھی مجھ سے پھر گیا ۔ پھر میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ شخص جب سے وابستہ ہوا ہے ، اس کے مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ۔ یہ اپنے اسی اعتقاد پر برقرار ہے ۔ سلطان المشائخ یہ بات کہہ کر رونے لگے اور روتے ہوئے فرمایا کہ آج تک یہ محبت برقرار ہے بلکہ روز افزوں ہے ۔ الحمدللہ علیٰ ذٰلک ۔

نکتہ نہم

سلطان المشائخؒ کے آخر عمر کے مجاہدوں اور طور و طریق کے بارے میں

مجاہدوں کی تفصیلات :

(غذا) :

کاتب الحروف نے اپنے والد سید مبارک محمد کرمانی سے سنا تھا کہ ایام جوانی میں تیس سال تک سلطان المشائخ نے سخت مجاہدات کیے تھے ۔ اُن میں سے کچھ اس کتاب میں تحریر کیے گئے ہیں اور دوسرے تیس سال میں آخر عمر تک اُس ذات ستودہ صفات نے اُس سے بھی زیادہ سخت مجاہدات کیے ، باوجود فتوحات و اقبال دنیوی کے وہ بندوں کی بندگی سے مبرّا و پاک و صاف تھے ۔

مختصر یہ کہ جب سلطان المشائخ کی عمر اسّی سال کی تھی ۔ آپ پانچوں وقت نماز کے لیے جماعت خانے کے بالا خانے سے ، جو بہت بلندی پر واقع تھا ، نیچے اُترتے تھے اور درویشوں اور عزیزوں کے ساتھ جو اس ملکوتی صفات مجمع میں حاضر ہوتے ، نماز ادا فرماتے ۔ یہ سب لوگ سلطان المشائخ کے وسیلے سے بہشت کے مستحق ہوتے تھے اور اس کبرسنی کے باوجود صوم دائمی رکھتے تھے ۔ روزہ کم افطار کرتے تھے ۔ افطار کے وقت ہلکی غذائیں کھاتے تھے ۔ روٹی یا نصف روٹی سبزی یا کریلے کے ساتھ یا تھوڑے سے چاول کھاتے تھے ۔ یہ کھانا بھی عزیزوں ، درویشوں اور مسافروں کے سبب سے [۱۲۵] ہوتا تھا اور جب تک بھی آپ دسترخوان پر رہتے ، خود بھوکے رہ کر اور دوسروں کو کھلا کر خوش ہوتے اور حاضر دسترخوان میں سے جس پر شفقت فرماتے اس کو اپنی رکابی میں سے خاص نوالہ عطا فرماتے ۔ یہ سعادت جس کا مقدر ہوتی اس کو حاصل ہوتی تھی ۔

نظام الاوقات :

مولانا شمس الدین یحییٰ[1] کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ سلطان المشائخ کے دسترخوان پر حاضر تھا ۔ افطار کے وقت میں نے سلطان المشائخ کو دیکھا کہ آپ نے لقمہ کے لیے پیالے کی طرف ہاتھ بڑھایا ۔ وہ آپ کا ہاتھ اُس وقت تک پیالے ہی میں رہا ، یہاں تک کہ دسترخوان بڑھانے کا وقت ہوگیا ، لیکن ہاتھ پیالے سے اُٹھ کر منہ تک نہ جا سکا ۔

الغرض افطار کے بعد آپ بالا خانے پر تشریف لے جاتے جہاں آپ کی سکونت تھی ۔ وہ مرید و معتقد اور عزیز جو شہر اور اطراف شہر سے آپ کی ملاقات کے لیے آتے ، اُنھیں مغرب اور عشا کی نماز کے درمیان بلایا جاتا ۔ تھوڑی دیر وہ آپ کی مجلس کی سعادت اور شرفِ دیدار سے مشرف

۱۔ مولانا شمس الدین یحییٰ : مولانا فریدالدین شافعی کے شاگرد تھے اور سلطان المشائخ کے مرید و خلیفہ تھے ۔ ۷۴۷ھ (۱۳۴۶ء) میں وفات پائی اور دہلی میں یاروں کے چبوترے پر دفن ہوئے ۔ (تذکرہ علماء ہند اردو ترجمہ ، ص ۲۲۶ - ۲۲۷) تفصیل کے لیے دیکھیے (سائر الکرام دفتر اول ، ص ۱۸۲ - ۱۸۳ ؛ حدائق الحنفیہ ، ص ۲۸۴ - ۲۸۵ ؛ سبحۃ المرجان ، ص ۲۹۳)

ہوتے ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے ۔

طوبیٰ لاعین قوم انت بینھم
فھن من نعمۃ من وجھک الحسن

[اس قوم کی آنکھیں قابلِ مبارک باد ہیں کہ جن کے درمیان تو ہے ، کیونکہ وہ آنکھیں تیرے حسین چہرے کے جمال سے فیض یاب ہو رہی ہیں ۔]

اس مجلس کے موقع پر خشک اور تر میوے اور کھانے پینے کی لطیف و لذیذ چیزیں اس مجلس میں پیش کی جاتیں ۔ حاضرینِ مجلس تناول کرتے اور آپ ان سب کی خاطر و مدارات فرماتے اور ہر ایک کے حالات پوچھتے تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ سلطان المشائخ ان دنیوی نعمتوں سے حظ حاصل کرتے ہیں ، لیکن یہ الوانِ نعمت اس لیے لائی جاتی تھیں تاکہ عزیزوں اور شہر کے غریبوں کی دل داری ہو ۔

امیر خسرو کا شرف

جب سلطان المشائخ عشا کی نماز باجماعت پڑھ لیتے تو پھر بالا خانے پر تشریف لے جاتے ۔ کچھ دیر اوراد و وظائف میں مشغول رہتے ۔ جب آپ آرام کے لیے چارپائی پر بیٹھتے ، اس وقت تسبیح لائی جاتی اور آپ کے ہاتھ میں دی جاتی ۔ اس وقت سوائے امیر خسرو کے کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کے پاس جائے ۔ امیر خسرو ہر قسم کی حکایتیں اور قصے آپ کو سناتے سلطان المشائخ امیر خسرو کی دل داری کے لیے سرِ مبارک ہلاتے جاتے ۔ کبھی کبھی خود پوچھتے کہ "ترک ! کیا خبریں ہیں ؟" امیر خسرو اس بات کو سن کر اپنے لیے گفتگو کا میدان وسیع پاتے ۔ مثلاً اگر اس نکتہ پوچھتے تو یہ معمول کی فصل پیش کر دیتے ۔ اس موقع پر بعض چھوٹے عزیز اور بعض مولوی زادے جو مقام رکھتے تھے ، حاضرِ خدمت ہوتے اور قدم مبارک کو سر اور آنکھوں سے ملتے ۔ امیر خسرو کہتے ہیں ۔

نخفت خسرو مسکین ازیں ہوس شبہا
کہ دیدہ بر کف [۱۲۶] پایت نہد بخواب شود

جب امیر خسرو اور دوسرے چھوٹے قدم بوسی کی سعادت حاصل کر کے باہر واپس آ جاتے ، تو اقبال خادم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور

سلطان المشائخ کے وضو کے لیے پانی کے چند لوٹے بھر کر رکھ دیتے اور واپس چلے آتے۔

اس کے بعد سلطان المشائخ خود اُٹھ کر دروازے کی زنجیر لگا دیتے۔ اُس وقت سوائے خدا کے کوئی دوسرا آپ کے پاس نہ ہوتا تھا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ تمام رات کیا راز و نیاز اور کیا ذوق و شوق آپ کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان ہوتے تھے۔ یہ شعر بارہا سلطان المشائخ کی زبانِ مبارک پر آتا تھا:

عشقیے کہ ز تو دارم اے شمع چگل
دل داند و من دانم و داند دلِ من

میں نے یہ قطعہ سلطان المشائخ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے:

تنہا منم و شب و چراغے
مونس شدہ تا پگاہ روزم
کاہش ز آہِ سرد بیکسم
گہ از غمِ سینہ بر فروزم

نیز یہ شعر بھی آپ کی زبان پر آتا تھا:

یارے بہانائے من و شمع نیا
کز من دمکے نماند و ازوے دودے

شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے:

شبہا من و شمع می میگدازیم
این ست کہ سوزِ من نہان است

ایک مبارک رات:

مولانا بہرام جو شیخ نجیب الدین متوکل کی اولاد میں تھے اور استعداد و قابلیت سے متصف تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک وقت سلطان المشائخ کو شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کی زیارت میں مشغول دیکھا۔ ملاقات کے موقع پر سلطان المشائخ نے مجھ سے فرمایا کہ آج رات مجھے دکھایا گیا ہے کہ اے نظام! جس مومن نے تجھے دیکھا ہے، میں نے اس کو بخش دیا۔

کاتب الحروف نے سلطان المشائخ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ :

انی بلغت ھذہ اللیلۃ اربعین سنۃ فاستحییت من بیتی دکری ذہابا۔

رمیں اس رات کو چالیس سال کا ہو گیا ہوں ۔ اپنی چالیس سالگی سے بھی شرم آتی ہے ۔ جب مجھے خیال آتا ہے کہ مجھے ایک مکھی کے پر کے برابر یاد کیا جاتا ہے۔'

کاتب الحروف کا گمان یہ ہے کہ اس رات سلطان المشائخ کو اس کرامت سے ممتاز کیا گیا ، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے ۔ یہ وہی رات ہے جس کا ذکر سلطان المشائخ نے اپنے مبارک قلم سے عربی زبان میں لکھا ہے ۔ اسی شب میں سلطان المشائخ [۱۲] اس کرامت سے مشرف ہوئے اور اس درجۂ عالی پر فائز ہوئے کہ آپ کے دیکھنے والے کی بخشش ہوتی ہے ۔ اسی وجہ سے سلطان المشائخ کی بارگاہِ الٰہی میں یہ عرض تھی کہ مجھے اپنی اسی عمر سے شرم آتی ہے کہ جس میں مجھے مکھی کے پر کے برابر یاد کیا گیا ہے۔

اگرچہ سلطان المشائخ کی ہر رات شب قدر تھی ۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات سلطان المشائخ اسرارِ الٰہی کی کتابوں کے مطالعے میں مشغول تھے اور اپنے قلمِ مبارک سے اُن معانی کو جن کا عالمِ غیب سے الہام ہو رہا تھا ، ضبطِ تحریر میں لا رہے تھے کہ اچانک قلم آپ کے دستِ مبارک سے نکل کر نوک کے بل زمین پر کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عظمت و تقدس کو سجدہ کیا ۔ سلطان المشائخ نے اس علامت سے پہچانا کہ یہ رات شب قدر ہے ۔ کسی بزرگ نے کہا ہے :

استمب شب قدر تست بشتاب
قدر شب قدر خویش دریاب

خواجہ سالار مہیں ، جن کا تذکرہ "نکتہ سافت یاران" میں تحریر کیا گیا ہے ، بیان کرتے ہیں کہ سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جب رات کا آخری حصہ ہوتا ہے کوئی شعر عالمِ غیب سے میرے دل میں آتا ہے ، جس پر میں خوش ہوتا ہوں ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

چندان بنشینم کہ برآید نفسِ صبح
کآن وقت بدل میرسد از دوست پیامے

امیر خسرو نے سلطان المشائخ کی مدح میں کیا اچھا کہا ہے :

قطعہ

نے ز ابرار دیدہ کس علمش
نے ز ابدال یافتہ بدلش
ہر شبش ز اوجِ عالم اسرار
صبح دولت دمیدہ در شبِ تار

چنانچہ آج رات میرے دل میں یہ اشعار آئے :

ور نمانم عذر ما بپذیر
اے بسا آرزو کہ خاک شدہ است
گر بمالیم زندہ بردوزیم
دامنے کز فراق چاک شدہ است

جب دوسری بار یہ شعر میں نے پڑھنے شروع کیے کہ اچانک میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ میرے پاس آئی اور اس نے نہایت عاجزی سے کہنا شروع کیا کہ آپ کو یہ اشعار نہیں پڑھنے چاہیں ۔ اس کے بعد سلطان المشائخ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ اس کی تعبیر کیا ہوگی ۔ ایک مرید قاضی شرف الدین نے ، جس کو فیروز گنبد بھی کہتے تھے ، عرض کیا کہ مخدوم ! یہ ارشاد فرمائیے کہ یہ واقعہ حقیقت میں پیش آیا یا خواب میں ۔ فرمایا ، یہ واقعہ اس طرح پیش آیا جیسے میں اور تم بیٹھے ہوئے ہیں ۔ آپ کا اس سے مطلب بیداری تھا ۔ بعدہ قاضی شرف الدین نے عرض کیا کہ یہ دنیا ہے ، جو آپ سے جانا نہیں چاہتی ۔ سلطان المشائخ نے اُن کی یہ بات سن کر اُن کی تعریف فرمائی ۔ [۱۲۸]

اب ہم اصل مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ جب سحری کا وقت ہوتا تو خادم آتا اور دروازے کو کھٹکھٹاتا ۔ سلطان المشائخ دروازہ کھولتے ۔ ہر قسم کا کھانا آپ کے سامنے لایا جاتا ۔ آپ اُس میں سے تھوڑا سا تناول کرکے باقی کے لیے فرماتے کہ چھوٹوں کے لیے محفوظ رکھو ۔ سحری کے کھانے لانے کی خدمت خواجہ عبدالرحیم کے سپرد تھی ۔ خواجہ عبدالرحیم کا بیان ہے کہ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ سلطان المشائخ سحری بالکل تناول نہ فرماتے ۔ میں عرض کرتا کہ مخدوم ! آپ افطار ہی میں بہت کم کھاتے ہیں ، اگر سحر میں بھی آپ کچھ نہ کھائیں گے تو ضعف زیادہ

ہو جائے گا۔ یہ سن کر آپ رونے لگتے اور فرماتے ، کتنے مسکین اور درویش مسجدوں کے کونوں اور دکانوں میں بھوکے اور فاقے سے سو رہے ہیں ۔ یہ کھانا میرے حلق میں کیسے اُتر سکتا ہے۔ چنانچہ کھانا اُسی طرح اُٹھا لیا جاتا ۔ جب صبح ہوتی تو جس کی نظر سلطان المشائخ کے جمال مبارک پر پڑتی تو وہ خیال کرتا کہ شاید یہ سر مست ہے ۔ رات کی بیداری کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ رہتی تھیں ۔ یہ ضعیف کہتا ہے کہ :

شکارِ چشم تو جاں ہا بیک بار
اسیرِ زلف تو دلہا بہر تار
خیالِ زلفِ تو خواب ازسرم برد
دو چشم ِمست تو خونِ دلم خورد

باوجود اس قدر سخت مجاہدے کرنے کے کوئی کمزوری آپ کے وجود مبارک میں ظاہر نہ ہوتی تھی اور شکل و صورت میں کوئی فرق نہ آتا تھا ۔ کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ چار سو پچاس نفلیں اور اس قدر کثیر تعداد میں تسبیحیں پڑھتے ہیں ۔ مگر آپ کی ساری عمرِ عزیز باطنی مشاغل میں اور (شکستہ) دلوں کے (حالات) دریافت کرنے میں صرف ہوئی ، جس کو حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا ۔

چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ مجھے واقعتاً ایک کتاب دی گئی ، جس میں لکھا ہوا تھا کہ دلوں کو راحت پہنچاؤ ، کیوں کہ مومن کا دل محلِ اسرار ربوبیت ہے ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

میکوش کہ راحتے بجانے برسد
یا دست شکستۂ بنانے برسد

فرماتے تھے کہ بازارِ قیامت میں کسی سامان کی اتنی پُرسش نہ ہوگی جتنی شکستہ دلوں کو راحت پہنچانے کی ۔

الغرض جب دن ہو جاتا تو تمام دن آپ مشائخ کبار کے سجادے پر قبلہ رو ہو کر بیٹھتے اور شغل باطنی میں اس طرح حق تعالیٰ کی طرف مشغول رہتے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں ۔ مختلف گروہوں اور طبقوں کے لوگ علماء ، مشائخ ، صدور اور بڑے اور چھوٹے ، شریف اور کمینے غرض کہ ہر قسم کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ہر شخص سے [۱۲۹] اس کے فن ، علم اور مرتبے کے مطابق نہایت شفقت

سے گفتگو فرماتے ۔ اس کا حال اور خیریت پوچھتے ۔ بظاہر آنے والوں سے گفتگو میں مشغول رہتے ، لیکن باطناً پورے طور پر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ۔ اپنے وقت کی ولیہ رابعہ عدویہ نے ان اشعار میں اس مفہوم کو کتنے اچھے طریقے پر منظوم کیا ہے :

انی جعلتك فی الفـؤادِ محـدثی
و یحب جسمی من اراد جلوسی
فالجسم منی للجلیسِ موانس
و حبیب قلبی فی الفـؤادِ انیسی

شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

ہر گز وجودِ حاضر و غائب شنیدۂ
من درمیان جمع و دلم جائے دیگر است

ہر آنے جانے والا خواہ وہ امیر ہو یا غریب ، شہر کا ہو یا مسافر جو کوئی بھی آتا اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کرتا آپ کسی کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے ۔ کپڑے ، جیتل ، تحفے اور ہدیے ، جو آپ کو عالمِ غیب سے پہنچتے ، وہ تمام کے تمام ان آنے جانے والوں میں تقسیم فرما دیتے اور جو کوئی بھی آتا اور جس وقت بھی آتا ، بلا توقف اُسی وقت اُسے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا ۔

منقول ہے کہ ایک وقت سلطان المشائخ حجرے میں تشریف فرما رہے تھے کہ ایک درویش آیا ۔ چونکہ گھر میں کوئی چیز موجود نہ تھی ، اخی مبارک نے اُس درویش کو خالی ہاتھ لوٹا دیا ۔ عین اُسی وقت سلطان المشائخ نے شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کو خواب میں دیکھا ۔ خواب ہی میں سلطان المشائخ نے آدابِ خدمت بجا لانے چاہے ۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا ، اگر تمھارے گھر میں کوئی چیز موجود نہیں ہے تو آنے والے کی بقدرِ استطاعت خاطر تواضع واجب ہے ۔ یہ کہاں آیا ہے کہ ایسے خستہ دلوں کو یوں لوٹا دیا جائے ۔ جب آپ قیلولے سے اُٹھے تو آپ نے فوراً اخی مبارک خادم کو طلب کیا اور اُن سے چھان بین کی کہ کون آیا تھا ۔ جب سلطان المشائخ کو سارا واقعہ معلوم ہوا تو سلطان المشائخ نے اخی مبارک کو تنبیہ کی اور اُن سے کہا کہ میں نے شیخ شیوخ العالم

کو خواب میں دیکھا ۔ آپ اس بات پر مجھ سے ناراض تھے ۔ آئندہ اگر میں قیلولے میں بھی ہوں تو مجھ کو اطلاع دو ۔

بعدہ ، سلطان المشائخ کا یہ معمول تھا کہ جب قیلولے سے بیدار ہوتے تو پہلے یہ دو باتیں پوچھتے ۔ پہلی بات یہ کہ سایہ ہوگیا ہے ۔ دوسری بات یہ کہ کوئی آنے والا تو نہیں آیا ، جو میرا انتظار کر رہا ہو ۔

جب نماز ظہر کا وقت ہو جاتا تو ظہر کی نماز ادا فرمانے کے بعد وہ عزیز ، جو قدم بوسی کے لیے پہنچ جاتے ، سلطان المشائخ ان کو بلواتے ، اپنے پاس بٹھاتے اور ان کی دلداری فرماتے اور اُن کی طریقۂ عبادات و سلوک اور محبت حق جل و علیٰ میں رہنمائی فرماتے ۔

بڑے بڑے علماء ، عابد و زاہد ، جو آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے ، کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ سر اُٹھا کر آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ سکے ، اس لیے کہ حق تعالیٰ کی عظمت سلطان المشائخ پر موقگن تھی ۔ جو کچھ سلطان المشائخ فرماتے تھے وہ سب کے سب سر زمین پر رکھ کر اس کو قبول کرتے ۔

مولانا شمس الدین یحییٰؒ کا بیان ہے ۔ وہ فرماتے تھے کہ جس وقت ہم سلطان المشائخ کی مجلس میں موجود ہوتے ، ہماری یہ مجال نہ تھی کہ ہم سر اُٹھا کر روئے مبارک کو دیکھ سکیں ۔ ہم لوگ سر نیچے کیے ہوئے ، جو کچھ فرمان ہوتا سر زمین پر رکھ دیتے ۔ امیر خسرو فرماتے ہیں :

خوبان بادہ خوردن من جرعہ خوار ایشان
ہر جرعہ کہ خوردہ سر بر زمین نہادہ

اگر کوئی علمی بات چھڑتی یا کسی علمی مسئلے میں کوئی مشکل پیش آ جاتی ، تو حاضرین مجلس کو باطنی نور سے علم لدنی کی بنا پر ایسا جواب شافی عطا فرماتے کہ وہ آپ کی حسنِ تقریر سے متاثر ہوکر حیرت میں پڑ جاتے تھے اور آپس میں کہتے تھے کہ آپ کا یہ جواب کتابی نہیں ہے ۔ اس کی بنیاد الہامِ ربانی اور علم لدنی پر ہے ۔ اسی وجہ سے شہر کے بڑے بڑے عالم ، جو اہلِ تصوف سے تعصب اور عناد رکھنے میں مشہور تھے ، آپ کے غلام ہوگئے تھے ۔ اُنھوں نے سروری کے سودائے خام کو اپنے سر سے نکال دیا تھا اور آپ کے آستانے پر سر جھکائے ہوئے تھے ۔

نکتۂ دہم

نذر و فتوح کے اسباب اور شاہانِ وقت کے سلطان المشائخ کے دروازے پر بطور فقیر، گدائی کے لیے آنے کے بیان میں

امیر خسرو سلطان المشائخ کی مدح میں کہتے ہیں :

در حجرۂ فقر بادشاہی
در عالمِ دل جہاں پناہی
شاہنشہِ بے سریر و بے تاج
شاہانش بخاک پائے محتاج

کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

سدہ بیش در کاہش اندر ز بیش
مغاک از لبِ تاجد اران کشود

کاتبِ حروف نے اپنے والد سید مبارک محمد کرمانی سے سنا تھا کہ جب عالمِ غیب سے فتوح کے دروازے سلطان المشائخ پر کھلے [۱۳۱] اور دنیا نے چاروں طرف سے سلطان المشائخ کا رخ کیا، درآں حالیکہ سلطان المشائخ ان تمام دنیاوی آلایشوں سے پاک تھے اور آپ کو محبتِ باری تعالیٰ نے اس طرح گھیر لیا تھا کہ کسی چیز کی آپ کو پرواہ نہ تھی۔ شیخ سعدیؒ نے کیا اچھا کہا ہے۔

چناں بروئے تو آشفتہ ام بسوئے تو مست
کہ نیستم خبر از ہر کہ در دو عالم ہست

اور اقبالِ دنیوی کے حاصل کرنے سے آپ کا حق پذیر دل بالکلیہ متنفر تھا۔ ہمیشہ روتے رہتے۔ اگر کسی وقت فتوحات زیادہ آ جائیں تو آپ کے رونے میں اضافہ ہو جاتا اور آپ اس کی کوشش فرماتے کہ یہ جلد از جلد تقسیم ہو جائیں اور گھڑی گھڑی کسی کو بھیجتے رہتے کہ دیکھ کر آؤ کہ وہ فتوحات تقسیم ہوگئیں یا نہیں۔ جب آپ کو معلوم ہو جاتا کہ وہ سب تقسیم ہو کر محتاجوں کو پہنچ گئیں، تو اُس وقت آپ مطمئن ہوتے۔
ہر ہفتے تجرید فرماتے یعنی حجروں اور انبار خانوں کو خالی کراتے۔

یہاں تک کہ جھاڑو دے دی جاتی - بعد میں جمعہ کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے جاتے -

بادشاہوں کی سلطان المشائخؒ کی خدمت میں حاضری اور آپ کی بیزاری :

اگر بادشاہ اور شاہزادے سلطان المشائخ کے دروازے پر آتے اور فتوحات لاتے ، ان کی آمد کی دھوم دھام آپ کے مبارک کانوں تک پہنچتی تو آپ ایک ٹھنڈی آہ بھرتے اور فرماتے کہ یہ لوگ درویش کا وقت غارت کرنے کے لیے کہاں آ رہے ہیں - امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے :

تو کہ بر درِ تو گم شد سر و تاجِ بادشاہاں
چہ خیالِ فاسد است ایں کہ منِ گدات جویم

ایک روز آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا کہ یہ سب کچھ ان کی برکت سے ہے ، جو کچھ میں نے چاہا شیخ شیوخ العالم کی طرف سے مجھے ملا - جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ جب میں رخصت ہونے لگا تو شیخ شیوخ العالم نے ایک دوکانی غیاثی مجھے سفر خرچ کے لیے دی - پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ کا حکم پہنچا کہ آج میں نہ جاؤں بلکہ کل کو جاؤں - چنانچہ میں ٹھہر گیا - جب آپ کے افطار کا وقت قریب آیا تو گھر میں افطار کے لیے کوئی چیز موجود نہ تھی - میں نے آپ سے عرض کیا کہ ایک دوکانی سکہ مجھے سفر خرچ کے لیے عنایت فرمایا گیا تھا ، اگر اجازت ہو تو اُس سے کچھ کھانے کا انتظام کروں - شیخ شیوخ العالم میری یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور میرے لیے دعا فرمائی -

یہ واقعہ تفصیل سے نکتہ' مجاہدہ شیخ شیوخ العالم میں تحریر کیا گیا ہے - [۱۳۲] الغرض اس کے بعد شیخ شیوخ العالم نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے حق تعالیٰ سے تھوڑی سی دنیا کی درخواست کی ہے - شیخ شیوخ العالم کے اس فرمان کو سن کر میں کانپ اُٹھا اور مجھے اس انجام کا خیال آیا کہ افسوس کتنے ہی بزرگ اس دنیا کے سبب سے فتنے میں پڑے ہیں تو میرا کیا حال ہوگا - جیسے ہی یہ خطرہ میرے دل میں گزرا ، شیخ شیوخ العالم نے فوراً ہی فرمایا کہ مطمئن رہو تم کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو گے - آپ کے اس تشفی دینے سے میں خوش ہوا -

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک رات کے آخری حصے میں میں نے دیکھا کہ جماعت خانے کے صحن میں ایک عورت جھاڑو دے رہی ہے -

میں نے اس عورت سے پوچھا تو کون ہے ؟ اُس نے جواب دیا کہ میں دلہا ہوں ۔ میں مخدوم کے گھر میں جھاڑو دیتی ہوں ۔ آپ نے اُسے ڈانٹ کر فرمایا ، اے فتنہ پرور ! تیرا میرے گھر میں کیا کام ، جا میرے گھر سے نکل جا ۔ میں ہرچند اُس سے کہتا تھا ، مگر وہ جانے کا نام نہ لیتی تھی ۔ اس کے بعد میں نے اس کی گردن پکڑی اور دروازے کے باہر نکال کر گلی تک چھوڑ آیا ۔ جیسے ہی میرا ہاتھ اس کی گردن تک پہنچا وہ بار بار مجھے اپنا چہرہ دکھاتی تھی ۔

فرمایا کہ میں بچپن میں بدایوں میں مولانا علاء الدین اصولی سے پڑھتا تھا ۔ ایک دن تنہائی میں مسجد میں کتابوں کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اتنے میں میں نے دیکھا کئی سنہرے رنگ کے سانپ پھنکارتے ہوئے جا رہے ہیں ۔ میں نے انھیں تجربے کے طور پر دیکھنا شروع کیا ۔ میں نے دیکھا کہ ان سانپوں کے آخر میں ایک چھوٹا سا سانپ جا رہا ہے ۔ میں نے اس کی حقیقت جاننے کے لیے اس چھوٹے سانپ پر اپنی پگڑی ڈال دی ۔ اب میں نے جو اُس پگڑی کو اُٹھا کر دیکھا تو اُس کے نیچے اشرفیوں کا ڈھیر پایا ۔ میں نے وہ اشرفیاں وہیں پڑی ہوئی چھوڑ دیں ۔

نکتۂ یازدہم

اس بارے میں ہے کہ سلطان المشائخؒ کے حاسدوں نے سلطان علاء الدین خلجی سے آپ کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں ، جو سلطان المشائخ کی مجلس کے شایانِ شان نہ تھیں اور آپ کے دشمن کس طرح ذلیل و خوار ہوئے

کاتبِ حروف کے والد سیّد مبارک محمد کرمانیؒ فرماتے تھے کہ جب حق تعالیٰ نے سلطان المشائخ کو لوگوں میں مشہور کیا اور آپ کی عظمت و کرامت [۱۳۳] کا شہرہ آسمان اور فرشتوں کے کانوں تک پہنچا اور بڑے بڑے علماء و مشائخ ، اُمرا اور بادشاہ آپ کی غلامی میں داخل ہوئے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

قبلۂ خسروانِ روئے زمیں
ہفت کشور ہمیشہ زیرِ نگیں

تاجِ شاہان ز خاکِ درگہِ تو
سروراں خاک گشتہ در رہِ تو
درگہ تست آسمانِ دگر
ماہ و خورشید پاسبانش نگر

اس مقبولیت و شہرت کو دیکھ کر حاسدوں کے دل میں حسد کا کانٹا کھٹکنے لگا۔ ان حاسدوں نے سلطان علاء الدین کے کان میں یہ بات ڈالی کہ سلطان المشائخ عالم کے مقتدا ہوگئے ہیں اور کوئی ایسا بندہ بشر نہیں کہ اُن کے آستانے کی خاک کو اپنے سر کا تاج نہ بناتا ہو۔ حکیم سنائی نے کیا اچھا کہا ہے:

ہر کہ او خاک نیست بر درِ او
گر فرشتہ است خاک بر سرِ او

ان کا دسترخوان جنت کی نعمتوں کے سبب قابلِ رشک ہے۔ اس قسم کی باتیں انھوں نے بادشاہ سے کہیں اور اُس کے دل میں بٹھا دیا کہ اندیشہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اُن کی وجہ سے آپ کی سلطنت کو خطرہ لاحق ہو، اس لیے کہ پہلے بادشاہوں کے مُلک کو اسی طریقے سے نقصان پہنچا ہے۔

جب یہ بات بار بار بادشاہ کے کانوں تک پہنچائی گئی اور اُس کے دل میں بٹھائی گئی، چونکہ یہ بادشاہ غیور تھا اور اپنے اقتدار کو ملک میں مستحکم کرنے کے لیے ایک جہان کو تہہ تیغ کیا کرتا تھا اور اس نے کئی خاندانوں کو تہہ تیغ کرایا تھا، اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ ممکن ہے کہ یہ بات سچ ہو، اس لیے کہ میرے مقرب۔ ملازمین اور میرے تخت کے اردگرد رہنے والے اور تمام عوام اُن کے مرید ہو چکے ہیں۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

متابع اند ترا چوں سپہر خورد و بزرگ
مسخر اند ترا چوں زمانہ پیر و جواں

کوئی ایسی تدبیر اختیار کرنی چاہیے کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ شیخ ملک پر اقتدار حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ اس نے ایک مسودہ مرتب کرایا، جس میں امور بادشاہی پر چند باتیں لکھوائیں۔ اُن میں ایک بات یہ بھی تھی کہ چونکہ سلطان المشائخ عالم کے مخدوم ہیں اور لوگ دینی اور دنیوی ضروریات کے لیے آپ سے ملتمس

ہوئے ہیں ، حق تعالیٰ نے اس ملک کی زمامِ حکومت میرے ہاتھ میں دی ہے ، اس لیے مجھے چاہیے کہ ہر کام اور مصلحتوں میں آپ کی رائے پر عمل کروں ۔ اس لیے عرض پرداز ہوں کہ جس کام میں آپ میری اور سلطنت کی بہتری مناسب تصور فرمائیں ، اُس سے مجھے آگاہ فرمایا جائے تاکہ یہ بندہ تعمیلِ ارشاد کی کوشش کرے [۱۳۴] کیونکہ اُس پر میری سلطنت اور میری جان کی سلامتی کا مدار ہے ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

تا کمر خدمتِ تو بھر نہ بست
چرخ بخورشید نشد تاجور

اس بنا پر یہ چند باتیں آپ کی خدمت میں لکھی جاتی ہیں ۔ اپنے قلمِ مبارک سے وہ باتیں لکھ بھیجیے ، جس میں سلطنت کی بھلائی ہو ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

واری الامور المشکلات تمزقت
ظلماتھا عن رائہ المستوہ

میں مشکل امور کو دیکھتا ہوں ۔ آپ کی عقلِ روشن سے ان مشکلات کی تاریکیاں دور ہوئیں ۔

کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

آسایشِ خلائق و آرائشِ جہاں
در طلعتِ مبارک و رائے متینِ تست

جب یہ تحریر مرتب ہوگئی تو خضر خاں[۱] کو ، جو اس کا محبوب ترین

۱۔ خضر خاں : سلطان علاء الدین کا بڑا بیٹا تھا ۔ افسوس ہے کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوا ۔ سلطان قطب الدین نے شادی کتہ کو گوالیار بھیجا اور حکم دیا کہ سلطان علاء الدین کے تینوں بیٹوں یعنی خضر خاں ، شادی خاں اور ملک شہاب الدین جن کو اندھا کر دیا گیا تھا اور صرف روٹی کپڑا دیا جاتا تھا ، قتل کرا دے ۔ شادی کتہ گوالیار پہنچا ۔ ان مظلوم اندھوں کو قتل کیا اور ان کی ماؤں اور بیویوں کو دہلی لے آیا ۔ (تاریخ فیروز شاہی (برنی) ، اُردو ترجمہ ، ص ۵۶۷ - ۵۶۸)

بیٹا اور سلطان المشائخ کا مرید تھا ، بلا کر کہا کہ یہ کاغذ لے جاؤ اور قدم بوسی کے بعد یہ تحریر سلطان المشائخ کو پہنچاؤ ۔ خضر خاں کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس کاغذ پر کیا لکھا ہوا ہے ۔ خضر خاں نے سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ کاغذ پیش کیا ۔ آپ نے اس کاغذ کو ہاتھ میں لیا لیکن اس کو پڑھا نہیں ۔ پھر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ فاتحہ پڑھیں ۔ اس کے بعد حاضرین مجلس سے کہا درویشوں کو بادشاہوں کے کاروبار سے کیا واسطہ ۔ میں درویش ہوں ۔ تمھارے شہر میں رہتا ہوں اور عام مسلمانوں اور بادشاہ کے لیے دعا کرنے میں مشغول ہوں ۔ اگر بادشاہ اس بارے میں مجھے کچھ لکھے گا ، میں یہاں سے کسی دوسرے شہر میں چلا جاؤں گا ۔ اللہ کی زمین وسیع ہے ۔

جب سلطان المشائخ کا یہ جواب خضر خاں نے سلطان علاء الدین کو پہنچایا تو وہ نہایت خوش ہوا اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ یہ بات سلطان المشائخ پر ایک جھوٹا الزام ہے ، لیکن دشمن مجھے مردان خدا سے لڑا دینا چاہتے تھے ، تا کہ آئندہ یہ بات ملک کی خرابی کا سبب بنے ۔

سلطان علاء الدین کی معذرت :

اس کے بعد بادشاہ نے سلطان المشائخ سے معذرت کی اور آپ کو کہلا بھیجا [۱۳۵] کہ میں جناب کا معتقد ہوں ۔ میں نے جرأت بے جا کی ہے ، مجھے معاف فرما دیا جائے ، اور اجازت دی جائے کہ میں خود حاضر ہو کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کروں ۔ سلطان المشائخؒ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ تمھارے آنے کی ضرورت نہیں ۔ میں تمھارے لیے غائبانہ دعا کرتا ہوں اور غائبانہ دعا کا زیادہ اثر ہوتا ہے ۔

سلطان علاء الدین کی ملاقات کی بارہا التجا :

پھر سلطان علاء الدین نے بار بار سلطان المشائخؒ سے نہایت عاجزانہ طریقے پر ملاقات کی التجا کی ، آپ نے اس کے جواب میں سلطان علاء الدین کو کہلا بھیجا کہ اس فقیر کے گھر کے دو دروازے ہیں ، اگر

آپ ایک دروازے سے آئیں گے ، میں دوسرے دروازے سے باہر نکل جاؤں گا ۔

سلطان جلال الدین خلجی کی ملاقات کے لیے تمنا اور امیر خسرو کے ذریعہ گزارش :

کاتبِ حروف کے والد رحمہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سلطان جلال الدین انار اللہ برہانہ نے اپنی حکومت کے زمانے میں ہر چند چاہا کہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو ، لیکن آپ نے اجازت نہ دی ۔ یہاں تک کہ امیر خسرو شاعر سے ، جو اُس کے مصحف دار تھے ، اُس نے مشورہ کیا کہ وہ حضرت سلطان المشائخ کی اجازت کے بغیر آپ کی خدمت میں جائے گا ۔ امیر خسرو نے مناسب یہی سمجھا کہ وہ بادشاہ کے اس ارادے کو اپنے مرشد پر ظاہر کر دیں ۔ انھیں یہ بھی خیال ہوا کہ اگر میں نے بادشاہ کا یہ ارادہ اپنے مرشد پر ظاہر نہ کیا تو کہیں ان کی ناراضی کا موجب نہ ہو اور آپ مجھ سے یہ پوچھیں کہ جب کہ تمھیں معلوم تھا ، تم نے مجھ سے کیوں نہیں بیان کیا ، بڑے غور و فکر کے بعد امیر خسرو نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے یہ بات سلطان المشائخ سے بیان کر دینی چاہیے ۔ اگرچہ یہ بادشاہ کا ایک راز تھا ، لیکن امیر خسرو نے سلطان المشائخ سے بیان کرنے میں اپنی جان کی پروا نہ کی اور اُنھوں نے سلطان المشائخ سے بادشاہ کا ارادہ بیان کر دیا اور عرض کیا کہ کل بادشاہ آپ کی خدمت میں آئیں گے ۔ سلطان المشائخ نے جب یہ بات سنی تو اُسی وقت آپ حضرت شیخ شیوخ العالم کی زیارت کے لیے اجودھن روانہ ہوگئے ۔ جب اس کی خبر جلال الدین خلجی کو معلوم ہوئی تو وہ امیر خسرو سے ناراض ہوا اور امیر خسرو سے کہا کہ تم نے میرے راز کو سلطان المشائخ سے بیان کرکے مجھے ان کی قدم بوسی کی سعادت سے محروم کر دیا ۔ امیر خسرو نے جواب دیا کہ میرے لیے بادشاہ کی ناراضی سے صرف جان کا اندیشہ تھا ، لیکن سلطان المشائخ کی ناراضی سے ایمان کے سلب ہو جانے کا اندیشہ تھا ۔ سلطان جلال الدین چونکہ عقل مند بادشاہ تھا ، اسے امیر خسرو کا یہ جواب پسند آیا ۔

نکتۂ دوازدہم

سلطان المشائخ نظام الحق والدینؒ اور شیخ الاسلام شیخ رکن الدین شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے قدس اللہ سرہ [۳۹] العزیز کی ملاقات کے بارے میں

کاتب حروف نے سید مبارک محمد کرمانیؒ سے سنا تھا کہ سلطان المشائخ کی شیخ رکن الدین سے متعدد مرتبہ ملاقاتیں ہوئیں۔

پہلی ملاقات :

پہلی مرتبہ سلطان قطب الدین بن سلطان علاء الدین کے عہد حکومت میں جب شیخ رکن الدینؒ ملتان سے دہلی تشریف لائے اور جب آپ دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان المشائخ آپ کے استقبال کے لیے نکلے اور شیخ رکن الدینؒ سے حوض خاص علائی کے پاس جو اندر ہے سرائے میں وہاں ان دونوں بزرگوں کی ملاقات فجر کی نماز کے وقت ہوئی۔ سلطان المشائخ اُن کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے، لیکن یہ ملاقات بہت مختصر ہوئی اور سلطان المشائخ ملاقات کرکے لوٹ آئے۔

جب شیخ رکن الدین[1] سلطان قطب الدین سے ملے تو سلطان نے اُن سے پوچھا، اس شہر کے بزرگوں میں سب سے پہلے کون آپ سے ملا؟ شیخ رکن الدین نے جواب دیا کہ سب سے پہلے مجھ سے وہ ملا، جو اس شہر کا بہترین انسان تھا یعنی سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز۔

دوسری ملاقات :

شیخ رکن الدین نے جب سنا کہ سلطان المشائخؒ نماز جمعہ مسجد کیلوکھری میں پڑھیں گے تو وہ نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد کیلوکھری آئے اور شمالی دروازے کے قریب، جو دریا کے کنارے پر واقع ہے، بیٹھ گئے۔ سلطان المشائخ بھی وقت مقررہ پر تشریف لائے اور جنوبی دروازے

۱- شیخ رکن الدین بن شیخ صدر الدین : وفات : ۱۶ رجب ۷۳۵ھ (۱۳۳۵ء)۔ (تذکرہ صوفیائے پنجاب، تالیف اعجاز الحق قدوسی، ص ۳۰۸)

کے بائیں جانب اپنی مقررہ جگہ پر بیٹھ گئے۔ لوگوں نے سلطان المشائخ کو خبر کی کہ شیخ رکن الدین بھی اس مسجد میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ مسجد کے ان دونوں دروازوں کے درمیان مسجد کے وسیع صحن کی وجہ سے خاصا فاصلہ ہے۔ جب سلطان المشائخ نماز جمعہ سے فارغ ہو گئے تو اپنی جگہ سے اٹھے اور وہاں تشریف لائے، جہاں شیخ رکن الدین بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت شیخ رکن الدین نماز میں مشغول تھے۔ سلطان المشائخ شیخ رکن الدین کی پیٹھ کے پیچھے بیٹھ گئے، یہاں تک کہ شیخ رکن الدین نماز سے فارغ ہوگئے۔ بعدہ، ان دونوں بزرگوں نے ملاقات کی اور ایک دوسرے سے مصافحہ اور معانقہ کیا اور دونوں نے ایک دوسرے کی تعظیم و توقیر میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

شیخ رکن الدین جہاں وہ بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے سلطان المشائخ کا ہاتھ پکڑ کر [۱۳۷] باتیں کرتے ہوئے جنوبی دروازے کے پاس لائے کہ جو سلطان المشائخ کے مقررہ بیٹھنے کی جگہ تھی۔ شیخ رکن الدین کی پالکی بھی اسی دروازے پر لائی گئی۔ جب یہ دونوں بزرگ مسجد کے دروازے پر پہنچے تو شیخ رکن الدین نے تعظیماً سلطان المشائخ سے کہا پہلے آپ پالکی میں سوار ہوں۔ سلطان المشائخ نے بھی شیخ رکن الدین سے فرمایا، نہیں، پہلے آپ سوار ہوں۔ بڑے اصرار کے بعد شیخ رکن الدین پالکی میں سوار ہوئے۔

تیسری ملاقات:

تیسری مرتبہ میرے چچا ملک السادات سید کمال الدین احمد بن کرمانی نے بیان کیا کہ میں "بادشاہ کی سرائے" سے واپس ہو رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ شیخ رکن الدین غیاث پور کی طرف جا رہے ہیں۔ میں نے قرینے سے سمجھ لیا کہ وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں جا رہے ہیں۔ میں نے گھوڑے کو تیزی سے بھگایا اور میں حظیرۂ سلطان المشائخ میں [illegible] تاکہ آپ کو خبر کروں۔ سلطان المشائخ اس دن حظیرے [illegible] جگہ پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہ ایک بالا خانہ تھا [illegible] چبوترے کے اوپر بنا ہوا تھا اور اس [illegible] جہاں [illegible] تھے۔ اس عمارت کو شیخ حسن سر [illegible] نے تعمیر [illegible] تشریف فرما تھے۔ آپ کو اس کی اطلاع دی گئی لیکن [illegible]

کو صحیح نہ جانا اور فرمایا کہ یہ راستہ اندرپت کو بھی جاتا ہے ۔ ممکن ہے کہ وہ اس نواح کے بزرگوں کی زیارت کے لیے گئے ہوں ، لیکن پھر بھی اقبال خادم دسترخوان تیار کرے اور قسم قسم کے تحائف لائے ۔ جب شیخ رکن الدین اندرپت کے راستے سے ہٹ کر سلطان المشائخؒ کے مکان کی طرف آئے اور ان کی پالکی دہلیز دیانگی کے گنبد کے قریب یاروں کے چبوترے پر ٹھہری تو سلطان المشائخ بالاخانے سے اتر کر نیچے آئے اور "چبوترۂ ستون" کے پاس ان دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی۔ اُس زمانے میں شیخ رکن الدین کے پاؤں میں کوئی تکلیف تھی ، اس لیے وہ پالکی کے نیچے نہیں اتر سکتے تھے ۔ باوجود اس کے اُنھوں نے پالکی سے اُترنے کی بہت کوشش کی ، لیکن اُتر نہ سکے ۔ آخر اُنھوں نے فرمایا کہ مجھے اُتارو ۔ لیکن سلطان المشائخ نے تواضعاً اور اخلاقاً ان کو اُترنے نہ دیا ۔ شیخ رکن الدین پالکی ہی میں بیٹھے رہے اور سلطان المشائخ قبلہ رو بیٹھے رہے اور کچھ دیر تک دونوں بزرگ آپس میں باتیں کرتے رہے ۔ آخر کار اس موقع پر مولانا عماد الدین اسماعیل نے کہا جو شیخ رکن الدین کے صوری اور معنوی بھائی تھے کہ آج ان دونوں بزرگوں کے وجود سے مجلس متبرک ہے اور خدا کی مجالس وہ مجالس ہوتی ہے کہ جس میں کوئی علمی بحث ہو ۔ یہ بات کہہ کر وہ سلطان المشائخ کی طرف متوجہ ہوئے لیکن سلطان المشائخ خاموش رہے اور شیخ رکن الدین نے بھی کچھ نہ کہا ۔ اس کے بعد مولانا عماد الدین نے پوچھا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے مکے سے مدینے میں ہجرت کرنے میں کیا حکمت تھی ؟ شیخ رکن الدین نے سلطان المشائخ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپ اس کا جواب دیں ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ پہلے آپ اس کا جواب مرحمت فرمائیں ۔

شیخ رکن الدین نے جواباً فرمایا کہ جو درجات و کمالات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے مقدر کیے گئے تھے ، اُن کی تکمیل آپ کے مدینۂ منورہ تشریف لانے پر منحصر تھی۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ مدینے شریف لائے تو اُن درجات و کمالات کی تکمیل ہوئی ۔

جب شیخ رکن الدین یہ جواب بیان کر چکے تو سلطان المشائخؒ نے [illegible] کی ایک وجہ اس فقیر کے دل میں بھی آئی ہے ۔ لیکن وہ کسی سیر اور کتاب میں میری نظر سے نہیں گزری ۔ وہ حکمت یہ

ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی دعوت و ارشاد سے مکے والے تو مستفیض ہوئے اور اسلام کی دعوت سے مشرف ہوئے ، لیکن ناقصوں کی وہ جماعت جو مدینے میں تھی اور وہ حضور اکرم تک نہیں پہنچ سکتے تھے ، اُن کے لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ مکے سے مدینے ہجرت کریں ، تاکہ آپ کے کمالات سے یہ ناقص بھی کامل ہیں -

کاتبِ حروف عرض کرتا ہے کہ ان دو بزرگوں نے جو جوابات دیے ہیں ، ہر ایک کے جواب میں ان دونوں بزرگوں کی عظمت ، کمال اور تبحر معلوم ہوتا ہے - اور ان جوابات سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ یہ بزرگ آپس میں کس طرح ایک دوسرے کی تعظیم و توقیر کرتے تھے -

غرضیکہ جب دستر خوان بچھانے کا وقت آیا تو لوگوں نے کاتب الحروف کے والد سے متوجہ ہو کر کہا کہ ہم میں سے کسی کی یہ جرأت نہیں کہ ان دونوں بزرگوں کے سامنے دسترخوان بچھائے - یہ کام آپ ہی انجام دے سکتے ہیں - میرے والد رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب میں "کندوری" ان دنوں بزرگوں کے سامنے لے گیا تو میں نے دیکھا کہ شیخ رکن الدین کی پالکی میں محتاجوں کی بہت سی عرضیاں پڑی ہیں [۱۳۹] میں ان کاغذات کو ایک طرف اکٹھا کر رہا تھا تا کہ دسترخوان بچھاؤں کہ اس موقع پر شیخ رکن الدین نے سلطان المشائخ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ کاغذات کیا ہیں ، پھر فرمایا کہ یہ مسکینوں اور محتاجوں کی عرضیاں ہیں - جب میں بادشاہ کے پاس جاتا ہوں تو یہ محتاج اور مساکین اپنی اپنی عرضیاں دیتے ہیں تاکہ ان کی مشکل آسان ہو - آج اُنھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ میں دین کے بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں - سلطان المشائخ نے عمدہ الفاظ میں معذرت کی -

جب کھانا چُنا گیا ، سرکہ انگوری کا برتن دور تھا - شیخ رکن الدین نے میری طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ برتن اُٹھا کر میرے پاس لاؤ - سلطان المشائخ نے فرمایا ، یہ شہری سرکہ کا ہے - شیخ رکن الدین نے فرمایا ، اسی وجہ سے تُرش ہے - سلطان المشائخ نے فرمایا ، اسی وجہ سے سب کو عزیز ہے -

تحائف و ہدایا اور سلطان المشائخ کا قول :

الغرض جب دسترخوان بڑھایا گیا تو اقبال خادم نے جھرتلی اور شالہ باف کے چند مہین کپڑے اور اشرفیوں کی ایک پوٹلی ، جو باریک کپڑے میں بندھی ہوئی تھی اور جس سے اشرفیوں کی سرخی جھلک رہی تھی ، شیخ رکن الدین کی خدمت میں پیش کیے۔ شیخ رکن الدین کی نظر جب اشرفیوں کی پوٹلی پر پڑی تو فرمایا ، أستر ذھبک (اپنے سونے کو چھپاؤ) ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، أستر ذھبک و ذھابک و مذھبک (اپنے سونے ، جانے اور اپنے جانے کی جگہ کو چھپاؤ) ۔

سلطان المشائخ کے قول کی توضیح :

سلطان المشائخ کے اس قول سے کریم الدین بیانہ نے ، جو خواجہ محمد بدرالدین اسحاق کے داماد اور شیخ شیوخ العالم کے پوتے تھے ، تصوف کے کئی باریک نکتے مستنبط کیے ہیں ۔

شیخ رکن الدین نے جو فرمایا ، استر ذھبک اس کا مفہوم و مطلب ظاہر ہے اور جو سلطان المشائخ نے فرمایا ، استر ذھبک و ذھابک و مذھبک ۔ مراد ان دونوں لفظوں ذھابک و مذھبک سے اس موقع پر کیا ہے ، سو واضح ہو کہ تصوف و سلوک کی راہ کے معاملات کا چھپانا نہ صرف واجب ہے بلکہ فرض ہے ، تاکہ یہ دینی معاملہ مخلوق کی نظر میں نہ آئے کیونکہ خلق کی نظر ایک بڑی آفت ہے اور اس آفت کا دفع کرنا یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی پر یہ کرم فرمائے کہ مقام محبت سے محبوبیت کے درجے پر فائز کرے اور خدا نہیں چاہتا کہ خدا کے محبوب کے معاملے سے کوئی مطلع ہو ، اس لیے اس کے مال سے کوئی ایسی چیز نامزد کرتا ہے [۱۰۰] کہ سطح بیں مخلوق کی نگاہ اس پر پڑتی ہے اور وہ اس پر گفتگو کرتے رہتے ہیں اور اس بندۂ محبوب کا اصل معاملہ چھپا رہتا ہے ۔ مثلاً اگر اللہ تعالیٰ کے کسی دوست کے پاس دنیاوی جاہ و اقبال ہو ، تو وہ ان سے بالکل مبرا ہوتا ہے اور محبت الٰہی میں اس طرح مستغرق رہتا ہے کہ اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی اور کونین کی طرف مائل نہیں ہوتا ۔ خلقت کی نگاہ اس کے دنیاوی جاہ و اقبال پر ہوتی ہے اور وہ دل جمعی سے

اللہ تعالیٰ کے محبت کے سجادے پر مستقیم اور راسخ رہتا ہے :

تا ذوق درونم خبر می دہد از دوست
از طعنۂ دشمن بخدا گر خبر ستم

ایسا ولی ایسے معاملے کی وجہ سے غیروں کی نظر سے محفوظ رہتا ہے اور ہر روز بلکہ ہر ساعت عالم مشاہدہ اور قرب میں اس کا درجہ زیادہ ہوتا ہے اور یہ دو لفظ ذاہبک و مذہبک، استر ذہبک کے جواب میں بالکل درست ہیں ۔

اب ہم پھر اُن کپڑوں اور اشرفیوں کے واقعہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں ۔ یہ چیزیں شیخ رکن الدین نے قبول نہ کیں ، پھر یہ چیزیں مولانا عماد الدین اسماعیل کو ، جو شیخ رکن الدین کے بھائی تھے ، پیش کی گئیں ۔ اُنھوں نے بھی شیخ رکن الدین کے طریقے پر انکار کر دیا ۔ اس موقع پر شیخ رکن الدین نے مولانا عماد الدین کو اشارہ کیا کہ وہ قبول کر لیں ۔ مولانا عماد الدین نے ، جو علم و فضل اور تقویٰ سے آراستہ تھے ، شیخ رکن الدین کے اشارے پر ان تحائف کو قبول کر لیا ۔

چوتھی ملاقات :

شیخ رکن الدین اور سلطان المشائخ کی چوتھی ملاقات اس طرح ہوئی کہ سلطان المشائخ بیمار تھے ۔ شیخ رکن الدینؒ آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے ۔ اُس روز ذی الحجہ کی دسویں تاریخ تھی ۔ جب دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی تو شیخ رکن الدین نے فرمایا ، آج عشرۂ ذی الحجہ ہے اور ہر آدمی حج کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ میں نے بھی کوشش کی ہے کہ سلطان المشائخ کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے آیا ہوں تاکہ حج کا ثواب حاصل کروں ۔ سلطان المشائخ نے آبدیدہ ہو کر اُن کی اس عنایت کے لیے معذرت کی ۔

پانچویں ملاقات :

پانچویں مرتبہ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات اُس وقت ہوئی جب سلطان المشائخ پر مرض غالب ہوا ۔ یہ عجیب و غریب مرض تھا کہ ہر روز عشق و محبت کے غلبے کی وجہ سے کئی مرتبہ آپ بے ہوش ہو جاتے اور کئی مرتبہ آپ ہوش میں آتے ۔ اس حال میں کئی مرتبہ

شیخ رکن الدین آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے:

خنک آں رنج کہ بیمارم بعیادت بسر آید
دید مندان عجز ایں دوست ندارید دوا را

سلطان المشائخ چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنی بھی طاقت نہ تھی کہ چارپائی سے نیچے اُتر سکیں۔ ملاقات کے بعد [۱۳۱] سلطان المشائخ نے شیخ رکن الدین کو اپنی چارپائی پر بیٹھنے کے لیے کہا لیکن وہ پاس ادب کی وجہ سے چارپائی پر نہیں بیٹھے۔ آخر کرسی لائی گئی اور شیخ رکن الدین اس پر بیٹھے۔ تمام مریدین و معتقدین حیرت میں تھے کہ سلطان المشائخ عالم تحیّر میں ہیں۔ آپس میں گفتگو کیسے ہوسکے گی، لیکن سلطان المشائخ اپنے کمال کی وجہ سے عالم ہوش میں آئے اور شیخ رکن الدین کی طرف متوجہ ہوئے۔ شیخ رکن الدین نے آپ سے فرمایا:

الانبیاء یخیّرون عندالموت۔

[انبیاء علیہم السلام کو موت کے وقت اختیار دیا جاتا ہے۔ چاہیں تو وہ دنیا میں رہیں اور چاہیں تو وہ اپنے مولیٰ کے پاس چلے جائیں۔]

چنانچہ حدیث میں ہے:

ما من نبی یموت الا و یتخیّرون۔

[کوئی نبی اس وقت تک وفات نہیں پاتا، لیکن اُس نبی کو اختیار دیا جاتا ہے۔]

چوں کہ اولیاء بھی اُن کے خلف ہیں، اس لیے اولیاء کو بھی یہ اختیار حاصل ہے خواہ وہ اس دنیا میں رہیں یا اس دنیا سے چلے جائیں۔ جب یہ واقعہ ہے تو چوں کہ سلطان المشائخ کو اپنی زندگی پر، جس سے اہل عالم کی زندگی وابستہ ہے، اس لیے مناسب ہوگا کہ آپ بارگاہ الٰہی میں کچھ مزید مدت اپنی زندگی کی درخواست کریں تاکہ ناقص کمال حاصل کریں۔

سلطان المشائخ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ نظام! ہمیں تمہاری ملاقات کا اشتیاق بہت ہے۔ آپ کی یہ بات سن کر شیخ رکن الدینؒ

اور تمام حاضرین مجلس زار و قطار رونے لگے - پھر تھوڑی دیر کے بعد شیخ رکن الدین واپس چلے گئے -

یہ کاتب حروف عرض کرتا ہے کہ میں نے تغلق کے عہد میں شہر دہلی میں اپنے نانا مولانا شمس الدین دامغانی کے ہمراہ شیخ رکن الدین کا شرف قدم بوسی حاصل کیا تھا اور اُن کے دسترخوان کا حق نمک میرے ذمے ہے -

نکتۂ سیزدہم

سلطان المشائخؒ کی بعض کرامات کے بیان میں

سلطان المشائخؒ ایک مجمع میں تشریف فرما تھے - اس عالم میں خواجہ محمود پٹوہ بھی حاضر تھے ، جو شیخ شیوخ العالم فریدالدین کے مریدوں میں سے تھے - وہ بیان کرتے تھے کہ میں ابتدا میں خواب میں عجب و غریب اور خوب صورت شکلیں دیکھا کرتا تھا - اس قسم کی اُنھوں نے بہت سی باتیں بیان کیں - سلطان المشائخ نے فرمایا اکثر ایسا ہوتا ہے ، ایک مرتبہ میں چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک فرشتہ جلد کی صورت میں میرے پاس آیا اور میری چارپائی کے نزدیک کھڑا ہو گیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ ایک درویش دروازے پر کھڑا ہے -

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ بدھ کے روز دوپہر کے وقت نور اُترتا ہے اور ہفتے کے دن تک رہتا ہے - ہفتے کے روز جب آفتاب نکلتا ہے تو وہ نور اُوپر چلا جاتا ہے -

ایک دفعہ ایک شخص سلطان المشائخ کی خدمت میں [۱۳۲] کھانا لایا - کھانا لاتے وقت راستے میں اس کے دل میں خیال آیا کہ اگر سلطان المشائخ اپنے دست مبارک سے میرے منہ میں نوالہ رکھیں تو یہ میری کتنی خوش نصیبی ہوگی - جب یہ شخص سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچا تو دسترخوان بڑھایا جا چکا تھا اور سلطان المشائخ اس وقت پان کھا رہے تھے - سلطان المشائخ نے تھوڑا سا پان اپنے منہ سے نکال کر اس کے منہ میں رکھا اور فرمایا ، لو یہ اس نوالے سے بہتر ہے -

ایک دفعہ آپ کے چند معتقد و مرید مل کر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے - ان میں سے ہر ایک نے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے

لیے مختلف قسم کی مٹھائیاں خریدیں۔ ان میں ایک دانشمند بھی تھا۔ اُس نے پوچھا کہ کیا یہ مختلف تحائف سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرو گے؟ اُنھوں نے کہا، ہاں۔ اس نے تھوڑی سی خاک راستے میں سے اُٹھائی اور ایک کاغذ میں لپیٹ لی۔ جب یہ سلطان المشائخ کے پاس پہنچے تو ہر ایک نے اپنا تحفہ آپ کے سامنے رکھا اور اس دانشمند نے بھی وہ پڑیا کاغذ کی سامنے رکھی۔ آپ کے خادم نے وہ تحائف اُٹھانے شروع کیے۔ خادم نے چاہا کہ وہ کاغذ کی پڑیا بھی اُٹھا لے کہ سلطان المشائخ نے اُس سے فرمایا کہ اس پڑیا کو رہنے دو کہ یہ خاص ہماری آنکھوں کے لیے سرمہ ہے۔ وہ دانشمند فوراً تائب ہوا۔ سلطان المشائخ نے اُسے خلعتِ خاص سے سرفراز کیا اور اس سے فرمایا اگر تمھیں وظیفے یا روٹی کی ضرورت ہو تو ہم سے کہو۔

قاضی محی الدین کاشانیؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سلطان المشائخ کی خدمت میں گھر سے وضو کر کے حاضر ہوا لیکن مجھے اپنے دل میں شک تھا کہ میں نے نیا وضو کیا ہے یا نہیں۔ سلطان المشائخ نے میرے اس شک کو نورِ باطن سے معلوم کر لیا اور فرمایا کہ ایک مرتبہ سیّد اجل کا بیٹا میرے پاس آیا۔ میں ہر چند اس سے بات کرتا تھا لیکن اُسے حاضر دماغ نہیں پاتا تھا۔ آخر میں نے اس سے پوچھا، سیّد! تیرا کیا حال ہے کہ میں تجھے غائب دماغ پاتا ہوں۔ اس نے کہا کہ میرے مخدوم! بات یہ ہے کہ میں نے گھر میں وضو کیا تھا لیکن شاید میں نے تجدید وضو نہیں کیا۔ اس لیے میرا دل سخت پریشان ہے۔ میں نے کہا، سیّد جا اور وضو کر کے مطمئن ہو کر آ اور پھر مطمئن ہو کر دل جمعی سے بیٹھ۔ سلطان المشائخ نے جب یہ بات ختم کی تو میں بھی فوراً اُٹھا اور میں نے عرض کیا کہ میں بھی اسی مخمصے میں مبتلا ہوں۔ سلطان المشائخ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا، تو جاؤ اور وضو کر کے آؤ۔

ایک روز دو مرید سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک نے وضو میں احتیاط نہ کی تھی۔ جب وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچے، تو سب سے پہلے جو بات آپ نے اُن سے کی وہ یہ تھی کہ وضو میں احتیاط کرنی چاہیے کہ وضو خدا کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔

قاضی محی الدین کاشانی [۱۳۴] فرماتے ہیں کہ میں عہدِ علائی میں موقوف ہو کر نظربند ہوا اور یہ نظربندی دیر تک رہی۔ میں نے

سلطان المشائخ کی خدمت میں ایک آدمی کو بھجوایا اور عرض کیا کہ مجھے بے قصور موقوف کر دیا گیا ہے اور میرا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ میری کیا حالت ہوگی۔ سلطان المشائخ نے تین روٹیاں میرے پاس بھجیں اور فرمایا، ان میں سے ایک روزانہ کھاؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ تیسرے روز میں رہا ہوگیا۔

مولانا وجیہ الدین پائلی فرماتے تھے کہ مجھے دق کی بیماری شروع ہوئی۔ طبیبوں نے مشورہ دیا کہ میں کسی باغ میں دریا کے کنارے سکونت اختیار کروں۔ میں نے طبیبوں سے کہا کہ میرے لیے ایسے مقام کا ملنا دشوار ہے سوائے اس کے کہ سلطان المشائخ کے مکان میں رہوں، جو دریا کے کنارے ہے۔ چنانچہ میں نے وہ دوائیں ساتھ لیں، جو طبیبوں نے میرے لیے تجویز کی تھیں اور سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت آپ روزہ افطار کر رہے تھے۔ سرما کا موسم تھا۔ کوئی شخص تحفتاً مُنڈی لے کر آیا تھا۔ سلطان المشائخ وہ تناول کر رہے تھے۔ مجھ سے بھی آپ نے فرمایا کہ آؤ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر کھاؤ۔ باوجود اس کے کہ مجھے دق کی بیماری تھی اور مُنڈی گرم ہوتی ہے، لیکن سلطان المشائخ کے حکم پر میں نے مُنڈی کھائی۔ جب میں سلطان المشائخ کے پاس سے اُٹھا تو مجھے شفائے کامل حاصل ہو چکی تھی اور مجھے علاج کی بالکل ضرورت نہ تھی۔

مولانا بدرالدین مرید، جن کو روش بھی کہتے تھے، جو بات کے بڑے سچے تھے، روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات سلطان المشائخ کے دروازے پر ایک اُونٹ دیکھا کہ وہ کھڑکی کے نیچے کھڑا ہے۔ سلطان المشائخ اُس پر سوار ہوئے اور وہ اُونٹ ہوا میں اُڑنے لگا۔ میں بے خود ہوگیا۔ جب میں بیدار ہوا اور خواب کا اثر جاتا رہا، یہاں تک کہ رات آخر ہوگئی تو میں نے پھر دیکھا کہ وہ اُونٹ دریچے کے نیچے کھڑا ہوا ہے۔ سلطان المشائخ دریچے کو بند کر کے گھر میں تشریف لے گئے اور اُونٹ واپس چلا گیا۔

کاتبِ حروف نے ثقہ لوگوں سے سنا کہ شیخ نجم الدین صفاہانی ساٹھ سال تک خانۂ کعبہ کے مجاور رہے۔ اُنھوں نے خانۂ کعبہ کے قریب ایک گھر بنوایا تھا کہ ہمیشہ گھر میں بیٹھ کر ان کی نظریں خانۂ کعبہ پر پڑتی رہتی تھیں۔ شیخ کامل الحال بزرگ تھے۔ ایک روز مکۂ معظمہ

کے مجاوروں نے اُن سے پوچھا کہ آج سلطان المشائخ مقتدائے عالم ہیں اور خدا کی مخلوق کو مقصد تک پہنچا دیتے ہیں لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ خانۂ کعبہ کی زیارت نہیں کرتے اور دولتِ حج سے مشرف نہیں ہوتے؟ شیخ نجم الدینؒ نے فرمایا کہ آپ اکثر فجر کی نماز میں خانۂ کعبہ میں حاضر ہوتے ہیں اور ہمارے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے ہیں [۱۰۹]۔ احتمال ہے کہ وہ شعر فرشتہ ہو کہ غیب سے آتا ہو اور سلطان المشائخ کو خانۂ کعبہ لے جاتا ہو۔

خواجہ ابوبکر وراق، جو سلطان المشائخ کی قربت اور جانماز بچھانے کی خدمت سے مشرف تھے، فرماتے تھے کہ ایک روز سلطان المشائخ نے اپنا جبّۂ خاص مجھے عطا فرمایا۔ میں نے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہا۔ ایک صاحب نے مشورہ دیا کہ اس کی قیمت ادا کر دو۔ مجھے اُن صاحب کی یہ بات سخت ناگوار گزری۔ جب میں شکرانے کے طور پر کچھ تحائف آپ کی خدمت میں لے کر گیا، تو سلطان المشائخ نے خادم سے فرمایا کہ ایک سیر گھی اس کے لیے لاؤ۔ میں نے آپ سے گزارش کی کہ یہ معمولی چیزیں ہیں، آپ انھیں قبول فرمائیں۔ آپ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمھیں یہ جبّہ گھی کی قیمت میں پڑے گا۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ غیاث پور کے قیام سے پہلے میں کیلو کھری کی مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لیے جایا کرتا تھا۔ گرم ہوائیں چلتی تھیں اور مسجد کا فاصلہ ایک کوس تھا اور میں روزے سے تھا۔ مجھے چکر آنے لگے اور میں ایک دوکان پر بیٹھ گیا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ اگر میرے پاس سواری ہوتی تو میں اُس پر سوار ہو کر جاتا۔ بعد میں شیخ سعدی کا یہ شعر میری زبان پر آیا:

ما قدم از سر کنیم در طلبِ دوستان
راہ بجائے برد ہر کہ باقدام رفت

میں نے اس خطرے سے توبہ کی۔

اس واقعہ کو تین روز گزرے تھے کہ حلیفہ ملک یار پرانؒ میرے لیے ایک گھوڑی لے کر آیا اور مجھ سے کہا کہ اسے قبول کیجیے۔ میں نے اُس سے کہا کہ تم خود ایک درویش ہو، میں تم سے یہ کیسے قبول کر سکتا ہوں۔ اُنھوں نے کہا کہ تین راتوں سے میں برابر خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے شیخ مجھ سے برابر فرما رہے ہیں کہ فلاں

شخص کے پاس گھوڑی لے کر جاؤ - میں نے کہا ، بے شک تمہارے شیخ نے تم سے کہا ہے لیکن اگر میرے شیخ بھی کہیں گے تو میں یہ گھوڑی تم سے لے لوں گا - اسی رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ شیوخ العالم مجھ سے فرماتے ہیں کہ ملک یار پران کی دل جوئی کے لیے یہ گھوڑی قبول کرو - دوسرے روز وہ گھوڑی لے کر آیا تو میں نے اسے فرستادۂ حق سمجھ کر قبول کر لیا - اس کے بعد سے میرے گھر میں گھوڑوں کی کمی نہیں ہوئی - وہ گھوڑی ایک مدت تک میرے گھر رہی - بعد میں میں نے یہ گھوڑی اپنے بھانجے خواجہ محمد کو دے دی -

قاضی محی الدین کاشانی نے اس موقع پر فرمایا کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص موسم گرما میں اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا ہے ، اللہ تعالیٰ اس کی حاجتوں اور امیدوں کو پورا کر دے گا -

نیز ایک وقت ایک مرید نے افطار کے وقت دل میں خیال کیا کہ اگر سلطان المشائخ پانی کا بچا ہوا وہ حصہ ، جس سے آپ افطار کریں گے ، مجھے دیں تو یہ آپ کی کرامت [۱۰۵] ہوگی - یہ خیال اس مرید کے دل میں گزرا ہی تھا کہ سلطان المشائخ نے فرمایا ، یہ پانی اس کو دے دو کہ اس نے توبہ کی ہے - جب سلطان المشائخ کھانا کھا کر اوپر آئے اور اپنی جگہ بیٹھے تو اس مرید کو بھی دوسرے مریدوں کے ساتھ بلایا اور بیٹھنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا بندہ ہے جس نے چالیس سال سے پیٹ بھر کر نہ کھایا نہ سیر ہو کر پانی پیا -

سلطان المشائخؒ فرماتے تھے کہ ابتدائے حال میں میں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اب میں نہ کتاب لکھواؤں گا اور نہ قیمتاً خریدوں گا - اسی زمانے میں ایک آدمی امام غزالی کی ''اربعین'' لے کر آیا جو مجھے بہت پسند آئی - میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں نے کتاب نہ خریدنے کا عہد کیا ہے - میں اس عہد کو نہیں توڑوں گا لیکن میرا دل اندر سے چاہتا تھا کہ اس کتاب کو خرید لوں - آخر چند روز کے بعد ایک شخص وہی کتاب میرے لیے تحفتاً لایا - میں نے اس کے تحفے کو قبول کر لیا -

ایک دفعہ ایک شخص سلطان المشائخ کی خدمت میں آیا - اس نے آپ کے درویشوں اور خادموں کو دیکھا کہ نہایت تنگی سے بسر کر رہے ہیں - اس شخص نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں

آپ کو سونا بنانا سکھا دوں تاکہ یہ تنگی دور ہو ۔ آپ نے فرمایا ، رنگ آمیزی نصاریٰ کا کام ہے اور سونا بنانا یہودیوں کی صفت ہے ۔ صوفیوں کے نزدیک سونا بنانا زرد روئی ہے ۔ نہ ہم مال کی طرف مائل ہیں نہ سونے کی طرف ، نہ ہمیں دنیا کی حاجت ہے اور نہ عقبیٰ کا سوال کرتے ہیں ۔ ہم قاضی الحاجات سے اپنی ضروریات طلب کرتے ہیں ۔ ع

دنیا چه کار آید و فردوس چه باشد

ایک صادق القول عزیز نے خواب میں دیکھا کہ سلطان المشائخ بہشت میں ایک تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں ۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ حق تعالیٰ ہر روز مجھے وظیفہ دیتا ہے ۔ یہ شخص سلطان المشائخ کے رعب کی وجہ سے نہ پوچھ سکا کہ وہ وظیفہ کیا ہے جو حق تعالیٰ آپ کو دیتا ہے ۔ پھر خود ہی سلطان المشائخ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ دنیا میں مجھ سے ہر روز خلق کو وظیفہ دلاتا ہے ۔ پھر اُسے قبول فرما کر اپنی عنایت سے اس کے عوض کئی ہزار درویشوں کا وظیفہ مقرر فرماتا ہے کہ جو ہر روز بخش دیے جاتے ہیں ۔

ایک عزیز نے بیان کیا کہ میں سلطان المشائخ کی زیارت کے ارادے سے اپنے قصبے سے روانہ ہوا ۔ دورانِ سفر میرا گزر قصبہ بوندی میں ہوا ۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ [۲۰۹] اس قصبے میں ایک درویش ہے کہ جسے شیخ مومن کہتے ہیں ۔ مجھے ان سے ملاقات کرنی چاہیے ۔ میں اُن سے ملنے کے لیے گیا ۔ اُنھوں نے مجھ سے پوچھا ، کہاں کا قصد ہے ؟ میں نے کہا کہ سلطان المشائخ کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں ۔ شیخ مومن نے کہا کہ سلطان المشائخ کو میرا بھی سلام پہنچانا اور آپ سے کہنا کہ میں ہر جمعہ کی رات کو آپ سے کعبے میں ملاقات کروں گا ۔ جب میں نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ قصبہ بوندی میں ایک درویش ہے جس نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ پیغام دیا ہے ۔ سلطان المشائخ درویش کا یہ پیغام سن کر منغض ہوئے کہ وہ درویش اگرچہ خدا کو پیارا ہے لیکن زبان پر قابو نہیں رکھتا ۔

خواجہ منہاج شقدار آپ کے خوش اعتقاد مریدوں میں تھا ۔ وہ بیان کرتا تھا کہ میں نے سلطان المشائخ کو سماع کی دعوت دی ۔ آپ نے قبول کر کے فرمایا ، اچھا ہوگا ۔ میں نے شیخ شیوخ العالم فریدالحق کے برتوں

اور دوسرے مریدین و معتقدین کو غیاث پور سے بلایا ہے۔ قبل اس کے کہ مریدین و معتقدین شہر سے پہنچتے ، یہاں تک کہ ابھی کھانا بھی تیار نہیں ہوا تھا ، ہر کسی نے کہنا شروع کیا کہ قوال حاضر ہیں ، یا تو سماع شروع کراؤ ورنہ ہم جاتے ہیں۔ خواجہ منہاج نے ان کا یہ اصرار دیکھ کر بازار سے کھانا منگوایا اور کھانا کھلا کر سماع شروع کرایا لیکن مجلس میں کوئی کیف اور ذوق پیدا نہ ہوا۔ میں سخت پریشان ہوا کہ مجلس بے مزہ ہو گئی۔ میں اسی غم کے عالم میں سر جھکائے ہوئے بیٹھا تھا کہ اچانک میں نے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ سلطان المشائخ ٹوپی سر پر رکھے حوض خانے کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ میں خوشی کے مارے بیخود ہو گیا۔ جب میں ہوش میں آیا تو میں نے دیکھا کہ سماع نے غیر معمولی اثر کیا تھا اور شہر کے سب دوست بھی پہنچ چکے تھے۔ جب میں سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری کیفیت بیان کی تو آپ نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا کہ جہاں اس فقیر کے مرید و معتقدین ہوں ، تو اس مجلس میں مجھ فقیر کو بھی حاضر تصور کرنا چاہیے۔

ان ہی خواجہ منہاج کا بیان ہے کہ میں ایک رات سلطان المشائخ کے گھر میں تھا۔ سلطان المشائخ کی چارپائی باہر بچھائی گئی اور اُوپر نمگیرہ تانا گیا۔ رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا کہ آپ کی چارپائی کے اُوپر سے ایک نور طلوع ہوا جس نے آسمان کو روشن کر دیا اور جماعت خانے کا تمام صحن اور دریا کا کنارہ بھی روشن ہو گیا۔ مجھ کو خوف معلوم ہوا اور میں ڈر کر ایک کونے میں سوتا بن گیا۔

ایک دفعہ شیخ نورالدین فردوسی نے اپنے تین مریدوں کو سلطان المشائخ کی خدمت میں بھیجا کہ میں نے شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین [۲۰۱] کی روح پُر فتوح کے ایصالِ ثواب کے لیے کچھ کھانا پکوایا ہے۔ از راہِ بندہ نوازی آپ بھی تشریف لائیں۔ پھر اُن تینوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ اگر سلطان المشائخ شیخ ہیں ، تو مجھے کھانے کی کوئی چیز عنایت فرمائیں گے۔ دوسرے نے کہا کہ مجھے کپڑا عنایت ہو گا۔ تیسرے نے کہا کہ بزرگوں کا امتحان نہیں کرنا چاہیے اور اس قسم کی باتیں نہیں سوچنی چاہییں۔ جب یہ تینوں سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُن سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم حاضر نہ ہو سکیں گے کیوں کہ آج ہم نے خود کھانا پکوایا ہے لیکن ہمارا

دل تمھاری مجلس میں ہوگا ۔ ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ ایک شخص دہی کا ایک دیگچہ اور چار ٹنکے لے کر حاضر ہوا ۔ سلطان المشائخ نے خادم سے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں اس شخص کو دے دو ۔ پھر اس شخص سے فرمایا کہ تم نے کھانے کی چیز اور روپے کے لیے اپنے دل میں سوچا تھا ۔ پھر خادم سے فرمایا کہ اس دوسرے آدمی کے لیے کپڑا لاؤ اور اس کو دو ۔ پھر تیسرے شخص سے فرمایا کہ اہل دل کی خدمت میں اسی طرح آنا چاہیے ۔ جس خیال کے ساتھ تم آئے ہو اور خادم کو حکم دیا کہ دو ٹنکے اس کو بھی دو ۔

کاتب حروف عرض کرتا ہے کہ شیخ رکن الدین فردوسی کو سلطان المشائخ سے چنداں اخلاص نہ تھا ۔ وہ شہر سے آ کر دریائے جمن کے کنارے حدود کیلوکھری میں مقیم ہو گیا تھا اور وہیں اپنی مرشدی کا جھنڈا بلند کیا تھا ۔ اس کے دو بیٹے جو بالکل نوجوان تھے ان کو اور اس کے مریدوں کو آپ سے بغض تھا ۔ وہ اکثر کشتی میں سوار ہو کر گاتے ناچتے سلطان المشائخ کے بالا خانے کے نیچے سے گزرتے تھے ۔ ایک روز وہ بہت سے لوگوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر ظہر کی نماز کے بعد گاتے بجاتے سلطان المشائخ کے گھر کے سامنے سے گزرے ۔ سلطان المشائخ جماعت خانے کے بالا خانے پر درود و شغل میں مشغول بیٹھے ہوئے تھے ۔ کاتب الحروف کے والد رحمۃ اللہ علیہ اس مجلس میں آپ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے ۔ اس شور و شغب کی وجہ سے سلطان المشائخ کی نظر کشتی کے لوگوں پر پڑی ۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ سبحان اللہ ! ایک شخص سالہا سال سے اس کام میں اپنا خون جگر کھا رہا ہے اور اپنی جان اس راہ میں فدا کر رہا ہے ۔ اس راہ کے دوسرے نئے آنے والے آ کر کہتے ہیں کہ تم میں کون سا سرخاب کا پر ہے ، جو ہم میں نہیں ۔ پھر آپ نے اپنا دست مبارک آستیں سے نکالا اور ان کی جانب اشارہ کر کے فرمایا ، اب جاؤ ۔ عین اس موقع پر شیخ رکن الدین کے بیٹوں کی کشتی آپ کے گھر کے نیچے پہنچی ۔ لڑکے شور مچاتے ہوئے کشتی سے اترے اور انھوں نے ارادہ کیا کہ دریا میں غسل کریں ۔ جیسے ہی وہ دریا کے کنارے پہنچے غرق ہوگئے ۔ بندے نے یہ حکایت اپنے چچا سید السادات سید حسین سے سنی تھی [۱۴۸] ۔

نیز میرے والد رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ مصلح بقال کا

بیٹا طبابت کرتا تھا ۔ وہ سلطان المشائخ کا مرید تھا ۔ ہمیشہ سلطان المشائخ کی زیارت کے لیے آتا تھا ۔ سلطان المشائخ اُس کو اُسی روز واپس کر دیتے اور رات کو رہنے نہ دیتے تھے ۔ اُس نے اس بنا پر سلطان المشائخ کے گھر کا آنا جانا ترک کر دیا ۔ مولانا علی شاہ جاندار[1] کہتے ہیں کہ میں نے اُس سے کہا ، تو نے یہ اچھا نہیں کیا ۔ تجھے چاہیے کہ ہر ماہ ایک مرتبہ سلطان المشائخ کی قدم بوسی کے لیے جا اور رات کو کسی کے گھر میں قیام کر لیکن میں نے اس کے چہرے سے اُس کی ناراضی کا اندازہ لگا لیا کہ وہ اس پر تیار نہیں ۔ چند روز کے بعد اس کے پاؤں پر ورم ہو گیا اور وہ درد سے بے قرار ہو گیا ۔ مولانا علی شاہ کہتے ہیں کہ میں نے پھر اُس سے کہا کہ یہ سلطان المشائخ کی ناراضی کا نتیجہ ہے ۔ اُس نے کہا ، ہاں اور مجھ سے منت سماجت سے کہنے لگا اور ایک لاچیں مجھے دیا کہ میں سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچاؤں اور اُس کا سارا حال بیان کروں ۔ میں سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچا اور اس کا سارا حال آپ سے بیان کیا ۔ سلطان المشائخ اُس کا حال سن کر منغض ہوئے ۔ جب میں سلطان المشائخ کی خدمت سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ وہ فوت ہو چکا ہے ۔

کاتب الحروف نے خواجہ مبارک گو پاموی سے سنا ، جو سلطان المشائخ کے خاص مریدوں میں سے تھے کہ میں جب گوپامئو سے سلطان علاء الدین کے پاس آتا تھا تو وہ مجھے نہایت مکلف کپڑے ، جو بادشاہوں کا لباس ہے ، عطا کرتا تھا ۔ اُس کی جانب سے یہ خلعت میرے لیے مقرر تھی ۔ ایک دفعہ جب میں گیا تو سلطان علاء الدین نے ایک سفید کپڑا عنایت کیا ۔ خلافِ عادت اس کا یہ طریقہ دیکھ کر میں نہایت بد دل ہوا اور سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا :

مخفۂ شاہ بس عزیز بود
گرچہ دینار یا پشیز بود

۱۔ مولانا شاہ علی جاندار : مرید سلطان المشائخ ۔ تصنیف : خلاصۃ اللطائف "اخبار الاخیار" میں ان کا نام شاہ علی جاندار ہے ۔ (ص ۹۴ - ۹۵)

مجھے یہ شعر سن کر بے حد فرحت حاصل ہوئی اور وہ ملال میرے
دل سے دور ہو گیا ۔ الحمد للہ علیٰ ذالک ۔

ایک دن ایک دانش مند سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور
عرض کیا کہ میں آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں ۔ سلطان المشائخ نے
نورِ باطن سے معلوم کر لیا کہ وہ کس غرض سے آیا ہے ۔ ہر چند اس نے
بیعت کے لیے التجا کی لیکن سلطان المشائخ نے اُس سے فرمایا کہ سچ سچ
بتاؤ ، تم کس نیت سے میرے پاس آئے ہو ؟ اس شخص نے کہا ، اصل
بات یہ ہے کہ ناگور میں میری زمین ہے ۔ اُس موضع کا مقطع دار میرا
مزاحم ہوتا ہے ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، اگر میں اس کو رقعہ لکھ دوں
اور تمہارا کام ہو جائے تو بیعت کا ارادہ چھوڑ دو گے ؟ اُس دانشمند نے
کہا ، ہاں ۔ آپ نے اُسی وقت وہاں کے مقطع دار کو خط لکھ دیا جس سے
اُس کا کام ہو گیا ۔ [۱۹۰]

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں مولانا رشید الدین عربی
کی زیارت کرکے واپس ہو رہا تھا ۔ اُن کے مکان کے پاس ایک گلی تھی ۔
میں نے اُس گلی میں دیکھا کہ ایک مست مدہوش چلا آ رہا ہے ۔ مجھے
خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ آدمی مجھے کچھ کہہ جائے ۔ میں
دوسری طرف ہو گیا ۔ وہ بھی اُسی طرف آ گیا جدھر میں نے رخ کیا تھا ۔
میں اللہ پر توکل کرکے پھر تیز جانے لگا ۔ وہ شخص میرے پاس آیا اور
مجھے سلام کیا اور شدت سے بغل گیر ہوا اور میرے سینے کو بوسہ دے کر
کہنے لگا ، الحمد للہ ! ایسا سینہ ابھی مسلمانوں میں موجود ہے ۔ یہ کہہ کر
وہ چلا گیا ۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ جا چکا تھا ۔

شیخ نصیر الدین محمود روایت کرتے ہیں کہ سلطان المشائخ فرماتے
تھے کہ ایک دفعہ میں دروازہ بُن کے قریب تھا اور مجھ پر ایک انتہائی
مایوسی کی کیفیت طاری تھی ۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ نظام ! تم
کہاں اور محبتِ الٰہی کہاں ۔ میں اسی عالم میں شیخ رساں کے روضۂ مبارک
میں گیا اور چلہ کھینچا ۔ جب چلہ ختم ہوا تو میں نے دیکھا کہ
روضۂ شیخ رساں میں ایک خشک درخت تھا جو سرسبز ہو گیا ۔ میں
نے شیخ کے روضے کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ شیخ ! یہ درخت
خشک تھا ان چالیس دنوں میں ہرا بھرا ہو گیا ۔ میں چالیس روز تک چلہ
کھینچتا رہا مگر میرا حال نہ بدلا ۔ میں یہ بات کہہ کر اپنے گھر کی

طرف روانہ ہو گیا ۔ راستے میں میں نے ایک آدمی کو دیکھا لڑکھڑاتا ہوا چلا آ رہا ہے ۔ میں نے خیال کیا کہ یہ آدمی نشے میں ہے ۔ میں راستہ بدل کر دوسری طرف چلنے لگا ۔ وہ آدمی میری طرف آیا ۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب خدا ہی کی پناہ چاہنی چاہیے ۔ میں نے اس کے پاس جانے کا ارادہ کیا ۔ جب میں اُس کے پاس پہنچا میں نے دونوں ہاتھ بڑھائے اور اس سے معانقہ کیا ۔ مجھے ایسے محسوس ہوا کہ اُس کے منہ اور سینے سے عطر کی خوشبو آ رہی ہے ، یہاں تک کہ اُس نے مجھ سے کہا کہ اے صوفی ! تیرے سینے سے حق تعالٰی کی محبت کی بو آ رہی ہے ۔ یہ کہہ کر وہ شخص غائب ہو گیا ۔

نکتۂ چہاردہم

سلطان المشائخ کی والدۂ محترمہ فخرالنساء فی العالمین رابعۂ عصر بی بی زلیخا کے حالات اور اُن کی کرامات کے بارے میں

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ میری والدہ ایک خدا رسیدہ خاتون تھیں ۔ جب اُن کو کوئی کام پیش آتا [۱۵۰] تو وہ اس کام کے نتیجے کو خواب میں دیکھ لیتیں ۔ میری والدہ کو اللہ کی طرف سے اختیار دیا جاتا تھا ۔

اکثر میری والدہ میرے پاؤں کو دیکھتیں اور فرماتیں کہ میں تجھ میں نیک بختی اور سعادت کی علامتیں پاتی ہوں ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

وے آیتے کہ آمد در شانِ کبریا
اندر جبینِ ناصیۂ او مبین است

یہاں تک کہ ہم پر سخت تنگ دستی کا زمانہ آ گیا ۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ میری نیک بختی اور سعادت کو دیکھ رہی ہیں لیکن میں اس کا کوئی اثر نہیں دیکھتا ۔ اُنھوں نے فرمایا ، تم عنقریب اس کا اثر دیکھو گے لیکن یہ اُس وقت ہو گا جب میں دنیا سے رخصت ہو چکی ہوں گی ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ جب مجھے کوئی ضرورت پیش آتی تو میں اپنی والدہ کی قبر پر جا کر عرض کرتا ۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ کام ہفتے ہی میں ہو جاتا اور کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ وہ کام ایک مہینے میں ہوتا ۔

فرماتے تھے کہ اگر میری والدہ کی کوئی حاجت ہوتی تو وہ پانسو مرتبہ درود پڑھتیں اور اس ضرورت کے پوری ہونے کے لیے دامن پھیلا کر خدا سے دعا کرتیں - پھر خدا کے فضل سے ویسا ہی ہوتا ، جیسا وہ چاہتیں -

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میری والدہ کی ایک کنیز بھاگ گئی - چونکہ اور کوئی خدمت گار نہ تھا ، آپ اسی کے خیال سے مصلی پر بیٹھ گئیں - میں نے اس موقع پر دیکھا کہ فرماتی ہیں کہ کنیز بھاگ گئی ہے اور میں نے عہد کیا ہے کہ جب تک کنیز نہ آنے گی میں اپنا دامن حق تعالی کے سامنے پھیلائے رکھوں گی - میں ان کی یہ بات سن کر فکر میں پڑ گیا - عین اسی وقت ایک شخص دروازے پر آیا اور اس نے کہا آپ کی کنیز جو بھاگ گئی تھی ، آلیے اور اسے لے جائیے -

سلطان قطب الدین کی سلطان المشائخ سے سرکشی اور اس کا انجام سرکشی کے وجوہ (مسجد میری کی تعمیر)

اسی زمانے میں سلطان قطب الدین بن سلطان علاءالدین خلجی نے چاہا کہ سلطان المشائخ سے جھگڑا کرے - اس جھگڑے کا سبب یہ تھا کہ سلطان قطب الدین نے ''جامع مسجد میری'' تعمیر کرائی تھی - اس مسجد کے تعمیر ہونے کے بعد اس نے پہلے جمعے کو تمام علماء و مشائخ کو طلب کیا کہ وہ سب اس نئی مسجد میں آج نماز جمعہ ادا کریں - سلطان المشائخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے قریب جو مسجد ہے ، اس کا حق ہم پر زیادہ ہے کہ ہم وہیں اپنے محلے کی مسجد میں نماز ادا کریں - چنانچہ آپ ''مسجد میری'' نہیں گئے -

(رسم تہنیت) :

جھگڑے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ شاہی رسم یہ تھی کہ ہر چاند کی پہلی تاریخ کو تمام آئمہ و مشائخ ، صدور اور اکابر شاہی دربار میں نئے چاند کی تہنیت اور مبارک باد کے لیے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے لیکن سلطان المشائخ نہیں جاتے تھے بلکہ اپنے خادم اقبال کو بھیج دیتے تھے - آپ کے دشمنوں اور حاسدوں کو دشمنی اور حسد نے یہ راہ سجھائی - انھوں نے سلطان قطب الدین سے کہا [۱۵۱] آپ نے دیکھا کہ سلطان المشائخ باوجود آپ کے حکم کے مسجد میں نہیں آئے اور اسی طرح

نئے چاند کی مبارک باد کے لیے جس طرح کے دوسرے مشائخ آتے ہیں و
حاضر نہیں ہوتے بلکہ اپنے ایک غلام کو بھیج دیتے ہیں ۔ سلطان
قطب الدین ، جو غرور شاہی ، نخوت اور پندار میں مست تھا ، جوش میں آ گ
اور اُس نے کہا کہ اگر آیندہ چاند کی پہلی تاریخ کو مبارک باد کے لیے امآئیں
تو میں زبردستی ان کو بلواؤں گا جیسا کہ تم میری عادت سے واقف ہو
چنانچہ سلطان المشائخ کے مخلصین نے ، جو بادشاہ کے بھی مقترب تھے ، بادشا
کی یہ بات سلطان المشائخ تک پہنچائی ۔ سلطان المشائخ نے کچھ نہیں کہ
اور اپنی والدہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور اُن سے عرض کیا ک
یہ بادشاہ اپنے دل میں مجھے ایذا پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے ۔ اگر آیند
ماہ تک ، جب وہ مجھے ایذا پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے ، اپنے کیفر کردا
تک نہ پہنچا ، تو میں آپ کی زیارت کے لیے نہیں آؤں گا اس [illegible] و ناز
سا پر جو وہ اپنی والدہ سے رکھتے تھے ، وہ یہ عرض کرکے اپنے گھر چا
آئے ۔ آپ کے مریدین اور خادم بادشاہ کی اس بات سے سخت پریشان تھے
جوں جوں نیا مہینہ قریب آتا جاتا تھا ، مخلصین کی پریشانی بڑھتی جا
تھی اور سلطان المشائخ مطمئن تھے کہ انھوں نے اپنی والدہ سے جب کہ
عرض کر دیا ہے اور منتظر تھے کہ اب غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے
جب چاند رات ہوئی اور خلقت اس کی منتظر ہوئی کہ کل پہلی تار
ہے ۔ سلطان المشائخ کو بادشاہ کی طرف سے طلب کیا جائے گا ۔ غرضیکہ
اچانک اسی رات کو آسمانی بلا ناعاقبت اندیش بادشاہ کی جان پر نازل ہوئی
خسرو خان نے یلغار کرکے سلطان المشائخ کے بدخواہ سلطان قطب الد
کا سر تن سے جدا کر دیا اور اس کے جسم کو محل کے اوپر سے نی
پھینک دیا اور اُس کے سر کو نیزے پر چڑھا کر تمام خلق کو دکھایا
شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

اے روبہک چرا نہ نشستی بجائے خویش
با شیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش

کاتب حروف نے ایک عورت سے جس کی بات کی سچائی اور دیا
پر مجھے کلی اعتماد ہے ، میں نے سنا کہ وہ کہتی تھی کہ میں نے خو
میں دیکھا گویا قیامت قائم ہوگئی ہے اور خلقت پریشان ہوکر دائیں
بائیں جانب بھاگ رہی ہے ۔ اس عورت کا بیان ہے کہ میں بھی حیرا

پریشان اس ہجوم میں چلی جا رہی تھی ۔ میں نے اس عالم میں دیکھا کہ ایک شخص جھنڈا لیے ہوئے کھڑا ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ یہ جھنڈا بی بی زلیخا کا ہے ، جو سلطان المشائخ کی والدہ ماجدہ ہیں ۔ تم بھی اس جھنڈے کے نیچے آ جاؤ ۔ مجھے بھی اس ہجوم [۱۵۲] اور شور و شغب میں اس جھنڈے کے نیچے جگہ ملی ۔

یہ کاتبِ حروف عرض کرتا ہے کہ اس خواب کے دیکھنے والی خاتون میرے چچا سیّد احمد محمد[1] کرمانی کی بیٹی ہے جو میری بیوی ہے اور سیّد السادات سیّد حسین پر سلطان المشائخ کی شفقت ہونے کی وجہ سے وہ ان کے وسیلے سے سلطان المشائخ کی مرید ہوئیں اور آپ سے دینی اور دنیوی نعمتیں حاصل کیں ۔

سلطان المشائخؒ کی والدہ کی تاریخِ وفات :

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ یکم جمادی الآخر میری والدہ کی وفات کی تاریخ ہے ۔ میری والدہ نے اسی شب میں وفات پائی ۔ وفات کی رات چاند رات تھی ۔ اس رات جب چاند نظر آیا تو میں نے اپنی والدہ کے قدموں پر سر رکھ کر انہیں حسبِ عادت مقررہ سے چاند کی مبارک باد دی ۔ اس وقت آپ کی والدہ نے فرمایا ، آیندہ چاند رات کس کو مبارک باد دو گے اور کس کے قدموں پر سر رکھو گے ۔ میں نے ان کی اس بات سے اندازہ کر لیا کہ ان کی وفات کا وقت قریب ہے ۔ ان کی یہ بات سن کر میری حالت متغیر ہو گئی اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ۔ میں نے روتے ہوئے اپنی والدہ سے عرض کیا کہ میری مخدومہ آپ مجھ غریب اور بے چارے کو کس کے سپرد کرتی ہیں ۔ انھوں نے فرمایا کہ میں اس کا جواب کل صبح تمھیں دوں گی ۔ میں نے عرض کیا ، کیوں ؟ آپ مجھے اسی وقت کیوں جواب نہیں دیتیں ؟ اسی اثناء میں آپ نے مجھ سے فرمایا ، جاؤ اور آج کی رات شیخ نجیب الدین کے گھر میں رہو ۔ میں ان کے حکم کے

۱۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیّد احمد محمد کرمانی سہو کتابت ہے کہ اس نام کے کوئی چچا مصنف کے نہیں ۔ ہمارے خیال میں یہ نام سیّد کمال الدین احمد ہے جو سہو کتابت سے سیّد احمد محمد کرمانی ہو گیا ۔ اصل عبارت یہ ہو گی ۔ سیّد کمال الدین احمد بن سیّد محمد کرمانی ۔

مطابق شیخ نجیب الدین کے گھر چلا گیا ۔ آخر شب میں صبح کے قر
باندی دوڑتی ہوئی آئی اور اُس نے کہا کہ آپ کی والدہ آپ کو بلا ر
ہیں ۔ میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ میری والدہ حیات تو ہیں ۔ اُس
کہا ہاں ۔ جب میں اپنی والدہ کی خدمت میں پہنچا تو اُنھوں نے فرما
رات تم نے ایک بات پوچھی تھی اور میں نے تم سے اُس کے جواب کا و
کیا تھا ۔ اب میں تمھیں اس بات کا جواب دیتی ہوں ۔ غور سے سنو ۔ ا
اُنھوں نے مجھ سے پوچھا ، تمھارا داہنا ہاتھ کون سا ہے ؟ میں نے دا
ہاتھ بڑھا کر کہا ، یہ ہے ۔ اُنھوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا ، ا
خدا ! اس کو میں تیرے سپرد کرتی ہوں ۔ یہ کہا اور رحمتِ حق
جا ملیں ۔ میں نے اس سپردگی پر اپنے اوپر خدا کا شکر واجب سمجھا ا
اپنے دل میں کہا ، اگر میری والدہ زر و جواہر سے بھرا ہوا پورا گھر بھ
میراث میں چھوڑیں ، میں اتنا خوش کبھی نہیں ہوتا جو کلمے آخر و
میں اُنھوں نے میرے لیے فرمائے ۔ رحمۃ اللہ علیہا ۔

نکتۂ پانزدہم

سلطان المشائخ کی ولادت ، حالات اور وفات اور اُن وصیتوں کے بارے میں جو آپ نے حاضرین کو کیں

وفات :

کاتبِ حروف عرض کرتا ہے کہ جمعہ کا دن تھا ۔ سلطان المشائخ ا
ایک عجیب حال طاری ہوا ۔ آپ کا باطن نورِ تجلی سے منور ہوگیا ۔ اثنا
نماز میں آپ نے حق تعالٰی کو سجدے کیے ۔ اسی عالمِ تحیّر میں آ
گھر میں تشریف لائے اور آپ بہ نسبت پہلے کے زیادہ رونے لگے ۔ ہر رو
چند مرتبہ بے ہوش ہو جاتے اور چند مرتبہ ہوش میں آتے اور بار بار ی
فرماتے تھے [۱۵۳] کہ آج جمعہ ہے اور دوست کو دوست کا وعدہ یا
آتا ہے ۔ آپ اسی حالت میں مستغرق رہتے تھے ۔ اس کے علاوہ بار بار اس
حال میں فرماتے تھے کہ کیا نماز کا وقت ہوگیا ہے اور میں نے نماز اد
کر لی ہے ؟ لوگ عرض کرتے کہ آپ نماز ادا کر چکے ہیں ۔ فرماتے ک
میں دوسری مرتبہ نماز پڑھنا چاہتا ہوں ۔ آپ ہر نماز کو دو مرتبہ اد
فرماتے ۔ چند روز جب تک آپ اس عالم میں رہے ، ان ہی دو باتوں کو

آپ بار بار فرماتے تھے یعنی یہ کہ آج جمعہ ہے اور ہم نے نماز ادا کی ہے یا نہیں ، کبھی کبھی فرماتے ۔ ع

میرویم و میرویم و میرویم

وصیت :

اسی حال میں آپ نے اپنے تمام اقربا ، خلفاء اور مریدوں کو ، جو اُس وقت موجود تھے ، طلب کیا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر خادم اقبال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اس بات کے گواہ رہنا کہ اگر اس نے گھر میں کوئی جنس بھی رکھی تو کل قیامت کے دن یہ خدا کے سامنے جواب دہ ہوگا ۔ اقبال خادم نے عرض کیا کہ میں کوئی چیز باقی نہ رہنے دوں گا ۔ سب چیزیں آپ پر تصدق کروں گا ۔ چنانچہ اس نیک مرد نے ایسا ہی کیا ۔ سوائے غلّے کے ، جو درویشوں کی چند روز کی خوراک تھا ، سب کچھ تقسیم کر دیا ۔

کاتبِ حروف کے چچا سیّد السادات سیّد حسینؒ نے سلطان المشائخؒ کو اس کی اطلاع پہنچائی کہ سوائے غلّے کے گھر میں جو کچھ تھا ، وہ اقبال خادم نے سلطان المشائخؒ کی طرف سے محتاجوں پر صدقہ کر دیا ۔ سلطان المشائخؒ اس حرکت سے اقبال خادم پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اس مُردار ریت کو کس لیے باقی رکھا ہے ۔ اقبال خادم نے عرض کیا ، گھر میں جو موجود تھا ، سوائے غلّے کے جو چند روز کی غذا ہے ، باقی سب تقسیم کر دیا گیا ۔ یہ بھی اس لیے کہ چند ہزار لوگ کھائیں ۔ سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ خدا کی مخلوق کو بلاؤ ۔ ایک گھڑی کے اندر لوگ جمع ہو گئے ۔ آپ نے اُن سے فرمایا ، انبار خانوں کے دروازے توڑ کر جس قدر غلّہ ان انبار خانوں میں ہو ، بے خوف ہو کر لے جاؤ اور وہاں جھاڑو دے دو ۔ چنانچہ لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا اور تمام غلے کو لوٹ لیا ۔ اس بیماری میں مریدین اور خدام حاضر ہو کر آپ سے پوچھنے لگے کہ ہم مسکینوں کا حال آپ کے بعد کیا ہوگا ؟ فرمایا ، تمھیں میرے روضے سے نذر و نیاز کے طریقے پر اس قدر ملے گا کہ تمھیں کافی ہوگا ۔

لیکن کاتبِ حروف نے بعض صادق القول پیروں سے یہ بھی سنا کہ اس پر بعض مریدوں نے آپ سے پوچھا کہ ہمارے درمیان اس آمدنی کو کون تقسیم کرے گا ۔ آپ نے فرمایا ، وہ جس کا اُس آمدنی میں کوئی حصہ نہ ہوگا ۔

اسی بیماری کے زمانے میں کاتب حروف کے نانا مولانا شمس الدین دامغانی سے بعض مریدین و معتقدین نے اصرار کیا کہ وہ سلطان المشائخ سے پوچھیں [۱۵۳] کہ ہم نیاز مندوں میں ہر ایک نے اپنی حیثیت کے مطابق سلطان المشائخ کے حظیرے کے قریب ، جو حظیرۃ القدس ہے ، رفیع اور مکلف مکان بنا رکھے ہیں تاکہ وفات کے بعد آپ کو وہاں دفن کیا جائے۔ آپ ہمیں یہ بھی بتا دیں کہ وفات کے بعد آپ کس مکان میں محو استراحت ہونا چاہتے ہیں ؟ آپ ہماری طرف سے یہ عرضداشت سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کریں تاکہ ہم اس معاملے میں اپنی رائے سے کوئی ایسا کام نہ کریں ، جو آپ کو پسند نہ ہو ۔ جب میرے نانا شمس الدین دامغانی نے مریدین و معتقدین کی یہ درخواست سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کی تو سلطان المشائخ نے فرمایا ، مولانا ! میں کسی عمارت میں دفن ہونا نہیں چاہتا ۔ میں تو چاہتا ہوں مجھے جنگل میں دفن کیا جائے ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔ جس جگہ آپ کا روضۂ متبرکہ ہے ، جب آپ کو دفن کیا گیا تو یہ جگہ اُس وقت جنگل تھی ۔

تعمیر روضۂ مبارک :

سلطان المشائخ کی وفات کے بعد سلطان محمد بن تغلق نے آپ کے روضۂ مبارک کی عالی شان عمارت اور بے نظیر گنبد تعمیر کرایا ، جو لطافت ، پاکیزگی اور خوب صورتی میں اقصائے عالم میں اپنی مثال نہیں رکھتا ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

رباعی

ازین سپہر من و صحرائے صحن او کہ دلم
ز بندہ ہائے بسیط جہاں بجاں آمد
ز سینہ دل بتماشا برآمدہ بدہاں
چو ذکر نزہت آں بقعہ در زباں آمد

اہل نظر سے پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ ۱۵ رجب ۶۵۵ھ کو شیخ شیوخ العالم کی ارادت سے مشرف ہوئے اُس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی ۔ اس لحاظ سے آپ کی ولادت ۶۳۶ھ قرار پاتی ہے اور اس اعتبار سے آپ کا سنہ وفات ۷۲۵ھ اور عمر ۸۹ سال ہوگی ۔

نیز ایک اور بزرگ نے نہایت عمدہ کہا ہے :

ز روشنائی صحن و ہوائے او در دل
ہمی نماید اسرار غیب پوشیدہ

اب ہم پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہیں ۔ سلطان المشائخ نے وفات سے چالیس روز پہلے کھانا ترک کر دیا تھا ۔ ہر وقت گریہ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک گھڑی بھر کے لیے آنسو نہ رکتے تھے :

گر نہ بینی گریۂ زارم لسدانی فرق کرد
کآب چشم است ایں کہ پیشں می رود یا آمو

مچھلی کا شوربہ :

اُسی زمانے میں ایک دن اخی مبارک نے مچھلی کا شوربہ پیش کیا ۔ مخلصین نے کوشش کی کہ آپ کسی طرح وہ شوربہ پی لیں لیکن آپ نے نہ پیا اور فرمایا ، اسے پانی میں بہا دو ۔

سیّد حسین کی استدعا :

کاتب حروف کے چچا سیّد حسین نے آپ سے عرض کی کہ مخدوم ! آپ نے کئی روز سے کھانا چھوڑ دیا ہے ، اگر غذا پیٹ میں نہ ہوگی تو کیا ہوگا ؟ آپ نے فرمایا ، سیّد ! جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ملاقات کا مشتاق ہو ، وہ دنیاوی کھانے کیسے [۱۵۵] کھا سکتا ہے ۔ یہ واقعہ نکتۂ ملاقات شیخ رکن الدین میں تحریر کیا جا چکا ہے ۔

الغرض بیماری کے ان چالیس دنوں میں جس طرح کہ آپ کھانا نہیں کھاتے تھے ، اُسی طرح آپ بات بھی کم کرتے تھے ۔

تاریخِ وفات :

یہاں تک کہ بدھ کے روز جس دن سلطان المشائخ کی وفات ہوئی ، اس دن تک آپ کا یہی حال رہا ، جو پہلے لکھا جا چکا ہے ۔ ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) کو طلوع آفتاب کے بعد آپ رحمتِ حق سے جا ملے اور مقامِ صدق و صفا اور دیدار تجلی حق جل و علیٰ میں جاگزین ہوئے ۔ یہ

ضعیف کہتا ہے :

مہ بزیر ابر احتجاب نمود
عاشقاں را بدیں عذاب نمود
پردہ از زلف بست بر رخِ خود
درد و حیرت بدیں خراب نمود

امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان المشائخؒ کے وفات کے مرثیے میں آپ کی تاریخِ وفات کو ایک شعر میں نظم کیا ہے :

ربیعِ دوم و ہژدہ ز مہ در ابر رفت آں مہ
زمانہ چوں شمار بیست داد و پنج و ہفصد را

امامت نمازِ جنازہ :

سلطان المشائخ کے جنازے کی نماز شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے نے پڑھائی ۔ نماز جنازہ کے بعد شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ آج مجھے یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ چار سال شہر دہلی میں مجھے کیوں رکھا گیا تھا ۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ میں سلطان المشائخ کے نماز جنازہ کی امامت سے مشرف ہوں ۔

ظہر کی نماز کے وقت حضرت سلطان المشائخؒ کو اُس جگہ جہاں آج آپ کا مزار پُرانوار ہے اور جو خلد بریں کا ایک نمونہ ہے ، دفن کیا گیا ۔ ایک بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

گویا جگرِ زمیں کشادند
آں دوستِ خدا درو نہادند

آج سلطان المشائخ کا روضۂ مبارک عالم کی مملکتوں کا قبلہ ہے اور آپ کے روضۂ مبارک کی خاکِ پاک تریاق اعظم ہے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

خاکِ درت کہ سرمۂ اہلِ نظر شدہ است
بہر شفائے دلہا تریاکِ اعظم است
ہر ذرۂ ز خاکِ درت نزدِ عاشقاں
جاں نیست بلکہ درجاں سرِّ معظم است

نیز یہ شعر کہتا ہے :

قطعہ

مسلمان و ہندو و ترسا و گبر
ز خاک درت جملہ افسر کنند
چو کافور و صندل ازآں خاک پاک
بچشم اندر آرند و داثر کنند

● ● ●

باب دوم

شیخ الاسلام شیخ معین الدین حسن سجزیؒ اور آپ کے خلفاء شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی اور خلفائے [۱۵۶] شیخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہم العزیز کے مناقب ، فضائل اور کرامات کے بارے میں

صاحب دلان عالم پر واضح ہو کہ شیخ الاسلام قطب الدین ، جو شیخ الاسلام معین الدین کے خلیفہ تھے اور شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین جو شیخ الاسلام قطب الدین کے خلیفہ تھے اور سلطان المشائخ نظام الحق والدین جو شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کے خلیفہ تھے ، ان بزرگوں کے حالات اس کتاب کے باب اول میں شجرۂ خواجگان چشت علیہم الرضوان کے ضمن میں تحریر ہو چکے ہیں لیکن ان بزرگوں کے دوسرے خلفا کا ذکر اس باب میں تحریر کیا جاتا ہے

منہم

شیخ حمیدالدین سوالیؒ[۱] :

تصوف کے بادشاہ ، تکلف کی آفتوں سے مجرد ، عالم با عمل ، عابد بے کسل ، قائم اللیل ، صائم النہار ، والی حضرت متعالی یعنی شیخ الاسلام

۱- شیخ حمید الدین سوالی : ولادت ، فتح دہلی کے بعد - تصنیف ، اصول الطریقہ - وفات ، ۶۷۳ھ (۱۲۷۴ء) قبر ، ناگور - سوالی ناگور کا ایک گاؤں ہے - (تذکرۂ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ، ص ۱۷۰)

حمید الملت والدین سوالی ، وارث الانبیاء والمرسلین احمد السعیدی الصوفی قدس اللہ سرہ العزیز ۔

یہ بزرگ حضرت شیخ الاسلام معین الدین سجزیؒ کے خلیفہ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز کے ہمخرقہ تھے اور خطہ ناگور کے رہنے والے تھے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جب یہ بزرگ شیخ معین الدین سجزی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور توبۃ النصوح کی دولت حاصل کی تو ان کے قدیم دوستوں اور یاروں نے مجبور کیا کہ ان کو سابقہ عادتوں کی طرف لوٹائیں ۔ شیخ حمیدالدین نے جواب دیا کہ جاؤ اور اپنا کام کرو ۔ میں نے اپنا ازار بند اتنا مضبوط باندھا ہے کہ کل قیامت کے دن حوران بہشتی پر بھی نہیں کھلے گا ۔

شیخ حمیدالدین سوالی سے ایک سوال :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ حمیدالدین سوالیؒ سے پوچھا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض اولیائے کرام جب اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو اُن کا شہرہ اقصائے عالم میں ہوتا ہے اور بعض جب اس دنیا سے سفر آخرت کرتے ہیں تو اُن کا کوئی نام بھی نہیں لیتا ۔ اس میں کیا حکمت ہے ؟ شیخ حمیدالدین سوالی نے جواب میں فرمایا کہ جو لوگ اپنی حیات میں اپنے آپ کو چھپائے ہوئے رکھتے ہیں ، اُن کی وفات کے بعد حق تعالیٰ ان کو مشہور کرتا ہے نیز جو لوگ اپنی زندگی میں شہرت کے لیے کوشش کرتے ہیں ، اُن کے جانے کے بعد کوئی اُن کا نام نہیں لیتا ۔

ان بزرگ کا تذکرہ تین نکتوں پر مشتمل ہے ۔

نکتہ اول

شیخ حمیدالدین سوالیؒ کے مجاہدوں اور طرز زندگی کے بارے میں

معیشت :

منقول ہے کہ شیخ حمید الدین خطہ ناگور میں ایک بیگھا زمین کے مالک تھے اور اُن کی معیشت کا مدار اُس ایک بیگھا زمین کی کاشت پر تھا

وہ نصف بیگھا زمین خود ہل چلا کر اپنے ہاتھ [۱۰۵] سے کاشت کرتے۔ جب وہ ختم ہو جاتا تو دوسرا نصف بیگھا زمین بوتے اور اُس کے ذریعہ سے اپنی روزی اور ستر عورت کے لیے کپڑا حاصل کرتے ، چنانچہ ایک چادر پر گزارہ کرتے ۔ نصف چادر باندھتے اور نصف چادر جسم پر ڈالتے ۔ اس طرح اس غدار دنیا میں زندگی بسر کرتے تھے ، حکیم سنائی فرماتے ہیں :

ایں دو روزہ حیات نیرزد خسرد
چہ خوش و ناخوش و چہ نیک و چہ بد

جب حاکم ناگور کو اس کی خبر ہوئی تو وہ کچھ نقد رقم لے کر شیخ حمیدالدین کے پاس آیا اور عرض کیا ، اگر حضرت کچھ اور زمین قبول فرما لیں تو میں اس کے بیج اور بونے وغیرہ کا انتظام کردوں ، تاکہ آپ مطمئن ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول ہوں ۔ شیخ حمید الدین نے فرمایا ، ہمارے خواجگان میں کبھی کسی نے کوئی ایسی چیز قبول نہیں کی ۔ میرے لیے یہ ایک بیگھا زمین جو میری ملک ہے ، کافی ہے ۔ آپ نے حاکم سے معذرت کی اور اس کی لائی ہوئی چیزوں میں سے کوئی چیز قبول نہیں کی ۔ اس حاکم نے شیخ کی بزرگی اور درویشی کا حال بادشاہ وقت سے عرض کیا ۔ بادشاہ وقت نے پانسو ٹنکے اور ایک گاؤں کا فرمان شیخ کے نام اس حاکم کے پاس بھجوایا اور حکم دیا کہ وہ خود شیخ کے پاس جائے اور میری طرف سے نہایت عجز و مسکنت کے ساتھ پیش کرے اور آپ سے عرض کرے یہاں تک کہ وہ اس کو قبول کر لیں ۔ چنانچہ حاکم ناگور نے ایسا ہی کیا ۔ جب وہ رقم اور فرمان لے کر آپ کے پاس گیا ۔ شیخ نے کچھ نہ کہا اور حاکم کو بٹھا کر گھر میں اپنی بیوی کے پاس تشریف لے گئے ۔ آپ کی بیوی کا یہ حال تھا کہ ناداری کی وجہ سے دوپٹہ اُن کے سر پر نہ تھا اور پیراہن کا دامن سر پر ڈال رکھا تھا ۔ خود شیخ حمیدالدین کا وہ تہ بند جو آپ باندھے ہوئے تھے ، پرانا اور بوسیدہ ہو چکا تھا ۔ شیخ اس لیے گھر میں تشریف لائے تھے کہ اپنی بیوی کی درویشی کو آزمائیں ۔ آپ نے بیوی سے کہا کہ بادشاہ وقت نے چاندی کے پانسو ٹنکے اور ایک گاؤں کا فرمان بھجوایا ہے ، تمہارا کیا مشورہ ہے کہ میں ان کو قبول کروں یا نہ کروں ؟ آپ کی بیوی نے جواب دیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اتنے دنوں کی درویشی کو ان چند ٹکوں کی خاطر برباد کر لیں ۔ آپ مطمئن رہیں

میں نے جو سیر سوت کات کر رکھا ہے ، اُس سے آپ کا تہبند اور میرا دوپٹہ تیار ہو جائے گا۔

جب یہ بات شیخ حمید الدین نے اپنی بیوی کی زبان سے سنی تو نہایت خوش ہوئے اور باہر آ کر حاکم ناگور سے کہا کہ مجھے آپ کی لائی ہوئی چیزوں کی حاجت نہیں ۔ میں ان کے قبول کرنے سے قاصر ہوں ۔

نکتہ دوم

شیخ حمیدالدین سوالی ؒ کی کرامات کے بارے میں [۱۵۸]
اور اس خط و کتابت کے متعلق جو شیخ حمیدالدین ؒ اور
شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ؒ کے درمیان ہوئی

سلطان المشائخ ؒ فرماتے تھے کہ ناگور میں ایک ہندو تھا ۔ جب بھی اس پر شیخ حمیدالدین کی نظر پڑتی تو آپ فرماتے کہ یہ ولی خدا پرست ہے ۔ مرنے کے وقت با ایمان جائے گا اور اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ فرماتے تھے اور یہ آپ کے درجات عالی پر فائز ہونے اور آپ کے صاحب کرامات ہونے کی دلیل ہے ۔

منقول ہے کہ اُسی زمانے میں شیخ حمیدالدین کا نام اور شہرت سارے عالم میں پھیل گئی ۔ ناگور میں ایک سوداگر تھا جو تِل ناگور سے ملتان لے جاتا تھا اور ملتان سے روئی ناگور لاتا تھا اور جو خط و کتابت شیخ حمیدالدین اور شیخ بہاء الدین کے درمیان ہوتی ، ان کے خطوط ایک دوسرے کو پہنچاتا تھا ۔

خط و کتابت :

ایک مرتبہ شیخ حمیدالدین نے شیخ بہاء الدین کو لکھا کہ مجھے تحقیق سے معلوم ہے کہ آپ واصلانِ خدا میں سے ہیں اور یہ بھی بالتحقیق معلوم ہے کہ دنیا باری تعالیٰ کی مبغوض ہے ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ جیسا بزرگ اس خدا کے دشمن کو دور نہیں کرتا ۔

شیخ بہاء الدین ؒ نے جواب میں لکھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ دنیا کیا ہے اور اس کی کتنی مقدار میرے پاس ہوگی ۔ پھر اُنھوں نے دنیا کی قلت و حقارت کی جو مثالیں شیخ حمیدالدین نے دی تھیں اُن کا جواب لکھا

لیکن ان کے جواب سے شیخ حمیدالدین کو تشفی نہیں ہوئی - اس باب میں کئی مرتبہ شیخ حمیدالدین نے شیخ بہاءالدین زکریا کو لکھا - شیخ حمید الدین اس بات کو سوچتے تھے کہ اگر یہ قول ٹھیک ہے کہ :

ضدان لایجتمعان -

[دو ضدیں یک جا جمع نہیں ہوتیں -]

تو پھر اس قول کو کس پر محمول کیا جائے - جب شیخ حمید الدین نے اس باب میں غلو سے کام لیا تو اس قول کا بھید غیب سے آپ پر کُھلا لیکن آپ نے یہ راز کسی پر ظاہر نہ کیا -

منقول ہے کہ اُسی زمانے میں شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز کا ایک فرزند ناگور آیا - جب اُس نے یہ سُنا کہ شیخ حمیدالدین نماز جمعہ میں حاضر نہیں ہوتے تو اُس نے آپ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کیا اور سطحی بیں علماء کو اپنے ساتھ ملا لیا اور لڑائی کا دروازہ کھولا اور ان کی ایک جمعیت لے کر آپ کے گھر پہنچا اور آپ کو نصیحتیں شروع کیں - شیخ حمیدالدین بالکل خاموش رہے - جب اُس کا جوش و خروش بہت زیادہ بڑھا تو فرمایا کہ زیادہ جوش و خروش نہ دکھاؤ کہ ناگور ایک قصبے کی حیثیت رکھتا ہے ، شہر کے احکام اس پر عائد نہیں ہوتے - دلائل شرعی سے اُسے خاموش کیا لیکن چونکہ اس نے شیخ حمیدالدین کو ناراض کر دیا تھا اور فضول شور و غوغا [۱۵۹] سے اُن کے وقت کو ضائع کیا تھا ، اس لیے شیخ حمید الدین نے اُس سے فرمایا کہ جتنا وقت تم نے ہمارا برباد کیا ہے ، اُتنی ہی دیر کے لیے ہم تمھیں درویشانہ قید میں رکھیے ہیں -

الغرض شیخ حمیدالدین اور شیخ بہاء الدین زکریا کی وفات کے بعد شیخ بہاء الدین کا یہ فرزند اثنائے سفر میں ایک سرکش کے ہاتھوں گرفتار ہوا - اُس سرکش نے اُن کے فرزند سے کہا کہ شیخ بہاء الدین کی میراث کا مال تمھیں بہت ملا ہے - اگر وہ تمام مال تم مجھے دو گے تو میں تمھیں چھوڑوں گا - چنانچہ شیخ بہاء الدین کے فرزند کو قید کر دیا - اس نے شیخ صدرالدین کو قید کرنے کا تمام واقعہ لکھا اور میراث سے اپنا حصہ طلب کیا - جب شیخ صدرالدین نے وہ مال بھیجا تو اُس سرکش نے کہا کہ اب تم دوبارہ شیخ صدرالدین کو لکھو کہ وہ اپنے حصے میں سے بھی کچھ مال مجھے دیں تو اُس وقت میں تمھیں چھوڑوں گا - شیخ بہاء الدین کے

فرزند نے مجبوراً شیخ صدرالدین کو لکھا ۔ شیخ صدرالدین نے اپنے مال کا بھی کچھ حصہ اس کو بھیجا ۔ ایک مدت کے بعد اُن کا یہ فرزند قید سے چھوٹا ۔

کاتبِ الحروف عرض کرتا ہے کہ اس واقعے میں بھی حق تعالیٰ کی حکمت تھی اور وہ یہ کہ شیخ الاسلام بہاء الدین قدس اللہ سرہ کو اس کی قدرت تھی کہ وہ مال کو نگاہ میں رکھیں ۔ اس لیے اُن کے اوقات مقررہ مال کے جمع کرنے میں ضائع نہیں ہوتے تھے لیکن جب یہ مال اُن کے فرزندوں کو پہنچا تو اُن میں یہ قوت نہ تھی ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُس مال کو جو سراسر فتنہ و فساد ہوتا ہے ، وہ مال شیخ الاسلام کے فرزندوں کے ہاتھوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ نے اُن پر فضل و کرم فرمایا ۔ یہ واقعہ شیخ حمید الدین کی دعا سے وقوع میں آیا کہ وہ مال شیخ بہاء الدین زکریا کے فرزندوں کے ہاتھوں سے نکل گیا اور وہ کسی آزمائش میں مبتلا نہیں ہوئے ۔ یہ واقعہ بھی شیخ حمیدالدین کے عالی درجات پر فائز ہونے اور صاحبِ کرامت ہونے کی دلیل ہے ۔ ان بزرگ کے مناقب بہت ہیں لیکن اختصار کے مدِ نظر ان ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

نکتۂ سوم

ان مشکل سوالوں کے بارے میں جو اصحابِ سلوک کو راہِ حق میں پیش آتے ہیں ، وہ سوالات جو شیخ حمیدالدین سے کیے گئے اور اُن کے جو جوابات آپ نے دیے وہ یہاں نقل کیے جاتے ہیں

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ وہ ہر مسئلہ جو راہِ حق میں مشکل پیش آتا ، اہلِ سلوک شیخ حمیدالدین سوالی سے پوچھتے اور یہ بزرگ شافی جواب دیتے ۔ بعض ایسے سوالات جو اس بزرگ سے کیے گئے ہیں اور آپ نے اُن کے جوابات دیے ہیں ۔ میں نے یہ جوابات ایک ایسی کتاب سے لیے ہیں جو سلطان المشائخ کی نظرِ مبارک سے گزر چکی ہے اور بعض سوالوں اور جوابوں پر سلطان المشائخ نے اپنے قلمِ مبارک سے مختصر حاشیے لکھے ہیں اور ان سوالات و جوابات کو بندے نے اس کتاب میں جمع کیا ہے تاکہ سالکانِ راہ حق کو اُن کے مطالعے سے ذوق حاصل ہو اور لکھنے والے کو مغفرت حاصل ہو ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

سوال : شیخ حمید الدین سے پوچھا گیا کہ وسوسۂ شیطانی ، الہامِ نفسانی ، القائے مسلکی اور وحیِ ربانی عالمِ انسانی میں بظاہر ایک رنگ اور ایک صفت کے ہوتے ہیں ۔ ان میں کس طرح شناخت کیا جا سکتا ہے کہ وسوسۂ شیطانی کون سا ہے اور وحیِ ربانی کون سی ہے ۔ اور مسلکی کی کیا صورت ہوتی ہے اور رحمانی کی کیا صفت ہوتی ہے ؟

جواب : فرمایا کہ طالبوں کے تین گروہ ہیں ۔ ایک گروہ طالبان مولیٰ کا ہے ، ایک گروہ طالبانِ عقبیٰ کا ہے اور ایک گروہ طالبان دنیا کا ہے ۔ دنیا کے طالبوں کے لیے خواطر کی پہچان مشکل ہے ۔ اُن کو تمام خواطر بہت زیادہ حصولِ مال اور اُمیدوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے ایک ہی رنگ میں دکھائی دیتے ہیں ، البتہ طالبانِ عقبیٰ ، دنیوی اور اُخروی خواطر میں فرق کر سکتے ہیں ، کیوں کہ جو دل حالی نصیب سے آلودہ ہوتا ہے ، وہ حظ وقتی کی کدورت سے مکدر ہوتا ہے لیکن اُخروی دل حظِ حالی سے خالی ہوتا ہے اور وقتی نصیب سے پاک صاف ۔ طالب مولیٰ اُخروی اور مولائی خواطر میں تمیز کر سکتا ہے کیوں کہ اُخروی خاطر حظوظ حالی سے پاک صاف ہوتا ہے اور مالی نصیبے سے مطہر اور مولائی خاطر حظوظ سے خالی اور پاک ہوتا ہے یعنی طالبِ دنیا کا دل پراگندہ ہوتا ہے اور طالبِ عقبیٰ کا دل جمع اور طالبِ مولیٰ کے دل [۱۶۱] میں کسی قسم کا خیال نہیں آتا کیونکہ خیال کا کام تصور ہے ، سو ذاتِ حق تصور سے مبّرا و منزہ ہے اور جو کچھ دل میں آتا ہے ، اللہ تعالیٰ کی ذات اُس سے پاک اور بلند ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ فقرا کو بہتر کہا گیا ہے ۔ فقرا کی عبادت خواطر کی نفی کرتی ہے ۔ اس مطلب کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ فقر تصوف سے اعلیٰ ہے ، کیونکہ اگر اصحابِ تصوف فقرا سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتے تو ان کی عبادت فقرا سے زیادہ افضل ہوتی ۔ اگر کوئی کہے کہ صوفی فقیر سے بالاتر ہوتا ہے کہ فقیر مقامِ عبادت میں ہوتا ہے اور صوفی مقام عبادت سے ترقی کیے ہوئے ہوتا ہے ، تو میں کہوں گا کہ صوفی کا مقام کہاں ہے تاوقتیکہ فقر مکمل نہ ہو ، ورنہ اُس وقت تک صوفی تو ابن الوقت ہوتا ہے ۔

سوال : مروّت اور فتوت میں کیا فرق ہے ؟

جواب : اہلِ معرفت کا قول ہے کہ مروّت فتوت کی ایک شاخ ہے اور

وہ دونوں جہان سے منہ موڑ لیتا ہے۔ مروت و فتوت یہ دونوں درخت کی ایک شاخ ہیں۔ یہ درخت دوستوں کے دل کے باغ میں اُگتا ہے جس کا ثمر یہ ہے کہ لے اور دے اور اس لین دین میں اپنے آپ کو علیحدہ رکھے اور فتوت کا پھل یہ ہے کہ لین دین ترک کرے اور دونوں جہان کے اندیشے کو دل سے دور کرے اور اُس میں اپنا حصہ نہ تلاش کرے۔

سوال: خدائے تعالیٰ کا خاص بندہ کون ہے؟

جواب: خدا کا خاص بندہ وہ ہے کہ جس کو حق تعالیٰ عام لوگوں کی صحبت سے محفوظ رکھے اور قبول عام و خاص کے جال میں نہ پھنسائے۔ تم جس کو دیکھو کہ خلقت اُس کی طرف متوجہ ہے یا وہ خلقت کی طرف متوجہ ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی خلقتِ خصوصیت سے باہر ہو جاتا ہے۔ دنیا شیطان کا جال ہے اور خواہش، نفس کا جال ہے۔ جو چاہتا ہے کہ ان جالوں میں گرفتار نہ ہو، اُسے چاہیے کہ وہ دنیا سے ہاتھ اُٹھانے اور خلقت کو جو خانت سے اس جال میں پڑے ہوئے ہیں، اُنھیں چھوڑ دینا چاہیے۔ درویش کی یہ بات نہایت باریک ہے، تحریر میں نہیں آ سکتی:

با خلق نشستہ ای خدا می طلبی
در شیوۂ نا سزا سزا می طلبی
این جا کہ توئی ہوا خدا می طلبی
نیکو بنگر کہ ای کرا می طلبی

سوال: اہلِ دل اپنی اصطلاحات میں خرابات و بُت خانے کو جو استعمال کرتے ہیں، جس کا مفہوم ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اس کا مطلب بیان فرمائیے۔

جواب: تم ہم کو خرابات سے گھر لائے اور اس قسم کی بہت سی مثالیں تم نے سُنی ہوں گی۔ سنو کہ اس سے زیادہ واضح اور روشن تم نے نہ سنا ہوگا۔ خرابات تو یہ ہے کہ جب تم نہ تھے تو تمھارے بغیر تم سے موافقت کی، بلکہ تمھارے بغیر اپنے ساتھ ہی عشق کی شطرنج کھیلی۔ خراباتِ عدم سے تم کو صومعۂ وجود کی طرف بھیجا اور تم کو ساری کائنات میں وہ چیز عطا کی جو کسی کو نہ دی، جب تم صومعۂ وجود میں آئے [۱۹۲] اور خراباتِ عدم سے باہر آئے یا میں یوں کہوں کہ جب تم خراباتِ عدم سے باہر آ کر صومعۂ وجود میں آئے اور صومعۂ وجود میں مقررہ اور

معہودہ شراب نوش کی اور اُس شراب سے مست ہو کر عہد خرابات الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کو تم نے بھلا دیا ، تو پھر محبوبِ اول (خدائے تعالیٰ) نے کہ جو تم کو فنائے ابد سے وجود میں لایا ہے ، اس عہد کو یاد دلانے کے لیے اپنے پیغمبروں کو مقرر کیا تاکہ تم کو صومعۂ وجود سے خراباتِ عدم کی دعوت دیں اور ایمائے عہد واللہ یدعوالیٰ دارالسلام (خدائے تعالیٰ تم کو سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے) کا پیغام تم کو پہنچائیں ۔ ایک کہتا ہے وسار عوا الیٰ مغفرۃ (دوڑ کر چلو اُس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش کی طرف جاتی ہے) ، دوسرا کہتا ہے و انیبوا الیٰ ربکم (پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف) ، تیسرا کہتا ہے توبوا الی اللہ (توبہ کرو اللہ سے) ، چوتھا کہتا ہے یا ایتھا النفس المطمئنہ (اے نفسِ مطمئنہ) ۔ پانچواں کہتا ہے و تبتل الیہ تبتیلا (اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اُسی کے ہو رہو) ۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ انسان ہستی اور اپنے وجود کے صومعۂ کو کل و کلرار بنائے ۔ اب اس کا وقت ہے کہ اُٹھو اور خراباتِ عدم کا رخ کرو اور اُسے دم کے آثار اور انوار سے روشن کرو ۔ محبت کی شراب پیو اور روزِ ازل کے محبوب کو فراموش نہ کرو ۔

سوال : تلچھٹ کیا ہے اور صافی کیا ہے ؟

جواب : تلچھٹ جگر ہے اور صافی دل ۔ دل اور جگر کو ایک دوسرے کے پہلو میں رکھا گیا ہے ۔ آج مجھے تلچھٹ کے پینے میں وہی مزہ آتا ہے جیسا کہ صافی پینے والے کو مزہ آتا ہے ۔ مرید طالب ہے ، اس لیے لازمی طور پر جگر میں ہے اور تلچھٹ اس کا مقدر ہے ۔ مراد مطلوب ہے اس لیے لازمی طور پر دل میں ہے اور صافی اس کا نصیب ہے ۔

سوال : درد کیا ہے اور دوا کیا ہے ؟

جواب : درد کے ساتھ آؤ تاکہ تمھیں دوا ملے یعنی دردِ نایافت لے کر آؤ تاکہ یافت کی دوا لے کر جاؤ ۔ شوق کے درد سے آؤ تاکہ ذوق کی دوا لے کر جاؤ ۔ فراق کے درد کے ساتھ آؤ تاکہ وصال کی دوا لے کر جاؤ ۔ نیستی کے درد کے ساتھ آؤ تاکہ ہستی کی دوا لے کر جاؤ ۔ فنا کا درد لے کر آؤ تاکہ بقا کی دوا حاصل کر سکو ۔ نیاز کا درد لے کر آؤ تاکہ بے نیازی کی دوا حاصل کر سکو ۔

سوال : معرفت کی حقیقت کیا ہے ؟

جواب : معرفت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو عقل کے ادراک اور اوہام کے احساس سے مجرد کر کے پہچانے ، کیونکہ اُسے [۶۳] کوئی نہیں پہچان سکتا ۔ کوئی ایسا ہونا چاہیے کہ اُسے پہچانے ، اور اس راز کو پا سکے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا وجود میں کوئی نہیں ۔

سوال : معرفت کا پس منظر کیا ہے ؟

جواب : معرفت خود اپنے آپ کو پہچاننا ہے جیسا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا ، اُس نے اپنے رب کو پہچانا ۔

سوال : خود کو پہچاننے کا کیا مطلب ہے ؟

جواب : یہ کہ مجموعی حیثیت سے خود کو پہچانو اور اپنے اجزاء کو پہچانو ۔ اجزاء اور کل میں تمیز کر سکو ۔ ہر جزو کے مقصود کو معلوم کرو اور ہر ایک کلی کے مراد کو جانو اور نبیات کے طبایع کو ترکیب سے پہلے اور تعریف کے بعد پہچانو کہ کیا تھا اور کیا ہوگا اور اپنی اصل کو علم سے دریافت کرو بلکہ عمل سے بھی ، کیونکہ تمہارا عمل دوسری چیز ہے جو اس سے ورا ہے جو تم کرتے ہو اور تمہارا علم دوسری چیز ہے وہ اس سے ورا ہے جو تم جانتے ہو اور اپنی شاخ کو اور روح کی اضافت کو معلوم کرو نہ صرف علم سے بلکہ اپنے عمل سے ۔ اگر تم بہشت کے ملنے پر راضی ہو ، تو تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ بہشت کے طالب اور درجات کے متلاشی اس زمانے میں تھوڑے ہیں ۔ بری صفات کو دل کی شاخ سے اور نفس کے لگاؤ سے دور کرو کیونکہ بہشت کے حاصل کرنے کے لیے اس قدر کافی ہے ۔ اگر یہ تمہیں میسر ہو جائے تو یہ حق تعالیٰ کی عنایت ہے ۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جو اسے اختیار کرتا ہے ۔ اگر انسان عالی ہمت ہے تو وہ ان صفاتِ ذمیمہ کی طرف مائل نہیں ہوتا اور اس کا عالی شان بخت ان کی طرف مائل ہونے والا نہیں ۔ باسرھا ذمیمہ کانت او حمیدۃ مع اضافاتِ الروح (تمام صفات بد ہوں یا نیک روح کی نسبت کے ساتھ ہیں) ۔ ان تمام اوصاف کو دریا میں ڈال دو ۔ اگر تم اوصاف سے پہچانو تو پھر کیا چیز پہچانوگے اور کس چیز سے موافقت کروگے ۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اوصاف کی کئی قسمیں ہیں ۔ اوصافِ حسّی ، اوصافِ نفسانی ، اوصافِ قلبی اور اوصافِ روحی، جو باری تعالیٰ کے قرب سے معتبر ہوتے ہیں ۔ اگر بندے کی خوش نصیبی یاوری کرے تو دولتِ وصل حاصل کر لیتا ہے اور سلوک کی ہمت اس میں ظاہر ہوتی ہے ، پھر وہ کسی پختہ ، دانائے راہ اور رمز شناس پیر کی تلاش کرتا ہے ۔ اگر ایسا پیر مل جائے تو سر اس کے قدموں پر رکھ دینا چاہیے اور جان اس کے شکرانے میں دینی چاہیے ۔ اگر ہاتھ نہ لگے تو ان فصول کو اپنا مقتدا بنانا چاہیے ۔

بیت

از ہمت بدام کر فروشد خورشید
از نـورِ رخت مہـا چراغے گیرہ

کسی اور چیز میں مشغول نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے وقت ضایع [۱۶۴] ہوگا ، کیونکہ جو کچھ دل میں آتا ہے اسی راہ سے آتا ہے ۔

سوال : آپ نے یہ تمام باتیں کیں ؛ لیکن یہ نہیں بتلایا کہ معرفت کیا ہے ؟

جواب : معرفت اس کا نام ہے کہ تم جان لو کہ اگر حس ، نفس ، قلب اور روح کے مرکب میں سے تم ہر ایک کو علم و عمل سے جان لو ۔ اگر ہر ایک کا تمہیں علم ہے ، عمل نہیں تو تمہارے حق میں کچھ فائدہ بخش نہیں ۔ اگر تم علم سے پہچانتے ہو اور عمل سے نہیں پہچانتے تو تم عالم تو ہوگے ، عارف نہ ہوگے ۔ جب تک کہ اوصاف کو محو نہ کروگے یا میں یہ کہوں کہ جب تک تم کامل صفائی حاصل نہ کروگے اُس وقت تک عارف کہلانے کے مستحق نہ ہوگے ۔

سوال : محو اوصاف کا کیا طریقہ ہے ؟

جواب : یہ کہ اوصافِ حسّی کو اس طرح محو کرو کہ اوصافِ نفسانی محو ہو جائیں ۔ جب تک کہ اوصافِ حسی قائم ہیں اور ان سے اوصافِ نفسانی کو مدد پہنچتی ہے اور جب تک یہ مدد قائم ہے ، ولایت قائم ہے ۔ جب اوصافِ حسّی محو ہو جاتے ہیں اور انسان اوصافِ نفسانی کا رخ کرتا

ہے اور انھیں محو کرتا ہے۔ اگر اوصافِ حسی کے ہوتے ہوئے اوصافِ قلبی کا رخ کرے تو نہیں کر سکتا ، کیونکہ ایسا کرنے سے اوصافِ نفسانی کو مدد ملتی ہے اور جب تک یہ مدد محو نہیں ہوتی ، یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ جب تک صفاتِ قلبی زائل نہ ہوں اضافات کا گرانا محال ہے اور وحدت کو پہنچنا خیالِ خام ہے :

بدریائے مصمت فرو رفتہ بہ
نز آنجا بدریائے وحدت رسی

اس کام کی ابتدا خلوت ، گوشہ نشینی ہے اور خود کو فراموش کرنا ہے اور یادِ مولئی عالئی میں مستغرق ہونا ہے :

قصیدہ

با یادِ خودت یادِ خدا شرک بود
تا تو نشوی ز خود جدا شرک بود
آنجا کہ فنائے مطلق می باید
تا ہست وجودِ تو ہدا شرک بود
آزاد کسیست کو ز خود آزاد است
ہر غم کہ بدو رسد بدان غم شاد است
محصول دو کونین کہ در ہمت او
چو آب نگویم کہ ہمہ چون باد است

منہم

بدر السالکین ، شمس العارفین ، شیر بیشۂ محبت ، سرمایۂ مودت ، شیخ بدرالدین غزنوی جو افعال پسندیدہ اور احوالِ برگزیدہ سے متصف تھے اور اپنے زمانے میں سرخیلِ اہل سماع و عشق سے محتشم تھے اور شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کے خلیفہ تھے۔ زمانے بھر کے مشائخ ان کی بزرگی کے معترف اور اُن کے معتقد تھے۔ [۱۶۵] وعظ کہتے تھے اور اپنی بات میں اثر رکھتے تھے۔ اُن کے دل پذیر مواعظ پر لوگ رشک کرتے اور

زیادہ تر انسانی قلوب میں محبت کے پیدا کرنے کے فکر میں رہتے تھے - ان بزرگ کا ایک دیوان ہے ، جو عاشقان الٰہی کا دستور العمل ہے - ان بزرگ کے حالات دو نکتوں پر مشتمل ہیں

نکتہ اول

شیخ بدرالدین غزنوی کے غزنی سے لاہور آنے اور لاہور سے دہلی تشریف لانے اور شیخ الاسلام قطب الدین بختیار سے مرید ہونے کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ شیخ بدرالدین غزنوی کہتے تھے کہ میں پہلے غزنی سے لاہور آیا - اس زمانے میں لاہور نہایت آباد شہر تھا - چند دنوں وہاں رہ کر میں نے سفر کا ارادہ کیا - کبھی خیال ہوتا تھا کہ غزنی چلا جاؤں - کبھی خیال ہوتا تھا کہ دہلی چلا جاؤں - میرا دل غزنی جانے کی طرف بہت مائل تھا کیونکہ میرے والدین اور عزیز و اقربا اور دوست سب وہیں تھے - دہلی میں سوائے داماد کے اور کوئی نہ تھا - اسی فکر و تردد میں میں نے قرآن مجید سے فال دیکھی - پہلے میں نے غزنی کی نیت سے فال دیکھی - تو عذاب کی آیت نکلی - پھر میں نے دہلی کی نیت سے فال دیکھی تو رحمت کی آیت اور بہشت اور وہاں کی نہروں کا ذکر نکلا - اس فال کے بعد میں دہلی آیا اور اپنے داماد کی تلاش کی جو دہلی میں ملازم تھا - اسی تلاش میں میں ''سرائے سلطان'' گیا - میں نے دیکھا کہ میرا داماد ایک اشرفیوں کی بھری ہوئی تھیلی اٹھائے ہوئے سرائے سے باہر چلا آ رہا ہے - جیسے ہی اس نے مجھے دیکھا نہایت خوش ہو کر بغل گیر ہوا اور وہ اشرفیاں مجھے دکھائیں -

اسی زمانے میں غزنی سے خبر آئی کہ مغلوں نے اس شہر میں پہنچ کر میرے والدین اور تمام اقربا کو شہید کر دیا - سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ شیخ بدرالدین دہلی پہنچنے کے بعد شیخ الاسلام قطب الدین کے مرید ہوئے اور سر منڈوایا ؟ فرمایا ، ہاں وہ اپنے پیر کی زندگی تک دہلی میں اپنے پیر کی خدمت میں رہے -

نکتۂ دوم

شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کے بارے میں

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ بدرالدین کی خواجہ خضر سے ملاقات تھی ۔ شیخ بدرالدین کے والد نے اُن سے کہا کہ اگر میری بھی اُن سے ملاقات کراؤ تو اچھا ہوگا ۔ ایک دن شیخ بدرالدین کی مجلس وعظ میں وہ مسجد میں ایک ایسی اُونچی جگہ بیٹھے ہوئے تھے جہاں کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا ۔ شیخ بدرالدین نے اپنے والد کو دکھایا کہ دیکھیے وہ خواجہ خضر بیٹھے ہوئے ہیں ۔ شیخ بدرالدین کے [۱۹۶] والد نے دل میں خیال کیا کہ میں اب اُن کو کیا تکلیف دوں ۔ وعظ کے بعد اُن سے ملاقات کروں گا ۔ جب وعظ ختم ہوا تو خواجہ خضر وہاں سے غائب تھے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ بدرالدین بہت بڑے بزرگ تھے لیکن جب یہ شہر میں آ کر حلوں میں مشغول ہوئے تو ان کی وہ ترقی رک گئی ۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی ایسے آدمی کو دیکھے جو نظر سے غائب ہو جائے تو یہ قوت صرف حضرت خضر میں ہی ہے ۔

سلطان المشائخ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے شیخ بدرالدین غزنوی سے سنا کہ میں ایک مرتبہ قاضی حمید الدین ناگوری کے گھر آیا ۔ میں نے دیکھا کہ اُنھوں نے کپڑے دھو کر پھیلا رکھے ہیں ۔ سرما کا موسم تھا اور آپ صرف میرزئی پہنے ہوئے بیٹھے تھے ۔ میرے پاس ایک نئی اُولٹ کی کھال تھی ۔ وہ میں نے آپ کی خدمت میں پیش کی ۔ آپ نے قبول فرما لیا اور اوڑھ لی ۔ پھر فرمایا کہ تمھارے باپ کے بھی مجھ پر احسانات ہیں ۔

اس موقع پر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مصیبت کے وقت لطف و اخلاق سے پیش آتا ہے تو یہ خوش اخلاقی اُس کی تمام عمر کے لیے کافی ہوگی ۔

کاتبِ حروف نے اپنے چچا سیّد حسین سے سنا کہ ایک حقیر سا شخص سلطان المشائخ کی خدمت میں آتا تھا ۔ جب وہ آتا تو آپ اُس کی نہایت تعظیم فرماتے اور خاطر و مدارات کرتے اور اس حد تک اُس کا خیال فرماتے کہ آپ اپنے خاص مریدوں کا بھی اس درجہ خیال نہ فرماتے تھے ،

حالانکہ بظاہر یہ آدمی اس کے شایانِ شان نہ تھا ۔ آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے ایک مرتبہ میری تنگ دستی کے زمانے میں میری ایک گز کپڑے سے مدد کی تھی ۔ میں اُس کے حقوق کا لحاظ رکھتا ہوں ۔

درازیٔ عمر کے لیے نماز :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ آخر رجب میں درازیٔ عمر کے لیے ایک نماز پڑھی جاتی ہے ۔ شیخ بدرالدین غزنوی ہمیشہ وہ نماز ادا فرماتے تھے ۔

پھر فرمایا کہ میں نے شیخ ضیاء الدین پانی پتی کے بیٹے نظام الدین سے سنا تھا کہ جس سال شیخ بدرالدین غزنوی نے وفات پائی ، اس سال آپ نے یہ نماز نہیں پڑھی ۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اس سال آپ نے یہ نماز کیوں نہیں ادا کی ۔ فرمایا کہ میری عمر سے اب کچھ باقی نہیں رہا ۔ چنانچہ اُسی سال آپ نے وفات پائی ۔[1]

مدفنِ شیخ بدرالدین غزنویؒ :

شیخ بدرالدین غزنوی کا مدفن ان کے مرشد شیخ الاسلام قطب الدین بختیارؒ کے پائینتی ہے ۔

حضرت قطب الدین بختیارؒ کے پسندیدہ شعر :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ میں نے شیخ بدرالدین غزنوی سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ شیخ قطب الدین بختیارؒ یہ دو شعر کثرت سے پڑھتے تھے :

رباعی

سودائے تو اندر دلِ دیوانۂ ماست
ہر چہ نہ حدیثِ تست افسانۂ ماست
بیگانہ کہ از تو گفت او خویشِ من است
خویشے کہ نہ از تو گفت بیگانۂ ماست

۱- وفات شیخ بدرالدین غزنوی : ۶۵۷ھ (۵۹-۱۲۵۸ء) (خزینۃ الاصفیاء ، جلد اوّل ، ص ۲۸۵) ۔

منظوم [۱۶۸]

پیشوائے اہلِ شریعت ، مقتدائے اہلِ طریقت ، مشہور بہ توکل ، اولیائے عرب کے درمیان مثل پھول کے ، عجیب دل ، شیخ نجیب الدین متوکل قدس اللہ سرہ العزیز

شیخ فریدالحق والدین[۲] کے بھائی اور خلیفہ تھے ۔ یہ بزرگ عجیب و غریب معاملہ اور روش رکھتے تھے ۔

دہلی میں قیام :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ نجیب الدین متوکل ستر سال تک شہر میں رہے اور اس طویل عرصے میں آپ کی معیشت کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا ۔ ان کی اولاد اور ان کے متعلقین متوکل تھے اور خوش حال زندگی بسر کرتے تھے ۔ سلطان المشائخ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے ان جیسا اس شہر میں کوئی نہیں دیکھا ۔ نیز یہ بھی فرماتے تھے کہ انھیں یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ آج کون سا دن اور کون سا مہینہ ہے اور یہ درم کون سا ہے ۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عید کا دن تھا کہ شیخ نجیب الدین گھر کی ہر چیز خدا کی راہ میں صرف کرکے نماز ادا کرنے کے لیے گئے ۔ جب وہاں سے واپس لوٹے تو چند لوگ بھی آپ کے ساتھ آئے ۔ گھر میں واپس ہونے کے بعد آپ نے گھر والوں سے پوچھا کہ گھر میں کھانے کے لیے کچھ موجود ہے ؟ گھر والوں نے کہا کہ آپ جب نماز کے لیے گئے تو آپ نے گھر کی ہر چیز راہِ خدا میں خرچ کر دی ۔ اب گھر میں کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں ۔ آپ نے ان دوستوں سے معذرت کی جو آپ کے ساتھ عیدگاہ سے آئے تھے اور بالا خانے پر جا کر عبادت میں مشغول ہوگئے ۔ اس موقع پر آپ نے دیکھا کہ ایک شخص بالا خانے پر آ رہا ہے اور یہ شعر پڑھ رہا ہے :

با دل گفتم دلا خضر را بینی
دل گفت اگر مرا تماشا بدہ بینم

یہ شخص کچھ کھانا لایا اور پیش کرکے کہا کہ آپ کے توکل کا نقارہ عرش پر فرشتے بجا رہے ہیں اور آپ اتنی سی بات کے لیے غیر کی

طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ شیخ نجیب الدین نے فرمایا کہ حق تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اپنے لیے دوسروں کی طرف متوجہ نہیں ہوا ، بلکہ دوستوں کی خاطر اس طرف متوجہ ہوا تھا ۔ بعد میں اس شخص نے کہا کہ یہ کھانا اپنے فرزندوں کو دے دو ۔ پھر اس شخص نے اس غیبی کھانے سے آپ کے دامن کو بھر دیا ۔ آپ بالا خانے سے نیچے آئے اور وہ کھانا اپنے فرزندوں کو پہنچایا لیکن جیسے ہی آپ بالا خانے سے نیچے اُترے ، وہ شخص غائب ہو چکا تھا ۔ وہ آدمی حضرت خضر علیہ السلام تھے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ نجیب الدین متوکل کے ایک بھائی تھے جو بدایوں میں رہتے تھے جن کی ملاقات کے لیے آپ ہر سال بدایوں جاتے تھے ۔ ایک دفعہ یہ دونوں بھائی بدایوں میں شیخ علی سے ملنے کے لیے گئے ، جو ایک صاحب نعمت بزرگ تھے ۔ جب یہ ان کی بارگاہ میں پہنچے شیخ نجیب الدین نے دو تین قدم بوریے پر پہنچنے پہلے سے بطور ادب پا افراز بچھایا ۔ چنانچہ پہلے [۱٦٨] زمین پر قدم رکھا پھر بوریے پر جو کہ مصلیٰ تھا ۔ شیخ نے ناراض ہوکر فرمایا کہ یہ بوریا مصلیٰ ہے ۔ پھر دونوں بھائی بیٹھ گئے ۔ شیخ علی کے سامنے ایک کتاب رکھی ہوئی تھی ۔ شیخ نجیب الدین نے پوچھا ، یہ کون سی کتاب ہے ؟ چونکہ ابھی تک اُن پر ناراضی کا اثر تھا ، اس لیے شیخ علی نے انھیں کوئی جواب نہیں دیا ۔ شیخ نجیب الدین نے کہا ، اگر اجازت ہو تو میں اس کتاب کو دیکھ لوں ۔ اُنھوں نے اجازت دے دی ۔ جیسے ہی شیخ نجیب الدین نے کتاب کھولی ۔ دیکھا اُس میں لکھا ہوا تھا کہ آخری زمانے میں ایسے مشائخ ہوں گے کہ تنہائی میں گناہ کریں گے اور لوگوں کے سامنے جب اُن کے بوریے پر کوئی قدم رکھ دے تو قیامت برپا کر دیں گے ۔ بعینہٖ شیخ نجیب الدین نے کتاب کا وہ حصہ شیخ علی کو دکھایا اور کہا کہ یہ آپ کی ہے اور اس کتاب میں یہ مضمون بغیر کسی قصد و ارادے کے سامنے آ گیا ہے ۔ شیخ علی شرمندہ ہوئے اور اُنھوں نے شیخ نجیب الدین سے معذرت کی ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ نجیب الدین کو جب کسی رات میں فاقہ ہوتا تو بی بی فاطمہ سام کو ، جو قصبہ اندرپت کے نواح میں رہتی تھیں ، آج بھی ان کا روضہ خلق کے لیے قبلۂ حاجات ہے ، نورِ باطنی سے معلوم ہو جاتا ۔ آپ انھیں ایک سیر یا آدھے سیر کی روٹی پکا کر بھجواتی

تھیں ۔ بی بی فاطمہ سام اور شیخ نجیب الدین آپس میں منہ بولے بھائی بہن تھے ۔ جب یہ روٹیاں شیخ نجیب الدین کو پہنچتیں تو شیخ نجیب الدین فرماتے جس قدر بی بی فاطمہ سام کو درویشوں کے حالات سے خبر ہو جاتی ہے ، اگر بادشاہ وقت کو اس کی خبر ہو جائے تو وہ کافی مقدار میں چیزیں بھجوائے ۔ پھر تبسم فرماتے اور کہتے بادشاہ کو یہ کشف کہاں ہو سکتا ہے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ میں حضرت فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے مرید ہونے سے پہلے گھسو رکھا کرتا تھا ۔ ایک روز میں نے شیخ نجیب الدین متوکل کی مجلس میں ان سے عرض کی کہ ایک مرتبہ آپ سورۂ فاتحہ پڑھ کر خلوص نیت سے میرے لیے دعا فرمائیے کہ میں کسی جگہ کا قاضی ہو جاؤں ۔ شیخ نجیب الدین نے اس دعا سے اغماض فرمایا ۔ میں نے یہ سمجھا کہ میری بات آپ کے کان تک نہیں پہنچی ۔ میں نے دوبارہ عرض کیا کہ ایک دفعہ سورۂ فاتحہ و سورۂ اخلاص اس نیت سے پڑھ کر میرے لیے دعا فرمائیے کہ میں کسی جگہ کا قاضی مقرر ہو جاؤں ۔ اس مرتبہ آپ نے میری بات سن کر مسکرا کر فرمایا کہ تم قاضی نہ بنو کچھ اور بنو ۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا ، کتنا عجیب طریقۂ انکار تھا کہ اس کام کے لیے نہ دعا کی نہ فاتحہ پڑھی ۔

نیز فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل نے دنیا کے خرچ کرنے کے بارے میں ان الفاظ میں ہدایت فرمائی [۱٦٩] کہ جب دنیا تمہارے پاس آئے تو خوب خرچ کرو کہ ایسا کرنے سے کمی نہ ہوگی اور جب چلی جائے تو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو کہ یہ پائدار نہیں ۔

نیز فرمایا کہ شیخ نجیب الدین متوکل نے ایک روز شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جب آپ مناجات میں یارب کہتے ہیں تو اس کا جواب لبیک یا عبدی (میں حاضر ہوں اے میرے بندے) سے ملتا ہے ، فرمایا ، نہیں ۔ اس کے بعد فرمایا ، الارجاف مقدمة الکون (لوگوں کی زبان پر کسی بات کا مشہور ہو جانا اس چیز کے ہو جانے کا مقدمہ ہے) ۔

ابدال ہونے کی خوش خبری :

پھر شیخ نجیب الدین نے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت خضر ؑ

آپ کے پاس آتے ہیں ۔ فرمایا ، نہیں ۔ پھر اُنھوں نے پوچھا کہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابدال آپ کے پاس آتے جاتے ہیں لیکن آپ اس بارے میں خاموش رہے ۔ پھر شیخ نجیب الدین متوکل سے فرمایا کہ تم تو خود ابدال ہو ۔

شیخ شیوخ العالمؒ کی خدمت میں حاضری کی تعداد :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ نجیب الدین متوکل ہر سال شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی زیارت کے لیے اجودھن جایا کرتے تھے ۔ جب واپس ہونے لگتے تو رخصت ہوتے وقت آپ سے فاتحہ کے لیے التماس کرتے ۔ اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ جس طرح اس بار آیا ہوں ، پھر دوبارہ آنے کی توفیق ہو ۔ شیخ شیوخ العالم فاتحہ پڑھنے کے بعد فرماتے کہ انشاء اللہ تم بار بار آؤ گے ۔ وہ اُنیس مرتبہ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں اجودھن حاضر ہوئے ۔ جب اُنیسویں مرتبہ حاضر ہوئے اور رخصت ہونے لگے تو اُنھوں نے شیخ شیوخ العالم سے عرض کیا کہ جب بھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تو آپ نے فاتحہ پڑھنے کے بعد ہمیشہ یہ فرمایا ہے کہ بار بار آؤ گے ، لیکن اس مرتبہ آپ نے یہ نہیں فرمایا ۔ اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ اور آؤں تاکہ بیس پھیرے پورے ہو جائیں ، لیکن باوجود اُن کی درخواست کے شیخ شیوخ العالم نے حسبِ عادت نہ فاتحہ پڑھی نہ اس جملے کو دہرایا کہ بار بار آؤ گے ۔ چنانچہ جب شیخ نجیب الدین دہلی پہنچے تو اُنھوں نے وفات پائی ۔ اُن کا مزار پُر انوار شہر کے باہر دروازہ مندہ کے قریب ہے ۔ قدس اللہ سرہ العزیز ۔

منھم

شیخ بدرالدین اسحاقؒ بن علی بن اسحاق دہلوی

باسطِ علومِ ربانی ، کاشفِ غوامضِ معانی یعنی مولانا بدرالدین والدین اسحاق بن علی بن اسحاق دہلوی ۔

یہ بزرگ زہد و ورع ، عشق و درد و بکا میں بے نظیر تھے اور شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے داماد ، خادم اور خلیفہ تھے ۔ ان بزرگ کے حالات دو نکتوں پر مشتمل ہیں ۔

نکتۂ اول

شیخ بدرالدین اسحاق کے شیخ شیوخ العالم سے بیعت ہونے اور کثرت بکا اور اُن کے علم دینی کے تبحر [۲۰۱] کے بارے میں

منقول ہے کہ شیخ بدرالدین اسحاق دہلی کے رہنے والے تھے۔ اُنھوں نے تعلیم بھی اسی شہر میں حاصل کی تھی۔ اس شہر کے دانشمندوں، نیز اور طالب علم لوگوں سے گوئے سبقت لے گئے تھے۔ چونکہ انھوں نے اسی شہر میں علم و فضل حاصل کیا تھا اور بہت قدر رکھتے تھے، چاہتے تھے کہ تمام علوم میں درجۂ کمال تک حاوی ہوں۔ لیکن تمام علوم میں چند ایسے مشکل مسائل رہ گئے تھے کہ جو شہر کے بڑے بڑے علماء سے حل نہ ہوئے تھے۔ ان مسائل کے حل کرنے کے لیے اُنھوں نے بخارا کا ارادہ کیا۔ جب وہ اجودھن پہنچے تو اُس زمانے میں شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی کرامات کا شہرہ عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ مختلف ممالک کے لوگ اپنے اپنے ممالک سے آپ کی باعظمت ذات کی قدم بوسی کے لیے آتے تھے۔

مولانا بدرالدین اسحاق کا ایک عزیز دوست تھا جس نے ان کو اس پر آمادہ کیا کہ شیخ شیوخ العالمؒ سے ملاقات کریں۔ جب وہ شیخ شیوخ العالم کی ملاقات کے لیے پہنچے تو اُنھوں نے ایک ایسے بادشاہ کو دیکھا جس کا سب۔ مصفّا اور تقریر دل کشا تھی اور جو اپنی روشن ضمیری کے باعث آنے والے حالات کو بیان کرتا تھا اور اپنی قوت بیانی اور طاقتِ روحانی سے دلوں کو جیت لیتا تھا۔

چنانچہ سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم کی تقریر کی لطافت اور اندازِ بیان کی دلکشی اس درجہ تھی کہ جس کے کان میں پہنچی وہ اس کے ذوقِ لطافت کی وجہ سے چاہتا تھا کہ وہ اُسی وقت مر جائے تو اچھا ہو۔

الغرض مولانا بدرالدین اسحاق کے چند مشکل مسائل جن میں وہ اُلجھے ہوئے تھے، شیخ شیوخ العالم کے علمی مباحث اور تقریروں سے حل ہو گئے اور مولانا حیران رہ گئے۔ اُنھوں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ بزرگ اپنے پاس کوئی کتاب نہیں رکھتے اور صرف ایک چادر اوڑھے

ہوئے علم لدنی سے یہ تمام باتیں بیان کرتے ہیں ۔ بلاشبہ آپ کا یہ علم کسبی نہیں (بلکہ وہبی ہے) ۔ میں جس چیز کے لیے بخارا جا رہا تھا ، اس سے سو گونہ زیادہ مجھے یہیں حاصل ہو گیا ۔ انھوں نے بخارا جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور عقیدت کے ساتھ شیخ شیوخ العالم کے مرید ہو گئے ۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں :

من کہ در ہیچ مقامے نزدم خیمہ عشق
پیش تو رخت بفگندم و سر بنہادم

دامادی اور خلافت کا شرف :

شیخ شیوخ العالم نے جب مولانا بدرالدین کی خدمت کو دیکھا اور اس قابل پایا تو انھیں اپنی مرحمت خاص سے نوازا اور اپنے خادم اور داماد ہونے کے شرف سے مشرف فرمایا ۔ اللہ کی معرفت سے اس درجہ آشنا کیا کہ درگاہ بے نیازی کا واصل بنا دیا ۔ پھر وہ وہ شیخ شیوخ العالم کی خلافت کی نعمت سے سرفراز ہوئے ۔ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں وہ اتنے مستقیم رہے کہ اپنے اعزہ و اقربا سے ، جو شہر میں تھے [۱۷۱] بالکلیہ منقطع ہو کر وہ اپنے شیخ کے ہو رہے ۔ مصرع

دل و جان و تن با خیالت یکے شد

خشیت و بکاء :

کاتب حروف نے اپنے والد سید مبارک محمد کرمانی سے سنا تھا کہ مولانا بدرالدین اسحاق اس قدر سریع البکا تھے کہ اُن کی آنکھیں ایک گھڑی بھی آنسوؤں سے خالی نہ رہتی تھیں ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

اے ز عشقت خانۂ عقلم خراب
مردم چشمم ز گریہ غرق آب

چنانچہ ان کی دونوں آنکھوں میں کثرت گریہ کی وجہ سے پھولے پڑ گئے تھے ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

فرو خواہد زدن سقف دو چشمم
بتہ آغاز کردہ است ایں چکیدن

ایک دن کاتبِ حروف کی دادی نے جو شیخ شیوخ العالم شیخ فریدالحق والدین[۲] سے مرید تھیں ، مولانا بدرالدین اسحاق سے کہا کہ لے بھائی ! اگر تم ایک گھنٹے کے لیے رونے سے رک جاؤ ، تو میں تمھاری آنکھوں کا علاج سرمے سے کروں ۔ مولانا بدرالدین اسحاق نے روتے ہوئے جواب دیا ، میری بہن ! میں کیا کروں ، آنسو میرے قابو میں نہیں ۔ کسی بزرگ نے کیا عمدہ کہا ہے :

از آب دیدہ خانۂ چشمم خراب شد
بس نامدیم دیدۂ خانہ خراب را

شیخ شیوخ العالم کے صاحبزادے کی سجادگی اور ان کی خدمت :

کاتبِ حروف کے والد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ وفات کے بعد مولانا بدرالدین اسحاق قدیم جامع مسجد اجودھن میں بیٹھنے لگے تھے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شیخ شیوخ العالم کی وفات کے بعد آپ کے فرزندوں میں سے شیخ بدرالدین سلیمان[۲] نے آپ کی مسندِ سجادگی کو زینت بخشی ۔ مولانا بدرالدین اسحاق جس طرح شیخ شیوخ العالم کی خدمت گزاری کرتے تھے ، وہ اسی طرح آپ کے صاحبزادے شیخ بدرالدین سلیمان کی خدمت کے لیے بھی کمربستہ کھڑے رہتے تھے :

در خدمتِ تو اے ز دل و جان عزیز تر
جان بر میان بہ بندہ و صد بندگی کنم

کچھ زمانہ اسی طرح گزرا ایک چند دن کے بعد حاسدوں نے شیخ بدرالدین سلیمان اور مولانا بدرالدین اسحاق کے درمیان عداوت کے بیج بونے اور چاہتے تھے کہ مولانا سے منصبِ خدمت لے لیں ۔ مولانا بدرالدین اسحاق ان واقعات سے بہت کبیدہ خاطر ہوئے اور اس بارے میں انھوں نے کاتبِ حروف کے دادا سیّد محمد کرمانی سے مشورہ کیا ۔ سیّد محمد کرمانی نے مولانا بدرالدین اسحاق کی عزت و احترام کا وہ زمانہ دیکھا تھا جو شیخ شیوخ العالم اُن کی فرماتے تھے ۔ سیّد محمد کرمانی نے فرمایا ، مولانا ! جس مجلس میں قدر نہ ہو ، اس سے تنہائی بہتر ہے : ع

صحبت کہ بعزت نبود [۱۶۲] دوری بہ

مولانا نے جب یہ بات سنی تو جامع مسجد میں آ بیٹھے ۔

شیخ یعقوب اور شیخ علاء الدین کی معلمی :

الغرض میرے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ میں اور شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کے چھوٹے صاحبزادے شیخ یعقوب اور شیخ شیوخ العالم کے نواسے شیخ علاء الدین اور چند دوسرے لڑکے جامع مسجد میں مولانا بدرالدین اسحاق سے کلام اللہ پڑھتے تھے اور اخی مبارک جو شیخ شیوخ العالم کے غلام تھے اور شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں وہ جہازی کے نام سے مشہور تھے ، جب آپ نے اپنی صاحبزادی بی بی فاطمہ کی مولانا بدرالدین اسحاق سے شادی کی تو شادی کے وقت اخی مبارک کو مولانا بدرالدین اسحاق کو دے دیا تھا ۔ یہ مولانا کے مکتب میں ہمارے خلیفہ تھے ۔

گریہ و زاری :

مختصر یہ کہ میرے والد فرماتے تھے کہ اُس زمانے میں جب مولانا نماز چاشت میں مشغول ہوتے تو سجدے میں اس قدر روتے کہ سجدے کی جگہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی ۔

نیز میرے والد فرماتے تھے کہ مولانا بدرالدین اسحاق شمعِ سوزاں کے مانند تھے ۔ مردانِ حق آگاہ کی طرح اُنھوں نے جلد کمالات کی منزلیں طے کیں اور انسان کی غرض و غایت اس جہان میں آنے سے کمالات کا حاصل کرنا ہے ۔ جب وہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں تو پھر انھیں اس جہان میں رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔ چنانچہ مولانا بھی جلد ہی شیخ شیوخ العالم سے جا ملے ۔[1] قدس اللہ سرّہ العزیز ۔

مولانا بدرالدین اسحاق کا پسندیدہ شعر :

منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ شیوخ العالم کی حیات میں مولانا بدرالدین اسحاق کی زبان پر یہ شعر آیا :

بحرِ سیاستِ غمش روح چہ نطق نمیزند
اے ز ہزار صعوہ کم ہیں تو نوا چہ میزنی

۱۔ مولانا بدرالدین اسحاق : تصنیف اسرارالاولیا (ملفوظات حضرت گنج شکر) ۔ وفات ۶۹۰ھ (۹۲ - ۱۲۹۱ء) ، (خزینۃ الاصفیا ، جلد اول ، ص ۳۱۹)

تمام دن اس شعر کی لذت سے عالم تحیّر میں رہے۔ جب یہ شعر پڑھتے تو بلکتے اور زار زار روتے۔ جب شام کی نماز کا وقت ہوا تو شیخ شیوخ العالم نے اُن کو امام بنایا۔ مولانا نے نماز پڑھانا شروع کی لیکن تکبیر تحریمہ کے بعد بجائے قرأت کے بے اختیار اُن کی زبان پر یہ شعر جاری ہوگیا اور بے ہوش ہوگئے۔ جب مولانا ہوش میں آئے تو شیخ شیوخ العالم نے اُن سے فرمایا کہ پھر سے امامت شروع کرو اور ہوش میں رہنا۔ چنانچہ انھوں نے دوبارہ نماز پوری کی۔

سلطان المشائخ کی مولانا سے محبت :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ مجھے مولانا بدرالدین اسحاق سے بہت محبت تھی اور جو امور مجھے پیش آتے، ان کو شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں پیش کرنے میں مولانا میری مدد کرتے۔ نیز خود بھی میری تربیت فرماتے۔ جب تک کہ مولانا بدرالدین اسحاق زندہ تھے، سلطان المشائخ نے اُن کی عظمت و احترام کی وجہ سے کسی کو بیعت نہیں کیا۔ جب مولانا نے وفات پائی، اس کے بعد سلطان المشائخ نے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کیا۔

سلطان المشائخ کا شیخ شیوخ العالم کی اولاد کا ادب و احترام :

راقم حروف کے دادا سیّد محمد کرمانی کو، جو اُس خاندان کرامت کے محرم تھے، سلطان المشائخ نے اجودھن بھیجا تھا، تاکہ وہ مولانا بدرالدین اسحاق کے دونوں صاحبزادوں خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ اور ان دونوں کی والدہ، جو شیخ شیوخ العالم کی صاحبزادی اور مولانا کی بیوی تھیں، شہر لے آئیں۔ جب وہ ان سب کو شہر لے آئے تو سلطان المشائخ نے ان کو نہایت عزت و احترام سے رکھ کر اُن کی تربیت فرمائی۔ چنانچہ یہ تمام حالات ''ذکر بی بی فاطمہ'' لکتہ' مناقب دختران شیخ شیوخ العالم کے ذیل میں شرح و بسط سے تحریر کیے گئے ہیں۔

مولانا بدرالدین اسحاق کی تصنیف ''تصریف بدری'' :

مولانا بدرالدین اسحاق نے ایک منظوم کتاب علم تصریف میں ''تصریف بدری'' کے نام سے تالیف کی تھی، جو اُن کے کمالِ بلاغت،

تبحر اور فصاحت پر ایک واضح دلیل ہے ۔ اس کتاب کے آخر میں یہ شعر لکھے ہوئے ہیں :

شعر

انی بسطت یدیّ الیک یا الٰہی
و یسیل سیل الدمع من ماٰق

[میں ، اے اللہ ! دونوں ہاتھ تیری طرف پھیلا رہا ہوں اور میرے گوشۂ چشم سے آنسو بہ رہے ہیں ۔]

فارحم بکائی واعف عمّا قد حوٰی
من غفلۃٍ فی ھٰذہ الاوراق

[میرے رونے پر رحم کر اور بخش دے ان چیزوں کو جو میں نے غلطی سے ان اوراق میں جمع کر دی ہیں ۔]

واسدد بفضلک ثلمۃً فی نظمہٖ
واجعلہ بعدالموت منی الباقیٖ

[اپنے فضل سے اس عیب کو دور کر جو اس نظم میں واقع ہو اور اس نظم کو میری موت کے بعد یادگار بنا ۔]

واحبب علیہ من قبولک جرعۃً
تھوی الیہ افئدۃ العشاقٖ

[اس نظم کی مقبولیت کا ایک جرعہ ٹپکا تاکہ اس نظم کے سامنے عشاق کے دل جھک جائیں ۔]

و انظر شواغل خاطری و شدالدی
یا من ستر معائب الآفاقٖ

[میرے دل کی مشغولیتوں کو دیکھ اور میری سختیوں کو دیکھ ، اے وہ جو کہ چھپانے والا ہے عالم کے عیب کو ۔]

فقد ابتلیت بلیۃً لم ارجھا
فرجاً من الطیس لامن راقٖ

[میں آزمایا گیا ہوں اُن مصیبتوں سے جن مصیبتوں کی میں اُمید نہیں رکھتا تھا ، مجھے ان مصیبتوں سے نجات دے کہ میرے پاس ان کی کوئی دوا اور علاج نہیں -]

الدین فیھا راحل او نادر
و اری النفاق مواضع الاخلاق

[دین اس زمانے میں رخصت ہو چکا یا کم ہو گیا ہے - میں اخلاق کی جگہ نفاق کو دیکھتا ہوں -]

و الحل فیھا کاشح متباس
و علیہ قس حال العدو والعاق (۴۰)

[آج کل پوشیدہ اور ظاہری دشمنی کا دور دورہ ہے اور اسی سے اس زمانے کے دوست اور دشمن کا اندازہ کرو -]

والعیش فیہ لمن تزندق عامداً
والیوم یوم الفسق والفساق

[آج کل عیش اس کے ہیں جو بد دینی کو اختیار کرے - آج کل مکاری اور فسق کے دن ہیں -]

العادلین الآکلین لحومہم
یتنازعون تنازع الارفاق

[اس زمانے کے عادل حاکم لوگوں کا گوشت کھا رہے ہیں اور پرندوں کی طرح لگا بوٹیاں کر رہے ہیں -]

و اری الزمان عزیز الافطان من
ادھی البلاء والروع الاحراق

[آج کل مصیبتوں کے خوف اور جلانے والوں کے ڈر کی وجہ سے عقل مند لوگ کم یاب ہیں -]

وارحم لمن یتلو و یدعو عبدک
الاسحاق ابن علی الاسحاق

[اس شخص پر رحم کر جو اس قصیدے کو پڑھے اور میرے بندے اسحاق بن علی بن اسحاق کے لیے دعا کرے -]

تصریف کی تصنیف کے لیے سلطان المشائخ کا ارشاد :

مولانا بدرالدین اسحاق[۳] نے تصریف کے تتمے میں اپنے قلم مبارک سے سلطان المشائخ کے التماس پر یہ عبارت (عربی میں) لکھی تھی :

''مجھ سے اس نظم کو عزیز پیشوائے خلق ، دین کے کاموں میں بہت کوشش کرنے والے ، حقائق کو جاننے والے نظام الملت والدین محمد بن احمد نے ، جو پسندیدہ خصلتوں اور عمدہ اخلاق اور تمام فضائل و انوار والے ہیں ، پڑھا اور سنا ۔ میں اس (نظم) کے فن میں بہت کم مایہ تھا لیکن یہ کام ایسے شخص کے اصرار پر کیا گیا جس کی تعمیل ارشاد مجھ پر لازمی تھی ۔ اس نظم کا کہنا گویا حضرت سلیمان[۳] کے سامنے چیونٹی کا دوڑنا ہے اور وہ نظام الحق والدین ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اُن کی زندگی کو ہمیشہ قائم رکھے ۔ اُنھوں نے باوجود اپنے علم و فضل کے مجھ سے ان سطور کے لکھنے کی درخواست کی ۔ میں نے ان کی فرمائش پر امتثال امر کے طور پر یہ چند شعر لکھے ۔ میں اللہ کی طرف سب سے زیادہ محتاج اسحاق بن علی دہلوی ۔ میں نے یہ سطریں اپنے ہاتھ سے لکھیں اس اُمید پر کہ یہ عزیز (نظام الحق والدین) اپنے خاص وقت میں مجھے دعائے خیر سے یاد کرے ۔ میں خدا کی حمد اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر درود اور سلام بھیجتا ہوں ۔''

۱۷۵] نکتۂ دوم

مولانا بدرالملت والدین اسحاق قدس اللہ سرہ العزیز کی عظمت و کرامت اور اُن کی وفات کے بارے میں

کرامات :

منقول ہے کہ ملک شرف الدین کبرا ، جو دیپال پور کا مقطع دار تھا ، وہ شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں مرید ہونے کے ارادے سے حاضر ہوا ۔ اس نے قدم بوسی کے بعد بیعت ہونے کے لیے التجا کی ۔ شیخ شیوخ العالم نے مولانا بدرالدین اسحاق کو اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اس کو بیعت کرو ۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے مرشد کے حکم

کے مطابق اس کو بحث کیا ۔ کچھ زمانے کے بعد ملک شرف الدین کو شاہی حکم کی بنا پر اس عہدے سے ہٹا دیا گیا اور اسے دیبال پور سے شہر بھیج دیا گیا ۔ ملک شرف الدین نے عرضداشت اور لوگوں کو اس بارے میں مولانا کی خدمت میں بھیجا اور ان لوگوں سے کہا کہ خربوزوں کا موسم ہے ۔ جب اجودھن پہنچو تو کچھ خربوزے خرید کر میرے مخدوم کی خدمت میں پیش کرنا ۔ جب یہ لوگ مولانا کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت کچھ عزیز اور قاضی صدرالدین حاکم اجودھن مولانا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ۔ مولانا نے قاضی صاحب کو حکم دیا ، صدرالدین ! تم انھیں اہل مجلس میں تقسیم کرو ۔ قاضی صدرالدین نے ان خربوزوں کو اہل مجلس میں تقسیم کیا ۔ جب وہ تقسیم کرتے کرتے مولانا بدرالدین کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے مولانا کا حصہ ان کے سامنے رکھا ۔ مولانا نے قاضی صدرالدین سے فرمایا کہ ملک شرف الدین کبرا کا حصہ بھی میرے پاس رکھو ۔ جب خربوزے تمام اہل مجلس میں تقسیم ہوگئے تو مولانا نے اپنی پگڑی اتار کر ملک شرف الدین کے حصے کے برابر رکھی اور فرمایا کہ ہم ان خربوزوں کو اس وقت تک نہ کھائیں گے اور نہ اس دستار کو اپنے سر پر رکھیں گے ، جب تک شرف الدین کبرا بھی آئے گا ۔ جب وہ آئے گا تو اس کے ساتھ ہم یہ خربوزے کھائیں گے ۔ یہ فرمانے کے بعد مولانا بزرگوں کے واقعات اور ان کے مناقب اہل مجلس سے بیان کرتے رہے ۔ ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ شرف الدین کبرا بھی وہاں پہنچے ۔ اس وقت مولانا بدرالدین نے دستار اپنے سر پر رکھی اور خربوزے کھانے لگے ۔ اسی دوران ملک شرف الدین نے اپنی رہائی کا قصہ [۱۷۶] بیان کرتے ہوئے مولانا سے عرض کیا کہ بعض چغل خوروں نے میرے خلاف بادشاہ کو ورغلایا ۔ جب بادشاہ پر ان کا جھوٹ کھل گیا تو بادشاہ نے دوسرا فرمان بھیجا کہ اس کو رہا کیا جائے اور جہاں تک یہ پہنچ چکا ہے ، وہیں سے اس کو لوٹا دیا جائے ۔ میں قصبہ بہوالد تک پہنچ چکا تھا کہ یہ فرمان مخدوم کی برکت و مرحمت سے پہنچا اور میں سیدھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا ۔

منقول ہے کہ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ کے مریدین باری باری مطبخ کے لیے لکڑیاں لانے کے لیے اجودھن کے آس پاس جایا کرتے تھے ۔ جب مولانا بدرالدین اسحاق کی باری آئی تو شیخ شیوخ العالم کے دو صاحبزادے بھی ان کے ساتھ ہو لیے ۔ راستے میں یہ دونوں

صاحبزادے مولانا سے کہنے لگے : بابا کے مریدوں میں وہ کرامت دیکھنے میں نہیں آئی ، جو سیدی احمد کے مریدوں میں ہے ۔ سیدی احمد کے مریدین شیر پر سوار ہوتے ہیں اور سانپ کو کوڑا بناتے ہیں ۔ مولانا نے فرمایا ، مخدوم زادوں کا ایسا خیال کرنا مناسب نہیں ۔ شیخ شیوخ العالم بڑے بزرگ ہیں ، کوئی ان کا اور ان کے مریدین کا کرامات اور عظمت میں مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں ، جب آگے بڑھے تو ایک شیر جنگل سے نمودار ہوا ۔ دونوں صاحبزادے اس شیر کو دیکھ کر درخت پر چڑھ گئے لیکن مولانا آگے بڑھے اور اپنی آستین مبارک شیر کے سر پر مار کر فرمایا کہ : اے کتّے ! تیری یہ مجال کہ تو میرے مخدوم زادوں کی طرف نظر بھر کر دیکھے ۔ پھر اُنھوں نے دونوں صاحبزادوں سے فرمایا درخت سے اُترو ۔ ان دونوں نے جواب دیا جب تک یہ شیر یہاں سے نہیں چلا جائے گا ہم درخت سے نہیں اُتریں گے ۔ مولانا نے اس شیر سے مخاطب ہو کر فرمایا ، کتّے ! یہاں سے چلا جا ۔ شیر نے سر زمین پر رکھا اور واپس لوٹ گیا ۔ شیخ شیوخ العالم کے دونوں صاحبزادے درخت سے اُترے اور اپنی اُس بات پر نہایت پشیمان ہوئے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ مولانا بدرالدین اسحاق کچھ لکھ رہے تھے اور نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا ۔ کسی نے کہا خواجہ ! نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے ۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص سے مولانا نے کہا جاؤ اور آفتاب کو دیکھو ۔ وہ گیا اور اُس نے آ کر کہا کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے ۔ پھر مولانا نے دوسرے سے فرمایا ، تم جاؤ اور جا کر دیکھو ۔ اس نے بھی آ کر یہی کہا ۔ [۱۷۷] پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور آفتاب کو دیکھو ۔ میں باہر گیا ۔ میں نے مولانا سے جا کے عرض کیا کہ خواجہ ! آفتاب کے غروب ہونے کا وقت بالکل قریب ہے ۔ اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ میں آج آفتاب سے کہوں گا کہ اس وقت تک غروب نہ ہو ، جب تک کہ میں یہ صفحہ پورا نہ کر لوں ۔ جب مولانا وہ صفحہ پورا لکھ چکے تو مولانا نے فرمایا ، جاؤ اور آفتاب کو جا کر دیکھو ۔ جب ایک شخص بالا خانے پر گیا تو اُس نے دیکھا کہ آفتاب اپنی جگہ موجود ہے ۔

حکیم سنائی نے امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مدح میں کیا اچھا کہا ہے :

قوتِ حسرتش ز قوتِ نماز
داشتہ چرخ را ز گشتن باز

عظمت و نعمت :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ مولانا بدرالدین اسحاق شیخ شیوخ العالم قدس سرہ العزیز کی ایسی خدمت کرتے تھے کہ دس آدمی بھی اُتنی خدمت نہ کر سکتے تھے لیکن اس کے باوجود یادِ الٰہی میں مشغول رہتے اور اس حد تک شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے یادِ الٰہی میں مستغرق ہوتے کہ اپنے آپ کی خبر نہ رہتی ۔ مولانا نہایت صاحبِ نعمت بزرگ تھے ۔ ایک روز میں نے ان سے کہا کہ میں اپنے مشکل وقتوں میں بارگاہِ خداوندی میں شیخ شیوخ العالم کو اور اس کے بعد آپ کو وسیلہ بناتا ہوں ۔ انھوں نے فرمایا کہ میں بےشک کبھی نعمت رکھتا تھا ، جو اب مجھ سے سلب ہو چکی ہے ۔ میں اس کے لیے آج تک ساعی ہوں ۔

اس واقعہ کے بیان کرنے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا ، سبحان اللہ ! وہ کتنی بڑی نعمت ہوگی جو سلب ہونے کے بعد بھی اس حد تک موجود ہے ۔

سلب نعمت کی وجہ :

مولانا بدرالدین اسحاق کے سلب نعمت کا واقعہ یہ تھا کہ ایک دن شیخ شیوخ العالم نے ان کو آواز دی ۔ مولانا کاموں کی کثرت کی وجہ سے فوراً جواب نہ دے سکے۔ شیخ شیوخ العالم اُن کی اس بات سے ناراض ہو گئے اور ان کی پہلی روحانی نعمت سلب ہو گئی ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کے خلفاء میں سے ایک بزرگ تھے ۔ میں اُن کی وفات کے وقت حاضر تھا ۔ جب میں شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے ان بزرگ کی وفات کی کیفیت آپ سے بیان کی ۔ اُن کی وفات کے واقعات سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا ، وفات کے وقت اُس کے نماز ادا کرنے کی کیا کیفیت تھی ؟ میں نے عرض کیا کہ اُن کی تین روز کی نمازیں قضا

ہو گئیں تھیں ۔ یہ سن کر شیخ شیوخ العالمؒ خاموش رہے ۔ اس موقع پر مولانا بدرالدین نے فرمایا ، یہ اچھا نہیں ہوا ۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شیخ شیوخ العالم نے شاید اس وجہ سے کچھ نہیں فرمایا کہ مولانا بدرالدین اس کے متعلق کچھ کہیں گے ۔

وفات :

یہاں تک کہ مولانا بدرالدین اسحاق [۱۷۸] کی وفات کا وقت قریب آیا ۔ اُنھوں نے صبح کی نماز باجماعت ادا کی اور اپنے معمول کے مطابق تمام اوراد و وظائف پورے کیے یہاں تک کہ اشراق کی نماز کا وقت ہوگیا ۔ اُنھوں نے اشراق کی نماز ادا کی اور اوراد و وظائف میں مشغول ہوگئے ۔ پھر انھوں نے پوچھا ، کیا چاشت کی نماز کا وقت ہو گیا ہے ؟ چنانچہ اُنھوں نے چاشت کی نماز بھی ادا کی اور سجدے میں سر رکھ کر رحمت۔ حق سے جا ملے ۔ رحمہ اللہ علیہ ۔ اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مولانا کی وفات کے بعد میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بات مولانا ہی کو زیب دیتی تھی ، جو اُنھوں نے اُس بزرگ کے متعلق کہی تھی ، جن کی وفات کے وقت تین روز کی نمازیں قضا ہو گئی تھیں ۔

مدفن :

ان بزرگ کا مدفن اجودھن کی جامع مسجد قدیم میں ہے کہ جہاں اُنھوں نے اپنے وقت کا بڑا حصہ عبادت۔ الٰہی میں گزارا تھا ۔

اس کتاب کا مصنف عرض پرداز ہے کہ مردان۔ خدائے تعالیٰ مرتے دم تک عبادت باری تعالیٰ میں اُسی سے توفیق۔ استقامت حاصل کرتے ہیں اور اپنے پیروں کی بدولت اس بلند مقام کو پہنچتے ہیں اور اُن کا شہرہ قیامت تک باقی رہتا ہے ۔ ع

مائیم کہ در ہیچ حسابے نائیم

کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

مردان جہان گوئے ز میدان بُردند

اے ننگ۔ زنان حدیث۔ مردان چہ کنی

منهم

شیخ با کرامت ، خبر حق سے فارغ البال ، رسوم و تکلف سے بری ، یعنی شیخ جمال الملت والدین ہانسوی خطیب جو اہل حقیقت کا جمال اور اہل طریقت کے پیشوا تھے ۔ علم و تقویٰ اور لطافت طبع اور درویشی میں مخصوص تھے ۔ اُن کی نظم جو عاشقان خدا کا دستورالعمل ہے ، اُن کے کمال عشق پر دلیل ہے

شیخ جمال الدین ہانسوی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی نظر میں :

شیخ جمال الملت والدین ہانسویؒ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے خلیفہ تھے اور آپ کی مریدی کی بدولت اکابر شیوخ کے مرتبے پر پہنچے ۔ شیخ شیوخ العالم بارہ سال اُن کی محبت کی وجہ سے ہانسی میں سکونت پذیر رہے ۔ اُن کے متعلق شیخ شیوخ العالم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جمال ! ہمارا جمال ہے ۔ کبھی فرماتے کہ میں چاہتا ہوں کہ تیرے سر کے گرد گھوموں ۔ شیخ شیوخ العالم کے یہ الفاظ ان بزرگ کی عظمت اور اُن کے قرب و منزلت پر دلیل ہیں ۔

شیخ شیوخ العالم کی نظر میں شیخ جمال کی قدر و منزلت اس قدر تھی کہ ایک شخص کو خلافت نامہ دے کر ارشاد فرمایا کہ جب تم ہانسی پہنچو تو جمال کو یہ خلافت نامہ دکھا لینا ۔ چنانچہ اس شخص نے ہانسی پہنچ کر وہ خلافت نامہ شیخ جمال کو دکھلایا ۔ شیخ جمال نے وہ خلافت نامہ پھاڑ کر فرمایا کہ تو خلافت کے لائق نہیں ۔ اس کی وجہ تھی کہ اس شخص نے تقاضوں سے بہت تنگ کرکے شیخ شیوخ العالم سے یہ خلافت نامہ حاصل کیا تھا ۔ الغرض یہ شخص ہانسی سے پھر اجودھن واپس آیا اور شیخ جمال کا پھاڑا ہوا خلافت نامہ آپ کو دکھایا ۔ [۱۰۷] آپ نے فرمایا جمال کے پھاڑے ہوئے کو ہم نہیں سی سکتے ۔

نیز اُن کی عظمت شیخ شیوخ العالم کے نزدیک اس قدر تھی کہ سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جس زمانے میں شیخ شیوخ العالم نے مجھے خلافت عطا فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ یہ خلافت نامہ ہانسی میں مولانا جمال الدین کو دکھلا لینا ، جیسا کہ یہ واقعہ مفصل سلطان المشائخ کے

تذکرے میں مفصل لکھا جا چکا ہے۔ سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ خلافت سے پہلے جب شیخ جمال الدین کی خدمت میں جاتا تھا تو وہ میری تعظیم فرماتے اور کھڑے ہو کر ملاقات کرتے۔ جب میں خلافت کے بعد ایک روز اُن سے ملنے گیا تو وہ خلافِ عادت بیٹھے رہے۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ یہ بات اُن کے خلافِ عادت ہے۔ ابھی یہ خیال دل میں گزرا ہی تھا کہ اُنھوں نے بغیر میرے کچھ کہے فوراً فرمایا، مولانا نظام الدین! تمھارے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں تمھارے لیے کھڑا نہیں ہوا لیکن اس کی وجہ دوسری ہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب میرے اور تمھارے درمیان (شیخ کے خلافت عطا فرمانے کے بعد) محبت کا رشتہ قائم ہو چکا ہے تو میں اور تم ایک ہو گئے۔ اب میرا خود اپنے لیے کھڑا ہونا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

قیام خواستمت کرد عقل می گوید
مکن کہ شرط ادب نیست پیش سرو قیام

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ میں اور شیخ جمال الدین ہانسوی، اور خواجہ شمس الدین دبیر اور بعض دوسرے مرید اور عزیز شیخ شیوخ العالم سے اکٹھے رخصت ہوئے۔ رخصت کے وقت شیخ جمال الدین نے شیخ شیوخ العالم سے درخواست کی کہ انھیں کوئی وصیت فرمائیں۔ پیری و مریدی کے آداب میں یہ ہے کہ جب سفر کے لیے شیخ سے رخصت ہوتے ہیں تو اس سے وصیت کی درخواست کرتے ہیں۔ اگر درخواست کرنے سے پہلے پیر کوئی وصیت کر دیتا ہے تو سبحان اللہ! ورنہ پھر مرید پیر سے درخواست کرتے ہیں۔ شیخ جمال الدین کی درخواست پر شیخ شیوخ العالم نے میری طرف [سلطان المشائخ] اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری وصیت یہ ہے کہ اس سفر میں ان کو خوش رکھو۔ ع

مقصود بوئی دگر بہانہ است

چنانچہ شیخ جمال الدین شیخ کی وصیت کے مطابق مجھ پر مہربانی فرماتے تھے اور خواجہ شمس الدین دبیر جو معدنِ لطافت و کانِ ظرافت تھے، وہ بھی میرے ساتھ نہایت لطف و مدارات سے پیش آتے تھے، یہاں تک کہ ہم اگروہ [آگرہ] کے نزدیک پہنچے۔ شیخ جمال الدین کا ایک عزیز دوست میران نامی اس موضع کا حاکم تھا۔ اُس نے اپنے دوستوں کی

آمد کی خبر سن کر اُن کے استقبال کو اپنی سعادت سمجھ کر استقبال کے لیے نکلا ۔ شیخ جمال الدین اور ان کے تمام ساتھیوں کو اپنے گھر لے گیا اور پُر تکلف دعوت اور خاطر تواضع میں خوب خرچ کیا ۔ شیخ جمال الدین نے فرمایا ، تم نے ہماری میزبانی خوب کی [۱۰۸] ، اب ہمیں اجازت دو کہ ہم اپنے سفر پر روانہ ہوں ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اس خطے میں بارش نہیں ہوئی تھی اور خلق قحط کی مصیبت میں مبتلا تھی ۔ اُس نے کہا کہ میں اس وقت آپ لوگوں کو اجازت دوں گا جب بارش ہو جائے گی ۔ شیخ جمال الدین اُس کی طرف دیکھتے رہے اور کچھ نہیں فرمایا لیکن باطن سے توجہ فرمائی ۔ ابھی رات گزرنے نہ پائی تھی کہ سخت بارش برسی اور وہ خطہ سیراب ہو گیا ۔ صبح کو ہر ایک شخص خوش خوش نظر آیا اور شیخ جمال الدین اور اُن کے ساتھیوں کے لیے بار برداری اور سواری کے لیے گھوڑے لائے ۔ چنانچہ وہاں سے ہانسی تک ہم سواریوں پر آئے ۔ میرا گھوڑا سخت بدلگام اور سرکش تھا جس کی وجہ سے میرے ساتھی آگے نکل گئے اور میں تنہا رہ گیا اور مجھے بہت تکلیفیں اُٹھانی پڑیں ۔ میں بے حد کمزور ہو گیا ۔ مجبوراً میں گھوڑے سے اُتر پڑا ۔ صفرا کا غلبہ ہوا اور میں بے ہوش ہو گیا ۔ اس عالم میں شیخ شیوخ العالم کی یاد میرے دل میں اور آپ کا نام میری زبان پر تھا ۔ جب میں ہوش میں آیا تو مجھے اس کا یقین ہو گیا کہ میں آخری سانس میں بھی آپ کو یاد کرتا ہوا اس جہان سے رخصت ہوں گا ۔ ع

خوش آں رفتن کہ بر یادت رود جانم

شیخ جمال الدین کی بابا فرید گنج شکر سے ایک دعا کی درخواست :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اجودھن جا رہا تھا ۔ جب میں ہانسی پہنچا تو شیخ جمال الدین نے مجھ سے کہا کہ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں میری طرف سے عرض کرنا کہ مجھے حرج میں تنگی ہوتی ہے ۔ آپ میرے لیے دعا فرمائیں ۔ جب میں اجودھن پہنچا تو میں نے شیخ جمال کا پیغام آپ کو پہنچایا ۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا ، اُن سے کہو کہ جب کسی کو ولایت دی جاتی ہے تو اُس کے لیے واجب ہے کہ وہ ولایت کو اپنی جانب مائل کرے ۔ شیخ نصیرالدین محمود سے کسی نے پوچھا کہ دنیا کے ممالک کے بادشاہوں کی استمالت تو معلوم

ہے ، لیکن آخرت کے بادشاہوں کی استمالت کیا ہے ۔ اس کی تشریح فرمائیے ؟ فرمایا کہ ملوک آخرت کی استمالت پورے طور پر قلب کو اللہ کی طرف متوجہ کرنا ہے ۔ سائل نے مزید پوچھا کہ مشغولی اور کرامت شیخ جمال الدین کی مشہور ہے ۔ فرمایا ، ہاں واقعی ایسا ہے لیکن انبیاء علیہ السلام سے زیادہ معصوم (کوئی) نہیں ۔ اس بزرگ کا یہ سوال اور شیخ شیوخ العالم کا جواب شیخ جمال کی بزرگی پر دلیل ہے ۔

مادرِ مومناں :

منقول ہے کہ شیخ جمال الدین ہانسوی کی ایک کنیز نہایت صالحہ تھی ، جو شیخ جمال الدین کے پیغام ہانسی سے شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں لے کر جایا کرتی تھی ۔ شیخ شیوخ العالم اس کو "مادرِ مومناں" کہہ کر مخاطب فرماتے تھے ۔

ایک روز شیخ شیوخ العلم نے اُس سے فرمایا ، مادرِ مومناں ! ہمارا جمال ! آج کل کیا کرتا ہے ؟ [۱۸۱] مادرِ مومناں نے عرض کیا کہ وہ جس روز سے آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا ہے اس روز سے اُس نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا ہے اور دنیا کے ساز و سامان اور شغلِ خطابت کو بالکلیہ ترک کر کے بھوک اور طرح طرح کی سختیوں کو برداشت کر رہا ہے ۔ یہ سن کر شیخ شیوخ العالم خوش ہوئے اور فرمایا کہ الحمد للہ خوش زندگی بسر کر رہا ہے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک روز میں سخت سردی کے زمانے میں شیخ جمال الدین کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا ۔ شیخ جمال الدین نے یہ شعر پڑھا :

با روغنِ گاؤ اندریں روزِ خنک
نیکو باشد ہریسہ و نانِ تنک

میں نے عرض کیا کہ غائب کا ذکر کرنا غیبت ہے ۔ میری یہ بات سن کر وہ مسکرائے ۔ فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ پہلے میں نے ان چیزوں کو موجود کیا ہے ، پھر میں نے یہ شعر پڑھا ہے ۔ چنانچہ ، تھوڑی دیر بعد ہریسہ وغیرہ اُن کی مجلس میں لایا گیا ۔

مولانا جمال الدین اور شیخ ابوبکر طوسی کی محبت :

منقول ہے کہ شیخ جمال الدین ہانسوی اور شیخ ابوبکر طوسی حیدری میں بے حد محبت تھی ، جنھوں نے دریائے جمنا کے کنارے اندرپت کے متصل ایک خانقاہ بنوائی تھی جو بہشت کے مانند تھی ۔ چنانچہ وہ اسی خانقاہ میں محو استراحت ہیں ۔ بزرگ اور درویش صفت انسان تھے ۔ ان کے معاملے کو حیدریوں سے کوئی نسبت نہ تھی ۔ ان دونوں کی محبت کا سبب مولانا حسام الدین اندرپتی شیخ القضاۃ و الخطباء تھے ۔ یہ بزرگ شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے جس زمانے میں کہ شیخ جمال الدین ، شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ کی زیارت کے لیے شہر آتے تو شیخ ابوبکر طوسی سے ملاقات کرتے اور مولانا حسام الدین شیخ جمال الدین کے قدوم میمنت لزوم کو غنیمت جان کر پرتکلف اور شان دار دعوتیں کرتے ۔ سلطان المشائخ بھی ان دعوتوں میں موجود ہوتے ۔ الغرض ایک مرتبہ شیخ جمال الدین ہانسی سے تشریف لائے ۔ مولانا حسام الدین نے اُن کا استقبال کیا ۔ استقبال کے وقت شیخ ابوبکر طوسی نے مولانا حسام الدین سے کہا کہ شیخ جمال الدین سے کہنا کہ میں حج کے لیے جا رہا ہوں ۔ غرض کہ جب مولانا دریائے دہنہ کے کنارے موضع کلوکھری پہنچے تو اس کنارے پر مولانا حسام الدین تھے اور ان دونوں کے درمیان دریا نے بند حائل تھا ۔ عین اس موقع پر شیخ جمال الدین نے مولانا حسام الدین سے بلند آواز [۱۸۲] سے پوچھا ، کہو ہمارا سپید باز کیسا ہے ؟ شیخ جمال الدین کی مراد شیخ ابوبکر طوسی سے تھی ۔ مولانا حسام الدین نے کہا کہ اُن کا ارادہ حج کے لیے جانے کا ہے ۔ شیخ جمال الدین نے وہیں کنارۂ دریا سے کہا کہ تم ابھی ان کو جا کر یہ اشعار سناؤ ، اس کے بعد میں بھی پہنچتا ہوں :

سر ہائے تراسرم نثار اولیٰ تر
یک سر چہ بود ہزار سر اولیٰ تر
در غار وطن ساز چو بوبکرؓ از آنکہ
بو بکر یعنی بغار اولیٰ تر

وفات کے بعد کے واقعات :

شیخ قطب الدین منوّر یعنی شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے سے منقول ہے کہ جس روز سے حضرت شیخ جمال الدین نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی یہ حدیث :

القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران ۔

[قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے ۔]

سنی تھی ، اُس وقت سے آپ اس وعید کے خوف سے بے قرار رہتے ، یہاں تک کہ آپ رحمتِ حق سے جا ملے ۔[1] آپ کے دوست و عزیز اور مریدین سب کو اس کی فکر تھی کہ قبر میں آپ پر کیا گزری ۔ کچھ عرصے کے بعد چند لوگوں نے چاہا کہ آپ کی قبر پر گنبد تعمیر کریں ۔ انھوں نے اُس عمارت کی بنیاد کھودنا شروع کی ۔ جب لحد کے قریب پہنچے تو انھیں ایک کھڑکی آپ کے چہرے کی جانب قبلے کی طرف دکھائی دی ، جس سے بہشت کی خوشبو آ رہی تھی ۔ وہ لوگ اُسی وقت وہاں سے ہٹ گئے اور اس جگہ کو بند کر دیا ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ مولانا جمال الدین ہانسوی کی وفات کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ جب مجھے قبر میں اُتارا گیا تو دو عذاب کے فرشتے میرے پاس آئے ۔ پھر اس کے بعد دوسرا فرشتہ میرے پاس آیا اور یہ حکم لے کر آیا کہ ہم نے اُسے دو رکعت صلٰوۃ البروج ، جو شام کی نماز کی سنتوں کے ساتھ پڑھا کرتا تھا اور آیت الکرسی ، جو ہر فرض نماز کے بعد پڑھا کرتا تھا ، اُسے بخش دیا ہے ۔

منقول ہے کہ جب شیخ جمال الدین نے وفات پائی تو وہ مصلی اور عصا ، جو شیخ شیوخ العالمؒ نے آپ کو عنایت فرمایا تھا ، آپ کی خادمہ مادرِ مومناں مولانا برہان الدین صوفی کے ساتھ ، جو شیخ جمال الدین کے چھوٹے صاحبزادے اور شیخ قطب الدین منور کے والد تھے اور ابھی

۱۔ سنہ وفات مولانا جمال الدین ہانسوی : ۶۵۹ھ (۶۱ - ۱۲۶۰ء) ۔ (خزینۃ الاصفیا ، جلد دوم ، ص ۲۸۶)

بچے ہی تھے ، شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں لے کر آئیں ۔ شیخ شیوخ العالم نے مولانا برہان الدین صوفی کی بڑی تعظیم [۱۰۹۳] و تکریم کی اور ان کو اپنی ارادت اور بیعت سے مشرف فرمایا اور چند روز اُن کو اپنے پاس رکھا ۔ رخصت کے وقت ان کو خلافت نامے اور اُس مصلیٰ اور عصا سے ، جو اُن کے والد کو مرحمت فرمایا تھا ، عطا فرما کر فرمایا ۔ جس طرح جمال الدین ہماری طرف سے مجاز تھے ، اسی طرح تم بھی ہماری طرف سے مجاز ہو اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کچھ دن مولانا نظام الدین سلطان المشائخ کی خدمت میں رہنا ۔

اُردو کے محسن اوّل حضرت بابا فرید گنج شکر کا اُردو کا ایک فقرہ :

اس موقع پر مادرِ مومناں نے شیخ شیوخ العالم سے ہندی زبان میں عرض کیا کہ ''خوجا برہان الدین (ابھی) بالا ہے'' (یعنی خورد سال ہے)۔ اس بارگراں کے اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا ۔ شیخ شیوخ العالم نے بھی ہندی زبان میں فرمایا ''مادرِ مومناں ، پنوں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے'' یعنی چودھویں رات کا چاند بھی پہلی تاریخ کی رات تو چھوٹا ہوتا ہے ، پھر آہستہ آہستہ کمال کو پہنچتا ہے ۔

خواجہ سنائی فرماتے ہیں ۔ ع

برگِ توت است کہ گشتہ است بتدریج اطلس

پھر شیخ شیوخ العالم نے مولانا برہان الدین کو رخصت کیا ۔ مولانا برہان الدین شیخ شیوخ العالم کے فرمان کے مطابق ہر سال سلطان المشائخ کی خدمت میں جاتے اور تربیت حاصل کرتے ۔

الغرض جب مولانا برہان الدین مرتبۂ کمال پر فائز ہوئے اور شیخ شیوخ العالم کی برکت اور سلطان المشائخ کی صحبت کی وجہ سے اُن میں مشائخِ کبار کے اوصاف پیدا ہوئے لیکن ان اوصاف اور کمال سے متصف ہونے کے باوجود کسی کو مرید نہ کرتے تھے ۔ اگر کوئی مرید ہونے کی غرض سے آپ کی خدمت میں آتا تو انکار کر دیتے اور فرماتے کہ سلطان المشائخ کے موجود ہوتے ہوئے ، جو کہ زمانے کے شیخ ہیں ، مجھ جیسے ناکارہ کا مرید کرنا اور بیعت لینا کسی طرح مناسب نہیں ۔ رفتہ رفتہ یہ خبر سلطان المشائخ کو پہنچی ۔ جب مولانا برہان الدین سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے

تو سلطان المشائخ نے اُن سے فرمایا کہ مولانا ! جس طرح یہ ضعیف شیخ شیوخ العالم کی طرف سے مجاز ہے ، اُسی طرح آپ بھی مجاز ہیں ۔ پھر کس لیے آپ مرید نہیں کرتے ؟ مولانا برہان الدین نے وہی جواب دیا کہ آپ جیسے عظیم المرتبت بزرگ کے موجود ہوتے ہوئے میرے لیے مناسب نہیں کہ میں کسی سے بیعت لوں اور دستارِ خلافت دوں ۔

مولانا برہان الدین نے نہایت دلی عقیدت کے ساتھ سلطان المشائخ کی محبت کا آغاز [۱۸۴] کیا ۔ ہر سال سلطان المشائخ کی خدمت میں ہانسی سے شہر (دہلی) آتے ۔ سلطان المشائخ فرماتے کہ اُن کے لیے جماعت خانے میں چارپائی بچھائی جائے ، لیکن مولانا برہان الدین اس قدر متواضع اور منکسر المزاج تھے کہ سوءِ ادب کے خیال سے جماعت خانے میں چارپائی پر نہیں سوتے تھے ۔ جب وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں جاتے تو پہلے عمدہ کپڑے پہنتے اور خود کو عطر و خوشبوؤں سے معطر کرتے ۔ اس وقت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتے ۔ اگرچہ دن میں کئی مرتبہ بھی آپ کی خدمت میں حاضری کی نوبت آتی لیکن وہ ہر مرتبہ یہی عمل کرتے ۔ لوگوں نے اُن سے اُن کے اس عمل کی حکمت پوچھی تو انھوں نے فرمایا ، جب بھی کسی بزرگ کی خدمت میں جاؤ تو خوشبو لگا کر جانا چاہیے ۔

مولانا برہان الدین خوب صورت اور باکمال بزرگ تھے ۔ ظاہری اوصاف سے آراستہ اور باطنی خوبیوں سے مالا مال تھے ۔

شیخ جمال کے صاحبِ جذب صاحبزادے :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ جمال الدین ہانسوی؆ کے ایک صاحبزادے تھے ۔ نہایت بزرگ و دانش مند جو دیوانے ہوگئے تھے ۔ وہ کبھی کبھی ہوش میں آتے اور نہایت دانش مندانہ باتیں کرتے ۔ ایسی حکیمانہ باتیں کرتے کہ میں نے ہزاروں ہوش مندوں سے بھی وہ باتیں نہیں سنیں ۔ میں نے اُن سے سنا وہ کہتے تھے : العلم حجاب اللہ الاکبر ، یہ بات سن کر میں جان گیا کہ یہ معنوی دیوانے ہیں ۔ میں نے اس بات کا مطلب اُن سے پوچھا ۔ انھوں نے کہا کہ علم غیر حق ہے اور جو غیر حق ہے ، وہ حجابِ حق ہے ۔

مفهم

عارف ربانی ، زاہد سبحانی ، شیخ عارف خلیفہ شیخ فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز

شیخ عارفؒ .

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ عارفؒ کو شیخ شیوخ العالم نے سیوستان کی طرف بھیجا تھا اور ان کو بیعت کی اجازت دی تھی ۔ اس کا واقعہ یہ تھا کہ اُچ اور ملتان کا ایک بادشاہ تھا اور یہ بزرگ اُس کے امام تھے ، یا کوئی اور تعلق تھا ۔ اس بادشاہ نے سو ٹنکے دے کر انھیں شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں بھیجا تھا ۔ انھوں نے پچاس ٹنکے خود رکھ لیے اور پچاس ٹنکے شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں پیش کیے ۔ جب انھوں نے وہ پچاس ٹنکے آپ کی خدمت میں پیش کیے تو شیخ شیوخ العالم نے مسکرا کر فرمایا کہ عارف ! تم نے خوب برادرانہ حصہ تقسیم کیا ہے ۔ یہ سن کر عارف نہایت شرمندہ ہوئے اور فوراً دوسرے پچاس ٹنکے بھی آپ کی خدمت میں پیش کیے نیز کچھ اپنے پاس سے مزید اضافہ کر کے دیے اور نہایت معذرت کی اور بیعت کی التجا کی ۔ شیخ شیوخ العالم نے انھیں بیعت کر لیا اور سر منڈوایا ۔ پھر وہ آپ کی خدمت میں رہ کر اس قدر راسخ العقیدہ ہوئے کہ آخر شیخ شیوخ العالم نے اُن کو بیعت کرنے کی اجازت دے دی اور سیوستان [۱۸۵] کی طرف روانہ کیا ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مولانا عارف نے اپنا خلافت نامہ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ کام بہت نازک ہے ۔ مجھ غریب کی طاقت سے باہر ہے ۔ میں اس شغل سے عہدہ برآ نہیں ہو سکوں گا ۔ مخدوم عالمیان کی نظر شفقت و مرحمت میرے لیے کافی ہے ۔ خلافت نامہ آپ کی خدمت میں پیش کر کے آپ کی اجازت سے کعبے چلے گئے اور وہیں وفات پائی ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

حضرت شیخ علی صابرؒ :

کاتب حروف محمد مبارک علوی مشہور بہ امیر خورد نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک درویش تھے بزرگ ، صاحب نعمت ، جن کو شیخ علی صابر کہتے تھے ۔ درویشی میں ثابت قدم اور مستجاب الدعوات تھے ۔ قصبہ ڈیکری کے رہنے والے تھے اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق

والدین قدس سرہ العزیز کے مرید تھے ، اور آپ سے نسبت پیولدی (قرابت) رکھتے تھے ۔ آپ نے اُنھیں خلافت و اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا تھا۔ جب بعض اکابر مریدوں کو جو دولتِ خلافت سے سرفراز ہوئے تھے ، رخصت ہوتے وقت آپ نے ہر ایک کو اُس کے حسبِ حال خاص خاص وصیتیں فرمائیں اور تھوڑی دور آپ اُن کے ساتھ چلے ، اس موقع پر شیخ علی صابر نے عرض کیا کہ اس فقیر کے بارے میں کیا حکم ہوا ہے ۔ تو شیخ شیوخ العالم نے فرمایا ، صابر ا جاؤ ، تمھاری زندگی آرام سے بسر ہوگی ۔ مختصر یہ ہے کہ شیخ علی صابر[۱] کی تمام زندگی بڑے عیش و آرام سے گزری ۔ وہ نہایت خوش باش اور ہنس مکھ تھے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

• • •

۱- شیخ علی صابر : صابریہ سلسلے کے مؤسس و بانی حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری ہیں ۔ وہ حضرت بابا فرید گنج شکر کے حقیقی بھانجے ، داماد اور آپ کے جلیل القدر خلفا میں تھے ۔ کھوتوال میں پیدا ہوئے ۔

صاحب ''سیرالاولیاء'' کی یہ روایت جسے صاحبِ ''اخبار الاخیار'' نے بھی نقل کیا ہے ۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے لکھا کہ غالباً یہ شیخ صابر اُن بزرگ کے علاوہ ہیں ، جو حضرت بابا گنج شکر کے بھانجے اور داماد تھے جن کی قبر کلیر میں ہے ۔ اُن کا نام بھی شیخ علی صابر تھا ۔ ان بزرگ کا تذکرہ صاحبِ ''سیرالاولیاء'' نے نہیں کیا اور ان کا اپنی کتاب میں تذکرہ نہ کرنا باعثِ تعجب ہے اور ممکن یہ بھی ہے کہ شیخ صابر وہی صابر ہوں جو بابا فرید کے بھانجے اور اور داماد تھے ۔

صاحب ''معراج الولایت'' کے بیان کے مطابق آپ نے ۱۳ ربیع الاوّل ۶۹۰ھ (۱۲۹۱ء) میں وفات پائی ۔ (''خزینۃ الاصفیا'' ، جلد اوّل ، ص ۳۱۵ - ۳۱۹)

باب سوم

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے صاحبزادوں ، پوتوں ، نواسوں اور سلطان المشائخ نظام الحق والدین قدس سرہ العزیز کے اقربا اور اُن بزرگوں کے مناقب و فضائل کے بارے میں جو شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین اور سلطان المشائخ نظام الحق والدین قدس اللہ سرہما العزیز سے قرب خاص رکھتے تھے

کاتب حروف محمد مبارک علوی مشہور بہ امیر خورد خوش اعتقاد مریدوں کے لیے رقم طراز ہے کہ شیخ شیوخ العالم کے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں لیکن آپ کے پوتے اور نواسے اس کثرت سے ہیں کہ مشرق سے لے کر مغرب تک [۱۸۶] عالم کو گھیرے ہوئے ہیں اور دنیا کا ہر گوشہ اُن کے قدموں کے نور سے منور ہے اور زمانے کو اپنی حمایت میں لیے ہوئے ہیں ، لیکن ان میں سے چند صاحبزادوں ، پوتوں اور نواسوں کے مناقب و کرامات کا تذکرہ اس کتاب میں لکھا جاتا ہے ۔ ان میں سے بعض سلطان المشائخ کی زیر نگرانی پرورش میں رہے ہیں یا کاتب حروف ان بزرگوں میں سے جن کی خدمت میں رہا ہے ، تاکہ یہ کتاب ان کی برکت سے اہل دل میں مقبول ہو اور اس کتاب کے لکھنے والے کی مغفرت کا ذریعہ ہو ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

نکتہ

شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے صاحبزادوں کے مناقب و کرامات کے بارے میں

منہم

خواجہ نصیرالدین بن شیخ شیوخ العالمؒ :

شیخ زادۂ معظم فخرِ بنی آدم ، جو شیخ شیوخ العالم کے صاحبزادوں میں سب سے بڑے تھے ، وہ خواجہ نصیرالدین نصرہ اللہ تھے جو پسندیدہ اخلاق سے متصف تھے ۔ وہ اپنا وقت عبادتِ الٰہی اور زراعت میں بسر کرتے تھے جو لقمۂ حلال ہے اورکھیتی باڑی اُن کی معیشت کا ذریعہ تھا ۔ خلوت و جلوت میں وہ اطاعتِ الٰہی اور رضائے باری تعالیٰ میں اپنا وقت گزارتے تھے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

منہم

مولانا شہاب الملت والدینؒ :

بحرِ علم ، کانِ علم ، جو تقویٰ سے آراستہ اور زہد سے پیراستہ تھے یعنی مولانا شہاب الملت والدین جو وفورِ علم و فضائل میں بہت مشہور تھے اور زیادہ تر شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ۔ اگر شیخ شیوخ العالم کی مجلس میں کوئی علمی بحث چھڑتی تو وہ اُس بحث کو بڑی خوبی سے شروع کرتے اور اُس کو نہایت عمدگی سے اختتام تک پہنچاتے ، جس سے شیخ شیوخ العالم مطمئن اور خوش ہو جاتے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ مجھ میں اور مولانا شہاب الدین میں بہت محبت تھی ۔ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں مجھ سے بغیر ارادے کے نا مناسب جرأت ظہور میں آئی ۔

ہوا یہ کہ ایک روز ''عوارف'' کا نسخہ جو آپ کے پاس رہتا تھا ، آپ اس نسخے میں سے کچھ فوائد بیان فرما رہے تھے ۔ یہ نسخہ یا تو نہایت باریک خط میں لکھا ہوا تھا یا اس میں کچھ سقم تھا ۔ آپ سے اس کے بیان میں کچھ کمی ہوئی ۔ میں نے اس کتاب کا ایک اور نسخہ

شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دیکھا تھا اور مجھے اتفاق سے وہ مقام یاد تھا ۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ شیخ نجیب الدین کا نسخہ زیادہ صحیح ہے ۔ میری یہ بات آپ کو ناگوار گزری ۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس درویش کو صحیح اور سقیم کے پرکھنے کی قوت نہیں ہے ۔ [۱۸۸] آپ نے یہ الفاظ دو تین مرتبہ فرمائے ، لیکن اس فرمانے کے بعد بھی میرے دل میں اس کا شائبہ بھی نہ گزرا کہ آپ کا یہ ارشاد میرے متعلق ہے ، کیوں کہ اگر میں قصداً یا جان بوجھ کر کہتا تو اس کا خیال مجھے ہوتا ، لیکن مجھ سے مولانا بدرالدین اسحاقؒ نے فرمایا کہ شیخ کی یہ بات تمھارے متعلق ہے ۔ میں اسی وقت اٹھا اور سر برہنہ کر کے شیخ کے قدموں میں گرا اور میں نے عرض کیا کہ نعوذ باللہ میرا مقصد اس سے ہرگز مخدوم کے کتب خانے کے نسخے میں کوئی نقص نکالنا نہ تھا بلکہ جو نسخہ میں نے دیکھا تھا ، میں نے صرف اس کے متعلق اپنا مشاہدہ بیان کیا تھا ۔ میرے دل میں ہرگز سوء ادبی کا خیال نہ تھا لیکن میری اس معذرت کے باوجود ، میں نے شیخ شیوخ العالم کے چہرے پر ناراضگی کا اثر محسوس کیا ۔ میں وہاں سے اٹھا مگر میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کیا کروں ۔ خدا کرے کہ کسی کو ایسا غم نہ ہو جیسا مجھے اس دن تھا ۔ میں روتا ہوا مضطر اور حیران وہاں سے باہر نکلا یہاں تک کہ ایک کنویں پر پہنچا اور چاہا کہ اپنے آپ کو کنویں میں گرا دوں لیکن پھر رک گیا اور اپنے دل میں سوچا کہ اگر میں مر بھی جاؤں تو یہ بدنامی کا داغ مٹ نہ سکے گا ۔ اسی الجھن اور پریشانی میں میں روتا ہوا پھرتا رہا ۔ خدا ہی جانتا ہے کہ شدتِ غم سے اس وقت میرا کیا حال تھا ۔ الغرض شیخ شیوخ العالم کے صاحبزادے شیخ شہاب الدین کو کہ ان میں اور مجھ میں بڑی محبت تھی ، میرے اس حال کی خبر ہوئی ۔ وہ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں گئے اور میری حالت کو نہایت خوبی سے بیان کیا ۔ چنانچہ شیخ شیوخ العالم نے اہل خورد کو میرے بلانے کے لیے بھیجا ۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوا ۔ آپ خوش ہوئے ۔ دوسرے روز آپ نے مجھے طلب فرمایا ۔ اپنی بے انتہا عنایتوں اور شفقتوں سے نوازا ۔ اس دن میں نے آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سنے کہ پیر مرید کے لیے بمنزل مشاطہ کے ہوتا ہے ۔ پھر مجھے خلعت سے سرفراز فرمایا اور خاص لباس سے مشرف کیا ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک روز ایک بوڑھا شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں آیا اورکہا کہ میں ایک دفعہ شیخ قطب الدین طیب اللہ ثراہ کی خدمت میں حاضر تھا ۔ میں نے آپ کو وہاں دیکھا تھا ۔ شیخ نے اس کو نہیں پہچانا ۔ جب اُس نے مزید وضاحت کی تو آپ نے اُسے پہچانا ۔ اُس بوڑھے کے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا جو اس بوڑھے کا بیٹا تھا ۔ اتفاق سے کوئی علمی بحث چھڑ گئی ۔ وہ بے ادب نوجوان آپ سے نہایت گستاخی کے ساتھ بحث کرنے لگا یہاں تک کہ آوازیں بلند ہوگئیں ۔ شیخ نے بھی بلند آواز سے بات شروع کی ۔ میں اور مولانا شہاب الدین دروازے کے باہر بیٹھے ہوئے تھے ۔ جب آوازیں دھیمی پڑیں تو ہم اندر آئے ۔ ہم نے دیکھا کہ وہ لڑکا اُسی طرح شیخ سے گستاخی سے بات کر رہا تھا ۔ مولانا شہاب الدین نے اندر داخل ہوتے ہی اس لڑکے کے مُکتے مارنا شروع کیے ۔ اُس نے بھی اپنی کمینگی سے مولانا پر حملہ کرنا چاہا [۱۸۸] ۔ میں نے اُس کے ہاتھ پکڑ لیے ۔ عین اس حال میں شیخ شیوخ العالم نے فرمایا ، مولانا شہاب الدین ! صفائی کا راستہ اختیار کرو ۔ مولانا شہاب الدین نے ایک عمدہ چابک اورکچھ نقدی رقم ان دونوں باپ بیٹے کو دی جسے لے کر وہ دونوں واپس ہوگئے ۔ سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم کی عادت مبارک تھی کہ ہر رات کو افطار کے بعد مجھے اور مولانا رکن الدین سمرقندی کو طلب فرماتے ۔ کبھی کبھی ہمارے ساتھ مولانا شہاب الدین بھی ہوتے اورکبھی نہ ہوتے ۔ الغرض شیخ شیوخ العالم نے ہمیں طلب کیا اور اُس بوڑھے اور نوجوان کے آنے اور مولانا شہاب الدین کے اُس نوجوان کو ادب سکھلانے پر بات چلی ۔ شیخ یہ بات سن کر ہنستے جاتے تھے ۔ میں نے عرض کیا کہ جیسے ہی اس نوجوان نے چاہا کہ مولانا شہاب الدین پر حملہ کرے ، میں نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے ۔ شیخ شیوخ العالم ہنس پڑے اور فرمایا ، تم نے اچھا کیا ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

اے دیدنت آسایش و خندیدنت آفت
گوئے از ہمہ خوباں بربودی بلطافت

متعلم

شیخ المشائخ طریقت ، آفتاب عالم حقیقت یعنی شیخ بدرالملت والدین سلیمان جو علم و تقویٰ میں مشہور اور اوصاف مشائخ کبار سے موصوف تھے

شیخ بدرالدین سلیمان بن بابا فرید گنج شکرؒ :

شیخ بدرالدین سلیمان بن شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین نے اپنے بھائیوں اور مریدوں کے اتفاق سے جو وہاں موجود تھے ، اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد مسندِ سجادگی کو زینت بخشی ۔ وہ حقیتاً "الولد سرٌ لابیہ" (بیٹا باپ کا بھید ہوتا ہے) کا مصداق تھے ۔

کاتبِ حروف نے اپنے والد سیّد محمد مبارک کرمانیؒ سے سنا تھا کہ شیخ بدرالدین مخلوق [یعنی آپ کے مرید] نہ تھے بلکہ مشائخ چشت کے طریقے میں فرق کرتے تھے ۔ اس لیے کہ اُنھوں نے خلافت خلفائے چشت سے حاصل کی تھی ۔ اُن کے بیعت نہ ہونے کا واقعہ یہ تھا کہ جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے والد کی وفات کے بعد لوگوں نے چاہا کہ ان کو اُن کے والد کی جگہ مسند سجادگی پر چشت میں بٹھائیں ، اُس وقت خواجہ قطب الدین بچے تھے ۔ بزرگانِ چست اور اُن کے دوسرے عزیز و اقارب اُن کی صغرسنی کی وجہ سے اس پر آمادہ نہ تھے ۔ اُن کے چچا خواجہ علی چشتی ، سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں دہلی میں رہتے تھے ۔ اس لیے بزرگانِ چشت نے خاندانِ چشت کے دو بزرگ ترین خلفاء ایک خواجہ زور کو ، کہ جن کا نام سن کر لوگ تکبیر یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الااللہ واللہ اکبر واللہ اکبر وللہ الحمد پڑھتے تھے ، دوسرے خواجہ غور کو ، [۱۸۹] جن کا نام سن کر لوگ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے ، اس مشورے کے لیے خواجہ علی کے پاس دہلی بھیجا ۔ یہ واقعہ تفصیل سے نکتۂ سادات میں کاتب الحروف نے اپنے والد کے تذکرے کے ضمن میں لکھا ہے ۔

الغرض یہ دونوں خلفاء صاحبِ نعمت جب اجودھن کے قریب پہنچے تو شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کو ان کی آمد کی خبر ہوئی کہ دو بزرگ خاندانِ چشت کے آ رہے ہیں ۔ شیخ شیوخ العالم اُن دونوں بزرگوں

کے استقبال کے لیے اجودھن سے باہر تشریف لائے اور نہایت عزت و احترام سے اُن کو اجودھن لے کر آئے ۔ ان دونوں بزرگوں کی نہایت پُرتکلف دعوتیں کیں ۔

بعد ازآں شیخ شہاب الدین اور شیخ بدرالدین سلیمان دونوں صاحبزادوں کو اُن کی خدمت میں حاضر کیا اور فرمایا ، ہمیں یہ نعمت آپ ہی کے یہاں سے ملی ہے ۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ان دونوں کو کلاہِ ارادت آپ حضرات اپنے ہاتھ سے پہنائیں ۔ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ ہماری کیا مجال ہے کہ آپ جیسے بادشاہ کی موجودگی میں ہم کلاہ پہنائیں ۔ شیخ شیوخ العالم نے فرمایا کہ ہم نے یہ نعمت آپ کے خاندان سے حاصل کی ہے ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یہ دونو کلاہِ ارادت آپ ہی کے ہاتھ سے پہنیں پھر ان دونوں بزرگوں نے کہا لیکن چونکہ مخدوم ہمارے عذر کو قبول نہیں کرتے تو حکم فرمائیے کہ گھر میں سے کپڑا منگوا کر اپنے دستِ مبارک سے کلاہ تیار کریں ، پھر ہم کو دیجیے تو کلاہ ہم پہنا دیں گے ۔ شیخ شیوخ العالم کے اشارے پر مولانا بدرالدین اسحاق دو کلاہ کا کپڑا لائے ۔ شیخ شیوخ العالم نے اپنے دستِ مبارک سے دونوں کلاہوں کو درست کیا اور ان دونوں بزرگوں نے شیخ شیوخ العالم کے سامنے مولانا شہاب الدین اور شیخ بدرالدین سلیمان کو کلاہ پہنائے یہاں تک کہ ان دونوں بزرگوں کی برکت سے ان دونوں صاحبزادوں میں ایک عالم با عمل اور دوسرے شیخ شیوخ العالم کے سجادے کے وارث ہوئے ۔ چونکہ اکثر مشائخ چشت کی تعلیم میں فرق تھا ، شیخ بدرالدین سلیمان بھی اُسے ملحوظ رکھتے تھے ۔

جب شیخ بدرالدین سلیمان نے وفات پائی تو انھیں شیخ شیوخ العالم کے گنبد میں دفن کیا گیا ۔ قدس اللہ سرہما العزیز ۔

منہم

موصوف بہ اوصافِ مردانِ دین ، مشہور بہ تقویٰ و یقین یعنی خواجہ نظام الملت والدین

خواجہ نظام الدین بن بابا فرید گنج شکرؒ :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ خواجہ نظام الدین سے شیخ شیوخ العالمؒ اپنے تمام صاحبزادوں میں سب سے زیادہ محبت رکھتے تھے ۔ وہ ایک لشکری

آدمی تھے [۱۹۰] اور شیخ شیوخ العالم کی بارگاہ میں اُس بے انتہا محبت کی وجہ سے ، جو آپ کو تھی ، نہایت بیباک تھے ۔ شیخ شیوخ العالم اُس محبت کی وجہ سے ، جو آپ کو اُن سے تھی ، اُن کی بیباکانہ باتوں کو نہایت خوش خوش گوارا فرماتے ۔ اُن کی باتوں پر تبسم فرماتے اور اُن کی باتوں پر ناراض نہ ہوتے ۔

منقول ہے کہ وہ بہادری اور جواں مردی میں حیدر ثانی اور فہم و فراست میں بے نظیر تھے ۔ ان کی طبّاعی و ذہانت کا تذکرہ شیخ شیوخ العالم کے نکتۂ وفات کے ضمن میں تحریر کیا جا چکا ہے ۔

وفات :

جب شیخ شیوخ العالم کی وفات کے بعد کافروں نے اجودھن پر چڑھائی کی تو خواجہ نظام الدین اپنی جواں مردی اور بہادری کی وجہ سے اُن کے مقابلے کے لیے نکلے اور اُن کا مردانہ وار مقابلہ کیا ۔ ایک زبردست لڑائی کے بعد اُنھوں نے شہادت پائی ۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد جب شہدا میں ان کو تلاش کیا گیا تو اُن کا کچھ پتا نہ چلا ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

منھم

خوش خصال ، اہلِ دل کے محبوب یعنی خواجہ یعقوب ،
جو شیخ شیوخ العالم کے تمام صاحبزادوں میں چھوٹے
تھے ، فیاضی و ایثار میں مشہور اور مستجاب الدعوات
اور نہایت لطیف الطبع تھے

خواجہ یعقوبؒ بن بابا فرید گنج شکرؒ :

کاتبِ حروف نے اپنے والد سیّد محمد مبارک کرمانی سے سنا تھا ۔ وہ بیان فرماتے تھے کہ میں اکثر سفر و حضر میں صاحبزادہ خواجہ محمد یعقوب کے ساتھ ہوتا تھا ۔

ایک دفعہ میں اُن کے ساتھ اودھ گیا ۔ جب ہم اودھ پہنچے تو سرائے میں ٹھہرے ۔ صاحبزادے نے مجھے حُجرے میں چھوڑا اور خود شہر کی سیر و تفریح کے لیے باہر چلے گئے ۔ پھر رات گزرنے تک واپس نہ آئے اور وہیں آرام میں مشغول ہو گئے ۔ اُسی رات اودھ کا حاکم ، جو بڑا خان تھا ،

دردِ شکم میں مبتلا ہو گیا ۔ اس کے پیٹ میں اس قدر سخت درد ہوا کہ اُسے ایک لمحہ قرار نہ تھا ۔ ہر چند دوائیں کی گئیں لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا یہاں تک کہ نوبت دعاؤں اور تعویذ تک پہنچی ۔ اس موقع پر کسی نے کہا کہ شیخ شیوخ العالم کے صاحبزادے خواجہ یعقوب کو میں نے عصر کے وقت شہر میں آتے ہوئے دیکھا تھا ، اگر کہیں وہ مل جائیں تو اُمید ہے کہ اُن کی دعا سے یہ تکلیف صحت میں بدل جائے گی ۔ حاکمِ اودھ نے اُسی وقت جب کہ آدھی رات گزر چکی تھی اُن کی تلاش میں ہر طرف آدمی دوڑائے ۔ اس کے آدمی ڈھونڈتے ڈھونڈتے سرائے میں آئے جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے ۔ اُنھوں نے کہا صاحبزادہ خواجہ یعقوب کہاں ہیں ؟ کہ انھیں شہر کے حاکم نے بلایا ہے ۔ میں نے کہا کہ وہ عصر کے وقت مجھ سے جدا ہوئے تھے ۔ یہیں شہر میں کسی جگہ ہوں گے ۔ اُن لوگوں نے پھر تلاش شروع کی ۔ آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ اس جگہ پہنچے جہاں خواجہ یعقوب آرام فرما رہے تھے ۔ دیکھا کہ وہ سو رہے ہیں [۱۹۱] ان لوگوں نے اُن کو آہستہ آہستہ بیدار کیا اور عرض کیا کہ آپ کو خان بلاتے ہیں ۔ خواجہ یعقوب مسکرائے اور فرمایا ، ہمارا خرچ ٹوٹ گیا تھا اور میں اسی فکر میں سو گیا تھا کہ تم میرے پاس پہنچے ۔ وہ اُسی وقت اُٹھے اور خان کے پاس پہنچے ۔ دیکھا کہ خان درد سے تڑپ رہا ہے ، کبھی زمین پر لوٹتا ہے ، کبھی چارپائی پر ، بالکل موت کے قریب پہنچ چکا ہے ۔ خواجہ یعقوب ، خان کی چارپائی کے پاس بیٹھ گئے ۔ اپنی دو اُنگلیاں خان کے پیٹ پر رکھیں اور کچھ پڑھا ۔ فوراً ہی پیٹ کا درد بالکل جاتا رہا اور خان بھلا چنگا ہو کر چارپائی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور خواجہ یعقوب کے پاؤں میں گرا ۔ ایک روپیوں سے بھری ہوئی تھیلی اور قیمتی لباس صاحبزادے کی خدمت میں پیش کیا ۔ صاحبزادے وہ روپے اور کپڑے لے کر باہر نکلے ۔ اُس میں سے آپ نے کچھ رقم خان کے چوبداروں اور دربانوں کو دی اور آدھی رات گزرنے پر بقیہ رقم لے کر سرائے میں تشریف لائے ۔

غیبوبت :

اسی اثنائے سفر میں قصبہ امروہہ (امروھہ) کے قریب اُس بزرگ زادے کو مردانِ غیب اُٹھا کر لے گئے ۔ پھر آپ کا پتا نہ چلا ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

نکتہ

شیخ شیوخ العالمؒ کی صاحبزادیوں کے فضائل ، صلاحیتوں اور کرامات کے بارے میں

بی بی مستورہ :

کاتبِ حروف نے اپنے والد ماجد سیّد مبارک محمد سے سنا تھا کہ شیخ شیوخ العالم کی تین صاحبزادیاں تھیں ۔ اُن میں سب سے بڑی بی بی مستورہ تھیں جو آخر دم تک پردۂ صلاح و عفت و کرامت میں رہیں ۔

بی بی شریفہ :

شرفِ عبادت و اطاعت سے مشرف تھیں ، رحمۃ اللہ علیہا ۔ یہ صاحبزادی نوجوانی ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں ۔ جب سے وہ بیوہ ہوئی تھیں ، اُنھوں نے پھر وفات تک شادی نہیں کی ۔ بیوہ ہونے کے بعد وہ اس طرح یادِ الٰہی میں مصروف ہوئیں کہ ان کی عبادت و ریاضت کو دیکھ کر شیخ شیوخ العالم فرمایا کرتے تھے کہ اگر عورتوں کو خلافت اور سجادۂ مشیخت دینا جائز ہوتا تو میں بی بی شریفہ کو دیتا ۔ اگر تمام عورتیں ایسی ہوتیں جیسی کہ بی بی شریفہ ہیں تو عورتیں مردوں پر سبقت لے جاتیں ۔

شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

در سرا پردۂ عصمت بہ عبادت مشغول
نام در عالم و خود در کنف ستر خدا

بی بی فاطمہ بنتِ بابا فرید گنج شکر اور اُن کی وفات :

بی بی فاطمہ شیخ شیوخ العالم کی تیسری صاحبزادی تھیں ، جو مولانا بدرالدین اسحاق سے بیاہی گئی تھیں ۔ مولانا بدرالدین اسحاق نے اجودھن میں وفات پائی ۔ وفات کے وقت انھوں نے چھوٹے چھوٹے دو صاحبزادے خواجہ محمد امام اور خواجہ موسیٰ چھوڑے ، جن کی تربیت کے لیے سلطان المشائخ سخت متفکر ہوئے ۔ اس لیے کہ سلطان المشائخ کو مولانا بدرالدین اسحاق سے [۱۹۲] بے حد محبت تھی ، جیسا کہ مولانا بدرالدین کے تذکرے میں لکھا جا چکا ہے ۔ سلطان المشائخ اس فکر میں تھے کہ اگر سفر خرچ کی کوئی صورت نکل آئے ، تو وہ بی بی فاطمہ کو اُن کے بیٹوں

کے ساتھ اجودھن سے بلا لیں تاکہ آپ اس طرح مولانا بدرالدین اسحاق کی محبت کا کچھ حق ادا کر سکیں ۔ الغرض آپ نے اس بارے میں کاتب حروف کے دادا سیّد محمد کرمانی سے مشورہ کیا ۔ سیّد محمد کرمانی نے کہا کہ ہم سب پر واجب ہے کہ مولانا بدرالدین اسحاق کے صاحبزادوں کی دیکھ بھال کریں کیونکہ ہم سب کی مدد انھوں نے کی ہے ۔ ابھی یہ دونوں مشورہ ہی کر رہے تھے کہ ایک ملتانی سوداگر سلطان المشائخ کا ہمسایہ جو تجارت میں نفع کما کر کہیں سے آ رہا تھا ، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی خدمت میں دو اشرفیاں بطور نذرانہ پیش کیں ۔ سلطان المشائخ نے وہ دونوں اشرفیاں سیّد محمد کرمانی کے سامنے رکھیں اور اُن سے فرمایا کہ ایک اشرفی تم اپنے گھر خرچ کے لیے دے دو اور ایک اشرفی مولانا بدرالدین اسحاق کے بچّوں کے لیے سفر خرچ کے لیے رکھو کیونکہ تم اس خاندان کے محرم ہو ۔ خدا کرے کہ خیریت سے واپس آؤ ۔ چنانچہ، سیّد محمد نے یہ خدمت منظور کر لی ۔ ان کا بیان ہے کہ میں دوسرے روز اجودھن روانہ ہوگیا اور بی‌بی فاطمہ اور اُن کے صاحبزادوں کو لے کر شہر (دہلی) واپس ہوا ۔ الغرض جب چند دن بی‌بی فاطمہ اور اُن کے بچّے شہر میں رہے تو تمام خویش و اقارب ہر ایک کو یہ گمان ہونے لگا کہ سلطان المشائخ بی‌بی فاطمہ سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں ، چونکہ یہ بات کسی طرح سلطان المشائخ کے شایانِ شان نہ تھی ۔ اس کے خاص و عام سب میں چرچے ہوئے ۔ ایک رات تنہائی میں سیّد محمد کرمانی نے یہ بات سلطان المشائخ سے کہی کہ لوگ بی‌بی فاطمہ کے لانے پر طرح طرح کی باتیں اُڑا رہے ہیں ۔ اُن کا گمان ہے کہ بی‌بی فاطمہ کے لانے سے آپ کا مقصد ہی دوسرا ہے ۔ سلطان المشائخ یہ بات سن کر حیرت میں انگشت بدنداں رہ گئے اور اپنے چہرۂ مبارک اور ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ اجودھن جانے کی تیاری کرو ۔ دوسرے روز آپ شیخ شیوخ العالم کی زیارت کے لیے اجودھن روانہ ہوگئے ۔ قبل اس کے کہ آپ شہر واپس لوٹیں ، آپ کے واپس ہونے سے تین روز پہلے سلطان المشائخ کی عدم موجودگی میں بی‌بی فاطمہ نے وفات پائی اور شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے [۱۹۳] روضۂ مبارک کے باہر دروازۂ مندہ میں مدفون ہوئیں ۔ سوم کے روز خلقت موجود تھی ۔ سلطان المشائخ جس دن اجودھن پہنچے ، اُسی روز

روضۂ شیخ نجیب الدین متوکل میں پہنچ کر بیبی فاطمہ کے سوم میں شریک ہوئے۔

خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ نے جو اُس وقت بچے تھے ، سلطان المشائخ کی نگرانی میں پرورش پائی اور شیخ شیوخ العالم کے مرید خواجہ احمد پشاوری کو ان کا اتالیق مقرر کیا ۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۔

نکتہ

شیخ شیوخ العالم کے پوتوں کے فضائل و کرامات کے بارے میں

منہم

افضل مشائخ طریقت ، اکرم اولیائے حقیقت جو بلندیِ درجات ، رفعت مقامات و شدت مجاہدات اور ذوقِ مشاہدات میں اپنے زمانے میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے اور بذل و ایثار میں اُن کی نظیر نہ تھی اور پاکیزگیِ ظاہر و باطن میں مشائخِ وقت میں بے مثل تھے یعنی شیخ علاء الملت والدین بن شیخ بدرالدین سلیمان

شیخ علاء الدین :

شیخ علاء الدین سولہ سال کے تھے کہ آپ نے اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کی مسندِ سجادگی کو زینت بخشی اور ۴۴ سال تک سجادگی کے فرائض کے حقوق کو کماحقہٗ انجام دیتے رہے ۔ ان کی عظمت و کرامت کا شہرہ عالم میں مشہور ہوگیا اور اُن کا اسمِ مبارک اولیائے کرام میں شمار ہونے لگا ۔ چنانچہ اجودھن ، دیبال پور اور جبالی میں ، جو کشمیر کی طرف ہے ، ان علاقوں کے لوگوں نے نہایت محبت و عقیدت سے آپ کے مقبرے اور مقامات بنائے ہیں اور آپ کے روضۂ متبرکہ کے نام سے وہاں صدقات اور ختم کرتے ہیں ۔

کاتبِ حروف نے اپنے والد سیّد مبارک محمد کرمانی سے سنا تھا ۔ آپ فرماتے تھے کہ میں اور شیخ علاء الدین قدس اللہ سرہ العزیز ہم دونوں دودھ

شریک بھائی تھے ۔ مجھ میں اور اُن میں رضاعت کا رشتہ ثابت تھا ۔ انھوں نے میری والدہ کا دودھ پیا تھا اور ہم دونوں نے مولانا بدرالدین اسحاق سے قرآن مجید یک جا پڑھا تھا ، جس کی کیفیت مولانا بدرالدین اسحاق کے حالات میں منفصل تحریر کی جا چکی ہے -

بابا فرید گنج شکرؒ کا مقامی زبانوں کو فروغ دینے کی کوشش :

میرے والد فرماتے تھے کہ ایک روز بچپن میں میں اور شیخ علاء الدین شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہم دونوں چارپائی کی پٹی پکڑے ہوئے کھڑے تھے ۔ اُس [۱۹۴] وقت شیخ شیوخ العالم کے منہ میں پان تھا ۔ آپ نے ازراہِ شفقت و فرزند پروری اپنے منہ میں سے پان نکال کر اپنے دستِ مبارک سے شیخ علاء الدین کے منہ میں اور بقیہ پان کا حصہ میرے منہ میں رکھا ۔ بعدہٗ وضو کے لیے چارپائی سے اُترے اور کرسی پر بیٹھے ۔ عیسیٰ نامی ایک درویش تھا ، جو خلوت میں آپ کی خدمت کیا کرتا تھا اور اپنی بیوی کو ، جب اُس کی باری ہوتی تھی ، خدمت کے لیے بھیجتا ۔ دونوں میاں بیوی باری باری شیخ شیوخ العالم کی خدمت بجا لاتے تھے ۔ یہ درویش اُس وقت آپ کو وضو کرا رہا تھا اور مصلیٰ بچھانا جا چکا تھا ۔ ابھی شیخ شیوخ العالم وضو کر ہی رہے تھے کہ شیخ علاء الدین کھیلتے ہوئے مصلیٰ پر جا بیٹھے ۔ عیسیٰ درویش نے شیخ علاء الدین کی طرف دیکھا اور اُنگلی دانتوں میں دبا کر انھیں اشارے سے روکا ۔ عین اُسی وقت شیخ شیوخ العالم نے بھی خواجہ عیسیٰ کو دیکھا اور بعد میں شیخ علاء الدین کی طرف نظر کی ۔ انھیں دیکھ کر آپ مسکرائے اور خواجہ عیسیٰ سے وہاں کی مقامی زبان میں فرمایا : ''عیسیٰ میخ تہ بھی'' [عیسیٰ اسے بیٹھنے بھی دے] -

چنانچہ وہ شیخ کے اس ارشاد کی برکت سے تقریباً دو قرن کے بعد آپ کے سجادے پر بیٹھے اور اس طرح بیٹھے کہ سوائے جمعہ کی نماز کے سجادے پر سے نہ ہلتے ، اگرچہ بادشاہ وقت ہی کیوں نہ آئے ، وہ اپنی جگہ سے نہ اُٹھتے تھے اور دنیا کو اُونٹ کی مینگنی کی طرح جانتے تھے ۔ اگر کوئی مرید ہونے کے لیے آتا تو شیخ شیوخ العالم کے روضۂ مبارک کے حوالے کرتے اور فرماتے کہ اسے بابا صاحب کی پائنتی لے جا کر کلاہ

چھوڑا ۔ صائم الدہر تھے ۔ روزے پر آپ کا سب سے زیادہ زور تھا ۔ کسی نے کبھی آپ کو آخر دم تک سوائے عیدین اور ایام تشریق کے ، دن میں کھاتے نہیں دیکھا ۔ آپ پہر رات گزرنے کے بعد روزہ افطار کرتے ۔[۱] چند پراٹھے آپ کے لیے پکائے جاتے جو ایک سیر میں آٹھ تیار ہوتے تھے ۔ اُن میں دو پراٹھے ایک سیر دودھ کے ساتھ آپ تناول فرماتے ۔ اس کے علاوہ حلوے کی صحنکیں آپ کے لیے لائی جاتیں لیکن آپ اُس میں سے کچھ تناول نہ کرتے اور یہ حلوے کی صحنکیں اُس وقت جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے ان لوگوں کو بھجوا دیتے جن کو آپ کا دل چاہتا ۔ درویشوں کے لیے دو وقت کندوری (دسترخوان) بچھتا ، جس پر عام و خاص [۱۹۵] کھاتے ۔ جب کبھی شیخ شیوخ العالم کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لیے جاتے تو درویش اور محتاج دو روپیہ کھڑے سو جاتے ۔ ہر ایک قطار کے محتاجوں اور غریبوں کو شروع سے آخر تک نقدی دیتے ۔ اگر کوئی درویش نقدی لے کر طمع سے آگے جا کر کھڑا ہو جاتا اور لوگ آپ سے کہتے کہ یہ لے چکا ہے تو آپ پہلے کی نسبت اس کو دگنا عطا کرتے ۔ خواہ وہ یہ حرکت کئی مرتبہ کرتا ، لیکن آپ اس کو ڈانٹتے نہیں تھے ۔ اس سے آپ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ کسی کے لیے روکنے والے نہ بنیں ۔ وہ لوگ جو آپ کی خاص خاص خدمت میں مشغول رہتے ، مثلاً وہ خادم جو آپ کے وضو کے لیے پانی لاتے تھے ، یا وہ خادم جو آپ کے کپڑے سیتے یا دھوتے تھے ، کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ ان میں سے کسی کو تکلیف پہنچائے ۔ اگر کوئی ان خادموں کو پریشان کرتا یا تکلیف پہنچاتا تو اُسے اپنی خانقاہ سے باہر نکال دیتے ۔

طہارت اور پاکیزگی میں اس حد تک کوشش کرتے کہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے شیخ رکن الدین دہلی سے ملتان جا رہے تھے ۔ راستے میں وہ شیخ شیوخ العالم کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لیے گئے ۔ جب وہ شیخ شیوخ العالم کے روضۂ متبرکہ سے زیارت سے فارغ ہو کر نکلے اور شیخ علاء الدین سے ملاقات کی ، شیخ علاء الدین مصافحے اور معانقے کے لیے آگے بڑھے ۔ اُنھوں

۱- یہاں روزہ افطار کرنے سے مطلب یہ ہے کہ آپ کھانا رات کا ایک پہر گزرنے کے بعد کھاتے تھے اور افطار شرعی وقت مقررہ پر کرتے تھے ۔

شیخ علاء الدین سے بغل گیر ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ استقامت بخشی ہے کہ کوئی شخص بھی آپ کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔ اگرچہ یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہتا لیکن مجھے بعض اُن عزیزوں کا خیال کشاں کشاں لیے جا رہا ہے جو مجھ سے متعلق ہیں۔ یہ فرما کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور رخصت ہو گئے۔ شیخ علاء الدین جیسے ہی گھر آئے، تازہ غسل کیا اور دوسرے کپڑے بدلے اور مصلیٰ پر بیٹھے۔ لوگوں نے آپ کی یہ بات شیخ رکن الدین تک پہنچائی اور کہا کہ یہ کیا بزرگی اور تکبر ہے کہ آپ جیسے پاک اور پاک زاد شخصیت سے معانقہ کرکے اُنھوں نے ایسا کیا۔ شیخ رکن الدینؒ نے فرمایا کہ تم مولانا علاء الدین کی قدر کیا جانو۔ اُن کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسا کریں، اس لیے کہ ہم سے دنیا کی بُو آتی ہے اور وہ اس سے پاک زندگی بسر کرتے ہیں۔

اب پھر ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔ اگر (۱۹۶) کوئی ظالموں کے ظلم سے تنگ آ کر روضۂ متبرکہ کے جماعت خانے میں پناہ لیتا تو کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ اُس مظلوم کو ظلم و تعدی کے زور سے باہر نکال لے جائے اگرچہ وہ بادشاہِ وقت ہی کیوں نہ ہو کیونکہ بادشاہِ وقت بھی اس بادشاہِ دین و دنیا کی ہیبت سے ڈرتے تھے۔

وفات :

جب شیخ علاء الدین رحمتِ حق سے جا ملے تو روضۂ شیخ الشیوخ العالم کے روضۂ مبارک کے جوار میں آپ کو دفن کیا گیا اور آپ کے روضۂ متبرکہ پر محمد تغلق نے، جو آپ کا مرید و معتقد تھا، عالی شان گنبد اور عمارت تعمیر کرائی۔[1]

۱۔ تاریخ فیروز شاہی (برنی) میں ہے کہ عہدِ علائی کے پورے زمانے میں وہ اجودھن بابا فرید کی مسندِ سجادگی پر متمکن رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مجسم نیکی اور عبادت پیدا کیا تھا۔ . . . یہ جو تفسیروں میں ہے کہ بعض مقدس فرشتے محض اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور یہ بات ان کی فطرت میں شامل ہے تو شیخ علاء الدین بھی اسی (قبیل) میں پیدا ہوئے تھے۔ (تاریخ فیروز شاہی (اُردو ترجمہ)، ص ۵۰۶ - ۵۰۷)

اولاد :

شیخ معزالدین :

شیخ علاء الدین کے دو صاحبزادے صاحبِ عظمت و کرامات باقی رہے - ایک بڑے صاحبزادے جو علم و کرامت و سماہت میں ممتاز تھے - جو کوئی ان کی پیشانی مبارک کو دیکھتا ، پہچان لیتا تھا کہ وہ کسی بزرگ اور صاحبِ کرامت خاندان کے چشم و چراغ ہیں یعنی شیخ معزالحق والدین جو علومِ ظاہری مولانا وجیہ الدین پائلی کے شاگرد تھے ، دین و دیانت میں بڑا ملکہ رکھتے تھے - اپنے والد کی وفات کے بعد وہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کے سجادے پر بیٹھے اور بذل و ایثار کا دروازہ خدا کے بندوں کے لیے کھولا -

چند مرتبہ سلطان محمد تغلق نے انھیں دہلی طلب فرمایا اور نہایت تعظیم و تکریم بجا لایا اور عرض کیا کہ اگر امورِ مملکت آپ کی نگرانی میں انجام پائیں تو اچھا ہو کیوں کہ دین اور ملک دونوں جڑواں ہیں -

گجرات کو روانگی اور وفات :

بعدہٗ بادشاہ کی رائے ہوئی کہ آپ کو گجرات بھیج دیا جائے - شیخ معزالدین گجرات تشریف لے گئے - آخرکار تقدیرِ الٰہی سے ظالموں اور باغیوں کے ہاتھوں سے آپ نے جامِ شہادت نوش کیا - آج بھی وہ سر زمین آپ کے روضۂ متبرکہ کی بدولت منوّر اور روشن ہے اور وہاں کے حاجت مندوں کے درد کی دوا ہے -

شیخ علم الحق :

دوسرے صاحبزادے یعنی شیخ علم الحق والدین ، جو ظاہری اور باطنی اوصاف سے آراستہ تھے اور سماع کا کامل ذوق اور گریۂ جگر سوز رکھتے تھے ، حافظ کلامِ ربّانی تھے - سلطان محمد تغلق نے ، جو اُن کا بھی نہایت احترام کرتا تھا ، ان کو مملکتِ ہندوستان کا شیخ الاسلام مقرر کیا اور لاکھوں بندگانِ خدا ان کے مالحت ہوئے - زمانے بھر کے مشائخ اُن کے مطیع و منقاد ہوئے - وہ دین و دنیا میں نہایت مکرم و معظم تھے [۱۹۷]-

جب یہ شیخ الاسلام رحمتِ حق سے جا ملے تو اپنے والد محترم

شیخ علاء الدین کے روضۂ مبارک کے گنبد میں اپنے والد کے نزدیک دفن کیے گئے ۔

ان دونوں بزرگوں نے دو صاحبزادے چھوڑے ، جو اپنے اوصاف اور اخلاقِ عالیہ میں یگانہ تھے ۔

شیخ معزالدین کے صاحبزادے (افضل الدین فضیل) :

شیخ معزالدینؒ کے صاحبزادے شیخ زادہ معظم افضل الدین فضیل ہیں جو آج اپنے والد داداؤں اور شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کے سجادہ نشین ہیں اور اپنے بزرگوں کے طریقے کے مطابق سجادہ نشینی کے فرائض انجام دیتے ہیں ۔ کثرتِ یاد الٰہی اور ترک و تجرید میں کوشش کرنے کی وجہ سے اہلِ دل میں مقبول ہیں ۔ بذل و ایثار کے در وا کیے ہوئے ہیں ۔ اس بزرگ ترین خاندان کے معتقدین دعا گو ہیں کہ خدائے تعالیٰ ان کو مسندِ سجادگی پر مستقیم و برقرار رکھے ۔

شیخ علم الحق کے صاحبزادے (مظہرالحق) :

شیخ شیوخ الاسلام علم الحق والدین کے صاحبزادے ، نہایت خوب صورت ، پسندیدہ سیرت ، جنھیں علوم دینی مستحضر ہیں ، وہ شیخ زادۂ راستین یعنی مظہرالحق والدین ہیں ، جن کو آپ کے والد کی وفات کے بعد سلطان محمد تغلق انارالله برہانہ نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ شیخ اسلامی کے عہدے پر فائز کیا ۔ سلطان ان کی نہایت تعظیم و تکریم کرتا تھا اور آج بھی وہ اُسی طرح معظم و مکرم ہیں ۔ حق تعالیٰ ان کو دین و دنیا کی کامرانیوں سے ہم کنار رکھے ۔

منہم

شیخ زادہ صاحب بذل و ایثار و مروت ، مردمی اور دوستی میں مشہور یعنی شیخ زادہ عالم خواجہ عزیز الملت والدین ابنِ خواجہ یعقوب

صاحبزادہ عزیزالدین اور خواجہ قاضی :

یہ بزرگ مستجاب الدعوات اور صاحبِ فتوح بزرگ تھے ۔ دیوگیر اور تلنگانہ کے تمام لوگ اُن کے معتقد اور فرماں بردار تھے ۔ کاتبِ حروف

نے ان بزرگ زادے سے دیوگیر میں ملاقات کی تھی ۔ نہایت خوب صورت اور پُر رعب انسان تھے ۔ اُن کے حقیقی بھائی خواجہ قاضی با اخلاق اور سادہ باطن تھے ۔ یہ دونوں بھائی کہ عالم کے شیخ زادے تھے ، ان دونوں بھائیوں پر سلطان المشائخ کی نظرِ لطف و کرم بے حد تھی ۔ ان دونوں بھائیوں نے آپ ہی کے دامنِ شفقت میں پرورش پائی تھی ۔

صاحبزادہ عزیزالدین نے دیوگیر میں شہادت پائی ۔ اُن کا مدفن بھی وہیں ہے ۔

خواجہ قاضی ، حظیرۂ سلطان المشائخؒ میں چبوتراں یاراں پر مدفون ہیں ۔ رحمۃ اللہ علیہما ۔

منہم

کمالِ طریقت ، جمالِ حقیقت یعنی شیخ زادہ کمال الحق والدین [۱۹۸] ابن شیخ زادہ بایزید بن شیخ زادہ نصراللہ

کمال الحق :

تکلف کے لباس سے بالکل عاری تھے ۔ سخاوت و ایثار میں بے نظیر تھے ۔ روٹیاں پکواتے اور خلقت میں تقسیم فرماتے ۔ لذیذ کھانوں سے احتراز کرتے ۔ اگر سفر کا قصد کرتے تو روٹیوں سے بھری ہوئی گاڑی اُن کے ساتھ ہوتی ۔ یہ بزرگ سلطان محمد تغلق کے عہدِ سلطنت میں دہار سے ، جہاں وہ سکونت رکھتے تھے ، دہلی تشریف لائے ۔ کاتبِ حروف اُس ربط و ضبط کی بنا پر جو میرے آبا و اجداد اُس خاندانِ عالی سے رکھتے تھے اُن کی ملاقات کے لیے گیا ۔ وہ اُس وقت حجرے میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے ۔ جب اُنہوں نے مجھے دیکھا تو ہاتھ میں دیگچہ لیے ہوئے حجرے سے نکلے ۔ مٹی کی رکابی اُن کے پاس لائی گئی ۔ اُنہوں نے اس دیگچے سے ہریسہ نکال کر اُس پر گھی کی بجائے تلوں کا تیل ڈالا اور تھوڑا سا حلوہ رکھ کر مجھ سے فرمایا ، خوب کھاؤ کہ میں نے تمہاری دادی کی پکائی ہوئی روٹیاں بہت کھائی ہیں ۔ میں نے وہ ہریسہ خوب کھایا اور اس کے کھانے میں بے حد مزہ آیا ۔

یہ صاحبِ کرامت بزرگ ابتداءً حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے مطبخ میں دیگچیاں دھوتے تھے ۔ یہ سب نعمت و برکت اُسی دیگ شوئی کی تھی ۔

جب شیخ زادہ کمال الدین اور شیخ زادہ عزیزالدین یعقوب نے سلطان المشائخ سے سفر کی اجازت طلب کی تو سلطان المشائخ نے رخصت کرتے وقت ایک جلالی شیخ زادہ کمال الدین کو اور ایک جلالی شیخ زادہ عزیزالدین کو دی اور شیخ زادہ کمال الدین کو حکم دیا کہ تم مالوے میں رہو اور شیخ زادہ عزیزالدین سے ارشاد فرمایا کہ تم دیوگیر میں رہو۔ جب یہ دونوں باہر نکلے تو شیخ زادہ عزیزالدین نے کہا کہ اس ایک جلالی سے کیا ہوگا۔ شیخ زادہ کمال الدین نے کہا فکر مت کرو۔ سلطان المشائخ نے ہمیں اس جلالی کی صورت میں جلالت اور عظمت دی ہے۔ آخر ان دونوں بزرگ زادوں نے خوش اور مطمئن زندگی بسر کی۔ بزرگ زادہ کمال الدین کا روضۂ متبرکہ [illegible] مداوا اور مرجع خلائق ہے۔

منہم

صورت و سیرت شرف و فخر خلف یعنی خواجہ عزیزالملۃ والدین ابن خواجہ ابراہیم [۱۹۹] ابن خواجہ نظام الدین

ان کی والدۂ محترمہ سیدہ اور کاتب الحروف کی پھوپھی تھیں۔ میرا اور اُن لوگوں کا، جو آپ کے مرید تھے اور جنھوں نے اس بزرگ زادے کو دیکھا تھا، اُن کا گمان تھا کہ اُن سے کوئی گناہِ صغیرہ بھی ظہور میں نہیں آیا ہوگا۔ اُن کا باطن معمور اور ظاہر خندہ پیشانی اور حسنِ اخلاق سے آراستہ تھا۔ اُن کا اندرون ذکرِ الٰہی، مراقبے اور ذکرِ خفی سے منور تھا۔

ان کی سب سے بڑی برکت کی وجہ یہ تھی کہ اُنھوں نے سلطان المشائخ کی زیرِ نظر پرورش پائی تھی۔ دسترخوان بچھنے کے وقت ہمیشہ حاضر رہتے۔ اگر کسی وقت خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ، جو دسترخوان کی دعا پڑھنے پر مامور تھے، موجود نہ ہوتے تو یہ شیخ زادے دسترخوان کی دعا پڑھتے اور جب تک کہ یہ شیخ زادے دعا پڑھنے میں مشغول رہتے، سلطان المشائخ "رحمت ہو، رحمت ہو" فرماتے۔ یہ مرحمت اُن کا خاص حصہ تھی۔ اُنھوں نے سلطان المشائخ کو مشغولی اور عالم مشاہدے میں پایا تھا، جیسا کہ اُن کے بارے میں نکتۂ مشغولی میں تحریر کیا گیا ہے۔

انھوں نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں قصبہ کھر میں اپنے بھانجے کی شادی کے لیے گیا تھا۔ جب میں وہاں سے لوٹا تو سب سے پہلے سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے نہایت شفقت و مرحمت فرمائی اور پوچھا کہ شادی بخیر و خوبی انجام پا گئی؟ اور سماع کیسا رہا۔ تبسم فرما کر حالات پوچھتے جاتے تھے۔ پھر فرمایا کہ اپنی والدہ سے بھی ملے؟ میں نے عرض کیا نہ نہیں۔ سب سے پہلے آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ پھر ان کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کروں گا۔ آپ نے مجھے نیے دعائے خیر فرما کر فرمایا۔ جاؤ اور یہ سعادت بھی حاصل کرو۔

وفات :

اس واقعہ کے چند روز بعد یہ شیخ زادے بیمار ہوئے۔ دو تین روز بیمار رہے۔ بیماری کے زمانے میں ایک لمحہ بھی تلاوت قرآن مجید سے لب مبارک نہیں رکے۔ اس بیماری میں وہ رحمت حق سے جا ملے اور سلطان المشائخؒ کی پائینتی، روضۂ مبارک کے مقابل مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

تکملہ

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے نواسوں کے فضائل و مناقب اور کرامات کے بارے میں

منہم

خواجہ محمد ابن مولانا بدرالدین اسحاق :

شیخ شیوخ العالم کے نواسوں کے سردار، شیخ زادۂ معظم و مکرم [۲۰۰] خواجہ محمد ابن مولانا بدرالدین اسحاق کہ اُن کی والدہ شیخ شیوخ العالم کی صاحبزادی تھیں، یہ صاحبزادۂ معظم تمام اوصاف عالیہ سے متصف تھے اور علوم دینی، تقویٰ، لطافت، موزونیِ طبع، ذوقِ سماع، گریۂ جگر سوز اور بذل و ایثار میں مشہور تھے۔ بچپن سے بڑھاپے تک سلطان المشائخ کی نگرانی میں تربیت پائی۔ کلام مجید کے حافظ ہوئے۔ وافر علم اور کامل عشق پیدا کیا۔ چنانچہ سلطان المشائخ کی حیات ہی میں اُن کی خلافت سے سرفراز

ہوئے اور لوگوں سے بیعت لینے لگے ۔ انھیں یہ شرف بھی بخشا گیا کہ یہ سلطان المشائخ کی نماز کی امامت کے لیے مختص تھے ۔ اسی لیے آج تک ان کو خواجہ محمد امام کہتے ہیں ۔ ان کی امامت سے سلطان المشائخ کو نماز میں رقت اور ذوق حاصل ہوتا تھا اور امامت کے بعد لباسِ خاص سے مفتخر کیے جاتے تھے ۔ سلطان المشائخ کی مجلسوں میں وہ اس قدر مقرب تھے کہ کوئی اُن سے زیادہ سلطان المشائخ کے قریب نہ بیٹھتا تھا اور عالمِ وجد و حال میں وہ سلطان المشائخ کی پیروی کرتے تھے ۔ وہ سلطان المشائخ کے حکم سے صاحبِ سماع ہوئے اور آپ کے اعلیٰ مریدوں اور نواسوں میں کسی کو وہ مقام حاصل نہ تھا ، جو ان کو تھا ۔

تصنیف :

خواجہ محمد نے سلطان المشائخ کے ملفوظات پر مشتمل ایک کتاب ''انوارالمجالس'' کے نام سے لکھی تھی ۔ اُن کی عمر کا بڑا حصہ عبادتِ الٰہی اور ذوقِ سماع میں گزرا ، جس میں وہ شدید غلو رکھتے تھے ۔ ہر قسم کے ماہر قوال فارسی اور ہندی کو اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے ۔ وہ موسیقی میں اپنے صاحبِ کمال تھے کہ اس زمانے میں اس فن میں ان کی مثال نہ ملتی تھی ۔ علم بیان و معانی اور فنِ موسیقی کے رموز و اشاراتِ نغمات میں نظیر نہ رکھتے تھے ۔ کاتبِ حروف نے متعدد مرتبہ اس بزرگ وادے کو سماع اور غیر سماع کی حالت میں دیکھا ہے ۔ ان کی آنکھوں میں ہمیشہ آنسو ڈبڈباتے رہتے تھے ۔ سماع کے وقت اُن کا گریہ اور نعرہ اہلِ دل کے جگر کے پار ہوتا تھا ۔

ایک دفعہ سلطان المشائخ کو شیخ ابوبکر طوسی[1] کی خانقاہ میں ، جو حوالی الدرہت میں ہے ، دعوت دی گئی ۔ اس مجلس میں صاحبِ نعمت درویش موجود تھے ۔ ہر چند کہ سماع کی محفل گرم تھی لیکن کسی پر کوئی اثر نہ تھا ۔ [۳۰۱] سلطان المشائخ نے یہ حالت دیکھ کر حکم دیا کہ سماع بند کیا جائے ۔ اہلِ مجلس بزرگوں حکایت و آثار کے بیان کرنے میں

۱۔ شیخ ابوبکر طوسی : قلندریہ مشرب رکھتے تھے ۔ شیخ جمال ہانسوی اور ان میں بڑی محبت تھی ۔ جب شیخ جمال ہانسوی آتے تو اُن کی خانقاہ میں ٹھہرتے ۔ سلطان المشائخ بھی اُن کی خانقاہ میں تشریف لاتے ۔ (اخبارالاخیار ، ص ۴۲ - ۴۳)

مشغول ہوئے ۔ میں اس حالت میں ذوق پیدا ہوا۔ اتنے میں شیخ علی زنبیلی نے شیخ نظام الدین پانی پتی کی طرف دیکھا جو شیخ بدرالدین غزنوی کے خلیفہ تھے ۔ نہایت خوب صورت ، صاحبِ حال اور خوش الحان تھے اور اُن سے کہا کہ ہم تم سے سماع سننا چاہتے ہیں ۔ مختصر یہ کہ شیخ نظام الدین پانی پتی جا کے قوالوں کے بیٹھے ۔ چونکہ وہ تنہا تھے ، سلطان المشائخ نے خواجہ محمد کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا کہ تم ان کی مدد کرو ۔ خواجہ محمد فوراً اپنی جگہ سے اُٹھے اور شیخ نظام الدین پانی پتی کے قریب بیٹھ گئے ۔ ان دونوں بزرگوں نے پہلے غزل شروع کی اور نہایت خوش الحانی سے غزل گائی شروع کی ۔ جب اس شعر پر پہنچے :

ہر کے حرمتے کہ بود امشب است
از سر بحمد در کون تا روز

سلطان المشائخ پر کیفیت طاری ہوئی اور آہستہ آہستہ یہ کیفیت تمام مجلس پر اثر انداز ہوئی ۔

الغرض باوجود ان تمام فضائل کے ، حق تعالیٰ نے اُن کو بخشے تھے ، انکسار اور تواضع کی صفات بھی مکمل طور پر ان کو بخشی گئی تھیں ۔ وہ آگے آئے اور بیٹھ گئے اور سماع میں حصہ لیا ۔ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے تھے ، اس لیے اُن کی تمام حرکات و سکنات سلطان المشائخ کو پسند تھیں ۔ وہ علمِ حکمت میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بعلم حکمت جانے رسیدہ ی کہ ز رشک
مسیحائی گور گشتہ شور بو علی سینا

منہم

علم میں مشہور ، حلم میں شہرۂ آفاق ، زہد و تقویٰ سے موصوف یعنی خواجہ موسیٰ ابن مولانا بدرالدین اسحاق جو خواجہ محمد امام کے حقیقی بھائی تھے

خواجہ موسیٰ :

خواجہ موسیٰ نے بھی سلطان المشائخ کی نگرانی میں پرورش پائی تھی۔ تمام علوم میں کمال رکھتے تھے ۔ اس کے علاوہ مختلف فنون میں مہارتِ تامہ

رکھتے تھے ۔ علم اصول فقہ میں اُنھوں نے بزودی مولانا وجیہہ الدین پائلی سے پڑھی تھی ۔ حافظ کلام ربانی تھے ۔ بات کی کُنہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے ۔ طبیعت فیاض اور لطافت بہت رکھتے تھے ۔ عربی اور فارسی شاعری میں کمال رکھتے تھے ۔ سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی غزلیں کہتے تھے ۔ علم موسیقی کے ماہر ، اُن کے روح افزا نغمات سے اہلِ لن میں دل ربائی کا اضافہ کرتے تھے ۔ تمام علوم میں مہارت رکھتے تھے [۲۰۲] ۔ علمِ حکمت میں کمال رکھتے تھے ۔ اُنھوں نے اس علم کو اپنے تجربوں سے ہم آہنگ کیا تھا ۔ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد امام کی عدم موجودگی میں سلطان المشائخ کی امامت کے فرائض انجام دیتے تھے ۔ نہایت خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے تھے اور سلطان المشائخ کی طرف سے خلعتِ فاخرہ حاصل کرتے تھے ۔

آخر یہ دونوں بزرگ اور بزرگ زادے وفات کے بعد سلطان المشائخ کے حظیرۂ سلطان المشائخ میں مدفون ہوئے ۔ رحمہ اللہ علیہما ۔

منہم

شیخ زادۂ دل کشا ، والی ولایاتِ ولا ، یعنی خواجہ عزیزالملت والدین صوفی ، جن کی والدہ محترمہ بی بی مستورہ جو شیخ شیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی صاحبزادی تھیں

شیخ عزیزالدین نواسہ فریدالدین گنج شکر :

شیخ عزیزالدین کے فضائل ، معانی اور لطافت بے شمار ہیں ۔ اُنھوں نے حضرت سلطان المشائخ کے روح افزا ملفوظات پر ایک کتاب "تحفۃ الابرار کرامات الاخیار" کے نام سے لکھی تھی ۔ اس کتاب کا بیشتر حصہ سلطان المشائخ کی نظر سے گزرا تھا ۔

ایک دفعہ سلطان المشائخ کے دسترخوان پر مولانا وجیہہ الدین پائلی خواجہ عزیزالدین سے اُوپر بیٹھے ۔ سلطان المشائخ نے مولانا وجیہہ الدین پائلی سے فرمایا ، مولانا ! جس طرح میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی زلفوں والا جامے والے سے اُونچا بیٹھے ، اسی طرح میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ کوئی جامے

والا میرے مخدوم زادوں سے اونچا نہ ہاہیے ، خواہ مخدوم زادہ ذلیلوں والا ہی کیوں نہ ہو ۔ اتفاق یہ کہ مولانا وجیہ الدین کو یہ معلوم نہ تھا کہ شیخ عزیزالدین شیخ شیوخ العالم کے نواسے ہیں ۔ چونکہ وہ باتوں والے تھے ، اس لیے انھوں نے یہ سمجھا کہ کوئی اجنبی آدمی ہے ۔ مولانا وجیہ الدین نے اسی وقت قدم بوس ہوکر معذرت کرتے ہوئے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ شیخ زادہ عالم ہیں ورنہ ہرگز مجھ سے یہ جرأت نہ کرتا ۔

شیخ عزیزالدین نے سلطان المشائخ کے حکم پر مولانا محی الدین کاشانی سے تعلیم پائی تھی ۔ خوش خطی میں مخصوصاً باریک خط میں اچھا جواب رکھتے تھے ۔

ایک دن یہ مخدوم زادے بزرگوں کے خاندانی نعمت کی وجہ سے دست حروف کے گھر تشریف لائے اور اپنی تشریف آوری سے اس شکستہ دل کی عزت افزائی فرمائی ۔ فوائد بیان کرتے ہوئے میری طرف رخ کرکے یہ شعر پڑھا :

گر وقت خوش نیست غنیمت می دار
کان را چو نماز ہا قضا نتوان کرد

اولاد :

شیخ عزیزالدین کے ایک صاحبزادے ، جو صورت و سیرت میں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر تھے ، یعنی شیخ زادۂ معظم قطب الملۃ و الدین حسن [۳۰۲] (اللہ تعالیٰ ان کو امور دینی میں نیک کرے اور مردان حدا کے بلند مرتبے پر پہنچائے) زہد و ورع ، تقویٰ ، بذل و ایثار اور تحمل میں اپنے ہم عصروں سے گوئے سبقت لے گئے تھے ۔ وہ شیخ نصیرالدین محمود (چراغ دہلی) کی خلافت سے مشرف ہوئے ۔ ان کے پاس شیخ نصیرالدین محمود کا اپنے دست مبارک سے لکھا ہوا اجازت نامہ موجود ہے وہ لوگوں کو بیعت کرتے ہیں ۔ ان سے لوگوں کے دلوں کو آسائش پہنچتی ہے ۔ حق تعالیٰ ان کو جادۂ طریقت پر مستقیم رکھے ۔

نکتہ

شیخ زادۂ باصفا ، آلنۂ محبت و ولا یعنی عزیزالدین کے چھوٹے بھائی شیخ کبیرالملت والدین کے بارے میں

شیخ کبیر الملت والدین :

ان مخدوم زادے نے ابتدا ئے عالم جوانی سے وفات تک سلطان المشائخ کی نگرانی میں تربیت پائی ۔ اُن کی سکونت کے لیے خانقاہ کی دیوار کے نیچے جگہ مقرر ہوئی ۔ اگر وہ کسی وقت دسترخوان پر موجود نہ ہوتے تو سحری کا کھانا پکانے والا عبدالرحیم سلطان المشائخ کے حکم سے اُن کا کھانا اُن کے گھر پہنچا دیتا ۔

ایک روز وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھے ۔ ایک آدمی چند ٹکیاں (کاک) لایا ۔ سلطان المشائخ نے اقبال خادم کو طلب فرما کر حکم دیا کہ ان کو تقسیم کر دیا جائے ۔ اقبال نے ان کو حاضرین میں تقسیم کر دیا اور اپنا حصہ چبا کر رکھا ۔ سلطان المشائخ نے اُن سے فرمایا کہ کھاؤ ۔ تمہارا خیال غلط ہے ۔ اس میں خمیر کا کوئی عنصر نہیں سلطان المشائخ نے زبانِ مبارک سے کئی مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی صوفی زاہد ، متقی ہے تو مخدوم زادہ کبیرالدین ہے ۔ وہ سلطان المشائخ سے نہایت محبت رکھتے تھے ۔ اُنہوں نے سلطان المشائخ کی بے انتہا محبت کی وجہ سے اپنے بڑے بھائی کی صحبت کو ترک کر دیا تھا ۔ تمام عمر اسی مقام پر گزاری ۔ جب اُن کی وفات ہوئی تو حظیرۂ یاراں میں مدفون ہوئے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

نکتہ

سلطان المشائخ نظام الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے اقربا کے فضائل و مناقب کے بارے میں

منہم

خواجہ رفیع الدین ہارون :

مکارمِ اخلاق سے متصف ، سلطان المشائخ کے قرب و شفقت سے

یہ اُن نیک لوگوں میں سے ہے ، جو قرآن کا حافظ ہے اور ہر جمعہ کی رات کو ختم قرآن مجید کرتا ہے اور تعلیم و تعلم کا حریص ہے ۔ اس نے بہت کچھ حاصل کیا ہے ۔ کسی کی دوستی اور دشمنی سے کوئی سروکار نہیں رکھتا ۔ نہایت صالح ہے ۔ ایک روز سلطان المشائخ نے اُن سے پوچھا کہ تم جو اس قدر غیر معمولی عبادت و ریاضت کرتے ہو ۔ اس سے تمہارا مقصد کیا ہے ؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس سے مقصود آپ کی حیات ہے ۔ اس ارشاد کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اُس کو یہ بات کس نے سکھلائی ۔ یہ بات اُس کی سعادت کی دلیل ہے ۔

سلطان المشائخ کی وصیت :

منقول ہے کہ ایک دفعہ سلطان المشائخ بیمار ہوئے ۔ یہ واقعہ آپ کے مرضِ وفات سے پہلے کا ہے ۔ اس بیماری میں آپ نے خواجہ نوح کو یاد فرمایا اور خاص مریدوں کے سامنے اُن کو خلافت سے سرفراز فرمایا ۔ پھر اُن سے فرمایا ، جو کچھ تمہیں ملے اُسے ذخیرہ نہ کرنا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھنا اور خرچ کر دینا ۔ اگر تمہارے پاس کچھ نہ ہو تو اپنے دل کو ملول نہ کرنا کہ خدا تم کو بہت دے گا ۔ کسی کی برائی نہ چاہنا اور کسی کے لیے بد دعا نہ کرنا ۔ جفا کا جواب عطا سے دینا ۔ بادشاہوں اور حاکموں کی جانب سے گاؤں یا وظیفہ قبول نہ کرنا کہ درویش اپنے اقرار کا پابند ہوتا ہے اور وہ وظیفے لے کر خوار نہیں ہوتا ۔ اگر تم نے ان باتوں کی پابندی کی تو شاہانِ وقت تمہارے دروازے پر آئیں گے ۔

وفات :

الغرض خواجہ نوح سلطان المشائخ کی زندگی ہی میں دق کی بیماری میں مبتلا ہوئے اور اُسی بیماری میں رحمتِ حق سے جا ملے ۔ سلطان المشائخ کے روضہ مبارک میں چبوترۂ یاراں پر مدفون ہوئے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

منہم

خواجہ ابوبکر مصلّی دار :

زاہدِ یگانہ ، عابدِ زمانہ ، مخصوصِ حق ، اختصاصِ مطلق کے شرف سے مشرف ، یعنی خواجہ ابوبکر مصلّی دار ، جو سلطان المشائخ کی قرابت

سے مستفیض تھے ، خلوت و جلوت میں سلطان المشائخ کی خدمت کرتے اور ان تمام خدمتوں کی بجا آوری کے ساتھ ہمیشہ روزے سے رہتے ، بلکہ کئی کئی دن افطار نہ کرتے ، یہاں تک کہ پیٹ کمر سے [۲۰۵] جا لگا۔ یادِ الٰہی اور مجاہدوں میں بہت زیادہ مشغول رہتے ۔ جمعہ کے دن سلطان المشائخ کا مصلیٰ صبح کی نماز کے بعد مسجد جامع کیلوکھری میں لے جاتے ۔ سلطان المشائخ فرمایا کرتے تھے کہ آج جمعہ ہے اور خواجہ ابوبکر میرا مصلیٰ جامع مسجد لے گئے ہیں اور یادِ الٰہی میں مشغول ہیں ۔ سماع کا بے حد ذوق اور بے انتہا لگاو رکھتے تھے ۔

کئی مرتبہ سماع میں بے انتہا ذوق و ایثار کی بنا پر اپنا کُرتا اور دستار قوالوں کو دے دی اور چادر کندھے پر ڈال لی ۔ اللہ اللہ ! عالم رقص و وجد میں وہ چادر ان کے تن پر زیب دیتی تھی ۔ انتہائے شوق میں دل دوز اور جگر سوز نعرے لگاتے اور قوالوں کو پکڑ کر ہلاتے تھے ۔ اُن کے ذوق سے حاضرینِ مجلس پر ذوق کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی ۔ یہ سب کچھ سلطان المشائخ کی برکت کی وجہ سے تھا کہ آپ نے اُن سے فرمایا تھا کہ سماع کی محفل میں وجد و رقص کے وقت مجھ سے قریب بیٹھا کرو ۔ آپ ان کی محافظت کرتے ۔

سلطان المشائخ کی وفات کے بعد آپ کے بعض مرید گاؤں اور زمینوں کے حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے ۔ لیکن اس بزرگ نے کسی چیز سے تعلق نہ رکھا اور سلطان المشائخ کی برکت کی وجہ سے انہوں نے اور ان کے متعلقین نے نہایت خوش زندگی گزاری ۔ آخر چند روز بیمار رہ کر اس دارِ فنا سے دارِ بقا کو رحلت کی اور سلطان المشائخ کی پائنتی مدفون ہوئے ۔

منہم

مولانا قاسم :

یہ سلطان المشائخ کے بھانجے اور خواجہ ابوبکر کے بھتیجے تھے ۔

"لطائف التفسیر" اُن کی تصنیف ہے ۔ اس تفسیر کے دیباچے میں انھوں نے تحریر فرمایا : بندۂ اُمیدوار بحضرت و برحمتِ پروردگار قاسم بن خواہر زادہ مہتد السالکین ، برہان العاشقین نظام الحق والدین طیب اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ ۔ اللہ تعالیٰ عنایتِ سابقہ سے اس بے چارے کو

عالمِ عدم سے وجود میں لایا اور انواع و اقسام کے لطف و کرم سے نوازا ، جو سعادت دارین کا موجب ہے ۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ سلطان المشائخ قطب الاقطاب عالم کی نظرِ عنایت سے سرفراز فرمایا ، جنھوں نے اپنے باطن سے ، جو علوم لاریب کی جائے قرار ہیں ، اور اپنی زبانِ مبارک سے ، جس پر حق جاری ہے ، دعا سے سرفراز فرمایا ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جب میری عمر چار سال ، چار ماہ ، چار دن کی ہوئی تو میرے والد خدائے تعالیٰ ان کو اپنی رحمتوں اور مغفرتوں سے ڈھانپ لے ، مجھے عاشقوں کے سردار ، مشتاقوں کے پیشوا سلطان المشائخ کے پاس لے گئے تاکہ آپ کے حکم سے مجھے مکتب بھیجا جائے ۔ آپ نے از راہِ لطف و بندہ نوازی پہلی تختی اپنے قلمِ مبارک سے ، جو قلمِ وحی کی حکایت کرتا ہے اور اپنے دستِ مبارک سے ، جو جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک تک بزرگوں کے توسط سے سلسلہ وار پہنچتا ہے ، لکھ کر دی ۔ جب آپ یہ تختی لکھ رہے تھے تو آپ نے تختی لکھنے وقت مجھے کھڑا کیا ، لیکن میں بیٹھ گیا ۔ اقبال ، جو آپ کے خادم تھے ، انھوں نے پھر مجھے کھڑا کیا ، میں پھر بیٹھ گیا ۔ اقبال نے پھر مجھے اٹھانا چاہا لیکن قدوہ عاشقان و ملجائے صوفیان سلطان المشائخ نے فرمایا کہ بیٹھا رہنے دو ۔ یہ بیٹھ کر پڑھے گا ۔ چنانچہ اسی طرح بیٹھے ہوئے آپ نے نہایت شفقت سے ایک دو مرتبہ (اس دن کا سبق) تلقین فرمایا ۔ پھر دعا دیتے ہوئے یہ الفاظ مبارک فرمائے کہ حق تعالیٰ اس لڑکے کو عمرِ دراز عطا فرمائے اور نیل علم سے سرفراز فرمائے ۔

جب میں بارہ سال کا ہوا تو حق تعالیٰ نے مجھے کلامِ مجید و فرقان حمید کے حفظ سے مشرف کیا ۔ بعدہٗ حق جل و علیٰ نے مجھ کو (سلطان الائمہ و علماء اجلہ و الفضلاء ، جلال الملۃ والدین عالم اعلیٰ ، حق تعالیٰ ان کی عمر کو دراز کرے ، اللہ تعالیٰ ان کے جھنڈے کو بلندی کو پہنچائے) کی خدمت میں پہنچایا [۲۰۷] اور میں نے علماء کے اس سردار اور اصفیا کے اس زیور کی خدمت میں تقریباً پچاس سال رہ کر ابتدا سے لے کر انتہا تک تمام علوم پڑھ کر تمام کیے اور "ہدایہ" ، "بزودی" ، "کشاف" ، "مشارق" اور "مصابیح" کے درس کی اجازت سے مشرف ہوا ۔ اس کے بعد میں نے عربی اور فارسی کی تفسیروں کا مطالعہ کیا اور ہر ایک تفسیر کی عبارت لطیف اور الفاظ و معانی عجیب و غریب

اور ہر ایک کو خاص رنگ میں پایا۔ میں نے خیال کیا کہ ایک ایسی تفسیر لکھی جائے، جو ان تمام معانی و غرائب کو شامل ہو اور تمام تفسیروں کے لطائف پر مشتمل، تاکہ خاص و عام کو اس کے مطالعے سے فائدہ پہنچے اور اس کے مطالعے سے لوگ قرآن کے اسرار اور اس کے دقائق سے واقف ہو سکیں۔ میں نے اس تفسیر کا نام ''تفسیر لطائف'' رکھا۔

منہم

عبدالعزیز بن خواجہ ابوبکر:

زاہدوں کے فخر، عابدوں کے جمال یعنی خواجہ عزیز ملت والدین بن خواجہ ابوبکر مصلی دار سلطان المشائخ کے شرف قرابت سے مشرف تھے۔[1]

اس بزرگ نے سلطان المشائخ کے چند ملفوظات کتاب کی صورت میں مرتب کر کے ان کا نام ''مجموع الفوائد'' رکھا تھا۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنا نام عبدالعزیز بن ابوبکر خواہر زادۂ سلطان المشائخ لکھا ہے۔

سبحان اللہ! سالہا سال گزر چکے، یہ بزرگ راہ طریقت پر مستقیم ہیں اور بچپن سے لے کر بڑھاپے تک ان کی کسی نماز میں تکبیر اولیٰ قضا نہیں ہوئی۔ مختلف مسجدوں میں پھرتے۔ جب تک نہ تکبیر اولیٰ نہ ملتی، تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ نہ باندھتے۔

جب جوان ہوئے تو علم کا غیرمعمولی ذوق پیدا ہوا۔ جو کچھ علم حاصل کرتے، اس پر عمل کرتے۔ ہر جمعہ کی شب میں قرآن مجید ختم کرتے۔ سلطان المشائخ کے جماعت خانے میں متعدد سال تک امامت کرتے رہے اور خلق خدا کو بیعت کرتے ہیں۔ آنے جانے والوں کے ساتھ نہایت حسن اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ کوئی معتبر آمدنی نہیں رکھتے، نہ کبھی آمد و رفت کا سلسلہ رکھتے ہیں، لیکن اپنے خاندان اور متعلقین کے ساتھ نہایت خوش زندگی بسر کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اُن کو صبر جمیل سے نوازا ہے۔

۱۔ یہ سلطان المشائخ کی بہن کے صاحب زادے تھے۔ ان کا نام خواجہ محمد اور ان کے والد کا نام صالح تھا، خواجہ ابوبکر اور خواجہ عمر سلطان المشائخ کی حقیقی بہن کے بیٹے تھے۔

ایک دن تہلولے کے وقت وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خادم نے سلطان المشائخ کو اُن کی آمد کی اطلاع دی اور تذکرہ کیا کہ یہ بزرگ جمعہ کی شب میں ختم قرآن مجید کرتے ہیں۔ سلطان المشائخ نے پوچھا کہ وہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں یا آہستہ پڑھتے ہیں۔ خادم نے عرض کیا کہ آہستہ پڑھتے ہیں۔ سلطان المشائخ کو اُن کے پڑھنے کا یہ طریقہ پسند آیا اور آپ نے اُن کی تعریف فرمائی۔

دوسری مرتبہ وہ خواجہ مبشر کے صاحبزادے نورالدین کو ساتھ لے کر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو سلطان المشائخ [۲۰۸] کی شفقتِ خاص سے سرفراز تھے۔ انہوں نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ: مخدوم! یہ آپ کا مرید ہے؟ فرمایا، ہاں میرا مرید ہے اور مجھے اس کی فرزندی پر فخر ہے۔ اس کی درازی عمر سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے۔

نکتہ

مصنف "سیرالاولیاء" کے والد، دادا اور چچاؤں کے فضائل و مناقب کے بارے میں، جو سلطان المشائخ کے قرب و محبت اور خاص شفقتوں سے سرفراز تھے اور اُن کا تعلق و ربط شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین اور حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہما العزیز سے انتہائی گہرا تھا

منہم

سیّد محمد محمود کرمانی:

سیّد آلِ رسول، افضلِ آلِ بتول، جگر گوشہ مصطفیٰ، نوردیدۂ مرتضیٰ و زہرا یعنی سیّد محمد محمود کرمانی، جو اس کاتبِ حروف کے دادا اور ساداتِ کرمان کے سردار تھے۔ آپ کے آبا و اجداد کرمان میں دنیوی ساز و سامان، گاؤں، باغات اور زمینیں بہت رکھتے تھے۔ آپ کے ایک چچا سیّد احمد کرمانی ملتان میں ٹکسال کے عہدہ دار تھے۔ مختصر یہ کہ سیّد محمد کرمانی جب بھی تجارت کی غرض سے شہر لاہور آتے،

واپسی میں اجودھن حاضر ہو کر شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں قدم بوسی کی سعادت حاصل کرتے اور ملتان میں اپنے چچا کی خدمت میں آتے اور پھر کرمان چلے جاتے۔ آپ کی اس آمد و رفت اور سعادت قدم بوسی نے سید محمد محمود کرمانی کے دل پر شیخ شیوخ العالم کے تقدس طینت و محبت کو گہرا کر دیا، یہاں تک کہ آپ شیخ شیوخ العالم کے حلقۂ مریدین میں شامل ہو گئے۔ پھر یہ محبت و عقیدت اس حد تک پہنچی کہ آپ نے تمام مال و سامان کو بالکل چھوڑا۔ ملتان میں اپنے چچا سید احمد کے پاس آ گئے۔ سید احمد نے اپنی صاحبزادی بیبی رانی کا نکاح ان سے کر دیا۔ یہ اس کاتب حروف کی دادی ہیں۔ اس نکاح سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ سید محمد کو ملتان میں اپنے پاس رکھ لیں۔ اس کے ساتھ سید احمد نے ان کو بہت سا ساز و سامان بھی دیا تاکہ وہ سامان آپ کی دلچسپی کا باعث ہو۔ لیکن آپ کا دل پاک اجودھن کی طرف مائل تھا اور شیخ شیوخ العالم کی محبت آپ کے قلب میں گھر کر چکی تھی۔ اسی لیے ملتان کی سکونت چھوڑ دینے پر آمادہ تھے۔ یہاں تک کہ سید احمد نے آپ سے کہا کہ کیا تم کو شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کی صحبت بھی عزیز ہے؟ فرمایا، مجھے ان کی بھی محبت اس طرح نہیں جیسی کہ شیخ شیوخ العالم سے ہے۔ شیخ سعدی نے کہا ہے:

خار سودائے تو آویختہ در دامن دل

حیف باشد کہ بہ اطراف گلستاں نگرم

اس کے بعد بیبی رانی اپنے بال بچوں اور متعلقین کو لے کر اجودھن آ گئیں اور اپنی خوشی سے خاندانی دولت و ثروت اور وطن کو چھوڑ کر فقر و فاقے میں اجودھن میں قناعت کی زندگی بسر کرنے لگیں۔ شیخ شیوخ العالم کی نظر شفقت و مرحمت سے سرفراز ہو کر وہ خود اور ان کے متعلقین اور بیبی رانی شیخ شیوخ العالم کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس خاندان کا اختصاص اس درجہ بڑھا کہ جس وقت شیخ شیوخ العالم کے اعلیٰ مرید باورچی خانے کے لیے "کلر" کریل چننے کے لیے جنگل جاتے تو سید محمد بھی ان کے ساتھ جاتے۔ ہر آدمی کل کریل زیادہ لاتا لیکن سید محمد کم لاتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ہاتھ نازک تھے اور کریل کے کانٹوں کی وجہ سے زخمی ہو جاتے تھے۔ جب یہ بات شیخ شیوخ العالم کو معلوم ہوئی تو

فرمایا کہ سیّد کے لیے اس کی ضرورت نہیں کہ وہ تُکل کریل کے لیے جنگل جائے۔ ہم نے اُسے قبول کر لیا ہے۔

شیخ شیوخ العالم اور سلطان المشائخ سے بیعت ہونے کی مدت :

الغرض وہ اٹھارہ سال تک شیخ شیوخ العالم کی تربیت میں رہے اور بارہ سال سلطان المشائخ کے مرید رہے۔ سلطان المشائخ اور سیّد محمد کرمانی میں اس وجہ سے ، کہ یہ دونوں اجودھن میں مسافرانہ زندگی بسر کرتے تھے ، آپس میں بے حد محبت تھی۔ جب ان دونوں بزرگوں کی محبت کا حال شیخ شیوخ العالم کو معلوم ہوا تو دونوں سے فرمایا ، ایک دوسرے کے ساتھ رہو ، تمھارے درمیان بھائیوں کا رشتہ ہے۔ اسی سابقہ محبت کی وجہ سے سیّد محمد اپنے فرزندوں کے ساتھ سلطان المشائخ کی خدمت میں آئے اور عمر گزار دی۔

یہ روایت مشہور ہے کہ ایک دفعہ سیّد محمد کرمانی کو سلطان المشائخ سے کسی بات پر کبیدگی ہوئی تو وہ دسترخوان پر حاضر نہ ہوئے۔ رات کو سلطان المشائخ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ایک قبّے میں تشریف فرما ہیں اور سیّد محمد کرمانیؒ اُس قبّے کے دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ خواب ہی میں یہ واقعہ دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ سید محمد مجھ سے ناراض ہیں۔ خدا جانے اب وہ مجھے قبّے میں داخل ہونے کی اجازت دیں گے یا نہیں۔ ابھی یہ خیال میرے دل میں گزر ہی رہا تھا کہ سیّد محمدؒ نے مجھے آواز دی ، مولانا نظام الدین ! آؤ۔ جب میں گیا تو انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے قبّے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بارگاہ میں لے گئے اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کرائی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے [۲۱۰] فرمایا ، مولانا نظام الدین محمد! تم صحیح نسب کے ساتھ ہمارے فرزندوں میں ہو اور سید محمد بھی میرے فرزندوں میں سے ہے۔ جب صبح ہوئی تو سلطان المشائخ سید محمد کے گھر تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دی۔ فرمایا ، جب تک سلطان المشائخ کو ہمارے پاس پہنچا نہیں گیا وہ نہیں آئے پھر سیّد محمد اپنے صحن خانہ میں آپ کے استقبال کے لیے نکلے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو خوش خبری دی۔ دونوں ایک

دوسرے کے پالان پڑے ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا :

چہ خوش بود دو دلا رام دست در گردن
چہ نشستن و حلوائے آشتی خوردن

وفات :

آخر چند روز کے بعد سید محمد بیمار ہوئے اور جمعہ کی شب ۷۱۱ھ (۱۳۱۱-۱۲ء) میں وفات پائی اور روضۂ سلطان المشائخ کے متصل چبوترۂ یاران پر مدفون ہوئے ۔

اولاد :

اس سید بزرگوار سیّد محمد کرمانی نے چار فرزند چھوڑے : (۱) سیّد نورالدین مبارک (۲) سیّد کمال الدین احمد (۳) سیّد قطب الدین حسین (۴) سیّد خاموش ۔ ان تمام کے مناقب آئندہ تحریر کیے جائیں گے ۔

منہم

سیّد نورالدین مبارک :

اپنی خوشی سے دنیا کو ترک کرنے والے ، عمدہ اوصاف سے متصف ، عوام و خواص کے پسندیدہ ، مقبولِ اولیاء ، محبوب اصفیاء ، مہمان نوازی میں مشہور ، جن کا تذکرہ ہمیشہ اچھے الفاظ میں کیا جاتا ہے ، یعنی سیّد السادات نورالملۃ والدین مبارک ابن سیّد محمد کرمانی ، جو اس کاتبِ حروف کے والد محترم ہیں اور سیّد محمد کے صاحبزادوں میں سب سے بڑے تھے ۔ آپ شیخ شیوخ العالم کی زندگی میں ہی اجودھن میں پیدا ہوئے ۔ آپ کی کنیت ابوالقاسم رکھی گئی ۔ آپ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مرید تھے لیکن سلطان المشائخ اس پاک سیّد کو سیّد کے نام سے پکارتے تھے ۔ اکثر لوگ اُن کو اسی نام سے پکارتے تھے ۔ یہ بزرگ بہت سے فضائل اور لطافتِ طبع سے آراستہ اور بہت سے درویشوں کی صحبت میں رہے تھے ۔ ان کی روش کو اچھا جانتے تھے ۔ سبحان اللہ ! نوے سال کی طویل عمر ہونے کے باوجود اس بزرگ نے کبھی دنیا اور ابنائے دنیا کی طرف ذرا سی بھی رغبت نہیں کی اور

دنیا کی آلودگیوں میں مشغول نہیں ہوئے۔ حق جل و علیٰ کے فضل و کرم سے اپنے متعلقین کے ساتھ نہایت اچھی زندگی بسر کی۔ آپ کی فطرت یہ تھی کہ مہمانوں کی جانب خاطر و مدارات کرتے اور اُن کے سامنے پُرتکلف کھانے پیش کرتے۔ اہلِ دنیا اُن کے مزیدار کھانوں کی بڑی تمنا رکھتے تھے۔ علماء و فقرا کو نہایت عزیز رکھتے تھے۔ تعلیم و تعلم، درویشوں کی خدمت، اہلِ عشق سے صحبت کی (۲۱۱) اپنے فرزندوں کو ترغیب دیتے تھے۔ بالخصوص کاتبِ حروف کی تعلیم میں انھوں نے بہت کوشش کی اور میرے اُستادوں پر بہت روپیہ خرچ کیا۔ چنانچہ یہ تفصیلات مولانا و اُستادنا فخرالملۃ والدین زرّادی کے حالات میں تحریر کی گئی ہیں، جو سلطان المشائخ کے خلیفہ تھے۔

میرے والد محترم کی عمر عزیز سلطان المشائخ کی نظر مرحمت و شفقت میں گزری۔ اس بنا پر کہ وہ خانوادۂ چشت میں خواجہ قطب الدین چشتی سے عقیدت رکھتے تھے، وہ دو مرتبہ چشت بھی گئے تھے۔ دوسری مرتبہ جب وہ چشت گئے اور خواجہ قطب الدین چشتی کی خدمت میں پہنچے تو کچھ دن وہاں ٹھہر کر اس مبارک خانوادے کی خدمت بجا لائے۔ خواجہ قطب الدین کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ مسند عظمٰی خواجگانِ چشت کی زیارت کے لیے آیا ہے، تو آپ نے ان کو اپنی خلافت سے سرفراز کیا اور خرقۂ خلافت اور اجازت نامے سے اپنے نشانِ مبارک سے نوازا اور ایک قیمتی مغلی گھوڑا، جو آپ کی سواری کے لیے خاص تھا، اُن کو عطا فرمایا اور وصیت فرمائی کہ ہمیشہ با وضو رہو، کھانا تنہا نہ کھاؤ۔

پھر آپ کو نہایت اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ یہ تمام برکتیں اس وجہ سے تھیں کہ انھوں نے شیخ شیوخ العالم کی نگرانی میں پرورش پائی تھی اور آپ نے اپنے منہ کا پان اپنے دست مبارک سے اس بزرگ ہستی کے منہ میں رکھا تھا اور میرے والد محترم نے شیخ علاءالدین کے ساتھ مولانا بدرالدین اسحاق سے تعلیم پائی تھی، جیسا کہ شیخ علاءالدین کے حالات کے ضمن میں تحریر کیا جا چکا ہے۔

میرے والد محترم فرماتے تھے کہ میں اُس سال، جب چشت سے لوٹا، تو اس گھوڑے پر سوار تھا، جو خواجہ قطب الدین نے مجھے دیا تھا۔ اس گھوڑے پر خواجہ قطب الدین کے پائے مبارک کے علاوہ

کے نشان پڑے ہوئے تھے ۔ اُس سال کافروں کا لشکر سلطان علاءالدین خلجی انارالله برہانہ کے فاتح لشکر سے شکست کھا کر دہلی سے تتر بتر ہو کر ہزار اور دو ہزار کی ٹولیوں میں واپس ہو رہا تھا ۔ اس لشکر کے کچھ لوگ خراسان کے راستے میں کئی مرتبہ مجھے ملے ۔ انھوں نے چاہا کہ میرا گھوڑا اور کپڑوں کا بقچہ ، کہ جس میں خواجہ بزرگوار کا عطا کیا ہوا خرقہ تھا ، مجھ سے چھین لیں لیکن جب وہ خواجہ بزرگوار کے اطلاق کے داغوں کو دیکھتے ، گھوڑے کے سُم چومنے لگتے اور کہتے خواجہ قطب الدین کی برکت سے خیریت سے گھر پہنچو گے اور اپنے والد کی خدمت کرو گے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔ [۲۰۲]

خواجہ قطب الدین چشتی ابھی بچے ہی تھے ۔ لوگوں نے چاہا اُن کو اُن کے والد کی جگہ چشت کی سجادگی کی مسند پر بٹھالیں ، لیکن چشت کے بزرگوں اور آپ کے دوسرے اقربا نے کہا کہ ابھی یہ بچے ہیں ۔ خواجہ علی چشتی ، جو خواجہ قطب الدین کے چچا ہیں اور دہلی میں ہیں ، وہ اس سجادے کے وارث ہیں ۔ ہمیں اس کی اطلاع انھیں دینی چاہیے اور معلوم کرنا چاہیے کہ اس مسئلے میں ان کی کیا رائے ہے ۔ چنانچہ اس غرض سے خاندانِ چشت کے دو بزرگ کہ ہیں حضرات خواجہ علی کی خدمت میں دہلی روانہ کیے گئے ، جیسا کہ یہ واقعہ شیخ بدرالدین سلیمان بن شیخ شیوخ العالم کے حالات میں تحریر کیا جا چکا ہے ۔ الغرض جب یہ دونوں حضرات خواجہ علی چشتی کی خدمت میں دہلی پہنچے تو اُنھوں نے خواجہ علی چشتی کے سامنے سارا واقعہ بیان کر کے بزرگانِ چشت کی گزارشات کو اُن تک پہنچایا ۔ یہ زمانہ سلطان غیاث الدین بلبن کی حکومت کا تھا ۔ شیخ علی نے ارادہ کیا کہ وہ چشت چلے جائیں ۔ سلطان غیاث الدین کو جب اُن کا ارادہ معلوم ہوا تو وہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور قدموں میں گر کر قسم کھا کر کہا کہ اگر خواجہ نے چشت جانے کا ارادہ کیا تو میں سلطنت چھوڑ دوں گا اور آپ کے ہم رکاب ہو کر چشت آؤں گا ۔ خواجہ علی نے فرمایا کہ تم اپنے عہدِ حکومت میں بندگانِ خدا کی کفالت کرتے ہو اور ایک عالم تمھاری پناہ میں آسودہ زندگی بسر کر رہا ہے ۔ اگر تم چشت آؤ گے تو خلقِ خدا کو پریشانی میں مبتلا کرو گے ، جس کا مواخذہ خدا کے ہاں تم سے ہوگا ۔ سلطان نے کہا ، جو کچھ ہوگا وہ ہوگا ، میں آپ کے قدموں سے دور نہیں رہ سکتا ۔ جب اُنھوں نے بادشاہ کو اپنی عقیدت

میں چلے پایا تو مجبوراً دہلی میں رہے اور اپنے اقربا اور بزرگان چشت کو اور ملک شمس الدین کشمہ ملک پرہوکو ، جو اس خاندان کا مرید تھا ، خط لکھا ، جن میں تحریر فرمایا کہ میں نے جو نعمت مشائخ چشت اپنے والد اور اپنے چچاؤں سے پائی ہے ، وہ میں نے اپنے بھتیجے خواجہ قطب الدین کو چشتی اور چشت کے مشائخ کا سجادہ اُن کے حوالے کیا ۔ چاہیے کہ اب تمام لوگ اُن کی طرف رجوع کریں ۔ جب یہ دونوں خطاء چشت پہنچے اور بزرگان چشت اور ملک شمس الدین کشمہ کو اُن کے نام کے خطوط پہنچائے تو خواجہ علی کے رشتہ داروں میں جھگڑا شروع ہوا ۔ جب یہ جھگڑا بڑھا تو ملک شمس الدین کشمہ نے اُن سے کہا کہ تم سب ایک بزرگ ترین خاندان کے افراد ہو ۔ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اگر تم اس کو قبول کرو ۔ سب نے کہا کہیے ۔ ملک شمس الدین نے کہا کہ پیران چشت کا سجادہ اور عصا اُس حجرے میں رکھا ہوا ہے ، جس کے دروازے کے سامنے تم بیٹھے ہو ۔ یہ حجرہ مقفل ہے ۔ تم میں سے جو کوئی اس قفل کو بغیر کنجی [۲۱۳] کے اپنے ہاتھ کی برکت سے کھول دے گا ، اس سجادے اور مقام کا وہ مستحق ہوگا چنانچہ سب نے اُن کی بات کو مان لیا ۔ اُن میں سے ہر فرد اُس قفل پر ہاتھ رکھتا تھا ، کچھ پڑھتا تھا اور قفل کو ہلاتا تھا ، لیکن قفل نہیں کھلتا تھا ۔ جب خواجہ قطب الدین کی باری آئی تو آپ اس قدر بچے تھے کہ خادم نے آپ کو گود میں اُٹھایا اور اس حجرے کے دروازے کے پاس لایا ۔ جیسے ہی خواجہ قطب الدین نے اُس قفل پر ہاتھ رکھا ، قفل کھل گیا اور حجرے کے دروازے کے کواڑ وا ہوگئے ۔ آپ کی اس کرامت کا چرچا سارے چشت اور خراسان میں ہوا ۔ بعدہ' خادم خواجہ قطب الدین کو اپنی گود میں حجرے کے اندر لے گیا اور آپ کو مشائخ چشت کے سجادے پر بٹھایا ۔ میرے والد فرماتے تھے کہ

خواجہ ابی محمد چشتی ، خواجہ ابی احمد چشتی کے صاحبزادے ہیں ، جنھوں نے خرقہ' ارادت و خلافت اپنے والد سے حاصل کیا اور چوبیس سال کی عمر میں اپنے والد کے سجادے پر بیٹھے ۔

خواجہ ابی یوسف چشتی ، خواجہ ابو محمد چشتی کے صاحبزادے ہیں ، جو اپنے والد کے مرید ہوئے اور اُن ہی سے تربیت حاصل کی اور خرقہ' خلافت بھی اپنے والد بزرگوار سے پہنا ۔

حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی ، خواجہ ابو یوسف چشتی کے صاحبزادے ہیں ۔ خرقہٗ خلافت و ارادت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا ۔

الغرض خواجہ قطب الدین چشتی کے مناقب و کرامات اس قدر ہیں کہ قلم اُن کے لکھنے سے عاجز ہے ۔

آج کل خواجہ یوسف ، جو خواجہ محمد چشتی کے صاحبزادے اور خواجہ قطب الدین کے پسری اولاد میں ہیں مسندِ سجادگی پر رونق افروز ہیں اور جو نہایت صاحبِ کرامت و عظمت ہیں ۔

الغرض جب میرے والد محترم چشت سے نہایت عزت و احترام کے ساتھ دہلی پہنچے تو آخر عمر تک آپ نے کسی کو اپنا مرید نہیں کیا اور کسی وقت بھی آپ نے کسی سے نہیں کہا کہ میں خلیفہ ہوں ، حالانکہ تمام مسافر لشکرداروں نے آپ کو چشت میں خواجہ قطب الدین کی خدمت میں دیکھا تھا اور خواجہ قطب الدین کی جو غیر معمولی عنایت و شفقت میرے والد پر تھی ، وہ اس کو بھی جانتے تھے ۔ ان میں سے ہر ایک مسافر اور درویش نے لنگر اور کتوں سے تعلق پیدا کیا ، لیکن میرے والد نے سلطان المشائخ کی خدمت و محبت کو کافی سمجھا اور آخر عمر تک وہ اس کے پابند رہے ۔ بہت سی حکایتیں اور روایتیں ، جو اس کتاب میں لکھی گئی ہیں ، وہ میرے والد کی بیان کی ہوئی ہیں ، جو اس با عظمت و کرامت خاندان کے طور و طریق کو جتنا بہتر وہ جانتے تھے کوئی نہ جانتا تھا ۔ جب اس خاندان با کرامت کے متعلق کسی کو کچھ تحقیق مطلوب ہوتی تو [۲۱۳] وہ میرے والد کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھتا تھا ۔

وفات :

آخرالامر وہ ذات با برکات چند روز بیمار رہ کر جمعرات کے روز ، چاشت کے وقت ۱۵ ماہ صفر ۷۳۹ھ (۱۳۳۸ء) میں رحمتِ حق سے جا ملی اور سلطان المشائخ کے روضہٗ مبارک کے قریب اپنے والد سید محمد کرمانی کے نزدیک چبوترۂ یاراں پر مدفون ہوئے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

اولاد :

میرے والد نے تین لڑکے چھوڑے ، ایک میں (کاتبِ حروف) ، دوسرے سید لقمان ، تیسرے سید داؤد ۔

میرے نانا مولانا شمس الدین دامغانی نے سیّد داؤد کے لیے کیا اچھا کہا ہے :

میر داؤد گو سلیمان نیست
بر دلِ دوستان جہ از جاں نیست

منظوم

سیّد کمال الدین امیر احمد :

سیّد با وقار ، سرور ساداتِ روزگار یعنی سیّد کمال الدین امیر احمد بن سیّد محمد کرمانی جو اس کاتبِ حروف کے چچا ہیں ، بہادری اور جواں مردی میں حیدر ثانی تھے ۔ سچائی اور فراست میں کمال رکھتے تھے ۔ فقیروں اور مسکینوں کو سونے اور چاندی کے ٹنکے دیتے ۔ اگرچہ آپ صاحبِ جاگیر و صاحبِ طبل و علَم تھے لیکن تصوّف کے تمام اوصاف سے متصف تھے ۔ کامل عقل رکھتے تھے اور تمام کام کامل عقل کے مطابق پورے کرتے تھے ۔ امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے :

کارے نکرد جز بکمالاتِ علم و عقل
گوئی کہ صد عمامہ بزیرِ کلاہ داشت

عجیب قوت رکھتے تھے کہ سچ کے سوا کوئی بات آپ کی زبان پر نہ آتی تھی ۔ یہ تمام فضائل اس کا ثمرہ تھے کہ آپ نے سلطان المشائخ کی نگرانی میں تربیت پائی ۔ میرے چچا کی والدہ اور والد آپ سے بہت خوش تھے اور آپ ہر وقت اور ہر لمحہ اُن کی خوشنودی کے طالب رہتے ۔ جو کچھ حاصل کرتے اپنے والدین کے علم میں لاتے اور اُن سے کسی قسم کی باز پرس نہ کرتے ۔

میں نے اپنے والد سے سنا تھا ۔ وہ فرماتے تھے کہ برادرم امیر احمد والدہ کے پیٹ میں تھے اور میں اور میرے والد سیّد محمد کرمانی باہر سے گھر آ رہے تھے ۔ راستے میں ایک دیوانہ صاحب نعمت ہمیں ملا اور میرے والد سیّد محمد کرمانی سے کہا تمھارے گھر میں لڑکا پیدا ہوگا ، اس کا نام امیر احمد رکھنا ۔ جیسے ہی ہم گھر آئے ، میرے بھائی امیر احمد پیدا ہوئے ۔

سلطان محمد تغلق نے آپ کو اپنی حکومت کے زمانے میں، جب کہ آپ تلنگانے کے لشکر میں خان تھے، کسی وجہ سے قید کر کے بھاکس کے جیل خانے میں، جو دیوگیر کے قریب ہے، بھجوا دیا اور نہایت سخت سزا دی۔ اس قید خانے کے متعلق آج تک مشہور ہے [۲۱۵] کہ جو اس میں قید کیا جاتا ہے وہ زندہ نہیں لوٹتا کیونکہ اس میں سانپ، بچھو اور کنکھجورے، صف حوبے بڑی کثرت سے ہیں جو آدمی کو زندہ نہیں چھوڑتے۔ کچھ دنوں تک یہ بزرگوار اس قید خانے میں رہے لیکن قید خانے کے داروغہ اور محافظ اور یہ موذی جانور آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچا سکے تھے۔ قید خانے میں آپ کی کرامت یہ تھی کہ رالوں کو اللہ کے حکم سے آپ کی زنجیریں لوٹ جاتی تھیں۔ جب یہ کیفیت ہوتی تو آپ قیدیوں اور جیل کے محافظوں کو بلاتے اور ٹوٹی ہوئی زنجیروں کو دکھاتے اور فرماتے کہ میں نے کسی چیز سے ان کو نہیں توڑا، بلکہ یہ اللہ کے حکم سے ٹوٹ گئی ہیں۔ جب داروغہ جیل اور محافظوں نے کئی دن تک یہ کیفیت دیکھی تو سلطان محمد تغلق کی خدمت میں عرض داشت بھجوائی کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔ سلطان نے آپ کے چھوڑ دینے کا فرمان جاری کیا اور حکم دیا کہ انہیں میرے پاس بھیجا جائے۔ یہ بزرگ اس زمانے میں ایک چوٹی باندھتے تھے اور قبا پہنتے تھے۔ جب وہ سلطان کے پاس جانے لگے تو آپ نے دو چوٹیاں باندھیں اور صوفیانہ خرقہ پہنا۔ سلطان نے اُن سے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ ہم فرزندانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا یہی ظاہری اتباع رہ گیا ہے۔ جب میں نے اُسے ترک کیا تو اُس کی سزا پائی۔ سلطان نے کہا، تم اس جانے سے ہم سے ہوا کتا چاہتے ہو حالانکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ امور سلطنت کو تمہارے مشورے سے انجام دیں۔ پھر بادشاہ نے آپ کو اسی ناس میں رہنے دیا اور ملک معظم کے عہدہ دے کر اپنا مشیر بنایا۔

ایک دفعہ آپ بیمار تھے اور چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور کوئی آپ کے پاس نہ تھا کہ آپ نے دیکھا کہ کوئی شخص کھڑکی سے سر اندر کر کے جھانک رہا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اُس شخص نے کہا کہ میں امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ ہوں۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گئے۔ اُسی وقت آپ نے بیماری سے صحت پائی۔

وفات :

آخر لشکر لاہور میں یکم جمادی الآخر ۷۲۸ھ (۱۳۲۸ء) بواسیر کی بیماری میں مبتلا ہوکر آپ نے وفات پائی ۔ جنازہ دہلی لایا گیا اور سلطان المشائخ کے روضۂ مبارک کے متصل چبوترۂ یاراں پر مدفون ہوئے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

اولاد :

آپ نے دو صاحب زادے یادگار چھوڑے ۔ ایک سید السادات ، منبع السعادات عمادالحق والدین [۲۱۶] امیر صالح جو علم و زہد و تقویٰ میں بے نظیر تھے ۔ ان کا ظاہر و باطن جمال ہدیٰ اور ذکر خفی سے آراستہ و پیراستہ تھا ۔ دوسرے سید نورالدین نوراللہ قلبہٗ بنورالمعرفت ۔

منہم

سید حسین بن سید محمد کرمانی :

سید با صفا ، جگر گوشۂ مصطفیٰ ، کان حسن و ملاحت ، مایۂ لطافت ، معدن ظرافت ، دُر دریائے پیغمبری ، گوہر شب چراغ حیدری ، سید السادات ، نبیرۂ سید المرسلین ، قطب الحق والدین ، سید حسین بن سید محمد کرمانی جو اس کاتب حروف کے منجھلے چچا تھے اور علم و فضل ، بذل و ایثار اور ظاہری و باطنی طہارت اور لطافت طبع میں بے نظیر زمانہ تھے ۔ کامل عقل اور فراست سے متصف تھے ۔ آپ نے اس دنیائے دنی میں مجردانہ زندگی بسر کی اور بیوی بچوں کے جھگڑوں سے آزاد تھے ۔ آپ نے علوم دینی کی تعلیم مولانا فخرالدین زرادی خلیفۂ سلطان المشائخ سے حاصل کی تھی ۔

آپ گھر کا دروازہ ہر وقت کھلا رکھتے ۔ جو چاہتا گھر میں آتا ، کسی کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی ۔ کوئی ضرورت مند ، خواہ شہری ہو یا مسافر ، بے دھڑک براہ راست آپ کے خلوت خانے میں چلا جاتا ۔ جو کچھ اس کو مطلوب ہوتا آپ اس کو پورا کرتے اور اس کا مقصد پورا کر کے خوش خوش واپس لوٹاتے ۔ یہ بات کسی اور کو حاصل نہ تھی ، مگر یہ فضیلتیں اس سید پاک ، پاک زاد اور پاک باز کو اس لیے حاصل تھیں

کہ آپ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک سلطان المشائخ کے منہ بولے بیٹے سے مشرف اور مشہور تھے جیسا کہ ملک اشذکرین کریم الدین ابیرہ جو نظم و نثر کے مالک تھے ، آپ کی مدح میں کہتے ہیں :

صفات ذات وے الحق جہان ہمیں نہ بس است
کہ شیخ خواندش فرزند و خواجہ را نبسہ است

آپ نہایت خوب صورت ، حسین و جمیل تھے۔ جس کی نظر آپ کے جمال پر پڑتی ، کتنا ہی مغموم کیوں نہ ہوتا ، شادکام ہو جاتا۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

اے روئے تو راحت دل من
چشم تو چراغ منزل من

یہ ضعیف کہتا ہے :

اے سید پاک او پاک زادہ
در عالم حسن داد دادہ
در حسن و لطافت و ظرافت
خوبان ہمہ پیش تو پیادہ
[۲۱۷] در پیش قد لطافت تو
سرو چمن است ایستادہ
از روئے تو کآفتاب حسن است
شوریست دریں جہان فتادہ
آرے سر زلف گیسوانت
بوئے بہ نسیم صبح دادہ

ایک دفعہ سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کو انقباض تھا۔ آپ نے تازہ غسل کر کے نئے کپڑے پہنے اور کسی باغ میں جانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے اس موقع پر میرے چچا سید حسین کو طلب کیا۔ جب وہ آئے تو سلطان المشائخ نے اُن سے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آج میری طبیعت میں کچھ انقباض تھا ، میں نے باغ جانے کا ارادہ کیا تو کسی نے میرے باطن میں آواز دی کہ کہ سید حسن کو بلاؤ۔

معمول تھا کہ ہر روز میرے چچا سیّد حسین نماز ظہر کے بعد سلطان المشائخ کی خدمت میں طلب کیے جاتے اور عصر کے وقت تک وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر رہتے اور آپ کی ہم نشینی ، گفتگو اور اسرار و رموز کی دولت سے مشرف ہوتے - دوران گفتگو بہت سے لطائف و رموز کا تذکرہ ہوتا - علماء ، مشائخ ، اُمرا ، ملوک اور خان اس غیرمعمولی شفقت کو دیکھ کر ، جو سلطان المشائخ ان پر فرماتے تھے ، اور یہ دیکھ کر کہ انوارِ ولایت اُن کی پیشانی سے ہویدا ہیں اور سلطان المشائخ کی نظر کی برکت سے ان کا چہرہ جمالِ یوسفی سے شگفتہ ہے ، یہ سب سلطان المشائخ کی قدم بوسی کے بعد اس بزرگ کے گھر پر بھی حاضر ہوتے - شیخ سعدی فرماتے ہیں :

دیباچۂ صورتِ بدیعت
عنوانِ کمالِ حسنِ ذات است

یہ ضعیف کہتا ہے - رباعی :

راحتِ دلہاست دیدنِ سوئے تو
فرحتِ جانہاست ، جاناں روئے تو
بند زلفے از دو گیسو باز کن
تا جہاں خوشبو شود از بوئے تو
گرد نوبت اہلِ دل گرداں مدام
خانۂ اہلِ دلاں شد کوئے تو

کہا جاتا ہے کہ مرد کی کمالِ لطافت اس میں ہے کہ اُسے قبولِ عامہ ، زیبِ جامہ اور نوک خامہ نصیب ہو - خدا کے فضل سے یہ تینوں باتیں اُس سیّدِ والا مرتبت کی ذات میں جمع تھیں - یہ ضعیف کہتا ہے :

زیبِ جامہ چناں کہ می باید
نوکِ خامہ ترا مسلّم شد

در لطافت قبول عامہ شدی
ذات پاکت بدیں مکرم شد

آپ کا لباس عموماً صوفیانہ ، رنگا رنگ ، کمخواب ، چینی اور بہت جامہ زیب ہوتا تھا - آپ جو بھی کپڑے پہنتے ، انھیں دوبارہ نہ

پیتے - [۱۰۹] وہ کپڑے جسے چاہتے عطا کر دیتے - نہایت لطیف اور پُرتکلف کھانے دوستوں اور عزیزوں کو کھلاتے - کبھی بھر بھی آپ کا منہ پان سے خالی نہ رہتا - بعض نے دو سو پان کھاتے تھے اگرچہ ایک پان کی قیمت دس ٹنکہ ہو جاتی -

سلطان المشائخ کی وفات کے بعد اُن کے خلفاء آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے - قدیم طریقے کے مطابق یہ سب آپ کے گھر پر آپ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوتے - آپ بھی سلطان المشائخ کی حیات میں ان سب کی سفارش کیا کرتے تھے اور ان کی مدد فرماتے تھے ، جیسا کہ سلطان المشائخ کے خلفاء کی خلافت کے حال میں تحریر کیا جا چکا ہے -

خواجہ احمد جہاں وزیر کی قدر و منزلت :

آخر سلطان محمد تغلق کے عہد ۷۳۲ھ (۳۲ - ۱۳۳۱ء) میں مسند وزارت ہندوستان کو خواجہ جہاں احمد ایاز مرحوم نے زیب و زینت بخشی اور وہ دیوگیر گیا - خواجہ جہاں مرحوم چونکہ سلطان المشائخ کی نظرِ شفقت سیّد حسین پر دیکھ چکا تھا ، وہ چاہتا تھا کہ وہ سیّد حسین کو اپنے ساتھ دیوگیر لے جائے لیکن سیّد حسین اس سفر کے لیے آمادہ نہ تھے - آپ کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے سلطان محمد سے فرمان حاصل کر کے اپنے ساتھ نہ لے جائے - اس اندیشے سے آپ نے خواجہ جہاں مرحوم سے کہا کہ میں دو شرطوں کے ساتھ تمہارے ساتھ چل سکتا ہوں : اوّل یہ کہ میں سادات اور صوفیہ کا لباس پہنوں گا - دوسرے یہ کہ حکومت کا کوئی عہدہ مجھ سے متعلق نہ ہوگا - یہ شرائط آپ نے اس لیے لگائی تھیں کہ سلطان محمد ان دونوں صفات اہلِ تصوّف سے چھین کر انھیں دنیاوی عہدوں پر لگا دیتا تھا - خواجہ جہاں نے آپ کی یہ دونوں شرطیں قبول کر لیں اور اپنی وفات تک وہ اس کا پابند رہا - وہ آپ کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتا تھا لیکن وہ ذوق و شوق اور عظمت و احترام ، جو آپ کے متعلق سلطان المشائخ کی زندگی میں رکھتا تھا ، وہ بعد میں میسر نہ آ سکا -

وفات :

آخر عمر میں آپ فالج کی بیماری میں مبتلا ہوئے - یہ بیماری زیادہ تر

حق تعالیٰ کے دوستوں کو ہوتی ہے ۔ کئی مرتبہ شیخ نصیرالدین محمود قدس اللہ سرہ العزیز اور ایک مرتبہ خواجہ جہاں مرحوم دورانِ علالت میں آپ کی عیادت کے لیے آئے اور ۱۲ ماہ شعبان ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) میں رحمتِ حق سے جا ملے ۔ یہ پنجشنبہ کا دن اور صبح کی نماز کا وقت تھا ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے : [۲۱۹]

سروے ز بوستانِ معانی فرو شکست
بُرجے ز آسمانِ معانی خراب شد

سیّد خاموش بن سیّد محمد کرمانی :

سیّد السادات ، منبع البرکات ، شمس الملت والدین سیّد خاموش ابن سیّد محمد کرمانی ، جو کاتب حروف کے چھوٹے چچا ہیں اور علم و فضل ، بذل و لطافتِ طبع اور ہر خاص و عام کو کھانا کھلانے میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے ۔ آپ نے سلطان المشائخ کی نگرانی میں پرورش پائی تھی ۔ خلوتوں کی مجلس میں سلطان المشائخ کی خدمت میں "خمسہ نظامی" پڑھا کرتے تھے اور سلطان المشائخ کی بارگاہ میں آپ کو خاص قرب حاصل تھا ۔ یہ ضعیف کہتا ہے کہ :

در ذاتِ مبارکِ تو پیداست
ہر جا کہ لطافتے ست اے جاں
وصفِ توحدِ بیانِ من نیست
حسن تو بس است دلیل و برہاں

وہ دوست اور عزیز ، جو شہر سے سلطان المشائخ کی خدمت میں آتے تھے ، وہ راتوں کو آپ ہی کے گھر میں ٹھہرتے ۔ مثلاً قاضی محی الدین کاشانی ، کہ جن کے آپ شاگرد تھے اور "مجمع البحرین" ، "ہدایہ" اور فقہ کی کتابیں مولانا سے پڑھی تھیں ، مولانا حجت الدین ملتانی ، مولانا بدرالدین نار ، شرف الدین دار ، مولانا شمس الدین یحییٰ ، مولانا حسام الدین ، شیخ نصیرالدین محمود کے اودھی مرید ، مولانا علاءالدین ہنسلی اور دوسرے عزیز آپ کے گھر رہا کرتے تھے ۔ ان بزرگوں کے لیے ہر قسم کا کھانا موجود رہتا تھا ۔ ان بزرگوں کے لیے آپ نے قوال نوکر رکھے تھے ۔ جو ہر وقت حاضر رہتے ۔ ہمیشہ آپ کے گھر کا

دروازہ کھلا رہتا ۔ اہلِ دنیا ، امرا ، بادشاہ ، اہلِ کتب اور دوسری مشغولیتوں کے لوگ آپ کی لطافتِ طبع اور طور و طریقے کی وجہ سے آپ کی صحبت کے اسیر تھے ۔ یہ سب کے سب مسلمانوں کی مشکلات کو آپ کے ایک اشارے سے انجام تک پہنچاتے تھے ۔ دو سو درویش گدڑی پوش غریب ، علماء ، آپ کے گھر والوں اور عزیزوں کے ، آپ کے گھر میں کھانا کھاتے تھے ۔

ایک دفعہ دیوگیر میں رمضان کے آخری حصے میں آپ نے اس کاتبِ حروف کو بلایا ۔ جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ تسبیح آپ کے ہاتھ میں ہے اور قبلے کی طرف رخ کیے ہوئے تسبیح پڑھنے میں مشغول ہیں ۔ آپ نے کاتبِ حروف سے کہا کہ کل شیخ نہال کنی نے ایک مجلس میں مجھ سے جھگڑا کیا ۔ ۔ ۔ اور شاید گفتگو میں از روئے حسد کہا کہ تم سیّد نہیں ہو ۔ ۔ ۔ میں مشغول ہوں اور تم بھی مشغول ہو جاؤ ۔ اگر ہمارا نسب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے ملتا ہے تو حق تعالیٰ ہمارے اس حاسد کو ذلیل کرے ۔ جب ہم صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو کسی نے کہا شیخ نہال کنی دو تین آدمیوں کے ساتھ پگڑی گردن میں ڈالے دروازے پر کھڑا ہے ۔ جب میں نے اسے اندر بلایا تو وہی پگڑی گردن میں ڈالے ہوئے آیا اور میرے چچا کے پاؤں میں گر پڑا اور اس نے کہا کہ میں نے جو کل بات آپ سے کہی ، وہ آپ کے خاندان کے شایانِ شان نہ تھی ۔ میں اپنی بات پر سخت شرمندہ ہوں اور توبہ کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ۔ میرے چچا نے تھوڑی دیر کے بعد اُس کا سر اپنے قدموں سے اُٹھایا اور فرمایا ، اگر تو نے معافی میں جلدی نہ کی ہوتی تو ۔ ۔ ۔ تیرا دین و دنیا دونوں میں پالا ۔

وفات :

آخر عنوانِ شباب ہی میں عین کامرانیوں کے دنوں میں مرض اسہال میں مبتلا ہوکر ۲۵ تاریخ یک شنبہ کی رات میں ۷۲۲ھ (۱۳۲۱ - ۲۲ء) میں رحمت رب العالمین سے جا ملے اور دیوگیر میں خواجہ خضر کے مقام میں مدفون ہوئے ۔ آپ کا روضۂ متبرکہ اس شہر کے لوگوں کے لیے مرجع ہے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

● ● ●

باب چہارم

سلطان المشائخ کے خلفاء کے مناقب ، فضائل اور کرامات
کے بارے میں اور اُن کے سلطان المشائخ سے خلافت حاصل
کرنے کے بیان میں - یہ باب دس "منہم" اور چھبیس
لکتوں پر مشتمل ہے

خلافت کے لیے بتیس ناموں کی فہرست جو سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کی گئی

کاتب حروف محمد مبارک علوی کرمانی مدعو بہ امیر خورد عرض پرداز ہے کہ اس بندے نے اپنے والد اور چچاؤں رحمۃ اللہ علیہم سے ، جو سلطان المشائخ کے خصوصی لطف و کرم سے سرفراز تھے ، سنا کہ جب آخر عمر میں سلطان المشائخ کو بیماری لاحق ہوئی تو بعض اعلیٰ مریدوں اور خادموں نے جو ہر وقت سلطان المشائخ کی خدمت میں رہتے تھے ، جیسا کہ سیّدالسادات سیّد حسین ، شیخ نصیرالدین محمود جو اُس زمانے میں سلطان المشائخ کی خدمت میں تھے ، مولانا فخرالدین زرّادی ، خواجہ مبشر جو آپ کے قدیم خادم تھے اور خواجہ اقبال خادم نے ان سب بزرگوں نے اتفاق رائے سے [۲۲۱] سلطان المشائخ کی خدمت میں ۳۲ اعلیٰ مریدوں کے نام خلافت کے لیے پیش کیے جو علم ، زہد و ورع ، بذل و عشق و ذوق اور شغل باطنی میں مشہور تھے - یہ فہرست امیر خسرو نے اپنے قلم سے لکھی اور سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کی - سلطان المشائخ نے اس فہرست کو دیکھ کر فرمایا کہ تم بہت سے نام لکھ لائے ہو- جب ان لوگوں نے سلطان المشائخ کی ناپسندیدگی کے آثار دیکھے تو اس فہرست

پر نظرثانی کرکے اس فہرست میں سے چند مخصوص نام چنے اور دوسری منتخب فہرست آپ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اس فہرست کو دیکھ کر اس فہرست کے درج شدہ بزرگوں میں سے ایک بزرگ یعنی مولانا سراج الدین اخی کے متعلق فرمایا کہ اس کام میں سب سے پہلے درجہ علم کا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ تفصیل سے اس بزرگ کے حالات میں تحریر کی گئی ہے۔

الغرض جب ان بزرگوں نے سلطان المشائخ کو مرتبہ اخی اس فہرست پر مطمئن کر دیا تو آپ نے سیدالسادات سید حسین کو حکم دیا کہ ان کے لیے خلافت نامے لکھو۔ مولانا فخرالدین زرادی نے کہ جو کمالِ علم، فصاحت و بلاغت سے آراستہ تھے، ان عزیزوں کے لیے خلافت نامے لکھے اور سیدالسادات سید حسین مرحوم نے ان خلافت ناموں کو صاف اور خوش خط لکھا۔ جب یہ خلافت نامے لکھے جا چکے اور سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش ہوئے تو پھر سید حسین کو حکم ہوا کہ تم بحیثیت کاتب کے اپنا نام لکھو۔ اس موقع پر سلطان المشائخ نے کاتب کا نام کتابت کرنے کے ضمن میں یہ واقعہ بیان کیا کہ جب شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین نے بعض عزیزوں کو خلافت نامے دینے چاہے تو مولانا بدرالدین اسحاق کو حکم دیا کہ ان عزیزوں کے لیے خلافت نامے لکھو۔ اس موقع پر ایک قدیم مرید نے بے جا بحث شروع کر دی۔ اس نے کہا کہ میں سالہا سال سے اس کام میں اپنا جگر خون کر رہا ہوں اور میں مریدی میں بھی ان سب سے پہلے ہوں، جنھیں خلافت دی جا رہی ہے۔ اگر شیخ مجھے خلافت نہیں دیں گے تو کیا ہوگا۔ میں خود ایک ایسا کاغذ لکھ کر اس کام میں مشغول ہو جاؤں گا۔ جب یہ بات شیخ شیوخ العالم کے کان تک پہنچی تو مولانا بدرالدین اسحاق کو حکم دیا کہ ان عزیزوں کے لیے جو خلافت نامے تم نے لکھے ہیں، ان پر بحیثیت کاتب کے اپنا نام لکھو تاکہ کوئی حریص اس کام میں مداخلت نہ کر سکے [۲۲۲]۔

بعدہ، سید حسین نے سلطان المشائخ کے حکم سے ان بزرگوں کے خلافت نامے میں یہ عبارت بڑھائی:

> میں نے یہ سطریں اشارۂ عالی کی بنا پر، خدائے تعالیٰ ان کی بزرگی کو ہمیشہ قائم رکھے اور خدائے تعالیٰ ان کو ہر آفت سے محفوظ رکھے، یہ اشاراتِ عالیہ بخط بندۂ ناتواں، امیدوار فضل رحمانی حسین بن محمد بن محمود علوی حسنی کرمانی تحریر ہوئے۔

اس کے بعد سلطان المشائخ نے ان خلافت ناموں کو اپنے دستخطوں سے اس عبارت کے ساتھ مزین فرمایا :

من الفقیر محمد بن احمد بن علی البداونی البخاری ۔

[فقیر محمد بن احمد بن علی متوطن شہر بدایوں کی جانب سے جس کا پہلا وطن بخارا ہے ۔]

یہ بزرگ جہاں بھی موجود تھے ، مختلف جلسوں میں اُن کے خلافت نامے خلعتِ خلافت کے ساتھ سلطان المشائخ کی نگرانی میں ان کو دیے گئے ۔ سلطان المشائخ نے ان میں سے ہر ایک کو نعمتوں اور وصیتوں سے سرفراز فرمایا ، جیسا کہ ان بزرگوں کے ہر ایک کے ذکر میں تحریر کیا جائے گا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

مولانا شمس الدین یحییٰ اور مولانا علاء الدین نیلی اس زمانے میں اودھ میں تھے ۔ سلطان المشائخ کے حکم سے ان دونوں کے خلافت نامے شیخ نصیرالدین محمود کو دیے گئے تاکہ وہ یہ دینی امانت ان تک پہنچائیں ۔ یہ خلافت نامے تاریخ کے ساتھ تھے ، یعنی ۲۰ ذی الحجہ ۷۲۴ھ (۱۳۲۴ء) میں لکھے گئے تھے اور سلطان المشائخ کی وفات کی تاریخ ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) ہے ۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں یا اپنی تحریروں میں لکھتے ہیں کہ سلطان المشائخ کو بوجہ بیماری کی شدت کے ان بزرگوں کے خلافت نامے کی خبر نہ تھی ۔ لوگ سلطان المشائخ کا ہاتھ پکڑتے تھے اور دستخط کراتے تھے لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ سلطان المشائخ پر مرض وفات میں غلبۂ تحیر [۲۲۳] چالیس روز سے زائد نہ تھا اور ان بزرگوں کے خلافت نامے کی کتابت اور دولتِ وصیت سے سرفرازی سلطان المشائخ کی وفات سے تین ماہ ستائیس روز پہلے ہوئی ۔ قدس اللہ سرہ العزیز ۔

اب ہم پھر خلفائے مذکور کے مناقب و فضائل کی طرف رجوع ہوتے ہیں ۔ قدس اللہ سرہ العزیز ۔

منہم

مولانا شمس الدین محمد بن یحییٰ :

دریائے علم و زہد کے موتی ، پیشوائے اہلِ محبت و کرامت یعنی

مولانا شمس الدین یحییٰ یرحمہ اللہ، محمد ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

دریائے علم و گنج زہادت باتفاق
اعنی کہ شمس ملت و دین کہ علوہ طاق

ان بزرگ کے حالات چار نکتوں پر مشتمل ہیں :

نکتۂ اول

مولانا شمس الدین یحییٰ کے سلطان المشائخ نظام الحق والدین قدس اللہ العزیز سے مرید ہونے کے بارے میں

منقول ہے کہ مولانا شمس الملت و الدین اور مولانا صدرالدین ناولی دونوں خالہ زاد بھائی تھے ۔ طالب علمی کے زمانے میں تعطیل کے دنوں میں یہ دونوں کپڑے دھونے کے لیے موالی غیاث پور میں دریائے جمنا کے کنارے آتے تھے ۔ ان دونوں کے کانوں میں سلطان المشائخ کی عظمت و کرامات کی شہرت پہنچ چکی تھی کہ بڑے بڑے علماء اور شہر کے صدور سلطان المشائخ کی خدمت میں آتے ہیں اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کرتے ہیں ۔

چونکہ ان دونوں بزرگوں کو ابتدائی زمانے میں صوفیائے کرام سے اعتقاد نہ تھا ، اس لیے وہ سلطان المشائخ کی ملاقات کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے ۔

ایک روز وہ دونوں غیاث پور کے نزدیک آئے ہوئے تھے ۔ مولانا شمس الدین نے مولانا صدرالدین سے کہا کہ شاہ نظام الدین سلطان المشائخ اس جگہ رہتے ہیں اور تمام اہل شہر اُن کے معتقد ہیں ۔ معلوم نہیں کہ وہ علمیت میں کیا پایہ رکھتے ہیں ۔ آؤ ہم اُن کی خدمت میں جائیں ۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ ہم حد سے زیادہ اُن کی تعظیم نہ کریں گے اور دوسرے لوگوں کی طرح ان کی قدم بوسی نہ کریں گے ۔ صرف ان کو سلام کر کے بیٹھ جائیں گے ۔ اس فیصلے کے بعد دونوں سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ جیسے ہی ان دونوں کی نظر سلطان المشائخ کے جمال پر پڑی ، وہ رعب جو حق تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی پیشانی میں رکھا ہے ، اس رعب نے مولانا شمس الدین اور مولانا صدرالدین پر اثر کیا اور دونوں فوراً

قدم بوس ہوئے ۔ مصرع :

-زد خوبانِ عالم را زمیں پیشِ تو بوسیدن

نظم

آں دل کہ ز دستِ دیگراں [م ۲۲] بر بودم
ہرگز بکسے ندادم و ننمودم
جاناں ! تو بیک نظر چناں بر بودی
گوئی کہ ہزار سال بے دل بودم

سلطان المشائخ نے دونوں سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ ۔ دونوں بیٹھ گئے ۔ کچھ دیر کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا ، کیا شہر میں رہتے ہو ؟ دونوں نے کہا ، ہاں ۔ پھر فرمایا ، کچھ پڑھتے ہو ؟ دونوں نے کہا ، ہاں ۔ ہم مولانا ظہیرالدین بھکری[1] سے ''بزودی'' پڑھتے ہیں ۔ پھر سلطان المشائخ نے ''بزودی'' سے اس جگہ سے ، جہاں تک ان کا سبق پہنچا ہے ، اور اس سبق میں ایک ایسا مشکل مقام رہ گیا تھا جو مولانا ظہیرالدین بھکری سے بھی حل نہ ہو سکا تھا ، اُس کے متعلق اُن سے دریافت کیا ۔ دونوں کے دونوں حیرت میں پڑ گئے اور قدم بوس ہو کر کہنے لگے کہ مخدوم ! یہی مشکل مقام ہے ، جو اس سبق میں رہ گیا ہے ، جس کے متعلق ہمارے اُستاد مولانا ظہیرالدین نے کہا تھا کہ وہ اس مقام کو تحقیق کر کے بتائیں گے ۔ سلطان المشائخ نے مسکرا کر اُس مشکل مقام کو ان کی مرضی کے مطابق

۱۔ مولانا ظہیرالدین بھکری : شہر بھکر سندھ کے رہنے والے تھے ۔ ضیاء برنی نے عہد علائی کے علماء کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں سے بعض تو علوم و فنون میں کمال حاصل کر کے غزالی اور رازی کے مرتبے پر پہنچ گئے تھے ۔ ان علماء کی فہرست ، جو برنی نے دی ہے ، ان میں مولانا ظہیرالدین بکھری کا نام بھی ہے (تاریخ فیروز شاہی (برنی) اُردو ترجمہ ، ص ۵۱۴) ''نزہۃ الخواطر'' ، جلد ۲ ، ص ۶۶ پر ہے کہ نحو ، لغت ، فقہ اور اصولِ فقہ کا اُن سے بڑھ کر اس زمانے میں کوئی عالم نہ تھا ۔ اُن سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اُٹھایا ، جیسا کہ شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اودی ، جنھوں نے اُن سے فقہ اور اصولِ فقہ پڑھا تھا ۔

حل کر دیا ، جس سے ان کی تشفی ہو گئی ۔ جب وہ دونوں چلنے لگے تو سلطان المشائخ نے ایک تہبند مولانا شمس الدین یحیٰی کو دیا اور دستار مولانا صدرالدین نادلی کو دی ۔ جب یہ دونوں بزرگ سلطان المشائخ کی ملاقات سے فارغ ہو کر باہر آئے تو آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے شیخ کی عظمت و کرامت کے متعلق شہرت سنی تھی ، آج اُن کے کمال علم کو دیکھ لیا ۔ جب وہ مولانا ظہیرالدین کی خدمت میں پہنچے تو مولانا شمس الدین یحیٰی نے وہ تہبند کہ سلطان المشائخ نے ان کو دیا تھا ، سر سے باندھ لیا ۔ مولانا ظہیرالدین نے پوچھا ، آج تم نے خلاف عادت یہ تہبند سر کو باندھ رکھا ہے ؟ مولانا شمس الدین نے جواب دیا کہ میں حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین کی خدمت میں گیا تھا ۔ میں نے ان کی عظمت و کرامت کے شہرے سنے تھے ۔ آج میں نے اُن کی کرامت اور کمال علم کا بھی مشاہدہ کیا ۔ سلطان المشائخ نے یہ تہبند مجھے اور دستار مولانا صدرالدین کو عطا فرمائی ۔ اس کے بعد اُنھوں نے سلطان المشائخ کی مجلس کی کیفیت اس دل کش انداز میں بیان کی کہ مولانا ظہیرالدین کو بھی سلطان المشائخ کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا اور اُنھوں نے بھی سلطان المشائخ کی ملاقات کی دولت حاصل کی ۔

الغرض دوسری مجلس میں مولانا شمس الدینؒ سلطان المشائخ کے مرید ہونے کی سعادت سے مشرف ہوئے ۔ چوں کہ صدق نیت سے آئے تھے ، بتدریج سلطان المشائخ کی خلافت کے مرتبے کو [۲۲۵] پہنچے ۔ ایک بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

جانے رسیدہ بمعانی و مرتبہ
کآنجا بجملہ فکرت انسان نمی دہد

نکتۂ دوم

مولانا شمس الدین یحیٰیؒ کی عظمت و روش کے بارے میں

سالکان راہ طریقت پر واضح ہو کہ مولانا شمس الدین نہایت بزرگ و پاک باز تھے ۔ ازدواجی تعلقات سے مبرا ، ان بزرگ کا ظاہر و باطن اہل تصوف سے آراستہ تھا ۔ دنیاوی رسم و تکلفات سے ، جو لوگوں میں رائج ہیں ، اُن سے نا واقف ۔ اگر کوئی دنیا دار اُن کے پاس آتا ، تو فطرتاً آپ

کی صحبت کو ناگوار گزرتا اور اس سے معذرت کرنے میں حیران رہتے کہ کس طرح اُس سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

فتوح نامی آپ کا ایک خادم تھا۔ وہ فرشتہ صفت انسان ہمیشہ مولانا کی خدمت کرتا اور اس سے فرماتے، اس عزیز سے معذرت کرو۔ فتوح اس آنے والے کو اپنے مقام پر لے جاتا۔ نہایت پُرتکلف کھانے کا اہتمام کرتا اور نہایت قیمتی تحفے پیش کرکے نہایت عمدگی سے معذرت کرکے اُسے واپس کرتا۔ اگر کوئی نذر و نیاز مولانا کی خدمت میں پیش ہوتی، تو مولانا اس کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھتے۔ وہ تمام نذر و نیاز فتوح اُٹھا لیتا اور آنے جانے والوں پر خرچ کرتا۔ مولانا کی ذاتِ گرامی عجیب با کمال ہستی تھی کہ مردانِ خدا کی تمام نشانیاں اُن کی پیشانی سے ہویدا تھیں۔ جیسے ہی نظر آپ کے چہرۂ مبارک پر پڑتی، دیکھنے والا اُن کے رعب کو محسوس کیے بغیر نہ رہتا کیوں کہ آپ کے چہرے سے محسوس ہوتا تھا کہ یہ مردِ خدا صورتاً اور سیرتاً اسلاف کا نمونہ ہے۔ اس زمانے کے تمام لوگ، علماء و مشائخ ان کے مطیع اور معتقد تھے۔

حضرت چراغ دہلی کا تلمذ:

شیخ نصیرالدین محمودؒ نے اوائل عمر میں آپ سے کچھ کتابیں پڑھی تھیں اور آپ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا تھا۔ آخر عمر تک جب بھی وہ مولانا کی خدمت میں آتے، اُستاد و شاگردی کے دیرینہ حقوق اسلاف کے طریقے پر بجا لاتے۔

مولانا شمس الدین سلطان المشائخ کے اعلیٰ مریدوں کے درمیان بھی نہایت مکرم و معظم تھے اور امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ ان کے فضائل اور عالی مرتبے کے باوجود، جب آپ سلطان المشائخ کی دولتِ خلافت سے سرفراز ہوئے تو اگر کوئی بزرگ مرید ہونے کے ارادے سے آپ کی خدمت میں آتا تو حتی الامکان اس کو مرید کرنے سے احتراز کرتے۔ اگر وہ شخص مرید ہونے پر نہایت اصرار اور آہ و زاری کرتا اور آپ اندازہ کرتے کہ وہ اپنے ارادے میں پکا اور سچا ہے، اُس وقت آپ اس کو مرید کرتے۔

منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میرے خلافت نامے پر سلطان المشائخ کے دستخط نہ ہوتے تو میں ہرگز اس کاغذ کو محفوظ نہ رکھتا۔ [۲۲۶]

نکتہ سوم

مولانا شمس الدین بجنی کے تبحر علمی کے بارے میں

منقول ہے کہ مولانا شمس الدین اور مولانا صدر الدین ناولی ابتدائے طالب علمی کے زمانے سے تمام شہر میں مباحث علمی او مختصر جوابی اور مقدمات کے وارد کرنے اور الزامی جواب میں مشہور تھے۔ جس کسی مجلس میں یہ دونوں آ جاتے تو کسی کی یہ مجال نہ ہوتی کہ اُن پر اعتراض کرے، جیسا کہ مولانا شمس الدین فرمایا کرتے تھے کہ ہم گزشتہ اور آیندہ سبق کو علم اصول و فقہ و معانی و بیان میں، جو ان اسباق کے خلاف شبہات وارد ہوتے، تحقیق کرتے اور جو ان اسباق کے لوازم ہوتے اُن شبہات و قیود کو شروع سے اس قدر مستحضر کرتے یہاں تک کہ اُستادوں کی مجلس میں جو شبہات ان اسباق پر وارد کیے جاتے، تو یہ دونوں اپنی تقریروں میں اس حد تک اس کا دفعیہ کرتے کہ کسی کے بے کسی شبہے کا موقع باقی نہ رہتا۔

الغرض مولانا شمس الدین کا علم و تبحر اس درجے کو پہنچا کہ شہر کے اساتذہ آپ کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے اور آپ کی شاگردی اختیار کرتے۔ جو کوئی بھی آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتا، آپ کی نظر کی برکت کی وجہ سے دین و دنیا میں اپنا کامل حصہ حاصل کرتا اور علوم دینی سے بھی کافی بہرہ مند ہوتا۔ شہر کے اکثر علماء آپ کے شاگرد تھے اور اپنے ظاہری علم اور تحقیق علوم دینی کے اسناد کی نسبت آپ ہی کی طرف کرتے ہیں اور آپ کی پُرعظمت مجلس میں بیٹھنے کو اپنے لیے باعث فخر و مباہات سمجھتے ہیں۔ جو بھی آپ کی شاگردی کی نسبت رکھتا ہے، وہ علماء میں نہایت معظم، مبارک اور مکرم ہے۔

الغرض آپ ہر ایک علمی بات کے لیے اس قدر تدبر اور تفکر کرتے کہ اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔

خوش نصیب ہیں یہ محقق روزگار کہ علوم دینی میں آپ کی متعدد تصانیف عالم میں یادگار ہیں۔ عجیب با کمال ذات تھی کہ آپ نے شریعت و حقیقت کو یک جا جمع کیا تھا۔ خواجہ حکیم سنائی فرماتے ہیں:

مثنوی

نقد زرکان مشالہ اوست
گنج معانی کتاب خالہ اوست
علم دین از برائے دین باید
تو چنین و این چنین باید
از تو دارند صد ہزار فتوح
وارد و صادر طبیعت روح

نکتہ چہارم

مولانا شمس الدین یحیٰیؒ کی کرامات اور سماع سننے کے بیان میں اور آپ کی وفات کے بارے میں

کرامات :

مولانا سلیمان مرید شیخ نصیر الدین محمودؒ سے سنا گیا کہ جمعہ کا دن تھا ۔ میں نماز جمعہ کے بعد مولانا شمس الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں گیا ۔ اسی وقت مولانا [۲۲۷] بھی جامع مسجد سے تشریف لائے تھے ۔ فوراً ہی کپڑے بدل کر کتاب کے لکھنے میں مشغول ہو گئے ۔ مولانا سلیمان کہتے ہیں کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ نماز جمعہ کے بعد تو عموماً مشائخ کی (عبادت الٰہی) میں مشغولی کا وقت ہوتا ہے اور آپ اس کتاب کے لکھنے میں مشغول ہیں ۔ عجیب بات ہے کہ ایسا بزرگ ایسے وقت میں کتاب لکھنے میں مشغول ہو ۔ یہ خطرہ ابھی میرے دل میں گزرا ہی تھا کہ آپ نے لکھتے لکھتے سر اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ سلیمان ! میں اس سے بھی خالی نہیں ہوں ۔ میں آپ کی یہ بات سن کر حیرت میں پڑ گیا کہ یہ عجیب کشف ہے کہ آپ نے میرے خطرے سے فوراً ہی میرے منہ پر مجھے آگاہ کر دیا ۔ اس قسم کی کرامتیں آپ میں بہت تھیں ۔

سماع :

کاتب حروف نے آپ کو مجلس سماع میں بہت دیکھا ہے ۔ آخر عمر میں ایک مرتبہ سماع سنا ۔ جس کے بعد وہ رحمت حق سے جا ملے ۔ یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ سلطان المشائخ کے روضۂ مبارک میں عرس تھا ۔ اس

مجلس میں مولانا شمس الدین ، شیخ نصیرالدین محمود اور شیخ قطب الدین منور[1] رحمۃ اللہ علیہم اور دوسرے عزیز حاضر تھے ۔ یہ اجتماع اور سماع ترشہ گنبد میں تھا ۔ یہ تمام بزرگ اس مجلس میں سماع سن رہے تھے اور مسافروں ، صدریوں اور قلندروں کی ایک جماعت بڑے کمرے میں ، جو روضۂ مبارک کی عمارت کے آخر میں ہے ، سماع سن رہے تھے اور وجد کر رہے تھے ۔ قوال اور درویش دف بجا رہے تھے اور شیخ سعدی کی یہ دلکش غزل نہایت سریلی آواز میں گا رہے تھے :

عمے کز تو دارم بہ پیش تو گویم
نوائے دلِ دردمند از کہ جویم
اگر کشتہ گردم بہ تیغِ جفایت
بہ پیش کسی ایں ماجرا را نگویم
طبیب تو باشی علاج از کہ خواہم
اسیر تو باشم خلاص از کہ جویم
ز "سعدی" چہ گویم ، چہ جویم چہ پویم
غمے کز تو دارم بہ پیش تو گویم

الغرض مولانا شمس الدین ؒ اس بڑے مجمع سے اٹھے ۔ بڑے گنبد سے باہر آئے اور قوالوں اور درویشوں کے پاس گئے ۔ جو سماع کی محفل کو گرم کیے ہوئے دف بجا رہے تھے ۔ آپ اُن کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے ۔ آپ کا ذوقِ سماع اُن درویشوں کی صحبت میں اور بڑھا ۔ آپ اپنے ہاتھ [۲۲۸] اپنے سینے پر بار بار مارتے تھے اور رقص کر رہے تھے ۔ یہاں تک کہ سماع کی مجلس اختتام کو پہنچی لیکن مولانا کو لذتِ سماع متاثر کیے ہوئے

۱۔ شیخ قطب الدین منور : بن شیخ برہان الدین بن شیخ جمال ہانسوی ، مرید و خلیفہ حضرت سلطان المشائخ : وفات : ۷۶۰ھ (۵۹ - ۱۳۵۸ء) مرقد ۔ شہر ہانسی ۔ گنبد اقطاب اربعہ ۔ (گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ، ص ۹۶ ۔ خزینۃ الاصفیا ، جلد اوّل ، ص ۳۵۹)

حواشی "تاریخ فیروز شاہی" میں بحوالہ تاریخ فیروز شاہی (سراج عفیف) ہے کہ آپ نے سلطان فیروز شاہ کو شراب ترک کرنے اور شکار کم کرنے کی ہدایت کی تھی ۔ (تاریخ فیروز شاہی ، برنی (اردو ترجمہ) ، ص ۶۷ ، حاشیہ نمبر ۱)

تھی ۔ وہ رقص میں والہانہ طور پر مشغول تھے ۔ جو مرید اور عزیز اس مجلس میں موجود تھے ، مولانا کی کیفیت دیکھ رہے تھے ۔ اس واقعہ کو بہت زمانہ نہیں گزرا تھا کہ مولانا رحمتِ حق سے جا ملے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

مولانا شمس الدین یحیٰی کی وفات :

مولانا کی وفات کا واقعہ یہ تھا کہ سلطان محمد (تغلق) ظلم و تعدی کو روا رکھے ہوئے تھا اور اپنی تلوار خون آشام کو بندگانِ خدا کے خون سے سیراب کرتا تھا ۔ اس نے ایک روز مولانا شمس الدین یحیٰیؒ کو طلب کیا اور چند دن تک اس بزرگ کو ایک پُر ہیبت سرائے میں رکھا ۔ پھر اپنے پاس بلایا ۔ جب آپ اُس کے پاس تشریف لے گئے، تو اس نے آپ سے کہا کہ تم دانش مند یہاں بیٹھے ہوئے کیا کر رہے ہو ، کشمیر جاؤ اور وہاں کے شہروں کے بُت خانوں میں بیٹھ کر خدا کی مخلوق کو اسلام کی دعوت دو ۔ اس فرمان کے بعد لوگوں کو متعین کیا گیا کہ آپ کو کشمیر روانہ کریں ۔ مولانا گھر آئے تاکہ کشمیر جانے کا سامانِ سفر تیار کریں ۔ جو عزیز اس موقع پر حاضر تھے ، آپ نے اپنا رخ ان کی طرف کر کے فرمایا کہ یہ کیا کہتے ہیں ۔ میں نے اپنے شیخ کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ مجھ کو طلب فرما رہے ہیں ۔ میں اپنے خواجہ کے پاس جاؤں گا ۔ وہ مجھے کہاں بھیج سکتے ہیں ۔ دوسرے روز مولانا کا مرضِ وفات شروع ہوا ۔ آپ کے سینۂ مبارک پر ایک دانہ غلطے کی صورت میں ظاہر ہوا ۔ مرض کی تکلیف زیادہ بڑھ گئی ۔ چنانچہ اس دانے کو شگاف دیا گیا ۔ سلطان محمد (تغلق) کو اس کی خبر ہوئی ۔ اُس نے حکم دیا کہ آپ کو طلب کیا جائے اور تحقیق کی جائے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ بیماری کا حیلہ کر رہا ہو ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔ مولانا کو اسی شدید بیماری میں سرائے لے جایا گیا ۔ جب تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ مولانا شدید بیمار ہیں تو اُن کو گھر واپس کر دیا گیا ۔ چند دن بیمار رہ کر مولانا رحمتِ ربّ العالمین سے جا ملے ۔[1]

مولانا نے اپنی زندگی میں روضۂ مبارک کے باہر پائینتی کی سمت روضۂ مبارک کے چبوترے کی دیوار کے نیچے اپنے لیے قبر تیار کرائی تھی

۱۔ سنہ وفات مولانا شمس الدین یحیٰی : ۷۴۷ھ (۴۷ - ۱۳۴۶ء) ۔
(خزینۃ الاصفیاء ، جلد اوّل ، ص ۳۴۹)

لیکن آپ کے دفن کے وقت کاتب حروف کے والد سید مبارک محمد کرمانی نے کہا کہ مولانا کو روضے کے اندر لے آؤ اور مولانا علاء الدین نیلی کے چبوترے کے قریب جو زمین پڑی ہے، وہاں دفن کرو کہ مولانا علاء الدین نیلی [۲۲۹] آپ کے دوست بھی تھے، ہم سبق بھی اور ہمراز بھی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور مولانا علاء الدین نیلی کے چبوترے کے متصل جانب ہی پاکیزہ اور نزہت افزا چبوترے پر دفن کیا گیا جہاں آپ تنہا محو استراحت ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

ترجمہ خلافت نامہ

جو سلطان المشائخ نے مولانا شمس الدین کو عنایت فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[۲۳۱] تمام شکر و احسان خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جس نے اپنے دوستوں کو جہان اور اہل جہان کی طرف مائل ہونے سے روکا، کیونکہ دنیا اس کی مبغوض ہے اور اُن کے دلی ارادے کو اس ذات واحد بخشنے والے کی طرف لگا رکھا ہے۔ ہر صبح و شام اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر دریائے محبوب کی شراب محبت کے ساغر کا دور ہوتا ہے، جو لازوال ہے۔ جب رات ہوتی ہے تو اُن کے دل شوق کی آگ سے روشن ہو جاتے ہیں اور بارش کی طرح اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ جاتا ہے۔ اپنے دوست سے راز بیان کرنے میں [۲۳۲] کامیاب ہوئے ہیں اور بڑے فکر سے سراپردۂ عزت کے گرد گھومتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اُنھیں ہر لمحہ تازہ عرفان نصیب ہوتا ہے اور اس کے انوار سے اطراف عالم روشن ہو جاتے ہیں۔ ایسے شخص کا کلام گویا کلام حق ہے اور وہ خلقت کو اللہ کی طرف بلاتا ہے تاکہ اُنھیں تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے جائے اور اللہ تعالیٰ غفورالرحیم کا مقرب بنا دے۔

پھر صلوٰۃ و سلام ہو صاحب شریعت کامل پر جو سیدھی راہ دکھانے والے اور اعلیٰ مقام پر پہنچانے والے ہیں اور جو عالم والوں کی رحمت کے لیے خلیفہ رب العالمین بننے کے لیے مخصوص کر دیے گئے ہیں۔ خلفائے راشدین رضؓ پر جو اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی آل پر جو صبح شام اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں۔

اماپعد ! خدائے واحد کی طرف خلقت کو بلانا اسلام کا سب سے اعلیٰ
، اور ایمان کا سب سے مضبوط کام ہے ۔ چنانچہ حدیث میں ہے مجھے اُس
ہ کی قسم ہے جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے ۔ اگر تم چاہو تو
، قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے وہی اللہ تعالیٰ
دوست ہیں ، جو اللہ تعالیٰ کی دوستی بندوں پر اور بندوں کی دوستی
تعالیٰ پر ظاہر کرتے ہیں یعنی عشق الٰہی کا طریقہ اور محبت سکھاتے
اور جو زمین پر امر بالمعروف کے لیے چلتے ہیں اور لوگوں کو
کرات سے منع کرتے ہیں اور اللہ نے جن لوگوں کی مدح کی ہے ، وہ لوگ
جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ! ہمیں بیویوں اور اولاد کا سکھ
یب کرنا اور پرہیزگاروں کا امام بنانا ۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس مطلب کے
، اپنے بندوں پر پیغمبر علیہ السلام کی پیروی واجب کر دی ۔ حدیث
، ہے کہ بہترین پیروی ان پیغمبروں کی ہے جن کی اُمت کے اعضائے
سولہ بوضو روشن ہوں گے اور وہ اپنی اُمت کو بہشت میں لے جائیں گے ۔
انچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے محمدؐ ! کہہ دیجیے کہ یہ میرا
ستہ ہے اور میرا دین ہے ۔ میں تمہیں اللہ کی طرف از روئے بصیرت بلاتا
ں ۔ میں اور میرے متبعین اور جنھوں نے میرے اقوال اور اعمال کی
اع کی ، سب اسی راستے پر ہیں ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم
پیروی اس بات کا نام ہے کہ آپ کے اقوال کو ملحوظ رکھ کر آپ کے
ال کی پیروی خالصتاً للہ کی جائے اور تمام سے قطع تعلق کر کے معبود
یقی کی طرف دھیان لگایا جائے ۔

پس ولد عزیز ، متقی ، عالم برگزیدہ ، رب العالمین کی طرف متوجہ ،
مس الملتہ والدین محمد بن یحییٰ ، اللہ تعالیٰ اپنے انوار کا فیض اُس کے
سیلے سے اہلِ یقین اور پرہیزگار لوگوں کو پہنچائے ۔ چونکہ شمس الدین
، یحییٰ صدقِ نیت سے ہمارا مرید ہوا ہے اور اس نے ہم سے خرقۂ خلافت
نا ہے اور اس نے ہماری صحبت سے کافی فائدہ اُٹھایا ہے ، اس لیے ہم
سے اپنی طرف سے اجازت دیتے ہیں ، بشرطیکہ وہ اتباع پیغمبر صلی اللہ
لیہ و آلہٖ وسلم میں بال برابر سستی نہ کرے اور اپنے تمام اوقات کو
اعتِ الٰہی میں صرف کرے ۔ دل کو خواہشاتِ نفس اور ہجومِ غم سے
فوظ رکھے اور دنیا اور اسبابِ دنیا سے احتراز کرے اور اس کے دل میں
المِ قدس کے اسرار روشن و ظاہر ہوں اور اُس کے لیے شناختِ حق کا

دروازہ کھلا رہے کہ وہ اپنے مریدوں کو خرقہ پہنائے اور راہِ حق کی طرف رہنمائی کرے ۔ جس طرح مجھے میرے شیخ سے نظرِ خاص سے ملاحظہ فرمانے کے بعد خرقہ و خلافت نامہ عطا ہوا ۔ میرے شیخ کی عظمت اور بزرگی کی خوشبوئیں چاروں طرف عالم میں پھیلی ہوئی ہیں ۔ ان کی کرامات کی روشنی سے عالم کا گوشہ گوشہ منوّر ہے ۔ ان کے افکار ، عالمِ قدس تک پہنچے ہیں ، میرے شیخ محبتِ الٰہی کو ظاہر کرنے والے ، زمانے کے قطب [۲۳۴] علامہ فریدالحق والشرع والدین طیب اللہ ثراہ ہیں اور آپ کا مقبرہ آپ کے لیے آرامگاہ ہے ۔ آپ نے خرقۂ خلافت ملک مشائخ ، سلطان الطریقت ، قتیل محبت قطب الملۃ والدین بختیار اوشی سے پہنا اور اُنھوں نے بدرالعارفین ، معین الملۃ والدین معین الدین حسن سجزی سے پہنا ۔ اُنھوں نے خلق کے لیے حق کی حجت عثمٰن ہارونی سے پہنا ، اُنھوں نے حاجی شریف زندنی سے پہنا ، اُنھوں نے خلقِ خدا پر ظلِ الٰہی مودود چشتی سے خرقۂ خلافت پہنا ، اُنھوں نے ملک مشائخ اہلِ تمکین ، ناصرالملۃ والدین ناصر الدین یوسف چشتی سے خرقۂ خلافت پہنا ، اُنھوں نے بندوں کے ملجا ابو محمد چشتی سے خرقۂ خلافت پہنا ، اُنھوں نے عمدۃ الابرار ، قدوۃ الاخیار ابی احمد چشتی سے خرقۂ خلافت پہنا ، اُنھوں نے سراج الاتقیا ابی اسحاق شامی چشتی سے خرقۂ خلافت پہنا ، اُنھوں نے شمس الفقرا خواجہ ممشاد علو دینوری سے خرقۂ خلافت پہنا ، اُنھوں نے اکرم اہلِ ایمان حضرت ابی ہبیرہ بصری سے ، اُنھوں نے تاج الصالحین برہان العاشقین حضرت حذیفہ مرعشی سے ، اُنھوں نے سلطان السالکین ، برہان الواصلین تارک الملکت والسلطنت حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی سے ، اُنھوں نے قطب الولایت ابی الفضل والفضائل والدرایۃ حضرت فضیل بن [۲۳۵] عیاض سے ، اُنھوں نے قطب العالم شیخ المعظم عبدالواحد بن زید سے ، اُنھوں نے رئیس التابعین ، امام العالمین حضرت حسن بصری سے ، اُنھوں نے امیرالمؤمنین امام المشارق والمغارب جن پر ہر طالبِ خرقہ کے یہ عالی مقامات منتہی ہوتے ہیں ۔ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ و قدس اللہ اسرارہم سے (باقی رکھے اللہ تعالٰی قیامت تک ان کے انوار کو) اُنھوں نے سیّد المرسلین خاتم النبین سے جن کے اتباع پر رب العالمین کی محبت منحصر ہے یعنی حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے خرقۂ خلافت پہنا ۔ اس شخص پر اللہ تعالٰی کی رحمتِ کاملہ نازل ہو جو

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نسبت رکھنا ہے ۔ اللہ کی رحمتیں نازل ہوں آل محمدؐ اور اصحابِ محمدؐ پر ۔ پس جو ہم تک نہیں پہنچ سکا ، اسے چاہیے کہ وہ شمس الدین یحیٰی تک پہنچے ۔ ہم نے اس کو اپنا خلیفہ اور قائم مقام مقرر کیا ہے ۔ وہ میرا ہاتھ ہے ۔ دینی اور دنیوی امور میں اس کے حکم کو بجا لانا دراصل میری تعظیم ہے ۔ حق تعالیٰ ایسے شخص کو معزز کرے اور حق تعالیٰ ایسے شخص کو ذلیل و خوار کرے کہ وہ اس شخص کی توہین کرتا ہے ، جس کے حقوق کا میں لحاظ رکھتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ ہی مدد کرنے والا ہے اور ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی خدائے تعالیٰ پر بھروسا کرکے یہ (خلافت نامہ) لکھا گیا ہے ۔ یہ سطریں سلطان المشائخ نظام الدین محمد کے اشارے سے خدائے تعالیٰ اُن کی عظمت و بزرگی کو ہمیشہ قائم رکھے اور حق تعالیٰ ان کو ہر آفات سے محفوظ رکھے اور اُن کی خوبیوں کو [۲۳۶][1] ہر برائی سے بچائے ، لکھی گئیں ۔

ان سطور کا کاتب فضل رحمٰن کا امیدوار حسین بن محمد بن محمود متوطن کرمان نے اس خلافت نامے کی کتابت بتاریخ ۲۰ ماہ ذی الحجہ ۷۲۴ھ (۱۳۲۴ء) میں کی ہے ۔

منہم

شیخ مشائخ طریقت بادشاہ عالم حقیقت ، ظاہر و باطن با صفا ، کان محبت و وفا ، جو علم و عقل و عشق ، زہد و ورع ، مکارم اخلاق و ایثار اور بندگانِ خدا کی جفا برداشت کرنے اور اس کی مکافات میں ان کی دل جوئی درہم و دینار سے کرنے ، اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے اور اپنی ذات اور برگزیدہ اوصاف سے عالم میں اکابر علماء و مشائخ روزگار اور لوگوں میں چھوٹے بڑے سب اُن کے مطیع و معتقد تھے یعنی شیخ نصیرالملۃ والدین محمود طیّب اللہ مضجعہ

اس عالمِ حقیقت کے بادشاہ کا تذکرہ چار نکتوں پر مشتمل ہے

۱۔ متن میں صفحہ ۲۲۲ سے ۲۳۶ تک اصل خلافت نامہ اور اس کا ترجمہ فارسی میں ہے ۔ ہم نے خلافت نامے کا ترجمہ خلاصتاً کر دیا ہے ۔

نکتہٴ اوّل

شیخ نصیرالدین محمود پر سلطان المشائخ کی مرحمت و شفقت و پرورش کے بارے میں

کاتب حروف شیخ نصیرالدین محمود کے بارے میں عرض پرداز ہے کہ شیخ نصیرالدین محمود ابتدا ہی سے سلطان المشائخ کی نظرِ خاص سے سرفراز تھے۔ آپ نے دینی اور دنیوی نعمتیں سلطان المشائخ سے حاصل کی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ خواجہ محمد گازرونی، شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز کے مرید سلطان المشائخ کی خدمت میں آئے ہوئے تھے۔ ایک رات وہ سلطان المشائخ کے جماعت خانے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب وہ تہجد کے وقت تجدید وضو کے لیے گئے تو اپنا جُبّہ جماعت خانے میں چھوڑ گئے۔ جب خواجہ محمد گازرونی وضو کر کے لوٹے تو انھوں نے اپنا جُبّہ وہاں نہ پایا۔ کوئی شخص اس جُبّے کو لے جا چکا تھا۔ انھوں نے خواجہ محمود بیاشانی سے، جو جماعت خانے کے خادم اور ایک پاک، صفت درویش اور پیر تھے دریافت کیا۔ ابھی وہ پوچھ گچھ کر ہی رہے تھے کہ اس موقع پر شیخ نصیرالدین محمود خانقاہ کے ایک گوشے میں مشغولِ عبادت تھے۔ جب آپ نے ان دونوں کی بات چیت سنی، تو آپ نے اپنا جُبّہ خواجہ محمد گازرونی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ کسی نے یہ بات سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچائی۔ سلطان المشائخ نے شیخ نصیرالدین محمود کو طلب فرمایا اور آپ نے اُن کے اس پسندیدہ عمل پر نہایت مہربانی فرمائی اور اپنا خاص جُبہ اُن کو دیا اور اُن کے حق میں بہت دعائیں فرمائیں۔

کاتبِ حروف نے اپنے چچا سید السادات سید حسین سے سنا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ آج شہر دہلی میں سلطان المشائخ کا با عظمت مقام [۲۳۲] شیخ نصیرالدین محمود رکھتے ہیں۔ یہی وہ بزرگ ہیں جو ظاہراً و باطناً حتی الامکان سلطان المشائخ کی روش سے ذرہ برابر تجاوز نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے سلطان المشائخ کے تمام خلفاء میں انھوں نے سب سے زیادہ باطنی استفادہ کیا اور مرتبہٴ کمال کو پہنچے۔ یہ ضعیف کہتا ہے:

میانِ جملہٴ اصحاب ہمچو ماہے بود
چہ نسبت است بہ مہ بلکہ بادشاہے بود

اُن کی ذاتِ گرامی عجیب تھی کہ تمام اوصافِ حمیدہ سے آپ کے اعلیٰ مریدوں میں موصوف اور مشہور تھے - یہ ضعیف کہتا ہے کہ :

قطعہ

میانِ اہلِ ارادت نظیر بیر آمد
زہے روش کہ در ابں راہ بے نظیر آمد
ضمیرِ روشنِ او ہرچہ کرد در عالم
بنزدِ اہلِ صفا جملہ حق پذیر آمد

شیخ نصیر الدین محمود کا امیر خسرو کے ذریعہ سے سلطان المشائخ کی خدمت میں ایک پیغام

کاتبِ حروف نے اپنے چچا سیّد السادات سیّد حسنی سے یہ بھی سنا تھا کہ ایک روز شیخ نصیرالدین محمود نے امیر خسرو سے ، جو سلطان المشائخ کے اعلیٰ مریدوں میں تھے ، کہا کہ آپ کو سلطان المشائخ کا تقرب خاص اور اجازت حاصل ہے - آپ جب بھی چاہتے ہیں سلطان المشائخ کی خدمت میں بے دھڑک چلے جاتے ہیں - امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے :

زہے سعادت و اقبال چشم آنکس را
کہ در جمالِ تو دستوری نظر یابد

اگر موقع ہو تو مجھ غریب کی طرف سے سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کیجیے - ہمام نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

اے صبا ! بندہ نوازی کن و از حال ہمام
وقتِ فرصت ہمہ در بندگیِ یار بگو

کہ یہ بندہ اودھ میں رہتا ہے اور خلق کے انبوہ کثیر کی وجہ سے حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول نہیں رہ سکتا - اگر سلطان المشائخ کا حکم ہو تو میں پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر خدائے تعالیٰ کی عبادت مطمئن ہو کر اور دل بھر کر کروں - امیر خسرو نے فرمایا ، اچھا میں سلطان المشائخ تک تمہاری گزارش پہنچاؤں گا - امیر خسرو کا معمول تھا کہ اپنی باری پر جب وہ جماعت خانے میں ہوتے تو نماز عشا کے آرام کرنے کے وقت تک سلطان المشائخ کی خدمت میں جاتے ، بیٹھتے اور ہر قسم کی حکایات

بیان کرنے جیسا کہ سلطان المشائخ کے تذکرے میں تحریر کیا گیا ہے۔
الغرض ایک ایسے ہی موقع پر امیر خسرو نے شیخ نصیرالدین محمود کی
گزارش سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچائی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا،
اُن سے کہو کہ تمھیں لوگوں کے درمیان ہی رہنا چاہیے اور لوگوں کی
جفا اور ناگوار باتیں برداشت کرنی چاہییں۔ اُن کی تلافی، فیاضی، ایثار
اور داد و دہش سے کرنی چاہیے۔

کاتب حروف عرض کرتا ہے [۲۳۸] کہ تمام کے تمام اس پر متفق
ہیں کہ سلطان المشائخ کمالِ عقل و حکمت و کرامت سے متصف تھے۔
ہر آدمی کو اس کام پر لگاتے، جس کو آپ اس کام کا اہل دیکھتے۔ مثلاً
ایک مرید سے فرمایا کہ اپنے ہونٹوں کو اور دروازے کو بند کرو۔
دوسرے مرید سے فرمایا کہ کثرت سے مرید کرنے کی کوشش کرو۔ تیسرے
مرید سے فرمایا کہ تمھیں لوگوں میں رہنا چاہیے اور ان کی جفا و قفا کو
برداشت کرنا چاہیے اور اُن کے ساتھ حسنِ معاملے سے پیش آنا چاہیے۔
یہ مقام انبیاء اور اولیاء کا ہے اور یہ کام اُن کا ہے جو اس کام کے لائق
ہیں۔ یہ کام میرا اور تمھارا نہیں، کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

تو نئی مردِ عشق بازیِ ما
برو اے خواجہ کار دیگر کن

نکتۂ دوم

اُن مجاہدوں کے بارے میں جو سلطان المشائخ نے شیخ نصیرالدین محمود کو تلقین کیے اور اور شیخ نصیرالدین محمود قدس اللہ سرہما العزیز کے مجاہدوں کے بارے میں

شیخ نصیرالدین محمودؒ فرماتے تھے کہ میں ابتدائی زمانے میں جب
سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کا مرید ہوا، دوپہر کے وقت بڑ کے
درخت کے نیچے، جو سلطان المشائخ کے گھر میں تھا، کھڑا ہوا تھا۔
اسی عالم میں سلطان المشائخ جماعت خانے کے بالا خانے سے نیچے تشریف
لائے تاکہ اس قدیم حجرے میں، جو صفۂ ستون کے اندر ہے، قیلولہ
فرمائیں۔ جب آپ نے مجھے کھڑے ہوئے دیکھا تو حجرے میں تشریف

نہیں لے گئے بلکہ دہلیز پر بیٹھ گئے اور خواجہ نصیر خادم کو مجھے بلانے کے لیے بھیجا۔ جب میں نے قدم بوسی کی سعادت حاصل کی تو مجھ سے ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ جب میں بیٹھ گیا تو فرمایا کہ بتاؤ تمھارا کیا ارادہ ہے اور اس کام سے تمھارا مقصد کیا ہے اور تمھارے والد کیا کام کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا مقصد اس کام سے مخدوم عالمیاں کی مزید حیات کے لیے دعا کرنا ہے۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے:

بشنو نفسے دعائے سعدی
گرچہ ہمہ عالمے دعا گوست

اور میرا مقصد اس کام سے یہ بھی ہے کہ درویشوں کی جوتیاں سیدھی کی جائیں اور سر آنکھوں سے اُن کی خدمت بجا لائی جائے۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

عہدے کردم کہ خدمت کس نکنم
در ہر دو جہاں مگر خدا را و ترا

میرے والد کے پاس غلام تھے، جو پشمینے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ یہ سن کر سلطان المشائخ نے شفقت فرمائی اور فرمایا، غور سے سنو [۲۳۹]۔ جب میں خواجہ شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز کا مرید ہوا تو اس کے چند دن بعد اجودھن میں ایک دانش مند آیا جو میرا ہم سبق اور دوست بھی تھا۔ مجھے میلے اور پھٹے ہوئے کپڑوں میں دیکھ کر کہنے لگا کہ مولانا نظام الدین! تمھیں کیا مصیبت پیش آئی کہ تم نے اپنا یہ حال بنایا ہے، اگر اب تک تم شہر میں تعلیم دیتے تو مجتہدِ زمانہ ہو جاتے اور سامان اور وسائل معیشت بھی اچھے ہو جاتے۔ میں نے اپنے دوست کی یہ بات سن کر اُسے کوئی جواب نہیں دیا اور معذرت کرکے خاموش ہو گیا اور اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ العالم نے مجھ سے فرمایا کہ نظام! اگر تمھارے دوستوں میں سے کوئی تمھارے پاس آئے اور تم سے کہے کہ تمھیں کون سی مصیبت پیش آئی کہ تم نے تعلیم و تعلّم کو چھوڑ کر، جو تمھارے لیے موجبِ فراغت و رفاہیت تھا، اس کام میں مشغول ہوئے ہو تو تم کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض

کہا ، جو آپ فرمائیں گے وہی جواب دوں گا ۔ فرمایا ، تو اس سے کہو :

نہ بصری تو مرا راہِ خویش گیر برو
ترا سعادت بادا مرا نگونساری

پھر شیخ شیوخ العالم نے فرمایا ، باورچی خانے میں جاؤ اور وہاں کے منتظمین سے کہو کہ ایک خوان مختلف نعمتوں اور پُرتکلف کھانوں سے سجا کر لائیں ۔ جب وہ خوان لایا گیا ، تو شیخ شیوخ العالم نے فرمایا ، نظام ! اس خوان کو سر پر رکھ کر اس جگہ لے جاؤ ، جہاں تمہارا دوست ٹھہرا ہوا ہے ۔ میں نے اپنے شیخ کے حکم کے مطابق اس خوان کو سر پر رکھا اور اس سرائے میں لے کر گیا ، جہاں میرا دوست ٹھہرا ہوا تھا ۔ جیسے ہی اس دوست کی نظر مجھ پر پڑی ، وہ روتا ہوا میری طرف دوڑا اور خوان کو میرے سر سے اُتارا اور پوچھنے لگا کہ یہ کیا حال ہے ؟ میں نے اپنے شیخ کی ملاقات کا واقعہ اور آپ کے نورِ باطن سے اس گفتگو کے منکشف ہونے کا واقعہ ، جو میرے اور اس دوست کے درمیان ہوئی تھی ، بیان کیا ۔ پھر میں نے اس دوست سے یہ تمام باتیں بیان کرنے کے بعد کہا کہ میرے شیخ نے تمہارا جواب اس شعر میں دیا ہے ۔ اس دوست نے میری تمام باتیں سن کر کہا ، الحمد للہ ! کہ تم ایسا بزرگ ترین شیخ رکھتے ہو کہ جس نے تمہارے نفس کی تربیت ریاضتوں سے اس حد تک کی ہے ۔ اب مجھے بھی اپنے شیخ کی خدمت میں لے چلو تاکہ ایسے عظیم المرتبت بزرگ کی قدم بوسی کا شرف میں بھی حاصل کروں ۔ جب کھانا کھا چکے تو اس دانش مند نے اپنے خادم سے کہا کہ اس خوان کو سر پر اُٹھاؤ اور ہمارے سا تھ آؤ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲ ۔ ۔ سلطان المشائخ نے کہا ، نہیں ۔ اس خوان کو میں اسی طرح سر پر لے جاؤں گا ، جس طرح لایا ہوں ۔ وہ دانش مند سلطان المشائخ کے ساتھ شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں آیا اور سرِ رعونت کو اس بادشاہِ اہلِ محبت کے آستانے کی خاک پر رکھا ۔ آپ کے مکاشفے اور مکالمے سے متاثر ہو کر آپ کا مرید ہو گیا ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

از دیدہ و دل بندۂ شکلِ تو شدم
یا رب ! چہ خوش است این طریقِ خوشِ تو

شیخ نصیرالدین محمود فرماتے تھے کہ جب سلطان المشائخ بھی اللہ

فوائد سے مشرف فرما رہے تھے اور جاہلوں کی تلقین کر رہے تھے اور ترک آمیز اور عشق انگیز اشعار پڑھ کر زار زار رو رہے تھے - (وہ وقت بھی کتنا اچھا تھا) :

بیت

چشمم از خون دل روان کردہ
جوئے خون ہمچو آب بر در تو

اسی اثنا میں کاتب حروف کے چچا سیّد السادات سیّد حسین جن کے اوصاف حدِ بیان سے باہر ہیں ، جیسا کہ آپ کے تذکرے میں تحریر کیا جا چکا ہے ، عین عالم جوانی اور کامرانی میں دستار سر پر باندھے ہوئے اور رومال کاندھے پر ڈالے ہوئے جوانوں کی طرح خراماں خراماں دروازے پر آئے - چاہتے تھے کہ دہلیز سے گزر کر سلطان المشائخ کے گھر میں جائیں - سلطان المشائخ نے فرمایا ، سیّد ! بیٹھ جاؤ اور سعادت حاصل کرو - آپ بیٹھ گئے اور اس مجلس کے ذوق و سعادت میں شیخ نصیرالدین محمود کے ساتھ شریک ہو گئے -

یہ کاتب حروف عرض پرداز ہے کہ اس واقعہ کی تصدیق اس سے بھی ہو سکتی ہے کہ جب وہ سیّد باصفا فالج کی بیماری میں مبتلا ہوئے ، تو مجھے میرے بھائیوں کے ساتھ شیخ نصیرالدین محمود کی خدمت میں بھیجا اور فرمایا کہ شیخ محمود سے کہو کہ آپ کو وہ دن یاد ہے جب سلطان المشائخ دہلیز میں بیٹھے ہوئے فائدے کی باتیں فرما رہے تھے اور اشعار پڑھ رہے تھے - آپ اس مجلس میں حاضر تھے - میں مجلس سے گزر کر اندر جانا چاہتا تھا کہ سلطان المشائخ نے مجھے طلب کیا اور فرمایا سید ! بیٹھ جاؤ اور سعادتیں لے جاؤ - جب یہ پیغام شیخ محمود کو پہنچایا گیا تو فرمایا ، ہاں مجھے یاد ہے [۲۴۱] - جب میں اس مجلس سے اٹھا تو میں نے سیّد السادات سے کہا کہ اس مجلس میں سلطان المشائخ نے جو اشعار پڑھے ہیں کچھ آپ کو یاد ہیں ؟ سیّد السادات کو جو اشعار یاد تھے ، وہ انھوں نے پڑھے - باقی میں نے یاد دلائے -

اب پھر ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں - شیخ نصیرالدین محمود فرماتے تھے کہ ابتدائی زمانے میں ایک دفعہ میرا نفس مزاحمت کرنے لگا جس سے میں پریشان ہوا - میں نے اس کے دفعیے کے لیے لیموں کا پانی اس

قصد تھا کہ ہلاکت کے قریب ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ نفس کے مزاحم ہونے سے بہتر مر جانا ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے مجاہدے کی انتہا پر پہنچنے کے لیے دس روز تک کچھ نہ کھایا۔ یہ خبر سلطان المشائخ تک پہنچی۔ سلطان المشائخ نے مجھے طلب کیا اور اقبال خادم سے فرمایا کہ ایک روٹی لاؤ۔ وہاں ایک روٹی بہت سے حلوے کے ساتھ لے کر آئے۔ سلطان المشائخ نے مجھ سے فرمایا کہ یہ پوری روٹی کھاؤ۔ میں حیران ہوا کہ اتنے فاقوں کے بعد پوری روٹی کس طرح کھاؤں کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ اسے چند روز میرے لیے چاہییں کہ میں یہ پوری روٹی کھا سکوں گا۔

کاتب حروف عرض پرداز ہے کہ اس کے علاوہ اس بزرگ کی ظاہری و باطنی مشغولی اور مجاہدے اس قدر ہیں کہ قلم اُن کی تحریر سے عاجز ہے۔ جن لوگوں نے آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی ہے۔ آپ کی پیشانی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ واقعی آپ صورتِ تقویٰ تھے اور وہ یہ بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ آخر عمر میں آپ اس درجۂ کمال کو پہنچے تھے کہ آپ کی ذات مبارک محض روح ہی ہو کر رہ گئی تھی۔ جو خوشبو سلطان المشائخ کی مجلس سے آیا کرتی تھی، وہی خوشبو آپ کی مجلس سے کاتبِ حروف کے مسامِ جاں تک پہنچی ہے اور تیس سال کے بعد اس پژمردہ جاں کو اپنی خوشبو سے سر و تازہ کیا ہے۔ جن اہلِ دل حضرات نے سلطان المشائخؒ کی مجلسوں کو دیکھا ہے اور ان کے بعد اس بزرگ کی مجلسوں کو دیکھا ہے۔ وہ میری اس بات کی حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھیں گے۔
یہ ضعیف کہتا ہے:

بیت

مرا از مجلسِ تو بوئے یار می آید
خوشم ز بوئے توکز سوئے یار می آید
ہزار پیرہنِ دل چو گل شود پارہ
ازیں نسیم کہ از کوئے یار می آید

جب میں نے یہ کرامت [۲۰۲] شیخ نصیرالدین محمودؒ کی مجلس کی مشاہدہ کی، تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ ان بزرگ کا کام کمال تک پہنچ چکا ہے۔ عجب نہیں کہ یہ ذاتِ پاک دنیا سے گزر جائے۔ اس

حال کے مناسب سلطان المشائخ نے ایک رباعی پڑھی تھی :

ہیچ منزلے روئے شہر افروز
چوں نمودی برو سپند بسوز
آں جمال تو چیست مستور تو
واں سپند تو چیست ہستی تو

ان اشعار کی مفصل شرح نکتۂ ستر کرامت میں تحریر کی گئی ہے ۔ الغرض کچھ عرصے کے بعد شیخ نصیرالدین محمود نے وصال فرمایا اور جوار رحمت حق میں جا پہنچے اور صدق کے ٹھکانے میں مقیم ہو گئے ۔

وفات :

آپ کی وفات کی تاریخ مورخین نے ۱۸ رمضان مبارک ۷۵۷ھ (۱۳۵۶ء) لکھی ہے یعنی حضرت سلطان المشائخ کی وفات کے بتیس سال بعد ۔

نکتۂ سوم

ان نصائح کے بارے میں جو شیخ نصیرالدین محمودؒ نے نفس کو مغلوب کرنے کے بارے میں کاتب حروف کو فرمائیں

نفس بمنزل ایک درخت کے ہے :

کاتب حروف ایک دن اس بادشاہ دین (شیخ نصیرالدین محمودؒ) کی خدمت میں بیٹھا ہوا اس سرور مشائخ روزگار کے جمال و کمال کو دیکھ کر مسرور ہو رہا تھا ۔ اس موقع پر میری تربیت کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو! آدمی کا نفس بمنزل ایک درخت کے ہے ، جو خواہشات نفسانی کی مدد سے آدمی کی ذات میں جڑ پکڑتا ہے اور مضبوط ہوتا ہے ۔ اگر آدمی اُسے بتدریج اور عزم و حوصلے سے عبادت تقویٰ و قوت محبت و عشق کے زور سے ہر روز اس درخت کو ہلائے تو البتہ اُس کی جڑ کمزور ہو جائے گی اور یہ درخت اُکھڑنے کے قابل ہو جائے گا اور حق تعالیٰ کی بندگی اور پیر کی محبت کی وجہ سے یہ درخت اُکھڑ جائے گا ۔ آپ کی اس تقریر دل پذیر نے میرے دل پر بڑا گہرا اثر کیا اور آپ کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی ۔ واقعی مشائخ کبار جو نصیحت کرتے ہیں حق کرتے ہیں ، کیونکہ اُنھوں نے نفس اور شیطان کو حقیر کیا ہوا ہوتا ہے اور اپنے اندرون سے اُنہ

دشمنوں کو بالکل نیست و نابود کر کے حق سے وابستہ اور خلق سے قطع تعلق کیے ہوئے ہیں۔ جب شیخ واصل معظم اس مقام سے، جب یہ منظور نظر حق تعالیٰ ہوتا ہے، نصیحت کرتا ہے، تو وہ نصیحت دل میں جاگزیں ہوتی ہے:

ع - سخن کز جان برون آید نشیند لاجرم در دل

نکتۂ چہارم

شیخ نصیرالدین محمود قدس اللہ سرہ العزیز کی بعض کرامات کے بارے میں

کاتب حروف عرض پرداز ہے کہ ایک دفعہ میں اپنے بھائیوں سیدالسادات عمادالدین امیر صاحبؒ اور سیّد حسن مبارک کے ساتھ شیخ نصیرالدین محمود کی خدمت میں جا رہا تھا۔ سرما کا زمانہ تھا۔ راستے میں میرے ایک بھائی نے کہا کہ اگر شیخ محمود صاحب کرامت ہیں تو ہمارے سامنے شیرینی پیش کریں گے۔ جب ہم آپ کی خدمت میں پہنچے اور اس بادشاہ دین کی قدم بوسی سے مشرف ہوئے، تو آپ نے اپنے خادم سے فرمایا شربت لاؤ۔ جب شربت کے پیالے ہم سب کو دیے جا چکے تو ہمارے دل میں خیال گزرا کہ یہ تو پینے کی چیز ہے اور ہم نے کھانے کی چیز کے لیے کہا تھا۔ ابھی ہم یہ بات سوچ ہی رہے تھے کہ آپ نے خادم سے فرمایا کہ کوئی دوسری مٹھائی لاؤ۔ ہم نے عرض کیا کہ ابھی تو ہم نے شربت پیا ہے۔ فوراً ہی آپ نے ارشاد فرمایا، وہ پینے کی چیز تھا اور یہ کھانے کی چیز ہے۔

کاتب حروف نے خواجہ عزیزالملۃ والدین سے سنا تھا، جو سلطان المشائخ کے رشتے داروں میں تھے کہ میں ایک دن شیخ نصیرالدین محمود کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے خادم سے قلم دوات اور کاغذ کا ٹکڑا منگوایا۔ جب خادم یہ چیزیں لے کر آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ نے قلم کو سیاہی میں ڈبویا اور کاغذ کے ٹکڑے پر کچھ لکھا۔ پھر مجھے دیا اور فرمایا کہ جب تم سلطان المشائخ کے روضۂ مبارک میں جاؤ تو اس کاغذ کو روضۂ مبارک میں رکھ دینا۔ جب آپ نے یہ کاغذ میرے ہاتھ میں دیا تو میں نے یہ ارادہ کیا کہ اس کاغذ کو پڑھوں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ پہلے اسے روضۂ مبارک میں رکھوں گا،

پھر پڑھوں گا ۔ جب میں نے اسے سلطان المشائخ کے روضے کے سامنے رکھا اور چاہا کہ اسے پڑھوں تو کاغذ کو بالکل کورا پایا ۔ میں سخت حیران ہوا ۔

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ جب کوئی خدا کا دوست چاہتا ہے کہ وہ اپنے حالات کو ، جو اسرار الٰہی ہوتے ہیں ، اپنے دوسرے دوست کی خدمت میں پیش کرے ، تو وہ دوست یہ بھی نہیں چاہتا کہ ان اسرار الٰہی سے کوئی واقف ہو کر افشائے راز کرے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

رباعی

گر سر برد و بسترِ تو از جاں نرود
اندوہِ غمِ عشقِ تو آساں نرود
ہرگز دلِ پُر درد نیابد درماں
تا قصۂ حالِ او بسلطاں نرود

کاتبِ حروف نے خواجہ خیرالدین کافور سے ، جو خوش اعتقاد مرید ہیں اور درویشوں سے نہایت محبت رکھتے ہیں ، سنا کہ فرماتے تھے جب سے میں نے عزیزوں کی خدمت کے لیے کمر باندھی ہے اور میں نے سوچا ہے کہ اس کام میں چست ہو کر پٹکا کمر سے باندھوں ، جیسا کہ میرے مخدوم نے اشارہ کیا ہے ۔ جب میں اس ارادے سے شیخ نصیرالدین محمود کی خدمت [۲۴۴] میں گیا اور قدم بوسی کے بعد بیٹھ گیا تو وہی رومال کا خیال میرے دل میں آیا ۔ اس درمیان میں شیخ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ وہ رومال ، جو زین الدین[1] میرے لیے لائے ہیں ، لے کر آؤ ۔ خادم وہ

۱- زین الدین : شیخ نصیرالدین محمود کے بھانجے تھے ۔ "خیرالمجالس" کے ضمیمے میں ہے کہ حضرت شیخ نصیرالدین محمود (چراغ دہلی) کی دو بہنیں تھیں ۔ بو ابدی اور بی بی لہری ۔ بو ابدی کے بیٹے زین الدین علی اور بی بی لہری کے بیٹے کمال الدین تھے ۔ ("سیرالعارفین" (اُردو ترجمہ) ، ص ۱۲۷ ، حاشیہ نمبر ۴)

صاحبِ "سیر العارفین" نے صرف ایک بہن کا تذکرہ کیا ہے ، جو حضرت چراغ دہلی سے بڑی تھیں ، جن کی زیارت کے لیے آپ اودھ جایا کرتے تھے اور اُسی بہن کے دو بیٹے مولانا زین الدین علی اور مولانا کمال الدین حامد بتائے ہیں ۔ ("سیرالعارفین" (اُردو ترجمہ) ، ص ۱۲۷) ، شایع کردہ مرکزی اُردو بورڈ ، لاہور ۔

رومال لے کر آیا ۔ میں نے دیکھا کہ اس پر کشیدہ کاری کیا ہوا ہے ۔ آپ نے
وہ رومال مجھے دیا ۔ اس روز سے آج تک میں کشیدہ کاری کیا ہوا رومال
ہاتھ پر لیتا ہوں ۔

یہ بھی خواجہ کافور بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواجہ قوام الدین سے
سنا جو آپ کے مرید صادق ہیں ۔ کہنے لگے کہ ایک دفعہ میں بڑی مشکل میں
پھنس گیا ۔ میں مطالبے اور جرمانے کی وجہ سے موقوف ہوگیا ۔ اس مصیبت
کے وقت جب میں اُن عزیزوں کی طرف رخ کرتا یا ان سے بات چیت کرتا
جن سے میری بڑی محبت تھی تو وہ بھی مجھ سے منہ پھیر لیتے ۔ اگر میں
بازار میں سامان بیچتا تو کوئی نہ خریدتا ۔ میں سخت پریشان و مضطرب
ہو کر اپنی اس پریشانی کی حالت میں اپنے مخدوم شیخ نصیرالدین محمودؒ کی
خدمت میں اس لیے سے حاضر ہوا کہ قدم بوسی کے بعد اپنی پریشان حالی
کے متعلق عرض کروں گا اور فراخی اور اس مصیبت سے نجات کے لیے دعا کا
طالب ہوں گا ۔ جب میں نے آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی تو اس
سے قبل کہ میں اپنا حال بیان کرتا شیخ نے خود ہی اپنی مہربانی سے
میرا حال پوچھنا شروع کیا ۔ اسی اثنا میں یہ اشعار پڑھے :

قطعہ

دنیا چو مقدر است خروشی بہ
رزق تو رسد بوقت کم کوشی بہ
چیزے کہ نمی خرند نفروشی بہ
گفتِ تو نمی کنند خاموشی بہ

الغرض آپ نے اپنے نورِ باطن سے میرا خیال مجھ پر منکشف کیا ۔
میں نے سر زمین پر رکھ کر کہا کہ میرے دل میں وہی باتیں تھیں ، جن
سے مخدوم نے اپنے نورِ باطن سے مجھے مطلع کیا اور آپ نے اپنی اس کرامت
سے ڈھارس اور تقویت عطا فرمائی ۔

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ جب میرا لڑکا سید محمد محمود شکمِ مادر
میں تھا ۔ حق تعالیٰ اُس کو نیک نیتی کے ساتھ پرورش کرنے کی توفیق عطا
فرمائے ، حمل کے زمانے میں اُس کی ماں نے نیت کی تھی کہ اگر میرے
ہاں لڑکا پیدا ہو تو اُس کا نام شیخ نصیرالدین محمود سے رکھواؤں گی اور
آپ کے پہنے ہوئے کپڑوں سے اس بچے کا پیراہن بنا کر اسے پہناؤں گی اور

اُن کے سامنے اُن کے قدموں پر ڈالوں گی ، تاکہ اللہ تعالیٰ اسے ہیک بخت بنائے ۔ جب سیّد محمود پیدا ہوا ، تو میں حضرت شیخ [۵۰۰۲] نصیرالدین محمود کی خدمت میں گیا ۔ شیخ اس وقت قیلولہ فرما رہے تھے ۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ کو میری آمد کی اطلاع دی گئی ، آپ نے مجھے گھر میں طلب فرمایا اور حسبِ سابق میری تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور مجھے اندر لاتے وقت پوچھا کہ تمھارے کتنے فرزند ہیں ؟ میں یہ سوال سن کر حیران رہ گیا اور آپ کی قدم بوسی کے بعد بیٹھ گیا ۔ بیٹھنے کے بعد پھر آپ نے پوچھا کہ تمھارے کتنے فرزند ہیں ؟ میں نے عرض کیا کہ آج میں اسی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ۔ پھر میں نے آپ سے سارا ماجرا بیان کیا اور عرض کیا کہ میرے فرزند چھوٹی عمر میں وفات پا جایا کرتے تھے ۔ والدۂ سیّد محمود کی نذر کا واقعہ بیان کیا ۔ آپ دلچسپی سے سنتے رہے ۔ پھر فرمایا ، تم تھوڑی دیر بیٹھو تاکہ میں زوال کے بعد کی نماز پڑھ لوں ۔ میں باہر آ کر بیٹھ گیا ۔ آپ نے مجھ پر کرم فرماتے ہوئے پان بھجوائے ۔ پھر آپ نے مجھے گھر میں طلب کیا ۔ میں نے دیکھا کہ آپ مصلّی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرا مصلّی آپ کے زانوئے مبارک کے قریب رکھا ہوا ہے اور چند گز کپڑا چھمرتلی (ایک قسم کا کپڑا) زانو پر رکھے ہوئے ہیں ۔ مجھے مصلّی اپنے دستِ مبارک سے عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ تمھارے کام آئے گا ۔ اسی طرح چھمرتلی کپڑا اپنے ہاتھ سے عنایت کر کے ارشاد فرمایا کہ اس سے اپنے سب سے چھوٹے بچے کی باراتی بنانا ۔ اس موقع پر شیخ کے خادم نے عرض کیا کہ یہ کپڑا آپ کی دستار مبارک سے لیا گیا ہے ۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ بچے کا نام تجویز فرمائیے ۔ میری اس بات پر آپ کچھ سوچنے لگے اور مجھ سے پوچھا ، تمھارا نام کیا ہے ؟ میں نے عرض کیا ، مجھے محمد کہتے ہیں ۔ پھر پوچھا تمھارے چھوٹے بھائیوں کے کیا نام ہیں ؟ میں نے عرض کیا ، سیّد لقمان اور سیّد داؤد ۔ پھر آپ کچھ سوچنے لگے ۔ دوسری مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اس کا نام محمود رکھو ۔ میرے دل میں اسی وقت یہ خیال گزرا کہ یہ نام آپ نے الہامِ ربّانی کی بنا پر تجویز کیا ہے ۔ خواجہ نظامی نے کیا اچھا کہا ہے :

ہر کہ ز دل دامنِ پیراں گرفت
گنجِ بقا زیں رہِ پیراں گرفت

سلطان محمد تغلق کی حضرت نصیرالدین محمود کو ایذا رسانی :

کاتب حروف قارئین کے لیے عرض پرداز ہے کہ سلطان محمد تغلق کے زمانے میں، جب ہندوستان کی سلطنت وسیع ہوگئی تو اس نے شیخ نصیرالدین محمود کو، جو تمام عالم کے متفقہ شیخ عصر تھے اور تمام لوگ ان کے مرید و معتقد تھے، تکلیفیں دینا شروع کیں اور ان بزرگ نے اپنے پیروں کی اتباع کرتے ہوئے ان تکالیف کو برداشت کیا، تاہم، اور کبھی اس سے بدلہ لینے کی کوشش نہ کی۔ یہاں تک کہ آخر عمر میں یہ بادشاہ طغی کی مہم میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے ٹھٹھہ گیا، جو شہر دہلی سے ایک ہزار کوس کے فاصلے پر ہے۔ اس نے وہاں سے شیخ نصیرالدین محمود کو دوسرے علماء اور بزرگوں کے ساتھ اپنے حضور میں طلب کیا اور ان کا احترام، جیسا کہ اسے کرنا چاہیے تھا، کماحقہٗ بجا نہ لایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ مذکور کو تخت سلطنت سے تختۂ تابوت پر ڈال کر شہر میں لایا گیا۔[1] الغرض سلطان نصیرالدین محمود سے پوچھا گیا کہ یہ بادشاہ آپ کو کیوں تکلیفیں دیا کرتا تھا، تو فرمایا، میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک معاملہ تھا۔ اس معاملے کی بنا پر اسے دنیا سے اٹھا لیا گیا۔

۱۔ **سلطان محمد تغلق :** پہلے گونڈل میں بیمار ہوا تھا اور اسے بخار آیا۔ اس لیے وہ گونڈل ہی میں کچھ دن ٹھہرا رہا۔ یہیں اس نے خداوند زادہ، مخدوم زادہ بعض مشائخ و علماء، اکابر و معارف اور امرا و ملوک کے اہل و عیال اور سوار اور پیادوں کو گونڈل طلب کیا۔

چنانچہ یہ سب گونڈل میں آکر سلطان سے مل گئے۔ سلطان محمد کو جب مرض سے افاقہ ہوا تو وہ لشکر کے ساتھ ٹھٹھہ کی طرف بڑھا۔ ٹھٹھہ سے تیس کوس کے فاصلے پر پہنچا تو عاشورے کا روزہ رکھا۔ افطار کے وقت مچھلی کھائی۔ مچھلی کا کھانا اس کو موافق نہیں آیا اس کا مرض عود کر آیا۔ یہاں تک کہ اس نے ٹھٹھہ سے چودہ کوس کے فاصلے پر ۲۱ محرم ۷۵۱ھ (۱۳۵۰ء) کو دریائے سندھ کے کنارے وفات پائی۔ اردو ترجمہ تاریخ فیروز شاہی (برنی) ص ۳۲۲، "تاریخ مبارک شاہی" میں اس کی تاریخ وفات ۲۱ محرم، ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) درج ہے جو زیادہ صحیح ہے۔ ("تاریخ مبارک شاہی" (اردو ترجمہ)، مترجم ڈاکٹر آفتاب اصغر، ص ۲۰۳)

کاتب حروف عرض کرتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے دوستوں کو جو گرمی پہنچانا چاہتا ہے ، وہ آج اسی دنیا میں پہنچا لیتا ہے تاکہ کل قیامت کے دن جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں ، اس روز انبیاء اور اولیاء کو معلوم نہ ہو جائے اور اس امر کی تصدیق کے لیے ''احیاء العلوم'' میں ایک حکایت درج ہے :

حکایت

بنی اسرائیل کے پیغمبروں میں سے دس نام کے ایک پیغمبر تھے صلٰوۃ اللہ و سلامہ علیٰ نبینا و علیہم اجمعین ۔ ایک وقت کوئی خطرہ اُن پیغمبر کے دل میں گزرا جس پر اُن سے مواخذہ ہوا ۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ مخلصوں کے لیے (معمولی) خطرہ بھی عظیم ہوتا ہے ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا کہ اس خطرے کا بدلہ دنیا میں بھگتنا چاہتے ہو یا آخرت میں ؟ ان پیغمبر صلٰوۃ اللہ علیہ نے بارگہِ الٰہی میں عرض کیا کہ میں اس کا بدلہ دنیا میں بھگتنا چاہتا ہُوں تاکہ میں قیامت کے میدان میں انبیاء اور اولیاء کے سامنے شرمندہ نہ ہُوں ۔ پھر اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس عورت نے طرح طرح کی اذیتیں ان پیغمبر کو پہنچائیں ۔ چونکہ ان کو معلوم تھا کہ یہ مصیبت اُنھوں نے اپنی مرضی سے اختیار کی ہے تو وہ ان مصیبتوں کو خوشی خوشی برداشت کرتے تھے ۔ چنانچہ ایک دن چند عزیز اُن کے مہمان ہوئے ۔ جب یہ پیغمبر اُن کے لیے کھانا لینے کے لیے گھر میں گئے اور بیوی سے کھانا مانگا تو اس نے کھانا نہیں دیا اور نہایت سختی سے پیش آئی ۔ یہ پیغمبر نہایت منفعل ہو کر باہر آئے ۔ دوستوں نے ان کے چہرے سے آثار ناراضی دیکھ کر ، کہ وہ کئی مرتبہ اندر گئے اور باہر آئے اور اُن کی بیوی نے ان کو کھانا نہیں دیا ، ان سب دوستوں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں ۔ اُس پر اُنھوں نے اس خطرے کا ماجرا اور دنیا میں اس مصیبت کو اختیار کرنے کا واقعہ [۲۳۷] اُن سے بیان کیا ۔

وفات :

آخر عمر میں چند دن کے بعد شیخ نصیرالدین محمود قدس اللہ سرہ العزیز بیماری میں مبتلا ہوئے اور اُسی بیماری میں دار فنا سے دار بقا کی

طرف رحلت فرمائی ۔ آپ کی وفات کی تاریخ ۱۸ رمضان بوقت چاشت ۷۵۷ھ (۱۳۵۶ء) ہے ۔

مدفن :

حضرت شیخ نصیرالدین محمود کے گھر میں ایک جگہ تھی کہ سالہا سال سے وہ جگہ آپ کو پسند تھی ۔ آپ کو اُسی جگہ دفن کیا گیا ۔ آپ کے روضۂ مبارک سے بہشت کی خوشبو آتی ہے اور آپ کا روضۂ قبلۂ حاجات خلق ہے ۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً ۔

منہم سوہ

حضرت قطب الدین منور :

کان صفا ، معدن وفا جن کا ظاہر و باطن محبت نور عشق سے آراستہ تھا اور وہ اس ذوق کی وجہ سے دنیوی اور اخروی لذت سے دل برداشتہ تھے یعنی شیخ قطب الملت والدین منور ، اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو انوار قدس سے منور کرے ۔ ان بزرگ کے حالات پانچ نکتوں پر مشتمل ہیں

نکتۂ اول

آپ کے اوصاف اور کثرتِ بکا اور ذوق اندرونی کے بارے میں

شیخ قطب الدین منور ، اللہ آپ کے مرقد کو منور کرے ، آپ علم ، عقل ، وفا و عشق ، زہد اور آہ و زاری سے متصف اور مشہور تھے ۔ بے تکلفی آپ میں انتہا درجے کی تھی ۔ آپ خلقت کے غوغا کی ذرا بھی پروا نہ کرتے تھے ۔ اپنے آبائی گوشے میں اپنے آباء و اجداد کی طرح عمر عزیز حق تعالیٰ کی عبادت و محبت میں اُسی گوشے میں خوش گزاری اور کسی طرح کا تعلق دنیا اور اہلِ دنیا سے نہ رکھا ۔ غیب سے جو کچھ بھی کم

جا زیادہ آپ کو مل جاتا ، اُس پر قناعت کرتے ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

شیرِ نر بوسد بحرمت مردِ قانع را قدم
پیرِ سگ خاید بدنداں ہائے مردے ہر درے

کسی وقت اور کسی وجہ سے آپ کو کسی نے کسی بارگاہ میں نہیں دیکھا ۔ سوائے نماز جمعہ ادا کرنے یا اپنے آباء و اجداد کی زیارت کے لیے جانے کے ، آپ اپنی جگہ سے کہیں نہ جاتے تھے ۔ گرد و نواح کے لوگ آپ کی قدم بوسی کی سعادت کے لیے پالسی آتے تھے ۔ یہ خطہ آپ کے وجودِ مبارک سے جنت کا نمونہ ہو گیا تھا ۔

خلافت :

یہ بزرگ سلطان المشائخ کے خلیفہ تھے اور امام اعظم ابو حنیفہ کوفی کی اولاد سے تھے ۔ عجیب صاحبِ شوق و درد تھے ۔ آپ کی دل کشا تقریر سے محبت کی آگ دل میں بھڑک اُٹھتی تھی ۔ کسی عزیز نے کیا اچھا کہا ہے :

نازنینا ! مہرِ تو سوزے میانِ جاں نہاد
شعلہ ہائے آتشیں در سینۂ بریاں نہاد

اس عاشق صادق کے جگر سوز آنسو [۴۸۰] عاشقانِ صادق کی آتشِ عشق کو بھڑکاتے تھے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

اے کانِ عشق و مایۂ سوزِ نشانِ درد
از گریۂ تو آتشِ عشاق شعلہ زد

آپ عجیب زندگی رکھتے تھے کہ اپنی تمام عمرِ عزیز اپنے پیر کی محبت اور شوق میں بسر کر دی ۔ جب کبھی آپ کے پیر کا نام آپ کے سامنے لیا جاتا تو آپ اس قدر روتے کہ حاضرین کو رونا آ جاتا ۔ امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے :

بیادِ قامتِ آں نازنیں سرشکِ دو چشم
بہر زمیں کہ بر آید درختِ ناز بر آید

یہ ضعیف کہتا ہے :

در عشق تو حاصلم ہمیں گریۂ خون است
آخر نظرے کن کہ حال این سوختہ چون است

چونکہ اب کو پیر کی حضوری بدرجۂ انتہا حاصل تھی ، اس لیے آپ اپنے پیر سلطان المشائخ کی زیارت کے لیے جب پہنچ سکتے تھے ۔ جیسا کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے سلطان المشائخ کو رخصت کرتے وقت فرمایا تھا کہ اگرچہ بظاہر تم ہم سے دور ہو گے ، لیکن باطن میں ہم ایک ساتھ ہوں گے ۔ اس مفہوم کو کسی بزرگ نے اپنے شعر میں کتنی اچھی طرح ادا کیا ہے :

از بسکہ دو دیدہ در خیالت دارم
در ہرچہ نگہ کنم توئی پندارم

اس حال کو شیخ سعدی بھی کتنے اچھے انداز میں ادا کرتے ہیں :

از خیال تو بہر سو کہ نظر می کردم
پیش چشمم در و دیوار مصوّر می شد

نکتۂ دوم

شیخ قطب الدین منوّر اور شیخ نصیرالدین محمود کے سلطان المشائخ نظام الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے ایک مجلس میں خلافت حاصل کرنے کے بارے میں

ناظرین پر واضح ہو کہ جب سلطان المشائخ کے خلفاء کے خلافت نامے لکھے گئے جیسا کہ اس باب کی ابتدا میں تحریر ہو چکا ہے ، تو یہ دونوں بزرگ اُس زمانے میں سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھے ۔ پہلے سلطان المشائخ نے شیخ قطب الدین منوّر کو طلب فرمایا اور خلعتِ خلافت سے نوازا اور وہ وصیتیں ، جن کا ذکر ہو چکا ہے ، فرمائیں اور خلافت نامہ آپ کو دیا ۔ پھر سلطان المشائخ نے آپ سے فرمایا ، جاؤ اور دوگانہ ادا کرو ۔ چنانچہ شیخ قطب الدین منوّر نے جماعت خانے میں آ کر دوگانہ ادا کیا ۔ دوستوں نے مبارک باد دی ۔ پھر اسی موقع پر شیخ نصیرالدین محمود کو طلب فرمایا [۲۳۹] اور ان کو خلعت عطا فرمایا اور وصیتیں

فرمائیں ۔ خود خلافت نامہ اپنے دستِ مبارک سے اُن کو دیا ۔ ابھی شیخ نصیرالدین محمود سلطان المشائخ کی خدمت میں کھڑے ہی ہوئے تھے کہ دوبارہ شیخ قطب الدین منور کو طلب فرمایا ۔ جب وہ حاضر ہوئے تو سلطان المشائخ نے اُن سے فرمایا کہ شیخ نصیرالدین محمود کو خلافت کی مبارک باد دو ۔ شیخ قطب الدین منور نے خلافت کی مبارک باد دی ۔ پھر شیخ نصیرالدین محمود کو حکم ہوا کہ شیخ قطب الدین منور کو خلافت کی مبارک باد دو ۔ شیخ نصیرالدین محمود نے بھی آپ کے ارشاد کی تعمیل کی ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کہ تم دونوں بھائی ہو ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ خلافت کے ملنے میں تقدیم و تاخیر کا خیال بالکل نہ کرنا ۔ چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا ۔ پھر یہ دونوں بزرگ خلافت کی دولتِ سرمدی حاصل کرنے کے بعد باہر آئے تو شیخ نصیرالدین محمود نے شیخ قطب الدین منور کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ سلطان المشائخ نے جو وصیتیں آپ کو کی ہیں وہ مجھ سے بیان کرو ۔ تاکہ مجھے آپ سے جو وصیتیں فرمائی ہیں ۔ وہ میں آپ سے بیان کروں ۔ شیخ قطب الدین منور نے فرمایا کہ سلطان المشائخ نے جو وصیتیں مجھے فرمائی ہیں ، وہ ایک راز ہے کہ جس کو آپ نے اپنے اس غلام پر منکشف کیا ہے ۔ آپ ہی انصاف کیجیے کہ پیر کا راز دوسرے پر کیسے منکشف کیا جا سکتا ہے ۔ آپ کا راز آپ کے سینے ہے اور میرا راز میرے سینے ہے ۔ سلطان المشائخ نے اپنی زبان گوہر بار سے جو وصیتیں فرمائی ہیں ، ان کی مناسبت سے ایک بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

عشقے کہ ز تو دارم اے شمع چگل
دل داند و من دانم و من دانم و دل

شیخ نصیرالدین محمود نے شیخ قطب الدین منور کے اس جواب کی بہت تعریف کی اور اُن کے اس جواب کو نہایت مناسب و موزوں قرار دیا ۔

ثقہ راویوں سے منقول ہے کہ جب شیخ قطب‌الدین منور رخصت ہونے لگے تو سلطان المشائخ نے اُن سے فرمایا کہ ''عوارف'' کا وہ نسخہ ، جو تمھارے دادا بزرگوار شیخ جمال‌الدین ہانسوی کو شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے خلافت عطا کرتے وقت عنایت فرمایا تھا ، اُس زمانے میں جب کہ یہ ضعیف حضرت شیخ شیوخ العالم کی خلافت کی سعادت سے مشرف ہوکر واپس جا رہا تھا ، جب میں ہانسی

شیخ جمال الدین کی خدمت میں پہنچا تو مجھ پر بے حد شفقت فرمائی ۔ پھر شیخ شیوخ العالم کا عطا کردہ "عوارف" کا نسخہ میرے پاس لے کر آئے اور فرمایا کہ میں نے یہ نسخہ بہت سی نعمتوں کے ساتھ شیخ شیوخ العالم سے حاصل کیا ہے ۔ آج یہ نسخہ مع اُن تمام نعمتوں کے میں تمہیں دیتا ہوں (۵۰۲) اس اُمید پر کہ میرے فرزندوں میں سے کوئی فرزند تمہارے پاس آئے گا ۔ ان دینی اور دنیاوی نعمتوں سے ، جو تمہارے پاس ہیں ، اسے محروم نہ رکھنا ۔ پھر سلطان المشائخ نے اُن سے فرمایا ۔ اب میں یہ نسخہ ان تمام نعمتوں کے ساتھ تمہیں دیتا ہوں ۔ الغرض یہ نسخہ آج تک شیخ قطب الدین منور کے عظیم المرتبت خاندان میں شیخ نورالدین نور ستہ قلبہ نور المعرفہ کے پاس موجود ہے ، جو اُن کے خلف اور اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر ہیں اور اسے نہایت تعظیم و توقیر سے رکھے ہوئے ہیں ۔

نکتۂ سوم

حضرت شیخ قطب الدین منورؒ کی بعض کرامت کے بارے میں

شیخ قطب الدین منور اور سلطان محمد تغلق :

ثقہ لوگوں سے منقول ہے کہ شیخ قطب الدین منور کے بعض حاسدوں نے آپ کے خلاف سلطان محمد تغلق انار اللہ برہانہ کے کان میں بہت سی باتیں پہنچائیں ، جو بادشاہ کے مزاج کے خلاف تھیں لیکن بادشاہ کے لیے کوئی ایسا موقع نہ تھا کہ آپ سے کوئی مواخذہ کر سکے یا آپ کے خلاف کچھ کہہ سکے ۔ سلطان محمد تغلق نے سوچا کہ پہلے آپ کو دنیا سے فریب دینا چاہیے ۔ پھر اپنی قوت سے آپ پر دشمنی اور ایذا کے دروازے کو کھولنا چاہیے ۔ چنانچہ اس منصوبے کے پیش نظر اُس نے دو گاؤں کا فرمان شیخ کے نام لکھ کر قاضی کمال الدین صدر جہاں[1] مرحوم کو دیا اور کہا کہ

۱۔ **قاضی کمال الدین صدر جہاں** : سلطان غیاث الدین تغلق شاہ ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) میں تخت نشین ہوا ۔ اُس نے جن عہدہ داروں کا تقرر کیا ، ان میں قاضی کمال الدین بھی تھے ، جنھیں اس نے صدر جہاں مقرر کیا ۔ اندرونِ شہر کے علاقے پر قاضی سماء الدین کو قاضی بنایا ۔ (ترجمہ تاریخ فیروز شاہی (برنی) ترجمہ ڈاکٹر معین الحق ، ص ۶۱۲)

وہ شیخ قطب الدین منور کی خدمت میں جائیں اور تمام حیلوں حوالوں سے شیخ کو اُن کے قبول کرنے پر راضی کریں ۔ قاضی کمال الدین صدر جہاں مضمور ہانسی پہنچے اور فرمان کو رومال میں لپیٹ کر آستین میں رکھ کر حاضرِ خدمت ہوئے ۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ صدر جہاں آئے ہیں ، تو صفہ کے اطاق میں ، جہاں شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے قدم مبارک پہنچے تھے ، اُس مقام پر آ کر بیٹھ گئے ۔ قاضی کمال الدین نے وہ فرمان آپ کے سامنے رکھا اور بادشاہ کی طرف سے بے حد اخلاص و محبت کا اظہار کیا ۔ شیخ قطب الدین منور نے فرمایا ، جس زمانے میں کہ سلطان ناصرالدین اُچ اور ملتان کی طرف گیا ہوا تھا اور سلطان غیاث الدین بلبن اُس زمانے میں الغ خان تھا ، وہ دو گاؤں کا فرمان شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کی خدمت میں لے گیا ۔ شیخ شیوخ العالم نے اس فرمان کو دیکھ کر فرمایا ، ہمارے پیروں نے اس قسم کی چیزوں کو قبول نہیں کیا ۔ اس کے طالب بہت سے ہیں ، اُنہیں دو ۔ چنانچہ یہ واقعہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے کرامات کے نکتے میں شرح و بسط سے تحریر کیا گیا ہے [۱۵۱] ۔ پھر شیخ قطب الدین منورؒ نے قاضی کمال الدین سے فرمایا کہ تم صدر جہاں اور مسلمانوں کے واعظ ہو ۔ اگر کوئی شخص اپنے پیروں کے طریقے کی مخالفت کرے ، تمہیں چاہیے کہ اُسے اس طرزِ عمل سے روکو اور نصیحت کرو ، نہ یہ کہ تم خود اس کی ترغیب دو ۔ قاضی کمال الدین شیخ قطب الدین منور کا یہ جواب سن کر نہایت شرمندہ ہوئے اور نہایت معذرت کرکے آپ کے پاس سے اُٹھے اور سلطان محمد تغلق کی خدمت میں پہنچ کر شیخ منور کی عظمت و کرامات کو اس دل نشیں انداز میں بیان کیا کہ سلطان کا دل آپ کی طرف سے صاف ہوگیا ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ قطب الدین منور عبادتِ الٰہی میں مشغول تھے کہ ایک قلندر نے آ کر آپ کو برا بھلا کہنا شروع کیا ۔ پھر کچھ دیر رک گیا ۔ اس توقع پر کہ آپ اُسے کچھ دیں گے ۔ آپ اُس کو دیتے جاتے تھے ، لیکن وہ قانع نہیں ہوتا تھا ۔ جب اُس کی کمینگی حد سے زیادہ بڑھی ، تو آپ نے اس سے فرمایا کہ "مردار" جو تو کمر میں باندھے ہوئے ہے ، پہلے اُسے تو خرچ کر ۔ اس موقع پر آپ کے ایک مرید و معتقد سید کمال الدین قاسی آپ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے ۔ جب اُنھوں نے یہ بات آپ کی

زبانِ مبارک سے سُنی ۔ وہ فوراً ہی اس قلندر کو چمٹ گئے اور اس کی بغل میں سے ، جو کمر کی بندھی ہوئی تھی ، سونے کے تنکے نکلے ۔

کاتبِ حروف نے خواجہ کافور سے ، جو درویشوں کے بڑے معتقد تھے ، سُنا ۔ وہ کہتے تھے کہ میں ایک دفعہ تین اور آدمیوں کے ساتھ بادشاہِ وقت کے حکم سے قید ہو گیا ۔ اس قید میں ہم مال و جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور زندگی جیسی عزیز چیز سے دل برداشتہ ہو چکے تھے ۔ صرف ہم اس اُمید سے لو لگائے ہوئے تھے کہ شاید کسی اہلِ دل کی دعا سے اس قید سے چھٹکارا حاصل ہو ۔ چنانچہ ہم چاروں نے متفقہ طور پر ایک شخص کو حضرت قطب الدین منور کی خدمت میں دہلی بھیجا کہ ہمارے لیے آپ سے دعائے خیر کرائے ۔ لیکن ہمارے قید ہونے کی کوئی کیفیت آپ سے بیان نہ کرے ۔ چنانچہ اُس نے دہلی پہنچ کر قدم بوسی کے بعد آپ سے دعائے خیر کے لیے عرض کیا ۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد شیخ قطب الدین منور نے اُس شخص سے فرمایا کہ ان چار آدمیوں میں سے تین قید سے رہا ہو جائیں گے ۔ لیکن چوتھا شخص ، گو میرا مرید ہے ، لیکن اس کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے ، وہ رہا نہیں ہوگا ۔ وہ شخص قطب الدین منور کی زبانِ مبارک سے یہ بات سن کر ہمارے پاس واپس آیا اور ہمیں یہ خوش خبری سنائی ۔ اس بات کو چند ہی روز گزرے تھے کہ ہم چاروں میں سے تین نے قید سے رہائی پائی اور چوتھے نے شہادت کی سعادت حاصل کی ۔

نکتۂ چہارم

شیخ قطب الدین منور قدس اللہ سرہ العزیز کی سلطان محمد تغلق انار اللہ برہانہ سے ملاقات کے بارے میں

ثقہ راویوں سے منقول ہے کہ ۷۵۰ھ کے قریب زمانے میں سلطان محمد تغلق خطۂ ہانسی کی طرف گیا اور بستی سرسا میں ، جو ہانسی سے چار کوس کے فاصلے پر واقع ہے ، مقیم تھا ۔ اُس نے نظام الدین ندر باری معروف بہ مخلص الملک کو ، جو مجسمِ ظلم تھا ، اُسے ہانسی حصار بھیجا تا کہ وہ قلعے کی شکست و ریخت کا حال معلوم کر کے رپورٹ پیش کرے ۔ جب وہ شیخ قطب الدین منور کے گھر کے قریب پہنچا تو اُس نے پوچھا ، یہ گھر کس

کا ہے ؟ لوگوں نے کہا ، شیخ قطب الدین منوّر کا ، جو سلطان المشائخ کے خلیفہ ہیں ۔ لضاء الدین ندر باری نے کہا کہ عجیب بات ہے کہ بادشاہ یہاں آیا ہوا ہے اور یہ شیخ بادشاہ کی ملاقات کے لیے نہیں آیا ہے ۔ جب اُس نے واپس ہو کر سلطان محمد تغلق کے سامنے قاصے کے متعلق رپورٹ پیش کی ، تو ساتھ ہی اُس نے بادشاہ سے یہ بھی کہا کہ یہاں سلطان المشائخ کے خلفاء میں سے ایک شیخ ہے جو حضور کی ملاقات کے لیے نہیں آیا ۔ یہ سن کر بادشاہ میں شاہی پندار اور غرور پیدا ہوا اور اس نے شیخ حسن سربرہنہ کو ، جو سراپا جاہ و تکبر تھا ، شیخ قطب الدین منوّر کو لانے کے لیے بھیجا ۔ جب حسن سربرہنہ شیخ قطب الدین منوّر کے گھر کے قریب پہنچا تو اس نے اپنی شان و شوکت کے لوازمات کو وہیں چھوڑا اور خود پیدل و تنہا شیخ کے آستانے پر پہنچا اور دہلیز کے قریب سر زانو پر رکھ کر بیٹھ گیا ۔ جب ایک گھنٹے کے بعد شیخ منوّر ، جو مطبخ کی چھت پر دہلیز کے متصل یادِ الٰہی میں مشغول تھے ، یادِ الٰہی سے فارغ ہوئے تو آپ نے نورِ باطن سے معلوم کیا کہ حسن برہنہ دہلیز میں بیٹھا ہوا ہے ۔ آپ نے شیخ زادہ نورالدین سے کہا کہ جاؤ اور ایک آنے والا شخص دہلیز میں منتظر بیٹھا ہوا ہے ، اسے بلا کر لاؤ ۔ جب شیخ زادہ نورالدین دہلیز پر آئے ، تو حسن سربرہنہ کو اُسی ہیئت میں بیٹھا ہوا پایا ۔ شیخ زادے نے اس سے کہا کہ تم کو حضرت شیخ منوّر بلاتے ہیں ۔ اس ارشاد کے بعد حسن سربرہنہ شیخ قطب الدین منوّر کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام و مصافحے کے بعد بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ بادشاہ نے آپ کو طلب کیا ہے ۔ شیخ منوّر نے فرمایا کہ اس بلانے میں بادشاہ نے کچھ اختیار ہمیں بھی دیا ہے یا نہیں ؟ حسن سربرہنہ نے کہا ، نہیں ۔ میرے لیے حکم ہے کہ میں آپ کو بادشاہ کی خدمت میں لے کر جاؤں ۔ شیخ منوّر نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ الحمد للہ میں خود اپنے اختیار سے نہیں جا رہا ۔ پھر آپ نے اپنے گھر والوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ میں تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں ۔ یہ فرما کر مصلیٰ اپنے کاندھے پر ڈالا اور عصا ہاتھ میں لیا اور پیدل روانہ ہوگئے ۔ جب حسن سربرہنہ نے واصلانِ حق کی علامتیں حضرت شیخ قطب الدین منوّر کی پیشانی میں مشاہدہ کیں اور تکلف اور ریاکاری سے آپ کو عاری پایا تو اُس نے شیخ منوّر سے عرض کیا کہ آپ کیوں پیدل چلنے کی زحمت

فرماتے ہیں۔ گھوڑے آپ کے ساتھ چل رہے ہیں۔ آپ سوار کیوں نہیں
ہوتے۔ شیخ منوّر نے فرمایا، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں الحمد للہ پیدل
چلنے کی قوت رکھتا ہوں [۲۰۵] جب آپ اپنے آباء و اجداد کے قبرستان
کے قریب پہنچے تو فرمایا، اگر تم اجازت دو تو میں اپنے آبا و اجداد کی
زیارت کر لوں۔ اس نے کہا، اچھا زیارت کر لیجیے۔ آپ نے اپنے آباء و
اجداد کی قبروں کی پائینتی کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں سب کے حکم
سے خود اپنے اختیار سے نہیں جا رہا ہوں بلکہ مجھے زبردستی لے جایا جا
رہا ہے۔ خدا کے چند بندے، جو میرے متعلقین میں سے ہیں، میں ان
کو بغیر خرچ کے چھوڑے جا رہا ہوں۔ جب آپ ان بزرگوں کے روضے
سے باہر آئے تو آپ نے دیکھا ایک شخص کچھ روپے لیے کھڑا ہے۔ آپ نے
پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے نذر مانی تھی۔ چونکہ
میرا کام ہو گیا، یہ رقم بطور شکرانے کے آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔
شیخ منوّر نے اس کا شکرانہ قبول فرما کر اس سے فرمایا کہ میرے گھر میں
خرچ کے لیے کچھ نہیں۔ جاؤ یہ رقم میرے گھر پہنچا دو۔ الغرض آپ
ہنسی تک، جو ہانسی سے چار کوس کے فاصلے پر ہے، پا پیادہ آئے۔
سلطان محمد تغلق کو جب شیخ منوّر کے آنے کی خبر ہوئی اور شیخ
حسن سربرہنہ نے شیخ منوّر کے متعلق جو مشاہدہ کیا تھا، وہ بادشاہ کے
سامنے بیان کیا۔ لیکن بادشاہ نے حکومت کے نشے میں سرمست ہو کر
نہایت غرور و تکبر سے شیخ منوّر کو حاضر کرنے کا حکم دیا اور وہاں
سے دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب سلطان محمد تغلق دہلی پہنچا تو حضرت
شیخ منوّر کو ملاقات کے لیے اپنے حضور میں طلب کیا۔ اس موقع پر،
جب کہ حضرت شیخ منوّر بادشاہ کی ملاقات کے لیے جا رہے تھے، آپ سے
سلطان السلاطین فیروز شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ نے، جو اس زمانے میں
نائب باربک تھا، کہا کہ ہم درویش ہیں۔ بادشاہوں کے آدابِ مجلس
اور ان سے گفتگو کرنے کا طریقہ نہیں جانتے۔ آپ جیسا مشورہ دیں گے،
اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس نے عرض کیا کہ چونکہ آپ کی نسبت
بادشاہ کے دل میں یہ بٹھا دیا گیا ہے کہ آپ ملوک و سلاطین کی طرف
التفات نہیں فرماتے اور ان کے آداب کو ملحوظ نہیں رکھتے، مناسب یہ
ہے کہ آپ اس ملاقات کے وقت نہایت تواضع اور اخلاص و نرمی سے پیش
آئیں۔ جب حضرت شیخ منوّر دربار شاہی میں تشریف لے جا رہے تھے تو

شیخ زادہ نورالدین ، اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ مرتبے کے لوگوں کے درجے پر پہنچائے ، پیچھے پیچھے چل رہے تھے ۔ دربار کے امرا و ملوک کا ہجوم اور اُن کے شان و شکوہ کو دیکھ کر شیخ زادہ نورالدین ہراساں ہونے لگے ، کیونکہ وہ کم عمر تھے اور اُنھوں نے دربار شاہی کبھی نہ دیکھا تھا ۔ شیخ قطب الدین منوّر پر جب باطنی نور سے اُن کا یہ حال منکشف ہوا تو آپ نے شیخ زادہ نورالدین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ، بابا نورالدین ! عظمت اور کبریائی تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ۔ شیخ زادہ نورالدین کا بیان ہے کہ آپ کی یہ بات [۲۵۰] سنتے ہی میں نے اپنے اندر ایک توانائی محسوس کی اور دربار شاہی کا وہ رعب میرے دل سے بالکلیہ زائل ہو گیا اور وہ امرا اور ملوک مجھے بکریوں کی طرح نظر آنے لگے ۔ الغرض جب بادشاہ نے یہ خیال کیا کہ شیخ منوّر کے تشریف لانے کا وقت قریب ہے تو وہ اُٹھا اور کمان لے کر تیر اندازی میں مشغول ہو گیا ۔ یہاں تک کہ شیخ منوّر اس کے سامنے پہنچے ۔ جب بادشاہ نے شیخ کی پیشانی میں ولایت کے تمام آثار دیکھے تو فوراً آپ کی تعظیم کے لیے اُٹھا اور مصافحہ کیا ۔ شیخ نے مصافحہ کرتے وقت سلطان کے ہاتھ کو زور سے پکڑا ۔ پہلی ہی ملاقات میں وہ بادشاہ ، کہ جو اولیاء اللہ کو اپنے ظلم سے تہِ تیغ کرتا تھا ، وہ دل سے آپ کا معتقد ہو گیا اور عرض کیا کہ میں آپ کے شہر میں پہنچا لیکن آپ نے میری تربیت نہ فرمائی اور اپنی ملاقات سے بھی مشرف نہ کیا ۔ شیخ نے فرمایا کہ پہلے تو میرے شہر ہانسی کو دیکھیے ، پھر ہانسی کے اس درویش بچے کو دیکھیے ۔ میں اپنے آپ کو بادشاہوں کی ملاقات کے لائق نہیں پاتا ۔ میں ایک گوشے میں بیٹھا ہوا بادشاہ اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا گوئی میں مشغول ہوں ، اس لیے مجھے معذور سمجھیے ۔ سلطان محمد تغلق شیخ قطب الدین منوّر کی صفات کو دیکھ کر اور آپ کی تقریر دل پذیر کو سن کر ، جو تصنع اور تکلف سے بالکل پاک تھی ، بےحد متاثر ہوا ۔ اُس کا دل نرم پڑا ۔ اُس نے سلطان السلاطین فیروز شاہ سے ، جو فطرةً حلم اور حسنِ اخلاق سے آراستہ تھا ، فرمایا کہ جو کچھ شیخ کا مقصد ہے ، پورا کیا جائے ۔ شیخ قطب الدین منوّر نے فرمایا کہ میرا مقصود اور مطلوب ذاتِ خداوند تعالیٰ اور اپنے آباء و اجداد کا گنج اور اس کے بعد اپنے شیخ کی خدمت ہے ۔ پھر آپ وہاں سے واپس ہوئے ۔

منقول ہے کہ اعظم ملک کبیر معظم مرحوم و مغفور نے ، جو اوصافِ عدل و خلق و کرم سے آراستہ تھے ، بیان کیا کہ سلطان محمد تغلق کہتا تھا کہ جتنے مشائخ سے میں نے مصافحہ کیا ہے ، ان مشائخ کے مصافحے کے وقت ہاتھ کانپتے تھے ، مگر شیخ قطب الدین منور کے ہاتھ میں مصافحہ کرتے وقت بالکل لرزش نہ تھی ۔ ان بزرگ نے دینی قوت کی وجہ سے مصافحہ کرتے وقت میرے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑا ۔ اسی سے میں نے جان لیا کہ یہ بزرگ ان لوگوں میں سے نہیں ۔ حاسدوں نے مجھے ان کے متعلق غلط خبر دی ہے ۔ پھر میں نے ان کی پیشانی سے بھی دین کے شکوہ کو محسوس کیا ۔ پھر بادشاہ نے سلطان السلاطین فیروز شاہ اور خواجہ ضیاء الدین برنی کو بطور انعام ایک لاکھ ٹنکے دے کر شیخ منور کی خدمت میں بھجوایا ۔ شیخ منور کے پاس جب یہ دونوں ایک لاکھ ٹنکے لے کر پہنچے تو انھوں نے فرمایا ، معذور رکھا جائے ۔ درویش ایک لاکھ ٹنکے قبول کرے ۔ جب یہ دونوں سلطان محمد تغلق کے پاس واپس لوٹ کر آئے ، انھوں نے عرض کیا کہ شیخ ان ٹنکوں کو قبول نہیں کرتے ۔ سلطان محمد تغلق نے حکم دیا ، اچھا تو پچاس ہزار ہی ان کو دو ۔ یہ دونوں لوٹ کر پھر شیخ منور کی خدمت میں آئے تو آپ نے یہ بھی قبول نہ کیے ۔ سلطان محمد تغلق نے کہا ، اگر شیخ یہ بھی قبول نہ کریں گے تو دنیا مجھے کیا کہے گی ۔ جب اس بارے میں بہت زیادہ رد و کد ہوئی تو بات دو ہزار ٹنکے تک پہنچی ۔ آخر سلطان السلاطین فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین برنی نے کہا کہ ہم بادشاہ کے پاس جا کر بادشاہ کے سامنے یہ نہیں کہہ سکتے کہ شیخ دو ہزار بھی قبول نہیں کرتے ۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا ، سبحان اللہ ! جس درویش کو دو سیر کھچڑی اور تھوڑا سا گھی کافی ہو ، وہ ان ہزاروں ٹنکوں کو لے کر کیا کرے گا ۔ چنانچہ آپ نے ایذا کے دفع کرنے کے لیے اور مخلصوں کی الحاح و زاری پر بڑی مشکل سے یہ دو ہزار ٹنکے قبول فرمائے اور اس فتوح میں سے کچھ تو آپ نے سلطان المشائخ کے روضے پر ، کچھ حضرت قطب الدین بختیار کے روضے پر اور کچھ شیخ نصیر الدین محمود کی خدمت میں پیش کیے اور باقی مختلف لوگوں کو دے دیے ۔ اس کے چند روز بعد آپ نہایت عزت و توقیر سے ہانسی کی طرف روانہ ہو گئے ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

قطعہ

گر قدم بر چشمِ ما خواہی نہاد
دیدہ در رہ می نہم تا میروی
دیدۂ سعدی و دل ہمراہِ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا میروی

نکتۂ پنجم

شیخ قطب الدین منور نوراللہ قبرہ بانوارِ القدس کے سماع سننے کے بارے میں

کاتب الحروف یہ مبارک علوی مشہور بہ امیر خورد عرض کرتا ہے کہ جب سلطان محمد تغلق شیخ قطب الدین منور کو اپنے ہمراہ دہلی لایا اور سلطان المشائخ کے روضے میں دعوتِ عرس ہوئی ، اُس مجلس میں شیخ قطب الدین منور ، مولانا شمس الدین یحیٰی اور شیخ نصیرالدین محمود قدس اللہ ارواحہم حاضر تھے ۔ سعادتوں کا نور ، جو اس مجلس میں نازل ہو رہا تھا ، میں اُسے دیکھ رہا تھا ۔ حضرت شیخ قطب الدین منور پر عجب گریہ و ذوق طاری تھا ۔ آنسوؤں کے قطرے سچے موتیوں کی طرح آپ کی داڑھی مبارک پر گر رہے تھے اور اس مجلس میں عین حالتِ وجد میں روتے ہوئے سر لوگوں کے قدموں پر رکھ رہے تھے :

ع - ہائے بزرگاں گرفت گریۂ عشاقِ تو

اور رہانِ حال سے یہ شعر پڑھ رہے تھے :

زندہ ام من بیادِ شیخ بلے
جانِ من یاد شیخ شد آرے

اُس مجلس میں جو ذوق و شوق [۲۵۶] کی کیفیت شیخ قطب الدین منور پر طاری تھی ، میں آج تک ان کی اس کیفیت کو یاد کرتا ہوں اور مجھے اس سے عاشقانہ خوشی حاصل ہوتی ہے ۔ وہ شخص نہایت خوش نصیب ہے ، جس کے یاد کرنے سے دلوں کو راحت پہنچتی ہے :

بیت

خوش وقت آں کسے کہ ازو راحتے رسد
بر جان اہلِ عشق کہ مشتاقِ حضرت اند

دوسرے یہ کہ اسی زمانے میں شیخ قطب الدین منور ایک رات سلطان المشائخ کے روبرو یادِ الٰہی میں مشغول تھے

ع ... شب محرمِ عاشقاں است شبہاش طلب

اس کے علاوہ شیخ قطب الدین منور نے اپنے غدوہ اور شیخ کے راز و نیاز کا ذکر کیا۔ الغرض اس عرس کی تقریب کے موقع پر کاتبِ حروف کے والد نے کھانا تیار کرایا اور میرے ذریعے سے اس سرورِ اہلِ محبت عارفاں یعنی شیخ قطب الدین منور کی خدمت میں کھانا بھجوایا۔ اس وقت آپ چہار دری کی عمارت میں، جو خواجہ جہاں مرحوم کے گنبد کے متصل واقع ہے، قبلہ رو بیٹھے ہوئے یادِ الٰہی میں مشغول تھے۔ جب میری نظر آپ کے چہرۂ مبارک پر پڑی، تو میں نے اس شاہِ ولایت کو دیکھا۔ آپ کی ظاہری صورت آپ کے عشقِ آمیز باطن کی ترجمان تھی۔ عجیب پاکیزگی اور ذوق حق تعالیٰ نے آپ کی فطرت میں رکھا تھا۔ کھانے کے درمیان آپ تبسم فرماتے تھے اور نہایت رغبت سے کھانا تناول فرما رہے تھے اور مجھ سے فرماتے جاتے تھے کہ میں نے تمھاری دادی کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا، جو شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی مرید تھیں، بہت کھایا ہے۔ ہمارے تم پر اور تمھارے ہم پر بہت حقوق ہیں۔ خدائے تعالیٰ ہمارے ان تعلقات کو اور مضبوط کرے اور اس حدیث کے مطابق کہ جس نے بخشے ہوئے کے ساتھ کھانا کھایا، وہ بھی بخشا گیا۔ امیدوارِ مغفرت ہوں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

منہم

مولانا حسام الدین ملتانی :

زاہد روحانی، عابد سبحانی جو علم و تقویٰ، زہد و ورع میں ایک نشانی تھے۔ فقہ میں "ہدایہ" کی دونوں جلدیں اور علمِ سلوک میں "قوت القلوب" اور "احیاء العلوم" آپ

کو ازبر تھیں - ان تمام فضائل کے باوجود زائرالحرمین اور صاحب النصیبین تھے، یعنی مولانا حسام الملۃ والدین ملتانی خلیفہ سلطان المشائخؒ۔ ان بزرگ کا تذکرہ تین نکتوں پر مشتمل ہے [۲۵۰]

نکتۂ اوّل

سلطان المشائخ کی مولانا حسام الدین ملتانی پر مرحمت اور شفقت کے بارے میں

مولانا حسام الدین ملتانی کی ذات بابرکات سبحان اللہ ! سراپا زہد و ورع تھی - آپ کا طریقہ سلف کا طریقہ ، آپ کا معاملہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سا معاملہ تھا - آپ سلطان المشائخؒ کے اعلیٰ مریدوں میں مشہور تھے - سلطان المشائخؒ آپ کے متعلق فرماتے تھے کہ شہر دہلی اس کی نگہبانی میں ہے -

ایک دن آپ راستے میں جا رہے تھے - مصلیٰ آپ کے کاندھے سے گر گیا لیکن آپ کو شغل باطنی کی وجہ سے بالکل خبر نہ ہوئی - ایک شخص نے پیچھے سے آواز دے کر کہا کہ شیخ ! آپ کا مصلیٰ گر گیا ہے - اس نے کئی مرتبہ شیخ شیخ کہہ کر اواز دی لیکن چونکہ مولانا اپنے آپ کو شیخ نہیں سمجھتے تھے ، چنانچہ آپ نے اس کی آواز پر توجہ نہ فرمائی ، یہاں تک کہ آواز دینے والے نے مصلیٰ خود اٹھا لیا اور مولانا کے پیچھے دوڑ کر وہ مصلیٰ آپ کو دے دیا - پھر اس شخص نے کہا ، میں نے کئی آوازیں آپ کو دیں کہ شیخ ! اپنا مصلیٰ لے لیجیے لیکن آپ نے نہیں سنا - مولانا نے فرمایا ، اے عزیز ! میں شیخ نہیں ہوں - میں اپنے آپ کو اس مرتبے کے قابل نہیں سمجھتا - الغرض یہ کہ اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نام و نمود سے کس قدر پرہیز کرتے تھے -

منقول ہے کہ جب آپ خانۂ کعبہ کی زیارت سے واپس ہوئے اور شہر (دہلی) میں پہنچے ، تو جمعہ کا دن تھا - آپ کیلوکھری کی مسجد میں آئے - ابتدائی زمانے میں سلطان المشائخؒ کا معمول تھا کہ فجر کی نماز کے بعد

کیلوکھری کی مسجد میں جائے اور یادِ الٰہی میں مشغول ہو جائے۔ کیلوکھری میں سلطان المشائخ نے ایک مختصر سی نہایت صاف ستھری جگہ قیلولے اور وضو کے لیے بنا رکھی تھی۔ مولانا حسام الدین چاشت کے وقت کیلوکھری پہنچے اور دل میں خیال کیا کہ چلیے مسجد کے کونے میں پوشیدہ بیٹھوں اور نماز کے بعد سلطان المشائخ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کروں۔ چنانچہ مولانا نے ایسا ہی کیا۔ سلطان المشائخ کو یہ بات نورِ باطنی سے معلوم ہو گئی۔ آپ نے خواجہ ابوبکر مصلی دار سے فرمایا کہ جاؤ اور مولانا حسام الدین کو، جو ابھی شہرِ دہلی سے یہاں پہنچے ہیں اور اس مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے ہیں، بلا کر لاؤ۔ خواجہ ابوبکر مصلی دار نے آپ کو مسجد کے گوشوں میں تلاش کرنا شروع کیا۔ دیکھا کہ مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے یادِ الٰہی میں مشغول ہیں۔ خواجہ ابوبکر نے آپ سے کہا، چلیے آپ کو سلطان المشائخ یاد فرماتے ہیں۔ مولانا کو بہت تعجب ہوا کہ میں نے تو اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا تھا، لیکن چونکہ سلطان المشائخ مکاشفِ عالم ہیں، اس لیے یہ بات اُن سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ الغرض مولانا نے سلطان المشائخ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی ۵۸؎ اور سلطان المشائخ کی مہربانیوں اور شفقتوں سے سرفراز ہوئے۔ پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص خانۂ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہو، اُسے چاہیے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زیارت کے لیے علیحدہ نیت کرے اور وہاں حاضری دے، تاکہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زیارتِ خاص کا مستحق ہو سکے اور روضۂ نبوی کی زیارت کو طفیلی زیارت نہ بنائے۔ جب مولانا نے سلطان المشائخ سے یہ بات سنی، تو آپ نے سمجھ لیا کہ سلطان المشائخ نے یہ ارشاد الہامِ ربانی کی بنا پر پہنچایا ہے۔ آپ نے اُسی وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زیارت کی نیت اپنے دل میں پختہ کی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زیارت کے لیے خاص طور پر دوسری مرتبہ گئے۔

سبحان اللہ! پیر کی مرید کے ترقیٔ درجات کے لیے یہ شفقت و مرحمت اور مرید کا پیر کے حکم قبول کرنے میں یہ فرماں برداری اور یہ اتباع۔

نکتۂ دوم

مولانا حسام الدین ملتانی ، مولانا شمس الدین یحییٰ اور مولانا علاء الدین نیلی قدس اللہ سرہم العزیز کی ملاقات کے بارے میں

اہلِ دل پر واضح ہو کہ ایک دفعہ مولانا شمس الدین یحییٰ اور مولانا علاء الدین نیلی[1] قدس اللہ سرہما العزیز ایک ساتھ سلطان المشائخؒ کی خدمت میں اودھ سے آئے ۔ سلطان المشائخؒ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی اودھ کے مریدوں میں سے آتا ، تو قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے بعد سلطان المشائخؒ اُس سے ارشاد فرماتے ، جاؤ اور شیخ الاسلام قطب الدین نوراللہ مرقدہٗ تربتہ کی زیارت کر کے آؤ ۔ جب یہ سعادت حاصل کر چکو تو پھر شہر میں آؤ اور شہر کے دوستوں سے ملاقات کرو ۔ چنانچہ حسبِ عادت آپ نے ان دونوں کو بھی یہی حکم دیا ۔ یہ دونوں شیخ الاسلام قطب الدین کی زیارت کے لیے گئے ۔ جب وہاں سے لوٹے تو شہر آئے اور اپنے بعض دوستوں سے ملاقات کی ۔ پھر یہ دونوں مولانا حسام الدین ملتانی کی خدمت میں آئے ۔ اُنھوں نے دیکھا کہ مولانا کے گھر کا کوئی دروازہ نہ تھا ۔ صرف ایک مختصر ٹوٹی پھوٹی پرانی چھپری تھی جس میں وہ رہتے تھے ۔ خواجہ سنائی فرماتے ہیں :

داشت لقمان یک کریچۂ تنگ
چون گلوگاہِ نائے و سینۂ چنگ
بو الفضولے سوال کرد ز وے
چیست این خانہ شش بدست و سہ پے

۱۔ مولانا علاء الدین نیلی : اودھ کے علماء میں تھے ۔ مولانا فریدالدین شافعی سے ''کشاف'' پڑھی تھی ۔ سلطان المشائخؒ سے مرید و صاحب مجاز تھے ۔ ان کی قبر دہلی میں چبوترہ یاران کے نزدیک ہے ۔ (تذکرہ علماء ہند ، اُردو ترجمہ ، ص ۳۳۹) ۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے اخبار الاخیار ، ص ۹۳ ، خزینۃ الاصفیا ، جلد اوّل ، ص ۳۶۱) ۔

با دل مرد و چشم گریاں پیر
گفت هٰذا لمن یموت کثیر

ابھی یہ دونوں اس گھر کے متعلق سوچ ہی رہے تھے کہ مولانا خود تشریف لے آئے۔ ان دونوں بزرگوں نے ان کا استقبال کیا۔ دیکھا کہ مولانا ایک میلا سا سبز رنگ کا پیراہن پہنے ہوئے ہیں۔ [۲۵۹] اُن کے ایک ہاتھ میں تھوڑی سی کھچڑی رومال میں اور دوسرے ہاتھ میں تھوڑی سی لکڑیاں ہیں۔ ان دونوں نے آپس میں کہا کہ بزرگوں کا یہی طریقہ ہے اور یہی صحیح معنی میں مسلمانی ہے۔ غرض ان دونوں نے مولانا سے ملاقات کی۔ مولانا شمس الدین یحییٰ نے آپ سے گزارش کی کہ یہ لکڑیاں مجھے دیجیے اور مولانا علاء الدین نیلی نے کہا کہ یہ رومال اور کھچڑی مجھے دیجیے تاکہ ہم آپ کے گھر پہنچا دیں اور ہمیں آپ کی اس خدمت کا شرف حاصل ہو سکے۔ مولانا حسام الدین نے فرمایا، تم لوگ مجرد ہو۔ تمھیں اس سے تعلق نہیں۔ میں نے (بیوی بچوں کا) یہ شرعی بوجھ اپنے ذمے لیا ہے، اس لیے اس بوجھ کا اُٹھانا بھی میرا فرض ہے۔ مولانا اُسی عالم میں گھر گئے اور کھچڑی اور لکڑیاں گھر والوں کو پہنچائیں اور اُن سے کھانا پکانے کے لیے کہا اور ایک پرانا بوریا گھر میں سے لے کر آئے۔ اُسے بچھایا، پھر ان دونوں سے بیٹھنے کے لیے کہا اور خود بھی بیٹھ گئے۔ مولانا شمس الدین نے ایک چادر پیش کی اور مولانا علاء الدین نے ایک چاندی کا ٹنکہ پیش کیا۔ پھر مولانا مشائخ کے واقعات اور اسلاف کے آثار کے متعلق بیان کرتے رہے، یہاں تک کہ چاشت کا وقت ہوگیا۔ آپ چاشت کی نماز ادا فرمانے کے بعد ایک مٹی کی چھوٹی سی صحنک میں کھچڑی اور اُس پر تھوڑا سا گھی ڈال کر درویشوں کے طریقے پر لائے۔ جب کھانا کھایا جا چکا اور ہم رخصت ہونے لگے، تو مولانا نے وہی ٹنکہ، جو مولانا علاء الدین نے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا، مولانا شمس الدین یحییٰ کو اور وہ چادر، جو مولانا شمس الدین یحییٰ نے آپ کو پیش کی تھی، مولانا علاء الدین نیلی کو دی اور نہایت معذرت کی۔ جب یہ دونوں بزرگ سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچے تو سلطان المشائخ نے ان سے پوچھا کہ شہر میں تم نے کن کن دوستوں سے ملاقات کی۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے جن جن سے ملاقات ہوئی تھی، اُن کا تذکرہ کیا۔ جب مولانا حسام الدین کی ملاقات کا ذکر آیا تو سلطان المشائخ نے اُن کی ملاقات

کے تذکرے کو بڑی دلچسپی سے سنا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے - اس موقع پر سلطان المشائخ نے اقبال خادم کو طلب فرمایا اور اُن سے ارشاد فرمایا ، جاؤ اور کچھ رقم لے کر آؤ - اقبال کچھ ٹنکے لے کر آئے - پھر فرمایا کہ جاؤ اور کچھ کپڑا بھی لے کر آؤ - وہ کپڑا بھی لے کر آئے - اس کے بعد سلطان المشائخ نے وہ جانماز ، جس پر آپ تشریف فرما تھے ، اُسے اُٹھا کر ان چیزوں کے قریب رکھ دیا اور اپنے تیز رفتار قاصد خواجہ رضی کو بلا کر حکم دیا کہ ہوا کی طرح تیز جاؤ اور یہ مصلیٰ ، کپڑے اور نقد رقم مولانا حسام الدین کو پہنچا کر آؤ - جب خواجہ رضی یہ نعمتِ [۲٦۰] بیکراں لے کر مولانا حسام الدین کی خدمت میں پہنچے ، تو آپ نے فرمایا کہ میں اس نعمت کے لائق نہیں تھا - پھر اس نعمت سے مجھے کس لیے نوازا گیا ہے - خواجہ رضی نے کہا کہ میں نہیں جانتا قاصدوں کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے - مولانا حسام الدین نے پوچھا ، اچھا یہ بتاؤ کہ جس وقت سلطان المشائخ نے مجھے اس نعمت سے سرفراز کیا ، اُس وقت آپ کے پاس کون کون تھا ؟ خواجہ رضی نے کہا ، مولانا شمس الدین یحییٰ ، مولانا علاء الدین نیلی اور دوسرے عزیز اور دوست حاضر تھے - مولانا سمجھ گئے کہ ان ہی دونوں نے میرے متعلق کچھ کہا ہوگا - پھر آپ نے خواجہ رضی سے فرمایا ، کیا یہ عزیز درویشوں کے حالات کی ٹوہ لینے کے لیے آتے ہیں - ان کے لیے ایسا کرنا مناسب نہیں - الغرض جب مولانا حسام الدین اپنے معمول کے مطابق سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں بزرگوں سے ملاقات ہوئی تو مولانا حسام الدین نے ان دونوں سے کہا یہ تم نے کیا کیا - میں اس لائق کہاں تھا کہ تم میرا ذکر سلطان المشائخ سے کرتے - ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم ایک دوسرے کا حال چھپائیں - مجھ جیسے ہزاروں غلام اس بارگاہ کے ہیں - کوئی اُن کے حال سے واقف نہیں البتہ اگر سلطان المشائخ پر کسی کا حال منکشف ہو جاتا ہے تو یہ اور بات ہے - شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

تا چہ مرہم کم حکایت پیشِ عنقا کردہ اند
تا چہ مورم کم سخن پیشِ سلیماں کردہ اند

ان دونوں بزرگوں نے مولانا کو جواب دیا کہ مولانا ! جب ہم آپ کی ملاقات کے بعد واپس لوٹ کر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے

تو آپ نے پوچھا کہ شہر میں کس کس کو دیکھا اور کس کس سے ملاقات ہوئی ۔ آپ کے پوچھنے کے بعد ہماری یہ مجال نہ تھی کہ ہم دوستوں کی ملاقات کے حالات کو پوشیدہ رکھتے ۔ اس لیے آپ کا بھی تذکرہ ہوا ۔ اُمید ہے کہ آپ ہمیں معاف فرمائیں گے ۔

نکتۂ سوم

مولانا حسام الدین ملتانی کے حضرت سلطان المشائخ نظام الحق والدین قدس سرہ سے خلافت حاصل کرنے کے بارے میں

خلافت کے دوسرے روز شیخ قطب منور کو سلطان المشائخ کے ارشادات :

ثقہ راویوں سے منقول ہے کہ شیخ نصیرالدین محمود اور شیخ قطب الدین منور قدس اللہ سرہما العزیز کے خلافت حاصل کرنے کے بعد دوسرے روز مولانا حسام الدین سلطان المشائخ کی بارگاہ میں طلب ہوئے ۔ جب یہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خود اُن کا بیان ہے کہ میں سلطان المشائخ کے رعب کی وجہ سے پسینے پسینے ہو گیا ۔ جب سلطان المشائخ کے سامنے خلافت نامہ اور خلعتِ خاص مجھے دیا گیا ، اس موقع پر میں نے عرض کیا [۲٦١] کہ مخدوم عالم نے اس ناچیز پر شفقت فرما کر اس بندے کو دولتِ خلافت کے مرتبے تک پہنچایا ہے ۔ اب مجھے وصیت فرمائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے ؟ سلطان المشائخ نے آستین سے ہاتھ نکال کر شہادت کی اُنگلی سے مولانا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ! ترکِ دنیا ، ترکِ دنیا ، ترکِ دنیا ۔ نیز فرمایا ، مریدوں کی زیادہ تعداد بڑھانے کی کوشش نہ کرنا ۔ پھر مولانا نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں شہر میں نہ رہوں ، کسی دریا کے کنارے سکونت اختیار کر لوں ، اس لیے کہ شہر میں کنوؤں کا پانی ملتا ہے اور اس پانی سے وضو کرکے تسلی نہیں ہوتی ۔ ارشاد فرمایا ، نہیں شہر میں رہو اور عام آدمیوں کی طرح رہو ۔ نفس چاہتا ہے کہ تمھیں آرام کے مقام سے جنبش دے کر ایسی جگہ لے جائے کہ تمھارے منظم اوقات کو پراگندہ کرے کیونکہ جب تم شہر چھوڑ کر دریا کے کنارے سکونت اختیار کرو گے تو مسافر اور شہری تمھارا پتا پوچھ کر وہیں پہنچیں گے اور تمھارا وقت خراب کریں گے ۔ رہا کنویں کے پانی

کا معاملہ تو اُس میں علماء کا اختلاف ہے اور شریعت میں اس کے بارے میں وسعت دی گئی ہے ۔ پھر مولانا نے عرض کیا کہ جب میرے پاس فتوحات آتی ہیں تو اس میں سے کچھ اپنے فرزندوں پر خرچ کرتا ہوں اور کچھ مسافروں کے لیے رکھتا ہوں اور کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ کئی دن تک کچھ نہیں آتا ۔ اُس وقت میرے بال بچے مجھے تنگ کرتے ہیں اور مسافر بھی محروم جاتے ہیں ۔ کیا میں ایسے موقع پر قرض لے سکتا ہوں ؟ سلطان المشائخ نے فرمایا ، اگر تم قرض لو گے تو وہ دو حال سے خالی نہ ہوگا ۔ یا تو تم اپنے بال بچوں کے لیے لو گے یا مسافروں کے لیے ۔ یہ مسافر بھی دو قسم کے ہیں ۔ یا تو یہ وہ مسافر ہوں گے جو دور دراز سے آتے ہیں یا اُسی شہر کے لوگ ہوں گے جو تمھارے پاس روزانہ آتے جاتے رہتے ہیں ۔ اُن لوگوں کے لیے ؛ جو دور درار سے آتے ہیں ، اگر کچھ قرض حاصل کرلو تو کوئی حرج نہیں ۔ اس کے لیے تم معذور سمجھے جاؤ گے ۔ جو لوگ شہر سے آتے ہیں ، اُن کے لیے تکلف کی ضرورت نہیں ۔ جو کچھ ہے سو ہے ۔ رہا بال بچوں کا معاملہ سو اگر تمھارے پاس فتوحات آئیں تو اس میں سے خرچ کرو ۔ اگر کچھ نہ ہو تو قرض لے سکتے ہو ۔ لیکن اگر اسی لین دین کے چکر میں رہو گے تو درویشی کے فرائض کب انجام دو گے ۔ درویش تو وہ ہوتا ہے کہ اگر اس کے پاس موجود ہو تو خرچ کرے ورنہ صبر کرے اور نامرادی کے ساتھ بسر کرے اور خود کو تدبیروں کے ایچ پیچ میں نہ ڈالے ۔ پھر فرمایا کہ درویش کو ہر در کا نہیں ہونا چاہیے ۔

پردری درویشوں کی قسمیں :

پردری درویش دو طرح کے ہوتے ہیں ۔ ایک صوری اور دوسرے معنوی ۔ صوری درویش وہ ہیں جو دربدر مارے مارے پھرتے ہیں اور لوگوں سے مانگتے ہیں ۔ لیکن معنوی درویش وہ [۲۶۲] ہیں جو اپنے گھر کے کونے میں یادِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور دل میں خیال کرتے رہتے ہیں کہ زید اور عمر سے مجھے کچھ ملے گا ۔ پردری صوری درویش پردری معنوی درویش سے بہتر ہے کیونکہ جیسا وہ اندر سے ہے ویسا ہی باہر سے دکھائی دیتا ہے ، لیکن معنوی پردری درویش وہ اپنے ظاہر حال میں حقیقی درویشوں کی طرح دکھائی دیتا ہے اور باطن میں دربدر مارا پھرتا

ہے ۔ ہم اس حال میں خدا کی پناہ چاہتے ہیں اور اُن سے پناہ چاہتے ہیں کہ جن کا یہ حال ہوتا ہے ۔ اب ہم اصل مقصد کی طرف لوٹتے ہیں ۔

منقول ہے کہ ایک دن قاضی محی الدین کاشانیؒ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سلطان المشائخ سوار ہیں اور بارہ مرید مخدوم کے جلو میں سوار ہیں اور آپ کہیں جا رہے ہیں ۔ اُن بارہ سواروں میں سے ایک مولانا حسام الدین ملتانی ہیں ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ایک مرید نے خواب میں دیکھا کہ شیخ شیوخ العالم اپنے چھ مریدوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہیں ۔ اُن میں سے یہ ایک خاکسار ہے ۔

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ یہ واقعہ مولانا حسام الدین کی عظمتِ بزرگانہ پر دلیل ہے کہ سلطان المشائخ نے مولانا حسام الدین کے واقعہ کے ضمن میں ایسی مثال پیش کی ہے ۔

ایک دن مولانا حسام الدین نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ مخدوم ! لوگ کرامت طلب کرتے ہیں ؟ فرمایا کہ "کرامت استقامت ہے خدا کے دروازے پر" ۔ تمھیں اپنے کام میں مستقیم ہونا چاہیے ۔ کرامت کے طلب گار کب تک رہو گے ۔

چنانچہ اس سال جس میں سلطان محمد تغلق نے لوگوں کو شہر دہلی سے دیوگیر کی طرف روانہ کیا ۔[۱] مولانا حسام الدین گجرات چلے گئے اور وہیں رحمت حق سے جا ملے ۔

منہم

مولانا فخرالدین زرّادیؒ :

عالمِ ربانی ، عاشقِ سبحانی یعنی مولانا فخر الملت والدین زرّادی قدس اللہ سرہ العزیز سلطان المشائخ کے

۱۔ سلطان محمد تغلق نے ۷۲۷ھ (۲۷ - ۱۳۲۶ء) میں دیوگیر جانے کا فیصلہ کیا ۔ (تاریخ مبارک شاہی ۔ یحیٰی سرہندی (اُردو ترجمہ) مترجم ڈاکٹر آفتاب اصغر ، ص ۱۸۱)

جلیل القدر خلفاء میں تھے اور اعلیٰ مریدوں میں علم ، لطافتِ طبع ، شدتِ مجاہدہ ، ذوقِ مشاہدہ ، ترک و تجرید اور کثرتِ گریہ کے سبب نہایت معروف و مشہور تھے ۔ یہ بزرگ مجسم عشق تھے ، جو کوئی آپ کی پیشانی کو دیکھتا وہ یقینی طور پر جان لیتا کہ آپ واصلِ درگاہِ الٰہی ہیں ۔ آپ کے حالات چھ نکتوں پر مشتمل ہیں

نکتہ اول

مولانا فخرالدین زرادی کے سلطان المشائخ سے مرید [۲۶۳] ہونے کے بارے میں

شیخ نصیرالدین محمودؒ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جس زمانے میں مَیں شہر میں تعلیم پا رہا تھا تو میں مولانا فخرالدین ہانسویؒ کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا ۔ اس مجلس میں مولانا فخرالدین زرادی[1] اور امیرانِ بورکش مولانا فخرالدین ہانسویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر فقہ کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' پڑھتے تھے ۔ اُن کی مجلس میں ان دونوں سے زیادہ ذہین اور بحث کرنے والا کوئی طالب علم نہ تھا ۔ اس مجلس میں جب بھی سلطان المشائخ کا ذکر چلتا تو یہ دونوں نہایت تعصب سے آپ کا ذکر کرتے ، جو مجھے نہایت ناگوار ہوتا تھا اور میں اُن سے کہتا تھا کہ یہ باتیں تم اُسی وقت تک کہتے ہو جب تک کہ تم نے اُس بادشاہِ دین کو دیکھا نہیں ۔ الغرض میں نے ایک روز ان دونوں کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں چلیں ۔ جب وہ دونوں اور

۱- مولانا فخرالدین زرادی ساماتہ کے رہنے والے تھے ۔ سلطان محمد تغلق نے جب لوگوں کو دیوگیر بھیجا تو یہ بھی دیوگیر چلے گئے اور وہاں سے حج کے لیے گئے ۔ واپس آ رہے تھے کہ جہاز ڈوب گیا اور آپ نے غرق ہو کر شہادت پائی ۔ (تذکرہ علمائے ہند ، ص ۳۲۷ ، اُردو ترجمہ) تفصیل کے لیے دیکھیے : سیر العارفین ، اُردو ترجمہ ، ص ۹۳ - ۹۷ ؛ اخبارالاخیار ، ص ۹۱ - ۹۲ ؛ گلزارِ ابرار ، ص ۲۶۶ - ۲۷۳

میں سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم قدم بوسی کی سعادت حاصل کرکے بیٹھ گئے۔ سلطان المشائخ نے اُن دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں کہاں رہتے ہو ؟ اُن دونوں نے جواب دیا شہر میں۔ پھر پوچھا ، کہاں تعلیم پاتے ہو ؟ اُنھوں نے جواب دیا ، ہم مولانا فخرالدین ہانسوی سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ پھر فرمایا ، کیا پڑھ رہے ہو ؟ دونوں نے کہا کہ "ہدایہ"۔ پوچھا ، کہ سبق کہاں تک پہنچا ہے ؟ اُس وقت مولانا فخرالدین زرادی میرے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ذرا آگے بڑھ کر بیٹھ گئے اور اُن کا جو سبق تھا ، اُس کے متعلق تقریر کی اور جو شبہ اس سبق میں باقی رہ گیا تھا ، وہ بھی بیان کیا اور ساتھ ہی اُس شبہے کے دور کرنے کے لیے گزارش کی۔ سلطان المشائخ نے عالمانہ تبحر کے ساتھ دانش مندوں کے طریقے پر اس شبہے کا جواب دینا شروع کیا۔ سلطان المشائخ تقریر کرتے جاتے تھے اور سلطان المشائخ کی لطافتِ تقریر سے مولانا فخرالدین زرادی محوِ حیرت تھے جو آہستہ آہستہ پیچھے سرکتے جاتے تھے ، یہاں تک کہ میرے پاس پہنچ گئے اور میرے کان میں آہستہ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں ابھی سلطان المشائخ کا مرید ہو جاؤں۔ سلطان المشائخ نے پوچھا کہ یہ کیا کہتے ہیں ؟ بندگی شیخ نصیرالدین محمود نے عرض کیا کہ مرید ہونا چاہتے ہیں۔ سلطان المشائخ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ جب تم دوبارہ آؤ گے تو تمھیں مرید کیا جائے گا۔ پھر مولانا فخرالدین نے مجھ سے کہا ، اگر سلطان المشائخ نے مجھے اس مجلس میں مرید نہ فرمایا تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گا۔ پھر جب میں نے یہ بات سلطان المشائخ کے کانوں [۳۶۴] تک پہنچائی تو آپ نے فرمایا ، اچھا۔ چنانچہ اسی وقت مولانا زرادی اور امیرانِ بورکش کو کلاہ ارادت پہنا کر سرفراز فرمایا۔ مولانا فخرالدین نے سر منڈایا اور دانشوروں کے زمرے سے نکل کر درویشوں کے حلقے میں شامل ہو گئے۔ کاغذ اور کتابیں سب دوستوں کو دے دیں اور دانش مندی کا پندار اور طلب جاہ و منزلت کا غرور سر سے نکال دیا۔ امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے :

بود ز عقل بیش ازیں باد غرور در سرم
پیشِ درِ تو خاک شد آں ہمہ از کلاہیم

جس روز سے آپ سلطان المشائخ کے حلقۂ مریدین میں شامل ہوئے ،

اُسی وقت سے غیاث پور میں مقیم ہو گئے اور پانچ وقت کی نمازیں جماعت خانے میں سلطان المشائخ کے ساتھ پڑھتے تھے ۔ آپ سلطان المشائخ کےساتھ مقدس مقامات میں جاتے ۔ اُن روحانیوں کی مجلس میں آپ کی روح مطہر پرورش پاتی تھی اور مستِ ذوق ہو کر آپ اُس مجلس سے لوٹتے تھے ۔ کچھ دن کے بعد آپ نے سلطان المشائخ کے گھر کے سامنے گھر لے لیا تھا ۔ وہیں رہتے تھے ۔ کسی خوش نصیب ہی کو یہ سعادت حاصل ہوتی ہے ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

ع ۔ خوش آں سرے کہ شود خاک آستانۂ تو

جب تک سلطان المشائخ حیات رہے ، مولانا زرّادی نے اپنا سر اُس آستانے سے جدا نہیں کیا ۔ یہ فقیر کہتا ہے :

عشق آں را مسلم است اے جاں
کو نہد سر بر آستانۂ دوست

امیر حسن نے کیا اچھا کہا ہے :

اگر رقیبِ تو پرسد حسن چہ ماند بریں در
تو آبروئے دہ او را بگو کہ خاک در است ایں

سلطان المشائخ کی وفات کے بعد مولانا زرّادی کا قیام :

جب سلطان المشائخ جنت الفردوس میں آرام فرما ہوئے تو آپ کی وفات کے بعد مولانا کا آرام و قرار رخصت ہوا ۔ کچھ عرصہ دریائے جمنا کے کنارے ، جہاں اب فیروز شاہ کا محل بنا ہوا ہے اور جہاں اب ایک شہر فیروزآباد آباد ہو گیا ہے ، مقیم ہو گئے ۔ سبحان اللہ ! مولانا زرادی کے قدوم میمنت لزوم کی برکت دیکھیے کہ آپ کے قدموں کی برکت سے وہاں بادشاہ کا محل تعمیر ہوا اور آہستہ آہستہ ایک بڑا شہر آباد ہو گیا ۔ آپ کچھ زمانے لونی میں بھی رہے ۔ کچھ عرصہ حوض علائی خاص پر بھی بود باش اختیار کی ، لیکن زیادہ وقت سفر میں گزارا اور حضرت شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزیؒ کی زیارت کے لیے اجمیر گئے ۔ اس کے بعد شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین [۲۶۵] قدس اللہ سرہ العزیز کی زیارت کے لیے اجودھن حاضر ہوئے ۔ الغرض پہاڑوں ، جنگلوں اور غاروں میں عبادتِ الٰہی کرتے تاکہ کوئی اس پر مطلع نہ ہو ۔ آپ نے ساری عمرِ عزیز پیر

کی صحبت اور پیر کے عشق میں گزاری ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

بکنج غارے عزلت گزینم از ہمہ خلق
کز آں لطیفِ جہاں یارِ غارِ من باشد

ما حصل یہ ہے کہ آپ کو سلطان المشائخ کی نظر مبارک کی وجہ سے قبولیتِ عامہ حاصل تھی ۔ جس کی نظر آپ کے چہرۂ مبارک پر پڑتی ، وہ سرزمین پر رکھ دیتا اور آپ کا گرویدہ ہو جاتا ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

نکتۂ دوم

مولانا فخر الدین زرّادیؒ کے مجاہدوں اور شغلِ باطنی کے بارے میں

مولانا زرّادی کی عزلت گزینی (بسنالہ کے پہاڑ میں قیام) :

کاتبِ حروف عرض کرتا ہے کہ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد مولانا زرّادیؒ بند بسنالہ میں جو پہاڑ میں واقع ہے اور اس پر ایک غیر آباد مسجد ہے ، اُس مسجد میں یادِ الٰہی میں مشغول ہوئے ۔ جہاں یہ بند ہے اُس جگہ کے ویران ہونے کی وجہ سے کوئی فرد بشر نہیں رہتا تھا ۔ اس کے علاوہ وہاں شیر اور بھیڑیے کا بھی خطرہ تھا ۔ مولانا جب وہاں گئے تو آپ کے ساتھ دو تین آدمی تھے جو مولانا کی خدمت میں رہتے تھے لیکن جب اُنھوں نے دو تین روز دیکھا کہ وہاں کوئی چیز نہیں ملتی تو وہاں سے راہِ فرار اختیار کی اور مولانا کو تنہا اُس جنگل میں چھوڑ دیا ۔ خواجہ حکیم سنائی نے کیا اچھا کہا ہے :

بے بلا نازنیں شمرد او را
چوں بلا دید در سپرد او را

جب اس کی خبر کاتبِ حروف کے والد کو ہوئی ۔ اُنھوں نے کھانا تیار کرایا اور کھانے کا دوسرا سامان ساتھ لیا اور اُن چند دوستوں کے ساتھ ، جو مولانا سے خلوص رکھتے تھے اور آپ کے شاگرد تھے ، جیسا کہ مولانا استادنا رکن الملۃ والدین الدربتی[1] اور مولانا سراج الدین عثمان ،

۱۔ مولانا رکن الدین الدربتی جن سے مصنفِ سیرالاولیاء محمد بن مبارک نے بھی تعلیم پائی تھی ۔ (نزہتہ الخواطر ، جلد ۲ ، ص ۴۵)

جن کا تذکرہ سلطان المشائخ کے خلفاء کے اور مولانا صدر الدین برادر مولانا رکن الدین اندرپتی اور سلطان المشائخ کے رکاب دار عبداللہ کولی اور میں (راقم الحروف) ، جو اُس زمانے میں بچہ تھا ، ہم سب کو ساتھ لے کر مولانا زرادی کی خدمت میں بسنالہ پہنچے ۔ دیکھا کہ وہ بادشاہِ فقر و مجاہدہ ، بند بسنالہ میں عین اُس مقام پر جو شیروں اور سانپوں کا مسکن تھا اور وہاں بیسیوں سانپوں کی کینچلیاں لٹکی ہوئی تھیں ، اس خوفناک مقام پر ، مستقبل سے بے پروا ، قبلہ رخ یادِ الٰہی میں مشغول ہیں ۔ آٹھ روز گزر چکے تھے کہ آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا ، لیکن پھر بھی آپ کے چہرے سے کسی کمزوری اور ضعف کے آثار ظاہر نہیں ہوتے تھے ۔ آپ مجردِ روح ہو گئے تھے اور بیابان و پہاڑوں کو [۲۶۶] اپنے جمال سے روشن اور منور بنائے ہوئے تھے اور خواجہ حکیم سنائی کی مثنوی ، جو اُنھوں نے سلطان المشائخ کی زبان گُہر بار سے سنی تھی ، اس پر عمل کر رہے تھے :

مثنوی

دست و کہسار گیر ہمچو و حوش
خانماں را بماں بہ گربہ و موش
خانہ کاں از برائے قوت کنند
مور و زنبور و عنکبوت کنند
قوتِ عیسیٰ چو ز آسماں سازند
ہم بداں جاش خانہ پردازند

جب ہم سب اُس عاشقِ صادق کی خدمت میں پہنچے تو مولانا ہمارے آنے سے بہت خوش ہوئے اور آپ نے اپنے دوستوں کے آنے کو غنیمت سمجھا اور ہر ایک سے اُس کی حیثیت کے مطابق مزاج پُرسی کی اور فرمایا کہ آپ حضرات نے اس قدر زحمت کیوں اُٹھائی ۔ میں جانتا ہوں کہ میرے دوستوں میں سے کسی نے تم کو خبر دی ہے ۔ پھر فرمایا ، سبحان اللہ ! ایک تو موافقت نہیں کر سکتے ۔ دوسرے یہ کہ راز کو ظاہر کرتے ہیں ۔ لیکن آپ حضرات کی ملاقات مقدر تھی تو حق تعالیٰ نے ملاقات کا یہ ذریعہ بنا دیا ۔

عبادت و ریاضت :

الغرض آپ مجاہدوں میں سخت کوشش کرتے تھے اور ابتدا ہی سے اس سعادت کے حاصل کرنے کے لیے نہایت مستحکم تھے ۔ کاتب حروف بچپن سے لے کر بالغ ہونے تک اس بزرگ کی خدمت میں بہت رہا اور جب بھی خلوت میں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ، میں نے دیکھا کہ آپ قبلہ رو بیٹھے ہوئے سر زانوئے مبارک پر رکھے ہوئے یادِ الٰہی میں مشغول ہیں ۔ میں نے بہت دفعہ اس کیفیت کا مشاہدہ کیا ہے ۔

سلطان المشائخ کی وفات کے بعد آپ صوم دوام (دائمی روزہ) رکھنے لگے تھے اور جب تک حیات رہے کبھی روزہ افطار نہیں کیا ۔

حضرت شیخ نصیرالدین محمود؃ فرمایا کرتے تھے کہ وہ روحانی ترقیات ، جو ہم ایک یا دو ماہ میں حاصل کرتے تھے ، مولانا فخرالدین زرادی ایک گھڑی میں اُن روحانی ترقیات کو حاصل کر لیتے تھے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

نکتۂ سوم

مولانا فخرالدین زرّادیؒ کے علم اور تبحر کے بارے میں

ایک دانش مند کا خواب :

کاتب الحروف قارئین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ سلطان المشائخ کی حیات میں مالکی مذہب کا ایک بغدادی دانش مند غیاث پور آیا ۔ اُس نے شہر میں آنے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ بہشتی طبق ہاتھ میں لیے ہوئے ، جس پر ایک سبز کپڑا ڈھکا ہوا تھا ، آسمان سے نیچے اُتر رہا ہے ۔ اُس دانش مند نے فرشتے سے پوچھا کہ اس طبق میں کیا ہے ؟ فرشتے نے کہا کہ اس میں علم من لدنی ہے ۔ مجھے خدا کا حکم ہے کہ میں اسے لے جاؤں اور مولانا فخرالدین زرادی کے سینے میں ڈال دوں [۲۶۷] ۔ پھر اس دانش مند نے پوچھا ، یہ مولانا فخرالدین زرادی کون ہیں ؟ فرشتے نے جواب دیا ، وہ ایک دانش مند ہیں ، جو شیخ نظام الدین کے مریدوں میں ہیں اور علائق دنیوی سے مجرد ہیں ۔ دانش مند یہ خواب دیکھنے کے بعد شہر (دہلی) نہیں گیا بلکہ سلطان المشائخ کی خدمت

جن کا تذکرہ سلطان المشائخ کے خلفاء کے اور مولانا صدر الدین برادر مولانا رکن الدین اندرپتی اور سلطان المشائخ کے رکاب دار عبداللہ کولی اور میں (راقم الحروف) ، جو اُس زمانے میں بچہ تھا ، ہم سب کو ساتھ لے کر مولانا زرادی کی خدمت میں بسنالہ پہنچے ۔ دیکھا کہ وہ بادشاہِ فقر و مجاہدہ ، بند بسنالہ میں عین اُس مقام پر جو شیروں اور سانپوں کا مسکن تھا اور وہاں بیسیوں سانپوں کی کیچلیاں لٹکی ہوئی تھیں ، اس خوفناک مقام پر ، مستقبل سے بے پروا ، قبلہ رخ یادِ الٰہی میں مشغول ہیں ۔ آٹھ روز گزر چکے تھے کہ آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا ، لیکن پھر بھی آپ کے چہرے سے کسی کمزوری اور ضعف کے آثار ظاہر نہیں ہوتے تھے ۔ آپ مجردِ روح ہو گئے تھے اور بیابان و پہاڑوں کو [۲۶۶] اپنے جمال سے روشن اور منور بنائے ہوئے تھے اور خواجہ حکیم سنائی کی مثنوی ، جو اُنھوں نے سلطان المشائخ کی زبان گُہر بار سے سنی تھی ، اس پر عمل کر رہے تھے :

مثنوی

دشت و کہسار گیر ہمچو و حوش
خانماں را بماں بہ گربہ و موش
خانہ کاں از برائے قوت کنند
مور و زنبور و عنکبوت کنند
قوتِ عیسیٰ چو ز آسماں سازند
ہم بداں جاش خانہ پردازند

جب ہم سب اُس عاشقِ صادق کی خدمت میں پہنچے تو مولانا ہمارے آنے سے بہت خوش ہوئے اور آپ نے اپنے دوستوں کے آنے کو غنیمت سمجھا اور ہر ایک سے اُس کی حیثیت کے مطابق مزاج پُرسی کی اور فرمایا کہ آپ حضرات نے اس قدر زحمت کیوں اُٹھائی ۔ میں جانتا ہوں کہ میرے دوستوں میں سے کسی نے تم کو خبر دی ہے ۔ پھر فرمایا ، سبحان اللہ ! ایک تو موافقت نہیں کر سکتے ۔ دوسرے یہ کہ راز کو ظاہر کرتے ہیں ۔ لیکن آپ حضرات کی ملاقات مقدر تھی تو حق تعالیٰ نے ملاقات کا یہ ذریعہ بنا دیا ۔

عبادت و ریاضت :

الغرض آپ مجاہدوں میں سخت کوشش کرتے تھے اور ابتدا ہی سے اس سعادت کے حاصل کرنے کے لیے نہایت مستحکم تھے ۔ کاتب حروف بچپن سے لےکر بالغ ہونے تک اس بزرگ کی خدمت میں بہت رہا اور جب بھی خلوت میں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ، میں نے دیکھا کہ آپ قبلہ رو بیٹھے ہوئے سر زانوئے مبارک پر رکھے ہوئے یادِ الٰہی میں مشغول ہیں ۔ میں نے بہت دفعہ اس کیفیت کا مشاہدہ کیا ہے ۔

سلطان المشائخ کی وفات کے بعد آپ صوم دوام (دائمی روزہ) رکھنے لگے تھے اور جب تک حیات رہے کبھی روزہ افطار نہیں کیا ۔

حضرت شیخ نصیرالدین محمودؒ فرمایا کرتے تھے کہ وہ روحانی ترقیات ، جو ہم ایک یا دو ماہ میں حاصل کرتے تھے ، مولانا فخرالدین زرادی ایک گھڑی میں اُن روحانی ترقیات کو حاصل کر لیتے تھے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

نکتۂ سوم

مولانا فخرالدین زرّادیؒ کے علم اور تبحر کے بارے میں

ایک دانش مند کا خواب :

کاتب الحروف قارئین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ سلطان المشائخ کی حیات میں مالکی مذہب کا ایک بغدادی دانش مند غیاث پور آیا ۔ اُس نے شہر میں آنے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ بہشتی طبق ہاتھ میں لیے ہوئے ، جس پر ایک سبز کپڑا ڈھکا ہوا تھا ، آسمان سے نیچے اُتر رہا ہے ۔ اُس دانش مند نے فرشتے سے پوچھا کہ اس طبق میں کیا ہے ؟ فرشتے نے کہا کہ اس میں علم من لدنی ہے ۔ مجھے خدا کا حکم ہے کہ میں اسے لے جاؤں اور مولانا فخرالدین زرادی کے سینے میں ڈال دوں [۲۶۷] ۔ پھر اس دانش مند نے پوچھا ، یہ مولانا فخرالدین زرادی کون ہیں ؟ فرشتے نے جواب دیا ، وہ ایک دانش مند ہیں ، جو شیخ نظام الدین کے مریدوں میں ہیں اور علائق دنیوی سے مجرد ہیں ۔ دانش مند یہ خواب دیکھنے کے بعد شہر (دہلی) نہیں گیا بلکہ سلطان المشائخ کی خدمت

میں غیاث پور آیا اور اپنا خواب آپ سے بیان کیا ۔ پھر آپ سے گزارش کی کہ میں چاہتا ہوں کہ مولانا فخرالدین زرادی کو دیکھوں ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ وہ اس وقت جماعت خانے میں ہوں گے یا سیدوں کے گھر میں ہوں گے ۔ سلطان المشائخ کی مراد سیدوں کے گھر سے کاتب الحروف کے والد اور چچاؤں کے گھر سے تھی ۔ مولانا کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی ۔

الغرض وہ دانش مند جماعت خانے میں آیا ۔ اُس نے وہاں کے حاضرین سے پوچھا کہ یہاں مولانا فخرالدین زرادی کون ہیں ؟ حاضرین نے مولانا فخرالدین زرادی کی طرف اشارہ کیا ۔ اس نے دیکھا کہ ایک نحیف الجسم ، بلند قد ، سفید رنگ ، خوب صورت نہایت ملیح جوان ہے ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

اے صورتت ز گوہرِ معنٰی خزینۂ
ما را ز دردِ عشق تو در دلِ دفینۂ

اور اُن کا چہرۂ مبارک صفائیِ باطن کی وجہ سے آفتاب کی طرح روشن ، جماعت خانے کے ایک کونے میں یادِ الٰہی میں مشغول ہیں ۔ دانش مند ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیٹھ کر اپنا خواب بیان کیا ۔ مولانا فخرالدین زرادی مسکرائے اور فرمایا ، اس بارگاہ کے کئی مرید فخرالدین زرادی ہیں ۔ معلوم نہیں وہ کون سا فخرالدین زرادی ہے ۔ اس دانش مند نے ''مجمع البحرین'' ، جو فقہ کی نہایت عجیب کتاب ہے اور ''تصریف مالکی'' جس سے مختصر اور پُرمعنی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ، سب سے پہلے یہی دانش مند اس کا نسخہ لے کر آیا تھا ، ورنہ وہ پہلے ناپید تھی ۔ اُس نے یہ دونوں نسخے مولانا فخرالدین زرادی کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ''تصریف مالکی'' کے سلسلے میں کہا کہ اس کے مصنّف نے ''تصریف'' کے قواعد و مقدمات کو اس نوعیت سے لکھا ہے کہ اس کے مشکل مقامات کا حل دشوار ہے اور ابھی تک ان دونوں کتابوں کی شرح نہیں لکھی گئی ۔ مولانا فخرالدین زرادیؒ نے ''تصریف مالکی'' کا نسخہ اُس دانش مند کے ہاتھ سے لے لیا اور عشا کی نماز کے بعد سونے سے قبل ایک گھنٹہ تک اس کا مطالعہ کرتے رہے اور مشکل مقامات کی تشریح اپنے قلم سے ہر مشکل کلمۂ متن کے نیچے لکھ دی اور اسی طرح اُس کتاب کے ہر مشکل مقام کو حل

کر دیا - جب صبح ہوئی تو آپ نے "تصریف مالکی" کا وہ نسخہ ، جو آپ نے درست کیا تھا ، اس دانش مند کو دیا - "مجمع البحرین" کے شائع ہونے سے پہلے مولانا رکن الدین [۲۶۸] اندرپتی یہ کتاب مولانا زرادی سے پڑھا کرتے تھے - جب یہ دانش مند مولانا کے بحرِ علمی سے واقف ہوا تو اس نے کہا الحمد للہ میرا خواب سچا نکلا - ایسی علمی قوت صرف اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے ، جس کا سینہ علم مِن لدنی سے آراستہ ہوتا ہے - جب مولانا فخرالدین زرادی نے ان دونوں کتابوں کو بغیر کسی شرح کے پڑھانا شروع کیا اور ان کے غوامض و لطائف کو بیان کیا ، تب شہر کے اہلِ علم میں ان دونوں کتابوں کا چرچا عام ہوا اور علماءِ شہر میں دونوں کتابوں کی شہرت ہوئی -

اُسی زمانے میں راقم الحروف کے والد علیہ الرحمہ نے سلطان المشائخؒ کے گھر کے قریب ایک مکان کرائے پر لے کر مدرسہ قائم کیا تھا جس میں ذہین اور طبّاع طالب علموں کو جمع کیا تھا - وہ خود بھی اس مدرسے میں درس دیا کرتے تھے تاکہ کاتبِ حروف بھی ان طالب علموں کے ساتھ کچھ پڑھا جائے - مولانا فخرالدین زرادی بھی چاشت کی نماز کے بعد اس مجلس میں تشریف لاتے اور مولانا رکن الدین اندرپتی کو "ہدایہ" کا سبق دیا کرتے تھے - ایک روز عالم ربانی مولانا کمال الدین سامانی[1] جو شہر کے مشاہیر علماء میں تھے ، سلطان المشائخؒ کی زیارت کے لیے آئے - جب وہ سلطان المشائخؒ کی ملاقات سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو اس یگانگت اور دوستی کی وجہ سے جو مولانا کمال الدین اور مولانا زرادی میں تھی ، اُن کی مجلس میں بھی حاضر ہوئے - اس وقت مولانا کمال الدین سامانی "ہدایہ" کا سبق پڑھا رہے تھے - جب مولانا فخرالدین زرّادی نے مولانا کمال الدین سامانی کو آتے دیکھا تو صاحب "ہدایہ" نے

۱- مولانا کمال الدین سامانوی : اپنے عہد کے مشہور اساتذہ میں تھے اور ایک عرصے تک دہلی میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے - جب سلطان محمد تغلق دولت آباد گیا تو یہ بھی اس کے حکم سے دولت آباد گئے اور آخر عمر تک وہاں بھی درس دیتے رہے - اُن کے تلامذہ میں شیخ زین الدین داؤد بن حسن شیرازی وغیرہ ہیں - ("نزہۃ الخواطر" ، جلد ۲ ، ص ۱۱۶)

جن احادیث سے فقہ حنفی کے مسائل میں استنباط کیا ہے ، ان کو چھوڑ کر صحیحین[1] کی احادیث سے تمسک شروع کیا ۔ مولانا کمال الدین نے دیکھا کہ وہ صاحب ''ھدایہ'' کی دی ہوئی حدیثوں کو چھوڑ کر دوسری حدیثوں سے تمسک کر رہے ہیں ، تو انھوں نے فرمایا ، آپ ایسا کیوں کرتے ہیں ۔ مولانا زرادی نے فرمایا کہ اگر آپ کو کوئی خلجان ہے تو بیان فرمائیے ۔ چونکہ مولانا زرادی اپنی تقریر میں مستحکم تمسکات کو پیش کر رہے تھے ، مولانا کمال الدین دورانِ تقریر دادِ تحسین دیتے رہے ۔

مولانا کے تبحرِ علمی کا ایک واقعہ :

مولانا کمال الدین سامانی بیان کرتے ہیں کہ سماع کی بحث کے دوران (جیسا کہ محضرِ سماع کے لکھنے میں لکھا گیا ہے) مولانا زرّادی نے علماء شہر کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ تم دو میں سے کوئی بھی پہلو اختیار کرو ۔ اگر تم سماع کو حرام کہو تو میں اس کو حلال ثابت کر سکتا ہوں ۔ اگر تم حلال کہو تو میں اسے حرام ثابت کر سکتا ہوں ۔ مولانا کمال الدین نے اُن کے اس واقعہ کو بیان کر کے فرمایا کہ یہ بات مولانا زرادی کے وفور علم پر دلالت کرتی ہے کہ اُنھوں نے اتنے بڑے علماء کے مجمع میں یہ دعویٰ کیا ۔ واقعی وہ ان لوگوں میں تھے کہ وہ اپنے علم و تقویٰ کی قوت کی بنا پر اگر چاہتے تو اپنے مدعا کو ثابت کر سکتے تھے ۔

مولانا فخرالدین زرادی کی یہ عجیب خاصیت تھی کہ بحث میں [۲۶۹] مسامحت سے کام نہ لیتے تھے اگرچہ اُن کے مقابل علامہ زماں ہی کیوں نہ ہوتا ۔ جب تک کہ وہ اپنے دلائل و براہین سے اس کو عاجز نہ کر دیتے ، خاموش نہ ہوتے ۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ سلطان المشائخ کے جماعت خانے میں ظہر کی نماز کے بعد مولانا وجیہ الدین پائلی (جن کا ذکر سلطان المشائخ کے اعلیٰ مریدوں میں ہو چکا ہے) بیٹھے تھے اور مولانا فخرالدین زرادی بھی وہاں موجود تھے ۔ ان دونوں بزرگوں میں علم اصولِ فقہ کے متعلق کتاب ''بزودی'' میں کچھ بحث ہو پڑی ۔ بحث نے طول کھینچا ۔ مولانا وجیہ الدین

۱۔ صحیحین : صحیح بخاری و صحیح مسلم ۔

بانی مقدمات کی تقریر کرتے اور مولانا فخرالدین نہایت سکون اور دلکش انداز میں اُن مقدمات میں اضافہ کرتے ۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ مولانا وجیہ الدین کو غصہ آ گیا اور وہ تشنیع پر اُتر آئے ۔ مولانا فخرالدین پر گریہ غالب آیا اور گریہ کی وجہ سے جواب سے قاصر رہے ۔ جب مولانا وجیہ الدین طعن و تشنیع سے رُکے تو مولانا فخرالدین نے اُسی مجلس میں درویشانہ صفائی کر لی اور اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ اُسی زمانے میں ایک روز مولانا فخرالدین زرادی نے کاتبِ حروف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا نصیرالدین محمود سے فرمایا کہ یہ بچہ تعلیلات میں بہت ہوشیار ہے ، اس سے کچھ پوچھیے ۔ شیخ نصیرالدین نے مجھ سے پوچھا کہ بتاؤ یعِب اصل میں کیا تھا ۔ جب میں نے اس کلمے کی پوری تعلیل کی تو شیخ نصیرالدین نے مجھ سے پوچھا کہ یعِب میں تو واؤ گر گیا لیکن اجب اور عجب میں وہ علت نہ تھا ، پھر واؤ کیوں ساقط ہوا ؟ میں نے عرض کیا کہ باب کے اطراد کے لیے ۔ میرا یہ جواب سن کر مولانا فخرالدین نہایت خوش ہوئے اور انشراح دلی کے ساتھ مجھے دستارچہ جامگی مع مسواک عنایت فرمایا ۔ مقصود اس واقعے کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ یہ فقیر و حقیر ان دونوں بزرگوں کی نظر میں خلعت اور تحسین کا مستحق ٹھہرا ۔ الغرض جب مولانا فخرالدین سبق سے فارغ ہوتے تو قصیدۂ سبعیات سے ایک شعر پڑھ کر اس کی تعلیلات پوچھتے اور مجھے نصیحت فرماتے کہ لفظوں کی بابت زیادہ کوشش کیا کرو کہ اصل یہ ہیں اور انھی سے دوسرے علوم کی راہیں تم پر کھلیں گی ۔

تصانیف :

مولانا فخرالدین کو اجتہاد کا درجہ حاصل تھا اور اپ نے اباحت سماع پر دو رسالے لکھے ہیں اور اباحت کے مقدمات [۲۷۰] اصولِ فقہ کے مطابق لکھے ہیں ، جن سے مولانا کے کمالِ علم اور تبحر کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسرے فضائل مثلاً گریۂ جگر سوز ، ذوقِ دروفی اور صفائیِ ظاہر و باطن میں اُن کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ قلم اُن کی تحریر سے قاصر ہے ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

سعدیٰ کہ داد حسن ہمہ نیکواں بداد
عاجز بماند در تو زبانِ فصاحتش

اگر کسی وقت مولانا فخرالدینؒ اپنے مریدوں کے ساتھ کھیتوں، باغ، پہاڑ، اور صحرا کی سیر کے لیے باہر جاتے تو کاتبِ حروف بھی ان بزرگوں کے ساتھ ہوتا۔ خدائے تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آج تیس سال گزرنے کے بعد بھی میں اُس مجلس کا لطف اپنے اندر محسوس کرتا ہوں۔ امیر خسرو فرماتے ہیں:

مرا باز آں طریقِ ساقیِ خود یاد می آید
غمِ دیرینہ بازم در دلِ ناشاد می آید

یہ بندہ اُن بزرگوں کو یاد کر کے سلطان المشائخؒ کے طفیل میں زندہ ہے۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے:

جان من زندہ بتاثیر ہوائے دگر است
ساز واری نکند آب و ہوائے دگرم

نکتۂ چہارم

مولانا فخرالدین زرادی کے سماع سننے کے بارے میں اور اُن کے گریۂ جگر سوز کے متعلق اور اس شغف کے بارے میں جو آپ کو سماع سے تھا

حوض علائی پر سماع کی ایک محفل:

کاتبِ حروف عرض کرتا ہے کہ ایک رات حوض خاص علائی پر محفلِ سماع منعقد ہوئی۔ اُس مجلس میں مولانا حسام الدین ملتانی خلیفۂ سلطان المشائخؒ حاضر تھے اور خوش گو اور خوش الحان قوّال بھی موجود تھے۔ جب سماع شروع ہوا تو مولانا فخرالدین زّرادی پر سماع کی کیفیت طاری ہوئی اور گریہ سے اس قدر مغلوب ہوئے کہ آپ کا سانس رک گیا۔

ع — گریہ گرہ شد در گلو، رہ بستہ شد آواز را

جب لوگ مجلس وجد و حال سے اُٹھے تو میں نے مولانا فخرالدین زرادی کو دیکھا کہ اُن کی پیشانی زرد ہو گئی تھی اور آنکھوں سے آنسو نہر کی طرح بہہ رہے تھے۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

چشم ما آب رواں کرد چہ چارہ است آں را
کہ بحیلہ نتواں آب رواں گرد آورد

اور آپ حالتِ وجد میں گانے پر پاؤں کے انگوٹھوں پر اُچھلتے تھے۔

مولانا حسام الدین کو میں نے دیکھا کہ حالتِ وجد میں صدر مقام سے اُٹھ کر قوالوں کے پاس جاتے۔ شعر سنتے اور پھر اپنی جگہ واپس لوٹ آتے۔ ان دونوں بزرگوں کی کیفیت سماع نے تمام حاضرینِ مجلس پر اثر کیا۔

دولت آباد کی مجلسِ سماع :

[۲۷۱] چنانچہ اسی طرح جب مولانا فخرالدین دولت آباد ٹھہرے ہوئے تھے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا تھا، سلطان حوض پر مجلس سماع منعقد ہوئی۔ کاتبِ حروف کے چچا سیّد خاموش اور دوسرے مرید اور عزیز اس مجلس میں حاضر تھے۔ اس مجلس میں مسعود سحر خواں نے امیر خسرو کی ایک غزل نہایت سوز و گداز سے پڑھی۔ جب وہ ان دو شعروں پر پہنچے :

قطعہ

تو بادشاہِ بتانے و خواہشم اینست
کہ شغل روئے تہی بر درت مرا باشد
ندانم ایں دلِ گمراہ را کہ فتویٰ داد
کہ بت پرستیِ در عاشقی روا باشد

تو ان دو شعروں نے مولانا پر غیرمعمولی اثر کیا اور آپ پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ آپ قریب المرگ ہوگئے۔ کثرتِ گریہ سے آپ کے پپوٹے سرخ ہوگئے تھے۔ نہایت سریع البکا تھے۔ سلطان المشائخؒ کے اعلیٰ مریدوں میں کوئی بھی اس قسم کا گریہ نہ رکھتا تھا جیسا کہ آپ رکھتے تھے۔

نکتۂ پنجم

مولانا فخرالدین زرادی قدس اللہ سرہ العزیز اور سلطان محمد بن تغلق انار اللہ برہانہ کی ملاقات کے بارے میں

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ جس زمانے میں سلطان محمد تغلق نے شہر کے لوگوں کو دہلی سے دیوگیر روانہ کیا، وہ اُس زمانے میں چاہتا تھا کہ ترکستان اور خراسان کے ملکوں پر قبضہ کرے اور آل چنگیز خاں کی جڑیں اکھیڑ پھینکے، اُس نے دہلی اور نواحِ دہلی کے اُن امرا اور

وزرا اور شرفا کو جو دہلی میں جمع ہوگئے تھے ، حاضر ہونے کا حکم دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ بڑا خیمہ نصب کریں اور اس کے نیچے منبر رکھیں تا کہ وہ اس منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو کفار سے جہاد کرنے کی ترغیب و تحریص دلائے ۔ الغرض سلطان محمد تغلق نے اُسی دن مولانا فخرالدین ، مولانا شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیرالدین محمود کو بھی طلب کیا تو شیخ قطب الدین دبیر نے جو سلطان المشائخؒ کے خوش اعتقاد مریدوں میں تھے ، اپنے پیر کے جمالِ ولایت کے عاشقوں میں تھے اور مولانا فخرالملت والدین زرّادی کے شاگردوں میں تھے ، چاہا کہ قبل اس کے کہ دوسرے عزیز آئیں ، وہ سب سے پہلے اُن کو بادشاہ کے پاس لے جائیں ، لیکن خود مولانا زرادی کو بادشاہ سے ملاقات ناپسند تھی ، بلکہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے سر کو اس مرد کی سرائے میں لڑھکتا ہوا دیکھتا ہوں ، یعنی میں اس سے نرمی سے پیش نہ آؤں گا اور وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ الغرض جب مولانا کی ملاقات سلطان [۲۷۰] محمد تغلق سے ہوئی تو شیخ قطب الدین دبیر نے نوکروں کی طرح مولانا زرادی کے جوتے اپنی بغل میں دبا کر کھڑے ہوگئے ۔ سلطان یہ دیکھ کر خاموش رہا اور اس موقع پر کچھ نہیں کہا اور مولانا فخرالدینؒ سے باتوں میں مشغول ہو گیا ۔ اس نے مولانا سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آل چنگیز خاں کو جڑ سے اُکھیڑ پھینکوں ۔ کیا آپ مجھے اس کام میں مدد دیں گے ؟ مولانا نے فرمایا ، انشاء اللہ تعالیٰ ۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کلمۂ شک ہے ۔ مولانا نے کہا ، مستقبل کے لیے یہی کلمہ مستعمل ہوتا ہے ۔ مولانا کا یہ جواب سن کر بادشاہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگا ۔ پھر اس نے مولانا سے کہا ، مجھے کچھ نصیحت کیجیے تا کہ میں اُس پر عمل کروں ۔ مولانا نے فرمایا کہ غصہ چھوڑ دو ۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کس قسم کا غصہ ؟ فرمایا ، درندوں کا سا غصہ ۔ اس بات سے بادشاہ اَور بھی غضب ناک ہوا ۔ اس کے چہرے سے غضب کے آثار ظاہر ہوئے لیکن اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا ۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ دسترخوان چنا جائے ۔ جب کھانا لایا گیا تو مولانا اور بادشاہ ایک رکابی میں کھانے میں مشغول ہوئے ۔ کھانے کے وقت مولانا زرّادی اس قدر منغض تھے کہ بادشاہ نے بھی یہ محسوس کر لیا کہ مولانا کو میرے ساتھ کھانا پسند نہیں ۔ بادشاہ ہڈیوں سے گوشت جدا کرتا تھا اور تواضعاً مولانا کے سامنے رکھتا جاتا تھا ۔ مولانا

یہ اگرچہ اس میں سے تھوڑا تھوڑا نوش فرماتے جاتے تھے ۔ الغرض جب دسترخوان بڑھایا گیا تو مولانا شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیرالدین محمود کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا ۔ اس موقع پر دو روایتیں بیان کی جاتی ہیں ۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب یہ دونوں بزرگ آئے تو مولانا شمس الدین نے مولانا فخرالدین کو نہ صرف جگہ دی بلکہ مولانا شمس الدین کو اپنے سے اونچے درجے پر مولانا نصیرالدین محمود کے ساتھ بٹھایا ۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایک جانب مولانا شمس الدین یحییٰ اور مولانا نصیرالدین محمود بیٹھے اور دوسری جانب مولانا فخرالدین زرّادی بیٹھے ہوئے تھے ۔ پہلی روایت صحیح ہے ، اس لیے کہ شیخ قطب الدین دبیر اُس مجلس میں موجود تھے اور ان ہی سے پہلی روایت مروی ہے ۔ جب اس مجلس کے برخاست ہونے کا وقت ہوا ، تو ان بزرگوں کے لیے سوتی کپڑے اور روپے کی تھیلیاں بادشاہ کی طرف سے لائی گئیں ۔ ہر ایک نے کپڑے اور روپے لیے [۲۷۳] اور جس طرح آئے تھے ، ویسے ہی بادشاہ کی خدمت سے لوٹے ، لیکن قبل اس کے کہ کپڑے اور روپے کی تھیلی مولانا فخرالدین زرّادی کے ہاتھ میں دیں ، شیخ قطب الدین دبیر نے جلدی سے دوڑ کر وہ تھیلی اور کپڑے ہاتھ میں لے لیے ، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ مولانا فخرالدین کپڑے اور تھیلی کو نہیں لیں گے اور اس کو بادشاہ کی تحقیر سمجھا جائے گا ۔ جب یہ بزرگ لوٹے ، بادشاہ نے شیخ قطب الدین دبیر سے کہا اے دھوکے باز اور مکّار ! یہ کیا حرکت تُو نے کی ۔ پہلے تو نے فخرالدین کے جوتے بغل میں دبائے ۔ پھر تم نے اس کا کپڑا اور روپیوں کی تھیلی اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس طرح تُو نے اس کو میری تلوار سے رہائی دلائی اور اس کی بلا کو اپنے سر لے لیا ۔ شیخ قطب الدین دبیر نے کہا کہ وہ میرے اُستاد ہیں اور میرے مخدوم کے خلیفہ ہیں ۔ میرے لیے مناسب یہ تھا کہ تعظیماً میں اُن کے جوتے سر پر رکھتا ۔ میں نے اسی پر کفایت کی کہ ان کے جوتے بغل میں دبا لیے اور روپیہ اور کپڑا تو قابلِ ذکر ہی نہیں ۔ بادشاہ نے مزاح آمیز پیرائے میں چند سخت و سُست باتیں شیخ قطب الدین دبیر کو کہیں اور کہا ، یہ کفر آمیز اعتقادات چھوڑو ورنہ میں تجھ کو قتل کرا دوں گا ، اگرچہ بادشاہ کو اُن کے حسنِ اعتقاد اور بے ریائی کی خبر تھی لیکن پھر بھی شیخ قطب الدین دبیر کو تکلیف دینے کے لیے بادشاہ اور اس کے امرا ان سے

سلطان المشائخ کے بارے بے ادبانہ مباحثے کیا کرتے ، لیکن شیخ قطب الدین دبیر بھرے دربار میں بادشاہ کی حضوری میں سخت جواب دیتے اور کہتے کہ میری انتہائی خوش قسمتی ہوگی اگر میں سلطان المشائخ کی محبت میں مارا جاؤں ، درجۂ شہادت پاؤں ، اُن کی خدمت میں جلد پہنچوں اور تمھاری بے توقیری سے نجات پاؤں ۔

الغرض وہ بادشاہِ قتّال آخر عمر تک ، جب بھی اُس کی مجلس میں مولانا فخرالدین زرادی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چلتا ، تو بادشاہ کفِ افسوس ملتے ہوئے کہتا کہ افسوس ، فخرالدین زرادی میری تلوار خون آشام سے سلامت نکل گئے ۔ چونکہ مولانا کا باطنی تعلق خدا سے تھا اور وہ حق تعالیٰ کی حفاظت میں تھے ، اس لیے اُن کے دشمن ان پر کامیاب نہ ہوتے تھے ۔

نکتۂ ششم

مولانا فخرالدین زرادی کے خانۂ کعبہ کی زیارت کے لیے جانے کے بیان میں اور جہاز کے غرق ہونے کے متعلق اور اُن کی وفات کے بارے میں قدس سرہ العزیز

مولانا زرادی کا عزمِ حج :

کاتبِ حروف عرض کرتا ہے کہ جب مولانا فخرالدین[۳] دیوگیر [۲۷۴م] گئے اور حوض سلطان پر قیام کیا ، لیکن خانہ کعبہ کی زیارت کی نیت وہ پہلے ہی سے دل میں ارادہ کر چکے تھے ۔ جب وہ دیوگیر پہنچے تو زیارتِ خانۂ کعبہ کا شوق اُن پر زیادہ غالب ہوا ۔ اس زمانے میں قاضی کمال الدین صدر جہاں مولانا فخرالدین کی خدمت میں زیادہ حاضر ہوتے تھے ، اس لیے کہ قاضی کمال الدین صدر جہاں[۱] مولانا فخرالدین ہانسوی کے بھانجے اور شاگرد تھے اور مولانا فخرالدین ہانسوی مولانا فخرالدین زرادی[۳] کے اُستاد تھے ۔

۱۔ سلطان غیاث الدین تغلق نے قاضی کمال الدین کو صدر جہاں اور اندرون شہر کا قاضی بنایا تھا ۔ (تاریخ فیروز شاہی (اُردو ترجمہ) ، ص ۶۱۲) ۔ یہ سلطان محمد تغلق کے زمانے میں بھی دیوگیر میں صدر جہاں تھے ۔ تاریخ فیروز شاہی (اُردو ترجمہ) ، ص ۶۴۹) ۔ (برنی)

مشورہ :

الغرض حد سے زیادہ محبت جو ان دونوں کے درمیان تھی ، مولانا فخرالدین زرادی نے قاضی کمال الدین صدر جہاں سے زیارت خانہ کعبہ جانے کے لیے مشورہ کیا ۔ قاضی کمال الدین صدر جہاں نے کہا کہ آپ کا بادشاہ کی اجازت کے بغیر حج کے لیے جانا خلافِ مصلحت ہے کیونکہ اس کا مقصد اس شہر کو علماء و مشائخ و صدور سے آباد کرنا ہے تاکہ یہ شہر اقصائے عالم میں مشہور ہو ، خصوصاً جب کہ بادشاہ آپ کو ایذا دینے کی فکر میں ہے ۔ جب مولانا فخرالدین زرادی نے قاضی کمال الدین صدر جہان کا یہ جواب سنا تو وہ قاضی کمال الدین صدر جہاں پر اس راز کے منکشف ہونے سے پشیمان ہوئے اور یہ واقعہ اِس کاتبِ حروف کے والد رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ۔ میرے والد نے فرمایا کہ آپ نے اس راز کے فاش کرنے میں غلطی کی کیونکہ عشق کے معاملات میں مشورہ کرنا مناسب نہ تھا ۔ کسی بزرگ نے کہا :

در عشق چہ جائے خانہ داری ست
مجنوں شوو کوہ گیر و بخروش

پھر میرے والد نے فرمایا کہ آپ نے ان کے خلوص و یگانگت پر اعتماد کیا اور اُنھوں نے اپنے نزدیک یہ مصلحت دیکھ کر آپ کو یہ مشورہ دیا ۔ پھر میرے والد نے اُن سے فرمایا کہ اگر اس کے بعد آپ کی قاضی کمال الدین سے ملاقات ہو تو اس بات کا تذکرہ اُن سے نہ کیجیے ۔ جب چند دن گزر جائیں گے تو پھر اس کے متعلق کوئی تدبیر سوچی جائے گی ۔

روانگی بغرض سفر حج :

الغرض کچھ دن کے بعد مولانا فخرالدین کے بھتیجے نے ، جو ایک قصبے میں رہتے تھے ، اپنی شادی کی تقریب میں مولانا کو بلایا ۔ مولانا اس بہانے سے قصبہ پیتھوں میں ، جو کوکن تھانہ کے راستے پر واقع تھا ، پہنچے اور وہیں سے اُنھوں نے جہاز پر سوار ہونے کا ارادہ کیا ۔ روانہ ہونے سے ایک رات پہلے عشا کی نماز کے وقت مولانا فخرالدین زرادی میرے والد رحمۃ اللہ علیہ کے گھر آئے ۔ میرے والد نے پوچھا ، کیا آپ نے پکا ارادہ کر لیا ہے ؟ اُنھوں نے فرمایا ، ہاں ۔ تھوڑی دیر بیٹھے ، رخصت ہونے کے

وقت چالدی کے دو ٹنکے مولانا نے مجھے دیے۔ دوسرے دن وہ حج کے لیے روانہ ہوگئے۔

دولت آباد کے دوستوں کے نام مولانا کا خط :

جب وہ قصبہ پیٹھوں سے جہاز میں سوار ہونے کے لیے تھانہ کوکن (بمبئی) پہنچے ، تو جہاز میں سوار ہونے سے پہلے ایک خط دولت آباد کے دوستوں کو [۷۰۵] بھجوایا ۔ خط کے عنوان میں یہ شعر خود اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا :

این نامہ کہ اندوہ و غمِ سینۂ ماست
اے باد ! ببر بہ غم گساراں برساں

جب خط کھولا گیا تو اس میں یہ شعر لکھا تھا :

یــار آورگی بسر دارد
رفتن حج بہانہ افتادہ است

حج کے بعد عزمِ بغداد :

مختصر یہ کہ مولانا علیہ الرحمہ سلامتی اور خیریت کے ساتھ خانۂ کعبہ پہنچے اور حج ادا کیا ۔ پھر وہاں سے بغداد کا عزم کیا ۔ جب بغداد کے بزرگوں اور علماء و مشائخ نے سنا کہ اس قسم کے بزرگ بغداد آ رہے ہیں ، تو وہ سب اُن کے استقبال کے لیے نکلے اور اُن کا خیر مقدم کیا اور ان کی تشریف آوری کو اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھا ۔ جتنے زمانے بھی مولانا کا قیام بغداد میں رہا ، وہاں کے علماء سے آپ نے علمِ حدیث پر بحث کی اور آپ وہاں کے تمام علمائے حدیث سے فائق رہے ۔

جہاز کی غرقابی اور مولانا زرّادی کی وفات :

جب مولانا وہاں سے روانہ ہوئے اور ارادہ کیا کہ دہلی واپس جائیں تو جہاز میں سوار ہوئے ۔ چونکہ اُس جہاز میں شاہی سامان بہت تھا ، وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے جہاز ڈانواں ڈول ہونے لگا اور غرق ہونے لگا ۔ جہاز کے ملاح مولانا کے پاس آئے اور کہا کہ جہاز غرق ہو رہا ہے ۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم کچھ سامان دریا میں ڈال دیں تا کہ جہاز ہلکا ہو جائے ۔ مولانا نے فرمایا کہ مجھ کو لوگوں کے مال پر کیا حق حاصل

ہے کہ میں تم کو اجازت دوں کہ تم اسے دریا میں ڈال دو ۔ چنانچہ مولانا مصلیٰ پر قبلہ رخ بیٹھے ہوئے غرق ہو کر شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

منھم

مولانا علاء الدین نیلی :

پسندیدہ ذات ، یاروں میں نورِ چشم کی طرح ، عالمِ علوم ربانی ، حافظِ کلام رحمانی ۔ بادشاہِ عالم راز ، علماء میں اپنی شیریں بیانی سے ممتاز ، مولانا علاء الدین نیلی جو سلطان المشائخ کے خلیفہ تھے ، عجب اثر انگیز تقریر کرتے تھے ۔ اکابر علماء اُن کی تقریر کے عاشق تھے ۔ اعلیٰ مریدوں کے درمیان تصوّف پر تقریر کرنے میں وہ سب سے آگے تھے اور تصوّف کے غوامض اور رموز کے بیان اور حل کرنے میں بے مثل تھے ۔

اودھ کے شیخ الاسلام مولانا فریدالدین شافعی کی مجلس میں قاری ''کشاف'' آپ ہی ہوتے تھے اور مولانا شمس الدین یحییٰ اور دوسرے علمائے اودھ سامع ہوتے تھے ۔ کاتبِ حروف نے ان بزرگ سے ملاقات کی تھی ۔ علماء کی سی شان و شکوہ رکھتے تھے لیکن اہلِ تصوّف کے اوصاف سے متصف تھے ۔

سلطان المشائخ کی جانب سے سرافرازی :

ایک روز سلطان المشائخ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد حسبِ معمول جماعت خانے کی چھت پر اپنی مقررہ جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے [۲۷۶] ۔ اُس روز مولانا علاء الدین سب سے آخر میں پہنچے ۔ باقی مرید سلطان المشائخ کے ساتھ نماز با جماعت ادا کر چکے تھے ، لیکن جو رہ گئے تھے اُنھوں نے مولانا علاء الدین نیلی کو امام بنا کر جماعت خانے کے صحن میں اُن کی اقتدا کی ۔ مولانا علاء الدین نیلی نے نماز میں اس خوش الحانی سے قراءت قرآن مجید کی کہ اُن کی قراءت کے سننے سے سلطان المشائخ پر ذوق و شوق کی کیفیت طاری ہو گئی ۔ سلطان المشائخ نے اقبال خادم سے فرمایا کہ یہ عزیز خوش الحان ، جو نماز میں مشغول ہے ، تم یہ مصلیٰ خاص لے کر اس کے پاس جاؤ اور اس کا انتظار کرو کہ وہ نماز سے فارغ ہو جائے ۔

جب وہ نماز سے فارغ ہو جائیں تو یہ مصلیٰ اس کو دو ۔ خواجہ اقبال نے ایسا ہی کیا ۔ جیسے ہی مولانا علاء الدین نیلی نے سلام پھیرا ، اقبال خادم نے اُن کے سامنے مصلیٰ پیش کیا ۔ انھیں ایسا محسوس ہوا کہ ایک فرشتہ صفت بہشت سے اُن کے لیے یہ خلعت اُس آسمان کرامت سے لے کر آیا ہے اور ان کا منتظر کھڑا ہے ۔ مولانا علاء الدین نیلی نے نہایت عزم و احترام سے اُس مصلیٰ کو اقبال خادم سے لیا ، جو مقبول اہلِ دل تھے اور سر آنکھوں پر رکھا ۔ وہ اُس مصلے کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے ۔

انکسارِ نفس :

اگرچہ یہ عزیز سلطان المشائخ کی جانب سے بیعت کرنے کے مجاز تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے کسی کو مرید نہیں کیا ۔ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ اگر سلطان المشائخ حیات ہوتے تو میں یہ خلافت نامہ سلطان المشائخ کی خدمت میں لے جاتا اور اُن سے عرض کرتا کہ اگرچہ یہ خلافت نامہ مخدوم نے ازراہِ شفقت و بندہ نوازی مجھے عنایت فرمایا ہے اور مجھے خلافت سے سرفراز کیا ہے لیکن میں خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتا اور نہ اس عہدۂ دینی کے فرائض کے بوجھ کو برداشت کر سکتا ہوں ، بلکہ اس بارے میں شیخ عارف ، خلیفہ شیخ الشیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی پیروی کرتا ہوں ، جن کے حالات شیخ شیوخ العالم کے خلفاء کے ضمن میں تحریر کیے گئے ہیں ۔

مرشد کی عظمت :

ایک دفعہ مولانا شمس الدین یحییٰ ، مولانا علاء الدین نیلی اور دوسرے کچھ عزیز اودھ سے سلطان المشائخ کی خدمت میں آئے ہوئے تھے ۔ یہ زمانہ ملاعنہ (چنگیزی مغلوں) کی وجہ سے پریشانیوں کا تھا ۔ وہ رات دن دہلی کے نواح میں تباہی و بربادی مچا رہے تھے اور لوگوں کو پکڑ کر قلعوں کے اندر لے جاتے تھے ۔ سلطان المشائخ نے ان بزرگوں کے پہنچنے کے بعد ان پریشانیوں کی وجہ سے ، جو درپیش تھیں ، چوتھے دن ان سب کو رخصت کر دیا اور ان بزرگوں کو آپ کا اس قدر جلد رخصت کر دینا کچھ ناگوار خاطر ہوا ۔ جب یہ سب تلپتھ پہنچے تو مولانا علاء الدین کو تپ محرقہ شروع ہوا ۔ مولانا شمس الدین اور دوسرے ہم سفر دوست

پریشان ہوئے کیونکہ مولانا علاء الدین نیلی نہایت [ہے ۲۰] نازک مزاج انسان تھے۔ اس خیال سے کہ ان کو دورانِ سفر زحمت نہ ہو، راستہ خراب ہونے کی وجہ سے یہ سب لوگ تلپتہ ہی میں ٹھہر گئے اور وہیں سے سلطان المشائخ کی خدمت میں معروضہ بھیجا، جس میں لکھا کہ ہم غلام آپ کے فرمان کے مطابق روانہ ہوئے۔ پہلی منزل میں مولانا علاء الدین نیلی تپ محرقہ میں مبتلا ہو گئے۔ مزید یہ کہ آگے راستہ بھی خراب ہے۔ اب ہمارے متعلق جو حکم ہو اس پر عمل کیا جائے۔ سلطان المشائخ کو جیسے ہی اُن کا خط ملا، آپ نے فوراً ہی وہیں سے ان سب کے لیے سفر خرچ اور اپنے سوار ہونے کی خاص پالکی بھجوائی اور حکم دیا کہ وہ سب واپس لوٹ آئیں۔ لوگوں نے مولانا علاء الدین نیلی سے کہا کہ آپ اس خاص پالکی میں سوار ہو جائیں۔ فرمایا کہ میری کیا طاقت اور مجال ہے کہ میں آپ کے بیٹھنے کی پالکی میں سوار ہوں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی یہ پالکی میرے آگے آگے لے کر چلو۔ جوں جوں میری نظر اس پالکی پر پڑے گی، یہ امر میری صحت کا باعث ہوگا۔ الغرض بذریعہ ڈولہ جب یہ لوگ سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ان کے ساتھ نہایت شفقت و مرحمت سے پیش آئے اور مولانا علاء الدین نیلی کی بیماری کا حال پوچھا۔ سب نے اُن کے بخار شروع ہونے کا واقعہ بیان کیا۔ پھر آپ نے اقبال خادم سے ارشاد فرمایا کہ وہ کھانا جو صبح کو بچ گیا ہے لے کر آؤ۔ وہ کچھ کھچڑی اور گھی لے کر آئے۔ سلطان المشائخ نے مولانا علاء الدین نیلی سے فرمایا کہ کھاؤ۔ مولانا نے اس کھچڑی میں گھی ملا کر کھایا۔ اُس کے کھاتے ہی مولانا کا بخار بالکلیہ رفع ہو گیا۔ پھر سلطان المشائخ نے فرمایا، چونکہ یہاں ملاعین کی پریشانی ہے، وہ گرد و نواح سے لوگوں کو شہر میں پکڑ کر لاتے ہیں، یہاں کے لوگوں کو کھانے پینے کی سخت تکلیف ہوتی ہے، میں نے تم سب کو اس لیے جلد رخصت کر دیا تھا کہ تم اس تکلیف سے پریشان ہو جاؤ گے۔ اس لیے جس قدر جلد اپنے اپنے گھر پہنچ جاؤ، اُسی قدر مناسب ہوگا۔ سلطان المشائخ کی یہ بات سن کر ان بزرگوں نے سرِ اطاعت زمین پر رکھا اور اپنے وسوسے کے لیے معذرت کر کے آپ کی سلامتی کی دعا کی۔

الغرض جب سلطان المشائخ کو معلوم ہوا کہ مولانا علاء الدین نیلی پالکی خاص میں سوار نہیں ہوئے تو سلطان المشائخ نے اُن سے پوچھا کہ

ہم کیوں سوار نہیں ہوئے ۔ مولانا علاء الدین نیلی نے قدم بوس ہو کر عرض کیا کہ اگرچہ آپ نے از راہ بندہ نوازی مجھے اپنی اس نوازش خاص سے سرفراز فرمایا تھا ، لیکن مجھے بھی تو اپنا مقام جاننا چاہیے ۔ مختصر یہ کہ جب تک مولانا علاء الدین نیلی حیات رہے ، وہ ہمیشہ اُس پالکی کو اپنے سامنے رکھتے اور اُسے بوسے دیتے اور برکت حاصل کرتے اور اس قدر علم و فضائل کے [۲۷۸] باوجود جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا وہ اپنے مرشد حضرت سلطان المشائخ سے ایسی عقیدت رکھتے تھے ، جو تمام عقیدتوں پر غالب تھی ۔

"فوائد الفواد" (امیر حسن سنجری) کی کتابت :

چنانچہ انھوں نے اپنی آخری عمر میں "فوائد الفواد" ، جو سلطان المشائخ کے ملفوظات ہیں ، اپنے مبارک قلم سے لکھے ۔ اس کتاب کو اپنے پاس رکھتے تھے اور مطالعہ کرتے تھے اور اسے اپنا ورد بنا رکھا تھا ۔ جب مولانا علاء الدین نیلی سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاس اس قدر کثرت سے کتابیں ہیں ، لیکن آپ سلطان المشائخ کے ملفوظات کے علاوہ کسی سے رغبت نہیں رکھتے ، تو مولانا نے فرمایا ، اے غافلو ! سلوک اور دوسری کتابوں سے جہان بھرا پڑا ہے ، لیکن میرے مخدوم کے روح افزا ملفوظات ، جو میری نجات کا باعث ہیں ، کہاں سے پاؤں گا ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

مرا نسیم نو باید صبا کجاست کہ نیست
کجاست زلف تو مشک ختا کجاست کہ نیست

یہ ضعیف کہتا ہے :

خیالِ روئے تو شد عیدِ من از آں شدہ ام
مرا بہ عید کساں نیست حاجتے چنداں

مولانا علاء الدین نیلی کچھ دن بیمار رہ کر رحمتِ حق سے جا ملے ۔ اُنھیں سلطان المشائخ کے مقبرے میں دہلیز کے گنبد کے سامنے اندرونی چبوترے کے پاس دفن کیا گیا ۔ مولانا نے مقابرِ یاراں کے قریب اپنی زندگی ہی میں یہ چبوترہ بنوا لیا تھا ۔ آپ اُسی چبوترے پر مدفون ہوئے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

منهم

مولانا برہان الدین غریب :

اس جہان صدق کے عالم عشق ، جو زہد و ورع ، تقویٰ اور کثرت بکا میں اعلیٰ مریدوں میں متصف اور مشہور تھے ، یعنی مولانا برہان الملۃ والدین غریب ؒ ۔ ایک عزیز نے کیا اچھا کہا ہے :

غریب است ایں محب حق بدنیا
حبیب اللہ فی الدنیا غریب

ان بزرگ کے حالات دو نکتوں پر مشتمل ہیں ۔

نکتۂ اول

اُس محبت و عقیدت کے بارے میں جو مولانا برہان الدین غریب اپنے مرشد حضرت سلطان المشائخ ؒ کے ساتھ رکھتے تھے

مولانا برہان الدین غریب کے اوصاف :

یہ کاتب حروف عرض کرتا ہے کہ وہ غیر معمولی محبت و عقیدت ، جو مولانا برہان الدین حضرت سلطان المشائخؒ سے رکھتے تھے ، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی وفات کے وقت تک کبھی غیاث پور کی طرف پشت نہیں کی ۔ یہ بات آپ کے اعلیٰ مریدوں میں سے کسی کو حاصل نہ تھی ۔ اُن کی حیثیت اپنے مرشد کی عقیدت و محبت میں اعلیٰ مریدوں کے درمیان پیشوا کی تھی ۔ اگرچہ سلطان المشائخؒ کے بہت سے اعلیٰ مرید ، مرید ہونے میں ان سے پہلے مرید ہو چکے تھے اور دلدادگان عشق و محبت کے درد کا مرہم اور عاشقوں کے درد کا علاج تھے ، جیسا کہ امیر خسرو ، [۲۷۹] میر حسن اور دوسرے عزیز لطافت طبع و عشق کی وجہ سے اُن کی محبت میں اسیر تھے اور اکثر یہ بزرگ اُن ہی کی صحبت میں رہتے تھے ۔ شیخ نصیرالدین محمود ؒ ، جو اُس زمانے میں شہر میں تعلیم پاتے تھے ، کبھی کبھی اس عاشق صادق کی امامت کیا کرتے تھے ۔

ایک دن سلطان المشائخؒ نے مولانا نصیرالدین محمود ؒ سے پوچھا کہ

تم کہاں رہتے ہو؟ شیخ مسعود نے جواب دیا کہ شہر میں مولانا برہان الدین غریب کے گھر میں رہتا ہوں ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ۔

ع — مرد سرہ باش ہر کجا خواہی باش

یہ بزرگ سماع میں غیر معمولی غلو اور نہایت ذوق رکھتے تھے اور وجد و حال میں اُن کا طریقہ کار مریدوں سے علیحدہ تھا ۔ چنانچہ اُن کے ساتھیوں کو مریدوں کے درمیان برہانی کہا جاتا تھا ۔ جو کوئی ایک گھڑی بھی ان کے پاس بیٹھتا ، اُن کے عشق آمیز کلام کا لطف اُٹھاتا اور دل فریب محاوروں کی پاکیزگی سے بہرہ ور ہوتا ، تو وہ اُن کے جمال ولایت کا عاشق ہو جاتا ۔ اُن کی ذات بندگانِ خدا کے لیے اپنے پیر کی محبت و عقیدت میں رہنا اور بڑی پُرکشش تھی ۔

کاتبِ حروف نے متعدد مرتبہ ان بزرگ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی ہے اور مجھے ان کی عشق انگیز باتوں نے اپنا گرویدہ بنایا ہے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

نکتۂ دوم

سلطان المشائخ کے مولانا برہان الدین غریب سے ناراض ہونے اور پھر خوش ہونے اور سلطان المشائخ سے خلافت حاصل کرنے کے بارے میں

سلطان المشائخ کی ناراضی اور خوشنودی :

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ جب مولانا برہان الدین غریب کی عمر ستر سال کی ہو گئی ، چونکہ وہ خلقتاً ضعیف بھی تھے اور اپنے پیر کی آتشِ محبت میں جلے تھے ، امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے :

اگر سوختہ است نے ز بے دیگران
سوختہ تر باد ازیں گر ز برائے تو نیست

انتہائے ضعف کی وجہ سے کمبل کو دو تہہ کر کے اپنے گھر میں اس پر بیٹھتے تھے ۔ یہ بات علی زنبیلی اور ملک نصرت نے ، جو سلطان علاء الدین کے مقرب اور حضرت سلطان المشائخ کے مرید تھے اور مخلوق ہوتے تھے ، عجیب رنگ میں سلطان المشائخ تک پہنچائی اور کہا کہ

مولانا برہان الدین غریب[1] شیخ کے سجادے پر بیٹھتا ہے اور طریقۂ مشائخ کو اختیار کیے ہوئے ہے۔ سلطان المشائخ یہ بات سن کر ناراض ہوئے۔ جب مولانا برہان الدین غریب سلطان المشائخ کی ملاقات کے لیے آئے [۲۸۰] تو آپ نے اُن سے بات نہیں کی۔ مولانا برہان الدین غریب قدم بوسی کے بعد سلطان المشائخ کے پاس سے واپس لوٹ کر جماعت خانے میں آ بیٹھے۔ فی الفور اقبال خادم خاص نے سلطان المشائخ کا یہ پیغام اُن کو پہنچایا کہ وہ اسی وقت گھر چلے جائیں۔ مولانا برہان الدین نہایت پریشان اور حیران ہوئے کہ کیا سخت واقعہ پیش آیا ہے کہ مجھے یہ حکم ملا ہے؟ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

تا چہ کردیم دگر بار کہ شیریں لب دوست
بسخن باز نمی باشد و چشم او بنوازش

مولانا مجبوراً وہاں سے نکل کر مولانا ابراہیم طشت دار کے گھر آئے، جو کہ مولانا کے قدیم دوست اور معاصر تھے اور دو روز غیاث پور میں اُن کے گھر رہے۔ جب مولانا ابراہیم کو سارا واقعہ معلوم ہوا تو وہ ڈرے کہ کہیں یہ خبر سلطان المشائخ تک نہ پہنچ جائے کہ مولانا غریب میرے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے یہ بات مولانا غریب سے کہی۔ مولانا اُن کی یہ بات سن کر شہر چلے آئے لیکن نہایت حیران و پریشان اپنے گھر میں ماتمیوں کی طرح بیٹھ گئے۔ جب یہ خبر شہر کے یاروں کو معلوم ہوئی تو شہر کے یار اُن کو دیکھنے کے لیے آئے۔ لوگ آتے اور ان کو روتا ہوا دیکھ کر خود بھی رو پڑتے۔

امیر خسرو کی سفارش:

چند روز کے بعد حضرت امیر خسرو نے جو مولانا غریب کے بھی دوست تھے، سلطان المشائخ کی خدمت میں نہایت عمدہ پیرائے میں عرض

۱۔ مولانا برہان الدین غریب: ولادت: ۶۵۴ھ (۱۲۵۶ء)۔ مقامِ ولادت: ہانسی۔ تعلیم: اپنے چچا سے "قدوری" پڑھی۔ "فقہ نافع" کو حفظ کر لیا تھا۔ فقہ و تفسیر اور حدیث کی بھی تعلیم پائی۔ سلطان المشائخ ان کو ہمیشہ مولانا برہان الدین کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔
(بزمِ صوفیہ، ص ۲۷۹)

کیا کہ مولانا برہان الدین آپ کے سچے مرید اور معتقد غلام ہیں ۔ وہ نہایت ضعیف ہو چکے ہیں ۔ بوریے پر نہیں بیٹھ سکتے ۔ اُن کے گھٹنے درد کرتے ہیں ، اس لیے مجبوراً وہ اپنی کمبل کو دو تہہ کر کے اس پر بیٹھتے ہیں ۔ گو امیر خسرو یہ بات بار بار عرض کرتے تھے لیکن سلطان المشائخ کا دل اُن سے صاف نہ ہوتا تھا ۔ آخر امیر خسرو نے دوسرے دوستوں سے مشورہ کیا ۔ سب اس مشورے پر متفق ہو گئے کہ امیر خسرو اپنی دستار گردن میں ڈال کر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوں اور مولانا برہان الدین غریب کی معافی کے لیے آپ سے درخواست کریں ۔ چنانچہ وہ اس مشورے کے مطابق وہ اسی طرح سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خاموش کھڑے ہو گئے ۔ سلطان المشائخ نے پوچھا ، 'ترک ! کیا بات ہے ۔ امیر خسرو نے عرض کیا کہ میں مولانا برہان الدین غریب کی خطا معاف کرانے کی درخواست کرتا ہوں ۔ سلطان المشائخ نے تبسم فرمایا [۲۸۱] اور پوچھا کہ وہ کہاں ہے ؟ پھر ارشاد فرمایا کہ اُسے بلاؤ ۔ چنانچہ مولانا برہان الدین گھر سے آئے اور وہ اور امیر خسرو دستار گردن میں ڈال کر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کر کے جوتیوں کے اُتارنے کی جگہ کھڑے ہو گئے ۔ اس کے بعد سلطان المشائخ اُن سے راضی ہو گئے اور مولانا برہان الدین غریب تجدید بیعت سے مشرف ہوئے ۔ الحمد للہ علیٰ ذلک ۔

پیراہن و کلاہ سے سرفرازی :

کاتب حروف عرض کرتا ہے کہ جب بعض اعلیٰ مریدوں کو سلطان المشائخ نے خلافت سے سرفراز فرمایا تو سیّد السادات سیّد خاموش نے ، جو میرے چچا تھے ، اور خواجہ مبشر نے ، جو سلطان المشائخ کے قدیم خدمت گاروں میں تھے اور ان کو سلطان المشائخ نے فرزندوں کی طرح پرورش فرمایا تھا ، سیّد السادات سیّد حسین سے کہا کہ مولانا برہان الدین سلطان المشائخ کے قدیم مریدوں میں ہیں اور اپنی عقیدت و محبت میں سب مریدوں میں ممتاز ہیں ، پھر آپ اُن کا نام حضرت سلطان المشائخ کے سامنے خلافت کے لیے کیوں پیش نہیں کرتے ؟ سیّد حسینؒ نے کہا کہ میں اس بارے میں اقبال سے مشورہ کروں گا تاکہ مناسب محل و موقع کو دیکھ کر وہ یہ بات سلطان المشائخ سے عرض کریں ۔ اس کے بعد سیّد

خاموش اور خواجہ مبشر نے بھی خواجہ اقبال سے کہا ۔ خواجہ اقبال کو سادات سے نہایت عقیدت تھی اور اُن کی حمایت سے کبھی دریغ نہ کرتے تھے ۔ اُنہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اُن کی حمایت کریں گے اور مولانا برہان الدین غریب سے کہا کہ وہ تیار ہو کر آئیں تاکہ ان کو سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کیا جائے ۔ جب مولانا تیار ہو کر آئے تو خواجہ اقبال اُن کو سلطان المشائخ کی خدمت میں لے کر گئے ۔ اس موقع پر سیّد خاموش بھی اُن کے ساتھ تھے ۔ اُس وقت سلطان المشائخ جماعت خانے کی چھت پر لکڑیوں کے بنے ہوئے حجرے میں پلنگ پر لحاف اوڑھے ہوئے آرام کر رہے تھے ۔ چہرۂ مبارک لحاف سے باہر تھا ۔ الغرض خواجہ اقبال نے عرض کیا کہ مولانا برہان الدین غریب آپ کے قدیم غلاموں میں ہیں ، قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور شفقت و مرحمت کے اُمیدوار ہیں ۔ سلطان المشائخ نے آنکھیں کھولیں اور مولانا برہان الدین غریب اور خواجہ اقبال کی طرف دیکھا ۔ اس موقع پر مولانا برہان الدین غریب نے قدم بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ اس کے بعد خواجہ اقبال نے [۲۸۲] سلطان المشائخ کے سامنے خاص کپڑوں کا بقچہ کھولا اور اس میں سے پیراہن اور کلاہ نکال کر ، جن کو سلطان المشائخ نے پہنا تھا ، سلطان المشائخ کے سامنے لے گئے ۔ سلطان المشائخ کے دونوں دستِ مبارک ان کپڑوں پر رکھے ۔ پھر خواجہ اقبال نے سلطان المشائخ کے سامنے اُن کپڑوں کو مولانا برہان الدین غریب کو پہنایا اور کہا کہ تم بھی خلیفہ ہو ۔ اس موقع پر سلطان المشائخ خاموش رہے ۔ خموشی دلیل رضامندی کی ہے ۔

سلطان المشائخ کی وفات کے بعد مولانا برہان الدین غریب چند روز حیات رہے اور لوگوں کو بیعت کرتے رہے ۔ جب وہ دیوگیر گئے تو وہیں اُنہوں نے وفات پائی[1] اور وہیں مدفون ہوئے ۔ اُن کا روضۂ مبارک آج بھی خلق کا قبلۂ حاجات ہے ۔

۱۔ حضرت مولانا غریب کے بھائی حضرت منتخب الدین کی وفات کے بعد سلطان المشائخ نے مولانا غریب کو حکم دیا کہ وہ دکن جا کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کی رشد و ہدایت کی خدمت انجام

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

متمم

مولانا وجیہ الملۃ والدین یوسف کلاکھری عرف چندیری سلطان المشائخ کے قدیم خلفاء میں تھے - زاہد و عابد اور عاشق باکمال تھے - صاحبِ درد تھے - سلطان المشائخ سے پختہ عقیدت اور نہایت محبت رکھتے تھے - مکارم اخلاق میں بے نظیر تھے - ان بزرگ کے مناقب و کرامات بے شمار ہیں کہ قلم اُن کی تحریر سے قاصر ہے - مولانا برہان الدین غریب ان کے ذریعے سے سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچے جس طرح کہ مولانا یوسف مولانا عمر کلاکھری کے ذریعے سے سلطان المشائخ کی بارگاہ میں باریاب ہوئے تھے

کاتبِ حروف قارئین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ مولانا یوسف ارادت اور اجازت کے اعتبار سے سلطان المشائخ کے اعلیٰ مریدوں میں پہلے خلفاء میں ہیں - اس لحاظ سے ان کا تذکرہ دوسروں سے پہلے ہونا چاہیے تھا ، لیکن چونکہ اس راقم الحروف نے آپ کے دوسرے خلفاء سے تربیت حاصل کی تھی اور ان کی صحبت سے مستفیض ہوا تھا ، اس لیے ان بزرگوں کا حق مجھ پر زیادہ تھا - اس بناء پر میں نے ان بزرگوں کے تذکرے کو مقدم کیا - مولانا یوسف کے حالات تین نکتوں پر مشتمل ہیں -

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دیں - مولانا برہان الدین غریب پہلے چشتی بزرگ ہیں ، جنھوں نے سر زمین دکن میں قدم رکھا - چنانچہ وہ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد دیوگیر چلے آئے اور یہیں اُنھوں نے اپنے رشد و ہدایت کے چراغ کو روشن کیا - شیخ برہان الدین غریب کے ملفوظات خواجہ حماد بن عماد کاشانی نے "احسن الاقوال" کے نام سے جمع کیے ہیں - مولانا برہان الدین غریب کا سنہ وفات ۷۴۱ھ (۱۳۴۰-۴۱ء) ہے (بحوالہ بزمِ صوفیہ تاریخ مشائخ چشت ، ص ۲۰۵-۲۰۶ ، خزینۃ الاصفیاء ، جلد اول ، ص ۳۴۸) - برہان پور شہر کا نام ان ہی بزرگ کے نام سے آباد کیا گیا -

نکتۂ اولیٰ

سلطان المشائخ سے مولانا یوسف کے عشق و عقیدت کے بارے میں

مولانا وجیہ الدین یوسف :

منقول ہے کہ ایک روز مولانا یوسف سلطان المشائخ کی قدم بوسی کی تمنا میں گھر سے نکلے - اُس زمانے میں مولانا یوسف سرائے دہلی میں سکونت پذیر تھے - وہاں سے غیاث پور کا فاصلہ چھ یا سات کوس کا ہے - [۲۸۳] ابھی مولانا یوسف اپنے گھر سے چار پانچ ہی قدم چلے تھے کہ اُن کے دل میں خیال آیا کہ اے یوسف ! سلطان المشائخ کی بارگاہ میں تو اُن پیروں سے جا رہا ہے ، تجھے تو سر کے بل جانا چاہیے :

ع — ما قدم از سر کنیم در طلبِ دوستاں

فوراً سر کے بل چلنا شروع کیا - اس طرح تین قدم ہی چلے تھے کہ اُنھوں نے تیسرے قدم پر اپنے آپ کو سلطان المشائخ کی خانقاہ کے پاس پایا -

نیز یہ بھی منقول ہے کہ ایک دفعہ مولانا یوسف سلطان المشائخ کی قدم بوسی کے لیے کلاکھری سے روانہ ہوئے - جب آدھا راستہ طے کر چکے تو آتشِ شوق تیز تر ہوئی اور اُن کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کاش میرے پَر ہوتے تو میں اُڑ کر سلطان المشائخ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کر سکتا - ابھی یہ خیال دل ہی آیا ہی تھا کہ حق تعالیٰ نے اُن کی پاکیزہ عقیدت کی وجہ سے اُن کو اُڑا کر وہاں تک پہنچا دیا ، اس طرح کہ وہ سلطان المشائخ کے گھر کے سامنے اُترے - سلطان المشائخ کے گھر کے سامنے اُنھوں نے سر زمین پر رکھا - شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

گر سر فدا نمی کنم از پیشِ اہلِ دل
سر بر نمی کنم کہ مقامِ خجالت است

اس حال میں انھیں خیال آیا کہ سلطان المشائخ کی بارگاہ میں سر کے بل جانا چاہیے - اُنھوں نے یہ عزم مصمم کر کے سر کے بل چلنا شروع کیا - مولانا پر کیفیت طاری ہوئی اور بے ہوش ہو گئے - جب ہوش میں

آئے تو اپنے سر کو مٹی سے بھرا پایا۔ مضطر گر کر گلے میں آ گئی تھی۔ دیکھا کہ آپ دریائے ستارے کے کنارے پر ہیں۔ مولانا نے دریا کے پانی سے وضو کیا۔ دستار سر پر باندھی اور سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدم بوسی کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ چونکہ سلطان المشائخ مکاشف عالم تھے، اس عاشق صادق کا کمالِ عشق آپ پر منکشف ہو گیا۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ قنوج میں ایک راجا تھا۔ اس کے لیے پینے کا پانی کیار نامی گاؤں سے، جو کیتھل میں ہے، ہر روز لایا جاتا تھا۔ یہ پانی روزانہ ایک ایسی تیز رفتار اونٹنی پر لایا جاتا تھا، جس کو سانڈنی کہتے ہیں، جو تیز رفتاری میں ہوا سے باتیں کرتی تھی۔

اسی زمانے میں کیتھل میں ایک شخص تھا، جو قنوج کی ایک عورت پر عاشق تھا۔ اس کے فراق میں جلتا تھا۔ اسے کوئی شخص ایسا نہ ملتا کہ جو اس کا پیغام اس کی محبوبہ تک پہنچائے، یہاں تک کہ اس بے چارے عاشق نے اس شخص کو جو کیار نامی گاؤں سے [۲۸۳] راجا کے لیے پانی لے جاتا تھا، اپنا محرمِ راز بنایا اور اس سے اپنا دردِ دل بیان کرتے ہوئے اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ وہ اپنے عشق اور ہجر کے اندوہ رُبا واقعات بیان کرنے میں اس قدر محو تھا کہ اسے خبر نہ تھی کہ راستہ کیسے کٹ رہا ہے۔

ع — خبر از خویش ندارم کہ زمیں می سپرم

یہاں تک کہ وہ اپنے عشق و محبت کے واقعات کو بیان کرتا ہوا قنوج کی فصیل کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے شہر کی فصیل کو دیکھ کر لوٹنا چاہا۔ پانی لے جانے والے آدمی نے اس سے کہا، اب جب کہ ہم قنوج پہنچ گئے ہیں اور سامنے قنوج کی فصیل نظر آ رہی ہے، تعجب ہے کہ تم لوٹنا چاہتے ہو۔ وہ عاشق، جو اپنے عشق و محبت کے واقعات بیان کرنے میں اس طرح مدہوش تھا کہ اسے اپنے سر پیر کا ہوش نہ تھا، اس نے ہوش میں آ کر کہا، آہ تو نے مجھے مار ڈالا۔ یہ کہہ کر وہ تڑپا اور زمین پر گر پڑا۔ یہاں تک کہ وہ سانڈنی سوار اسے مشکل سے اٹھا کر ایک بت خانے میں لایا، جو وہاں سے قریب تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس بت خانے کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ اگر کوئی شخص ایسی دور دراز مسافت سے آئے کہ جس کا طے کرنا آدمی کی طاقت سے باہر ہو اور وہ اس حالت میں یہاں

چاہیے کہ اس کی جان کا اندیشہ ہو، اُسے چاہیے کہ وہ اپنی پاؤں پر تیل مل کر لئے اور آگ پر سینکے۔ پھر پاؤں سے دیوار کا سہارا لے کر سو جائے تو اس کی تکان اور سفر کی زحمت دور ہو جائے گی۔ جب اُس نے یہ علاج دیکھا تو بت خانے سے ایک چراغ سے تیل لے کر آیا۔ اُسے اپنے تلووں پر ملا اور پیروں کو دیوار کا سہارا دے کر سو رہا۔ ایک گھڑی کے بعد اس کی تکان رفع ہوگئی۔ غرض اس حکایت سے یہ ہے کہ عشق کے پھل تو بہت ہیں اور اس کے فوائد بے شمار ہیں۔ لیکن عاشق کو چاہیے کہ وہ عشق میں سچا ہو، تا کہ اس کا پھل کھا سکے۔

نکتۂ دوم

مولانا وجیہ الدین یوسف کے نیک انفاس کے پانے اور حضرت سلطان المشائخ سے مختلف نعمتیں حاصل کرنے کے بارے میں

سلطان المشائخ کی جانب سے نعمتیں اور دعائیں :

منقول ہے کہ ایک روز سلطان المشائخ خوش تھے۔ اس موقع پر مولانا یوسف آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدم بوسی کی سعادت حاصل کی۔ سلطان المشائخ نے اقبال خادم سے فرمایا، جاؤ اور فلاں لکڑی کا پیالہ میوے سے بھر کر لاؤ۔ اقبال نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ سلطان المشائخ نے وہ لکڑی کا پیالہ ہاتھ میں لے کر مولانا یوسف سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تیس سال سے یہ پیالہ میرے پاس ہے۔ مولانا یوسف! آج میں تمہیں دیتا ہوں۔ مولانا یوسف نے اُسی وقت دامن بڑھایا اور آگے بڑھے۔ سلطان المشائخ نے وہ پیالہ مولانا کے دامن میں ڈال کر فرمایا کہ حق تعالیٰ تمہیں روزی، ایمان اور امان عطا فرمائے گا۔ [۲۸۵] مولانا یوسف اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس روز سے سلطان المشائخ نے یہ دولت مجھے دی ہے، اس دن سے روزی اور دوسری کسی نعمت کی کمی نہیں۔ حق تعالیٰ نے مجھے اپنے امان میں رکھا ہے اور خدائے تعالیٰ سے اُمیدوار ہوں کہ وہ مجھے ایمان سے اُٹھائے گا۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ سلطان المشائخ کے گھٹنے میں بیماری پیدا ہوئی۔ گھٹنا ورم کر آیا اور درد ہونے لگا۔ کمزوری بڑھ گئی۔ اس موقع

ہر طرف اطراف و جوانب ، پٹنوں ، اودھ اور دوسرے شہروں سے عیادت کے لیے آئے تھے ۔ اس کے علاوہ تمام اصلی مرید بھی عیادت کے لیے آئے ہوئے تھے ۔ اس موقع پر مولانا یوسف بھی مزاج پُرسی کے لیے چندیری سے آئے ہوئے تھے ۔ جب اُنھوں نے پہلی ملاقات کی تو سلطان المشائخ سے اُنھوں نے پہلے دعائے صحت اور فاتحہ کے لیے التماس کی ۔ دعا کے بعد سلطان المشائخ کے زانو پر پھونکا ۔ دوسرے روز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اتنے کثیر لوگ آئے اور دعا کی ۔ کسی کی دعا کا اثر نہیں ہوا ، لیکن مولانا یوسف نے دعا کی التماس کی اور پڑھ کر دم کیا ۔ آج درد کو سکون ہے اور بدن ہلکا معلوم ہوتا ہے ۔ تیسرے روز سلطان المشائخ نے غسل صحت فرمایا ۔ ہر ایک نے مبارک باد دی اور صدقے کے لیے نذر بھیجی اور لوگوں نے مولانا یوسف چندیری کو بھی مبارک باد دی اور اُن کے سامنے بھی صدقے کے لیے نذر پیش کی ۔

مرشد کی محبت :

منقول ہے کہ ایک دن سلطان المشائخ کے جماعت خانے میں مولانا یوسف اور دوسرے چند مرید بیٹھے ہوئے تھے ۔ اس موقع پر ایک آدمی نے ان سب کے سامنے چند درم پیش کر کے کہا ان درموں سے حلوا تیار کیا جائے ۔ مولانا یوسف اور دوسرے مریدوں نے اس میں اور چند درم ملائے اور حلوا تیار کیا ۔ جب حلوا تیار ہو گیا ، ما سوائے مولانا یوسف کے ہر ایک نے حلوہ کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ۔ حاضرین نے اُن سے کہا کہ آپ کیوں نہیں کھاتے ؟ مولانا نے فرمایا ، میں طریقت کے اعتبار سے اپنے آپ کو سلطان المشائخ کا غلام سمجھتا ہوں ۔ سلطان المشائخ موجود ہیں ۔ پہلے یہ حلوا سلطان المشائخ کی خدمت میں لے جانا چاہیے تاکہ اُن کے سامنے تقسیم ہو ۔ تمام مرید حلوہ لے کر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے آج مولانا یوسف کلاکھری کی رائے سے فائدہ اُٹھایا ہے جو سلطان المشائخ کی خدمت میں رہ کر بغیر ریاضتوں کے حاصل نہیں ہو سکتا ۔ سلطان المشائخ نے سارا واقعہ پوچھا ۔ مریدوں نے سارا ماجرا بیان کیا ۔ [۲۸۶] سلطان المشائخ نے زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا ، طریقۂ درویشی میں کوئی بھی یوسف کی برابری نہیں کرتا ۔ یہ شخص اس راہ میں سالکوں کی طرح ثابت قدم جا رہا ہے ۔

شیخ کا لزوم :

منقول ہے کہ چندیری کا حاکم جس کا نام تمر[1] تھا ۔ اس کے ملازم زیادہ تر سلطان المشائخ کے مرید تھے ۔ وہ سب کے سب سلطان المشائخ کے حکم و ایما سے مولانا یوسف سے بھی نہایت عقیدت و محبت رکھتے تھے ۔ ان سب کی تربیت بھی مولانا یوسف ہی کرتے تھے ۔ چونکہ تمر نے ان کے خلاف شورش برپا کر رکھی تھی ، اس کی وجہ سے آپ کے تمام مریدین بد دل ہو کر چندیری کے اطراف میں چلے گئے ۔ مولانا یوسف بھی ان دوستوں کے فراق کی وجہ سے کسی شہر میں جانے کی سوچ رہے تھے ۔ ایک دوست ، جو مولانا یوسف سے نہایت ہی عقیدت و اخلاص رکھتا تھا ، اس نے ایک دن مولانا سے کہا کہ مولانا ! اب اس شہر میں رہنے کا مزا نہیں رہا ۔ مجھے لکھنوتی میں جاگیر عطا ہوئی ہے ۔ آپ بھی لکھنوتی کا ارادہ فرمائیے ۔ سفر خرچ اور سامان کی بار برداری کا کرایہ اور اس کے سوا جو ضرورت ہوگی ، میں مہیا کروں گا ۔ مولانا یوسف نے فرمایا ، میں یہاں اپنی مرضی سے نہیں بلکہ سلطان المشائخ کے حکم سے بھیجا ہوا آیا ہوں ۔ میں اس بارے میں پہلے سلطان المشائخ سے عرض کروں گا ، پھر آپ کا جو حکم ہوگا اس کی تعمیل کروں گا ۔ اس کے چند دن کے بعد مولانا یوسف سلطان المشائخ کی قدم بوسی کے لیے دہلی آئے ۔ قدم بوسی کے بعد انھوں نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ ایک آدمی مجھ سے کہتا ہے کہ لکھنوتی چلو ، چونکہ میں اس شہر (چندیری) میں آپ کا بھیجا ہوا گیا ہوں ، اس لیے میں آپ کی اجازت کے بغیر ہرگز وہاں سے نہ جاؤں گا ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، مولانا یوسف ! چندیری میں رہو خواہ کہیں اور ، جہاں

۱۔ تمر : مغلوں کے استیصال کے بعد سلطان علاء الدین نے اپنے مفتوحہ علاقوں اور ممالک کی جو تنظیم کی تھی ، اس نے اس تنظیم میں ملک تمر کو چندیری و ایرج کا حاکم بنایا تھا (تاریخ فیروز شاہی ، ضیا برنی ، (اردو ترجمہ) ، ص ۴۷۳) ۔ ملک تمر سلطان قطب الدین کے زمانے تک چندیری کا حاکم رہا ۔ سلطان قطب الدین نے ملک تمر کا مرتبہ کم کر دیا اور حکم دیا کہ اسے درگاہ میں نہ آنے دیا جائے اور چندیری کے اقطاع اس سے لے کر براداو بچہ کو دے دیے ۔ (تاریخ فیروز شاہی ، ضیا برنی ، (اردو ترجمہ) ، ص ۵۷۷)

کہیں بھی رہو گے اللہ کے حفظ و امان میں رہو گے ۔ مولانا نے آداب بجا لا کر عرض کیا کہ چونکہ مخدوم نے چندیری کا نام چلے لیا ہے ، لہٰذا میں چندیری ہی میں رہوں گا ۔ سلطان المشائخ نے ان کی اس باریک بینی اور آداب کے ملحوظ رکھنے پر اُن کی تعریف فرمائی ۔ اس کے بعد سلطان المشائخ نے انھیں رخصت کیا اور وہ چندیری چلے گئے ۔

نکتۂ سوم

سلطان المشائخ سے مولانا وجیہ الدین یوسف کے خلافت حاصل کرنے کے بارے میں

منقول ہے کہ عہدِ علائی میں بادشاہ کی طرف سے چندیری کی فتح کے لیے ایک حاکم کثیر لشکر کے ساتھ مقرر ہوا ۔ یہ حاکم سلطان المشائخ کے معتقدین میں تھا ۔ وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ مجھے بادشاہ نے چندیری کی فتح کے لیے مقرر کیا ہے [۲۸۷] ۔ اگر سلطان المشائخ کے مریدوں میں سے کوئی مرید میرے ساتھ ہو ، تو ہم اس کی پناہ میں جائیں گے اور اس مقام کے فتح کرنے کی اُمید یقینی ہوگی ۔ سلطان المشائخ نے مولانا یوسف کو طلب فرمایا اور اجازت سے مسرف کیا اور ولایتِ چندیری روانہ کیا ۔ جب وہ اس مقام پر پہنچے تو چند دن میں چندیری فتح ہوگیا اور مولانا وجیہ الدین یوسف چندیری ہی میں مقیم ہوگئے ۔ اگر کوئی شخص چندیری سے سلطان المشائخ سے مرید ہونے آتا تو آپ اُس سے فرماتے کہ تم چندیری ہی میں مولانا یوسف سے مرید ہو جاؤ اور یہ تصوّر کرو گویا اس فقیر ہی سے بیعت ہوئے ہو ۔ چنانچہ مولانا یوسف کے پاس مرید ہونے کے لیے چندیری کے لوگوں کی بھیڑ لگ گئی ۔ مولانا یوسف اس بے انتہا عقیدت کی وجہ سے ، جو وہ سلطان المشائخ سے رکھتے تھے ، ہمیشہ کہتے تھے کہ جب تک سلطان المشائخ حیات ہیں ، میں کسی کو بیعت نہیں کروں گا لیکن مجھے جو آپ کا پہنا ہوا لباس ملا ہے ، میں اس کو سامنے رکھ کر تم کو تلقین و بیعت کرتا ہوں ۔ تم تصوّر کرو کہ گویا سلطان المشائخ موجود ہیں اور تم ان سے بیعت کر رہے ہو ۔ اس طریقے پر چند لوگ سلطان المشائخ کی زندگی میں مولانا وجیہ یوسف سے بیعت ہوئے تھے ۔

سلطان المشائخ کا مولانا پر لطف و کرم اور دوبارہ اجازت خلافت :

منقول ہے کہ آخر عمر میں سلطان المشائخ نے اپنے لطف و کرم سے مولانا وجیہ الدین یوسف کو دوبارہ بیعت کیا۔ اس زمانے میں آپ کے اعلیٰ مریدین آپ سے خلافت حاصل کر رہے تھے اور بعض کو خلافت بھی حاصل ہو چکی تھی۔ سلطان المشائخ نے مولانا وجیہ الدین کو طلب کیا۔ مولانا یوسف نے حاضر ہو کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کی۔ اس موقع پر خواجہ اقبال نے عرض کیا کہ مخدوم عالم! آپ کے چاہنے والوں پر، جو آپ کے آستانے سے متعلق ہیں، آپ کی شفقت زیادہ ہے۔ امید ہے کہ مولانا کو بھی، جو آپ کے مریدوں میں سے ہیں، خلافت سے نوازیں گے۔ سلطان المشائخ نے چونکہ مولانا پر شفقت زیادہ تھی، فرمایا کہ ہم ان کو پہلے ہی اجازت دے چکے ہیں۔ ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ خواجہ اقبال وہ ٹوپی اور پیراہن، جو سلطان المشائخ کا پہنا ہوا تھا، لے کر آئے اور مولانا یوسف کو پہنایا اور کہا کہ تم بھی خلیفہ ہو۔ جب [۲۸۸] مولانا نے حضرت سلطان المشائخ کی دست بوسی کی سعادت حاصل کی اور انھیں تجدیدِ خلافت کا شرف حاصل ہوا تو سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اگرچہ مولانا یوسف کو ارادت و اجازت پہلے سے ہے، لیکن اس سعادت نے ان کی اس سعادت کو بڑھا دیا ہے اور یہ معاملہ نورٌ علیٰ نور ہو گیا ہے۔ سلطان المشائخ کی نظر میں مولانا نہایت معظم و مکرم تھے اور کشف و کرامات کی راہیں ان پر کھلی ہوئی تھیں۔ کاتبِ حروف نے ان بزرگ کو پایا تھا۔ ان کی مجلس سے ذوق و کیف حاصل کیا تھا۔ چندیری کے بہت سے رہنے والے ان کے مرید ہیں۔ ان کا روضۂ مبارک چندیری میں ہے۔[1] اس شہر کے لوگ ان کی برکات و فیوض سے مستفیض ہوتے ہیں۔

۱- وفات مولانا وجیہ الدین یوسف: ۷۲۹ھ (۲۹-۱۳۲۸ء)، خزینۃ الاصفیاء، جلد اوّل، ص ۳۴۲، مطبوعہ نول کشور۔

منہم

حضرت اخی سراج ؒ :

صوفی خوش لقا ، زاہد دل ربا کہ جو سلطان المشائخ کے مریدوں میں زہد و تقویٰ اور مکارم اخلاق سے متصف تھے یعنی مولانا سراج الملت و الدین عثمان ، جو سلطان المشائخ کے خلیفہ تھے اور ان کو اخی سراج بھی کہتے تھے ۔ اودھ اور ہندوستان کے شہروں کے لوگ ، جو سلطان المشائخ کی مریدی میں داخل ہوئے ، اُن میں وہ سب سے پہلے مرید ہیں ، جن کے متعلق سلطان المشائخ نے فرمایا تھا کہ یہ ''آئینۂ ہند'' ہے ۔ وہ بالکل ابتدائے جوانی میں جب کہ ان کے داڑھی نکلنی بھی شروع نہ ہوئی تھی ، لکھنوتی سے آ کر سلطان المشائخ کے مرید ہوئے اور اُن مریدوں کے ساتھ ، جو سلطان المشائخ کی خدمت میں رہتے تھے ، پرورش پائی ۔ ہر سال کے ختم پر اپنی والدہ کی زیارت کے لیے پابندی سے لکھنوتی جاتے تھے اور پھر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تھے

حضرت اخی سراج نے اپنی عمر کا بڑا حصہ مجرد الحال اور فارغ البال گزرا اور اپنی عمر عزیز سلطان المشائخ کے جماعت خانے کے ایک کونے میں بسر کی ۔ کاغذ اور اپنی کتابیں جس کے سوا کوئی سامان نہ تھا ، وہ بھی جماعت خانے کے کتب خانے میں رکھتے تھے ۔

تعلیم اور خلافت :

الغرض جب سلطان المشائخ اپنے اعلیٰ مریدوں کو خلافت عطا فرمانے لگے تو اُن کا نمبر آیا ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اس کام میں سب سے پہلے علم شرط ہے ۔ یہ علم میں اُس درجہ حصہ نہیں رکھتے جو اس کے لیے شرط ہے ۔ جب سلطان المشائخ کی یہ بات مولانا فخرالدین زرادی نے سنی تو اُن کی زبان مبارک سے یہ لفظ نکلے کہ میں ان کو چھ ماہ میں دانش مند بنا دوں گا ۔

تعلیم :

الغرض [۹۸۲] مولانا فخرالدین نے اُن کو بڑی عمر میں تعلیم دینی علوم کی اور کاتبِ حروف کے ساتھ اُنھوں نے میزان، تصریف، قواعد اور مقدمات پڑھے۔

اخی سراج کے لیے مولانا زرادی کی تصنیف :

مولانا فخرالدین زرادی نے اُن کے لیے قواعدِ صرف میں تصریف مختصر اور مفصل میں ایک کتاب "عثمانی" کے نام سے لکھی تھی۔ وہ غیاث پور میں مولانا فخرالدین زرادی سے پڑھا کرتے تھے اور مولانا رکن الدین اندرپتی سے بھی کاتبِ حروف کے ساتھ اُنھوں نے "کافیہ"، "مفصل"، "قدوری" اور "مجمع البحرین" پڑھیں۔ جب وہ علم کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوئے اور سلطان المشائخ کے خلافت دینے سے سرفراز ہوئے، تو اُنھوں نے اپنے ہندوستان روانہ ہونے سے پہلے وہ خلافت نامہ شیخ نصیرالدین محمود کے ہاتھ اودھ بھجوا دیا اور وہ خود سلطان المشائخ کی خدمت میں رہ کر حصولِ علم میں مشغول ہو گئے۔ حضرت سلطان المشائخ کی وفات کے بعد اور تین سال تک تعلیم پاتے رہے۔ حضرت سلطان المشائخ کے قبرستان میں گنبد خواجہ جہان مرحوم میں رہتے تھے۔

لکھنوتی کو واپسی :

جب لوگوں کو دہلی سے دیوگیر روانہ کیا گیا، تو وہ دہلی سے لکھنوتی پہنچے اور مطالعے کے لیے سلطان المشائخ کے کتب خانے سے بعض معتبر کتابیں اور وہ کپڑے، جو سلطان المشائخ نے ان کو عطا فرمائے تھے، ساتھ لیتے گئے۔ اس طرح لکھنوتی کو اپنے جمالِ ولایت سے آراستہ کیا۔

لکھنوتی میں رُشد و ہدایت :

خلقِ خدا اُن سے بیعت ہونے لگی، یہاں تک کہ اُس ملک کے فرمانروا بھی اُن کے حلقۂ مریدین میں شامل ہو گئے۔ لمبی عمر پائی اور دین و دنیا کے ثمرات حاصل کیے۔

مولانا رکن الدین اور مصنف "سیرالاولیاء" کے لیے تحفہ :

حضرت اخی سراج نے آخر عمر میں اپنے استاد مولانا رکن الدین اندرپتی کے لیے اور راقم الحروف کے لیے ، جو اُن کا ہم سبق تھا ، چند تنکے چاندی کے سابقہ حقوق کے مدِ نظر بھجوائے ۔ حق تعالیٰ اُنھیں قبول فرمائے ۔

وصیت اور وفات :

جب وفات کا زمانہ قریب پہنچا ، تو حضرت اخی سراج نے لکھنوتی کے آس پاس ایک جگہ منتخب کر کے ایک قبر کھدوائی اور اس قبر میں سلطان المشائخ کے وہ کپڑے ، جو تبرکاً لائے تھے ، دفن کیے ۔ جب اُن کی وفات ہونے لگی تو فرمایا ، مجھے اُس قبر کے پائنتی دفن کرنا جس میں سلطان المشائخ کے کپڑے دفن ہیں ۔ جب ان کی وفات ہوئی[1] ، تو ان کی وصیت کے مطابق اس قبر کی پائنتی دفن کیا گیا ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔ ان کا روضہ سلطان المشائخ کے کپڑوں کی برکت کی وجہ سے قبلۂ ہندوستان ہے [۲۹۰] اور اُن کے خلفاء[2] اُن شہروں میں پیری و مریدی کے سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہیں ۔

منھم

مولانا شہاب الدین :

کانِ ذوق ، مایۂ شوق ، زاہدِ با کمال ، عابدِ با جمال ،
یعنی مولانا شہاب الملۃ والدین امام حضرت سلطان المشائخ

اس سے بڑھ کر کون سی عظمت و کرامت ہوگی کہ مولانا شہاب الدین سلطان المشائخ کی امامت سے مشرف تھے ۔ وہ پانچ وقت ایسے بادشاہ کی سعادت بخش نظر کے منظور تھے ، جس کے محتاج جہان کے بادشاہ ہیں ۔

۱- وفات حضرت اخی سراج : (۷۵۸ھ مطابق ۵۷ - ۱۳۵۶ء) ، (خزینۃ الاصفیا ، جلد اوّل ، ص ۳۵۸) ۔

۲- حضرت اخی سراج کے خلفاء میں سب سے زیادہ مشہور شیخ علاءالحق والدین بن اسعد بنگالی ہیں ۔ (تاریخ مشائخ چشت ، ص ۲۰۰)

بیعت :

الغرض جب مولانا شہاب الدین سلطان المشائخ کی بیعت سے مشرف ہوئے تو سلطان المشائخ نے ان کو حکم دیا کہ خواجہ نوح کو ، جن کا تذکرہ سلطان المشائخ کے اقربا میں تحریر کیا گیا ہے ، تعلیم دیں اور حجرۂ خورد ، جو جماعت خانے میں تھا ، اُن کے حوالے ہوا ۔ اس طرح وہ سلطان المشائخ کے مریدوں اور خادموں میں پرورش پانے رہے ۔ وہ سالہا سال سے یہ تمنا رکھتے تھے کہ اگر کسی طرح وہ ایک مرتبہ بھی سلطان المشائخ کی امامت کر لیں تو وہ اپنے ہمسروں سے گوئے سبقت لے جائیں گے ۔ الغرض ہر کسی سے وہ اس دولت کے حاصل کرنے کے لیے کہتے تھے لیکن چونکہ یہ خدمت شیخ زادہ راستین ، صاحب تقوی ، یقین خواجہ محمد ابن مولانا بدرالدین اسحاق نبیرۂ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کے سپرد تھی ، جن کے مناقب شیخ شیوخ العالم کے نواسوں کے ضمن میں تحریر کیے جا چکے ہیں اور یہ مشغلہ دینی ان کے ساتھ مختص تھا ، لہٰذا اس بارے میں کسی کو دخل دینے کی مجال نہ تھی ۔ اگر کوئی ان بزرگ کی عدم موجودگی میں اُن کی جگہ امامت کرتا تو اُن کے نائب ہونے کی حیثیت سے کرتا ، جیسے کہ خواجہ موسیٰ برادر خواجہ محمد مذکور اُن کی عدم موجودگی میں امامت کیا کرتے تھے ۔

مولانا شہاب الدین کا مؤلف ''سیرالاولیاء'' کے والد سے امامت کے لیے مشورہ :

مولانا شہاب الدین نے اس بارے میں کاتب الحروف کے والد رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا ۔ میرے والد نے اُن سے فرمایا : آپ ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہیں ۔ اگر کسی وقت خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ غیر حاضر ہوں گے تو میں اقبال خادم سے کہوں گا کہ آپ کو امامت کے لیے پیش کریں ۔

ایک دن اتفاقاً خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ دونوں موجود نہ تھے ۔ اس موقع پر خواجہ اقبال نے امامت کے لیے مولانا شہاب الدین کو بھجوایا ۔ مولانا کی خوش الحانی لحن داؤدی تھی کہ اُن کی آواز سن کر ہوا میں اُڑتے ہوئے پرندے اور زمین پر چلنے والے ان کی خوش الحانی سے مست [۲۹۱] اور مدہوش ہو جاتے تھے ۔ مولانا نے امامت کرتے ہوئے قرآن مجید

س خوش الحانی سے پڑھا کہ سلطان المشائخ پر رقت طاری ہوگئی۔
کاتب الحروف کے والد فرماتے تھے کہ جب سلطان المشائخ نماز سے فارغ
ہوئے اور مصلیٰ کاندھے پر ڈال کر اپنے مقام کی طرف روانہ ہونے لگے ،
تو مولانا شہاب الدین سلطان المشائخ کے پاؤں میں گرے ۔ شیخ سعدی نے
کیا اچھا کہا ہے :

بیت

گر دست دہد ہزار جانم
بر پائے مبارکت فشانم

سلطان المشائخ نے جھک کر اُن کے سر کو اپنے قدموں سے اُٹھایا ۔
یعنی اس عالم میں وہ مصلیٰ ، جو سلطان المشائخ کے کاندھے پر تھا ،
مولانا شہاب الدین کی پشت پر گر پڑا ۔ چنانچہ وہ مصلیٰ سلطان المشائخ نے
مولانا شہاب الدین کو عطا فرما دیا ۔

مولانا شہاب الدین کا امامت پر تقرر :

الغرض اسی زمانے میں اتفاق سے خواجہ محمد اپنے نانا شیخ شیوخ العالم
کی زیارت کے لیے اجودھن روانہ ہوئے اور اُن کی جگہ سلطان المشائخ کے
حکم سے مولانا شہاب الدین اُن کی نیابت میں دولتِ امامت سے مشرف
ہوئے ۔ جب تک سلطان المشائخ حیات رہے ، وہ سلطان المشائخ کے
امام رہے ۔

دیوگیر روانگی :

سلطان المشائخ کی وفات کے بعد مولانا شہاب الدین دیوگیر چلے گئے ۔
وہاں اُنھوں نے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کیا اور سلطان المشائخ کے
سلسلۂ طریقت کو فروغ دیا ۔

سلطان المشائخ کا لطف و کرم :

نیز مولانا شہاب الدین فرماتے تھے کہ اُس وقت ، جب کہ خلافت
کے لکھے جا رہے تھے ، سلطان المشائخ نے مجھ سے فرمایا کہ تم کاغذ
کیوں نہیں لاتے ورنہ بعد میں پشیمان ہوگے ۔ میں نے عرض کیا کہ بندے
کے لیے یہی نظر شفقت و مرحمت کافی ہے ۔

مولانا شہاب الدین یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک دن میں سلطان المشائخ
کے جماعت خانے کے صحن میں کھڑا ہوا تھا اور سلطان المشائخ جماعت خانے
کے بالا خانے پر اپنی مقررہ جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور کاتب الحروف
کے چچا سیّد حسین سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھے ۔ میرے چچا
سیّد حسین نے عرض کیا کہ اگر آپ مریدوں میں سے کسی کو انتخاب
فرمائیں جو آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے دوسرے مریدوں کی
نگرانی کر سکے تو مناسب ہوگا ۔ اس موقع پر سلطان المشائخ نے جماعت
خانے کے صحن کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا مبارک ہے یہ نوجوان ۔ جب
راقم الحروف کے چچا سیّد السادات نے جماعت خانے کی صحن کی طرف
سر اٹھا کر دیکھا تو میں کھڑا ہوا تھا ۔ پھر سلطان المشائخ نے فرمایا
کہ میں اس عزیز کو کہتا ہوں کہ وہ پانی جو میرے وضو کے لیے گرم
کرتا ہے ، اس سے وضو کرے لیکن یہ آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے
ہمیشہ دریا کے کنارے جا کر وضو کرتا ہے ۔

الغرض مولانا شہاب الدین فرماتے تھے کہ جب سیّد السادات
سلطان المشائخ کے پاس سے باہر آئے اور مجھے اسی جگہ کھڑا ہوا پایا تو
مجھ پر نہایت شفقت فرمائی اور مجھے سلطان المشائخ کی طرف سے اس بات کی
خوش خبری دی جو بشارت سلطان المشائخ نے میرے متعلق دی تھی ۔
چونکہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں پاتا تھا ، اس لیے میں نے
سیّد السادات سے کہا کہ کیوں آپ مجھ غریب کے ساتھ مذاق کرتے ہیں ۔
سیّد السادات نے قسم کھا کر کہا کہ میں تم سے مذاق نہیں کر رہا ہوں
بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ سلطان المشائخ نے تمہارے متعلق یہ خوش خبری
دی ہے ۔

کاتب الحروف کو اس پر یقین ہے کہ جب تک کہ سلطان المشائخ کی
طرف سے مولانا شہاب الدین کو یہ بشارت نہ ملی ہوگی اس وقت تک انہوں
نے دینی کام شروع نہیں کیا ہوگا کیونکہ وہ تمام اوصاف حمیدہ سے متصف
تھے ۔ اس لیے آپ کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ انہوں
نے اس دینی کام میں سلطان المشائخ پر افترا کیا ہوگا اور بغیر آپ کی
اجازت کے دینی کام شروع کر دیا ہوگا ، اب ہم پھر مولانا شہاب الدین
کے حالات کی طرف آتے ہیں ۔

ذوقِ سماع :

مولانا شہاب الدین سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے ۔ سماع کی باریکیوں سے پورے طور پر واقف تھے اور وجد و حال اور گریہ و زاری نہایت خلوص کے ساتھ کرتے تھے اور سماع سے کامل راحت حاصل کرتے تھے ۔

دہلی واپسی اور وفات :

دیوگیر سے دہلی آنے کے بعد ایک طویل مدت گزارنے کے بعد اُنھوں نے وفات پائی اور دہلی میں اپنے گھر کے پاس مدفون ہوئے ۔[1] رحمۃ اللہ علیہ

• • •

۱۔ "گلزارِ ابرار" میں ہے کہ امیر خسرو مولانا شہاب الدین سے نہایت عقیدت و دل بستگی رکھتے تھے ۔ اُنھوں نے اپنے خمسے میں مولانا کی بے حد تعریف کی ہے ۔ یہ دو تین بیت اُسی خمسے کے ہیں :

چوں از و موج زد کلامِ احد
نفد البحر قبل ان تنفد
او چو ابرِ کرم بفرقِ جہاں
زیرکاں چوں صدف کشادۂ دہاں
شمع من یافتہ صیا از وے
مس من گشتہ کیمیا از وے

(ماخوذ از گلزارِ ابرار ، ص ۹۱ ، مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن ، لاہور)

باب پنجم

سلطان المشائخ کے بعض اعلیٰ مرتبوں کے مناقب و فضائل و کرامات کے بارے میں جو سلطان المشائخ نظام الحق والشرع والملۃ والدین کی شرفِ ارادت و عزت سے مخصوص تھے اور سلکِ اعلیٰ سے لے کر کرۂ تحت الثریٰ تک حضرت سلطان المشائخ جعل اللہ صدر الجنۃ مثواہ کی غیر معمولی شفقت کی وجہ سے ان کے حرم میں تھا۔

ع ۔ و بنو حنیفۃ کلہم اخیار

[اور امام ابو حنیفہ کوفی کی سب کی سب اولاد بہتر اور نیک ہے۔]

امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے:

مثنوی

از مریدانش رہ روانِ یقین
ہر یکے والیِ ولایت دین [۲۹۳]
ہمہ شیطان کش و فرشتہ خدم
وز روش بر ہوا نہادہ قدم
بر سر از شہپرِ سروش ساختہ تاج
دلِ شاں عرش و سجدہ شاں معراج
ملکِ وحدت بنام ایشاں است
بندہ خسرو غلامِ ایشاں است
نامِ من زاں ستودہ کیشاں باد
حشرِ من درمیانِ ایشاں باد

منہم

(۱) خواجہ ابوبکر مندہ مصاحب سلطان المشائخ :

پیشوائے اصحاب طریقت ، مقدم ارباب حقیقت ، علم ، زہد و پرہیزگاری سے آراستہ ، صورت و سیرت میں اسلاف کے آئینہ تھے یعنی خواجہ ابوبکر مندہ رحمۃ

کاتب حروف نے اپنے والد سید مبارک محمد کرمانی سے سنا تھا کہ خواجہ ابوبکر مندہ سلطان المشائخ کے مصاحب تھے ۔ ایک دوسرے کے ساتھ بہت زیادہ رہتے تھے ۔

بیعت ·

قبل اس کے کہ سلطان المشائخ حضرت شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر کے مرید ہوں ، خواجہ ابوبکر نے سلطان المشائخ سے کہا تھا کہ جب آپ حضرت شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر کی خلافت سے مشرف ہو جائیں گے تو میں آپ کا مرید ہوں گا ۔ جب سلطان المشائخ حضرت شیخ شیوخ العالم کی خلافت اور دوسری دو جہان کی سعادتوں سے سرفراز ہوئے اور دہلی شریف لائے تو ہر شخص آپ سے بیعت ہونے کی خواہش کرنے لگا لیکن آپ ہر ایک سے انکار کرتے تھے ۔ سلطان المشائخ کا مقصد یہ تھا کہ سب سے پہلے کسی صالح اور متقی آدمی کو مرید کریں تاکہ اس دینی سلسلے میں برکت ہو ۔ کچھ دن کے بعد کاتب الحروف کے دادا سید محمد کرمانی نے خواجہ ابوبکر مندہ سے کہا کہ تم نے سلطان المشائخ سے بیعت ہونے کا وعدہ کیا تھا ۔ انہوں نے کہا ، بے شک میں نے وعدہ کیا تھا لیکن جو نعمتیں آپ نے شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز سے حاصل کی ہیں اگر میں اُن نعمتوں کا خود بھی مشاہدہ کر لوں ، تو میں سلطان المشائخ سے بیعت ہو جاؤں گا ۔ میرے دادا نے اُن کی یہ بات سلطان المشائخ تک پہنچائی ۔ سلطان المشائخ خاموش رہے اور کچھ نہیں فرمایا ۔ اس واقعہ کے کچھ دن بعد ایک دن سلطان المشائخ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار نور اللہ مرقدہ کی زیارت سے واپس آئے ۔ جب آپ بڑے دروازے [۲۹۳] کے پاس پہنچے ، جو شہر دہلی کے اندر ہے ، تو خواجہ ابوبکر سامنے سے آ رہے تھے ۔ انہوں نے دیکھا کہ سلطان المشائخ کی پیشانی مبارک

سے ایک نور ظاہر ہوا ، جس کی روشنی آسمان تک پہنچ رہی تھی ۔ جیسے ہی خواجہ ابوبکر نے اس نور کو دیکھا تو فوراً اُنھوں نے سلطان المشائخ سے کہا اے مخدوم! مجھے مرید کرنے کے لیے ہاتھ بڑھائیے ۔ سلطان المشائخ نے اُن سے فرمایا ، خواجہ ابوبکر تم تو مجھ سے مرید ہونے کے لیے کسی دلیل کے منتظر تھے ۔ اُنھوں نے کہا ، بے شک ۔ لیکن آج میں نے اس کو آپ کی پیشانی مبارک میں دیکھ لیا ۔ سلطان المشائخ نے تبسم فرمایا ۔ راستے ہی میں اُن کو مرید کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ۔ اپنی ٹوپی اُن کے سر پر رکھی ۔

قبر :

خواجہ ابوبکر کی قبر سلطان المشائخ کے قبرستان میں چبوترہ یاراں کے درمیان ہے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

یہ ضعیف کہتا ہے :

رباعی

نورے کہ ز پیشانیِ آں ماہ بتافت
ظلمت زدگانِ معصیت را دریافت
یک ذرہ از آں نصیب ایں بندہ رسید
من توشۂ آخرت از آں خواہم ساخت

منہم

(۲) قاضی محی الدین کاشانی :

بیعت :

عالمِ ربّانی ، قاضی محی الدین کاشانی ، جو علم و حلم ، زہد و تقویٰ کے لحاظ سے سلطان المشائخ کے اعلیٰ مریدوں میں مشہور تھے ۔ یہ بزرگ ایک صاحبِ علم و فضل خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور قاضی قطب الدین کاشانی کے نواسے تھے اور شہر بھر کے اُستاد تھے ۔ ان فضائل کے باوجود اُنھوں نے سلطان المشائخ کی مریدی کی سعادت کو بھی حاصل کیا تھا ،

جو تمام خوبیوں کی اصل ہے - شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

حریف مجلس ما خود ہمیشہ دل می برد
علی الخصوص کہ پیرایہ بر او بستند

سلطان المشائخ کی نظر میں بھی اُن کی بڑی عزت تھی - جس وقت و
سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو سلطان المشائخ اُن کے لی
کھڑے ہو جاتے - یہ عزت و احترام مریدوں میں سے بہت کم لوگوں کو
حاصل تھا - ان کے تشریف لانے پر سلطان المشائخ کی مجلس طویل ہو جات
تھی - وہ علمی مشکلات ، جو قاضی صاحب کو پیش آتی تھیں ، وہ ان علم
مشکلات کو سلطان المشائخ سے حل کرتے تھے - اس کے علاوہ اہل طریقہ
کے تذکرے ، رموز عشق ، لطائف اور دوسرے سوال و جواب کثرت
ہوتے - چنانچہ ان میں سے کچھ کو اس کتاب میں اپنے موقع پر لکھا
ہے ، جو دنیا کے اہل دل کی نظر سے گزریں گے -

بعض وہ مرید ، جن کو سلطان المشائخ کی مجلس میں دیر تک بیٹھ
کا موقع نہ ملتا تھا ، وہ قاضی محی الدین [۲۹۵] کاشانی کا انتظار کر
رہتے تھے تاکہ ان کو قاضی محی الدین کاشانی کی طفیل میں سلطان المشا
کی مجلس میں دیر تک بیٹھنے کا موقع مل جائے -

قاضی محی الدین تکلفات سے پاک اور اسلاف کے طریقے پر کاربند تھے
چنانچہ وہ مرید ہوتے ہی تعلقات دنیوی سے دست بردار ہوگئے تھے
اُنھوں نے اپنے وظیفے کا وہ پروانہ ، جو حکومت کی طرف سے ملتا تھا
سلطان المشائخ کے سامنے پارہ پارہ کر دیا تھا اور ریاضتوں اور مجاہدوں م
مشغول ہوگئے تھے - ایک طویل عرصے تک وہ مجاہدوں اور ریاضتوں م
مشغول رہے - ایک مدت اسی طرح گزری -

خلافت سے سرفرازی اور خلافت نامہ :

جب سلطان المشائخ نے اُن سے بہت سے کار خیر دیکھے تو اُنھیں ا
خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنے ہاتھ سے ایک کاغذ پر لکھا :

خلافت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمھیں چاہیے کہ تارک دنیا ہو اور دنیا اور اہل دنیا کی طرف مائل نہ ہو۔ جاگیریں قبول نہ کرو اور بادشاہوں کا عطیہ نہ لو۔ اگر مسافر تمھارے پاس آئیں اور تمھارے پاس کچھ نہ ہو، تو اسی حالت کو غنیمت سمجھو اور انعامِ الٰہی میں سے سمجھو اور ایک نعمت جانو۔ اگر تم نے ایسا کیا جیسا میں نے تمھیں حکم دیا ہے تو میرا گمان یہ ہے کہ تم میرے ہی راستے پر رہو گے، تو تم میرے خلیفہ ہو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے، تو میں تمھارا معاملہ اللہ سے سونپتا ہوں۔

آزمائش:

مشہور ہے کہ جب قاضی محی الدین کاشانی پر فقر و فاقے کی شدت زیادہ ہوئی اور قاضی صاحب کے اہل و عیال، جنھوں نے عیش و تنعم میں پرورش پائی تھی اور جو عمدہ لباس کے خوگر تھے، قاضی صاحب کو پریشان کرنے لگے، ایک معتمد نے بغیر ان کے علم و اطلاع کے قاضی صاحب کے مناقب و فضائل سلطان علاء الدین سے بیان کیے۔ سلطان علاء الدین نے حکم دیا کہ اودھ کی قضاءت، جو قاضی محی الدین کی موروثی ہے۔ انعامات اور بہت سے دیہات کے ساتھ اُن کے سپرد کی جائے۔ جب یہ خبر قاضی صاحب کو ملی تو وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کر کے عرض کیا کہ بادشاہ نے بغیر میری کسی خواہش کے ایسا فرمان جاری کیا ہے، اب آپ کا جو حکم ہو " سلطان المشائخ قاضی صاحب سے یہ بات سن کر ناراض ہوگئے اور فرمایا کہ ضرور تمھارے دل میں اس قسم کا خیال گزرا ہوگا، تب ہی تو یہ چیزیں تمھارے سامنے پیش کی گئی ہیں۔ یہ فرما کر آپ دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ غرض کہ قاضی صاحب کو اس واقعے سے نہایت تشویش اور پریشانی ہوئی۔ بعض کہتے ہیں وہ خلافت نامہ، جو آپ نے قاضی صاحب کو لکھ کر دیا تھا، واپس لے لیا اور ایک کونے میں رکھ دیا۔ [۲۹۶] ایک سال تک سلطان المشائخ قاضی صاحب سے ناراض رہے۔ جب ایک سال پورا ہو گیا اور سلطان المشائخ کی برہمی دور ہوئی اور قاضی صاحب سے خوش ہوگئے، تو آپ نے ان کو تجدید بیعت اور مریدی سے از سرِ نو مشرف فرمایا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

وفات :

قاضی محی الدین کاشانی نے سلطان المشائخ کی زندگی ہی میں وفات پائی ۔[1]

منهم

مولانا وجیہ الدین پائلی :

مقتدائے علماء ، پیشوائے صلحا ، متبحر علامہ ، استادِ زمانہ ، کشف دقائق میں بے مثل ، اپنے وقت کے یگانہ ، یعنی مولانا وجیہ الدین پائلی جو زہد و تقویٰ اور سخت مجاہدوں اور ترک و تجرید میں اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے ۔ اُن کے فضائل و محامد کا اعلیٰ درجہ یہ تھا کہ وہ سلطان المشائخ قدس سرہ کی بیعت سے مشرف ہوئے تھے ۔

خود اُن کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ پانی پت جا رہا تھا ۔ میں نے راستے میں ایک صوفی کو دیکھا ، جسے دیکھ کر میرے دل میں انکار کی کیفیت پیدا ہوئی ۔ اُس صوفی نے کہا ! اگر آپ کو کسی علمی مسئلے میں کوئی دشواری پیش ہو ، تو فرمائیے ؟ مجھے بعض علمی مسائل میں شبہات تھے ۔ میں اُن کے سامنے ایک ایک کو پیش کرتا رہا اور وہ ہر ایک کا جواب واضح اور صاف دیتے رہے ، جس سے میں مطمئن تھا ۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے مسئلہ قضا و قدر کو بھی نہایت شافی طریقے پر بیان کیا ۔ اس گفتگو کے ختم ہونے کے بعد اُس صوفی نے مجھ سے پوچھا کہ تم کس کے مرید ہو ؟ میں نے کہا کہ میں سلطان المشائخ نظام الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کا مرید ہوں ۔ اُنھوں نے کہا کہ شیخ نظام الدین قدس اللہ سرہ العزیز ہمارے قطب ہیں ۔

۱۔ قاضی محی الدین کاشانی بن جلال الدین بن قطب الدین اکابر علماء میں سے تھے ۔ اُنھوں نے شیخ شمس الدین توشجی اور دہلی کے دوسرے علماء سے تعلیم پائی ۔ قاضی صاحب نے ۷۱۹ھ (۲۰ - ۱۳۱۹ء) میں وفات پائی ۔ (نزہۃ الخواطر ، جلد ۲ ، ص ۱۱۱ و خزینۃ الاصفیاء ، ص ۳۲۵)

روضۂ بابا فرید سے ابو حنیفہ کا خطاب :

منقول ہے کہ ایک دفعہ مولانا وجیہ الدینؒ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کی زیارت کے لیے اجودھن گئے ۔ جب وہ شیخ شیوخ العالم کے روضۂ مبارک پر زمین بوس ہوئے اور وہاں بیٹھ گئے تو روضۂ مبارک سے آواز آئی ، خوب آئے ہو ابو حنیفہ ثانی ۔ حالانکہ وہ اپنے پاس کوئی کتاب نہ رکھتے تھے اور درس کے وقت اُن کے سامنے اکابر علماء ادب سے دو زانو ہو کر بیٹھتے تھے ۔ وہ درس دیتے وقت کبھی کتاب اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تھے اور ہر دفعہ ، جب کسی مسئلے کو دوبارہ بیان فرماتے ، تو اُسے نئے انداز میں بیان فرماتے تھے ۔

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات :

منقول ہے کہ مولانا وجیہ الدین پائلی کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور اُنھیں کے اشارے پر وہ سلطان المشائخ کے مرید ہوئے ۔ ایک دفعہ یہ سلطان المشائخ کی خدمت میں [۷۹۲] حاضر ہوئے ۔ جب یہ جماعت خانے میں آئے اور دسترخوان پر بیٹھے تو ان کے جوتے کوئی اُٹھا کر لے گیا ۔ سلطان المشائخ کو جب یہ خبر پہنچائی گئی تو آپ نے اپنے خاص نعلین مبارک اُن کے لیے بھجوائے ۔ مولانا آپ کے جوتوں کو بوسہ دیتے ہوئے باہر آئے اور اُنھوں نے اپنی دستار مبارک کا ایک پیچ کھول کر جوتوں کو اُس میں رکھ کر دستار کو باندھ لیا اور ننگے پاؤں اپنے گھر روانہ ہوئے ۔ مریدوں نے اُن کو برہنہ پا دیکھ کر پوچھا کہ سلطان المشائخ نے یہ جوتے اس لیے عنایت فرمائے تھے کہ آپ ننگے پاؤں نہ جائیں لیکن آپ ننگے پاؤں جا رہے ہیں ؟ مولانا نے فرمایا کہ یہ جوتے تو میرے سر کا تاج ہیں ، جو آج سلطان المشائخ کی طرف سے مجھے انعام میں ملے ہیں ۔ میری کیا مجال ہے کہ میں اُن کو پاؤں میں پہنوں ۔ میں ان کو اسی طرح اپنے سر پر رکھ کر اپنے گھر جاؤں گا ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

در بندگی آنجا کہ ترا حلقہ مرا گوش
در چاکری آنجا کہ ترا پائے مرا سر

الغرض اس کی اطلاع سلطان المشائخ کو پہنچائی گئی کہ مولانا وجیہ الدین آپ کے جوتوں کو سر پر رکھ کر جا رہے ہیں ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مولانا سے کہو کہ وہ پہلے یہاں سے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لیے جائیں ۔ چنانچہ مولانا آپ کے ارشاد کے مطابق شیخ الاسلام قطب الدین کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لیے گئے ۔ جب وہ وہ شیخ الاسلام قطب الدین کے مقبرے پر پہنچے ، تو وہاں اپنے جوتوں کو رکھا ہوا پایا ۔

شیطان کا وسوسہ :

ایک دفعہ مولانا وجیہ الدین سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے ۔ جب وہ کرہ کے باغات میں پہنچے تو اُنھوں نے ایک بوڑھے آدمی کو ، جو زاہدوں کی صورت بنائے ہوئے عبا پہنے اور مصلی کاندھے پر ڈالے ، تسبیح گلے میں پہنے ہوئے تھا ، سامنے آیا اور مولانا کو سلام کیا اور اس طرح گفتگو شروع کی کہ میں بہت دور سے آیا ہوں ۔ مختلف علوم میں میری کچھ علمی مشکلات ہیں جنھیں میں آپ سے حل کرانا چاہتا ہوں ۔ مولانا نے فرمایا ، اچھا ۔ اس شخص نے نہایت دانش مندانہ طریقے پر اپنے سوالات شروع کیے ۔ مولانا نے اس کے سوالات کے نہایت معقول جواب دیے لیکن مولانا اس کی تقریر سن کر حیران تھے کہ یہ آدمی اس شہر کا رہنے والا نہیں ۔ پھر اُس نے اتنے علوم کہاں سے حاصل کیے ۔ جب وہ ان علمی مباحث سے فارغ ہو چکا ، تو اُس نے مولانا سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں ؟ مولانا نے فرمایا کہ میں سلطان المشائخ نظام الحق والدین کی خدمت میں جا رہا ہوں ۔ اُس شخص نے کہا کہ میں سلطان المشائخ سے بارہا ملا ہوں ۔ وہ اتنے بڑے عالم نہیں جتنے بڑے عالم آپ ہیں ۔ پھر اس کے باوجود آپ اُن کے پاس جا رہے ہیں ؟ مولانا وجیہ الدین نے فرمایا ہرگز نہیں ۔ یہ تم کیا کہتے ہو ۔ سلطان المشائخ علم کے سمندر ہیں اور آپ کا باطن علم من لدنی سے [۲۹۸] آراستہ ہے ۔ پھر اُس آدمی نے کہا کہ میں نے متعدد مرتبہ شیخ نظام الدین سے ملاقات کی ہے ، وہ اتنا علم نہیں رکھتے ۔ آپ اُن کے پاس کہاں جا رہے ہیں ؟ مولانا وجیہ الدین نے فرمایا لا حول ولا قوۃ الا باللہ ۔ یہ تم کیا فضول باتیں کرتے ہو ۔ وہ شخص جو قریب ہو کر مولانا سے باتیں کر رہا تھا اچانک مولانا سے ذرا دو

ہو کر کھڑا ہو گیا ۔ مولانا وجیہ الدین نے دوسری مرتبہ لا حول پڑھی ۔ وہ مردود لاحول سنتے ہی اور بھی دور جا کھڑا ہوا ۔ اب مولانا نے بار بار لاحول پڑھنا شروع کیا ، یہاں تک کہ وہ شخص غائب ہو گیا ۔ جب مولانا وجیہ الدین سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچے ، تو قبل اس کے کہ وہ سلطان المشائخ سے ماجرا بیان کرتے ، سلطان المشائخ نے نور باطن سے معلوم کرکے فرمایا کہ مولانا ! تم نے اس شخص کو خوب پہچانا ۔ اگر اُس کے پہچاننے میں تم سے ذرا بھی غلطی ہوتی تو وہ تمہاری راہ زنی کر ہی چکا تھا ۔

معیشت :

معمول ہے کہ مولانا وجیہ الدین اپنی محنت سے اپنی روزی حاصل کرتے اور کسی کو اپنے حصول رزق میں تکلیف نہ دیتے تھے ۔ لباس موٹا اور دستار باندھتے ۔ اُن کا بیشتر لباس شکر رنگ ہوتا تھا ۔ بعض غافل اُن کی اس روش کو بخل پر محمول کرتے تھے ۔ وہ علم و عقل میں نہایت کامل تھے ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے ۔

بیت

سعدیا ! نزدیک رائے عاشقاں
خلق مجنوں اند و مجنوں عاقل است

وفات :

آخر اس دنیائے بے وفا سے کوچ کرکے رحمت حق سے جا ملے اور حوض شمسی پر قاضی کمال الدین صدر جہاں اور قتلغ خاں[1] کے مقبرے میں اُن سے اونچی جگہ پر دفن ہوئے ، کیونکہ یہ دونوں مولانا کے شاگرد تھے ۔[2] رحمۃ اللہ علیہ ۔

۱۔ قتلغ خاں نائب دولت آباد ، استاد ابو الفتح محمد شاہ ، سلطان بن تغلق شاہ ۔ (تاریخ فیروز شاہی ، (اُردو ترجمہ) ، ضیا برنی ، ص ۶۳۹)
۲۔ مولانا وجیہ الدین پائلی نے مولانا ابوالقاسم تنوخی سے تعلیم حاصل کی تھی ۔ مولانا ابوالقاسم حمید الدین ضریر کے شاگرد تھے اور انہوں نے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

متفرق

مولانا فخرالدین مروزی :

افضل زہاد ، زینت عباد مولانا فخرالملۃ والدین مروری جو زہد و تقویٰ اور کمال سے آراستہ تھے ، قرآن مجید کے حافظ تھے ، سلطان المشائخ کے اولیں مریدوں اور مصاحبوں میں تھے ۔ آخر عمر میں سلطان المشائخ کے پاس غیاث پور میں مقیم ہوگئے تھے ۔ وہ ترک و تجرید میں انتہائی کوشش کرتے تھے ۔

کتابتِ قرآن مجید :

ہمیشہ کلام مجید کی کتابت کرتے تھے[1] اور خلق کے اختلاف اور جھگڑوں سے دور رہتے تھے ۔ نہایت با عظمت و با کرامت بزرگ تھے ۔ مردانِ غیب سے اُن کی ملاقات تھی ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شمس الائمہ کردری سے تعلیم پائی تھی ۔ مولانا وجیہ الدین پائلی کے شاگردوں میں علامہ سراج الدین عمر ، ابن اسحاق غزنوی ، قاضی کمال الدین ہانسوی ، اُن کے داماد قتلغ خاں اور دوسرے علماء مشہور ہیں ۔ پائلی آپ کو اس لیے کہتے ہیں کہ آپ پائل کے رہنے والے تھے ، جو سرہند سے پانچ فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے ۔ (''نزہۃ الخواطر'' ، ج ۲ ، ص ۱۷٦ - ۱۷۷)

۱- ''اخبار الاخیار'' میں ہے کہ جب مولانا فخرالدین مروری قرآن مجید کی کتابت مکمل کر لیتے تھے تو لوگوں سے پوچھتے تھے کہ اس کتابت شدہ قرآن کا کیا ہدیہ ہوگا ؟ لوگ کہتے ، چھ کانی ۔ فرماتے کہ میں اس کا ہدیہ چار جیتل لوں گا ، زیادہ نہیں لوں گا ۔ اگر کوئی شخص ان کو چار جیتل سے زیادہ دیتا تو نہ لیتے ۔ جب وہ بوڑھے ہوگئے اور کتابت سے معذور ہوگئے ، تو قاضی حمید الدین ملک التجار نے سلطان علاء الدین سے ان کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسے بزرگ ہیں جو کتابتِ قرآن مجید سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے ۔ اب وہ بوڑھے ہوگئے ہیں اور کتابت سے معذور ہوگئے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ایک دفعہ اُنھوں نے سلطان المشائخ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مجھ پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ کوئی شخص میرے پاس پانی لانے والا نہ تھا کہ میں اس سے پانی منگواؤں۔ اچانک پانی کا کوزہ غیب سے نمودار ہوا۔ میں نے اُس کوزے کو توڑ دیا۔ سارا پانی گر گیا۔ میں نے کہا کہ میں تو کرامت کا پانی پیوں گا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا، تمھیں یہی کہنا چاہیے تھا۔ [۱۹۹] کیونکہ کرامت کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ جب دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا،

اسی طرح ایک دفعہ میں چاہتا تھا کہ کنگھی کروں۔ میرے پاس کوئی ایسا شخص نہ تھا جو مجھے کنگھی لا کر دے۔ عین اس موقع پر دیوار میں شگاف ہوا۔ اس شگاف میں سے ایک کنگھی باہر آئی۔ میں نے وہ کنگھی لے کر استعمال کی۔

سلطان المشائخ کا ایک رقعہ:

ایک دفعہ سلطان المشائخ نے اُن کو محبت الٰہی کے بارے میں ایک رقعہ لکھا، جو اس کتاب کے نکتۂ محبت میں تحریر کیا گیا ہے۔ وہ ناظرین کے ملاحظے سے گزرے گا۔

وفات:

جب مولانا فخرالدین مروزی نے وفات پائی[۱] تو وہ سلطان المشائخ کے قبرستان چبوترۂ یاران پر مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہیں۔ بہت الزام ہے اُن کا وظیفہ مقرر ہونا چاہیے۔ سلطان علاء الدین نے روزانہ ان کا ایک ٹنکہ مقرر کر دیا۔ انھوں نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک چیتل بہت زیادہ ہے۔ میرے لیے چھ کانی کافی ہے۔ بہت اصرار سے چھ کانی قبول کیے۔ (''اخبار الاخیار''، ص ۹۲ - ۹۳)

۱۔ وفات مولانا فخرالدین مروزی: بعہد سلطان محمد شاہ تغلق ۷۳۶ھ (۳۶ - ۱۳۳۵ء)۔ (''نزہۃ الخواطر''، جلد ۲، ص ۱۰۶ بحوالہ ''خزینۃ الاصفیاء'')

مولانا فصیح الدین :

عالمِ علوم دینی ، صاحبِ اسرار یقینی یعنی مولانا فصیح الملۃ والدین جو علم و فضل ، زہد و تقویٰ سے آراستہ تھے ، جو سلطان المشائخ کے بہت سے اعلیٰ مریدوں سے مرید ہونے میں سابق تھے ۔ سلطان المشائخ کی مجلس میں اکثر علمی سوالات اور عالمِ حقیقت کے رموزات پوچھتے اور شافی جوابات پاتے ۔

زمانۂ طالب علمی :

زمانۂ طالب علمی میں مولانا فصیح الدین اور قاضی محی الدین کاشانی بہت مدت تک ایک ساتھ رہے ۔ اصولِ فقہ کی تعلیم اعلیٰ درجے تک مولانا شمس الدین قوشچہ سے حاصل کی ۔ علماء میں تبحرِ علمی اور جودتِ طبع میں مشہور تھے ۔

بیعت :

جب فضلِ ربانی اور جذب رحمانی مولانا فصیح الدین کے شاملِ حال ہوا اور انہوں نے راہِ حقیقت کو طے کرنا چاہا اور اس کوشش میں مصروف ہوئے کہ علم کو عمل سے ہم آہنگ کریں ، تو وہ مجلسوں سے گوشہ گیر ہوگئے ۔ وہ سلطان غیاث الدین کے ملک بیکرس تاربک کے فرزندوں کو پڑھایا کرتے تھے اور اس سے اپنی اور اپنے متعلقین کے لیے قلیل روزی حاصل کرتے تھے ۔ وہ بھی انہوں نے چھوڑ دی اور اللہ کے فضل و کرم پر بھروسا کیا ۔ مولانا کے فرزندوں نے ان سے کہا کہ آپ نے یہ قلیل سی ملازمت بھی چھوڑ دی ۔ اب گزر بسر کیسے ہوگا ۔ کیا مصلے کے نیچے سے کوئی چیز نکل آئے گی ؟

الغرض مولانا کا ایک دوست تھا ۔ جب اس نے مولانا کے ترک و تجرید کا حال سنا تو اس نے چند ٹنکے مولانا کی جانماز کے نیچے رکھ دیے اور رکھ کر چلا گیا ۔ مولانا نے اپنی بیوی کو بلایا اور فرمایا کہ آؤ جانماز

کے نیچے کچھ ہے۔ جب اس کی اطلاع قاضی محی الدین کاشانی کو ہوئی تو وہ مولانا کے پاس آئے اور قاضی صاحب کو اُن کے ترک و تجرید کا حال معلوم ہوا۔ اس واقعہ کے چند دن بعد مولانا فصیح الدین، قاضی محی الدین کاشانی کی ملاقات کے لیے گئے۔ ملاقات کے بعد قاضی محی الدین نے اُن سے فرمایا کہ ... صاحب نے صوفیائے کرام کی ایک کتاب میں دیکھا تھا کہ قیامت کے دن جس پیر پر ہم ایمان لائے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں ہر ایک شخص اُس بزرگ کے جھنڈے کے نیچے ہوگا جس کا وہ مرید ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ میں کسی بزرگ کے دست حق پرست پر بیعت ہو جاؤں تاکہ قیامت کے دن اس کی جماعت میں ہوں۔ اب مجھے اس لیے ضروری ہے کہ ہم کسی بزرگ کی تلاش کریں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اس زمانے میں سینکڑوں بزرگ صاحب دعوت و ارشاد اور اہلِ کرامت شہر میں موجود تھے۔ یہ دونوں اسی تلاش میں ہوئے کہ کس سے مرید ہوں۔ اسی زمانے میں انہیں خیال آیا کہ یہاں ایک سیدزادے ہیں، جنھوں نے بہت سے بزرگوں اور اکابر مشائخ کی صحبت اٹھائی ہے۔ چلو اُن کے پاس چلیں اور اُن سے پوچھیں کہ وہ ہمیں مشورہ دیں کہ ہم کس سے مرید ہوں۔ چنانچہ یہ دونوں کے دونوں اس سیدزادے کے پاس گئے اور پوری کیفیت اُن سے بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ سلطان المشائخ نظام الحق والدین خلیفہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہما العزیز کثرتِ علم و فضل، عمل و عقل، عشق و درد اور ذوق سے آراستہ ہیں۔ اُس زمانے میں سلطان المشائخ غیاث پور میں رہتے تھے۔ یہ دونوں آپ کی خدمت میں غیاث پور حاضر ہوئے۔ قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے بعد ان دونوں نے بیعت ہونے کے لیے عرض کیا۔ آپ نے فوراً ہی قاضی محی الدین کاشانی کو مرید کر لیا اور مولانا فصیح الدین سے فرمایا کہ میں تمہارے متعلق شیخ شیوخ العالم سے پوچھوں گا۔ یہ سن کر مولانا فصیح الدین کو بڑی حیرت ہوئی اور وہ سوچنے لگے کہ شیخ شیوخ العالم تو وفات پا چکے ہیں۔ سلطان المشائخ اُن سے کیسے پوچھیں گے۔ یہ بات اُن کے دل میں گزری لیکن انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا اور قدم بوسی کے بعد لوٹ آئے۔ جب وہ دوسری مرتبہ سلطان المشائخ سے ملے تو سلطان المشائخ نے اُن سے فرمایا کہ میں نے تمہارے متعلق شیخ شیوخ العالم سے عرض کیا تھا۔ آپ نے قبول فرما لیا ہے۔ اب تم بیعت

ہو سکتے ہو۔[1] چنانچہ وہ سلطان المشائخ سے بیعت ہو گئے۔ جب وہ بیعت کر چکے، مولانا فصیح الدین نے عرض کیا کہ مخدوم من! شیخ شیوخ العالم تو وفات پا چکے ہیں آپ نے کس سے پوچھا ہے؟ فرمایا، جب مجھے کسی بات میں تردد ہوتا ہے تو میں شیخ شیوخ العالم ہی سے پوچھتا ہوں اور آپ کے حکم کے مطابق کام کرتا ہوں۔

الغرض یہ کہ مولانا بہت سے فضائل، عبادات، زہد اور لطافت سے آراستہ تھے [۱۰۳]۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان المشائخ کی زندگی ہی میں مجاز ہو گئے تھے۔ اس کے بعد اُنہوں نے وفات پائی۔[2]

منہم

حضرت امیر خسرو:

سلطان الشعرا، برہان الفضلا، امیر خسرو شاعر رحمۃ اللہ علیہ، جو فضیلت کی گوئے سبقت اپنے متقدمین اور متاخرین سے لے گئے تھے۔ پاک باطن تھے اور طریقۂ اہلِ تصوف ان کی صورت و سیرت سے ظاہر تھا۔ اگرچہ اُن کا تعلق بادشاہوں سے تھا لیکن وہ اس سے بچے جن کے متعلق کہا گیا ہے:

ع — کمر بخدمتِ سلطان بہ بند و صوفی باش[3]

۱۔ "گلزارِ ابرار" میں اس قدر اضافہ ہے کہ سلطان المشائخ نے اُن سے فرمایا، آؤ مایوسی کو دور کرو اور بیعت کا ہاتھ آستین سے نکال کر درویش کے ہاتھ کے نیچے رکھو تاکہ ید اللہ فوق ایدیہم کا مضمون صادق آوے۔ ("گلزارِ ابرار"، ص ۸۹)

۲۔ مدفن: دہلی۔ ("گلزارِ ابرار"، ص ۱۹)

۳۔ "سیر الاولیا"، کے فارسی نسخے کے حواشی میں یہ پورا شعر اس طرح درج ہے:

مرادِ اہلِ طریقت لباسِ ظاہر نیست
کمر بخدمتِ سلطان بہ بند و صوفی باش

("سیرالاولیاء"، فارسی، ص ۳۰۱)

ایک مجذوب کی امیر خسرو کے متعلق پیش گوئی :

کاتبِ حروف نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا کہ فرماتے تھے کہ جس روز امیر خسرو پیدا ہوئے تو اُن کے والد امیر لاچین امیر خسرو کو کپڑے میں لپیٹ کر ایک صاحب نعمت مجذوب کے پاس لے کر گئے، جو اس گھر میں رہتے تھے۔ انھوں نے امیر خسرو کو دیکھ کر کہا کہ تم ایسے شخص کو لائے ہو جو خاقانی سے بھی دو قدم آگے جائے گا۔

بیعت :

الغرض جب امیر خسرو بالغ ہوئے تو سلطان المشائخ کی بیعت سے مشرف ہو کر آپ کے لطف و کرم سے سرفراز ہوئے اور توجہ خاص سے ممتاز کیے گئے۔ اس زمانے میں حضرت سلطان المشائخ امیر خسرو کے نانا راوت عرض کے مکان میں رہتے تھے، جو مسجد ان کے قریب تھا۔

شاعری کی ابتدا اور جادۂ شاعری، جو اُن کے لیے سلطان المشائخ نے تجویز فرمایا تھا

اسی زمانے میں امیر خسرو نے شعر کہنا شروع کیا۔ وہ جو نظم کہتے، سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرتے۔ ایک روز سلطان المشائخ نے اُن سے فرمایا کہ صفاہانیوں کے طرز پر شعر کہا کرو، جو عشق انگیز بھی ہوں اور زلف و خال آمیز بھی۔ اُس روز سے امیر خسرو علیہ الرحمہ نے اپنی شاعری میں زلف اور خالِ بتاں کی آمیزش کرلی اور اپنے اشعار کو نئی نئی تشبیہوں اور استعاروں سے دل آویز بنا کر انتہائے کمال پر پہنچا دیا۔

دواوین :

پھر دیوان مبتدی اور منتہی[1] مولانا رفیع الدین نائچہ کے والد بزرگوار قاضی معزالدین نائچہ کے ساتھ جا کر حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں

۱۔ دیوان مبتدی اور منتہی سے شاید صاحب "سیر الاولیاء" کی مراد اُن کے ابتدائی دیوان "غرۃ الکمال" اور اُن کے آخری دیوان "منتہی الکمال" سے ہے۔

ں کیے اور آپ نے اُن کے رموز و اشارات کو تحقیق کیا (اور آپ کی برکت
) اپنے عہد کے شعرا میں بادشاہوں کے دربار میں بلند مرتبہ حاصل کیا
. اپنی بے پایاں عقیدت و محبت کی وجہ سے وہ اس بلند مرتبے پر فائز
نے کہ سلطان المشائخ نے اُن کو اپنا محرم اسرار بنایا ۔

ریں سخنی کی تمنا

ایک روز امیر خسرو نے سلطان المشائخ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا
، سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کیا ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ،
یا چاہتے ہو ؟ چونکہ وہ اپنی شاعری میں شیریں سخنی کی تمنا رکھتے تھے ،
ں لیے اُنھوں نے عرض کیا کہ میں شیریں سخنی کا طالب ہوں ۔ فرمایا
ہ وہ شکر کا طشت اُٹھا کر لاؤ ، جو پلنگ کے نیچے رکھا ہوا ہے ۔ اس
ں سے کچھ تھوڑی تم کھا لو اور باقی لوگوں میں تقسیم کر دو ۔ چنانچہ
یر خسرو نے [۳۰۲] ایسا ہی کیا ۔ اسی لیے امیر خسرو کی شیریں سخنی
شرق سے مغرب تک مشہور ہو گئی اور وہ متقدمین اور متاخرین شعرا
کے لیے باعثِ فخر ہوئے لیکن امیر خسرو اپنی اس درخواست پر ، جو
ول ہوئی ، ساری عمر پشیمان رہے کہ میں نے اس موقع پر اس سے بہتر
یز کے لیے سلطان المشائخ سے کیوں نہ درخواست کی ۔

صانیف :

امیر خسرو کی تصانیف سے کتب خانے پُر ہو گئے ، لیکن جو کتاب
، مکمل کرتے ، پہلے وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرتے ۔
لطان المشائخ اُس کو ہاتھ میں لے کر فرماتے کہ ہم نے فاتحہ پڑھ دی ۔
ھر امیر خسرو کو دے دیتے ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اُس کتاب کو
کھولتے اور اس کتاب کی چند سطریں پڑھتے ۔ یہ آپ کی امیر خسرو کے
ال پر بڑی عنایت تھی تاکہ وہ صرف فنِ شعر کے ہی ہو کر نہ رہ جائیں ،
لکہ اس سے اچھے کام کے درپے ہوں ۔

لاوتِ قرآن مجید :

امیر خسرو کا معمول تھا کہ ہر رات تہجد کے وقت سات سیپارے
لام اللہ کے پڑھتے تھے ۔

ایک روز سلطان المشائخ نے پوچھا " ترک ! تمھاری مشغولی کا کیا حال ہے " حضرت امیر خسرو نے عرض کیا ، میرے مخدوم ! آخر شب میں گریہ بہت غالب ہوتا ہے ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، الحمد للہ اب کچھ آثار ہونے لگے ہے ۔

سلطان المشائخ کے امیر خسرو کے نام خطوط :

سلطان المشائخ نے اپنے دست مبارک سے چند خطوط محبت آمیز امیر خسرو کے نام لکھے تھے ۔ چنانچہ یہ خطوط اس تصنیف کی وضع و محل سے کی حکمت میں نہیں دیے گئے ۔

امیر خسرو پر سلطان المشائخ کا غیر معمولی لطف و کرم

سلطان المشائخ کی بارگاہ میں امیر خسرو کو نہایت تقرب حاصل تھا ۔ جس وقت بھی چاہتے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ۔ تمام امور میں سلطان المشائخ ان سے مشورہ فرماتے ۔ اگر اعلیٰ مریدوں میں سے کوئی سلطان المشائخ کی خدمت میں درخواست پیش کرنا چاہتا ، تو وہ امیر خسرو کو وسیلہ بناتا جیسا کہ شیخ نصیرالدین محمود کے حالات میں تحریر کیا جا چکا ہے ۔

سلطان المشائخ نے جو امیر خسرو پر مہربانیاں کیں ، ان کا تذکرہ امیر خسرو نے اپنی کتاب میں کیا ہے ۔ اس کتاب[1] کے بعض حصے یہ ہیں ۔

امیر خسرو کے متعلق ارشادات :

ایک مرتبہ سلطان المشائخ نے اس بندے (امیر خسرو) کے حق میں فرمایا کہ میں ہر ایک سے تنگ آ جاتا ہوں ، لیکن تم سے کبھی تنگ نہیں آتا ۔

دوسری بار ارشاد فرمایا کہ میں ہر ایک سے تنگ آ جاتا ہوں ، یہاں تک کہ اپنے سے بھی ، لیکن تم سے تنگ نہیں آتا ۔

ایک دن ایک شخص نے جرأت مندانہ طریقے پر سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ آپ کی جو نظر خاص امیر خسرو پر ہے ، اس قسم کی ایک

---

[1] امیر خسرو نے سلطان المشائخ کے ملفوظات "افضل الفواد" کے نام سے مرتب کیے تھے ۔ آپ کے یہ ارشادات اسی کتاب سے منقول ہیں ۔

نظر مجھ پر بھی فرمائیے ۔ آپ نے اس شخص کو کوئی جواب نہیں دیا ، لیکن بندے (امیر خسرو) سے کہا کہ جس وقت اس شخص نے مجھ سے یہ کہا تو میرے دل میں آیا کہ میں اس سے کہوں کہ پہلے امیر خسرو کی سی قابلیت تو لاؤ ۔

ایک دن سلطان المشائخ نے امیر خسرو سے فرمایا کہ میرے لیے دعا کرو ، اس لیے کہ تمھاری بقا میری بقا پر موقوف ہے ۔ لوگوں کو چاہیے کہ تمھیں میرے پہلو میں دفن کریں [۳۰۳] ۔ یہ بات سلطان المشائخ کو کئی بار یاد دلائی گئی ۔ آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا ۔ سلطان المشائخ نے مجھ سے یہ عہد بھی کیا تھا کہ میں جس وقت بہشت میں جاؤں گا ، تمھیں بھی ساتھ لے چلوں گا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

ایک دفعہ سلطان المشائخ نے خواب میں دیکھا کہ مندہ پل کے نیچے شیخ نجیب الدین متوکل کے گھر کے سامنے ایک نہر جاری ہے ، جس کا پانی نہایت چمک دار اور مصفّا ہے اور میں ایک بلند مقام پر بیٹھا ہوں ۔ بڑا عمدہ وقت تھا ۔ میں نے تمھارے لیے وہ دعا مانگی جو تمھیں مطلوب ہے ۔ میرا خیال ہے کہ وہ دعا مقبول ہوئی ہے اور تم میں انشاءاللہ وہ کیفیت پیدا ہوگی ۔

محمد کاسہ لیس اور 'ترک اللہ' کا خطاب :

میں نے (امیر خسرو نے) سلطان المشائخ کی زبانی سنا کہ فرماتے تھے کہ آج رات اس دعاگو کے دل میں ڈالا گیا کہ خسرو درویشوں جیسا نام نہیں ۔ خسرو کو "محمد کاسہ لیس" کے نام سے پکارو ۔ اس فقیر کو غیب سے یہ حکم ملا ہے اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے ۔ اس نام کی وجہ سے یہ بندہ ابدی نعمتوں کا اُمیدوار ہے ۔ جو انشاء اللہ مجھے حاصل ہوں گی ۔ انشاء اللہ المعطی

مجھے سلطان المشائخ نے 'ترک اللہ' کے خطاب سے بھی نوازا ہے اور اس خطاب کو اپنے دستِ مبارک سے کئی فرمانوں میں لکھا ہے ۔ میں نے آپ کے ان فرامین کو تعویذ بنا کر محفوظ رکھا ہے تاکہ یہ تحریریں میرے ساتھ میری قبر میں دفن کی جائیں اور کل قیامت کے دن اس غریب کے حق میں یہ کاغذ خدائے تعالیٰ کے یہاں ذریعۂ شفاعت ہوں ۔ انشاء اللہ تعالیٰ الکریم ۔

یہ شعر بھی سلطان المشائخ کی زبانِ مبارک سے میں نے سنا :

بیت

در پیش تو اے از ہمہ کس بیش کہ منم
در راہِ غمت کمینہ تر درویش کہ منم

ے سلطان المشائخ نے طلب فرمایا۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو
شاد فرمایا کہ جمعہ کی رات میں میں نے خواب میں دیکھا تم بھی سنو
شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ کے صاحبزادے شیخ صدرالدینؒ[1] میرے
س آئے۔ میں اُن کے ساتھ بہت تعظیم سے پیش آیا۔ اُنھوں نے بھی
ے ادب و احترام میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اسی اثنا میں میں نے
کہا کہ خسرو، تم دور سے چلے آ رہے ہو، یہاں تک کہ میرے پاس آئے
معرفت کی باتیں کرنے لگے۔ میں ابھی یہ خواب دیکھ ہی رہا تھا کہ
الح مؤذن نے فجر کی اذان دی۔ میں خواب سے بیدار ہو گیا۔ جب آپ
خواب بیان کر چکے تو فرمایا، غور تو کرو کہ کتنا بلند مرتبہ
گا۔ میں نے نہایت عاجزی و انکسار سے عرض کیا کہ ... یہ
بیچارے جھاڑو دینے والے کی کیا حقیقت ہے کہ میں اس بلند مرتبے پر
ز ہوں۔ یہ سب کچھ آپ ہی کا دیا ہوا ہے۔ میری یہ بات سن کر
لطان المشائخ پر گریہ طاری ہوا اور آپ بلند آواز سے رونے لگے۔ پھر
ے ارشاد فرمایا کہ کلاہ خاص لائی جائے۔ وہ کلاہ آپ نے مبارک
ہوں سے مجھے پہنائی اور فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ مشائخ کے ملفوظات
طالعہ کیا کرو۔

شیخ صدرالدین : لقب عارف بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی۔ سالِ ولادت کا صحیح تعین نہیں۔ سالِ وفات تاریخ فرشتہ میں ۷۷۶ھ (۷۵ - ۱۳۷۴ء) "سفینۃ الاولیاء" اور "مرآۃ الاسرار" میں ۲۳ ذی الحجہ ۶۸۳ھ (۱۳۸۲ - ۸۳ء) منقول ہے۔ "سفینۃ الاولیاء" میں ہے کہ وہ ملتان میں اپنے والد بزرگوار کی جگہ اٹھارہ سال تک رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اگر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کا سنہ وفات ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ - ۵۹ء) تسلیم کر لیا جائے تو حضرت شیخ صدرالدین عارف کا سنہ وصال ۶۷۴ھ (۱۲۷۵ - ۷۶ء) ہو سکتا ہے۔ بعض روایتوں میں حضرت شیخ صدرالدین عارف کی ولادت شبِ جمعہ ۶۱۱ھ (۱۲۱۳ - ۱۴ء) بتائی گئی ہے۔ (بزمِ صوفیہ، ص ۱۱۸ - ۱۱۹)

امیر خسرو کے متعلق سلطان المشائخ کی ایک رباعی :

اُس غیر معمولی شفقت کی بنا پر ، جو سلطان المشائخ امیر خسرو سے رکھتے تھے ، یہ دو شعر آپ نے امیر خسرو کے حق میں فرمائے۔ یہ اشعار سلطان المشائخ کے فرمودات میں ہیں :

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خاست
ملکیّتِ ملکِ سخن آں خسرو راست
آں خسرو ماست ناصرِ خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصرِ خسرو ماست

سبحان اللہ اس سے بڑھ کر اور کون سا مرتبہ ہوگا کہ سلطان المشائخ کی زبان گوہر بار سے امیر خسرو کی مدح میں یہ اشعار نکلے ۔ کتنی عظمت اور شفقت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کی امیر خسرو پر تھی ۔

امیر خسرو کی ایک دعوت :

اب میں پھر امیر خسروؒ کے حالات کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔

ایک دن غیاث پور میں کاتبِ حروف کے والد علیہ الرحمہ کے گھر میں دعوت تھی ۔ سلطان المشائخ اور دوسرے بزرگانِ شہر اس دعوت میں موجود تھے ۔ بہلول قوال نے امیر حسن کی یہ غزل گانی شروع کی :

نظم

زہے تُرکے کہ از خمہائے ابرو
کماں پیدا کند پنہاں ز تدبیر
نگوش مدعی کے جائے گیرد
مزا میرے کہ ہست اندر مزامیر

جب سماع ختم ہوا تو امیر خسرو نے اپنی غزل پڑھنی شروع کی ۔ ابھی مطلع پڑھا ہی تھا کہ رُک گئے اور شیخ سعدی کی یہ غزل شروع کر دی :

معلّمت ہمہ شوخی و دلبری آموخت
جفا و ناز و عتاب و ستمگری آموخت

انہوں نے یہ پوری غزل نہایت رقت آمیز لہجے میں پڑھی ۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا ، کیا بات ہے کہ جب آپ اپنی غزل پڑھتے ہیں تو رُک

جاتے ہیں ۔ اُنھوں نے کہا کہ مجھ پر اس قدر معنوں کا ہجوم ہوتا ہے کہ میں حیران رہ جاتا ہوں ۔

سلطان المشائخ کی وفات :

آخرالامر امیر خسرو سلطان غیاث الدین تغلق کے ساتھ لکھنوتی[1] گئے ۔ جب وہ لکھنوتی میں تھے تو سلطان المشائخ نے وفات پائی ۔[2]

حضرت امیر خسرو کا رنج و غم :

جب امیر خسرو لکھنوتی کے سفر سے واپس آئے تو شدتِ غم سے اُن کا یہ عالم تھا کہ اپنے چہرے کو سیاہ کر لیا ، کپڑے پھاڑ لیے اور خاک پر لوٹنے لگے اور سلطان المشائخ کے مقبرے پر حاضر ہو کر یہ مصرع پڑھا :

جامہ درّاں ، چشم گریاں ، خونِ دل رواں ۳۰۵

امیر خسرو کی اپنے متعلق پیش گوئی :

پھر کہا کہ اے مسلمانو ! میں کون ہوتا ہوں اور میری کیا ہستی ہے کہ میں ایسے بادشاہ کے لیے روؤں لیکن میں اپنے لیے روتا ہوں کہ سلطان المشائخ کے بعد میں زندہ نہ رہوں گا ۔

چنانچہ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد امیر خسرو چھ ماہ حیات رہے اور رحمتِ حق سے جا ملے ۔[3] سلطان المشائخ کے روضۂ مبارک کی پائنتی مدفون ہوئے ۔

۱۔ **لکھنوتی** : بنگال کا مشہور شہر تھا ، جو ایک طویل عرصے تک بنگال کا دارالسلطنت رہا ۔ اس کی بنیاد سنگلدیپ نامی ایک شخص نے رکھی تھی ۔ اسے گوڑ بھی کہتے تھے ۔ ہمایوں نے گوڑ کی گرمی کو ناگوار دیکھ کر اس کا نام ”جنت آباد“ رکھا تھا ۔ اب یہ شہر ویران اور درندوں کا مسکن ہے ۔ (ماخوذ از ریاض السلاطین ، ص ۲۸ تا ۳۰)

۲۔ **تاریخِ وفات سلطان المشائخ** : ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) ۔

۳۔ **تاریخِ وفات امیر خسرو** : شبِ جمعہ : ۱۳ شوال ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) ۔

منہم

مولانا جمال الدین :

جمالِ زہاد ، پیشوائے عباد ، سالک راہ طریقت ، زہد و تقویٰ ، طالبِ وصالِ مولیٰ یعنی مولانا جمال الملت والدین ، مشغول بہ علوم ربانی و مشاہداتِ جمالِ رحمانی جو سلطان المشائخ کے اعلیٰ مریدوں میں مشہور تھے اور باطن میں اُن کی مشغولیت اس حد تک تھی کہ جب وہ سلطان المشائخ کی مجلس میں بیٹھتے تو اس قدر منہمک ہوتے کہ اُنھیں اپنی خبر نہ رہتی۔ سلطان المشائخ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا جمال الدین پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اُنھیں حق کے سوا کوئی بات یاد نہیں آتی۔ سلطان المشائخ کی رائے اپنے اعلیٰ مریدوں میں اُن کے متعلق یہ تھی اور یہ اسی خطاب سے مخاطب کیے جاتے تھے۔

وفات :

مولانا جمال الدین نے سلطان المشائخ کی زندگی ہی میں وفات پائی۔

منہم

مولانا جلال الدین اودھی :

بیشۂ تصوف کے شیر ، تکلف و تصنع سے عاری یعنی مولانا جلال الملت والدین اودھی ترک و تجرید سے موصوف تھے۔ وہ ابتدا سے لے کر انتہا تک دنیا کے جھگڑوں سے دور رہ کر گوشہ گیر رہے اور خدا کی عبادت اور سلطان المشائخ کی محبت میں مشغول رہے۔ یہ بزرگ سلطان المشائخ کے اودھ کے اکثر مریدوں میں پہلے مرید ہونے والوں میں تھے اور سب لوگ اُن کا احترام کرتے تھے۔

ایک دن سلطان المشائخ کے اودھ کے اعلیٰ مریدوں نے متفق ہو کر سلطان المشائخ سے تعلیم حاصل کرنے اور بحث کرنے کی اجازت چاہی۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک متبحر عالم تھا ، لیکن اُنھیں سلطان المشائخ نے یادِ الٰہی میں مشغول رہنے کا حکم دیا۔ چونکہ عمر کا بڑا حصہ اس کام میں گزارا تھا ، اس لیے یہ جذبہ اور شوق اُن میں غالب تھا۔ آخر اُنھوں نے مولانا جلال الدین کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اس بارے میں

سلطان المشائخ سے عرض کریں۔ جب یہ سب بزرگ مل کر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُس وقت صفتِ کبریائی حق جل و علیٰ کی تجلی سلطان المشائخ پر جلوہ فگن تھی۔ اُس کی وجہ سے بہت سے مریدوں میں بولنے کی مجال نہ ہوئی البتہ مولانا جلال الدین نے عرض کیا کہ مخدوم! اگر حضور کی اجازت ہو تو یہ مرید جو اس وقت حاضر ہیں، کسی کسی وقت سماع کر لیا کریں۔ سلطان المشائخ سمجھ گئے کہ یہ سوال اُن تمام مریدوں کی طرف سے ہے جو اس وقت حاضر ہیں۔ فرمایا، میں کیا کہوں۔ میرا ان مریدوں سے مقصد ہی دوسرا ہے۔ وہ بادام کی طرح ہیں جو پوست در پوست ہوتا ہے۔

کاتبِ حروف نے سلطان المشائخ کے اس ارشاد سے یہ سمجھا کہ یہ سماع ان مریدوں میں مضر نہ تھا۔ انہوں نے اس قدر علم حاصل کیا تھا جس کی انہیں اس کام کے لئے جو انہوں نے شروع کیا تھا، ضرورت تھی۔ مقصود اُس علم سے عمل اور محبتِ باری تعالیٰ ہے جو بمنزلہ مغز کے ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے بمنزلہ پوست کے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود فرماتے تھے کہ ایک دن مولانا شمس الدین یحییٰ اور میں سلطان المشائخ کی خدمت میں یک جا بیٹھے ہوئے تھے۔ سلطان المشائخ نے مولانا شمس الدین یحییٰ سے فرمایا کہ اب کتابیں بند رکھو اور دروازہ بھی بند رکھو۔

نیز روایت کرتے ہیں کہ مولانا وجیہ الدین پائلی سے بھی سلطان المشائخ نے فرمایا تھا کہ مولانا! تمہارے اور خدا کے درمیان صرف یہی زبان رہ گئی ہے۔

وفات :

الغرض مولانا جلال الدین نے چند روز بیمار رہ کر اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ رحمۃ اللہ علیہ

منہم

خواجہ کریم الدین سمرقندی پیالہ :

صورۃً صفا، سیرۃً وفا خواجہ کریم الملۃ والدین سمرقندی مدعو بہ پیالہ، مکارم اخلاق میں زمانے بھر میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔ ان کا ظاہر و

باطن اہلِ تصوّف کے اوصاف سے آراستہ تھا ۔ بہت سے فضائل اور بے شمار علوم سے میاسیِ طبع ، انتہائے لطافت اور کمالِ عقل و فراست کی وجہ سے مزیّن تھے ۔ یہ اس کا نتیجہ تھا کہ وہ سلطان المشائخ کی مریدی میں مسلک تھے اور سلطان المشائخ سے بدرجۂ کمال عقیدت رکھتے تھے ۔ سلطان المشائخ کی نظرِ خاص سے ممتاز تھے ۔

خواجہ کمال الدین پدر خواجہ کریم الدین :

سلطان المشائخ کی اُن پر لطف خاص کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد بزرگوار خواجہ کمال الملۃ والدین سمرقندی خراسان کے وزیر تھے ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے ۔

بیت

تقدیر بے اشارت رائے رفیع او
در حیّزِ وجود نیا ورد ہیچ شے

مختلف واقعات کے پیش آنے کی وجہ سے ہندوستان آئے اور ہندوستان کے بادشاہ کی نظر میں نہایت معزز و مفتخر قرار پائے ۔ ملتان سے لے کر ہانسی تک دیپال پور اور اجودھن وغیرہ کا علاقہ اُن کے حوالے کیا گیا اور شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کے مرید ہوئے اور خواجہ کریم الدین نے سلطان المشائخ کے حکم سے خواجہ محمد کی صاحبزادی سے ، جن کے والد اسحاق تھے اور [۳۰۷] شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے نواسے تھے ، سلطان المشائخ کے اشارے سے شادی کی اور اس خاندان کی قرابت سے مشرف ہوئے ۔ غیاث پور میں سلطان المشائخ کے اعلیٰ مریدوں میں عمر گزاری ۔ ان کی شیریں سخنی ، لطافتِ طبع اور بلند ہمتی کی وجہ سے لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے تھے ۔ چنانچہ خواجہ ضیاء الدین برنیؒ نے بہت سی نادر کتابیں مختلف علوم میں کتابت کر کے ان بزرگ کی خدمت میں پیش کیں اور اس صاحبِ لطف و کرم کے رہینِ منت ہوئے ۔
امیر خسرو اور امیر حسن اس بزرگ سے نہایت خلوص رکھتے تھے ۔

خواجہ کریم الدین پر سلطان محمد تغلق کی نوازش :

سلطان المشائخ کی وفات کے بعد سلطان محمد تغلق انار اللہ برہانہ نے خواجہ کریم الدین کو طلب کیا اور اپنی نوازشوں سے سرفراز کیا ۔

شیخ الاسلام اور انور رائے ملک ستگانوہ[1] کا خطاب :

شیخ الاسلام اور انور رائے ملک ستگانوہ کا خطاب دے کر انھیں اس ملک کی طرف روانہ کیا ، جہاں انھوں نے جا کر وہاں کے مسلمانوں کے امور و مہمات اپنی عقل و تدبر سے حل کر کے جادۂ انصاف پر ڈالا ۔

مصنفِ ''سیرالاولیاء'' کی ملاقات :

کاتبِ حروف نے اس بزرگ کو مولانا فخرالدین زرّادی خلیفہ سلطان المشائخ کی ایک مجلس میں دیکھا تھا ۔ نہایت خوب صورت تھے ۔ صلحاء کے لباس سے آراستہ تھے ۔ خلعتِ خاص سے نوازے گئے تھے اور سلطان المشائخ کے خاص ہم نشیں تھے ۔

وفات :

امرالامرا مولانا کریم الدین نے ستگانوہ ہی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے اور اج بھی اُن کے روضے کی خاک اس ملک کے لوگوں سے لیے توتیا ہے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

اولاد :

شیخ زادہ احمد :

خواجہ کریم الدین کے ایک صاحبزادے شیخ زادۂ معظم احمد بن کریم شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے نواسوں میں ہیں ، جن کی ذات عدیم المثال اور جو اہلِ محبت کے محبوب ہیں ۔ اپنی طبیعت کے اعتبار سے نہایت فیاض اور غوامض و حقائق معرفت کے کاشف ہیں ۔ اُن کا قلم مغز سخن کو اس طرح لکھتا ہے کہ اُس سے معانی سے پردہ اُٹھتا ہے ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

ہمہ آتش است ندانم ضمیرِ او یا رب
کہ نقدِ سکۂ معنٰی ازو عیـــار گرفت

۱۔ ''نزہۃ الخواطر'' ، جلد ۲ ، ص ۱۱۶ پر اس مقام کا نام ستگاؤں مندرج ہے ، جو بنگال میں ہے ۔

خواجہ حکیم ثنائی نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

در نکتہ بو حنیفہ کوفی

در ورع ہمچو ثنائی صوفی

اس کاتبِ حروف کو اپنے اسلاف کی محبت کی بنا پر اس وجہ سے کہ وہ پاکیزہ طبیعت رکھتے تھے ، اُن سے بدرجۂ کمال محبت ہے ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

بجانت کز میان جاں چو جانت دوست می دارد

بحق دوستی جاناں کہ بسا در دار سوگندم

شیخ زادہ نظام الدین :

اُن کے عزیز بھائی کہ دوستوں کے دل اُن کے فرحت افزا دیدار کے طالب [۳۰۸] ہیں یعنی شیخ زادہ مکرم نظام الملۃ والدین جن کی پسندیدہ ذات صورتِ معنی ہے ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

ایں صرافت کہ تو داری ہمہ دل ہا بفریبد

ایں لطافت کہ تو داری ہمہ غم ہا بزداید

منہم

امیر حسن علا سنجری :

فاضلوں کے بادشاہوں کے بادشاہ ، لطافتِ طبع میں دل رہا یعنی امیر حسن علا سنجری کہ ان کی جگر سوز غزلیں عشاق کے دلوں کے چقماق سے محبت کی آگ کی چنگاریاں نکالتی ہیں اور اُن کے دل پذیر اشعار سخن وروں کے دلوں کو راحت پہنچاتے ہیں ۔ ان کے لطائف روح افزا اہلِ ذوق کے لیے سرمایۂ تسکین ہیں ۔ یہ بزرگ اپنے سخن میں شیخ سعدی کی سی چاشنی رکھتے ہیں ۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک شعر میں کہتے ہیں :

بیت

حسن ! گلے ز گلستانِ سعدی آوردہ است

کہ اہلِ معانی گل چیں ایں گلستانند

یہ بزرگ ہمیشہ شعراء کے جمگھٹے میں رہتے ۔ کوئی بھی فی البدیہہ اُن سے بہتر شعر نہیں کہہ سکتا تھا ۔ بادشاہ اور شہزادے اُن کے لطائف بڑے شوق سے سنتے تھے ۔

بیعت :

امیر حسن علا سجزی کی سب سے بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ وہ حضرت سلطان المشائخ کے مریدوں میں منسلک ہو کر سلطان المشائخ کے التفاتِ خاص سے نوازے گئے ۔
ایک دن یہ بزرگ حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھے ۔ سلطان المشائخ نے ان کی طرف رخ کرکے فرمایا کہ میں اس وقت فاضلوں کا ذکر کر رہا تھا کہ تم آ پہنچے ۔

''فوائد الفواد'' کی تالیف :

اُن کی ایک بڑی سعادت یہ بھی ہے کہ انھوں نے سلطان المشائخ کے روح افزا ملفوظات (فوائد الفواد کے نام سے) قلم بند کیے اور آپ کے ملفوظات کو حتی الامکان بعینہٖ محفوظ کیا ۔ آج ''فوائد الفواد'' عالم کے اہلِ دل میں مقبول ہے اور عشاق اسے اپنا دستورالعمل بنائے ہوئے ہیں ۔ یہ ملفوظات مشرق سے لے کر مغرب تک مشہور و مقبول ہوئے ۔

تحسین سخن شناس (امیر خسرو) :

سلطان الشعرا امیر خسرو اُن کی تالیف ''فوائد الفواد'' کی تعریف کرتے ہوئے بار بار فرمایا کرتے تھے کہ کاش میری تمام کتابیں جن پر میں نے اپنی عمر صرف کی ہے ، برادرم امیر حسن کی ہوتیں اور سلطان المشائخ کے وہ ملفوظات جو انھوں نے جمع کیے ہیں میرے ہوتے تاکہ میں ان پر دنیا اور آخرت میں فخر کر سکتا ۔ امیر حسن نے تمام عمر مجرد گزاری ۔

وفات :

آخر عمر میں دیوگیر گئے اور وہیں مدفون ہوئے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

منهم

اضی شرف الدین (میروز گہیے) :

صورت و سیرت میں سلف کا نمونہ ، فخر خلف قاضی شرف الدین ولانا حسام الدین ملتانی کے یار نہ اُن کے میروز گہیے بھی [۳۰۹] کہتے یں ۔ یہ بزرگ کثرت علم ، زہد و تقویٰ اور ترک تکلف سے آراستہ تھے ۔ افظ کلام ربانی اور عاشق درگاہ سبحانی تھے ۔ اگر کوئی ان کو دیکھتا و یہ گمان کرتا کہ یہ مقرب فرشتے ہیں کہ اس ہیئت سے راہ میں چلے جا ہے ہیں ۔ بہت سے علوم کے ماہر تھے اور مسائل میں ایک نشانی تھے ۔ اتب حروف نے ''دیوان احسن حسن'' اُن سے پڑھا تھا ۔ جن چیزوں کی کھر میں ضرورت ہوتی مثلاً غلہ اور لکڑیاں وغیرہ اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر کھر میں لاتے ۔

اضی کمال الدین صدر جہاں کی قاضی شرف الدین کی توصیف :

ایک دفعہ قاضی شرف الدین لکڑیاں اور کھچڑی اپنے ہاتھ میں اُٹھائے وئے چلے آ رہے تھے ۔ قاضی کمال الدین صدر جہاں مرحوم نے اُنھیں دیکھا ، و صدر جہانی کے کروفر کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار چلے جا رہے تھے ۔ ہ فوراً اپنے گھوڑے سے اُتر کر قاضی شرف الدین کے قدم بوس ہوئے اور اضرین سے مخاطب ہوکر کہا کہ یہ مرد خدا کسی طرف توجہ نہیں کرتا اور سلف کے طریقے پر چلا جا رہا ہے ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

خوشم بدولت خواری و ملک تنہائی
کہ التفات کسے را بروزگارم نیست

باس :

ان بزرگ کا لباس ایک چادر تھی ۔ ان کو سلطان المشائخ کی نظر یں ایک خاص مقام حاصل تھا ۔ سلطان المشائخؒ کی جس مجلس میں مولانا سام الدین اور آپ کے دوسرے اعلیٰ مرید موجود ہوتے ، تو زیادہ تر

بھی بزرگ بات کرتے ، جیسا کہ سلطان المشائخ کے تذکرے میں تحریر کیا جا چکا ہے ۔

وفات

قاضی شرف الدین نے دیوگیر میں وفات پائی اور وہیں کی زمین میں پیوندِ خاک ہوئے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

منہم

شیخ بہاء الدین ادہمی :

عابدِ اہلِ طریقت ، افضلِ اہلِ حقیقت یعنی مولانا بہاؤ الملۃ والدین ادہمی جنھیں دارالامانی بھی کہتے تھے بڑے عالم اور تقویٰ میں کامل تھے ۔ اس عالمِ غدار میں اس طرح زندگی بسر کی کہ اگرچہ علماء کے لباس میں رہتے تھے ، لیکن اہلِ تصوف کے اوصاف سے موصوف تھے ۔

بیعت :

جب اپنے وطن ملتان سے دہلی آئے تو سلطان المشائخ کے زمرۂ مریدین میں منسلک ہو گئے اور سلطان المشائخ کی وجہ سے دہلی ہی میں مقیم ہو گئے ۔ جب بھی کبھی وہ (غیاث پور) سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو رات کو کاتبِ حروف کے والد کے گھر میں قیام کرتے ۔ انتہائی زہد و تقویٰ کی بنا پر ہر روز غسل کرتے اور ترک و تجرید میں نہایت کوشش کرتے ۔

وفات :

آخرالامر چند روز بیمار رہ کر انھوں نے وفات پائی ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

منہم

شیخ مبارک گوپاموی :

صوفیِ باصفا [۳۱۰] ، زاہدِ با وفا کہ وہ سلطان المشائخ کے اعلیٰ مریدوں میں بذل و ایثار امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مشہور تھے یعنی شیخ مبارک گوپاموی کہ اُن کو امیر داد بھی کہتے تھے ، سینۂ صاف

اور بہت دلکشا رکھتے تھے ۔ آپ اپنے پیر کے جمالِ ولایت کے عاشق تھے اور حضرت سلطان المشائخ کے قدیمی مریدوں میں تھے ۔

سلطان المشائخ کے ایک سو خطوط :

سلطان المشائخ نے ایک سو رقعے اُن کے نام ، ان میں سے اکثر اپنے دستِ مبارک سے لکھے جو آپ کے مختلف الطاف و کرم پر مشتمل تھے ۔

مریدانِ اودھ کو ہدایت :

مریدانِ اودھ کو جیسے کہ مولانا شمس الدین یحیٰی ، شیخ نصیرالدین محمود ، مولانا علاء الدین نیلی اور دوسرے عزیزوں کو جب وہ سلطان المشائخ کے پاس سے اپنے وطن واپس ہوتے ، تو اُن سے ارشاد فرماتے ، تم کو پاس تو پہنچو تو خواجہ مبارک سے ضرور ملنا ۔

ایک دن کاتبِ حروف شیخ نصیرالدین محمود کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ خواجہ مبارک علیہ الرحمہ آئے اور چند ٹنکے پیش کیے اور کہا ، میں آپ کی ملاقات کے لیے آ رہا تھا کہ راستے میں ایک عزیز نے مجھے یہ چند ٹنکے پیش کیے ۔ درویشوں کی رسم یہ ہے کہ جس بزرگ کی ملاقات یا زیارت کو جاتے ہیں ، راستے میں جو کچھ ملتا ہے ، وہ اُسی بزرگ کا حصہ جانتے ہیں کہ جس کے پاس وہ جا رہے ہیں ۔ شیخ نصیرالدین محمود نے تبسم فرمایا ۔ جب شیخ مبارک رخصت ہونے لگے تو شیخ نصیرالدین محمود نے اس سے دُگنے ٹنکے اُن کی خدمت میں پیش کیے ۔

شیخ مبارک کو کاتبِ حروف کے والد علیہ الرحمہ سے بہت محبت تھی اور بارہا کہتے کہ میں تمھارے والد کا مسلمان کیا ہوا ہوں ۔ کاتبِ حروف نے اُن سے اس بات کا مطلب پوچھا تو فرمایا ، میں امیرداد تھا یعنی سلطان علاء الدین کا مقرر کردہ کوتوال ۔ پیری اور مریدی کو میں نہیں جانتا تھا کہ کیا ہوتی ہے ؟ میں اس جماعت کا منکر تھا ۔ جب میری تمھارے والد سے ملاقات ہوئی تو اُنھوں نے مجھے اس پر آمادہ کیا کہ میں ایک مرتبہ سلطان المشائخ سے ملاقات کروں ۔ چنانچہ وہ مجھے سلطان المشائخ کی خدمت میں لے گئے ۔ جب میں پہلی مرتبہ آپ کی مجلس میں سلطان المشائخ کی گفتگو اور طرزِ کلام سے مشرف ہوا ، تو میں آپ کا بندۂ بے دام بن گیا :

ع ــ اے انوریت بندہ و چوں انوری ہزار

میں نے ہر چیز کا خیال دل سے نکال دیا۔ میں نے تمہارے والد ہی کی شفقت کی وجہ سے یہ دولت حاصل کی اور سلطان المشائخ کے زمرۂ مریدوں میں داخل ہوا، اس لیے میں تمہارے والد ہی کا مسلمان کیا ہوا ہوں۔ شیخ مبارک اس بات کا لحاظ میرے والد کے ساتھ آخر دم تک کرتے رہے اور کاتب حروف کے ساتھ بھی جو کچھ حسن سلوک اُن کے اختیار میں تھا کیا۔ حق تعالیٰ اسے قبول کرے۔ یہ ترک بڑا عزم و حوصلہ رکھتے تھے۔ انہوں نے [۳۱۱] دنیاوی علائق کو یک دم ترک کر دیا تھا۔ جب کسی کے گھر کھانا بھیجتے، نہایت پُر تکلف اور عمدہ برتنوں میں بھیجتے اور جس کے یہاں کھانا بھیجتے اس سے کہلوا بھیجتے کہ یہ خوان اور برتن واپس نہ کیے جائیں۔

نماز نہایت اطمینان سے ادا کرتے اور نماز میں تعدیل ارکان نہایت عمدہ طریقے پر بجا لاتے۔ کاتب حروف نے اس خشوع و خضوع اور اس صورت سے نماز پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔

وفات :

شیخ مبارک نے چند روز بیمار رہ کر وفات پائی اور سلطان المشائخ کے روضۂ مبارک کے پائنتی زمینِ ولی میں مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۔ شیخ مبارک بن قاضی شریف الدین بن برہان الدین العمری البلخی ثم گوپاموی فضل و صلاح میں مشہور تھے۔ یہ ہندوستان آئے اور یہاں کے بادشاہوں کے پاس تقرب حاصل کیا اور انہیں دہلی کا امیرداد بنا دیا گیا۔ یہ عہدہ اس زمانے میں وزارت سے کچھ کم ہوتا تھا۔ یہ ایک عرصے تک امیرداد رہے۔ پھر سلطان المشائخ کے مرید ہو کر دنیا اور اسبابِ دنیا کو چھوڑ دیا۔ اُن کی اولاد کے پاس کچھ ایسے کاغذات ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعد میں گوپامئو کے قاضی ہو گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابراہیم ادہم کے واسطے سے حضرت عمر فاروق رض سے جا ملتا ہے۔ اسی لیے اُن کے نام کے ساتھ الملحی اور ادہمی لکھا جاتا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت ابراہیم بن ادہم صالح حضرت عمر فاروق رض کی اولاد سے نہ تھے بلکہ وہ قبیلۂ بکر بن وائل سے تھے۔ "تہذیب التہذیب" میں ہے کہ وہ عجلی تھے یا کہا جاتا ہے کہ تمیمی تھے، جنہوں نے ۱۹۲ھ میں وفات پائی۔ (ماخوذ "نزہۃ الخواطر"، ج ۲، ص ۱۱۹ - ۱۲۰)

منہم

خواجہ مؤید الدین کڑوی :

تارک دنیا ، طالبِ عقبیٰ خواجہ موید الدین کڑوی ، جن کا ظاہر صفائی سے آراستہ اور باطن وفا سے پیراستہ تھا ، زہد و تقویٰ اور اعتقاد خوب سے موصوف تھے - ان بزرگ نے ابتداء" مہمات دہلوی میں حصہ لیا اور نہایت اہم کارنامے انجام دیے اور ملک اور ملک زادہ کے خطاب سے معزز ہوئے - سلطان علاء الدین نے اُن کو اپنے عہد میں "میر اقطاع" مقرر کیا تھا اور انھوں نے اس سے پہلے نہایت شاندار کارنامے انجام دیے تھے -

بیعت :

آخرالامر چونکہ سعادتِ ابدی مقدر تھی ، سلطان المشائخ کے مریدوں میں شامل ہوئے اور دنیا کے اختیارات سے ہاتھ اُٹھا لیا -

سلطان علاء الدین کا سلطان المشائخ کو پیغام :

جب سلطان علاء الدین تختِ شاہی پر بیٹھا تو اس نے خواجہ مؤید الدین کو یاد کیا - جب اُس نے سنا کہ وہ تارک دنیا ہوگئے ہیں اور سلطان المشائخ کے مریدوں میں داخل ہو چکے ہیں ، تو اُس نے سلطان المشائخ سے کہلوایا کہ مخدوم ! مجھ پر کرم کیجیے اور خواجہ مؤید الدین کو اجازت دیجیے تاکہ وہ ہمارے کام میں ہاتھ بٹائے - سلطان المشائخ نے اس کو جواب میں کہلا بھیجا کہ اس کو دوسرا ہی کام درپیش ہے اور وہ اس کام میں مشغول ہے - وہ حاجب جو بادشاہ کا پیغام لے کر آیا تھا ، سلطان المشائخ کا یہ جواب اُسے ناگوار گزرا - اس نے کہا کہ اے مخدوم ! آپ سب کو اپنے ہی جیسا بنا لینا چاہتے ہیں - سلطان المشائخ نے فرمایا ، اپنے جیسا نہیں بلکہ اپنے سے بہتر بنانا چاہتا ہوں - جب بادشاہ نے سلطان المشائخ کا یہ جواب سنا تو خواجہ مؤید الدین سے ہاتھ اُٹھا لیا -

وفات :

کاتبِ حروف نے اس بزرگ کو دیکھا تھا - بوڑھے تھے ، قد مائل بہ درازی ، رنگ سپید ، خوب صورت اور پاکیزہ سیرت تھے - اُن کی قبر

سلطان المشائخ کے روضۂ مبارک کے پائنتی مریدوں اور خدمت گاروں کے درمیان ہے ۔[۱] رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً ۔

۳۴۴

خواجہ تاج الدین :

صوفیہ کے حال ، متقیوں کے شرف خواجہ تاج الملۃ والدین داوری جو بیکِ زہد و تقویٰ [۳۱۲] تھے ، ابتداءً یہ بزرگ اہلِ دنیا سے تعلق رکھتے تھے لیکن چونکہ سعادتِ ابدی ان کا مقدر تھی ، اس لیے اُس ذلت کو ترک کر کے سلطان المشائخ کی دولتِ مریدی سے مشرف ہوئے اور سلطان المشائخ کی محبت اُن کے دل میں جاگزیں ہو گئی ۔ یکبارگی دنیا کو ترک کر کے فقر و مجاہدے اور فاقے کو اپنا شعار بنا لیا ۔ امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے :

ملکِ ادب عشق ملک شد از کرم نظامی
پشمینہ و پلاس غم است قبائے شاہی

شیخ سعدی فرماتے ہیں :

بالائے سرو در قد او چو ذرہ و گل
در او شمائل قدِ نگار من ندارد

ایک دوسرے بزرگ کہتے ہیں :

اے سرو! بو شادم سخن بغلان مانند
اے گل از بس خوشبو تو بوئے کسے داری

سلطان المشائخ کی محبت :

سلطان المشائخ کی محبت میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب کوئی اُن

۱۔ سنہ وفات خواجہ مؤیدالدین : ۷۲۶ھ (۱۳۲۵-۲۶ء) ۔ (''خزینۃ الاصفیا'' ، جلد ۱ ، ص ۳۴۲) ۔ ''نزہۃ الخواطر'' میں ہے کہ وہ سلطان علاءالدین محمد شاہ خلجی کے زمانے میں اس کے مصاحب اور شہر کڑہ کے حاکم تھے ۔ پھر ملازمت چھوڑ کر حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے مرید ہوئے ۔ (''نزہۃ الخواطر'' ، جلد ۲ ، ص ۱۷۱ - ۱۷۲)

کے سامنے سلطان المشائخ کا نام مبارک لیتا ، دونوں آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں جاری ہو جاتیں ۔

سماع میں غلو :

یہ بزرگ سماع سے غیرمعمولی شغف رکھتے تھے ۔ سریع البکا تھے اور عاشقوں کی طرح جی کھول کر رقص کرتے ۔ چونکہ اُن کے ذوق سے لوگوں کو سکون حاصل ہوتا تھا ، تو حاضرینِ مجلس بیش بہا خلعتیں قوالوں کو دیتے ۔ عالی ہمتی اور ترک و تجرید سے متصف تھے ۔

وفات :

آخر دیوگیر کے راستے میں لوٹتے وقت کھول نامی موضع میں چند روز بیمار رہ کر وفات پائی ۔ وفات کے وقت تبسم اُن کے لبوں پر تھا ۔ اسی کیفیت کو خواجہ حکیم سنائی نے نظم کیا ہے :

مثنوی

عاشقے را یکے فسردہ بدید
کو ہمی مرد و خوش ہمی خندید
گفت او را بوقتِ جان دادن
چیست ایں خندۂ خوش استادن
گفت خوباں چو پردہ بردارند
عاشقاں پیشِ شاں چنیں میرند

وفات کے بعد اُنھیں دہلی لایا گیا اور حضرت سلطان المشائخ کے قبرستان میں چبوترۂ یاراں پر دفن کیے گئے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

منھم

خواجہ ضیاء الدین برنی :

لطافتِ طبع میں بے نظیر اور اہلِ دل کی نگاہوں میں عالم دل پذیر یعنی خواجہ ضیاء الملۃ والدین برنی ، جو مقبول خاص و عام تھے ، بے حد لطیف الطبع اور بے اندازہ ظریف تھے ۔ جس مجلس میں یہ بزرگ ہوتے ، اُن کے روح افزاء لطائف کی طرف لوگوں کے کان لگے رہتے ۔ مجمع اللطائف اور

جامع الحکایات تھے ۔ علماء و مشائخ اور شعرا کی بہت زیادہ صحبتیں اٹھائی تھیں ۔ عالی ہمت تھے ۔

بیعت :

یہ ثمرہ اس بات کا تھا کہ وہ ابتدا ہی سے اپنے والد بزرگوار کی شفقت کے واسطے سے [۲۱۳] ، جو ایک بزرگ خاندان کے چشم و چراغ تھے ، سلطان المشائخ کی مریدی سے مشرف ہوئے اور سر اخلاص کو سلطان المشائخ کے آستانے پر رکھا اور غیاث پور میں سکونت اختیار کی اور سلطان المشائخ کی نظر میں غیر معمولی عزت و وقعت حاصل کی ، جیسا کہ برنی نے اپنی ''حسرت نامے'' میں اشارہ کیا ہے ۔

آخرالامر اپنی لطافت طبع کی وجہ سے وہ اس مقام پر فائز ہوئے کہ اپنے زمانے میں فن مصاحبت میں اس نیلے آسمان کے نیچے اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے ۔

سلطان محمد تغلق کی ندیمی :

سلطان محمد تغلق انار اللہ برہانہ نے اُن کو اپنا ندیم و مصاحب مقرر کیا تھا ۔ اُنھوں نے اس سے وما دنیا سے کامل حصہ حاصل کیا ۔ جب اُن کی عمر کے ستر سال گزر گئے تو سلطان فیروز شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ کے عہد حکومت میں وہ ملازمت ترک کر کے گوشہ نشین ہو گئے اور کتابوں کی تصنیف میں مشغول ہو گئے ۔ مثلاً ''ثنائے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم'' ، ''صلٰوۃ کبیر'' ، ''عنایت نامہ الٰہی'' ، ''مآثر سادات'' ، ''تاریخ فیروز شاہی'' وغیرہ وغیرہ لکھ کر ان کتابوں کو مکمل کیا ۔

امیر خسرو اور امیر حسن سے خصوصی تعلقات :

ضیاء برنی کے تعلقات سلطان الشعر امیر خسرو اور ملک الفضلا امیر حسن سے بہت زیادہ تھے ۔ ان کی مجلسوں سے مستفید ہوتے ۔ باوجود ان فضائل کے اُن کے دل میں فرزندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی محبت بہت راسخ تھی ۔

وفات :

آخر چند روز بیمار رہ کر وفات پائی ۔ وفات کے وقت اُن کے پاس کوئی روپیہ پیسا نہ تھا ، بلکہ اپنے پہننے کے کپڑے بھی اُنھوں نے راہِ خدا میں خیرات کر دیے تھے ۔ اُن کے جنازے پر ایک چادر اور ایک بوریا تھا ۔ یہ اثر سلطان المشائخ کی صحبت کا تھا جو بادشاہوں کی صحبت پر غالب تھی کہ ان کا انجام بخیر ہوا اور سلطان المشائخ کے قبرستان میں اپنے والد بزرگوار کی پائنتی مدفون ہوئے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

منہم

خواجہ مویدالدین انصاری ۰

صورتِ زہد و تقویٰ ، عاشقِ درگاہِ مولیٰ ، مصلحتاً کاروبار میں مشغول خواجہ مؤید الملۃ والدین انصاری ، جنھوں نے اپنے اختیار سے کاروبار دنیوی ترک کیا ۔ پھر آخر دم تک کسی کاروبار میں مشغول نہیں ہوئے اور پیر کی محبت سے اپنا رشتہ جوڑا ۔

بیعت :

اس روز سے کہ جس دن وہ سلطان المشائخ کے مریدی میں منسلک ہوئے پھر آخر دم تک کسی طرف توجہ نہ کی ، مگر سوائے کاتبِ حروف کے چچاؤں کے ، جو ساداتِ کرام میں سے تھے اور سلطان المشائخ کے قرب سے مشرف تھے ۔ بالخصوص سیّد حسین [۳۱۴] سے کہ ان سے اُن کی محبت زیادہ تھی ۔

اُن میں ذوقِ سماع اور جگر سوز گریہ بہت تھا ۔ اس باب میں وہ مریدین اعلیٰ میں مشہور تھے اور یہ اُس کا ثمرہ تھا کہ وہ سلطان المشائخ کی نظر میں خاص درجہ رکھتے تھے اور سلطان المشائخ نے ان کو اپنے لباسِ خاص سے سرفراز کیا تھا ۔

مولانا نورالدین محمد کی ولادت کا واقعہ :

مولانا مویدالدین فرماتے تھے کہ میرے گھر میں کوئی لڑکا نہ ہوتا تھا ۔ چونکہ بچوں کی والدہ بھی سلطان المشائخ کی مرید تھیں ، اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ سلطان المشائخ سے عرض کرو کہ میرے لڑکا پیدا نہیں

ہوتا - اس زمانے میں میرے گھر والے قصبہ راپری[1] میں رہتے تھے - جب میں سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے اس بارے میں عرض کیا - آپ نے خواجہ اقبال کو حکم دیا کہ ایک روٹی اور کھجور لاؤ - پھر مجھ سے فرمایا کہ اس روٹی میں سے تھوڑا تھوڑا کھاؤ، یہاں تک کہ جب تم اپنے گھر والوں کے پاس پہنچو تو یہ روٹی ختم ہو جائے - جب تم اپنے گھر پہنچو تو یہ کھجور اپنی بیوی کو دو تاکہ وہ کھا لے - حق تعالیٰ تم کو ایک بیٹا دے گا - میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا - حق جل و علیٰ نے اس کی برکت سے مجھے بیٹا دیا یعنی مولانا نورالدین محمد موید انصاری، جو بہت سے فضائل سے آراستہ تھے -

وفات

آخر عمر میں چند روز انھوں نے بیماری کی زحمت اٹھائی - اس بیماری میں بھی اُن سے کوئی فرض و سنت نہیں چھوٹی - آخر اس دنیائے بے وفا سے عالمِ بقا کی طرف رحلت کی اور سلطان المشائخ کے روضۂ مبارک میں چبوترۂ یاراں پر مدفون ہوئے - رحمۃ اللہ علیہ -

منہم

خواجہ شمس الدین خواہر زادہ امیر حسن سجزی :

محبت کے سوختہ، دوستی میں مستعد، خواجہ شمس الدین جو امیر حسن شاعر کے بھانجے تھے اور سلطان المشائخ کی محبت میں مشہور تھے -

کاتب الحروف نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا - وہ فرماتے تھے کہ جب یہ عاشق صادق نماز کے لیے سلطان المشائخ کے جماعت خانے میں حاضر ہوتے تو تحریمہ کے وقت جب تک کہ سلطان المشائخ کا جمال نہ دیکھ لیتے، نیت نہ باندھتے - یعنی صف سے سرِ مبارک باہر نکال کر پہلے سلطان المشائخ کا چہرۂ مبارک دیکھ لیتے، پھر نیت باندھتے - امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے :

۱- غالباً قصبہ راپری سے مراد وہ قصبہ ہے، جسے آج کل قصبہ روپڑ کہا جاتا ہے -

بیت

در اثنائے نماز اے جان! نظر بر قامت دارم
مگر از قامتِ خوبت قبول افتد نمازِ من

وفات :

الغرض جب وہ عاشقِ صادق مرض محبت میں مبتلا ہوا اور عشق کی بیماری نے غلبہ کیا ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

رباعی

ماجرا نے دلِ دیوانہ بگفتم بہ طبیب
کہ ہمہ شب درِ چشم است بفکرت بازم
گفت ازیں نوعِ حکایت [۳۱۵] کہ تو گفتی سعدی
دردِ عشق است ندانم کہ چہ درماں سازم

چاہا کہ جانِ عزیز سلطان المشائخ کی محبت میں فدا کر دے ۔ اس کی اطلاع سلطان المشائخ کو ہوئی کہ اُس سوختہ محبت کی یہ تمنا ہے کہ جانِ عزیز کو سلطان المشائخ کی محبت میں قربان کرے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے کہ :

وقت آنست کہ جاں بر سر کویت بازم
خاکِ درگاہ تو بر تارکِ سر اندازم

الغرض سلطان المشائخ نے ، جو عاشقوں کے ملجا ہیں ، چاہا کہ اس عاشقِ جانباز کے درد عشق کے درماں کے لیے تشریف لے جائیں تا کہ اپنے جمالِ مبارک سے اس عاشقِ صادق کو تسکین و تسلی دے سکیں ۔ سلطان المشائخ اس ارادے سے کہ ان کی مزاج پرسی کریں ، روانہ ہوئے ہی تھے کہ راستے میں آپ کو اطلاع ملی کہ وہ عزیز ، جو مرضِ عشق میں مبتلا تھا ، دوست کے جمال کی تاب نہ لا کر جان جانِ آفریں کے سپرد کر چکا ۔[1] سلطان المشائخ نے یہ خبر سن کر فرمایا ، الحمد للہ ! کہ

۱۔ خواجہ شمس الدین دہلوی : صاحبِ "گلزارِ ابرار" اور صاحبِ
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

دوست دوست کے پاس پہنچ گیا ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

جاں در قدمِ تو ریخت سعدی
ایں منزلت از خدائے میخواست
خواہی کہ دگر حیات یابد
یک بار بگو کہ کشتۂ ماست

منہم

مولانا نظام الدین شیرازی

بالرحمتہ ، صاحب السیر مولانا نظام الملت والدین شیرازی تھے جو علم ، زہد و تقویٰ اور ورع میں اعلیٰ مریدوں میں مشہور تھے ۔

مصنفِ ''سیرالاولیاء'' سے ملاقات :

کاتب الحروف نے اس بزرگ کو سلطان المشائخ کی وفات کے بعد ، جب وہ دہلی آئے تھے اور سلطان المشائخ کے مقبرے میں ٹھہرے ہوئے تھے ، دیکھا تھا ۔ اُن کا ظاہر و باطن اہلِ تصوف کے عمدہ اوصاف سے متصف تھا ۔ اگر کوئی عالمانہ بحث ہوتی تو نہایت عالمانہ بحث کرتے اور نہایت عمدگی سے اس علمی مسئلے کو سمجھاتے ۔ اہلِ تصوف کے طریقے کو خوب جانتے تھے ۔ سماع کے شیفتہ تھے ، چنانچہ اُن قوالوں سے ، جو اُن کے پاس ملازم تھے ، ہر روز ایک مقررہ وقت پر سماع سنتے ۔ یہ اس کا ثمرہ تھا کہ اُن کا شمار ان اعلیٰ مریدوں میں ہوتا تھا جو سلطان المشائخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

''خزینۃ الاصفیاء'' و صاحبِ ''نزہۃ الخواطر'' نے ان کو خواہر زادۂ امیر خسرو لکھا ہے اور ان کا سنہ وفات ۷۲۲ھ (۲۳ - ۱۳۲۲ء) اور مدفن مقبرہ خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی تحریر کیا ہے ۔ صاحب ''گلزارِ ابرار'' نے لکھا ہے کہ جو قبر بزرگوار ماموں کے مزار کے تحت ہے ، کہتے ہیں کہ وہ خواجہ شمس الدین کی قبر ہے ، شاید ہوگی ۔ (''نزہۃ الخواطر'' ، جلد ۲ ، ص ۵۶ بحوالۂ ''خزینۃ'' الاصفیاء : ''گلزارِ ابرار'' ، (اُردو ترجمہ) ، ص ۱۱۱)

کی مجلسِ خاص کی زیب و زینت تھے اور سلطان المشائخ کی نظرِ خاص سے ممتاز تھے۔

آخر عمر میں کچھ عرصے کے لیے شہر (دہلی) میں سکونت اختیار کر لی تھی اور دوستوں کے درمیان نہایت اعلیٰ، مقتدر اور با اختیار زندگی بسر کی۔ جب اس دارِ فانی سے عالم باقی کی طرف کوچ کیا تو اپنے گھر کے پاس حصار سیری کے اندر مدفون ہوئے۔[۱] رحمۃ اللہ علیہ۔

منہم

خواجہ سالار:

عشق کی صورت، صدق کا سرمایہ خواجہ سالار مہین جو زہد و تقویٰ سے آراستہ تھے اور ان کا اندرون سلطان المشائخ کی محبت سے معمور تھا۔ انھوں نے اس دنیائے بے وفا میں صحبتِ خلق سے، جو ایک بڑی آفت [۳۱۶] ہے، کنارہ کر لیا تھا اور بالکلیہ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے:

بیت

اگرچہ گوشۂ غم نا خوش است بر ہمہ لیکن
چو تو خیالِ منی باغ و بوستانِ منست

انھوں نے ساری عمر اپنے پیر کی محبت اور پیر کی یادوں اور باتوں میں بسر کی اور جو کچھ غیب سے ملتا اس پر قانع رہتے اور کسی مخلوق کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ ان بزرگ کو ذوقِ سماع اور گریۂ جگر سوز انتہا درجے پر حاصل تھا۔ جس کی نظر ان کے جمالِ مبارک پر پڑتی، اس کا دل ان کی محبت سے ہلنے لگتا۔

ایک روز سلطان المشائخ کے روضے میں سماع تھا۔ خواجہ سالار پر شیخ سعدی کے اس شعر نے غیر معمولی اثر کیا:

۱- مولانا نظام الدین شیرازی: وفات: ۷۱۸ھ (۱۹-۱۳۱۸ء) ("نزہۃ الخواطر"، جلد ۲، ص ۱۷۴-۱۷۵، بحوالہ "خزینۃ الاصفیاء")

بیت

از سرِ زلفِ عروسانِ چمن دست بدار
بسرِ زلف اگر دست رسد بادِ صبا را

مولانا حسام الدین ملتانی کی ہم نشینی :

یہ بزرگ اکثر مولانا حسام الدین ملتانی خلیفہ سلطان المشائخ کی صحبت میں رہتے اور پابندی سے سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

وفات :

آخر عمر میں چند روز بیمار رہ کر رحمتِ حق سے جا ملے۔
رحمۃ اللہ علیہ۔

منہم

اس منہم کے تحت سلطان المشائخ کے انیس مریدوں کا
تذکرہ تحریر کیا جاتا ہے

(۱) مولانا فخرالدین میرٹھی :

صورۃً اور سیرۃً مشائخ مولانا فخرالدین میرٹھی کی زہد و ورع اور تقویٰ سے آراستہ تھے اور پیرِ عزیز تھے۔ سلطان المشائخ کے پہلے مریدوں میں سے تھے۔

(۲) مولانا محمود نوپیچہ :

پیرِ عزیز، سوختہ اور ساختہ عجیب، شہر کو چھوڑ کر سلطان المشائخ کی محبت میں غیاث پور میں رہنے لگے تھے۔
کاتب الحروف نے ان بزرگ کو دیکھا تھا۔ نورانی صورت کے بوڑھے تھے۔ دراز اور بالا قد، عموماً عشق کی حکایتیں اور کنایات کہا کرتے تھے۔

(۳) مولانا علاء الدین اندرپتی :

نہایت بزرگ تھے۔ علم و فضل میں مشہور تھے۔ حافظِ کلام ربانی تھے۔ سلطان المشائخ کے بہت سے عزیزوں نے ان بزرگ سے قرآن مجید حفظ کیا تھا۔

کاتب الحروف کے دونوں چچا اور میں ان بزرگ کے شاگرد ہیں۔ اُن پر کثرت سے گریہ طاری رہتا اور یادِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ ساری عمر تلاوتِ قرآن مجید میں گزاری اور اوائل ماہ کے طریقے پر اس دلبانے بے وفا سے رخصت ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) مولانا شہاب الدین کستوری :

یادِ الٰہی میں مستغرق، زائرالحرمین، سلطان المشائخ کے معتبر مریدوں میں تھے۔ بے حد فضائل ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔
یادِ الٰہی میں اس قدر مشغول رہتے تھے، کہا جاتا ہے کہ شیخ نصیرالدین محمود نے ان کو مرید کرنے کی [۱۰۳] اجازت دی تھی۔ اس سے بڑھ کر دینی فضائل کی اور کیا حد ہو سکتی ہے کہ شیخ کی وفات کے بعد اُن کا ایک اعلیٰ مرید اُن کو اس عظیم کام کی اجازت دیتا ہے کہ جو نبوت کی نیابت ہے، جس میں غیر معمولی نزاکت ہے۔

(۵) مولانا حجۃ الدین ملتانی :

جو بہت سے علوم اور بے شمار فضائل سے آراستہ تھے۔ انھوں نے شجرہ مشائخ خواجگانِ چشت قدس اللہ ارواحہم کو نہایت فصاحت و بلاغت سے عربی میں نظم کیا ہے۔

(۶) مولانا بدر الدین توند :

جن کو فوق بھی کہتے تھے۔ علم کے خزانہ اور فضیلت کے ایک جہان تھے۔ زہد و تقویٰ میں نہایت کامل تھے۔

(۷) مولانا رکن الدین چغمر :

سماع کا صدقِ دل سے ذوق و شوق رکھتے تھے اور پیر کے جمال کے والہ و شیدا تھے۔
خوش خطی میں اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اکثر معتبر کتابیں جیسا کہ ''کشاف'' اور ''مفصل'' وغیرہ حضرت سلطان المشائخ کے لیے انھوں نے کتابت کی تھیں اور آب تک پہنچائی تھیں۔
کاتب الحروف نے اس عاشقِ صادق کو دیکھا تھا اور اُن کے باطنی ذوق سے حصہ حاصل کیا تھا۔

(۸) خواجہ عبدالرحمٰن سارنگپوری :

صورتِ درد و دوں تھے ۔ کاتبِ حروف نے ان بزرگ کو حالتِ سماع میں دیکھا ہے کہ آپ کے ذوقِ سماع اور گریۂ جگر سوز نے تمام حاضرینِ مجلس پر اثر کیا تھا ۔

(۹) خواجہ احمد بدایونی :

ترک و تجرید میں کامل تھے ۔ آخر دم تک اگرچہ آپ متعلقین رکھتے تھے ، مگر گھر میں دانا اور میرے در و دیوار اور چھت کے بغیر سلوے (جھونپڑی) میں چھپر کے نیچے گزارہ کیا اور ابدالوں کے طریقے پر زندگی بسر کی ۔ سماع میں کسی طرح اس بزرگ کو قرار نہ آتا تھا ۔ چنانچہ مجلسِ سماع میں مستوں کی طرح پاؤں مارتے تھے ۔

اس بزرگ نے کاتب الحروف کو عزت دی تھی کہ ایک روز میرے پاس ایک مسئلہ شرعی پوچھنے کے لیے آئے ۔ کاتبِ حروف نے اُن سے پوچھا کہ آپ کا وقت تو خوش گزرتا ہے ؟ فرمایا کہ میرے لیے سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا کروں ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

(۱۰) خواجہ لطیف الدین کھند سالی :

بوڑھے تھے اور سلطان المشائخ کے اودھ کے اکثر مریدوں میں پہلے مرید تھے ۔ یادِ الٰہی میں نہایت مشغول رہتے ۔ شیخ نصیرالدین محمود آپ کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

(۱۱) مولانا عم الدین محبوب عرف شکر خائی تھانیسری :

جو نور باطنی سے دونوں جہان کی سیر کرتے تھے ۔ بدرجۂ کمال متقی و زاہد تھے اور محبت و عشق میں ایک نشانی تھے [۳۱۸] ۔ سلطان المشائخ کے اعلیٰ مریدوں میں عمدہ اوصاف اور اپنے پیر کی عقیدت میں بے نظیر تھے ۔

ایک دن یہ کاتب الحروف سلطان المشائخ کے روضۂ مبارک میں اُن کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ گفتگو تلوینات محبت و رموز عشق کے بارے میں چلی ۔ کاتب الحروف نے اپنے ادنیٰ حوصلے کے مطابق نظائر و امثال و

حکایات اور اشعار عشق آمیز و درد انگیز پڑھے کہ جو ان بزرگ کی اثر صحبت کا فیضان تھا ۔ پھر انھوں نے ارشاد فرمایا کہ (تمھاری اس گفتگو سے) اس عاشق صادق میں ذوق جاگزیں ہو رہا ہے ۔ پھر کاتب الحروف سے شفقت سے فرمایا کہ تم میں اس راہ کی قابلیت ہے لیکن کام کرنا چاہیے ۔ حق تعالیٰ اس صاحب ذوق کے انفاس کی برکت سے مجھے عمل مقبول کی نعمت سے نوازے ۔

(۱۲) خواجہ شمس الدین دھاری :

ان کو اچھی بھی کہتے تھے ۔ نورانی صورت کے بوڑھے تھے ۔ ابتداء دنیا کے کاروبار میں مشغول تھے ۔ جب سعادت ابدی رفیق ہوئی تو سلطان المشائخ کی مریدی میں منسلک ہوئے اور سلطان المشائخ کی مجلس میں بیٹھنے کا موقع ملا اور سلطان المشائخ کے ملفوظات کو جمع کر کے ایک کتاب لکھی ۔ ایک دفعہ انھوں نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو میں آنے جانے والوں کے لیے ایک عمارت بنواؤں ۔ فرمایا ، یہ کام اس کام سے کم نہیں کہ جس کو چھوڑ کر تم اس طرف متوجہ ہوئے ہو ۔ پھر آپ نے ان کو ایک دوات عطا فرمائی ، جس کو آپ خود استعمال کرتے تھے ۔ یہ اس جانب اشارہ تھا کہ آخر عمر میں ان کو پھر دنیا کے کاموں میں مشغول کیا جائے گا ۔ چنانچہ ظفر آباد کے علاقے میں کچھ جاگیر ان کو دی گئی اور وہیں وہ مدفون ہوئے ۔[1]

۱۔ **مولانا شمس الدین دھاری اسیونی :** مولانا شمس الدین بن عبدالرحمٰن خراسانی ثم الھندی دھاری اسیونی جو ہندوستان میں مشہور ہیں ، دوھمون میں پیدا ہوئے ، جو خراسان کا ایک گاؤں ہے ۔ ۱۸ سال کی عمر میں ان کے والد نے وفات پائی تو اپنے وطن سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور ایک طویل مدت تک دیوان کے عہدے پر فائز رہے ۔ پھر حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی سے دہلی میں بیعت ہوئے اور آپ سے فیوض باطنی حاصل کیے ۔ پھر حج و زیارت کے لیے حجاز کا سفر کیا اور ہندوستان لوٹ کر دھار میں سکونت اختیار کی ۔ دھار ایک بڑا شہر مالوہ کے شہروں میں ہے ۔

مولانا شمس الدین صاحب مقامات و صاحب کرامات تھے ۔ انھوں نے ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ - ۲۱ء) میں وفات پائی اور ظفر آباد میں مدفون ہوئے ۔ ("نزہۃ الخواطر" ، جلد ۲ ، ص ۵۶ بحوالہ مہر جہانتاب)

(۱۳) مولانا یوسف بدایونی :

بوڑھے تھے ۔ علم میں کامل ، زہد و ورع میں مکمل تھے ۔ سلطان المشائخ کے اعلیٰ مرید ان کی تعظیم و تکریم کرتے تھے ۔

کاتب الحروف نے ان بزرگ کو شیخ نصیر الدین محمود کی مجلس میں دیکھا تھا ۔ نہایت پاکیزہ صورت ، ان کی تقریر نہایت دل کشا ہوتی تھی ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

(۱۴) مولانا سراج الدین حافظ بدایونی :

لطافت طبع ، کثرت فضائل اور حسن عقیدت سے موصوف تھے ۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً ۔

(۱۵) مولانا قاضی محی الدین کاشانی :

کثرت علم ، کامل فضل سے موصوف تھے ۔ زہد و ورع اور عشق ، وجد و حال اور آہ و زاری سے آراستہ تھے ۔

(۱۶) مولانا قوام الدین یک دانہ اودھی :

اسلاف کے طریقے پر کاربند تھے ۔ اُن کے حق میں سلطان المشائخ نے فرمایا تھا کہ نیک مرد ہے ۔ اُنھوں نے مولانا شمس الدین یحییٰ سے "کشاف" پڑھی تھی ۔ ترک و عربیہ میں کمال رکھتے تھے ۔ کوئی غلام اُن کے پاس نہ تھا (۳۱۹) جو اُن کی خدمت کرے ۔ آخر عمر میں ایک لونڈی سے شادی کی ، جس کے بطن سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں ۔ مولانا اپنے تمام کام خود کرتے تھے ، یہاں تک کہ اپنے حصے کا آٹا خود پیستے ۔ یہ مجاہدے کا طریقہ کسی کو میسر نہ تھا ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

(۱۷) مولانا برہان الدین ساوی :

کثرت علم اور انتہائی زہد و تقویٰ سے آراستہ تھے ، لیکن فتویٰ کے لیے قلم کبھی ہاتھ میں نہ پکڑا ۔ اگرچہ یہ بزرگ آخر عمر میں سلطان المشائخ کے مرید ہوئے ، لیکن آپ کی سعادت بخش نظر کی برکت کی وجہ سے تمام اعلیٰ مریدوں کے اوصاف سے موصوف تھے اور سماع میں اسلاف کے طریقے پر کاربند تھے ۔

(۱۸) خواجہ عبدالعزیز بالگر مزی :

نہایت صالح اور خوش اخلاق تھے ۔ سلطان المشائخ کے سچے مرید اور پیر کی محبت کے جادے پر مستقیم تھے ۔

(۱۹) مولانا جمال الدین اودھی :

بہت بڑے دانش مند ، بے حد یادِ الٰہی میں مشغول اور سماع کے عاشق تھے ۔ اُن کا ظاہر و باطن اہلِ تصوّف کے اوصاف سے آراستہ تھا ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

سلطان المشائخ کی جانب سے خطاب :

کاتبِ حروف نے اپنے والد اور چچاؤں سے سنا تھا کہ جب مولانا جمال الدین سلطان المشائخ کی خدمت میں جماعت خانے میں حاضر ہوئے تو آپ کی جانب سے خطابِ "جواں صالح" سے نوازے گئے ۔ اس مجلس میں آپ کے بہت سے اعلیٰ دانشمند مرید جیسا کہ مولانا وجیہ الدین پائلی اور دوسرے مرید حاضر تھے ۔ اُسی مجلس میں ایک دانش مند ، جو خراسان سے آیا ہوا تھا جس کو مولانا بحاث کہتے تھے ، وہ بھی اس مجلس میں موجود تھا ۔ اس نے علمائے شہر کا ناطقہ بند کر رکھا تھا ۔ چنانچہ کوئی اُس سے بحث نہیں کر سکتا تھا ۔ بردوی کے بارے میں سلسلۂ گفتگو شروع ہوا ۔ مولانا جمال الدین نے اُس سے بحث شروع کی اور اُسے لاجواب کر دیا ۔ مولانا وجیہ الدین پائلی اور دوسرے مریدوں نے مولانا جمال الدین کو داد دیتے ہوئے کہا کہ خدا کی رحمتیں ہوں تم پر اور تمھارے علم پر کہ تم نے اس کے دماغ سے رعونت کو نکال دیا ۔ اتفاق سے خواجہ اقبال بھی اس بحث کے وقت موجود تھے ۔ اُنھوں نے اس واقعہ کی اطلاع سلطان المشائخ کو دی اور مولانا جمال الدین کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ نوجوان عالم ہیں ۔ انھوں نے مولانا بحاث سے بردوی پر بحث کی اور اس کو ساکت کر دیا ۔ چنانچہ مولانا وجیہ الدین پائلی اور دوسرے مریدین ، جو وہاں موجود تھے ، سب نے اس نوجوان کی تعریف کی ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ لالا ! اس نوجوان اور اُن سب مریدوں کو جو اس مجلس میں موجود تھے ، بلا کر لاؤ ۔ جب مولانا جمال الدین اور یہ سب مرید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سلطان المشائخ نے مولانا جمال الدین سے

فرمایا کہ تمھارے آنے پر خدا کی رحمت ہو۔ تم نے اپنا علم فروخت نہیں کیا۔ پھر قوالوں کو طلب کیا اور سلطان المشائخؒ [۳۰۰] نے سماع سننا شروع کیا اور مولانا جمال الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے جوان! عاشق سماع، سماع سنو۔ جوں جوں قوال گاتے جاتے تھے اُن پر رقت زیادہ طاری ہوتی جاتی تھی۔ پھر سلطان المشائخ نے فرمایا: تمھیں سماع میں غیرمعمولی حظ حاصل ہوگا، سماع سنا کرو۔

لباس خاص سے سرفرازی۔

پھر سلطان المشائخ نے اُن کو لباسِ خاص سے سرفراز کیا۔ چنانچہ اُن کو سلطان المشائخؒ کے ارشاد کے مطابق سماع میں غیرمعمولی حظ حاصل ہوتا اور مولانا کے سینے سے عشق کا شعلہ اس طرح بھڑک اُٹھتا کہ حاضرینِ مجلس بھی درد محسوس کرتے۔ یہ سب کچھ سلطان المشائخؒ کی برکات کا اثر تھا۔ ہر روز مولانا کا شوق ترقی کرتا گیا۔ حکیم سنائی نے گم شدہ عقل مندوں اور باقی ماندہ جاہلوں کے لیے حسب ذیل اشعار کہے ہیں:

قصیدہ

آں کسانے کہ راہِ دیں رفتند
چہرہ از ننگِ خلق بنہفتند
پختہ از حسرتِ طلبِ کلِ شاں
سوختہ ز آتشِ وفا دلِ شاں
ہر کہ اندر جہاں چو ایشاں بود
لاجرم زیرِ حکمِ ایشاں بود
ہمہ رفتند و کام و دولت ماند
ہمہ مردند نام و حشمت ماند
واں گروہے کہ نو رسیدہ ستند
عشوۂ جان و دل خریدہ ستند
سرِ باغ و دلِ زمیں دارند
کے دلِ عقل و شرح دیں دارند
ہمہ از راہِ صدق بے خبر اند
آدمی صورت اند لیک خر اند

مکتبِ شرع را ندیدہ ہنوز
بدرِ عقل نا رسیدہ ہنوز

ہمہ دیوانِ آدمی رویند
ہمہ غولانِ ...ی پویند

ماہ رویان و تیرہ ہوشانند
جاہ جویان و دیں فروشانند

در سخن چوں شتر گسستہ مہار
چوں شتر مرغ جملہ آتش خوار

ہیچ نایافتہ ز تقویٰ بوئے
تہی از آب ماندہ ہمچو سبوئے

ہمہ جویانِ کبر و تمکین اند
ہمہ قلبِ شریعت و دین اند

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ۔ شعر
(ترجمہ) جن کے آغوش میں زندگی گزاری جاتی تھی ، وہ گزر گئے
اور میں رہ گیا اُن لوگوں میں جو خارشتی اُونٹ کی طرح ہیں ۔

● ● ●

باب ششم

ارادت ، مرید ، مراد اور حالات مشائخ قدس اللہ ارواحہم کے بارے میں

[۳۲۱] نکتہ

ارادت کے بارے میں

خوب اعتقاد مریدوں کے حق پذیر دل پر واضح ہو کہ شیخ ابوالقاسم قشیریؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں سالکوں کے کام کا آغاز ارادت ہے ۔ کیونکہ کسی کام کے کرنے سے پہلے اس کام کا پختہ ارادہ ضروری ہے ۔ اس صفت کو اسی لیے ارادت کہتے ہیں کیونکہ پہلے اسے دل میں عزم مستحکم کرنا ضروری ہے ۔ پھر ارادت مند اپنے اس عزم کو عمل سے ہم آہنگ کرتا ہے لیکن حقیقت میں ارادت یہ ہے کہ طلب حق تعالیٰ میں دل کا درست اور صحیح ہونا ارادت ہے ۔

نکتہ

مرید کے بارے میں

حضرت سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ مرید دو قسم کے ہیں ، ایک رسمی اور دوسرے حقیقی ۔

مرید رسمی :

مرید رسمی وہ ہیں کہ جنھیں پیر تلقین کرے کہ دیکھی ہوئی

چیزوں کو ان دیکھی اور سنی ہوئی باتوں کو ان سنی کرو اور اہلِ سنت والجماعت کے طریقے پر کاربند رہو ۔

مریدِ حقیقی :

مریدِ حقیقی وہ ہے کہ جس کو پیر تلقین کرے اور کہے کہ تم ہماری صحبت میں رہو تا ہم تمہاری صحبت میں رہتے ہیں ۔

مرید کے بارے میں سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کی ایک تحریر :

سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے میں نے لکھا ہوا دیکھا کہ جس طرح علماء زبان سے دعوت دیتے ہیں ، اُس طرح مشائخ اپنے عمل سے دعوت دیتے ہیں ، لیکن شیخ ابوالقاسم قشیریؒ نے لکھا ہے کہ مرید اپنے اشتقاق کے بموجب ارادت کے معنٰی رکھتا ہے ، یعنی مرید وہ ہے جس کو ارادت ہو ۔ جیسا کہ عالم وہ ہے جس کو علم ہو ۔ لیکن اصطلاحِ طریقت میں مرید اس کو کہتے ہیں جس کا سرے سے کوئی ارادہ نہ ہو ۔ جب تک کہ وہ مراد سے خالی نہیں ہوتا طریقت میں مرید نہیں کہلاتا یعنی طریقت میں مرید وہ کہلاتا ہے جو اپنا اختیار چھوڑ کر رضائے حق تعالیٰ کا طالب ہو :

بیت

ما قلم در سر کشیدم اختیارِ خویش را
اختیار آنست کو قسمت کند درویش را

کسی بزرگ نے کہا ہے کہ : مرید وہ ہے کہ جو ظاہراً خدا کے کاموں میں مجاہدات سے موصوف ہو اور جس کا باطن جگر سوزی سے متصف ہو ۔

یہ ضعیف کہتا ہے :

مرید آنست کز دنیا گریزد
بمردم با ہوائے خود ستیزد
فریبِ زیبِ دنیا را ندارد ہیچ
کہ شد چوں زلفِ خوباں پیچ در پیچ

لیکن اس قوم نے مرید اور مراد میں یہ فرق کیا ہے کہ مرید مبتدی کو کہتے ہیں اور مراد منتہی کو کہتے ہیں ۔

یعنی مرید وہ ہے جو الٰہی کام میں مشغول ہو کر رنج و تعب برداشت کر رہا ہو۔ مراد وہ ہے کہ حس کو لطفِ حق کی جانب کہ بغیر مشقت کے کام کرے۔ پس مرید مستغنی ہوتا ہے اور مراد تکلیف اُٹھا کر مراد حاصل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بمنزلہ مرید کے ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں۔ [۳۲۲]

ربِ اشرح لی صدری و یسرلی امری۔

[اے رب! میرے سینے کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے۔]

اور رسولِ اکرم صلی اللہ و آلہ وسلم مراد ہیں اس لیے کہ آپ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

الم نشرح لک صدرک۔

[کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے نہیں کھول دیا۔]

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ ارنی (مجھے اپنے آپ کو دکھا)۔ لیکن الٰہی جواب ملا لن ترانی (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے) اور سرورِ پیغمبراں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو حکم ملا۔

الم تری الی ربک کیف مد الظل (کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارا رب کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے (یعنی کس طرح اُس نے طریقت کی بات کو چھپانے اور حال کو محفوظ رکھنے کے لیے کہا ہے)۔ ہم اصل مقصد کی طرف پھر لوٹتے ہیں۔

فردوسِ محبت اور صحرائے قرب:

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک شخص ایک پیر کا مرید ہو گیا اور اس نے گناہوں سے توبہ کی۔ پیر نے اس سے کہا کہ دو چیزیں ہیں کہ لوگ اُن کے ذریعے سے حق تک پہنچتے ہیں۔ ایک تخلیہ جو گناہوں سے نفس کو خالی کرنا ہے۔ دوسرے تحلیہ کہ جو نفس کو عبادت کے زیور سے آراستہ کرنا ہے۔ چنانچہ جب اُس مرید نے عبادت شروع کی تو اُسے چار چیزیں پیش آئیں۔ ایک دنیا، دوسرے خلق، تیسرے شیطان، چوتھے نفس۔ اُس مرید نے اپنے پیر سے یہ چاروں چیزیں بیان کیں۔ پیر نے

فرمایا کہ دنیا سے علیحدہ رہو اور خلق سے جدا ہو جاؤ ۔ شیطان سے لڑو اور اُس وقت اپنے پیر کو یاد کرو اور نفس و خواہشات کے گھوڑے کے منہ میں تقویٰ کی لگام دو اور گوشہ نشین ہو جاؤ ۔ چنانچہ اُس نے اسی طرح کیا ۔ پھر وہ پیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے اپنے پیر سے کہا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی ۔ اب میرا نفس مجھ سے کہتا ہے کہ تو ضعیف ہو جائے گا ، یہاں تک کہ عبادت بھی نہ کر سکے گا ، قوت حاصل کرو ۔ اُس کے پیر نے یہ سن کر ارشاد فرمایا ۔ توکل کرو ، تمھارے نفس کو آرام ملے گا ۔ وہ مرید پھر آیا اور اس نے اپنے پیر سے کہا کہ اب میرا یہ حال ہے کہ مجھے گزشتہ باتیں یاد آتی ہیں کہ فلاں جگہ میں نے ایسا کیا تھا ، فلاں جگہ میں گیا تھا ، پیر نے فرمایا کہ تم اپنے کام اللہ پر چھوڑ دو اور جو کچھ تم کرتے ہو اُسے اللہ کی طرف سے جانو ۔ چنانچہ اس شخص نے اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل کی ۔ اُس کے لیے (باطن) کا دروازہ کھل گیا ۔ پھر اُس مرید نے اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا حال بیان کیا ۔ پیر نے فرمایا (اس مقام کو) ''فردوسِ محبت'' کہتے ہیں ۔ پھر اس پر (باطن کا) اور دروازہ کھلا ۔ اس نے آ کر پیر سے بیان کیا ۔ پیر نے فرمایا اس مقام کو ''صحرائے قرب'' کہتے ہیں ۔

سلطان المشائخ کا بیعت لیتے ہوئے ارشاد :

سلطان المشائخ جب کسی کو بیعت کرتے تو فرماتے کہ تم اچھی طرح سمجھ لو کہ دنیا اور اہلِ دنیا کو پیدا ہی نہیں کیا گیا ۔

نیز فرمایا کہ مولانا تقی الدین مجنون نے ایک رقعہ میرے نام لکھ کر دو آدمیوں کے ذریعہ بھجوایا اور کہلایا کہ ان دو آدمیوں نے میرے ہاتھ پر توبہ کی ہے ۔ آپ انھیں بیعت [۳۲۲] کرلیں ۔ میں اس کام میں متردد ہوں ، اس لیے کہ بعض مشائخؒ نے فرمایا ہے کہ توبہ اور ارادت ایک ہی بات ہے ۔

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کا طریقۂ بیعت :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں مرید ہونے کے ارادے سے آتا تو آپ پہلے اُس سے فرماتے کہ سورۂ فاتحہ و سورۂ اخلاص پڑھے ۔

پھر آمن الرسول پڑھوانے ، پھر شہد اللہ سے ان الدین عنداللہ الاسلام تک پڑھوانے ۔ پھر فرماتے کہ تم نے اس ضعیف اور اس ضعیف کے پیر اور ہمارے خواجگان اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے توسط سے حق تعالیٰ جل و علیٰ سے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھ کو گناہوں سے محفوظ رکھو گے اور شریعت کے طریق پر کاربند رہو گے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

جب کسی کو خرقہ پہناتے تو فرماتے ۔ و لباس التقویٰ ذلک خیر والعاقبۃ للمتقین (ترجمہ ۔ نہ لباس پرہیزگاری کا ہے ، نہ بہتر ہے اور آخرت کی خوبیاں پرہیزگاروں ہی کے لیے ہیں) ۔ نیز یہ بھی فرماتے کہ طعامِ کعبہ ارادت ہے ۔ حرم کعبہ ارادت ہے اور کعبہ ارادت ہے ۔ طعامِ کعبہ کی ارادت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو نہ ستائے ۔ نہ ہاتھ سے نہ زبان سے ، نہ کسی پر طعن و تشنیع کرے ، نہ کسی کو کچھ کہے ، اور نہ کسی کی سنے اور اپنے ظاہر کو محفوظ رکھے ۔ حرم کعبے کی ارادت یہ ہے کہ آنکھ اور زبان کو حق تعالیٰ میں مصروف رکھے اور آنکھ اور زبان اور ہاتھ کی حفاظت کرے ۔ کعبہ ارادت کا مطلب یہ ہے کہ دل حق تعالیٰ سے لگائے اور ہمیشہ ذکر اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے اور شیطان کے وسوسوں کو دل سے دور کرے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

اللھم اغفر للمحلقین ، قالوا یا رسول اللہ و للمقصرین ، قال والمقصرین ۔

(اے اللہ ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما ۔ لوگوں نے کہا کہ مقصرین (بال کتروانے والوں) کی ، فرمایا اُن کی بھی ۔

اس ارشاد نبوی ؐ کے سننے کے بعد بعض صحابہؓ نے سر منڈوایا ۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ اگر آپ سر منڈوائیں تو آپ کے صحابہؓ آپ کی پیروی کریں گے ۔ اس کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سر منڈوایا ۔

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا ، دیکھو کمالِ نبوت اس کا نام ہے کہ کام بغیر کسی خواہش کے خود کیا جائے ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم نے پہلے خود اس پر عمل کیا تاکہ دوسرے بھی اس پر عمل کریں۔ وہ بات کس طرح قابلِ قبول ہو سکتی ہے کہ آدمی خود وہ کام نہ کرے اور دوسروں کو اس کے کرنے کا حکم دے۔ امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے:

بیت

آں کس مذکّر نکند خوش نہ او را
گفتار بے بابی و کردار لیابی

سلطان المشائخ فرماتے تھے [۳۲۵] کہ چلنے والا کمال کی طرف جاتا ہے۔ یعنی سالک جب تک سلوک کی منزل میں گامزن ہے کمال کا امیدوار ہے۔

سالک کی تین قسمیں:

پھر فرمایا کہ اس راہ کے چلنے والے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ سالک، واقف اور راجع۔

سالک وہ ہے جو راستہ چلتا ہے۔ واقف وہ ہے کہ جس کی ترقی رک جائے اور راجع وہ جو اپنی اصلی حالت پر پھر واپس آ جائے۔ اس موقع پر کسی نے پوچھا کہ کیا سالک کی ترقی بھی رک جاتی ہے؟ فرمایا، ہاں، جب سالک کی اطاعت میں فتور آ جاتا ہے تو کچھ عرصے کے لیے اس کی ترقی روک دی جاتی ہے۔ اگر جلد اس کام سے توبہ کر کے راہ پر آ جاتا ہے اور توبہ و استغفار کرتا ہے، تو وہ سالک ہو سکتا ہے، لیکن اگر اسی کام پر عیاذاً باللہ جما رہے تو اس کے راجع ہونے کا اندیشہ ہے۔ بعدہ اس کی سات قسمیں بیان فرمائیں۔ یعنی اعراض، حجاب، تفاصل، سلب مزید سلب قدیم تسلی، عداوت۔

پھر آپ نے ان تمام قسموں کی تفصیل بیان فرمائی۔ فرمایا کہ فرض کرو دو دوست ہوں، جو دونوں عاشق و معشوق ہوں، ایک دوسرے کی محبت میں غرق۔ اس اثنا میں اگر عاشق سے کوئی حرکت ایسی سرزد ہو جائے، جو معشوق کے لیے ناپسند ہو، اس حرکت پر معشوق اس سے اعراض کرے یعنی منہ پھیر لے۔ پس عاشق کے لیے واجب ہے کہ معافی مانگ کر اُس رنجش کو دور کرے اور معذرت چاہے۔ اگر دوست اُس سے راضی ہو جاتا ہے تو وہ تھوڑا سا اعراض، جو پیدا ہو جاتا ہے، معدوم

ہو جاتا ہے ۔ لیکن اگر وہ اپنی خطا پر اصرار کرتا ہے اور معذرت نہیں کرتا تو وہ اعراض حجاب کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔ یہ عمل معشوق کے درمیان حجاب لاتا ہے ۔

پھر سلطان المشائخ نے حجاب کی مثال بیان دیتے ہوئے اپنی آستین مبارک سے اپنا چہرۂ مبارک ڈھانپ کر فرمایا کہ اس طرح عاشق و معشوق کے درمیان حجاب حائل ہو جاتا ہے ۔ پس عاشق کے لیے لازم ہے کہ محبوب سے معذرت کی کوشش کرے اور توبہ کے لیے گڑگڑائے ۔ اگر اس میں غفلت کرے گا تو وہ حجاب ، تفاصل سے بدل جائے گا اور وہ دوست اُس سے جدائی اختیار کر لے گا ۔ پس اوّلاً اعراض سے معاملہ آگے نہیں بڑھتا ، لیکن جب عاشق عذر نہیں کرتا تو پھر حجاب ، واقع ہوتا ہے ۔ اگر اس پر بھی جا رہتا ہے تو تفاصل ہوتا ہے ۔ اگر عاشق پھر بھی استغفار نہیں کرتا تو سلب مزید واقع ہوتا ہے ۔ یعنی جو اوراد و وظائف اور ذوقِ اطاعت اُس میں ہوتا ہے اُس سے مزید سلب کر لیا جاتا ہے ۔ اگر اس حال میں پہنچ جانے پر بھی معذرت نہیں کرتا اور اس پر جما رہتا ہے تو سلب قدیم واقع ہوتا ہے ، یعنی وہ طاعت و راحت جو سلب مزید سے پہلے رکھتا تھا ، وہ بھی اُس سے چھین لی جاتی ہے ، یعنی سلوک میں جو کچھ اس نے ترقی کی ہوتی ہے وہ سب ضایع ہو جاتی ہے ! ۔ اس منزل (تنزل) میں اگر بھی اگر وہ توبہ میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کے بعد تسلی [۳۲۵ کی منزل آتی ہے کہ محبوب اس کی جدائی پر اپنے دل کو مطمئن کر لیتا ہے ۔ اگر پھر بھی وہ محبوب کو راضی نہیں کرتا تو پھر عاشق اور محبوب کے درمیان عداوت و دشمنی واقع ہوتی ہے ۔ نعوذ باللہ منہا ۔

سلطان المشائخ سے ایک روز لوگوں نے پوچھا کہ مرید کو کیا کرنا چاہیے کہ اُسے قیامت کے دن مشائخ کے سامنے شرمندگی نہ ہو ؟ شاید کہ یہ نعمت ہمیں سلطان المشائخ کی تعلیم اور بندگی سے حاصل ہو سکے ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ سالک کو سلوک کی راہ میں ایسے احوال پیش آتے ہیں کہ جو اس کے حاکم وقت ہوتے ہیں ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شخص شیخ محمد اجل سرزی کا مرید ہوا ۔ وہ اس بات کا منتظر رہا کہ دیکھیے شیخ اس کے لیے کون سا وظیفہ تجویز فرماتے ہیں ۔ شیخ اجل سرزی نے اس سے فرمایا کہ جو بات تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرنا ۔ دوسروں کے لیے بھی وہی پسند

کرنا جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ چند دن کے بعد وہ مرید پھر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جس روز میں آپ کا مرید ہوا تھا، مجھے توقع تھی کہ اب مجھے کوئی وظیفہ تلقین فرمائیں گے، لیکن آپ نے کوئی وظیفہ تلقین نہیں فرمایا۔ خواجہ نے فرمایا کہ اس روز تمھارے تختۂ مشق کون سی بات تھی؟ مرید حیران رہ گیا اور اُس نے کچھ جواب نہیں دیا۔ شیخ اجل سرری نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا، کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ جو بات تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرو۔ اپنے لیے بھی وہی چاہو جو دوسروں کے لیے چاہتے ہو۔ جب تم نے پہلے ہی سبق کو درست نہیں کیا تو میں تم کو دوسرا سبق کیا دوں۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک آدمی ایک شیخ کا مرید ہوا۔ اس کے شیخ نے اس سے کہا کہ دو کام نہ کرنا، ایک خدائی کا دعویٰ دوسرے پیغمبری کا دعویٰ۔ مرید حیران رہا کہ اس کے شیخ نے یہ کیا بات کہی ہے۔ اُس نے اپنے شیخ سے اس کی وضاحت چاہی۔ شیخ نے فرمایا، دعوئِ خدائی یہ ہے کہ تم اپنے تمام کام اپنے مقصد کے مطابق چاہو اور دعوئِ پیغمبری یہ ہے کہ تم یہ چاہو کہ تمام خلقت تمھیں چاہے اور تم سے پیار کرے۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مرید کو چاہیے کہ کسی حال میں بھی کسی کی امانت قبول نہ کرے بلکہ اُسے کہہ دینا چاہیے کہ میں امانت قبول نہیں کرتا۔ اگر امانت کا رکھانے والا یہ کہے کہ صرف ایک رات کے لیے ہی اُسے اپنی دہلیز میں رکھ لو تو اُسے اس پر بھی راضی نہ ہونا چاہیے۔

فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی امانت قبول کرتا ہے تو وہ میرا مرید ہی نہیں۔

سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ کیا باپ اپنے بیٹوں کو مرید [۳۲۶] کر سکتا ہے؟ فرمایا، اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مرید کر سکتا ہے جیسا کہ خواجگانِ چشت اپنے بیٹوں کو مرید کرکے اپنا جانشین کرتے تھے۔

فرمایا کہ شیخ کے باپ ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں، لیکن باپ کے شیخ ہونے میں اختلاف ہے۔

ایک روز ایک مسافر سلطان المشائخ کی خدمت میں آیا۔ سلطان المشائخ نے اس سے پوچھا کہ آج کل شیخ شہاب الدین[1] کی مسندِ سجادگی پر ان کے فرزندوں میں سے کون سجادہ نشین ہے؟ اس نے عرض کیا کہ آج کل ان کے ایک پوتے مسندِ سجادگی پر متمکن ہیں، لیکن دنیا کے کاموں میں مشغول ہیں۔ تمام اوقاف ان کے ماتحت ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ احتساب کا عہدہ بھی اس کے سپرد ہے۔ اس مسافر نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے سر مبارک ہلایا اور فرمایا کہ ہر شریف اور بزرگ کا بیٹا شریف اور بزرگ نہیں ہوتا۔ اگر شریف و بزرگ نکل آئے تو محلِ تعجب ہوتا ہے۔

پھر حاضرینِ مجلس سے اس واقعہ کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک بزرگ نے اس قصے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ حق جل و علیٰ اس طرح اپنی قدرت کا کمال دکھاتا ہے، تاکہ بندہ اپنے عجز کا اقرار کرے کہ وہ شخص جو لوگوں کو بدرجۂ کمال پر پہنچاتا ہے اگر یہ بات اس کے اختیار میں ہوتی تو وہ اپنے بیٹوں کو سب سے اعلیٰ مرتبے پر پہنچاتا۔

و تعز من تشاء و تذل من تشاء و تخرج الحی من المیت و تخرج المیت من الحی۔

(اور (اے اللہ) تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ مردے سے زندہ اور زندہ سے مردے کو نکالتا ہے۔)

فرمانے لگے کہ بعض کہتے ہیں کہ میری حضرت خواجہ خضرؑ سے ملاقات ہوئی، لیکن مشائخ اس بات کو پسند نہیں کرتے۔

اسی موقع پر فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ایک صاحبزادے نے، جو سب صاحبزادوں میں بڑے تھے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکی کی قبر کی پائینتی جا کر بیعت کی اور سر منڈوایا۔ جب اس کی اطلاع شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر کو ملی تو آپ نے فرمایا، ویسے تو شیخ الاسلام قطب الدین قدس اللہ سرہ العزیز ہمارے خواجہ اور مخدوم ہیں، لیکن اس طرح بیعت درست نہیں ہے۔ بیعت وہ ہے کہ کسی زندہ پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دینا چاہیے۔

۱۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، مصنف "عوارف المعارف"۔

سلطان المشائخ سے حافظ سراج الدین بدایونی کا ایک سوال :

مولانا حافظ سراج الدین بدایونی نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ کیا یہ حدیث ہے کہ جس کا پیر نہیں ہوتا اُس کا پیر شیطان ہوتا ہے۔ فرمایا کہ نہیں بلکہ یہ قول مشائخ کا ہے۔

پھر اس موقع پر ایک درویش کا [۲۲۲] ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا کہ جو کسی کا مرید نہ ہو تو کہتا کہ یہ کسی پلٹے میں نہیں بیٹھا۔ اس واقعہ کے راوی نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا انسان کوئی وزن نہیں رکھتا۔ فرمایا کہ نہیں اس کا مطلب یہ نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی کسی پیر کا مرید ہوتا ہے تو جو کچھ عمل وہ مرید کرتا ہے، کل قیامت کے دن وہ عمل اس کے پیر کے پلڑے میں رکھا جائے گا۔ اسی لحاظ سے یہ محاورہ بنا ہے کہ فلاں آدمی کسی کے پلٹے میں نہیں بیٹھا ہے، یعنی پیر نہیں رکھتا۔

نکتہ

اس بارے میں کہ ایک شخص ایک پیر سے بیعت کرتا
ہے پھر اس کے بعد دوسرے شیخ یا پیر سے بیعت کرتا ہے

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ بعض درویش ایک پیر یا شیخ سے بیعت کرتے ہیں۔ اس کو کافی نہیں سمجھتے تو پھر دوسرے پیر کے پاس جاتے ہیں اور اس سے بیعت ہو کر خرقہ حاصل کرتے ہیں۔ میری رائے میں یہ صحیح نہیں کیونکہ مرید کو محبتِ الٰہی اُسی قدر حاصل ہوتی ہے، جس قدر وہ اپنے پیر سے محبت کرتا ہے۔ جب یہ دو پیروں کا مرید ہوگا اور دونوں سے خرقہ حاصل کرے گا تو یہ دو پیروں کا خرقہ اُسے کیسے راس آ سکتا ہے۔ بیعت دراصل وہی ہے جو پہلے پیر سے کی جائے خواہ وہ کوئی ہی ہو۔

پھر فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی بارہا فرمایا کرتے تھے کہ ہر در اور ہر سر نہیں ہونا چاہیے بلکہ ایک در کو پکڑو اور مضبوط پکڑو۔

منصور کے متعلق سوال :

سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ شیخ حسین منصور حلاج کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا ، وہ مردود ہے ۔ پہلے وہ خیر نساج[1] کا مرید ہوا ، پھر انھیں چھوڑ کر جنید[2] کے پاس آیا اور اُن سے بیعت کرنا چاہا ۔ جنید نے اس سے فرمایا کہ تم خیر نساج کے مرید ہو ، میں تمھیں بیعت نہیں کر سکتا ۔ اُنھوں نے اس کو رد کر دیا چونکہ جنید اپنے وقت کے مقتدی تھے ۔ ان کا اس کو رد کر دینا گویا تمام مشائخ کا رد کر دینا ہے ۔

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے قلم سے لکھا ہوا میں نے دیکھا ، اگر کہنے والا کہے کہ ہم نے بعض مشائخ ایسے دیکھے ہیں ، جنھوں نے ایک سے زیادہ پیروں سے فائدہ اُٹھایا ہے ، جیسا کہ ابی عثمان جو پہلے یحییٰ رازی[2] سے مرید ہوئے اور ان کی وفات کے بعد شاہ شجاع کرمانی[3] سے بیعت ہوئے ۔ اس کے بعد ابوحفص حداد[4] سے فائدہ اُٹھایا اور

۱۔ خیر نساج : آپ کی کنیت ابوالحسن ہے اور نام محمد بن اسماعیل ہے ۔ سامرہ کے رہنے والے تھے ، لیکن بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی ۔ ابوحمزہ بغدادی کی صحبت میں رہے اور حضرت سری سقطی کے مرید ہوئے ۔ خیر نساج کا تعلق دوسرے طبقے کے صوفیہ سے ہے ۔ ابراہیم خواص اور شبلی دونوں نے ان کی مجلس میں توبہ کی ۔ شبلی کو حضرت جنید کے پاس بھیج دیا ۔ ایک سو بیس سال کی عمر میں ۳۲۲ھ میں وفات پائی ۔ (نفحات الانس ، (اُردو ترجمہ) ، ص ۱۵۳)

۲۔ یحییٰ رازی : یحییٰ بن معاذ رازی ۔ کنیت : ابو زکریا ۔ لقب : واعظ یوسف بن حسین رازی : کہتے ہیں کہ ان کا شمار طبقہ اول کے صوفیہ میں ہوتا ہے ۔ وفات : ۲۵۸ھ (۵-۸۷۴ء) ۔ مدفن ۔ نیشاپور ۔ (نفحات الانس ، (اُردو ترجمہ) ، ص ۶۳ - ۶۴)

۳۔ شاہ شجاع کرمانی : دوسرے طبقے کے صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں ۔ ابو تراب نخشبی ، ابو عبداللہ ذراع بصری ، ابو عبید بصری کی صحبت میں رہے ۔ ابو عثمان خیری کے استاد ہیں ۔ بعض کے قول کے مطابق ۲۷۰ھ (۸۴ - ۸۸۳ء) میں اور بعض کے قول کے مطابق ۳۰۰ھ (۱۳ - ۹۱۲ء) میں وفات پائی ۔ (نفحات الانس ، اُردو ترجمہ ، ص ۹۷)

۴۔ ابو حفص حداد کا شمار طبقہ اول کے صوفیہ میں ہوتا ہے ۔ نیشاپور کے دیہات کے رہنے والے تھے ۔ آپ کا اصل نام عمرو بن سلمہ ہے ۔ ابو حفص نے ۲۶۴ھ (۷۸ - ۸۷۷ء) میں وفات پائی ۔ نفحات (اُردو ترجمہ ، ص ۶۶)

بلند مرتبے پر پہنچے - میں اُسے جواب دوں گا کہ تم بہت ہونے کی وجہ سے اپنے مطلوب سے دور ہو گئے - تمہیں جاننا چاہیے کہ پیری و مریدی کا تعلق ایک ایسا تعلق ہے کہ جس میں اپنے پیر کے سوا کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا اور تربیت و پرورش کا تعلق ایسا تعلق ہے کہ جس میں حقیقی مربی کے سوا اور بھی شریک ہو سکتے ہیں ، اس لیے کہ یہ جائز ہے کہ بچے کو ماں کے علاوہ کوئی دوسری دایہ دودھ پلائے ، بعینہٖ اسی طرح جب کسی کا شیخ وفات پا جائے تو اس کی وفات کے بعد وہ کسی دوسرے شیخ سے تربیت حاصل کر سکتا ہے ، جیسا کہ شیخ ابی نجیب سہروردی[1] ، کہ جب اُن کے شیخ ابو احمد غزالی نے وفات پائی ، تو اُنھوں نے اپنے شیخ ابو احمد غزالی کے اشارے سے شیخ حماد دبّاس سے استفادہ کیا -

نکتہ

توبہ اور استقامت کے بیان میں

توبہ اور اس کی قسمیں :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جب سالک سلوک کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو پہلے توبہ کرتا ہے ، توبہ کی دو قسمیں ہیں :

توبۂ عوام اور توبۂ خواص - توبۂ عوام ، گناہوں سے توبہ ہے اور توبۂ خواص ، ماسوی اللہ سے توبہ کرنا ہے - یہ توبہ سالک کرتے ہیں - اُنھیں چاہیے کہ وہ اس پر استقامت اختیار کریں . کیونکہ سلوک کی راہ سے اُسی وقت گزرا جا سکتا ہے کہ اس پر استقامت ہو اور سالک کا مقصد طلبِ جاہ و کرامت نہ ہو اور اس راہ میں جو استقامت مطلوب ہے ، وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اتباع سے ہے - یہ استقامت اس

۱- **شیخ نجیب الدین سہروردی** : شیخ ضیاء الدین ابو نجیب عبدالقاہر سہروردی - شیخ احمد غزالی کے خلفا میں تھے - اُن کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رض سے جا ملتا ہے - اُنھوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے بھی فیض حاصل کیا تھا - سنہ وفات ۵۶۳ھ (۱۱۶۸ - ۶۹ء) (مشائخ چشت ، ص ۱۱۰ ، ۱۲۰ - ۱۲۱ ؛ خزینۃ الاصفیا ، جلد دوم ، ص ۱۱)

درجے کی ہونی چاہیے کہ کوئی مستحب اور آداب ترک نہیں ہونا چاہیے ۔ خواجہ عطار فرماتے ہیں :

بیت

جاوید در متابعت مصطفیٰ گزیں
تا نور شرع او شودت بر تو مقتدا

اس کتاب کے باب اوراد میں وہ ماثورہ دعائیں تحریر کی گئی ہیں جن سے توبہ پر استقامت حاصل ہوتی ہے ۔

جب کوئی شخص توبہ کرتا ہے تو اس نے توبہ سے قبل جو گناہ کیے ہیں ، اس سے ان کا مواخذہ نہ ہوگا ۔

فرمایا ۔ اگر کوئی شخص شراب سے توبہ کرے اور اس کے سابقہ دوست و احباب اسے پھر ایسا کرنے کی ترغیب دیں ، اور بار بار شراب پینے کے لیے اسے سبز باغ دکھائیں اور وہاں بلائیں جہاں شراب پی جاتی ہے اور کوشش کریں کہ وہ پھر شراب پینے لگے ۔ ممکن ہے کہ ان ترغیبات سے ایسے شخص کے دل میں کچھ اس کے پینے کی خواہش پیدا ہو ، لیکن اگر توبہ کرنے والے کا دل بالکلیہ اس سے صاف ہوتا ہے اور وہ اس منزل میں ہوتا ہے کہ کسی دوست اور یار کی ترغیب اس کے عزم کو متزلزل نہیں کر سکتی تو یہ اس کے توبہ کے سچے ہونے کی دلیل ہے اور سابقہ ہمنشینوں سے قطع تعلق کی دلیل ہے ۔

پھر فرمایا کہ اگر توبہ کرنے والے کے سامنے اس کام کا ذکر کیا جائے تو سمجھو کہ ابھی اس کے دل میں اس فسق کا کچھ شائبہ باقی ہے ، لیکن جب تائب سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے تو پھر کوئی شخص بھی اس گناہ کا اس کے سامنے نام لینے کی جرأت نہیں کرتا ۔ یہ تمام باتیں سچی توبہ اور اس قسم کے دوستوں سے قطع تعلق کی دلیل ہیں ۔ جو اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ توبہ کرنے والا اپنی توبہ پر مستقیم ہے ۔ نہ اس کو [۳۲۹] گناہ کی طرف بلایا جا سکتا ہے ، نہ اس کے سامنے فسق کا نام لیا جا سکتا ہے ۔

پھر فرمایا کہ ایسا شخص جب کسی شیخ کا ہاتھ پکڑتا ہے اور بیعت کرتا ہے تو اس کا عہد خدا سے عہد ہوتا ہے ۔ اسے چاہیے کہ وہ اپنے عہد پر ثابت قدم رہے ۔ اگر اس کو استقامت میسر نہیں ، تو ایسا شخص خواہ کسی کا بھی ہاتھ پکڑ لے ، وہ ویسا ہی رہے گا ، جیسا کہ وہ ہے ۔

پھر فرمایا کہ جب کوئی آدمی توبہ کرے تو اُسے چاہیے کہ وہ توبہ کرنے سے پہلے ان لوگوں کے پاس جائے ، جن کو اس نے برا کہا ہے ۔ اُن سے اپنے اس گناہ پر معذرت کرے اور معافی چاہے اور ان کو راضی کرے ۔ اگر وہ مر چکے ہوں تو اُن کی اُتنی ہی تعریف کرے جتنا ان کو برا کہا تھا ۔ اگر کسی ایسے شخص کو اس نے قتل کیا ہو ، جس کا کوئی والی نہ ہو کہ جو اس کا خون بہا لے تو اس کے بدلے غلام آزاد کرے ۔ ایسا شخص جو غلام آزاد کرتا ہے ، وہ گویا مُردے کو زندہ کرتا ہے ۔ اگر کسی منکوحہ یا مملوکہ سے زنا کیا ہو تو اُس سے معافی نہ مانگے ، بلکہ خدا کے سامنے اس فعل شنیع سے توبہ کرے ۔ اگر شرابی شراب سے خود توبہ کرے تو خدا کی راہ میں لوگوں کو عمدہ شربت اور ٹھنڈا پانی پلائے ۔

پھر ارشاد فرمایا کہ جو شخص گناہ کرتا ہے اس کا چہرہ گناہ کی جانب ہوتا ہے اور پیٹھ خدا کی طرف ہوتی ہے اور جب وہ گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو پیٹھ گناہوں کی طرف ہونی چاہیے اور چہرہ حق کی طرف ۔

پھر فرمایا کہ جو تائب ہو اسے طاعت میں ذوق کامل حاصل ہونا چاہیے اور توبہ کرنے کے بعد جو شخص عیاذاً باللہ گناہ کی طرف لوٹتا ہے تو وہ ان میں سے ہے جو نور طاعت سے ذوق حاصل نہیں کرتا ۔

پھر فرمایا کہ جوانی میں توبہ اور انابت کا لطف ہے ۔ بڑھاپے میں اگر توبہ نہیں کرے گا تو کیا کرے گا ۔

پھر یہ دو شعر پڑھے :

چو پیر شوی و بد سر انجام
آئی سر کار خود بنا کام
سازی رہِ حق را ز تیرہ رائی
معشوقہ ٔ زور بے نوائی

اس کے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ اپنے بندے سے اس کی جوانی کے متعلق پوچھے گا ۔ مثنوی حکیم سنائی (بڑھاپے اور جوانی کے متعلق) :

راکعم کرد روزگار حسود
از پس ایں رکوع چیست سجود

تا جوانی مدد کہ با من بود
چہرۂ عمرم پر آب و روشن بود
خوش خوش از من جہان پر دل و عار
عاریتہا ہمی ستاند باز (۲۲۰)
پنبہ از گوش کرد بیرون مرگ
کہ بسازی برائے رفتن برگ
دل از این عمر مختصر برگیر
کز چنین عمر کس نگردد پیر
مرد پیر از بلائے جانان شد
با چنین عمر پیر نتوان شد
سست پیر از بلای دہن است
آنک گویند پیر پیران ست
سیرم از عمر و زندگانی خویش
می بگریم بر این جوانی خویش
این حیاتم مرا ملال آمد
زندگانی مرا وبال آمد

توبہ کی تین قسمیں :

پھر ہم اصل مقصد کی طرف لوٹتے ہیں ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ توبہ تین قسم کی ہے ۔ اس میں پہلی قسم حال ہے ، دوسری ماضی ، تیسری مستقبل ہے ۔ حال کی توبہ یہ ہے کہ انسان اپنے کیے ہوئے پر نادم ہو ۔ دوسری قسم ماضی کی توبہ یہ ہے کہ اپنے دشمنوں کو راضی کرے ۔ اگر کسی نے کسی کے دس درم غصب کیے ہیں اور وہ صرف توبہ توبہ کرتا رہتا ہے ، تو یہ توبہ نہیں ہوتی ، تاوقتیکہ وہ دس درم اس کے مالک کو واپس نہ کر دیے جائیں ۔ تیسری قسم کی توبہ کا تعلق مستقبل سے ہے ۔ وہ یہ ہے کہ پختہ نیت کرے کہ پھر دوبارہ وہ گناہ نہیں کرے گا ۔

پھر فرمایا کہ جب میں شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر کا مرید ہوا اور توبہ کی ، تو بار بار یہ ارشاد فرماتے تھے کہ دشمنوں کو خوش کرنا چاہیے ۔ اس باب میں آپ ہم کو بہت تاکید فرماتے تھے ۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس زمانے میں مجھ پر بیس جیتل قرض لئے

تھے اور ایک کتاب میں نے کسی سے عاریۃً لی تھی ، جو مجھ سے گم ہو گئی تھی ۔ چونکہ شیخ کبیر دشمنوں کے خوش کرنے کی بار بار تاکید فرماتے تھے ۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ مخدوم چونکہ مکاشفِ عالم ہیں ، آپ پر میری یہ دونوں باتیں کھل گئی ہیں ۔ چنانچہ میں نے پختہ ارادہ کیا کہ اب کی مرتبہ جب میں دہلی جاؤں گا ، ان دونوں کو راضی کروں گا ۔ جب میں دہلی آیا تو مجھے جس کے بیس جیتل دینے تھے ، وہ بزاز تھا اور میں نے اس سے اُدھار کپڑا خریدا تھا ۔ مختصر یہ ہے کہ کبھی میرے پاس بیس جیتل اکٹھے نہ ہو سکے کہ میں اس کا یہ قرض ادا کر دیتا ۔ میرا ذریعۂ معاش اس قدر تنگ تھا کہ کبھی پانچ جیتل ہاتھ آتے اور کبھی دس جیتل ، یہاں تک کہ ایک بار گیارہ جیتل ہاتھ لگے ۔ میں اس بزاز کے گھر آیا اور اُسے آواز دی ۔ وہ گھر سے باہر آیا ۔ میں نے اس سے کہا کہ تمھارے بیس جیتل کا میں مقروض ہوں ۔ میں اپنی تنگ دستی کی وجہ سے اب تک ادا نہیں کر سکا ہوں ۔ میں چاہتا تھا کہ میں ایک دم تمھارا سارا قرض چکا دوں مگر یہ ممکن نہ ہوا ۔ اب میں دس جیتل لے کر آیا ہوں یہ لے لو اور باقی دس جیتل میں انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی ادا کر دوں گا ۔ اس نے دس جیتل لے کر مجھ سے کہا ، [۳۳۱] بے شک تم جہاں سے آ رہے ہو وہاں سے یہی توقع کی جا سکتی ہے ۔ میں نے باقی دس جیتل تم کو بخشے ۔

پھر میں اُس شخص کے پاس گیا کہ جس سے میں نے کتاب لی تھی ۔ میں نے اس سے کہا کہ میں نے تم سے ایک کتاب عاریۃً لی تھی ۔ وہ کتاب مجھ سے گم ہو گئی ۔ اب میں اس کتاب کا نسخہ حاصل کر کے اس کی نقل کرواؤں گا اور تمھیں پہنچاؤں گا ۔ اس نے کہا ، بے شک جہاں سے تم آئے ہوئے ہو ، وہاں سے اسی ثمرے کی اُمید کی جا سکتی ہے ۔ پھر اُس نے کہا کہ میں نے وہ کتاب آپ کو بخشی ۔ پھر ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں ۔

متقی اور تائب کی توضیح :

بعد ازاں سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک متقی ہوتا ہے اور ایک تائب ۔ متقی وہ ہے کہ جو گناہ سے کبھی ملوث نہ ہوا ہو اور تائب وہ ہے کہ جس نے ذوقِ گناہ چکھا ہو اور پھر توبہ کی ہو ۔ اس مسئلے میں بعض کہتے ہیں کہ متقی اور تائب دونوں برابر ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ تائب

متقی سے افضل ہے کہ اس نے گناہ کی لذت حاصل کرکے گناہ سے توبہ کی ہے کیونکہ جس نے گناہ کا ذائقہ چکھا ہو ، وہ اس سے افضل ہے کہ جس نے گناہ کی لذت کبھی چکھی نہ ہو ۔ بعض کی رائے ہے کہ متقی افضل ہے تائب سے ۔ اس قول کی صحت کے بارے میں سلطان المشائخ نے ایک حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ دو شخصوں میں بحث ہوئی ۔ ایک کہتا تھا کہ متقی تائب سے افضل ہے اور دوسرا کہتا تھا کہ تائب متقی سے افضل ہے ۔ ان دونوں کی اس بحث نے طول کھینچا ۔ آخر یہ دونوں اس زمانے کے پیغمبر کے پاس گئے اور ان سے اپنی بحث کا فیصلہ چاہا ۔ پیغمبر نے ان دونوں سے فرمایا کہ میں خود سے اس بحث کا فیصلہ نہیں کر سکتا ۔ مجھے وحی کا انتظار ہے کہ اس بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے ۔ اس عرصے میں ان پیغمبر کو خدا کا حکم ہوا کہ ان دونوں آدمیوں کو بلاؤ اور ان سے کہو کہ تم دونوں آج رات ایک جگہ رہو ۔ صبح سویرے جو شخص تمہیں سب سے پہلے ملے اس سے اس امر کا فیصلہ چاہو ۔ چنانچہ ان دونوں نے اس پر عمل کیا ۔ جب وہ صبح کو گھر سے باہر نکلے تو سب سے پہلے جو آدمی ان کے سامنے آیا ، ان دونوں نے اس سے کہا کہ جناب ہم کو ایک مشکل مسئلہ درپیش ہے ، براہِ کرم اس کو حل کر دیجیے ۔ اس آدمی نے پوچھا کہ وہ کون سا مسئلہ ہے ؟ ان دونوں نے کہا کہ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ جس نے گناہ نہ کیا ہو وہ افضل ہے یا وہ کہ جس نے گناہ کرکے توبہ کی ہو ، اس سے افضل ہے کہ جس نے گناہ ہی نہ کیا ہو ۔ اس آدمی نے کہا ، بھائیو ! میں جلاہا ہوں ۔ میں پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں ۔ میں تمہارے اس مسئلے کو کس طرح حل کر سکتا ہوں ۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں جو کپڑا بنتا ہوں اس میں بہت سے تار ہوتے ہیں ۔ جب اس کے بعض تار ٹوٹ جاتے ہیں تو میں انھیں پھر سے جوڑتا ہوں ۔ [۲۳۲] میرے نزدیک وہ تار ان تاروں سے بہتر ہوتا ہے ، جو نہ ٹوٹے ۔ اس آدمی کی یہ بات سن کر دونوں کے دونوں ان پیغمبر کے پاس آئے اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا ۔ ان پیغمبر نے کہا کہ تمہارے سوال کا جواب وہی ہے ، جو اس شخص نے دیا ۔

میں نے سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ :

اے داؤد ! گنہگاروں سے کہہ دو کہ قیامت کے قائم ہونے

سے پہلے توبہ کرو کیونکہ قیامت کے دن گنہگار میری طرف کن انکھیوں سے دیکھیں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ بندہ جب پہلی مرتبہ گناہ کرتا ہے، اس کا گناہ نہیں لکھا جاتا، یہاں تک کہ وہ دوسری مرتبہ گناہ کرتا ہے۔ اس طرح اس کے گناہ جمع ہوتے رہتے ہیں۔ اس زمانے میں اگر وہ ایک نیکی کرتا ہے تو اس کے عوض اس کی پانچ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور مزید پانچ نیکیاں ان پانچ گناہوں کے مقابل لکھی جاتی ہیں، جو اس نے نیکی سے پہلے کیے تھے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ زنا سے توبہ کرنا آسان ہے، بہ نسبت غیبت سے توبہ کرنے کے۔ گناہ سے باز رہنا مومنوں کی صفت ہے اور خدا کی طرف رجوع کرنا مقربین کی صفت ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ قلب غیب لے کر آیا ہے۔ اللہ کی رضا کے خلاف باتوں سے باز رہنا صفت مرسلین کی ہے۔ بہترین بندہ وہ ہے کہ جس پر اوّاب کا لفظ صادق آتا ہے۔ بوڑھے توبہ کرنے والے کو کہا گیا کہ تو نے توبہ کرنے میں دیر بھی کی اور جلدی بھی کی۔ تو نے اس لحاظ سے دیر کی کہ بڑھاپے میں توبہ کی اور اس لحاظ سے جلدی کہ کی تو نے موت سے پہلے توبہ کی۔ شعر

اے میرے معبود! میں نے ان گناہوں سے توبہ کی جو مجھ سے سرزد ہوئے تھے۔ پس میرے گناہوں کا پردہ پوش ہو اور مجھ پر مہربانی کر اور اے معبود! مجھ سے مہربانی سے پیش آ اور مجھ سے میرے گناہوں کی وجہ سے کنارہ نہ کر۔ قیامت کے دن میرا مددگار ہو اور جیسا کہ تو نے اپنی ذات کے بارے میں میرے گمان کو نیک کیا ہے، ویسے ہی مجھ پر احسان کر۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ کسی پیر کا قول ہے کہ دو چیزیں [۲۲۳] اللہ تعالیٰ کی عنایت ہیں اور وہ اس کو عزیز ہیں۔ ایک جوانی میں با عصمت رہنا، دوسرے آخر میں توبہ کرنا۔ (دعا ہے کہ) یہ دونوں چیزیں حق تعالیٰ کی مہربانی سے اور حضرت سلطان المشائخ کی برکت سے سلسلۂ چشتی نظامی کے تمام مریدوں اور غلاموں کا مقدر ہوں۔

نکتہ

پیر کے حکم کرنے اور مرید کے پیر کے ارشاد کی تعمیل کرنے کے بارے میں

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ مرید کو چاہیے وہ وہی کرے جو اس کا پیر اُس کو حکم دے۔ لیکن پیر کو ایسا ہونا چاہیے کہ احکام شریعت و طریقت کا عالم ہو تاکہ وہ مرید کو غیر شرعی باتوں کا حکم نہ دے۔ اگر مرید کو کسی ایسی بات کے کرنے کے لیے کہے، جس میں علماء کا اختلاف ہو تو ایسی صورت میں مرید کو وہی کرنا چاہیے جس کو اس کا پیر حکم دے۔ اس لیے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے۔ مرید کو سمجھ لینا چاہیے کہ شیخ نے کسی مجتہد کے قول کے مطابق حکم دیا ہے۔ مرید کو پیر کے اسرار پر کام کرنا چاہیے۔ جو شخص کسی پیر کا مرید ہوتا ہے، اُس کو تحکیم کہتے ہیں، یعنی اپنے پیر کو اپنے حق میں حاکم بناتا ہے۔ پس جو کچھ پیر کہے اور مرید اس پر عمل نہ کرے تو یہ تحکیم نہ ہوئی اور اگر مرید پیر کے بعض قول اور فعل کا انکار کرتا ہے، وہ مرید نہیں ہوتا۔

پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بڑھیا تھی۔ وہ روزانہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کی خانقاہ میں آتی اور جھاڑو دیتی۔ شیخ ابوسعید نے اس سے پوچھا کہ تم اس جھاڑو دینے سے کیا مقصد رکھتی ہو؟ کچھ بتاؤ تو سہی تاکہ تمہارا مدعا پورا کیا جائے۔ اس بڑھیا نے کہا کہ میں اس بارے میں ایک مقصد رکھتی ہوں۔ جب وقت آئے گا تو میں آپ سے بیان کروں گی۔ القصہ بڑھیا برابر یہ خدمت انجام دیتی رہی، یہاں تک کہ ایک خوب صورت نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے بیعت کی۔ بڑھیا آئی اور شیخ سے عرض کیا کہ اس نوجوان سے کہیے کہ وہ مجھ سے نکاح کر لے۔ شیخ نے بڑھیا کی یہ بات سن کر اپنے دل میں کہا کہ یہ عورت بڑھیا اور بدصورت ہے اور وہ جوان خوب صورت ہے، ان دونوں کا جوڑ کیسے ہو سکتا ہے۔ شیخ تین شب و روز خلوت میں رہے۔ نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ تین شب و روز کے بعد آپ نے اُن دونوں کو اپنے سامنے بلایا اور اُس جوان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اس بڑھیا سے نکاح کر لو۔ جوان نے نہایت رضا و رغبت سے آپ کی اس بات کو

قبول کر لیا ۔ پھر بڑھیا نے عرض کیا کہ آپ اس نوجوان سے کہیے کہ وہ جلوہ کرے جیسا کہ عروسی کی رسم ہے ۔ شیخ نے حکم دیا کہ وہ ایسا ہی کرے اور ارشاد فرمایا کہ شادی کے موقع پر کھانا جو پک رہا ہے اُسے دوگنا کریں ۔ اس موقع پر بڑھیا نے عرض کیا کہ آپ اس جوان کو حکم دیں کہ وہ مجھے اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کر تخت پر بٹھائے ۔ شیخ نے اُس نوجوان سے فرمایا کہ ایسا ہی کرو ۔ جب اُس نوجوان نے بڑھیا کو زمین سے اُٹھا کر [۳۳۴] تخت پر بٹھایا تو اس بڑھیا نے کہا کہ اے شیخ ! اس جوان نے مجھ کو خاک سے اُٹھا کر تخت پر بٹھایا ہے ۔ اب اس سے کہیے کہ مجھے پھر خاک میں نہ ڈالے ۔ اس کام کو وفا کے ساتھ پورا کرے اور مجھے پیٹھ نہ دکھائے ۔ شیخ نے اس جوان سے وہی کہا ۔ جوان نے یہ بات بھی منظور کر لی ۔

نکتہ

تجدید بیعت کے بارے میں

تجدید بیعت کا استدلال :

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ، جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے مکۂ معظمہ کا ارادہ کیا تو مکہ فتح ہونے سے پہلے آپ نے امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کو قاصد بنا کر مکے والوں کے پاس بھیجا ۔ لوگوں نے آپ تک یہ خبر پہنچائی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے یہ خبر سنی تو صحابہ رضوان علیہم کو طلب کیا اور فرمایا ، آؤ اور بیعت کرو تاکہ ہم اہلِ مکہ سے جنگ کریں ۔ صحابہؓ نے بیعت کی ۔ اُس وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے ۔ اس بیعت کو "بیعتِ رضواں" کہتے ہیں ۔ جب آپ یہ بیعت لے رہے تھے تو اس وقت ایک صحابی ، جن کو ابنِ اکوعؓ کہتے تھے ، آئے اور آپ سے بیعت کی درخواست کی ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اُن سے پوچھا ، کیا تم نے اس سے پہلے بیعت نہیں کی ؟ اُنھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے بیعت کی تھی ، لیکن اب میں تجدید بیعت کرتا ہوں ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اُنھیں

بیعت کیا۔ تجدید بیعت، جو مشائخ کرتے ہیں، وہ اسی واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔

ایک جوان نے سلطان المشائخ سے بیعت کی، شاید اُسے کسی طرف سے ایذا پہنچی تھی۔ سلطان المشائخ نے اس کے بارے میں یہ شعر فرمایا:

اے بسا شیرکاں سرا آہو ست
اے بسا دردکاں سرا دارو ست

شیخ کے جامۂ مبارک سے بیعت:

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ میں اپنے شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے جامۂ مبارک سے تجدید بیعت کرتا ہوں۔ اغلب گمان یہ ہے کہ شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر نے بھی اپنے پیر کے جامۂ مبارک سے تجدید بیعت کی تھی۔

کاتب حروف نے ایک کتاب میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ پیر کے جامے کو سامنے رکھ کر بیعت کرنا ایسا ہی ہے گویا اس نے پیر کی بیعت کی ہے میں حق تعالیٰ سے اُمیدوار ہوں کہ اس بے چارے کو بھی اُس زُمرے میں داخل کرے۔ اب میں اپنے خواجۂ خواجہ اور خواجگان چشت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے ان باتوں کا عہد کرتا ہوں کہ میں اپنی زبان اور کان کو گناہوں سے محفوظ رکھوں گا اور شریعت کے جادے پر مستقیم رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھ بے چارے کو دین کے کاموں کی توفیق اور رب العالمین کی محبت عطا فرمائے اور مجھے میرے مخدوم [۳۳۵] کے غلاموں کے زُمرے میں رکھے۔ یہ ضعیف کہتا ہے:

بیت

عہد کردیم کہ دل در خمِ زلفِ تو نہیم
جانِ مشتاق بزیرِ سُمِ اسپِ تو نہیم

ایک دفعہ ایک شخص نے سلطان المشائخ سے تجدیدِ بیعت کی۔ اُس وقت یہ شعر آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا:

بیت

در عشقِ تو کارِ خویش ہر روز
از سر گیرم زہے سروکار

نکتہ

مرید کا پیر پر اعتقاد ہونے کے بارے میں

پیر کی عقیدت و محبت کے بارے میں سلطان المشائخ کے ارشادات :

خوش اعتقاد مریدوں کے روشن دل پر یہ حقیقت واضح ہو کہ مرید کے دل میں پیر کی عقیدت اس درجہ اور اس حد تک ہونی چاہیے کہ وہ اپنے زمانے میں اپنے پیر سے بڑھ کر کسی کو نہ جانے اور صرف یہ جانے کہ میرا پیر ہی خدا تک پہنچا سکتا ہے ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

کہ نیست در ہمہ عالم باتفاق امروز
جز آستانۂ تو مقصدے و منجائے

اگر سست اعتقاد مرید کے دل میں یہ خطرہ گزرے کہ دنیا میں میرے پیر جیسا کوئی ہے کہ جو خدا تک پہنچا سکتا ہے ، تو یقیناً ایسے مرید کے دل پر شیطان ملعون قبضہ کر لیتا ہے ۔ اس پر پیر کے ساتھ مشغولی کے ہر دروازے کو بند کر دیتا ہے ۔ اس کے اعتقاد میں خلل ڈالتا ہے اور اسے ایسی راہیں دکھاتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کے اعتقاد و ارادت میں فساد واقع ہو ۔ نعوذ باللہ منہا ۔

سلطان المشائخ سے سوال کیا گیا کہ اگر پیر اپنے مرید کے حالات کی جستجو کرے اور اس کے عمل کو اچھا نہ پائے ، لیکن اس کے اعتقاد کو درست اور مضبوط پائے تو ایسے مرید کے لیے فلاح کی کوئی امید ہو سکتی ہے ؟ فرمایا ، ہاں ۔ اس کام میں اصل بات اعتقاد ہے ، جیسا کہ عالمِ ظاہر میں اصل ایمان ہے ۔ جس طرح کہ ایمان کی درستی کے لیے ضروری ہے کہ مومن کا اعتقاد و ایمان وحدانیتِ باری تعالیٰ اور رسالتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر درست ہو ، اسی طرح مرید کے لیے ضروری ہے کہ پیر کے حق میں اس کا اعتقاد درست ہو ۔ جس طرح مومن گناہ کے سرزد ہو جانے سے کافر نہیں ہو جاتا ، اسی طرح اگر مرید کا اعتقاد اپنے پیر کے ساتھ درست ہو تو اس کی لغزش سے اس کے طریقت سے مرتد ہونے

پر حکم نہیں لگایا جا سکتا ، اس لیے کہ ممکن ہے ایسا شخص اپنے پیر پر اعتقاد صحیح ہونے کی برکت سے اپنی اصل کی طرف لوٹ آئے۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک موقع پر شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ جو شخص درست عقیدہ لے کر مرید ہونے آتا ہے ، وہ جوہر قابل کا مالک ہوتا ہے۔ ایسے شخص کا دل اپنے درست عقیدے کی وجہ سے فرحت حاصل کرتا ہے اور اپنے عقیدت ہی کے مطابق ہر شخص اپنا حصہ حاصل کرتا ہے۔

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک شخص کھتوتی سے شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز [۳۳۶] کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا ، کہاں سے آئے ہو اور کس ارادے سے آئے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ دعائے خیر کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے اپنے مریدوں اور فرزندوں سے فرمایا کہ اس کے لیے دعائے خیر کرو اور فاتحہ پڑھو۔ جب لوگ جمع ہوگئے تو پھر اس شخص سے دوسری مرتبہ فرمایا کہ کس نیت سے آئے ہو۔ پھر اس نے عرض کیا کہ دعائے خیر کے لیے اور فاتحہ کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ یہ سن کر رو دیے اور فرمایا کہ عقیدہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ پھر دعائے خیر اور فاتحہ کے بعد فرمایا کہ اس کا عقیدہ اس کے عمل سے اچھا ہے ، کیونکہ عمل کا اثر اپنی ذات پر ہوتا ہے اور عقیدے کا غیر پر۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک درویش کو سانپ نے کاٹ کھایا۔ اس درویش نے کہا کہ اگر میرا اعتقاد اپنے پیر پر صحیح ہے تو میرے لیے کسی علاج کی ضرورت نہیں اور اگر میرا عقیدہ اپنے پیر کے ساتھ صحیح نہیں تو ایسے شخص کا مر جانا زیادہ بہتر ہے۔

کاتب حروف عرض کرتا ہے کہ درویش سے مراد سلطان المشائخ کی خود اپنی ذات مبارک تھی۔ آپ جب حضرت شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی زیارت کے لیے جا رہے تھے ، تو سرسہ کے جنگل میں حضرت سلطان المشائخ کو سانپ نے کاٹ لیا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے نکتۂ کرامات میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس لیے حضرت سلطان المشائخ نے متعدد بار شیخ شیوخ العالم والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک درویش کو یہ واقعہ پیش آیا ، یا ایسا کام پیش آیا۔

میں نے اسی موقع پر سمجھ لیا کہ آپ کی اس درویش سے مراد خود سلطان المشائخ کی اپنی ذات ہے ۔ اس واقعہ کے بیان کرنے میں بھی سلطان المشائخ نے اس رعایت کو ملحوظ رکھا ہے ۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین کو ایک دعا ہاتھ لگی ۔ فرمایا ، کوئی ہے جو اس دعا کو یاد کرلے ۔ میں نے خیال کیا کہ شیخ کا مطلب یہ ہے کہ میں اس دعا کو یاد کروں ۔ آپ نے وہ دعا مجھ کو دی ۔ میں نے عرض کیا میں ایک دفعہ اس دعا کو آپ کے سامنے پڑھنا چاہتا ہوں ۔ پھر میں اسے یاد کروں گا ۔ آپ نے فرمایا ، اچھا پڑھو ۔ جب میں نے وہ دعا پڑھنی شروع کی ، تو آپ نے اس کے اعراب کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح پڑھو ۔ میں نے اسی طرح اس دعا کو پڑھا جس طرح آپ فرماتے جاتے تھے ۔ اگرچہ میرا پڑھنا بھی بے معنی نہ تھا ، لیکن میں نے اسی طرح پڑھا جس طرح آپ فرماتے گئے ۔ الغرض مجھے وہ دعا اسی وقت یاد ہوگئی ۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں دوبارہ اس دعا کو آپ کے سامنے پڑھوں ۔ فرمایا کہ پڑھو ۔ اب کی مرتبہ [۳۳۷] میں نے اس دعا کو ان اعرابوں کے ساتھ پڑھا ، جو شیخ نے اصلاح فرمائی تھی ۔ جب میں شیخ کی مجلس سے باہر آیا تو مولانا بدرالدین اسحاق نے مجھ سے کہا کہ تم نے بہت ہی اچھا کیا جو شیخ کے بتائے ہوئے اعراب کے مطابق اس دعا کو پڑھا ۔ میں نے عرض کیا کہ اگر سیبویہ بھی ، جو اس علم کا موجد ہے اور دوسرے وہ دانشور جو ان قواعد کے بانی ہیں ، مجھ سے یہ کہیں کہ اس دعا کے اعراب وہی صحیح ہیں ، جو تم نے پڑھے تھے ، میں اب بھی اسی طرح پڑھوں گا جیسا کہ شیخ نے مجھے تلقین کی ہے ۔ شیخ بدرالدین اسحاق نے کہا کہ وہ آداب ، جو تم شیخ کی مجلس میں ملحوظ رکھتے ہو ، سچ تو یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کو میسر نہیں ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جب شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز پر بیماری کا غلبہ ہوا تو ایک روز ماہ رمضان میں آپ کے لیے خربوزہ لایا گیا ۔ لوگ شیخ کو وہ خربوزہ قاشیں کرکے دے رہے تھے کہ اتنے میں میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا ۔ آپ نے اس خربوزے کی ایک پھانک مجھے بھی اپنے ہاتھ سے عنایت فرمائی ۔ میں چاہتا تھا کہ شیخ کی اس عطا کردہ نعمت کو فوراً کھا لوں کیونکہ آپ کے ہاتھ کا

عطا کردہ تبرک پھر مجھے کہاں ملے گا۔ حالانکہ میں روزے سے تھا۔ میرا ارادہ ہوا کہ میں اس روزہ توڑنے کا کفارہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ کر ادا کروں گا۔ شیخ نے میرے اس ارادے کو بھانپ کر مجھے اس ارادے سے روکا اور فرمایا، ایسا نہ کرو۔ مجھے تو بیماری کی وجہ سے شرعاً اجازت ہے۔ تمھارے لیے یہ کھانا جائز نہیں۔ میں نے تو تمھارے اعتقاد کی آزمائش کے لیے یہ پھانک دی تھی۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے مولانا بدرالدین اسحاق کو آواز دی۔ وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ اُنھوں نے نماز کی ہی حالت میں جواب دیا، حاضر ہوں۔ پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے کھانے کے دوران کسی صحابی کو آواز دی۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ جواب میں دیر کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب خدا اور اس کا رسول بلائے تو فوراً جواب دینا چاہیے۔ اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ پیر کا فرمان بھی رسول کے فرمان کی طرح ہے۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی کو اپنے پیر سے ایک رومال ملا تھا۔ اس کو وہ ہمیشہ محفوظ رکھتے اور اس سے برکت حاصل کرتے۔ ایک دن وہ سو رہے تھے اور وہ رومال ان کی پائنتی رکھا ہوا تھا۔ اتفاق سے اُن کا پاؤں سوتے میں اس رومال سے لگ گیا۔ جب وہ بیدار ہوئے تو سخت پریشان اور مضطرب ہوئے، یہاں تک کہ اس پریشانی میں کہنے لگے کہ کل قیامت کے دن بھی میں اپنی اس بات پر شرمندہ و غمگین ہوں گا۔

پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص شبلی کی خدمت میں آیا اور کہا، میں آپ کا مرید [۳۳۸] ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ میں اس شرط کے ساتھ مرید کروں گا کہ اگر تم سچی ارادت کے ساتھ آئے ہو تو جو میں تم کو حکم دوں گا وہ تمھیں کرنا پڑے گا۔ اس شخص نے کہا، میں ایسا ہی کروں گا۔ شبلی نے اس سے کہا کہ تم کلمۂ شہادت کیسے پڑھتے ہو۔ اس شخص نے کہا، میں اس طرح پڑھتا ہوں، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ شبلی نے کہا، یوں پڑھو لا الہ الا اللہ اور حضورؐ کی جگہ اپنا نام لیا۔ اُس نے فوراً اسی طرح پڑھا۔ اس کے بعد شبلیؒ نے اُس سے فرمایا

کہ شبلی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ایک بندۂ کمینہ ہے۔ بلاشبہ رسول آپ ہی ہیں۔ میں تو صرف تمہارے اعتقاد کا امتحان لے رہا تھا۔

شیخ مجدد الدین بغدادی نے "تحفۃ البراۃ" میں لکھا ہے کہ کچھ لوگ تجارت کے لیے کہیں جانا چاہتے تھے، لیکن ڈاکوؤں سے اپنے مال اور جان کے خطرے کی وجہ سے ڈرتے تھے۔ وہ سب کے سب حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے عرض کیا کہ ہم لوگ سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ ہمارے لیے کوئی دعا یا وظیفہ تجویز فرمائیں تاکہ ہم اس کی برکت سے محفوظ و مامون رہیں۔ شیخ نے فرمایا، تم اللہ کا نام لے کر جاؤ۔ اگر راستے میں کوئی خوف یا خطرہ پیش آئے، تو میرا نام لینا اور کہنا، ابوالحسن خرقانی۔ اس نام کا ورد کرتے رہنا، جب تک کہ تم اس خوف و ہراس سے نجات نہ پاؤ۔ جب انہوں نے شیخ کی یہ بات سنی تو بعضوں نے ان کی اس بات کو مان لیا۔ اس کے بعد وہ سب ایک ساتھ روانہ ہوئے۔ راستے میں ان کا ڈاکوؤں سے سامنا ہوا۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے دلی عقیدت سے شیخ کا نام لیا اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے نام سے اور آیاتِ قرآنی اور دعائیں پڑھنے لگے۔ جو لوگ آیات و دعائیں پڑھنے لگے سب کے سب ہلاک ہو گئے اور ڈاکوؤں نے ان کا مال لوٹ لیا اور جن لوگوں نے شیخ کا نام لیا تھا، اُنہوں نے نجات پائی اور مال بھی محفوظ رہا۔ اس پر دونوں گروہ کے لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔ جب یہ لوگ حضرت ابوالحسن خرقانی کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے ان میں سے ایک سے پوچھا، کہو کیا حال رہا۔ انہوں نے جو واقعہ پیش آیا تھا، سب کا سب بیان کیا۔ حالانکہ باری تعالیٰ کا نام اُس کے بندوں کے ناموں سے زیادہ بزرگ ہے۔ شیخ نے کہا، ہاں تم ایسی ذات کا نام لیتے ہو جس کے مسمّٰی کو تم نہیں پہچانتے۔ پس گویا تم نے یاد ہی نہیں کیا، لیکن جنہوں نے میرا نام لیا تو اس گروہ نے ایسے شخص کا نام لیا جو حق تعالیٰ کو کما حقہٗ پہچانتا ہے اور میں حق تعالیٰ کو پہچانتا ہوں۔ اس طرح گویا اُنہوں نے حق جل و علیٰ کو یاد کیا۔ اس بات کی تصدیق ہر شخص نہیں کر سکتا، صرف وہی اس کی تصدیق کرے گا، جو حقیقت کا ذوق چکھے ہوئے ہو اور کام کی اصلیت کا مشاہدہ کیے ہوئے ہو۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے شیخ رفیع الدین شیخ الاسلام اودھ

سنا کہ ان کا ایک قریبی رشتہ دار تھا جو شیخ محمد اجل سرزی کا مرید تھا ۔ ایک دفعہ وہ کسی تہمت کے الزام میں گرفتار ہوا اور اس کے قتل کا حکم صادر ہوا ۔ جلاد نے اس کو ۳۴۹ قتل کرنے کے لیے اس طرح کھڑا کیا کہ اس کا منہ قبلے کی جانب ہوتا تھا اور اس کے پیر کی قبر اس کی پشت کی جانب ہوتی تھی ۔ اس شخص نے فوراً اپنا منہ اپنے پیر کی قبر کی طرف کیا ۔ جلاد نے اس سے کہا کہ اس موقع پر تمھیں اپنا منہ قبلے کی طرف کرنا چاہیے تھا ۔ اس شخص نے جواب دیا ، میں نے جو اپنے قبلے کی طرف رخ کیا ہے ، تم اپنا کام کرو ۔[۱] امیر حسن نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

اگرچہ در عرب از ہر قبلہ کعبہ نباشد

نسود قبلہ مجنوں مگر قبلہ لیلیٰ

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز سے لوگوں نے سوال کیا کہ ایک مرید ایسا ہے ، جو پانچ وقت نماز پڑھتا ہے اور کچھ اوراد و وظائف بھی کر لیتا ہے ، لیکن اپنے شیخ کی محبت اور عقیدت اس کے دل میں بختہ ہے ۔ اسی طرح ایک ایسا دوسرا مرید ہے جو نماز و اوراد بکثرت کرتا ہے ۔ اس نے حج بھی کیا ہے ، لیکن شیخ کی محبت اور عقیدت اس کے دل میں کم ہے ۔ ان دونوں مریدوں میں سے کون سا بہتر ہے ؟ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے پیر سے محبت رکھنے والا اور عقیدت مند ہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو مرید اپنے شیخ کا محب اور معتقد ہوتا ہے اس کا ایک وقت سست اعتقاد اور عبادت گزار مرید کے کئی وقتوں سے اشرف و افضل ہے ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ بعضوں کا مذہب یہ ہے کہ اولیا انبیاء پر فضیلت رکھتے ہیں ، اس لیے کہ انبیاء زیادہ تر مخلوق میں مشغول رہتے ہیں یعنی وہ صاحبِ دعوت ہیں ، لیکن ان کے نزدیک اولیا انبیاء پر اس لیے افضل ہیں کہ وہ

۱۔ یہ اور اس قبیل کی بعض روایت جو اس نکتے اور کتاب میں شامل ہیں فرطِ عقیدت پر مبنی ہیں ۔ ان روایتوں کا تعلق صوفیائے کرام کے جذب و سکر سے ہے اور یہ روایات شریعت کے احکام و مسائل کے مقابلے میں حجت نہیں بن سکتیں ۔

شب و روز عبادت میں مشغول رہتے ہیں ۔ فرمایا کہ یہ مذہب سر تا سر باطل ہے ، کیونکہ انبیاء زیادہ تر خلق کی اصلاح میں مصروف رہتے ہیں ، لیکن جس وقت بھی وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں ، ان کی وہ ایک گھڑی اولیاء کے سارے وقت سے افضل ہے ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ ایک شخص تھا ، جو میرا مرید ہوا ۔ جب وہ میرے پاس سے چلا گیا (تو کچھ زمانے کے بعد میں نے اس کے احوال پر نگاہ کی) ۔ چند دن تک راسخ الاعتقادی میں اس کا مزاج برقرار رہا ، لیکن بعد میں پھر گیا ۔ لیکن ایک دوسرا مرید تھا ۔ جب میرے پاس سے گیا اور دیر تک مجھ سے دور رہا ، لیکن اتنا زمانہ گزرنے پر بھی اُس کا عقیدت مندانہ مزاج برقرار رہا اور اتنا عرصہ گزرنے پر بھی اس کا مزاج نہیں بدلا تھا ۔ پھر میری طرف رخ کر کے فرمایا کہ یہ شخص بھی میری مریدی میں منسلک ہے ، لیکن اس کا مزاج بھی وہی ہے جو مؤخرالذکر مرید کا تھا ۔ یہ میری عقیدت میں ذرا بھی متزلزل نہیں ہوا ۔ سلطان المشائخ نے جب یہ بات بیان کی تو رونے لگے اور فرمایا ، آج تک بھی میرے شیخ کی محبت و عقیدت اُسی طرح برقرار ہے بلکہ اس محبت و عقیدت میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے ۔

سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ اگر مرید اپنے پیر کی خدمت میں کم پہنچ پاتا ہے لیکن گھر میں اپنے پیر کو زیادہ یاد کرتا رہتا ہے ، ایسے مرید کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟ فرمایا کہ وہ شخص بہتر ہے جو پیر سے غائب رہ کر اس کو یاد کرے ، بہ نسبت اس [۲۴۰] کے جو ہر وقت پیر کی خدمت میں رہتا ہو اور باوجود اس قدر حاضری کے پیر کی محبت سے بے خبر ہو ۔ اس کے بعد آپ نے یہ مصرعہ پڑھا :

ع — بیرون و درون بہ کہ درون و بیرون

زمین بوسی کے متعلق سلطان المشائخ کی رائے :

سلطان المشائخ کی مجلس میں ایک مرتبہ یہ بحث چھڑی کہ مرید اپنے پیر کی خدمت میں جاتے ہیں تو زمین بوسی کرتے ہیں ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے چاہا تھا کہ لوگوں کو اس سے منع کروں لیکن جب میں نے دیکھا کہ میرے شیخ کے روبرو آپ کے مرید ایسا کرتے

ہیں ، اس لیے میں نے بھی اس سے نہیں روکا ۔ اس موقع پر امیر حسنؒ نے عرض کیا کہ جو لوگ مرید ہوتے ہیں ، یہ بیعت ہونا ہی پیر کی عشق و محبت سے عبارت ہے ۔ سو جہاں عشق و محبت ہو ، وہاں سر زمین پر رکھنا آسان سی بات ہے ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ میں نے شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین سے شیخ سے ملاقات ہوئی حکایت سنی کہ ایک مرتبہ شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے ۔ راستے میں آپ کا ایک مرید ملا ۔ وہ مرید پیدل جا رہا تھا ۔ مرید آپ کی طرف بڑھا اور شیخ کے زانوئے مبارک کو بوسہ دیا ۔ آپ نے فرمایا اور نیچے ۔ مرید نے پاؤں کو بوسہ دیا ۔ شیخ نے فرمایا ، اور نیچے ۔ مرید نے گھوڑے کے زانو کو بوسہ دیا ۔ شیخ نے فرمایا ، اور نیچے ۔ مرید نے گھوڑے کے سم کو بوسہ دیا ۔ شیخ نے فرمایا ، اور نیچے ۔ مرید نے زمین چومی ۔ اس وقت شیخ ابو سعید نے فرمایا کہ میں نے جو تم سے کہا تھا کہ اور نیچے ، تو اس سے میرا مقصود یہ نہ تھا کہ تم میرے پاؤں کو چومو ، بلکہ میرا مقصد یہ تھا کہ تم جس قدر نیچے بوسہ دو گے ، تمہارا درجہ اسی قدر بلند ہوگا ۔

کاتب حروف نے سلطان المشائخ کے دست مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ صہیبؓ نے فرمایا کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ وہ حضرت عباسؓ کے ہاتھ اور پاؤں چومتے تھے ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ آج سے کچھ دن پہلے ایک آدمی میرے پاس آیا تھا ۔ وہ بزرگ زادہ تھا اور شام و روم کا سفر کیے ہوئے تھا ۔ اس زمانے میں کہ وہ میرے پاس آیا ، اتفاقاً وحیدالدین قریشی[1] میرے

۱۔ ملک وحید الدین قریشی : سلطان قطب الدین ۷۱۶ھ (۱۶-۱۳۱۷ء) میں جب تخت نشین ہوا تو ملک وحیدالدین قریشی کو عہدے سے نوازا ۔ پھر اسے گجرات کی طرف روانہ کیا ۔ دیوگیر کے حالات درست ہونے کے بعد اس نے ملک وحیدالدین قریشی کو گجرات سے دہلی طلب کیا اور تاج الملک کا خطاب دیا ۔ دہلی کی نیابت وزارت اور دیوان وزارت کا کام اس کے سپرد کیا ۔ جب خسرو خاں کافر نعمت تخت پر بیٹھا تو اس نے دیوان وزارت وحیدالدین قریشی کے سپرد کیا ۔ (تاریخ فیروز شاہی (برنی) ، اردو ترجمہ ۵۷۰ - ۵۷۳ ، ۵۸۶ - ۵۸۹)

پاس آیا اور اس نے سرزمین پر رکھا ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

ہرجا کہ روئے زندہ دلے بر زمینِ تست
ہرجا کہ دست غم زدۂ در دعائے تست

ایک دوسرے بزرگ نے کہا ہے :

بیت

شعاعِ روز بہی ناہد از جبینِ کسے
کہ در پرستشِ تو بر نہد بخاک جبیں

یہ دیکھ کر اس آدمی نے ڈانٹا کہ [۳۴۱] سجدہ مت کرو ۔ سجدہ کرنے کا کہیں حکم نہیں آیا ۔ جب اُس نے بہت ہی شور و ہنگامہ کیا ، تو میں نے اس سے کہا کہ شور مت کرو ۔ جب کسی بات کی فرضیت اُٹھ جاتی ہے ، تو استحباب باقی رہ جاتا ہے جیسا کہ عاشورہ کے دن سابقہ اُمتوں پر روزہ فرض تھا ، لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس کا استحباب باقی رہ گیا ۔ اسی طرح سجدہ گزشتہ اُمتوں میں مستحب تھا ، جیسا کہ رعیت بادشاہ کو ، شاگرد اُستاد کو ، اُمت پیغمبرکو سجدہ کرتی تھی ۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے زمانے میں اس کا مستحب ہونا جاتا رہا ۔ گو اب مستحب نہیں ہے ، لیکن اس کا مباح ہونا باقی ہے ۔ امرِ مباح سے منع کرنے کا کہاں حکم ہے ۔ یہ سن کر وہ آدمی خاموش ہو گیا ۔ لیکن اس کے باوجود جب کوئی میرے سامنے سر زمین پر رکھتا ہے ، تو میں اُسے مکروہ جانتا ہوں ، لیکن چونکہ میرے شیخ کے سامنے لوگ سرزمین پر رکھتے تھے ، اگر میں اس سے روکوں تو دو باتوں میں سے ایک بات لازم آئے گی ۔ یا مشائخ کا جہل یا ان کا فسق[1] ۔ نعوذ باللہ منہا ۔

بیت

در خدمتِ رکابِ تو سر بر زمیں نہاد
خورشید ز آسمانِ چہارم ہزار بار

۱۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

نکتہ

خرقے کی اصل اور اس کے عطا کرنے کے بارے میں

خرقے کی بنیاد :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شب معراج میں رب العزت سے خرقہ ملا ۔ اس خرقے کو خرقۂ فقر کہتے ہیں ۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ رض کو طلب کیا اور فرمایا ، مجھے رب العزت سے خرقہ ملا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں یہ خرقہ تم میں سے ایک کو دوں ۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رض کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ، اگر میں یہ خرقہ تمہیں دوں تو تم کیا کرو گے ؟ حضرت ابوبکر صدیق رض نے عرض کیا کہ میں صدق کو اختیار کروں گا ، اطاعت کروں گا اور بخشش و عطا سے کام لوں گا ۔ پھر آپ نے حضرت عمر رض سے فرمایا ، اگر یہ میں خرقہ تم کو دوں تو تم کیا کرو گے ؟ حضرت عمر رض نے کہا ، میں انصاف کروں گا ۔ پھر حضرت عثمان رض سے پوچھا کہ اگر میں یہ خرقہ تم کو دوں تو تم کیا کرو گے؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ میں انفاق کو اختیار کروں گا اور سخاوت کو شعار بناؤں گا ۔ پھر حضرت علی رض سے پوچھا ، اگر میں یہ خرقہ تم کو دوں تو تم کیا کرو گے ؟ حضرت علی رض نے عرض کیا کہ میں پردہ پوشی کروں گا اور خدائے عز و جل کے بندوں کے عیب کو چھپاؤں گا ۔ آپ نے یہ خرقہ [۳۴۲] حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا ، مجھے خدائے تعالیٰ کا حکم تھا کہ جو کوئی یہ جواب دے اس کو یہ خرقہ عطا کرنا ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیق رض کے پاس چالیس ہزار دینار موجود تھے ۔ وہ جس روز سب دینار راہ خدا میں صرف کرکے گدڑی میں کانٹا لگا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اُسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی گدڑی پہن کر اور کانٹا لگا کر پہنچے حضور اکرم ص نے اُنھیں اس حال میں دیکھ کر پوچھا ، یہ کیا ؟ اُنھوں نے عرض کیا ، یا رسول اللہ! کہ آج تمام فرشتوں کو حکم ہوا ہے کہ ابوبکر کی موافقت میں گدڑی پوش بنیں

اور اس پر کانٹا لگائیں۔ اس موقع پر سلطان المشائخ نے یہ دو مصرعے پڑھے۔

بیت

شکرانۂ چہل ہزار دینار دہند
تا میخ کلم عشق را بار دہند

بعد ازآں فرمایا کہ جب شیخ جنید بغدادی نے شیخ شبلیؒ کو خرقہ پہنایا تو فرمایا کہ جو کچھ ہمارے پیر ہمارا فرض بجا لائے، وہی فرض ہم تمہارا بجا لائے ہیں۔ باقی اب خدائے عز و جل سے تمہارا واسطہ ہے۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جو لباس شیخ کی طرف سے عنایت ہو، اُسے کسی دوسرے کو نہ دینا چاہیے، لیکن اگر اس کو دھو لیں تو کوئی حرج نہیں، مگر نہ دھونا بہتر ہے۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اگر پیر کے عطا کردہ لباس کے متعلق کوئی وصیت کرے کہ اس کی قبر میں رکھ دیا جائے تو یہ روا ہے۔ اگر یہ وصیت کرے کہ میرے بیٹوں میں، جو سب سے زیادہ نیک ہو، اس کو دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

سلطان المشائخ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھے شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے وہ خرقہ ملا جو خاندانِ چشتی کا خرقہ تھا۔ یہ خرقہ ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے۔

خرقے کے متعلق مشائخ چشت کا عمل :

کاتب الحروف قارئین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ جب سلطان المشائخ نے وفات پائی اور آپ کو قبر میں رکھا گیا تو شیخ شیوخ العالم کا وہ خرقہ، جو آپ کو ملا تھا، آپ کے جسمِ مبارک پر پھیلا دیا گیا اور شیخ شیوخ العالم کے مصلیٰ کو سلطان المشائخ کے سر مبارک پر رکھا گیا۔

کاتب الحروف عرض پرداز ہے کہ وہ جامہ جو شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے میرے دادا سید محمد کرمانیؒ کو ملا تھا اور حضرت سلطان المشائخ کا جامہ اور شیخ شیوخ العالم فریدالحق

والدین قدس اللہ [۲۴۳] سرہ العزیز کے پوتے شیخ علاء الدین[1] کا جامہ ، یہ تینوں جامے ، جو میرے دادا کو ان بزرگوں سے ملے تھے ، میرے دادا نے اکٹھے سی لیے تھے - پھر وہ جامے کاتب الحروف کو اپنے والد سے ملے - اس تحریر کے وقت یہ تبرکات میرے خاندان میں موجود ہیں - علاوہ ان کپڑوں کے ، دوسرے جو جامے میرے والد اور چچاؤں کو سلطان المشائخ نے عنایت فرمائے تھے ، وہ بھی ہمارے خاندان میں موجود ہیں - الحمدللہ علٰی ذلک -

حضرت سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ اس گروہ میں بعض چور ہوتے ہیں اور کل قیامت کے دن جب اُن سے حساب لیا جائے گا تو وہ کہیں گے ، ہم نے تو چوری نہیں کی - انھیں جواب دیا جائے گا کہ تم نے مردانِ خدا کا جامہ پہنا ، لیکن ان جیسا عمل نہیں کیا - آخر یہ سب لوگ اپنے پیروں کی شفاعت سے نجات پائیں گے -

پھر سلطان المشائخ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص ، جس کو عزیز بشر کہتے تھے ، قاضی حمیدالدین ناگوری کے صاحبزادے مولانا ناصح الدین[2] کے پاس بدایوں سے دہلی آیا تاکہ مرید ہوکر خرقہ حاصل

۱- شیخ علاء الدین : بن شیخ بدرالدین سلیمان نے ۱۶ سال کی عمر میں اپنے والد کے بعد مسندِ سجادگی کو زینت بخشی - ۵۴ سال تک رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیے رہے - سوائے اپنے گھر کے اور مسجد کے آپ کا قدم باہر نہیں نکلا - عبادت گزاری اور جود و سخا میں بے نظیر تھے - سلطان غیاث الدین تغلق ، جب وہ دیپال پور کا صوبیدار تھا ، اُن کا مرید ہوا - شیخ علاء الدین نے ۷۲۵ھ میں وفات پائی - اُن کا مقبرہ حضرت بابا فرید گنج شکر کے روضۂ مبارک کے قریب ہے - (اخبارالاخیار ، ص ۹۵ ؛ خزینۃ الاصفیا ، جلد ۱ ، ص ۳۲۶)

تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے شیخ فریدالدین کے پوتے شیخ علاء الدین کو مجسم نیکی اور عبادت پیدا کیا تھا . . . ایک لمحہ بھی وہ بغیر نماز اور ذکر کے نہ رہ سکتے تھے . . . یہ جو بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ بعض مقدس فرشتے محض خدائے تعالٰی کی عبادت کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور یہ بات ان کی فطرت میں شامل ہے تو شیخ علاء الدین بھی اسی طبقے (قبیل) میں پیدا ہوئے تھے - (تاریخ فیروز شاہی (اُردو ترجمہ) ، ضیا برنی ، ص ۵۰۶ - ۵۰۷)

کرے ۔ جب مولانا اس کو خرقہ دینے لگے ، بعض درویش اس رسم میں شرکت کے لیے حوض سلطان پر جمع ہوئے ۔ عزیز بشر نے اس حوض کو دیکھ کر کہا کہ یہ حوض تو معمولی حوض ہے ۔ حوض ساغر ، جو بدایوں میں ہے ، اس حوض سے بہتر ہے ۔ محمد کبیر نامی درویش نے ، جو وہاں موجود تھا یہ سن کر مولانا ناصح الدین سے کہا کہ اسے خرقہ مت دیجیے ۔ یہ سخص جھوٹا ہے ۔ چنانچہ مولانا نے اُسے خرقہ نہیں دیا ۔

خرقۂ ارادت اور خرقۂ تبرک :

شیخ نصیرالدین محمودؒ سے منقول ہے کہ فرماتے تھے کہ میں نے سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز سے سنا کہ فرماتے تھے کہ یوں تو کتنے ہی لوگوں کو اس فقیر نے خرقہ دیا ہے ، لیکن ان میں سے صرف چار کو خرقۂ ارادت دیا ہے ۔ اس کے علاوہ باقی دوسرے تمام لوگوں کو خرقۂ تبرک دیا ہے ۔

سیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ فرماتے تھے ، جتنے بھی خرقے میں نے دیے ہیں ، ان میں سے صرف پانچ یا چھ خرقۂ ارادت ہیں ، باقی تمام خرقۂ تبرک ہیں ۔

راقم الحروف کو سلطان المشائخ کے اس قول میں ، کہ جتنوں کو بھی میں نے خرقے دیے ہیں اُن میں سے صرف چار کو خرقۂ ارادت دیا ہے ، حکمت یہ نظر آتی ہے کہ یہ بات یقینی ہے کہ خدا کے کئی ہزار بندے سلطان المشائخ کے مرید ہیں اور اُن سب کو ، جو مرید ہوئے ، ٹوپی اور خرقہ دے کر [۳۴۴] مرید فرمایا ، لیکن آپ کے اس قول سے مراد مرید حقیقی ہیں ۔ حقیقی مرید کی تعریف ''نکتہ بیان مرید'' میں تحریر کی جا چکی ہے ۔ دوسرے اس سے مراد وہ مرید ہیں کہ جو اپنے تمام افعال اور اقوال میں پیر کے متبع ہوں اور ذرہ بھر اپنے پیر کے اتباع سے تجاوز نہ کریں ۔ ان کے اور پیر کے فکر و عمل میں اس قدر اتحاد ہو کہ دونوں ایک جان دکھائی دینے لگیں کیونکہ فقرا سب ایک جان ہوتے ہیں :

ع — یکانگیئے نیست تو مائی و ما توائیم

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے ۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ :

خرقۂ حسن بصریہ و خرقۂ کمیلیہ :

میں نے شیخ شہاب الدین سہروردی کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ، جس میں خرقہ پہننے کے سلسلے کو جنیدؒ تک پہنچایا گیا ہے ۔ اُن کے بعد اختصار کے ساتھ تمام مشائخؒ خرقے کی نسبت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تک پہنچاتے ہیں ۔ اس بارے میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا اعتماد ابن خالد کی حدیث پر ہے ۔

دوسرے مشائخ کے خرقے کے بارے میں دو طریقے ہیں ۔ ایک طریقۂ حسن بصریہ ہے اور دوسرا طریقۂ کمیلیہ ہے ، حسن بصری کا طریقہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حضرت علیؓ کو خرقہ پہنایا اور حضرت علیؓ نے حسن بصری کو حرقہ پہنایا اور طریقۂ کمیلیہ ، کمیل بن زیاد سے منسوب ہے ، لیکن حضرت حسن بصری کا خرقہ مشہور ہے ۔ کمیل کا سلسلہ اس طرح ہے کہ کمیل بن زیاد نے عبدالواحد ابن زید کو اور عبدالواحد نے ابو یعقوب نسوی کو اور ابو یعقوب نسوی نے ابو یعقوب نہرجوری کو اور ابو یعقوب نہرجوری نے ابو عبداللہ بن عثمان کو اور ابو عبداللہ بن عثمان نے ابو یعقوب طبری کو اور ابو یعقوب طبری نے ابوالقاسم بن رمضان کو اور ابوالقاسم بن رمضان نے ابوالعباس بن ادریس کو اور ابوالعباس بن ادریس نے داؤد بن محمد معروف بہ خادم الفقراء کو اور داؤد بن محمد نے محمد بن مالک کو اور محمد بن مالک نے اسماعیل مصری کو اور اسماعیل مصری نے ہمارے شیخ احمد بن عمر صوفی کو اور احمد بن عمر نے مجھ کو یعنی (سیخ شہاب الدین سہروردیؒ کو) خرقہ پہنایا ۔

نکتہ [۳۴۵]

مشائخ قدس اللہ ارواحھم کی خلافت کے بارے میں

مولانا فصیح الدین[1] نے سلطان المشائخ سے مشائخ کی خلافت کے بارے

۱۔ مولانا فصیح الدین دہلوی مشہور فقہا میں تھے ۔ اصولِ فقہ مولانا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ہیں سوال کیا کہ خلافتِ مشائخ کسے دینی چاہیے ؟ فرمایا ، ایسے شخص کو خلافت دینی چاہیے کہ جس کے دل میں خلافت کی توقع نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ شیخ ظہیرالدین سقتا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جس کو میں مرید کرتا ہوں ، وہی مجھ پر شیخی کرنے لگتا ہے ۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تمھیں اپنے شیخ شیخ الاسلام بہاءالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی طرف سے مرید کرنے کی اجازت ملی تھی ؟ اس نے کہا ، نہیں ۔ اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اس کی یہ حالت سن کر میرے دل میں خیال آیا کہ جس کسی کو شیخ کی طرف سے مرید کرنے کی اجازت نہیں ہوتی ، اس کا یہی حشر ہوتا ہے ۔

مرید کے وہ اوصاف جو اس کو خلافت کا مستحق قرار دیتے ہیں :

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز سے پوچھا گیا کہ وہ کون سے اوصاف ہیں ، جن کی وجہ سے آدمی خلافت کا مستحق ہوتا ہے ؟ فرمایا کہ یہ اوصاف بہت سے ہیں ، لیکن جس زمانے میں کہ میں اپنے پیر کا مرید ہوا اور آپ نے مجھے دولتِ خلافت سے سرفراز کیا ، تو آپ نے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ تم کو باری تعالیٰ نے علم و عقل و عشق کی نعمتیں دی ہیں ۔ جو ان تین اوصاف سے آراستہ ہوتا ہے ۔ وہ خلافتِ مشائخ کے فرائض نہایت عمدگی سے انجام دیتا ہے ۔

خلافت کے طریقے :

بعدہ فرمایا میں نے اپنے خواجہ (بابا فرید گنج شکرؒ) سے سنا تھا کہ خلافت کے تین طریقے ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شمس الدین قوشجی سے پڑھا تھا ۔ قاضی محی الدین کاشانی اُن کے ہم سبق تھے ۔ دوسرے علوم اس وقت کے مشہور علماء سے پڑھے ۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے انھیں اپنے بیٹوں کے لیے معلّم مقرر کیا تھا ۔ ایک عرصے تک یہ خدمت انجام دیتے رہے ۔ پھر گوشہ نشین ہوکر زہد کی طرف مائل ہوگئے اور خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے مرید ہوگئے ۔ اُنھوں نے اپنے شیخ کی حیات میں وفات پائی ۔ (نزہتہ الخواطر ، ج ۲ ، ص ۱۰۹ - ۱۱۰)

پہلا طریقہ : محکم اور بہتر طریقہ ہے ، جو رحمانی طریقہ ہے اور جس میں خیر و برکت بہت ہے ۔ وہ یہ ہے کہ پیر کو جس مرید کے متعلق الہام ہو اور حق تعالیٰ بغیر کسی واسطہ کے شیخ کے دل میں ڈالے کہ فلاں کو خلافت دو ، اُسے خلافت دے ۔

دوسرا طریقہ : یہ ہے کہ پیر جس مرید میں اچھی صلاحیتیں دیکھے اس کے بارے میں اجتہاد کرے ۔ اجتہاد میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہے ۔

تیسرا طریقہ : یہ ہے کہ کسی کی سفارش و عنایت پر شیخ مرید کو خلافت دے ۔ اس موقع پر سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ اس تیسرے طریقے کے متعلق ، جس میں پیر کو انسراح نہ ہو ، کیا پھر بھی شیخ اس کا مجاز ہے ؟ فرمایا ، یہ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے اور اس (خلیفہ) سے بہتری کی کیا توقع کی جا سکتی ہے ۔

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ فخرالدین صفاہانی شیخ الاسلام فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے مرید و خلیفہ تھے ، جو بلگرام میں رہتے تھے ۔ اُنھوں نے داؤد نامی ایک درویش کو شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں بھیجا اور اُن کے ذریعہ سے اپنے لیے خلافت کی التماس کی کہ خلقت مجھے تنگ کرتی ہے اور کلاہ کی طالب ہوتی ہے ۔ میں اُس زمانے میں شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر تھا ۔ آپ نے اسے نامنظور فرما دیا ۔ ایک مدت تک ان کا بھیجا ہوا آدمی بغیر کسی غرض کے ناکام ٹھہرا رہا ۔ [۳۴۶] ایک دفعہ میں نے تنہا اور ایک دفعہ مولانا شہاب الدین صاحبزادۂ شیخ شیوخ العالم نے موقع و محل سے اُن کا ذکر بہتر طریقے پر کیا ، لیکن ہر مرتبہ ہم نے آپ کی ناراضگی کے آثار کو محسوس کیا اور فرمایا کہ یہ کام حق تعالیٰ کی رضا سے متعلق ہے ۔ صرف آرزوؤں سے کام نہیں چلتا ۔ جو اس کے قابل ہوتا ہے اُسے بغیر چاہے مل جاتا ہے ۔ تیسری مرتبہ میں نے ایک مناسب موقع پا کر اُس کے بارے میں عرض کیا ۔ اس مرتبہ آپ نے فرمایا کہ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو ؟ میں نے عرض کیا کہ آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں ۔ وہ بظاہر تو درویشی کے کام میں لگا ہوا ہے ۔ پھر آپ نے از راہِ مرحمت مولانا بدرالدین اسحاق سے اس کے لیے خلافت نامہ لکھوایا اور اُس شخص کے ہاتھ جو فخرالدین صفاہانی کا بھیجا ہوا آیا تھا ، بھجوایا ۔ چند دن کے بعد ایسا ہوا کہ اتفاقاً دہلی میں میری ملاقات

اسی فخرالدین صفاہانی سے ہوئی ۔ میں نے اُن سے ان کی خلافت کا واقعہ اور اپنی سفارش کا حال بیان کیا ۔ مجھے اُن کے چہرے بشرے سے معلوم ہوا کہ یہ تذکرہ ان کو ناگوار ہے ۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ جو کچھ شیخ نے ان کے متعلق کہا تھا ، وہی صحیح تھا اور میں غلطی پر تھا ۔

مولانا ضیاءالدین برنیؒ نے "حسرت نامہ" میں لکھا ہے کہ میں ایک دن سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر تھا ۔ اشراق سے لے کر چاشت تک مجھے سلطان المشائخ کی ہم نشینی کا شرف حاصل رہا ۔ اُس دن سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز خدا کے بندوں کو بہت زیادہ مرید کرنے میں مشغول رہے ۔ لوگ آپ سے مرید ہوتے تھے اور دولتِ ابدی حاصل کرتے تھے ۔ اس موقع پر میرے دل میں خیال آیا کہ پہلے بزرگ مرید کرنے میں احتیاط کرتے تھے ، لیکن سلطان المشائخ اپنے کرمِ وافر سے عوام و خواص کو مرید کرتے ہیں اور بیعت کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہیں ۔ میں نے چاہا کہ اس بارے میں آپ سے سوال کروں ۔ سلطان المشائخ جو مکاشف عالم ہیں ، میرے خطرے سے ذریعۂ کشف واقف ہوگئے اور فرمایا ، تم ہر بات مجھ سے پوچھتے ہو ۔ یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ میں بغیر حالات معلوم کیے کیوں ہر ایک کے لیے بیعت کا ہاتھ بڑھا دیتا ہوں ۔ میں آپ کی یہ بات سن کر کانپ اُٹھا اور آپ کے قدموں میں گر پڑا کہ مدت سے یہ اشکال میرے دل میں تھا اور آج بھی یہ خطرہ میرے قلب میں گزرا اور باطناً مخدوم میرے اس خطرے سے واقف ہوگئے تھے ۔ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے ہر زمانے میں ایک خاصیت رکھی ہے ، جس کی وجہ سے ہر زمانے کے لوگوں کی عادت و اطوار ، طور و طریق مختلف ہوتے ہیں ۔ چنانچہ گزشتہ لوگوں کے اوضاع و اطوار آج کے لوگوں میں بہت کم پائے جاتے ہیں ۔ یہ بات تجربے پر مبنی ہے ۔ [۳۴۷] ارادت اصل میں غیر حق سے بالکلیہ منقطع اور یادِ الٰہی میں مشغول ہونے کا نام ہے ، جیسا کہ سلوک کی کتابیں اس سے بھری ہوئی ہیں ۔ اسلاف جب تک کلی انقطاع غیر حق سے نہیں دیکھتے مرید نہیں کرتے تھے ، لیکن شیخ ابو سعید ابوالخیر کے زمانے سے لے کر ،

جوکہ آیتِ حق تھے ، شیخ سیف الدین باخرزی[1] تک اور شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی سے لے کر شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے زمانے تک ان بادشاہوں کے دروازے پر خلقت کا ہجوم ہوتا تھا - ہر طبقے کے لوگ آتے تھے اور خوف آخرت سے ان عاشقانِ خدا کی پناہ میں اپنے آپ کو ڈالتے تھے - ان بزرگوں نے کثرت سے مرید کیے ہیں - اس لیے میں بھی مرید کرتا ہوں - اگر ان بزرگوں نے جو خدائے تعالیٰ کے محبوب ہیں ، جہان کے گنہگاروں کو اپنی حمایت میں لیا ہے تو میں بھی لیتا ہوں - رہا تمھارا یہ سوال کہ میں مرید کرنے میں احتیاط نہیں برتتا ، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ میں نے تواتر سے سنا ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو میرے مرید ہوئے ہیں ، ان میں سے اکثر لوگوں نے گناہوں سے توبہ کی اور نماز با جماعت ادا کرتے ہیں اور وظائف و نوافل میں مشغول رہتے ہیں - اگر میں اسلاف کی ارادت کی شرطوں کا خیال رکھوں اور خرقہ توبہ و تبرک ، جو خرقۂ ارادت کی بجائے ہے ، نہ دوں تو وہ اس کارِ خیر سے بھی ، جو اُن سے صادر ہوتا ہے ، محروم ہو جائیں گے دوسرے یہ کہ الھیں میرے پاس کسی وسیلے یا سفارش لانے کی ضرورت نہیں ، کیونکہ میں ایک کامل و مکمل شیخ کی طرف سے اس کا مجاز ہوں - جب میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان نہایت عاجزی و مسکنت سے میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرنا چاہتا ہوں ، تو میں اس نیت سے کہ شاید اس کی یہ بات درست ہو اُس کے بیعت کرنے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہوں - بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ میں سچے لوگوں [۳۴۸] سے سنتا رہتا ہوں کہ میری ارادت بیعت ہونے والے کو گناہوں سے باز رکھتی ہے اور دوسرا سبب ، جو سب سے زیادہ قوی ہے ، یہ ہے کہ ایک روز شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے دوات اور قلم اپنے پاس سے مجھے عنایت فرما کر ارشاد فرمایا کہ تعویذ لکھو کہ تعویذ دینے میں بھی اجازت ہونی چاہیے - میں تمھیں تعویذ لکھنے کی اجازت دیتا ہوں - مجھے اُمید ہے کہ تم ضرورت مندوں کو تعویذ لکھ کر دو گے -

---

۱- شیخ سیف الدین باخرزی : شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلفاء میں تھے - شیخ سیف الدین ۶۵۸ھ (۶۰ - ۱۲۵۹ء) میں وفات پائی - آپ کی قبر بخارا میں ہے - (نفحات الانس ، (اُردو ترجمہ) ، ص ۶۰ - ۶۶۱)

جب میں نے تعویذ لکھنا شروع کیا تو شیخ شیوخ العالم نے محسوس کیا کہ دعاؤں کے لکھنے پر میں کچھ راضی نہیں ہوں۔ شیخ نے فرمایا ، تم ابھی سے تعویذ کے لکھنے سے ملول ہو۔ جب بہت سے حاجت مند تمھارے دروازے پر آئیں گے اور تم سے تعویذوں کے لیے التجا کریں گے ، تو تمھارا کیا حال ہوگا۔ اس موقع پر جب کہ شیخ یہ ارشاد فرما رہے تھے ، میں نے دیکھا کہ تنہائی ہے۔ میں نے شیخ شیوخ العالم کے قدموں پر گر کر عرض کیا کہ مخدوم ! آپ نے مجھے بزرگی کی نعمت عطا فرمائی اور اپنی خلافت سے ، جو سب سے بڑی دولت ہے ، مجھے سرفراز فرمایا ہے۔ میں ایک متعلم ہوں اور دنیا کے اختلاط سے ہمیشہ سے نفرت کرتا ہوں۔ یہ کام جس سے مجھے سرفراز فرمایا گیا ہے ، بڑا کام ہے ، جو میرے بس سے باہر ہے۔ میرے بارے میں حضور کی ارادت اور نظر شفقت ہی کافی ہے۔ جب شیخ شیوخ العالم نے میری یہ بات سنی تو فرمایا ، تم اس کام کو خوب انجام دو گے۔ میں نے تمھارے لیے اس بارے میں الحاح و زاری کی ہے۔ میرے اس معذرت کرنے سے شیخ شیوخ العالم پر کیفیت طاری ہوئی۔ آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور مجھے اپنے پاس بلایا اور اپنے سامنے بٹھا کر فرمایا کہ نظام ! تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں نہیں جانتا کہ کل قیامت کے دن بارگاہِ رب العزت میں مسعود بندے کی عزت ہوگی یا نہیں ، لیکن اگر عزت ہوگی تو میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ میں اس وقت تک بہشت میں قدم نہ رکھوں گا کہ جب تک اُن سب لوگوں کو ، جنھوں نے تیرے ہاتھ پر بیعت کی ہے ، اپنے ساتھ بہشت میں نہ لے جاؤں گا :

بیت

ما نداریم غمِ دوزخ و سودائے بہشت
ہر کجا خیمہ زدی اہلِ دل آنجا آیند

الغرض اس بات کو ختم کرکے سلطان المشائخ نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے خلافت اسی طرح ملی تھی اور یہ کام کبھی مجھ سے ٹھیک ہوتا ہے اور کبھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ لوگ اس کام سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہوں گے ، جو ایک عمر سے اس کام کی طلب میں لگے ہوئے ہیں (اور حیلہ و مکر و فریب سے اس کام کو اختیار کیے ہوئے ہیں)۔ اس کے علاوہ ایسے بزرگ ، جن کے متعلق میں

یقین سے جانتا ہوں اور جنھیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ میرے شیخ واصلانِ بارگاہِ الٰہی میں تھے اور جس مشرب پر شیخ بایزید اور جنید [۳۴۹] جیسے دوسرے مستان عشق الٰہی نے جامہ پہنا تھا اُنھوں نے بھی پہنا تھا ۔ اس لیے میں ان لوگوں کے بارے میں ، جو مجھ سے بیعت کرتے ہیں ، یہ بات کہتا ہوں اور عہد کرتا ہوں ۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کو بیعت سے روکوں ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

بدست گیر و برون آر و دست گیری کن
کہ جز محبتِ تو ہیچ دست گیر ندارم

نکتہ

شیخ کے حال کے بیان میں

کاتبِ حروف نے سلطان المشائخ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ :

شیخ کے صفات :

شیخ کا ادنیٰ حال یہ ہونا چاہیے کہ وہ ان اوصاف سے آراستہ ہو ۔ اوّل یہ کہ وہ مراد ہو تاکہ مرید کی تربیت اُس سے ممکن ہو ۔ ہو ۔ دوسری صفت یہ ہے کہ سلوک کے راستے کو اس نے طے کیا ہو تاکہ وہ راستے کی صحیح رہنمائی کر سکے ۔ تیسری صفت یہ ہے کہ خود صاحبِ آداب ہو تاکہ مریدوں کو ادب سکھلا سکے ۔ چوتھے یہ کہ شیخ ، صاحبِ جود و عطا اور بے ریا ہو ۔ پانچویں یہ کہ مرید کے مال پر بھی ذرا حریص نہ ہو ۔ چھٹے یہ کہ جہاں اشارے سے پند و موعظت ممکن ہو ، صراحت سے احتراز کرے ۔ ساتویں یہ کہ جہاں تک ممکن ہو مرید کو آداب کی تعلیم نرمی سے کرے ، غصے اور سختی سے آداب نہ سکھائے ۔ آٹھویں یہ کہ جس چیز کے لیے شیخ مامور ہے ، اس کے کرنے کا مرید کو صراحت سے حکم دے ۔ نویں یہ کہ اُس کے شیخ نے جن چیزوں سے اس کو منع کیا ہو [۳۵۰] ، اُن سے وہ مریدوں کو بھی روکے ۔ دسویں یہ کہ جب کسی کو اللہ کے لیے مرید کرے پھر اُسے کسی کے لیے رد نہ کرے ۔

پس جس شیخ میں یہ صفات ہوں گی ، اُس کے مرید صادق القول ہوں گے ۔

نکتہ

ولی ، ولایت اور سلطان المشائخ کی ولایت کے بارے میں

مرتبۂ ولایت کی تین قسمیں :

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ اولیاء کا مرتبہ تین قسم کا ہے ۔ ایک یہ کہ آدمی ولی ہو اور اپنی ولایت کی نہ اُس کو خبر ہو اور نہ خلق کو ۔ دوسرے یہ کہ لوگ اُس کی ولایت کو جانتے ہوں کہ وہ اولیاء میں سے ہے ، لیکن وہ خود نہ جانتا ہو ۔ تیسرے یہ کہ وہ ولی حق ہو اور یہ جانتا ہو کہ وہ ولی ہے اور لوگ بھی جانتے ہوں کہ وہ ولی ہے ۔ بعد ازاں فرمایا کہ انبیاء اپنے مقدس فرائض سے معزول نہیں ہوتے ۔

اپنے ایک رسالے میں امام ابوالقاسم قشیری نے لکھا کہ ولی کے دو معنی ہیں ۔ ایک فعیل بمعنیٔ مفعول کے یعنی ولی وہ شخص ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کو اپنے تمام امور میں متولی بنائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ و ھو یتولّی الصالحین وہ خود اپنا وکیل نہ بنے بلکہ حق تعالیٰ کو بنائے کیونکہ اپنے آپ کو وکیل بنانے میں خود اپنے آپ کو گرانا ہے ۔ دوسرے فعیل مبالغہ کا صیغہ فاعل سے ہے ۔ یعنی ولی وہ ہے کہ جو عبادات و طاعات خدائے تعالیٰ بغیر خلل کے پے در پے جاری رکھے یعنی بغیر اس کے کہ گناہ اس میں خلل ڈالے ۔ پس جس میں یہ دو صفتیں موجود ہوں ، تو وہ ولی ہوتا ہے ۔ اس میں اختلاف رائے ہے کہ ولی اپنی ولایت کو جانتا ہے یا نہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ ولی اپنے آپ کو ولی جانتا ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ ولی اپنے آپ کو ولی نہ جانتا ہو اور وہ اپنے نفس کو اس قدر حقیر سمجھتا ہو کہ اپنی کرامت کو بھی یہ سوچتا ہو کہ کہیں یہ شیطان کا فریب نہ ہو ۔ پس یہ حالت اس کے خوف کی علامت ہے اور یہ خوف اس بات کی نشانی ہے کہ عاقبت اس کے خلافِ حال ہو ۔ پس یہ گروہ انجام کی شرط لگاتا ہے یعنی اگر اس کا انجام بخیر ہو تو وہ ولی ہے ۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ولی اپنے آپ کو ولی جانتا ہے ، وہ اس کے لیے انجام کی شرط نہیں لگاتے ۔ ان کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ

یہ ولی ایسی کرامت سے آراستہ ہو ، جس سے اُسے معلوم ہوگیا ہو کہ اس کی عاقبت بخیر ہوگی ۔ اس لیے کہ اولیاء کی کرامت جائز ہے اور یہ حال اُس کو خوفِ عاقبت سے مامون کرتا ہے ۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب میں سے دس افراد ایسے ہیں [۳۵۱] جو بہشت میں جائیں گے ، کیونکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم جانتے تھے کہ ان کا انجام بخیر ہوگا ۔

شیخ کی ولایت اور ولایت :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ کو ولایت اور ولایت دونوں حاصل ہوتی ہیں ۔ ولایت یہ ہے کہ وہ مریدوں کو خدا تک پہنچائے اور تصوّف کے آداب و طریقوں کی تعلیم دے ۔ جو اس کے اور خلقت کے درمیان رابطہ ہے ، اُسے ولایت کہتے ہیں ۔ اس کے علاوہ جو اُس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان رابطہ ہے ، وہ ولایت ہے اور وہ خاص محبت ہے ۔ جب شیخ دنیا سے گزر جاتا ہے تو ولایت کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے ، لیکن ولایت تو کسی کے سپرد کرتا ہے اور پھر آخرت کی طرف کوچ کرتا ہے ، لیکن اگر وہ بالفرض ولایت کو کسی کے سپرد نہیں کرتا تو حق تعالیٰ کسی دوسرے کو ولایت دے دیتا ہے ، لیکن ولایت اُس کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ ولایت کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے ۔

پھر آپ نے اس بارے میں ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ تھے ، جنھوں نے اپنے ایک مرید کو یہ معلوم کرنے کے لیے کسی بزرگ کی خدمت میں بھیجا کہ گزشتہ رات کو ابوسعید ابوالخیر نے وفات پائی ، تو اُنھوں نے ولایت کس کے سپرد کی ۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں ۔ بعد میں ان بزرگ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابوسعید ابوالخیر نے ولایت شمس العارفینؒ کو دی ہے ۔ اسی رات کو لوگ شمس العارفین کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ قبل اس کے کہ لوگ اُن سے کچھ کہیں ، شمس العارفین نے ان لوگوں سے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک کئی شمس العارفین ہیں ۔ معلوم نہیں کہ کون سے شمس العارفین کو یہ نعمت ملی ہوگی ۔

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ اولیاء دنیا سے رحلت کرتے وقت ایسے ہوتے ہیں ، جیسے سو رہے ہوں اور اُن کا معشوق ان

کے پاس ہو اور جب وہ اس دنیا سے کوچ کرتے ہیں تو گویا وہ اچانک خواب سے بیدار ہوتے ہیں اور اپنے اس معشوق و مطلوب کو ، جس کی طلب میں وہ تمام عمر رہے ہیں ، اپنے بستر میں پاتے ہیں ۔ تم جانتے ہو کہ ان کو کتنی خوشی اور فرحت حاصل ہوگی ۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے سوال کیا ، کیا اس دنیا میں بعض اولیاء کو نعمتِ مشاہدہ حاصل ہوتی ہے ؟ فرمایا ، ہاں ، لیکن جو نعمت وہ اس گھڑی دیکھ رہے ہیں ، جب وہ نعمت کمال درجے پر ان کو حاصل ہوتی ہے ، تو ان کی مثال اُس شخص کی طرح ہوتی ہے ، جو سو کر اُٹھتے وقت اپنے محبوب کو اپنے پاس پاتا ہے ۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص جس چیز میں مستغرق ہے جب وہ مرتا ہے تو اس کا مطلوب اُس کو دیا جاتا ہے ۔

نکتہ

کرامت کے بیان میں

تین چیزیں جو بطور کرامت حاصل ہوتی ہیں :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جو کرامت کے طور پر حاصل ہوتی ہیں ۔ ایک علم بغیر تعلّم کے ، جیسا کہ [۳۵۲] خواجہ ابوحفص نیشاپوری جب سفرِ حج کے دوران بغداد پہنچے تو اُنھوں نے خواجہ جنیدؒ سے نہایت فصیح و بلیغ عربی میں گفتگو کی ۔

دوسرے جو کچھ عوام خواب میں دیکھتے ہیں ، اولیاء اللہ بیداری میں دیکھتے ہیں ۔

تیسرے عوام کے تصوّر کا اثر جو اُن کی ذات پر پڑتا ہے ، وہ اولیاء اللہ دوسرے پر ڈال سکتے ہیں ۔ مثلاً اگر وہ حوض کا تصوّر کرتے ہیں تو اُسی وقت ان کا منہ پانی سے بھر جاتا ہے ، اور یہ تاثیر تصوّر کی ہے ۔ اسی طرح اگر صاحبِ کرامت دوسرے کی ذات کے متعلق تصوّر کرتا ہے ، تو اس کے تصوّر کا اثر دوسرے کی ذات پر ظاہر ہوتا ہے ، یہاں تک کہ اگر کسی شخص کے مرنے کا تصوّر کرے وہ شخص مر جاتا ہے ۔ اگر کسی شخص کے دیکھنے کا تصوّر کرے تو وہ شخص فوراً حاضر ہو جاتا ہے ۔

خرق عادات کی چار قسمیں :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ خرق عادات کی چار قسمیں ہیں ۔ معجزہ ، کرامت ، معونت اور استدراج ۔

معجزہ :

معجزہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے کہ اُن کا علم و عمل کامل ہوتا ہے لیکن وہ اہلِ صحو میں سے ہیں ۔

کرامت :

کرامت اولیاء کو نصیب ہوتی ہے لیکن انبیاء اور اولیاء میں فرق یہ ہے کہ انبیاء غالب الحال ہیں اور اولیاء مغلوب الحال ۔

معونت :

معونت وہ ہے کہ جو بعض مجنونوں کو ہوتی ہے جو نہ علم رکھتے ہیں اور نہ عمل ، لیکن ان سے بعض خرق عادات دیکھنے میں آتے ہیں ۔

استدراج .

استدراج اُس گروہ سے صادر ہوتا ہے جو صاحبِ ایمان نہیں ہوتے جیسا کہ جادوگر وغیرہ ۔ خلافِ عادت جب اُن سے کوئی چیز دیکھنے میں آتی ہے تو وہ استدراج ہے ۔

کاتب الحروف نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ :

طریقۂ الٰہی یہ چلا آ رہا ہے کہ وہ عالمِ غیب کی کسی بات کو عالمِ غیب سے عالمِ شہادت میں بغیر واسطہ کے نہیں بھیجتا ، جیسا کہ ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ ایک دفعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پینے کے لیے دودھ مانگا ۔ میں اس بات کا گواہ ہوں کہ اس وقت اُن کے گھر میں دودھ نہ تھا ۔ پھر حضورؐ نے ایک نو عمر بکری ، جو ابھی گابھن نہ ہوئی تھی ، منگوائی ، اُسے دوہا اور دودھ پیا ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اگر وہ چاہے تو بغیر تھنوں کے بھی دودھ پیدا کر سکتا ہے ۔

دوسرے یہ کہ ابوہریرہؓ ، جو بہت ہی اچھے زمانے میں ایمان لائے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں تین سال تک حاضرِ خدمت رہے اور اُنھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے ان (صحابہؓ) سے زیادہ روایتیں بیان کیں جو تمام عمر حاضر رہے اور اپنی چادر کو پھیلائے رہے ؛ لیکن اس کے باوجود حضرت ابوہریرہؓ کی روایتیں بہت زیادہ ہیں جو معلوم و مشہور ہیں ۔ پس اس کا کس طرح انکار ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے اپنی اماتنوں کو ابوہریرہ کی چادر میں محفوظ رکھا ۔

اور اسرارِ الٰہی اُس خرقے میں محفوظ رکھے گئے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حضرت علیؓ کو پہنایا تھا۔ [۳۵۳]

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ ایک روز صبح کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سیاہ بالوں کی ایک چادر اوڑھے ہوئے نکلے ۔ حضرت امام حسنؓ آئے تو رسولِ اکرمؐ نے انھیں اپنی چادر میں لے لیا ۔ اس کے بعد حضرت امام حسینؓ آئے ۔ آپ نے ان کو بھی اپنی چادر میں لے لیا ۔ پھر حضرت فاطمۃ الزہراؓ آئیں تو اُن کو بھی اپنے چادر میں لے لیا ۔ پھر حضرت علیؓ آئے ۔ آپ نے اُن کو بھی چادر میں لے لیا [۳۵۴] پھر فرمایا کہ اللہ تعالٰی چاہتا ہے کہ خدائے تعالٰی تم سے (ہر قسم کی) گندگی دور کرے اور تمھیں پاک کرے جیسا پاک کرنے کا حق ہے ۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدائے تعالٰی تم کو پاک کرنا چاہتا ہے ۔ سنتِ الٰہیہ دیکھیے کہ رجس کے دور کرنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر میں داخل کرکے وسیلہ بنایا ۔

نکتہ

کرامت کے چھپانے کے بیان میں

کرامت کا اخفا اور معجزے کا اظہار :

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ اللہ تعالٰی

نے اپنے اولیاء پر کرامت کا چھپانا اُسی طرح فرض کیا ہے، جس طرح انبیاء پر معجزے کا ظاہر کرنا فرض کیا ہے۔ پس اگر کوئی ولی کرامت کا اظہار کرتا ہے تو وہ ترک فرض کرتا ہے اور کتنا بُرا کرتا ہے۔

سلوک میں کشف و کرامات کا درجہ:

سلوک کے سو مرتبے ہیں ان میں سے سترھواں مرتبہ کسف و کرامات کا ہے۔ اگر سالک اسی کشف و کرامات کے چکر میں رہے تو تراسی درجے کب طے کرے گا۔ پھر فرمایا کہ:

شیخ عثمان حرب آبادیؒ ایک بہت بڑے بزرگ تھے۔ اُن کی ایک تفسیر ہے جو نہایت صحیح اور معتبر ہے۔ غزنی میں رہتے تھے اور سبزی پکا کر بیچا کرتے تھے۔ اُنھوں نے عنایتِ غیبی کے بارے میں یہ شعر فرمایا:

حق بہ شبان تاجِ نبوت دہد
ورنہ نبوت چہ شناسد شبان

اگر کوئی اُن کے پاس کھوٹے سکے لے کر آتا اور وہ ان کو دیتا تو وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ کھوٹے سکے ہیں اس سے لے لیتے اور اس کے عوض میں ترکاری اس کو دے دیتے اور خریدار کے منہ پر کچھ نہ کہتے۔ لوگ یہ سمجھتے کہ یہ کھوٹے اور کھرے سکوں کو نہیں پہچانتے، چنانچہ بہت سے لوگ اُن کے پاس آتے، کھوٹے سکے انہیں دے جاتے اور اُن سے پکی ہوئی سبزی لے جاتے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو اُنھوں نے آسمان کی طرف منہ کرکے کہا اے خدا! تجھے معلوم ہے کہ لوگ مجھے کھوٹے سکے دے کر جاتے تھے اور میں اُن کو کھرے سکوں کی بجائے قبول کرتا تھا اور کبھی میں نے ان سکوں کو اُنھیں نہیں لوٹایا۔ اگر مجھ سے بھی تیری عبادت میں کھوٹ ہوا ہے تو اے مولیٰ! مجھے اپنے کرم سے بخش دے اور اُسے میرے منہ پر نہ مار۔

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک صاحب دل درویش شیخ عثمان حرب آبادی کے پاس آئے اور اُن کی دیگ سے سبزی طلب کی۔ شیخ عثمان نے کف گیر دیگ سے نکالا تو اُس میں بجائے ترکاری کے موتی تھے۔ درویش نے کہا، میں ان کو کیا کروں گا؟ شیخ عثمان نے دوبارہ کف گیر دیگ میں ڈال کر نکالا تو اس مرتبہ کف گیر میں سونا تھا۔ درویش نے کہا کہ اگر وہ سنگ ریزے ہیں، تو یہ پتھر ہے۔ مجھے تو وہ چیز چاہیے

جسے میں کھا سکوں ۔ تیسری مرتبہ شیخ نے کف گیر کو دیگ میں ڈال کر نکالا ۔ اب کی مرتبہ سبزی نکلی جو اُنھوں نے پکائی تھی ۔ اُس درویش کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے شیخ عثمان سے کہا ، اب تمھیں یہاں زیادہ مدت نہیں رہنا چاہیے ۔ اُس واقعہ کے چند دن بعد شیخ عثمان نے وفات پائی ۔

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اس قسم کی باتیں جب درویش پر منکشف ہونے لگتی ہیں تو پھر اُسے دنیا میں زیادہ نہیں رکھا جاتا ۔ [۳۵۵] خواجہ سنائی نے فرمایا ہے :

نظم

ہیچ منمائے روئے شہر افروز
چوں نمودی برو سپند بسوز
آں جمال تو چیست مستی تو
وآں سپند تو چیست ہستی تو

بعد ازآں سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جو کچھ اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتا ہے اور لوگوں کے سامنے آتا ہے ۔ وہ ان کی مستی ہے ۔ بر خلاف انبیاء کے وہ اہل صحو [اہل ہوش] ہیں ۔ خواجہ سنائی اولیاء کی اس کیفیت کو مستی سے تعبیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تو نے اسرار کو ظاہر کر دیا تو تجھے دنیا میں زیادہ دیر نہیں رہنا چاہیے اور اُسے اِس شعر میں ظاہر کیا ہے :

آں جمال تو چیست مستی تو
وآں سپند تو چست ہستی تو

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا ، جو ولی کامل ہوتا ہے ، وہ کسی منزل میں بھی اسرار ظاہر نہیں کرتا ۔ فرمایا کہ اسرار کے ضبط کرنے کے لیے بھی بڑے عزم و حوصلے کی ضرورت ہے ۔ اس کام کے اہل اہل صحو ہیں ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ انسان کی راہ میں کشف و کرامت حجاب راہ ہیں ۔ اصل کام تو استقامت ہے ۔ کرامت کا ظاہر کرنا بڑی بات نہیں ۔ یہ تو گداؤں کا کام ہے ۔

بعد ازاں سلطان المشائخ نے فرمایا ، خواجہ ابوالحسن نوری[1] دریائے دجلہ کے کنارے پہنچے - ایک مچھیرے کے ہاتھ میں جال دیکھ کر فرمایا ، جال کو پانی میں ڈالو اور مچھلیاں پکڑو - اگر میں صاحبِ ولایت ہوں گا تو تمھارے جال میں ایسی مچھلی آئے گی جو ڈھائی من[2] کی ہوگی - مچھیرے نے جال پانی میں ڈالا - جو مچھلی اس کے جال میں آئی تو وزن کرنے کے بعد اس کا وزن معلوم ہوا کہ پورا ڈھائی من ہے - یہ خبر شیخ جنید کو پہنچائی گئی - حضرت جنید نے اس خبر کو سن کر فرمایا کہ کاش کہ اس کے جال میں سیاہ سانپ آتا ، تاکہ وہ ابوالحسن کو ڈس لیتا اور وہ ہلاک ہو جاتا - لوگوں نے کہا کہ آپ کیوں ایسا فرماتے ہیں - فرمایا ، اس لیے کہ اگر سانپ اس کو کاٹ لیتا اور وہ ہلاک ہو جاتا تو شہید ہوتا ، لیکن اب میں نہیں جانتا کہ کرامت کے اس غرور کی وجہ سے اس کا کیا انجام ہوگا -

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ سعدالدین حمویہ[3] نہایت باعظمت بوڑھے بزرگ تھے ، لیکن شہر کا بادشاہ ان کا معتقد نہ تھا ، یہاں تک کہ ایک دن وہ بادشاہ ان کی خانقاہ کے پاس سے گزرا اور اپنے ایک دربان کو خانقاہ میں بھیج کر اُس سے یہ لفظ کہے کہ اس صوفیچہ کو باہر بلا - دربان خانقاہ میں آیا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا - شیخ سعدالدین حمویہ نے اُس کی بات کی طرف توجہ نہ دی اور نماز میں مشغول ہوگئے - دربان نے باہر آ کر بادشاہ سے ساری کیفیت بیان کر دی - وہ سن کر بادشاہ کا غصہ

۱- ابوالحسن نوری : احمد بن محمد ابوالحسن نوری کی کنیت ابن بغوی ہے - بغداد میں پیدا ہوئے - حضرت سری سقطی ، محمد بن علی قصاب اور احمد بن الحواری کی صحبت میں رہے - ابوالحسن نوری نے حضرت جنید سے پہلے ۲۹۵ھ (۸-۷ ۹۰ء) میں وفات اور "تاریخ یافعی" کے مطابق ۲۸۶ھ (۸۹۹-۹۰۰ء) میں وفات پائی - (نفحات الانس ، (اُردو ترجمہ) ، ص ۸۹)

۲- متن میں لفظ من ہے ، ممکن ہے کہ اُس زمانے کے من کا وزن ہمارے زمانے سے کم ہو -

۳- شیخ سعدالدین حمویہ : نام : محمد بن المؤید بن ابی بکر ابی الحسن بن محمد بن حمویہ - مرید : شیخ نجم الدین کبریٰ - عمر : ۶۳ سال ، وفات : یوم عید الاضحیٰ ۶۲۵ھ (۲۸-۱۲۲۷ء) - مدفن : بحر آباد (نفحات الانس ، (اُردو ترجمہ) ، ص ۵۷ تا ۶۰)

ایک دم فرو ہو گیا اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ شیخ اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے ۔ دونوں یک جا بیٹھے [۳۵۶] ۔ جہاں یہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے ، وہیں قریب ایک باغیچہ تھا ۔ شیخ نے حکم دیا کہ کچھ سیب لے کر آؤ ۔ کچھ سیب ایک طبق میں لائے گئے ۔ شیخ اور بادشاہ دونوں سیب کھاتے جا رہے تھے ۔ ایک بڑا سیب اس طبق میں تھا ۔ بادشاہ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر شیخ کا دل مجھ سے صاف ہو چکا ہے تو مجھ کو یہ بڑا سیب عنایت فرمائیں گے ۔ جیسے ہی یہ خطرہ بادشاہ کے قلب میں گزرا ، شیخ نے اس خطرے کو کشف سے معلوم کر لیا ۔ فوراً ہاتھ لمبا کر کے اس سیب کو طبق سے اُٹھایا اور بادشاہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں ایک دفعہ سفر میں تھا ، سفر کرتے کرتے ایک شہر میں پہنچا ۔ میں نے سہر پناہ کے دروازے پر دیکھا کہ لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہے اور ایک مداری تماشا دکھا رہا ہے ۔ اس کے پاس ایک گدھا تھا ۔ اُس نے اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اپنے تماشائیوں میں سے ایک کو انگشتری دے کر کہا میرا یہ گدھا اس شخص کو ڈھونڈ لے گا ، جس کے پاس یہ انگشتری ہوگی ۔ چنانچہ تماشائیوں کے دائرے میں اِس گدھے نے پٹی بندھے ہوئے گھومنا شروع کیا ۔ وہ ہر آدمی کو سونگھتا جاتا تھا ، یہاں تک کہ اس شخص کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا جس کے پاس انگوٹھی تھی ۔ مداری آیا اور اُس نے اس شخص سے وہ انگوٹھی لے لی ۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد شیخ سعد الدین حمویہؒ نے بادشاہ سے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی کرامت دکھاتا ہے تو گویا اُس نے اپنے آپ کو اُس گدھے کے برابر کیا ہے اور اگر وہ کرامت نہ دکھلائے تو تمھارے دل میں یہ خیال گزرتا کہ میرا قلب صاف نہیں ہے ۔ یہ فرما کر شیخ نے وہ سیب ، جو اُن کے ہاتھ میں تھا ، بادشاہ کی طرف پھینک دیا ۔

کاتب الحروف عرض پرداز ہے کہ ہمارے تمام مشائخ قدس اللہ اسرارہم کا طریقہ کرامتوں کو چھپانا تھا ، جیسا کہ ان بزرگوں کے تذکرے کے ضمن میں موقع و محل سے اپنی اپنی جگہ لکھا جا چکا ہے ۔ خواجہ حکیم سنائی نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

من غلام گزیدہ مردانم
باد دائم فدائے شان جانم
قدر شان پیش امر پالیدہ
کشف را زیر کفش مالیدہ

نکتہ

سلطان المشائخ کی زبان مبارک سے اسم تلقین[1] کرنے کے بیان میں اور کاتب حروف محمد مبارک علوی کرمانی مدعو بہ امیر خورد کے حضرت با عظمت سلطان المشائخ نظام الحق والشرع والدین خواجہ محمد ابن احمد ابن خواجہ علی الحسینی بخاری بدایونی قدس اللہ سرہم العزیز سے مرید ہونے کے بارے میں

مؤلف سیر الاولیاء کے حالات :

خوش اعتقاد مریدوں کے حق پذیر دل پر واضح ہو کہ یہ بندہ اور بندہ زادہ فلک مرتبت خواجگان چشت کے طبقۂ مکرمہ کے آستانے کا خدمت گزار ہے اور اس کے باپ اور دادا [۲۵۷] ان مشائخ کبار کے غلاموں کے زمرے میں منسلک تھے اور انہوں نے نعمت دینی اور دنیوی ان پاک بزرگوں سے حاصل کی ہے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

قطعہ

بے چارگان عشق تو بر بوے زلف تو
برباد دادہ جان و دل و خان و مان خویش
از حضرت مشائخ دیں دار یافتند
مطلوب ہر دو عالم مقصود جان خویش

۱۔ نسخۂ فارسی میں سہو کتابت سے یقین تحریر کیا گیا ہے ، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح لفظ تلقین ہے ۔ اس کے پیش نظر ہم نے ترجمہ کیا ہے ۔

ولادت :

الغرض جب یہ بندہ پیدا ہوا تو میرے دادا سیّد محمد کرمانی ، جو شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے قدیم مریدوں میں تھے اور میرے نانا مولانا شمس الدین دامغانی شمس الملک جو تدریس کے زمانے میں سلطان المشائخ کے ہم سبق تھے ، یہ دونوں بزرگ میرا نام رکھوانے کے لیے سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ میرے دادا سیّد محمد کرمانی نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ اس بچے کا نام تجویز فرمائیے ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، آپ بزرگ ہیں ، آپ ہی نام تجویز فرمائیں ۔ پھر سیّد محمد اور مولانا شمس الدین دامغانی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ آپ کوئی نام تجویز کیجیے ۔ مولانا شمس الدین دامغانی نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ ہم آپ کی خدمت میں اس غرض سے آئے ہیں کہ آپ اس بچے کا کوئی نام تجویز کریں ۔ اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میرا نام محمد ہے اور سیّد (محمد کرمانی) کا نام بھی محمد ہے اور آپ کا نام بھی محمد ہے تو اس بچے کا نام بھی محمد ہونا چاہیے ۔ کاتب حروف کو اس نام کی دولت و سعادت ان بزرگوں کی وجہ سے اسی دن سے حاصل ہوئی ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

بندہ را نام خویشتن نبود
ہر چہ ما را لقب کند آلیم

بیعت :

جب میں بلوغ کو پہنچا تو اپنے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش اور اپنے نانا مولانا شمس الدین دامغانیؒ کی شفقت کی وجہ سے مجھے حضرت سلطان المشائخ نظام الحق والشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے مرید ہونے کا شرف حاصل ہوا ۔ امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

سعادتِ ابدی در پئے ارادتِ تست
چنانکہ عید مبارک ز بعدِ ماہِ صیام

یہ ضعیف کہتا ہے :

[۳۵۸] نظم

اے دستِ تو دستگیر جان و دل و من
اے روئے تو حل عقدۂ مشکلِ من
خاک درِ تست افسر و تاج سرِ من
عشق رخِ تست جملہ حاصلِ من

جب سلطان المشائخ نے مجھے مرید کیا ، وہ چاشت کا وقت تھا ۔ اس وقت سلطان المشائخ جماعت خانے کے کوٹھے پر حجرے کے سامنے اپنی مقررہ جگہ پر قبلہ رخ کھاٹ پر بیٹھے ہوئے تھے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

قطعہ

بر تخت نشستہ بود چو سلطانِ عاشقاں
آں سرورِ مشائخ و برہانِ عاشقاں
در ہر شکستِ زلفش دلہائے عارفاں
سرگشتہ باد گردِ سرش جانِ عاشقاں

آپ اس وقت گریہ میں مستغرق تھے ۔ سبحان اللہ ! کیا گریہ تھا ۔ اگر کسی وقت آپ مسکراتے تو تبسم میں بھی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

رباعی

اسیرِ گریۂ تو ہر کہ دید یک نظرش
غلامِ خندۂ تو عالم است اے سلطاں !
عجب تر آنکہ بگاہِ تبسم از گریہ
دو چشم روشنت از آب دائماً غلطاں

مولانا شمس الدین مجھے ، میرے دونوں بھائیوں سید لقمان اور سید داؤد کو سلطان المشائخ کے پاس لے کر آئے ۔ مولانا شمس الدین کے لیے کرسی لائی گئی اور سلطان المشائخ کی کھاٹ کے پاس رکھ دی گئی ۔ مولانا کرسی پر بیٹھ گئے ۔ مولانا فخرالدین زرادیؒ اس مجلس میں سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور علمِ طب کے بارے میں کچھ فرما رہے تھے ۔ وہ جب گفتگو کرکے چلے گئے تو مولانا شمس الدین نے میرے اور میرے بھائیوں

کے بارے میں یوں عرض کیا کہ یہ آپ کے دعاگو سیّد مبارک کے بیٹے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کے غلاموں کے زمرے میں منسلک ہوں اور آپ کی مریدی کا شرف حاصل کریں ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، مولانا ! یہ میرے بھی بیٹے ہیں ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

ایں از کرمت سزد و لیکن گویم
اے کاش ! سگے ہاشم الدر رہِ تو

پھر آپ نے مجھے مرید کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور اپنی بیعت سے مشرف کیا اور اس غلام کے سر پر ٹوپی رکھی ۔ اُس وقت سلطان المشائخ پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ تلقین نہ فرما سکے ۔

الغرض یہ غلام سلطان المشائخ کی دیوار کے سائے میں اپنے آباء و اجداد کے طریقے پر پرورش پاتا رہا ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

پرورش می یافتم در سایۂ دیوارِ تو
من کہ باشم جملہ عالم پرورش می یافتند

اس کے بعد میں کبھی اپنے نانا مولانا شمس الدین دامغانی کے ساتھ [۳۵۹] اور کبھی اپنے والد بزرگوار کے ساتھ سلطان المشائخ کے دیدار سے مشرف ہوتا :

قطعہ

کسے کہ روئے تو دیدہ است اعتقادِ من آنست
کہ او نجاتِ ابد یافتہ است از رحمان
بدردِ عشق تو می میرم و ہمی طلبم
کہ روئے خوبِ تو بینم کجاست ایں درماں

اگرچہ کہ میں اُن دنوں معانی کا ادراک اس قدر نہ کر سکتا تھا ، لیکن تاہم اُس وقت بھی سلطان المشائخ کی برکت سے بہت کچھ حاصل ہو جاتا تھا ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

رباعی

از وقتِ تو وقتِ عالمے خوش گشته است
در عشقِ تو جان ز الدوه و غم رسته است
جانان ! ز غمت دو کون پُر شد آرے
با روئے تو عشق عقد محکم بسته است

آپ کی نعمتِ دیدار اور مشاہدۂ مجلس ، جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے مشابہ تھی اور گریہ کے وقت ، جو مجھ پر دستِ شفقت پھیرا کرتے ، ان سب چیزوں سے مجھے بہت سے شرف و نعمتیں حاصل ہوتی تھیں ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

گریۂ تو کہ مایۂ عشق ست
عاشقانِ جہاں بدیدہ خرند
پس از آں دیدہ خونِ دل چوں آب
بر درت عاشقاں ز دیدہ برند

ان سب باتوں کا دل پر بڑا گہرا اثر ہوتا تھا اور یہ سب باتیں دل پر نقش ہو جاتی تھیں یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

چناں در خاطرم دادہ ست جایت
کہ خواہم مُردن اندر زیرِ پایت

اس وقت جو سماع سنتا اور اس سے جو رقت طاری ہوتی ، وہ بھی سلطان المشائخ کے اوصاف و اخلاقِ حمیدہ کا ثمرہ تھا ، جو سلطان المشائخ کی ذات والا صفات سے روح پر نازل ہوتا اور وہاں سے شاخ در شاخ پہنچتا ہے ۔ خواجہ حکیم سنائی کہتے ہیں :

بیت

بصحرائے محبت شو اگر نزہت ہمی یابد
کہ آنجا باغ در باغ ست خوان در خوان داور را

جو بھی دین و دنیا کی مشکل مجھے پیش آتی میں حضرت سلطان المشائخؒ

کے روح افزا روئے زیبا کا تصور کرتا ، جس کے دیکھنے کی تمنا میں آسمان ، فرشتے ، جن و انسان سرگرداں ہیں ۔ وہ صرف اپنے دل میں تصور کرتے تھے اور مجھے سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضری کی وجہ سے یہ نعمت حاصل تھی ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

ابیات

حاصلِ عشقِ تو در ہر دو جہاں روئے تو بس
خانۂ اہلِ دلاں گشتہ سرِ کوئے تو بس [۳٦٠]
ہر کسے روئے کسے روزِ قیامت بیند
نظر بندہ در آں روز ہمیں سوئے تو بس

پھر یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

تو پادشاہے جہانے ترا سزد نظرے
بحالِ ما کہ گدایانِ کوئے سلطانیم

اب میں پھر مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔ جب سلطان المشائخ کی محبت میرے سویدائے قلب میں جاگزیں ہوگئی ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

بسلطانی نشستی در دل و جاں
نکو کردی تو اے سلطانِ خوباں

پھر یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

اے ز عشقت خراب خانۂ دل
روشن از آفتاب خانۂ دل
چشمہا خونِ دل روا کردند
دوست چوں شیشہ درمیانۂ دل

اس لیے میں بے چارہ جان و دل سے عالم کے صاحب دلوں کے سردا (سلطان المشائخ) کا گرویدہ ہوگیا :

ع — بحمد اللہ کہ دل را یافتم اندر خمِ زلفش

چند خواب :

نیز اس فقیر نے کئی مرتبہ سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کو خواب میں دیکھا :

بیت

ہمہ دعائے تو گویم بوقتِ بیداری
ہمہ خیالِ تو بینم چو باشم اندر خواب

خواب کا اثر اور ثمرہ ظاہر ہے اور ایسے خواب کا اثر جو ایسے مرید عاشق کو آئے ، جس کے دل میں سوائے اپنے مرشد کے خیال کے کسی کی محبت جاگزیں نہ ہو :

بیت

چناں فراخ نشستہ است یار در دل تنگ
کہ ہیچ زحمتِ اغیار در نمی گنجد

ایسا دل جو پیر کے دریائے محبت میں غرق ہو تو یہ محبت حق تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے ۔ شیطان ملعون کی کیا مجال کہ خواب میں حق تعالیٰ کے دوستوں کی صورت میں متمثّل ہو ۔ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اُس نے مجھے ہی دیکھا ، کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثّل نہیں ہوتا (میری صورت و سیرت میں) اور شیخ قائم مقام پیغمبر کے ہے کہ شیخ قوم میں گویا نبی کی طرح ہے ، اُس کی اُمت میں ۔

جس طرح یہ ممکن نہیں کہ شیطان ، سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شکل میں متمثّل ہو ، اسی طرح یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ شیطان شیخ کی صورت میں متمثّل ہو سکے ۔ اسی لیے مرید بھی شیطانی شر سے شیخ کی پناہ میں محفوظ رہتا ہے ۔

جب پہلی مرتبہ کاتبِ حروف نے حضرت سلطان المشائخ کا جمالِ مبارک [۳٦١] خواب میں دیکھا ۔ امیر خسرو فرماتے ہیں :

بیت

ایں توئی ما بخواب می بینیم
یا بشب آفتاب می بینیم

میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سلطان المشائخ جماعت خانے کی چھت پر اپنے حجرے میں قبلہ رخ کھاٹ پر بیٹھے ہوئے ہیں اور سامنے لکھنوتی بوریا بچھا ہوا ہے اور بوریے کے ایک کنارے پر ایک گھریلو جبّہ اور سپید دستار رکھی ہوئی ہے ۔ جب میری نظر سلطان المشائخ کے جمالِ مبارک پر پڑی ، میں نے فوراً سر زمین پر رکھ دیا ۔ خواجہ حکیم سنائی نے کیا اچھا فرمایا ہے :

بیت

ہر کہ او سر بریں آستانہ نہد
پائے بر تارک زمانہ نہد

جب میں نے سر زمین سے اُٹھایا ، حضرت سلطان المشائخ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ کپڑے پہنو ۔ میں نے سلطان المشائخ کے سامنے وہ جبّہ پہنا اور دستار سر پر باندھی اور سر زمین پر رکھا اور پھر بیٹھ گیا ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

پوشیدہ بندہ خلعت و سر بر زمین ناز
آں خلعت مبارک و آں جامۂ نیاز

پھر یہ ضعت کہتا ہے :

بیت

چگونہ شکر تواں گفتن ایں کرامت را
کہ خلعتِ شہِ عالم بدیں گدا برسد

میں یہ جبّہ پہن کر اور دستار باندھ کر جماعت خانے میں آیا ۔ ظہر کی نماز کا وقت تھا ۔ دوسرے مریدین نماز کے لیے حاضر ہوئے اور سلطان المشائخ کے تشریف لانے کے منتظر تھے ۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ سلطان المشائخ کے ساتھ نمازِ ظہر ادا کروں ۔ ابھی یہ خیال میرے دل میں گزرا ہی تھا کہ سلطان المشائخ نماز کے لیے نیچے تشریف لائے اور میں نے سلطان المشائخ کے برابر کھڑے ہو کر نماز ادا کی ۔ پھر میں خواب سے بیدار ہو گیا ۔

دوسرا خواب :

دوسری مرتبہ جب میرے دونوں بھائی سیّد عمادالدین امیر صالح

اور سید نورالدین ، شیخ نصیرالدین محمود کی مریدی سے مشرف ہونے تو مجھ سے بھی فرمایا کہ تم بھی ان سے مرید ہو جاؤ کہ جب تم سلطان المشائخ سے مرید ہونے تھے ، سلطان المشائخ نے تم کو تلقین نہیں کی تھی ۔ میں نے کہا کہ سلطان المشائخ نے مجھے مرید کیا ہے اور میرے سر پر کلاہ رکھی ہے ، یہ علامت آپ کے قبول کرنے کی ہے ۔ [۳۶۲] یہ ضعیف کہتا ہے :

کلاہ بر سر بندہ نہاد و کرد قبول
قبول اوست بتحقیق نزد حق مقبول

اسی زمانے میں ، جب کہ تلقین و ارادت کی گفت و شنید ہو رہی تھی ، کہ ایک رات میں نے سلطان المشائخ کو خواب میں دیکھا کہ آپ جماعت خانے کی چھت پر بڑ کے درخت کی طرف ایک کونے میں ، جو دریا کی طرف ہے ، تشریف فرما ہیں ، جہاں پردے کے لیے ایک چھوٹی سی دیوار بنا رکھی ہے ، تاکہ اس دیوار کے سائے میں سلطان المشائخ گرمیوں کے دنوں میں بیٹھیں ۔ بڑ کے درخت کی شاخیں بھی اسی طرف کو جھکی ہوئی ہیں ۔ جب میں نے اُس دروازے سے ، جس سے لوگ چھت پر جاتے تھے ، سر کو اندر کیا ، تو سلطان المشائخ کی نظر مجھ پر پڑی ، میں نے اسی وقت سر زمین پر رکھا :

بیت

اینک بہ درت نہادہ ام سر
اے سرورِ عاشقانِ عالم

اس موقع پر میرے متعلق تلقین و ارادت کے جو چرچے ہو رہے تھے میرے دل میں خیال گزرا کہ اگر مجھے آپ سے گفتگو کا موقع ملا تو اس کے متعلق آپ سے پوچھوں گا ۔ جب میں نے سر اُٹھایا تو سلطان المشائخ نے میری طرف اس طرح ہاتھ بڑھایا جس طرح کہ کسی کو بیعت کرنے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہیں ، لیکن آپ نے زبانِ مبارک سے کچھ ارشاد نہیں فرمایا ۔ شیخ سعدی ارشاد فرماتے ہیں :

بیت

دستِ من گیر کہ بے چارگی از حد بگزشت
سرِ من دار کہ درپائے تو ریزم جان را

اس موقع پر میں سلطان المشائخ کے رعب کی وجہ سے ، کہ جن کے رعب کی وجہ سے آسمان بھی کانپتا تھا ، اپنا دلی مدعا نہ کہہ سکا ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

فلک ز ہیبت تو دایم است سرگرداں
چنانکہ عاشقِ مسکیں ز عشقِ مہ رویاں

لیکن میں نے اس خواب کی تعبیر اپنی اُس عرض داشت کے مطابق جسے میں عرض کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لی ۔ یعنی اگر پیر نے مرید کیا ہے اور دستِ بیعت بڑھایا ہے اور کلاہِ ارادت سر پر رکھی ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے ۔ خواہ وہ اس کو تلقین نہ کرے ، کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ ارادت فعل مرید کا ہے ۔

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ اگر مرید شیخ سے کہے کہ میں تمھارا مرید ہوں ، لیکن شیخ کہے کہ تم میرے مرید نہیں ہو ، تو وہ مرید ہوتا ہے اور اگر شیخ کہے کہ تو میرا مرید ہے اور مرید کہے کہ میں تیرا مرید نہیں ہوں تو وہ مرید نہ ہوگا ، کیونکہ ارادت مرید کا فعل ہے ۔ بالخصوص ایسا مرید کہ جس کے ظاہر و باطن پر پیر کے جمالِ محبت کی چھاپ ہو اور وہ عمر کے شب و روز پیر کی محبت میں بسر کر رہا ہو ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

بنگر کہ چگونہ است ز اوصافِ جمالش
عقل و دلِ بے چارۂ عشاقِ تو مدہوش

جس قدر پیر کی محبت اور اعتقاد مستحکم ہوگا ، اسی قدر اطاعتِ الٰہی کے کاموں میں اُس کا عشق اور ذوق زیادہ ہوگا ۔ دراصل پیر کی محبت اور اعتقاد ہی پیر کی محکم تلقین ہے ۔ جب یہ حقیقت تمام سعادتوں کی اصل ہے تو پیر کی محبت [۳۶۳] ناشائستہ اعمال سے اُسے روکتی ہے اور اس کو شریعت و طریقت کے طریقے پر قائم رکھتی ہے ۔ اگر اس حقیقت کو مرید محسوس نہیں کرتا تو یقیناً وہ اپنے دعوئ ارادت و محبت میں جھوٹا ہے ۔ اس لیے کہ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جب تک کہ محبت غلاف دل میں رہتی ہے معصیت کا امکان ہے ، لیکن جب محبت سویدائے قلبِ میں

گھر کر لیتی ہے تو کسی درجے میں بھی معصیت کا خیال اس کے دل میں نہیں گزرتا ۔

الغرض اس خواب کے دیکھنے کے بعد میں وہ کپڑے لے کر ، جو مجھے سلطان المشائخ نے عنایت فرمائے تھے ، سلطان المشائخ کے روضہ مبارک پر حاضر ہوا اور تجدید بیعت سے مشرف ہوا اور اس نعمت کے شکرانے میں چند صاحب ذوق عزیزوں کے ساتھ جماعت خانہ سلطان المشائخ میں سماع سنا ۔ خدائے تعالیٰ سے اُمید ہے کہ سلطان المشائخ کے دست مبارک کی برکت کی وجہ سے اس فقیر کا اور اُن لوگوں کا جو سلطان المشائخ کے مرید ہیں ، خاتمہ بالخیر ہوگا ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

قطعہ

ہر کہ سر بر جناب او مالید
سایہ حق بر او بود ممدود
ہر کہ روبت تدید یافت ز حق
عمر در خیر و عاقبت محمود

خواب کے پندرہ سال بعد :

تیسری مرتبہ جب کہ اس خواب کو پندرہ سال گزر چکے تھے اور میرے نفس کا معاملہ ، جو کہ انسان کا دینی دشمن ہے ، سلطان المشائخ کی مرضی کے مطابق نہ تھا اور کوئی کام بھی اس درویش کی دلی مرضی کے مطابق نہ ہوتا تھا ۔ اس مدت میں جوانی کا غلبہ تھا ۔ ''در ایام جوانی چنانکہ افتد تو دانی'' کی وجہ سے تمام کاموں میں فتور آ گیا تھا ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

یا رب ! چہ خوش است ایں جوانی
دریاب بخیر اگر توانی

اس مدت میں جب کبھی میں سلطان المشائخ کو خواب میں دیکھتا تو مجھ میں آپ کے پاس جانے کی جرأت نہ ہوتی ۔ یہ شعر میرے مناسب حال تھا جو ایک مرتبہ حضرت شیخ شیوخ العالم فریدالحق والشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی زبان گُہر بار سے نکلا تھا :

بیت

تو گدائی دور باش از بادشاه
تا نیاید بر دلِ تو دور باش
گر وصالِ شاہ میداری طمع
از وصالِ خویشتن مہجور باش

خواب میں اگر دور سے سلطان المشائخ کے جمالِ مبارک پر نظر پڑتی اور میں چاہتا کہ قریب جاؤں اور پابوسی کی سعادت حاصل کروں تو جو لوگ آپ کے ساتھ ہوتے ، مجھے روک دیتے [۳۶۴] اور زبانِ حال سے مجھ سے کہتے :

ع — تو از کجا و سرِ زلفِ دلبران بکجا

سلطان المشائخ کا اعتقاد و محبت ، نفس کے گھوڑے کو بازگشت کا تازیانہ لگاتے ۔ امیر حسن فرماتے ہیں :

بیت

باز می آیم و سر در قدمت می فگنم
میر بخشندہ توئی ، بندۂ شرمندہ منم

الغرض ۲۳ ربیع الآخر ۷۵۸ھ (۱۳۵۷ء) کو شب جمعہ تھی ۔ میں نے آخر شب میں سلطان المشائخ کو خواب میں دیکھا کہ گویا آپ ایک مجلس آراستہ کیے ہوئے اور نیا فرش بچھائے ہوئے بیٹھے ہیں ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

مجلسے یا رب چہ گویم چوں بہشت آراستہ
راست گویم مجلسے چوں مجلسے پیغمبراں

اور ایک جبۂ جامگی پہنے ہوئے (ایک کھمبے سے ٹیک لگائے ہوئے) مجلس کی مسندِ صدارت پر تشریف فرما ہیں ۔ کسی بزرگ نے کہا ہے :

بیت

بوستا نیست صدرِ تو ز نعیم
آسما نیست قدرِ تو ز جلال

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا لوگ ابھی اس مجلس سے اٹھ کر گئے ہیں ، صرف سلطان المشائخ رہ گئے ہیں اور دو بزرگ عزیز ، جو باقی رہ گئے ہیں ، وہ بھی جانے کے لیے تیار ہیں ۔ اس موقع پر میں حاضرِ خدمت ہوا اور خواب ہی میں میرے دل میں خیال گزرا کہ جب میں سلطان المشائخ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کروں گا تو میں سلطان المشائخ سے یہ بات عرض کروں گا ، لیکن جب میں آپ کی قدم بوسی سے مشرف ہوا تو قبل اس کے کہ میں کچھ عرض کروں ابھی میں سلطان المشائخ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا کہ سلطان المشائخ نے مجھ سے فرمایا کہ تجدید بیعت کرو ۔ سلطان المشائخ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سن کر میری جان میں جان آ گئی ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

جان یافت بتجدید از آن عیسیِ ثانی
بنهاد بریں دیدۂ جان منتِ جانی

اسی حال میں میں نے تجدید بیعت کی ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

چو دادی دست بیعت کردم از سر
کہ در عشقت و ہم جان و دل و سر

بعد میں سلطان المشائخ نے مجھے تلقین فرمائی کہ تم نے بیعت کی مجھ سے اور میرے خواجگان سے ۔ میں نے سلطان المشائخ کی تجدید بیعت کو قبول کیا اور خواب ہی میں میں اس پر بہت خوش ہوا ۔ مجھ پر رقت طاری ہو گئی ۔ امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

ہمہ شب گریہ ام خفتن لداده است [۳۶۵]
کہ بوئے گل رخِ من با صبا گفت

نکتہ

اس جماعت کے بارے میں جو اپنے آپ کو اہلِ تصوف سے نسبت کرتے ہیں ، لیکن ان کا طور و طریقہ اختیار نہیں کرتے اور پیر کی اجازت کے بغیر بیعت کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہیں اور عام طور پر یا لوگوں میں پروپگنڈہ کرکے اپنے آپ کو پیر مشہور کرتے ہیں ۔ اللہ ان کو معاف کرے

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ مرید کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ پیر کی مدد سے سلوک کے مقامات طے کرے تو اُسے خلافت لینے اور مرید کرنے کا خیال اُس کے دل میں نہ آنا چاہیے اور اپنے آپ کو اس نازک مرحلے میں نہ ڈالنا چاہیے بلکہ جو کچھ پیر کی شفقت سے حاصل ہوا ہے اُسی پر اکتفا کرے اور پیری کی ہوس اور کرامت کو اپنے دل میں جگہ نہ دے ۔ یہی استقامت اس کی کرامت ہوگی ، کیونکہ عیب کے دروازے پر قائم رہنا ہی استقامت ہے ۔

اگر یہ دشمن ذاتی ، جس کو نفس اور ہوس کہتے ہیں ، اس پر آمادہ کرے کہ تم نے اللہ کی عبادت میں مستقیم ہوکر اپنے خونِ جگر سے مقامِ توکل اور مجاہدے کو حاصل کیا ہے اور جو کچھ مشائخ نے اس باب میں فرمایا ہے ، تم نے تمام و کمال اس پر عمل کیا ہے تو ہرگز اس وسوسۂ شیطانی کو اس روحانی کام میں ، جو مشائخ کبار کا مشغلہ ہے ، جو اللہ کی طرف سے بزرگ ہیں اور اپنے شیخ کی طرف سے مجاز ہیں ، اپنے آپ کو ہرگز ہرگز اس کے فریب میں نہ ڈالنا اور نا مناسب حیلوں اور سفارش و منت سے اس کام میں نہ پڑنا ۔ اگر تو نے ایسا کیا تو اپنے کیے کرائے پر پانی پھیر لے گا اور اپنے آپ کو منغص اور پریشان کرے گا ۔ اگر تو ایسے کرے گا تو اللہ سے مکابرہ کرے گا ۔

سلطان المشائخ کے بعض اعلیٰ مرید جو زہد و ورع ، عشق و عقل میں مشہور تھے ، جیسا کہ اُن کے مناقب و فضائل باب پنجم میں ، جو کہ آپ کے اعلیٰ مریدوں کے بارے میں ہے ، تحریر کیے جا چکے ہیں ، ان مریدوں کے دلوں میں کبھی خلافت حاصل کرنے کا یا مرید بنانے کا خیال نہیں گزرا اور بزرگوں میں بھی اُنھوں نے صرف سلطان المشائخ کے محبت و

شفقت پر ہی اکتفا کیا اور عمر کو نہایت دل جمعی کے ساتھ عشق و ذوق میں گزارا :

بیت

بے یادِ روزگار تو گر یک نفس زنم
تضییعِ عمر باشد و تعطیلِ روزگار

کیا تو اس کو پسند کرتا ہے کہ چند لوگ تیری پیروی کر کے کسی کام کے نہ رہیں اور اُن کا بوجھ تیری گردن پر رکھا جائے اور تو اس بوجھ کو اُٹھائے ہوئے حمالوں کی طرح قیامت کے میدان میں انبیاء اور اولیاء [۳۶۶] کی نظر میں آئے ۔ ایسے بے انصاف لوگوں کو قیامت کے میدان میں رسوا کیا جائے گا کہ جو اپنے شیخ کی راہ پر نہیں چلتے اور اس دینی کام میں ، جو خالص معاملہ مردانِ خدا کا ہے ، اپنی خواہش سے دست اندازی کرتے ہیں ۔ ان کی قیامت کے دن تعذیر و تشہیر کی جائے گی اور ندا دی جائے گی کہ تم نے ہماری محبت کا دعویٰ کیا اور مخلوق کو اس طریقے پر فریب دیا اور مشائخ کبار پر افتراء کیا ۔ وہ مارے شرم کے سر جھکائے ہوں گے ۔

اس حقیقت کو امیر خسرو نے کتنی اچھی طرح بیان کیا ہے :

بیت

باش تا پردہ بر اندازد جہاں از روئے کار
آنچہ امشب کردۂ فردات گردد آشکار

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جو خدا کی عبادت کسی غرض سے کرتا ہے ، وہی غرض اس کی معبود ہوتی ہے ۔ جب یہ حقیقت ہے تو ہم کیوں اپنی عمرِ عزیز کو ہلاکت اور سلبِ ایمانی میں گزاریں ۔

ایک دن یہ کاتبِ حروف حضرت شیخ نصیرالدین محمود قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں جا رہا تھا ۔ راستے میں ایک شخص ملا جو اپنے آپ کو سلطان المشائخ کا مرید بتاتا تھا اور لوگوں کو مرید بھی کرتا تھا ۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو ؟ میں نے کہا کہ میں فلاں بزرگ کی خدمت میں جا رہا ہوں ۔ اُس نے کہا ، براہِ کرم اُن تک میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ میں اس سے قبل سلطان المشائخ کا عرس کرتا تھا تو آپ اپنی مہربانی سے عرس میں تشریف لاتے تھے ، لیکن اب آپ کا

یہ کرم میرے شامل حال نہیں رہا اور اب آپ یہ شفقت میرے حال پر نہیں فرماتے اور عرس میں تشریف نہیں لاتے ۔ آپ بزرگ ہیں ، آپ کو اپنے چھوٹوں پر شفقت کرنی چاہیے ۔

دوسرے اُن سے عرض کیجیے کہ میں دولت آباد میں لوگوں کو بیعت کیا کرتا تھا ۔ حالانکہ مولانا شہاب الدین امام[1] حضرت سلطان المشائخ نے مجھے اس سے منع بھی کیا تھا ۔ چنانچہ اُن کے کہنے پر چند دنوں کے لیے میں نے یہ کام چھوڑ دیا کیونکہ میرا اٹھارہ سالہ لڑکا فوت ہو گیا ۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ اندوہناک واقعہ اسی وجہ سے پیش آیا ہے کہ میں نے خلقِ خدا کو اپنا مرید بنا کر صحیح سعادت سے محروم رکھا ، لیکن چند دنوں کے بعد میں پھر اس کام میں مشغول ہوگیا ۔

جب میں شیخ نصیرالدین محمود کی خدمت میں حاضر ہوا تو قدم بوسی کے بعد میں نے اس شخص کا تمام واقعہ آپ سے عرض کیا ۔ شیخ نے فرمایا کہ معاملہ نہ ہے کہ کل قیامت کے دن اس شخص کو حضرت سلطان المشائخ کے سامنے ضرور جواب دہ ہونا پڑے گا ۔ لیکن میں اس قدر جانتا ہوں کہ قصبۂ کیتھل میں ایک درویش تھا [۳۶۷] جو اپنے آپ کو سلطان المشائخ کا مرید بتاتا تھا لیکن اس پر کوئی سند نہیں پیش کرتا تھا اور لوگوں کو مرید بھی کرتا تھا اور بیعت کرنے کے لیے ہاتھ بڑھاتا تھا ۔ جب یہ خبر سلطان المشائخ کو ملی تو آپ نے فرمایا کہ وہ اپنا ایمان سلامت نہیں لے جائے گا ۔

اب میں پھر اصل مقصد کی طرف آتا ہوں ۔ جب اصل حقیقت یہ ہے تو عمر کے یہ چند روز ، جو باقی رہ گئے ہیں ، ایک گوشے میں یادِ الٰہی میں مشغول ہو کر کیوں نہ بسر کیے جائیں کہ جس پر سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی مطّلع نہ ہو ۔ شاید کہ اس پر عمل کرنے سے تو ایمان سلامت

۱۔ مولانا شہاب الدین : حضرت سلطان المشائخ سے بیعت تھے ۔ ایک طویل عرصے تک آپ کی خدمت میں رہے ۔ قرآن کریم اس خوش الحانی سے پڑھتے تھے کہ سننے والوں کے دل پر بڑا گہرا اثر ہوتا تھا ۔ اس لیے حضرت سلطان المشائخ نے ان کو اپنا امام مقرر کیا تھا ۔ جب سلطان المشائخ نے وفات پائی تو یہ دولت آباد چلے گئے اور وہاں ایک مدت تک ٹھہرے ۔ پھر دہلی واپس آئے اور وہیں وفات پائی ۔ (نزہۃ الخواطر ، جلد ۲ ، ص ۵۹)

لے جائے - یہ کام جسے تو نے بظاہر حلوا خیال کیا ہے اُس میں زہر ہلاہل ہے - بظاہر یہ بہت شیریں دکھائی دیتا ہے لیکن اس کے باطن میں زہر ہلاہل ہے -

یہ دوہرہ جو حضرت شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدینؒ کی زبانِ مبارک سے نکلا تھا ، اسی مفہوم کے حسبِ حال ہے :

کنت نھوہتیں کارری نساکاں ہت سنای
بس کندلے مدہن گر ہوریں لہد کہاہ

خواجہ حکیم سنائی فرماتے تھے :

ابیات

کاے تنت امر دیو را مامور
چند ازیں دیو بودنِ مستور
دیدہ بکشائے در مسلمانی
یک دم از غایتِ پشیمانی
تا بدانی کہ ہر چہ کردۂ تست
در رہِ دیدۂ تو پردۂ تست
تا کند ظاہرت بظاہر رائے
برسد باطنت بکار خدائے
اے ہمہ باطنت سوئے ظاہر
نیست پوشیدہ شرم دار آخر
آتش درد دین نہ ای دودے
زر نہ ای آلش زر اندودے
راستی از تو کے پسندد باز
خرقہ کوتاہ دست گاہ دراز
خرقہ کوتہ کنی چہ سود بود
زہد کے جامۂ کبود بود
رنگ پوشیدن از ز ناکامی است
لیل[1] بس با یزید بسطامی است

● ● ●

۱- لیل : بمعنی مقصود -

باب ہفتم

طہارت ، آداب ، ماثورہ دعاؤں اور مقبول وظائف کے بیان میں ، جو حضرت شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین اور حضرت سلطان المشائخ نظام الحق والشرع والدین قدس اللہ سرہما العزیز سے منقول ہیں

کاتب حروف مشغول مریدوں کی خدمت میں عرض پرداز ہے [۳۶۸] کہ وہ ماثورہ دعائیں اور وظائف ، جو مشائخ کبار اور جمہور سالکان طریقت بجا لاتے ہیں ، ان میں سے اکثر شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز کے اوراد میں لکھے ہوئے ہیں ۔

لیکن کاتب حروف کا مقصد یہ ہے کہ وہ ماثورہ دعائیں اور مقبول وظائف جو سلطان المشائخ سے منقول ہیں اس کتاب میں لکھے جائیں ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

مرا لبان تو باید شکر چہ سود کند
بجائے مہر تو مہر دگرچہ سود کند

تاکہ ان ماثورہ دعاؤں اور مقبول وظائف کی برکت سے ، جو سلطان المشائخ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں ، جلد سے جلد طالب مطلوب تک اور عاشق معشوق تک پہنچ جائے ۔ انشا اللہ تعالیٰ ۔

نکتہ

طہارت اور اس کے آداب کے بیان میں

طہارت کی قسمیں :

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ طہارت کی چار قسمیں ہیں ۔ اوّل یہ کہ ظاہر کو حدث اور میل سے پاک کرے ۔ دوسرے اعضا کو گناہوں سے پاک کرے ۔ تیسرے دل کو اخلاقِ ذمیمہ سے پاک کرے اور چوتھے باطن کو غیر اللہ سے پاک رکھے ۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی کا قول ہے :

فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المطہرین ۔

[اس مسجد میں ایسے آدمی ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکیزہ رہنے والوں سے پیار کرتا ہے ۔]

یہ آیت اصحابِ صفہ کی تعریف میں نازل ہوئی ہے کہ اے محمدؐ ! مسجد کے اندر وہ مردانِ خدا ہیں ، جو اپنے آپ کو نجاست ، پلیدی اور گندگی سے پاک رکھتے ہیں ۔ خدائے تعالٰی پاکوں کو دوست رکھتا ہے ۔

کاتبِ حروف نے حضرت سلطان المشائخ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا کہ وضو کے وقت بائیں آستین کو پہلے لپیٹے اور اُتارنے میں داہنی آستین کو اُتارے ۔ بیت الخلا آدھ گز چوڑا ، ایک گز لمبا اور ضرورت کے مطابق گہرا یا اُونچا ہو ۔ جو ڈھیلا کہ نجاست کے لیے استعمال کیا جائے اسے علیحدہ رکھا جائے ۔ نجاست لگے ڈھیلوں کی طرف اور ڈھیلے کے نجاست لگے ہوئے حصے کا رخ زمین کی طرف کرے ۔

نیز فرمایا کہ استنجے میں احتیاط شرط ہے کہ جس سے دل کو اطمینان ہو جائے جیسا کہ بعض لوگ چند قدم ٹہل کر اور بعض اسی میں غلطاں رہتے ہیں ، مگر یہ قدم گننے سے ٹھیک نہیں ہوتا اور اس کا تعلق مکان سے بھی نہیں بلکہ اس کا تعلق زمان سے ہے یعنی جتنی دیر میں دل مطمئن ہو ۔ وضو میں جس عضو کو دھوئے ، وہ دعا ، جو اس عضو کے دھوتے وقت آئی ہے ، [۳۶۹] وہ پڑھے ۔

کاتبِ حروف نے حضرت سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ حدیث میں ہے :

الوضوء مفتاح الجنۃ ۔ [وضو بہشت کی کنجی ہے ۔]

اور حدیث میں ہے کہ "سرما کا وضو ایک سال کے جہاد کے برابر ہے" اور حدیث میں ہے کہ "پیتل اور کانسی کے برتن سے وضو نہیں کرنا چاہیے ، کیونکہ فرشتے ان کی بُو سے نفرت کرتے ہیں" ۔

سلطان المشائخ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے ایک راہب سے ملنے کی اجازت لی ۔ آپ جب اس کے پاس گئے تو اُس راہب نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور اجازت دینے میں دیر لگائی ۔ حضرت عمرؓ نے اس سے اس کی وجہ پوچھی ؟ راہب نے جواب دیا کہ میں نے انجیل میں لکھا دیکھا ہے جو وضو کرتا ہے وہ اللہ کی امان میں ہو جاتا ہے ۔ میں نے تم پر شیطان کا اثر دیکھا تو میں تجھ سے ڈرا ۔[1] پس میں نے وضو کیا اور اپنے گھر والوں کو بھی وضو کرایا تاکہ ہم تجھ سے اس میں ہو جائیں اور ایک روایت میں کہ اُس کے پاس جانے والے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے ۔

نیز سلطان المشائخ نے تحریر فرمایا کہ حضرت عائشہؓ چرخا کات رہی تھیں ، یہاں تک کہ اُنھوں نے اذان کی آواز سُنی ۔ اُسی وقت اُنھوں نے چرخے کو رکھ دیا اور اس وقت تک اُس کے پاس نہیں گئیں جب تک کہ وضو کرکے نماز نہ پڑھ لی ۔ جب آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی ، تو فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ (دلیا کا) جو کام بھی بندہ اذان کے بعد کرتا ہے ، وہ شیطان کا حصہ ہے ۔

نیز سلطان المشائخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ فرشتے موسم سرما کے جانے پر خوش ہوتے ہیں ۔ صرف اس لیے کہ اُنھیں فقرا کی حالت پر رحم آتا ہے ۔ اس لیے (کہ اس موسم کے جانے سے) غربا کو وضو کی تکمیل میں آسانی ہوتی ہے ۔

یہ بھی لکھا ہے کہ جس نے اپنے اُوپر ان چار چیزوں کو لازم کر لیا تو وہ اور اس کے اہل و عیال کبھی محتاج نہیں ہوں گے ۔ اوّل ہمیشہ صبح سے پہلے اُٹھنا ۔ دوسرے وقت سے پہلے وضو کرنا ، تیسرے مسجد میں اذان سے پہلے آنا اور چوتھے وتر کے بعد خاموش رہنا ۔

۱۔ اُس راہب نے ہیبت حق کے نور کو ، جو حضرت عمرؓ کے چہرے سے ہویدا تھا ، شیطانی اثر سے تعبیر کیا ۔ عیاذاً باللہ ۔

حدیث میں ہے کہ وضو کے لیے بھی ایک شیطان ہے ، جو وضو کے وقت پانی زیادہ استعمال کرنے کے لیے ورغلاتا ہے ۔ مرید ابتدا کے حال میں ضرور اس بات میں گرفتار ہوتا ہے ۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ سلیمان دارانی ایک دفعہ سردیوں میں وضو کر رہے تھے اور بار بار اعضا کو وضو میں دھو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میں اس طرح کرنے سے بخشش کا اُمیدوار ہوں کہ اُنھیں ایک آواز آئی کہ بخشش علم پر منحصر ہے ۔ ایک دن اُسی سلیمان دارانی نے بکریوں کے پس خوردہ پر نماز ادا کرنی چاہی ۔ آواز آئی ، کیا تم [۳۰۲] بکریوں کے پس خوردہ پر نماز پڑھتے ہو اور بعضوں نے کہا کہ آواز آئی کیا تم نجاست پر نماز پڑھتے ہو ۔ اُس نے جواب دیا کہ یہ ناپاک نہیں بلکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے ۔

نیز سلطان المشائخ نے اپنے قلمِ مبارک سے لکھا کہ شعبی نے کہا کہ کان کا ظاہری حصہ چہرے کے ساتھ دھونا چاہیے اور اندرونی حصے کا مسح کرنا چاہیے ۔

نیز سلطان المشائخ نے اپنے قلمِ مبارک سے لکھا کہ بعضوں کی عادت یہ ہے کہ وضو کے اعضا کو رومال سے خشک کرتے ہیں ۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس سے آپ اعضائے وضو کو وضو کرنے کے بعد خشک کرتے تھے ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علقمہؓ کے پاس ایک سپید کپڑے کا ٹکڑا تھا ، جس سے آپ چہرۂ مبارک کو پونچھتے تھے ۔ حضرت معاذؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا ۔ جب آپ وضو کرتے تو چہرۂ مبارک کپڑے کے ایک کنارے سے پونچھتے ۔

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا اور اس کے اعمال کو وزن کیا جائے گا ۔ اس کے گناہوں کا پلڑا اس کی نیکیوں سے جھک جائے گا ۔ پھر وہ کپڑا لایا جائے گا ، جس سے وضو کے بعد اپنے اعضا خشک کرتا تھا اور وہ کپڑا اس کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھا جائے گا ، تو اس کی نیکیوں کا پلڑا جھک جائے گا ۔

اسی حدیث کی بنا پر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کپڑے سے وضو کے بعد اعضا کو پونچھنے کو مکروہ نہیں قرار دیا ۔

نیز سلطان المشائخ نے تحریر فرمایا کہ جب آدمی وضو کر کے مصلیٰ

کے پاس آئے ، تو پہلے بایاں پاؤں نکالے اور جوتے کی ایڑی پر رکھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم جوتا پہنو تو داہنے پاؤں سے شروع کرو اور جب جوتا نکالو تو پہلے بائیں پاؤں سے نکالو۔ پھر اُس کے بعد داہنا پاؤں مصلّٰی پر رکھے اور جوتے کا رخ سامنے کی طرف کر کے پاؤں سے اُتارے ۔ کوزہ اور لوٹا بائیں جانب رکھے ۔ مناسب یہ ہے کہ مصلّٰی پر سجدے کی جگہ پر کوئی ایسا نشان بنائے ، تاکہ سجدہ گاہ غلطی سے پاؤں میں نہ آئے ۔ مناسب یہ ہے کہ مصلّٰی کے دونوں کنارے ، جو چھٹے ہوئے ہوں ، بائیں جانب ہوں ، تاکہ اگر کسی کو مصلّٰی یا سجادے پر بٹھائے تو دائیں طرف بٹھائے اور جا نماز بائیں بغل میں رکھے ، تاکہ دائیں ہاتھ سے نکال سکے ۔ اس کے بعد تحیۃ الوضو ادا کرے اور ہر ایک رَکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے ۔ سلام کے بعد درود شریف پڑھے ۔

سلطان المشائخ کی تحیۃ الوضو کے بعد کی دعا :

پھر یہ دعا پڑھے :

اللھم اٰتِ نفسی تقویٰھا و زکھا انت خیر من زکّٰھا انت ولیھا و ناصرھا و مولٰھا انت لی کما احب فاجعلنی لک کما تحب ۔ اللھم اجعل سریرتی خیراً من علانیتی و اجعل علانیتی صالحۃً ۔ اللھم ارزقنی حسن الاختیار و صحۃ الاعتبار و صدق الافتقار و صحبۃ الاخیار ۔

[اے اللہ ! میرے نفس کو پرہیزگاری عطا فرما اور اُسے پاک کر ۔ تو سب سے اچھا پاک کرنے والا ہے ۔ تو ہی اس نعمت کا ولی ہے اور تو ہی مدد دینے والا ہے اور تو ہی اس نفس کا مالک ہے ۔ تو میرے لیے جو میں پسند کرتا ہوں ، ایسا بنا دے جو تو پسند کرتا ہے ۔ پس تو میرے ظاہر کو میرے باطن سے اچھا بنا اور میرے باطن کو نیک بنا ۔ اے میرے پروردگار اے میرے معبود ! تو مجھے نیکوں کا اختیار ، حق آگہی ، عمدہ نصیحت پذیری اور اخلاص عنایت کر اور مجھے نیکوں کی صحبت نصیب کر ۔]

پھر داڑھی کو کنگھا کرے ۔ پہلے بھوؤں پر کنگھا کرے ، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے ابروؤں پر کنگھا کرتا ہے ، وہ [۱۷۲] وبا سے محفوظ رہتا ہے ۔ پھر مونچھوں پر کنگھا کرے ۔

منقول ہے کہ جو شخص کنگھا کرتے وقت ہمیشہ سورۂ الم نشرح پڑھتا ہے ، اس کی روزی میں کشادگی ہوتی ہے ۔

جب کنگھے کو کنگھے دانی میں رکھے تو کنگھے کے چوڑے حصے کو اوپر کی طرف رکھے ، اس لیے کہ کنگھا آلۂ پریشانی ہے ۔ اس کا پوشیدہ رہنا ہی اچھا ہے ۔

سلطان المشائخ نے ایک مرتبہ امیر خسرو کو لکھا کہ کنگھا بھیجا گیا ہے ، جو نیکی کی علامت ہے ۔

آئینہ دیکھنے کے وقت کی دعا :

ایک اور جگہ سلطان المشائخ نے لکھا ہے کہ جب آئینہ دیکھو تو پڑھو :

الحمد للہ الذی خلقنی فاحسن خلقی و صورنی فلیما حسنت خلقی فیحسن خلقی صورتی اللھم فلما احسنت خلقی فحسن خلقی ۔

(سب تعریف اللہ کے لیے ہے ، جس نے مجھے پیدا کیا ۔ پس مجھ کو اچھا پیدا کیا اور میری صورت بنائی اور اچھی صورت بنائی ۔ اے اللہ ! جس طرح تو نے مجھے اچھا پیدا کیا تو میرے اخلاق کو بھی اچھا بنا ۔)

تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کو پابندی سے ادا کرے کہ ان نمازوں کے بہت اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔

کہتے ہیں کہ جب تک آدمی با وضو رہتا ہے کوئی بلا اور آفت اس کے پاس نہیں پھٹکتی ۔

نکتہ : طہارت و آداب میں جو کچھ ارشاد اور حضرت سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا ہے ، اُن میں حدیثیں عربی میں لکھی ہوئی ہیں ۔ اُن کا ترجمہ فارسی عبارت میں ہے ، لیکن حاشیے کی کمی کی وجہ سے فارسی میں ان کا ترجمہ متن میں کر دیا گیا ہے ۔ ارشاد چہارم کے ضمن میں جو کاتبِ حروف نے سلطان المشائخ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے ، جن حدیثوں کا ترجمہ تحریر میں نہیں آیا ہے ، وہ یہ ہیں ۔[1]

۱۔ ان سب حدیثوں کا ترجمہ اصل حدیثوں کے الفاظ کے ساتھ ہم پہلے کر چکے ہیں ۔ اس لیے ترجمے کے اس حصے کو ، جو اصل متن میں ص ۳۷۱ سے ص ۳۷۳ تک ہے ، چھوڑ رہے ہیں کہ تکرار سے کوئی فائدہ نہیں ۔

صحابی رسولؐ حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مدینے میں آئے تو میں آٹھ سال کا تھا۔ مجھ سے آپ نے فرمایا، اے بیٹے! اگر تم سے ممکن ہو تو ہمیشہ با وضو رہو، اس لیے کہ جب موت کا شیر اور موت کا عقاب ُچنگل مارتا ہے، اگر وہ شخص با وضو ہوتا ہے تو اس کو شہادت کا خلعت دیتے ہیں، کیونکہ وضو اسرارِ الٰہی میں سے ایک راز ہے۔

کہتے ہیں کہ قبر کا عذاب اُس شخص پر زیادہ ہوتا ہے، جو وضو میں احتیاط نہیں کرتا۔ اگر مسنونہ اعمال میں سے کوئی سنت بجا لائے۔ مثلاً ناخنوں کا ترشوانا اور خط کا بنوانا تو ایسے وقت میں اُسے با وضو ہونا چاہیے، کیونکہ قیامت کے دن یہ بال اور ناخن شکایت کریں گے کہ ہم کو نا پاکیزہ حالت میں دور کیا۔

نیز سلطان المشائخ نے تحریر فرمایا کہ شیخ بدھ کے روز حمام جاتے اور حجامت بنواتے۔

حجامت بنوانے کے وقت کی دعا:

حجامت بنواتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے:

اللهم اعطنی بکل شعرةٍ طهارةً فی الدنیا و نوراً ساطعا یوم القیامة۔ [۳۶۴]

[اے اللہ! مجھے ہر بال کے بدلے میں دنیا میں پاکیزگی عطا فرما اور آخرت میں درخشاں نور عطا فرما۔]

جمعرات کے دن ناخن ترشوائے، جب کہ ناخن اور لبیں کٹوائے وقت یہ دعا پڑھے:

بسم اللہ و علٰی سنة محمدٍؐ و آل محمدٍؐ۔

[اللہ کے نام سے سنتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو شروع کرتا ہوں۔]

تو کسی بیماری میں مبتلا نہ ہوگا۔ سنت بغل کے بال لینے میں اُکھیڑنا ہے۔ اگر بغل کے بال منڈوائے، تو جائز ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ بغلوں کے بال لینے میں سنت بالوں کا اُکھیڑنا ہے، لیکن میں اس کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ (اس لیے میں ان کو منڈواتا ہوں)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ مونچھوں کو کٹواؤ اور داڑھیوں کو بڑھاؤ اور ناک کے بالوں کو اکھاڑو۔

نیز سلطان المشائخ نے اپنے قلم سے لکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین گھر حمام ہے۔ جب مسلمان اس میں داخل ہو تو بدی اور نار دوزخ سے پناہ مانگے۔

حمام میں داخل ہونے کے وقت کی دعا :

حمام میں داخل ہوتے وقت یہ دعا مانگے:

اللھم انی اسالک الجنۃ و اعوذبک من النار۔

[اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا طلب گار ہوں اور تجھ سے آگ سے پناہ مانگتا ہوں۔]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کی آگ کی تپش میری اُمت کے لیے حمام کی گرمی جیسی ہوگی۔ میں اس کا اثر میری اُمت پر کم ہوگا۔

حسن نے فرمایا کہ حمام میں دو کپڑوں کے بغیر داخل ہونا مناسب نہیں۔ ایک چادر کمر میں اور ایک چادر سر پر ہونی چاہیے۔

پاؤں کو دھوتے وقت پکی اینٹ سے نہ ملے کہ اس کا استعمال برص پیدا کرتا ہے۔

محققین کے نزدیک اعضا کی طہارت یہ ہے کہ ان کو برے اخلاق سے پاک کرے۔

عمل کی طہارت یہ ہے کہ عمل کو دکھاوے اور ریا سے پاک رکھا جائے اور عمل میں اخلاص کی کوشش کرے۔

پھر میں نے سلطان المشائخ کے دست مبارک سے لکھا ہوا دیکھا کہ خالی پیٹ فصد کھلوانے سے شفا اور برکت حاصل ہوتی ہے اور عقل و حافظے میں ترقی ہوتی ہے۔ فصد کے لیے جمعرات اور اتوار بہتر دن ہیں۔ اسی طرح پیر و منگل کا دن۔ اس لیے کہ منگل کا دن وہ دن ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی تمام بلاؤں کو دور کیا جن میں وہ مبتلا تھے اور جو بدھ کے دن شروع ہوئی تھیں، ان میں سے کوئی ایک بیماری کوڑھ یا گوشت کا گرنا اور برص بدھ کے دن اور بدھ کی رات

میں شروع ہوا تھا یا دونوں اس دن شروع ہوئی تھیں ۔ اس دن اور رات کو پرہیز کرنا چاہیے ۔

نکتہ

سلطان المشائخ کے وہ وظائف جو آپ دن کو پڑھتے تھے

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ کی محبت کے لیے صبح کے وقت ان تین آیتوں کو تین بار پڑھنا چاہیے :

فسبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون ولہ الحمد فی السمٰوات والارض و عشیاً و حین تظھرون یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی و یحی الارض بعد موتھا و کذلک تخرجون ۔

[صبح و شام اللہ کو پاکیزگی سے یاد کرو ، جیسا کہ یاد کرنے کا حق ہے ۔ اسی کے لیے ہے تعریف آسمانوں اور زمین میں ۔ عشاء اور ظہر کے وقت اللہ کو پاکیزگی سے یاد کرو ۔ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم حساب کے دن زمین سے نکالے جاؤ گے ۔]

یعنی خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو کافروں سے اور نیک بختوں کو بدبختوں سے اور صالحین کو فاسقین سے ، اسی طرح تم کو بھی نکالے گا ۔

ان آیتوں کے پڑھنے کے بعد ، جنھیں تحریر کیا جا چکا ہے ، دو رکعت سنت اس طرح ادا کرے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الم نشرح اور دوسری رکعت میں الم ترکیف پڑھے ۔

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے سے بواسیر بھی دور ہوتی ہے [۳۷۶] ۔

نیز سلطان المشائخ نے یہ بھی فرمایا کہ فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان اکتالیس مرتبہ بسم اللہ اور الحمد کو اس طرح ملا کر یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیمل حمد للہ رب العالمین ۔ اس کو جس مشکل کام کے لیے پڑھے گا ، حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس مشکل کام میں کامیاب ہوگا ۔ اس وظیفے کے پڑھنے کے بعد فجر کی نماز جماعت سے ادا کرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ننانوے نام حضور قلب سے پڑھے ۔ اس کے علاوہ وہ ماثورہ دعائیں ، جو اس بارے میں آئی ہیں ، پڑھے

اور فرماتے تھے کہ اگر بعد نماز فجر ستر مرتبہ یا وہاب کہے تو اُس کے دینی امور پورے ہوں گے۔

منقول ہے کہ یہ دعا نماز فجر کے بعد پڑھے :

"اللهم زد نورنا و زد سرورنا و زد حضورنا و زد معرفتنا و زد طاعتنا و زد نعمتنا و زد محبتنا و زد عشقنا و رد شوقنا و زد ذوقنا و رد حولنا و زد قوتنا و زد قبولنا و زد اُنسنا و زد علمنا و زد حلمنا برحمتک یا ارحم الراحمین۔

[اے اللہ ! زیادہ کر ہمارے نور کو اور زیادہ کر ہمری خوشی کو اور زیادہ کر ہمارے حضور کو اور زیادہ کر ہماری معرفت کو اور زیادہ کر ہماری اطاعت کو اور زیادہ کر ہماری نعمت کو اور زیادہ کر ہمری محبت ، عشق ، ذوق ، طاقت ، قبولیت ، اُنس ، علم اور حلم کو ، اپنی رحمت سے یا ارحم الراحمین ۔]

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جو کوئی ان دونوں وقتوں کو غنیمت جانتا ہے جو کچھ ان دونوں وقتوں کے درمیان اس سے نیک عمل ظاہر ہوتا ہے ، یہ بمنزل اس پاکیزگی کے ہوتا ہے ، جو دو ناپاکیوں کے درمیان ہوتا ہے۔

یہ بات عوام کے بارے میں ہے ، لیکن خواص کو چاہیے کہ وہ رات اور دن کو غنیمت جانیں اور اپنے وقت کو عبادت سے معمور کرنے کی عادت بنالیں ۔ یہ فقیر کا خاصا ہے ۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ فقیر وقت کا بیٹا ہوتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا وقت یادِ الٰہی کے سوا کہیں صرف نہیں کرتا کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

بر دست فقیر نیست نقدے جز وقت
آں نیز کہ از دست رود وائے بر او

اس کے بعد مسبعاتِ عشرہ پڑھے ۔ مسبعات عشرہ کے بعد چھ مرتبہ کہے توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین ۔ (ترجمہ) مجھے مسلمان وفات دے اور صالحین کے ساتھ مجھے شامل کر ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے [۳۷۷] کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھ سے خواب میں ارشاد فرمایا کہ مسبعاتِ

عشر کے بعد چھ بار توفنی توفنی مُسلِماً و الحقنی با لصالحین پڑھا کرو۔

سید السادات سیّد حسینؒ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت سلطان المشائخ سے سنا کہ فرماتے تھے کہ مسبّعات عشر کے بعد چھ مرتبہ ، اللھم اھدنی برفعتک ۔ پڑھنا چاہیے ۔

اس بات کے متعلق بروایت سید حسین مرحوم سلطان المشائخ سے آپ کے نک اعلیٰ مرید نے پوچھا تو فرمایا ، ہاں مجھے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خواب میں اس کے پڑھنے کا حکم فرمایا تھا کہ مسبعات عشر کے بعد چھ بار اللھم اھدنی برفعتک پڑھو ۔

نیز سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ابراہیم تیمی واصلانِ حق میں سے تھے ۔ کعبے کے قریب ان کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی ۔ انھوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے بخشش (کی دعا) چاہی تو خضر علیہ السلام نے ان کو مسبعات عشر سکھلائے ۔ پھر فرمایا کہ میں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ ایک شخص مسبعات عشر پابندی سے پڑھا کرتا تھا ۔ ایک دفعہ اثنائے سفر میں اُسے راہزن ملے ، جو اُسے ہلاک کر دینا چاہتے تھے ۔ اسی عرصے میں غیب سے دس سوار ظاہر ہوئے ، جو برہنہ سر تھے ۔ اُس آدمی نے اُن سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم مسبعات عشر ہیں جو تم ہر روز سات مرتبہ پڑھتے ہو ۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ ننگے سر کیوں ہو ؟ کہا اس لیے کہ تم دعا کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھا کرتے تھے ۔

اس موقع پر کسی نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ بسم اللہ کہاں پڑھنی چاہیے ؟ فرمایا ہر سورۃ کے شروع میں ۔

نمازِ اشراق :

جب اشراق کا وقت ہو یعنی آفتاب ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو تو اشراق کی نماز ادا کرے ۔ پہلے دو رکعت نماز شکراللہ اس طرح ادا کرے کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی و ھم فیھا خالدون تک پڑھے ۔ پھر دوسری رکعت میں آمن الرسول آخر تک اور آیت اللہ نورالسموات والارض ۔ واللہ بکل شئی علیم تک پڑھے ۔ اس کے بعد دو رکعتیں استفاذہ ، پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد قل اعوذ برب الفلق اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد قل اعوذ برب الناس پڑھے ۔ اس

کے بعد دو رکعتیں استخارہ اس طرح پڑھے کہ اوّل رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل یا ایہا الکافرون [۳۴۸] اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پڑھے ۔ اس کے بعد دوگانہ ادعیہ ماثورہ پڑھے ۔

اس کے بعد اس واقعہ کے راوی نے بیان کیا کہ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ دو رکعت اور بھی ہیں ، جنھیں میں پھر بیان کروں گا ۔ یہ فرما کر آپ کی آنکھیں پرنم ہوگئیں ۔ پھر فرمایا کہ جس روز شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے نماز اشراق کے لیے مجھ سے فرمایا تو یہی چھ رکعتیں بتائیں ۔ پھر فرمایا ، دو رکعت اور بھی ہیں ، جنھیں میں بعد میں بیان کروں گا ۔

رکعتِ استحباب :

لیکن اوراد شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ میں لکھا ہے کہ ان دوسری دو رکعتوں کو رکعتِ استحباب کہتے ہیں ۔ رکعتِ اول میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ واقعہ پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سبح اسم پڑھے اور اس نماز کے بعد نماز تسبیح میں مشغول ہو ۔ نماز تسبیح کے بعد ہر رکعت میں یہ دعا پڑھے :

سبحان اللہ ملاء المیزان و منتہی العلم و مبلغ الرضا وزنۃ العرش ۔

[پاکی صرف اللہ کے لیے ہے ، ترازو کے پلڑے کے برابر اور انتہائے علم کے برابر اور اس کی رضا کے برابر جو بندوں پر ہے اور عرش کے وزن کے برابر ۔]

صلوات الصلوات :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ صلوات الصلوات نماز تسبیح کی طرح ہے ۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس میں بجائے تسبیح کے درود پڑھتے ہیں ۔ صلوات الصلوات ، یہ دو رکعتیں ہیں ، انھیں چاہے رات میں پڑھے یا دن میں ، لیکن اشراق کی نماز کے بعد ادا کرنے سے بہت زیادہ فائدہ ہے ۔ جس مشکل امر کے لیے یہ نماز پڑھے گا ، اس میں کامیابی ہوگی ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا ، اگر اس نماز کو تین جمعہ اشراق کی نماز کے بعد پڑھے تو جس مشکل کے لیے یہ نماز پڑھے گا ، وہ مشکل حل ہوگی ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ نماز شکر کی دو رکعت دن میں

ادا کرے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ قل ھواللہ احد پڑھے ۔ پھر فرمایا ہر روز طلوعِ آفتاب کے وقت ایک فرشتہ کعبے کی چھت پر اُترتا ہے اور ندا دیتا ہے کہ اے مسلمانو! اے اُمتیانِ محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم! اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ نیا دن دیا ہے اور ایک اور دن جسے روزِ قیامت کہتے ہیں، تمھیں پیش آنے والا ہے ۔ لہٰذا اس دن کے لیے تمھیں آج کے دن کام کرنا چاہیے ۔ دو رکعت نماز پڑھو اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ قل ھواللہ احد پڑھو ۔ پھر جب رات آتی ہے، وہی فرشتہ کعبے کی چھت پر اُترتا ہے اور ندا دیتا ہے کہ اے مسلمانو! اور اے اُمتیانِ محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم! خدائے تعالیٰ نے تمھیں ایک نئی رات نصیب کی ہے اور تمھیں ایک اور رات درپیش ہے، جس کو [۳۷۹] "شبِ گور" کہتے ہیں ۔ لہٰذا اُس شب کے لیے اس شب میں کام کرو اور دو رکعت نماز ادا کرو ۔ ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے پانچ دفعہ قل یا ایھا الکافرون پڑھو ۔

بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ شیخ جمال الدین نے ایک حدیث روایت کی ہے ۔ مجھے اس کے الفاظ یاد نہیں رہے لیکن اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر ہو سکے تو اشراق کے بعد سو رکعتیں نماز اس طرح ادا کرے ۔ سورۂ دعہ کے بعد سورۂ اخلاص ایک مرتبہ پڑھے، یا درود، ذکر اور مراقبے میں مشغول رہے، تاکہ عبادت متصل ہو جائے ۔

جب وقت چاشت آئے تو بارہ رکعت نمار (چاشت) ادا کرے اور چاشت کی کم از کم چار رکعتیں ہیں ۔

حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ان چہار گانوں میں اول چہارگانے میں سورۂ فاتحہ کے بعد اِنّا پڑھے (یعنی وہ سورتیں جو اِنّا سے شروع ہوتی ہیں) یعنی پہلی رکعت میں اِنّا فتحنا، دوسری میں اِنّا ارسلنا، تیسری میں انّا انزلنا اور چوتھی میں اِنّا اعطینا پڑھے ۔ ہر رکعت میں ان سورتوں کے پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے ۔ دوسری چار رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد پہلی میں والشمس، دوسری میں واللیل، تیسری میں والضحیٰ اور چوتھی میں الم نشرح پڑھے ۔ تیسری چار رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد چاروں قل پڑھنے چاہییں ۔

نمازِ صحت النفس :

بعد ازاں فرمایا کہ چاشت کی نماز کے بعد دو رکعت نماز صحت النفس

کے لیے پڑھے۔ اس نماز کی رکعت اوّل میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی، والشمس ایک ایک مرتبہ اور سورۂ اخلاص پانچ مرتبہ پڑھے اور دوسری رکعت میں آمن الرسول اور سورۂ والضحٰی ایک ایک مرتبہ اور سورۂ اخلاص پانچ مرتبہ پڑھے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا مانگے:

اللھم انی اسئلک العفو والعافیۃ والمعافات فی الدنیا والاخرۃ۔

[اے اللہ! میں تجھ سے بخشش عافیت اور در گزر کی درخواست کرتا ہوں دنیا اور آخرت میں۔]

نیز فرماتے تھے کہ جو شخص نماز چاشت ادا کرتا ہے، عسر چاشت اس کے پاس نہیں پھٹکتا۔ یعنی جو شخص نماز چاشت ادا کرتا ہے، حق جل و علیٰ وسایل معیشت اُس کے لیے مہیا کرتا ہے۔

میں نے حضرت سلطان المشائخ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا کہ جب پوچھا گیا کیا آپ چاشت کی نماز اس وقت ادا کرتے ہیں جب سورج نکل آتا ہے؟ فرمایا، نہیں، بلکہ جب روشنی روئے زمین پر خوب پھیل جاتی ہے۔ اس روشنی کے پھیلنے کا نام دن کا پہلا حصہ ہے، قبل اس کے کہ روشنی زردی پر غالب آئے [۳۸۰]۔

صلٰوۃ فی الزوال۔

جب زوال کا وقت آئے یعنی سایہ ہو جائے تو چار رکعت نماز صلٰوۃ فی الزوال اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پچاس بار یا دس بار یا تین بار پڑھے اور اس وقت کو غنیمت جانے جیسا کہ آدمی رات کو جانتا ہے اور درود و تلاوت میں مشغول رہے۔

نیز فرمایا کہ ظہر کی سنتوں میں چاروں قل پڑھے اور ظہر کے فرضوں کے بعد کی دو رکعت سنتوں میں اوّل رکعت میں آیت الکرسی اور دوسری رکعت میں امن الرسول پڑھے۔

صلٰوۃ الخضر:

ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد دس رکعتیں صلٰوۃ الخضر ادا کرے۔ ان دس رکعتوں میں آخر قرآن مجید کی دس سورتیں پڑھے۔ جو کوئی یہ نماز پڑھتا ہے اس کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوگی۔

عصر کی نماز کی سنتوں میں دس بار سورۂ والعصر پڑھے۔ اوّل رکعت

میں چار بار ، دوسری رکعت میں تین بار ، تیسری رکعت میں دو بار اور چوتھی رکعت میں ایک بار پڑھے ۔

نماز عصر کی سنتوں میں والسماء ذات البروج پڑھنے سے دنبل اور نارو کی بیماری دور ہو جاتی ہے ۔

ایک اور روایت کے مطابق سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ عصر کی نماز کی سنتوں میں اذا زلزلت الارض اور اس کے متصل کی تین سورتیں پڑھنا مفید ہیں ۔

امیر حسن شاعر نے سوال کیا کہ بندہ نارو اور دنبل کے دور کرنے کے لیے پہلی رکعت میں سورۂ بروج اور بعد کی رکعتوں میں سورۂ اذا زلزلت الارض پڑھتا ہے ؟ فرمایا ، اچھا کرتے ہو ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھ سے خواب میں فرمایا کہ عصر کی نماز کے بعد سورۂ نبا کتنی بار پڑھتے ہو ؟ میں نے عرض کیا کہ ایک مرتبہ ۔ فرمایا ، پانچ مرتبہ پڑھا کرو ۔ میں نے دل میں کہا کہ اس میں بھی کوئی خوش خبری ہوگی ۔ بعد ازاں میں نے ایک تفسیر میں دیکھا کہ جو کوئی عصر کی نماز کے بعد پانچ مرتبہ سورۂ نبا پڑھتا ہے وہ حق تعالیٰ کی محبت کا اسیر ہو جاتا ہے ۔ اس کا نام ''اسیر اللہ'' رکھا گیا ۔ میں سمجھ گیا کہ شیخ کا مقصد یہی تھا ۔

نیز فرمایا کہ جو کوئی عصر کی نماز کے بعد سورۂ والنازعات پڑھتا ہے ، اللہ تعالیٰ اُسے قبر میں نہیں رہنے دیتا ، مگر ایک نماز کے وقت تک ۔ اس بات کے بعد آپ نے آب دیدہ ہوکر فرمایا کہ جو شخص قبر میں نہیں رہتا کہاں جاتا ہے ۔ ہوتا یہ ہے کہ جب روح کمال کو پہنچتی ہے تو قلب کو جذب کر لیتی ہے ۔ جب قلب کمال کو پہنچتا ہے تو قالب کو جذب کر لیتا ہے ۔

پھر فرمایا ، عصر کی نماز کے بعد سے سورج کے غروب ہونے تک مسبعات عشر پڑھے ، اسی طریقے پر جس طرح کہ صبح کی نماز کے بعد پڑھتا ہے ۔

فرمایا کہ جو کہ نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک ان تین اسموں کو پڑھے ، [۳۸۱] جس مشکل کے لیے پڑھے گا ، حق جلّ و علیٰ اس کو آسان فرمائے گا اور وہ اسماء یہ ہیں یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم ۔

جب مغرب کی نماز کا وقت آئے تو فرمایا ، مغرب کی سنتوں میں رکعت اوّل میں قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھے ۔

ایک روایت میں سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں فسبحان اللہ حین تمسون آخر تک اور دوسری رکعت میں سبحان ربک رب العزۃ آخر سورۃ تک پڑھے ۔

اس کے بعد بیس رکعتیں اوّابین ادا کرے ، جس طرح کہ وہ آئی ہیں ۔ جب سجدے میں سر رکھے تو دو تین بار کہے :

اللھم ارزقنی توبہ توجب محبتک فی قلبی یا محب التوابین ۔

[اے بار خدایا ! میں نے اپنے دین و ایمان کو تیرے سپرد کیا ہے ۔ میرا مقدر کر ایسی توبہ جو لازم کرے تیری محبت کو میرے دل میں ۔ اے دوست رکھنے والے توبہ کرنے والوں کو ۔]

نیز فرمایا کہ چھ رکعتیں مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان پڑھے ۔ بعض اہل ارادت نے چھ رکعت ہی بتائی ہیں ۔

صلوٰۃ الایمان :

فرمایا کہ دو رکعت نماز ایمان کی نگہداشت کے لیے مغرب کی نماز کے بعد اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص آٹھ بار اور قل اعوذ برب الفلق ایک بار اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص سات بار اور قل اعوذ برب الناس ایک بار پڑھے ۔ اس کے بعد سر بسجود ہو کر تین مرتبہ کہے :

یا حی یا قیوم ثبتنی علی الایمان ۔

[اے حی اے قیوم ! مجھ کو ایمان پر ثابت قدم رکھ ۔]

سلطان المشائخ نے اس نماز کی برکت کے سلسلے میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ میں نے شیخ معین الدین سجزی[۲] کے پوتے خواجہ احمد سے ، جو نہایت بزرگ اور صالح تھے سنا کہ میرا ایک ساتھی تھا جو لشکری تھا ۔ وہ ہمیشہ یہ دو رکعت نماز ادا کرتا تھا چنانچہ ایک دفعہ ہم اجمیر جا رہے تھے ۔ جب ہم اجمیر کے نواح میں پہنچے تو شام ہو گئی ۔ وہاں چوروں کا خوف تھا ۔ ہم نے نماز مغرب کے بعد جلدی سے سنتیں ادا کیں اور شہر

کا رخ کیا۔ باوجود اس لیے کہ چوروں کی پریشانی اور خوف تھا ، لیکن اس نے دو رکعت نماز نگہداشتِ ایمان ادا کی۔ غرض کہ جب اُس جوان کی وفات کا وقت قریب آیا ، میں اُس کا حال معلوم کرنے کے لیے اُس کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس دنیا سے اس طرح سفر کر رہا ہے ، جیسا اُسے جانا چاہیے۔ خواجہ احمد نے اس حکایت کے بیان کرنے کے بعد فرمایا ، اگر مجھے موت کی کرسی کے قریب جا کر بھی گواہی دینی [۳۸۲] پڑے تو میں گواہی دوں گا کہ وہ با ایمان گیا۔

صلٰوۃ البروج :

پھر فرمایا کہ بعد نماز مغرب کے دو رکعت اور بھی ہیں ، چنانچہ میرے ایک دوست ، جنھیں مولانا تقی الدین کہتے تھے جو نہایت نیک اور دانش مند تھے ، ہمیشہ مغرب کی نماز کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد والسماء ذات البروج اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد والطارق پڑھتے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ خدائے تعالٰی نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا ؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ میری وفات کے بعد حکم ہوا کہ ہم نے اُس کو ان دو رکعت ادا کرنے کی وجہ سے بخش دیا۔ کسی نے پوچھا کہ کیا اس نماز کو ''صلٰوۃ النور'' کہتے ہیں؟ فرمایا ، نہیں بلکہ اس کو صلٰوۃ البروج کہتے ہیں۔ ''صلٰوۃ النور'' میں ہر ایک رکعت میں سورۂ اَنعام کی ابتدائی چند آیتیں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ پہلی رکعت یستھزؤن پر ختم کرتے ہیں اور دوسری رکعت بھی یستھزؤن پر ختم کرتے ہیں۔ اس نماز کو ''صلٰوۃ النور'' کہتے ہیں۔

کاتبِ حروف عرض کرتا ہے کہ یہ دو رکعت نماز ''صلٰوۃ البروج'' اور دو رکعت ''صلٰوۃ النور'' اوابین کی بیس رکعتوں میں شامل ہیں۔

صلٰوۃ البروج کے بعد کی دعا :

فرمایا کہ صلٰوۃ البروج کے بعد یہ دعا پڑھے :

اللھم إنی استودعک ایمانی و دینی فاحفظھما۔

الغرض مغرب اور عشا کا درمیانی وقت کسی اچھے کام میں صرف ہونا

چاہیے ۔ بہت سے مشائخ نے اس وقت کو مغتنم جان کر یادِ الٰہی سے معمور رکھا ہے ۔ اگر کوئی شخص روزے سے اور یادِ الٰہی سے اس وقت کو معمور نہیں رکھ سکتا تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ افطار میں اس وقت کو صرف کرے اور اس طرح سے اس وقت کو معمور رکھے ۔

اسی وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک صبح صادقوں کی ہوتی ہے اور ایک صبح عاشقوں کی ہوتی ہے ۔ صادقوں کی صبح ، صبح صادق ہے لیکن عاشقوں کی صبح ، نمازِ شام ہے ۔

جب عشا کی نماز کا وقت آئے تو پہلے چار رکعت سنت ادا کرے ۔ نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی ، خالدون تک پڑھے ۔ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمن الرسول آخر سورۃ تک پڑھے ۔ تیسری رکعت میں شہد اللہ اور چوتھی رکعت میں قل اللّٰھم مالک الملک پڑھے ۔ عشا کی نماز کے بعد چار سنتیں ادا کرنا افضل ہے ۔ ان میں وہی سورتیں پڑھنی چاہیں جو عشا کے فرض سے پہلے چار سنتوں میں پڑھی گئی ہیں ۔

صلوٰۃ السعادت :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ چار رکعت ''صلوٰۃ السعادت'' اس طرح ادا کرنی چاہیے کہ رکعت اول میں بعد فاتحہ کے دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے [۲۸۳] ۔ دوسری رکعت میں بیس بار سورۂ اخلاص پڑھے ، تیسری رکعت میں تیس بار اور چوتھی رکعت میں چالیس بار سورۂ اخلاص پڑھے ۔

آنکھوں کی بیماریوں کے لیے نماز اور اوراد :

فرمایا نمازِ عشا کے بعد دو رکعت نماز آنکھوں کی بینائی کے لیے پڑھے اور ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے پانچ مرتبہ سورۂ انا اعطینا پڑھے اور بعد نماز کے تین مرتبہ یہ دعا پڑھے ۔ اللھم متعنی بسمعی و بصری و اجعلھا الوارث منی ۔

نیز سلطان المشائخ سے مروی ہے کہ یہ نماز مغرب کے بعد ادا کرنی چاہیے اور ہر مرتبہ جب یہ دعا پڑھے انگوٹھوں پر دم کر کے آنکھوں پر پھیرے ۔

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اس نماز اور دعا کی برکت

سے میں کتابوں کے باریک حروف نماز عشا کے بعد مطالعہ کر لیتا ہوں ۔

نیز فرمایا کہ روشنیِ چشم اور آنکھوں کی بیماریوں سے محفوظ رہنے کے لیے لا الٰہ الا هوالحی القیوم پڑھ کر انگوٹھوں پر دم کرے اور آنکھوں پر پھیرے ۔ پھر کہے ۔ الم اللہ لا الہ الا هوالحی القیوم پڑھ کر اسی طرح کرے ۔ پھر کہے و عنت الوجوہ للحی القیوم ۔ پھر اسی طرح کرے اور آنکھوں پر ملے ۔

نیز فرمایا ، کھیعٓصٓ و حمٓ عسق ۔ تین بار پڑھے ۔ یہ دس حرف ہیں ۔ ہر حرف جب کہے تو ایک اُنگلی بند کرتا جائے ۔ پھر اُنگلیوں کو آنکھوں پر ملے ۔ (آنکھوں کی بیماریوں سے) صحتِ کلی پائے گا ۔

صلٰوۃ العاشقین :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اس کے بعد چار رکعتیں مشکل ترین امور کے لیے صلٰوۃ العاشقین اس طرح ادا کرے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ یا اللہ ، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ یا رحمٰن ، تیسری رکعت میں سو مرتبہ یا رحیم ، چوتھی رکعت میں سو مرتبہ یا ودود پڑھے ۔

صلٰوۃ القربت :

بعد ازآں فرمایا کہ صلٰوۃ القربت اس طرح ادا کرے کہ ہر دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد ستر بار سورۂ اخلاص پڑھے ۔ اس نماز سے فارغ ہونے کے بعد ستر مرتبہ استغفراللہ کہے اور یہ دعا پڑھے :

اللھم ارزقنی عمل الذی یقربنی الیک ۔

[اے اللہ ! ایسا عمل مقدّر کر جو مجھے تجھ سے قریب کر دے ۔]

فرمایا کہ شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز ہر رات میں ایک ہزار مرتبہ درود پڑھتے تھے ۔ حاضرینِ مجلس نے پوچھا ، وہ کون سا درود تھا ۔ فرمایا ، یہ درود پڑھتے تھے : اللھم صلِ علٰی محمد عبدک ونبیک و حبیبک و رسولک النبی الامی و علٰی آلہٖ ۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں بھی یہی درود پڑھتا ہوں ۔

کاتب الحروف عرض پرداز ہے کہ میں نے سلطان المشائخ کے ہاتھ سے

لکھا ہوا یہ درود دیکھا : اللھم صل علی محمد عددالبری والثری والوری البری علی التراب علی وجہ الارض والثری تحت البری ۔

نیز روایت کرتے ہیں کہ سلطان المشائخ ہر رات میں ہزار بار درود پڑھتے تھے اور ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھتے تھے اور ہر روز "جواہر القرآن" جو امام غزالی کی تالیف ہے ، تقریباً اڑھائی سیپارے کے برابر پڑھتے تھے اور "حرز یمانی" اور "حرز کافی" پڑھا کرتے تھے ۔ [۳۸۳]

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کے بعد سورۂ یٰسین اور ظہر کی نماز کے بعد انا ارسلنا اور عصر کی نماز کے بعد انا فتحنا اور مغرب کے بعد سورۂ واقعہ اور عشا کے بعد سورۂ الملک پڑھے ۔

نیز فرمایا کہ ہر فرض کے بعد یہ دعا پڑھے :

اللھم لک الحمد لا الٰہ الا انت رب خلقتنی و لم اک شیأہ و رزقنی و لم املک شیئاً و علمتنی و لم اعلم شیئاً رب انی ظلمت نفسی و ارتکبت المعاصی و انا مقرٌ بذنوبی فان غفرتنی فلاینقص من الملک شیٔ و ان عذبتنی لایزید فی سلطانک شیٔ نجد من تعذب غیری ولا اجد من یرحمنی غیرک بعزتک و جلالک ان تغفرلی و تتوب علیّ انک انت التواب الرحیم و صل علٰی خیر خلقہ محمد و آلہ اجمعین ۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جو کوئی اس دعا کو پابندی سے پڑھتا ہے اس کا خاتمہ بالخیر ہوتا ہے ۔

نیز فرمایا کہ جو کوئی ہر فرض کے بعد فوراً ہی آیت الکرسی پڑھتا ہے ، حق تعالٰی اس کی روح کو بغیر ملک الموت کے واسطے کے قبض کرتا ہے ۔

نیز فرمایا کہ جو کوئی ہر فرض کے بعد پانچ مرتبہ قل اللھم مالک الملک . . . بغیر حساب تک پڑھتا ہے ، حق تعالٰی اس بندے کے قرض کو ادا کرا دیتا ہے ۔ جب تہجد کا وقت آئے ، تہجد کی نماز ادا کرے ۔ "احیاء" میں مرقوم ہے کہ تہجد سنتِ مؤکدہ ہے اور وہ بارہ رکعتیں ہیں ، تین سلاموں کے ساتھ ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا ، تہجد ہجود سے ہے ۔ ہجود کے معنی کم

سونے کے ہیں ۔ تہجد رفع ہجود ہے ، یعنی جب نیند خوب آنے لگے تو ذمہ داری کے ساتھ اپنے آپ کو نماز کے لیے بیدار رکھے ۔

فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس سرہ تہجد کی بارہ رکعتیں اس طرح ادا فرماتے تھے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی اور سورۂ اخلاص تین مرتبہ اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمن الرسول اور اخلاص تین مرتبہ پڑھتے تھے اور شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی کے اوراد میں ہر دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی مرقوم ہے ۔ لیکن سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ مجھ سے شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین نے فرمایا کہ دوسری رکعت میں آمن الرسول پڑھو کہ میں بھی یہی پڑھتا ہوں ۔

شب کی بیداری میں اختلاف ہے ۔ بعض مشائخ اول شب بیدار رہتے تھے اور آخر نصف شب میں کسل کے دور کرنے کے لیے سوتے تھے تاکہ نیند اوراد کے اوقات میں مزاحم نہ ہو ۔

بعض مشائخ اول شب سوتے تھے اور پچھلی آدھی رات بیدا رہے تھے ۔ [۳۸۵]

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ جب تہائی شب گزر جاتی تو بیدار ہوتے ۔ امام و موذن حاضر ہوتے اور عشاء کی نماز ادا فرماتے ۔ پھر نہ سوتے اور صبح تک بیدار رہتے ۔

سلطان المشائخ کے خلیفہ شیخ قطب الدین منوّر کا بھی بیداری شب میں یہی طریقہ تھا ۔ بعض سابقہ بزرگ تمام رات بیدار رہتے تھے ، یہاں تک کہ تابعین میں سے چالیس حضرات نے عشاء کی وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ ، سعید مسیّب اور فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہم ۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جس مسجد میں یہ بزرگ عبادت میں مشغول ہوتے تھے ، تمام رات بیدار رہتے تھے ۔ جب فجر کے وقت موذن کے آنے کا وقت ہوتا ، تو یہ سب کے سب اپنے آپ کو سوتا ہوا بنا لیتے ۔

سلطان المشائخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے راوی نے پوچھا کہ آپ کب وتر پڑھتے ہیں ؟ فرمایا ، رات کے اول حصے میں ۔ پھر اُس نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ آپ کس وقت وتر پڑھتے ہیں ؟ فرمایا ، آخر رات میں ۔ اس نے کہا کہ

آپ نے جزم کو اختیار کیا اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ نے عزم اور جزم دونوں کو اختیار کیا تاکہ قضا نہ ہو جائے اور دوسرے معنی میں پختہ ارادے سے کام لیا۔

نیز میں نے سلطان المشائخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا۔ بسا اوقات قائم مشکور ہوتا ہے اور سونے والا مغفور ہوتا ہے، یعنی تہجد ادا کرنے والا اپنے بھائی کے لیے بخشش طلب کرتا ہے، اسی لیے وہ اس کا شکرگزار ہوتا ہے اور اسی لیے وہ بخشا جاتا ہے۔

سلطان المشائخ کا امیر خسرو کے نام ایک خط :

سلطان المشائخ نے امیر خسروؒ کے نام ایک خط اپنے دستِ مبارک سے تحریر کیا، جس کا مضمون یہ ہے کہ:

> اپنے اعضا و جوارح کو شریعت کی ناجائز چیزوں سے بچانا چاہیے۔ اپنے اوراد کی حفاظت کی کوشش کرنی چاہیے اور عمرِ عزیز کو، جو تمام مرادوں کا ماحصل ہے، غنیمت جاننا چاہیے اور اپنے اوقات کو فضول باتوں میں صرف نہ کرنا چاہیے۔

نکتہ

ہفتے کے اور سالانہ اوراد کے متعلق

سلطان المشائخ قدس سرہ نے فرمایا کہ فجر کی نماز سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے۔ پہلی رکعت میں سات مرتبہ فاتحہ۔ اس کے بعد ایک مرتبہ قل یا ایہا الکافرون پڑھے۔ دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد ایک مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے۔ سلام کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ۔ دس بار ماشاء اللہ کان و ما لم یشاء لم یکن اشہد ان اللہ قد احاط بکل شیٔ علماً و احصیٰ کل شیءٍ عدداً۔ دس مرتبہ، درود شریف دس مرتبہ، استغفار دس مرتبہ یا حی یا قیوم یا ذالجلال والاکرام پڑھے۔ اس کے بعد بیٹھ جائے۔ سر برہنہ کرے اور ہاتھوں کو بلند اٹھائے اور کہے یا ارحم الراحمین۔ اس کے بعد سر سجدے میں رکھے اور سجدے میں دس بار اغثنا یا غیاث المستغیثین کہے۔ [۳۸۶] جس مشکل کے لیے پڑھے گا، کامیاب ہوگا۔

گزشتہ بزرگ جمعہ کے دن فجر کی نماز کے بعد کے وقت کو نہایت غنیمت

جانتے تھے اور اس وقت میں دنیا کے کاموں سے ہاتھ اُٹھائے رکھتے تھے اور بعض اسلاف جمعہ کے دن اور شب جمعہ کو کھانا نہیں کھاتے تھے اور اس پورے شب و روز میں یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ اوّل بدعت جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی وفات کے بعد پیدا ہوئی ، وہ یہ تھی کہ بے وقت لوگ جامع مسجد میں جانے لگے۔

جمعہ کے روز جامع مسجد میں سلطان المشائخ کے تشریف لے جانے کی عادت:

سلطان المشائخ ابتدا میں جمعہ کے روز اشراق کے بعد مسجد جامع کیلوکھری میں تشریف لے جاتے تھے۔ جب جمعہ کی نماز کا وقت آتا تو غسل فرماتے پھر مسجد میں آتے۔ آپ نے فرمایا ، جو کوئی ستر مرتبہ بعد نماز جمعہ اغننی بحلالک عن حرامک و بطاعتک عن معصیتک و بفضلک عمن سواک برحمتک یا ارحم الراحمین پڑھتا ہے ، خدائے تعالیٰ اس کو کبھی بندوں کا محتاج نہیں کرتا۔

امیر حسنؒ نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ نماز جمعہ میں نہ جانے کے لیے کئی تاویلیں ہیں۔ فرمایا ، کوئی تاویل نہیں ، سوائے اس کے کہ کوئی مسافر ہو یا مریض ہو لیکن جو شخص مسجد میں جانے کی طاقت رکھتا ہے اور نہیں جاتا وہ بہت ہی سنگ دل ہے۔ پھر اُسی وقت فرمایا ، اگر کوئی ایک جمعہ کی نماز کے لیے نہیں جاتا ، ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر دوسرے جمعہ کو بھی نہیں جاتا دو سیاہ نقطے اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر تیسرے جمعہ کو بھی نہیں جاتا اس کا تمام دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔

فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز ہر روز غسل کرتے تھے اور بعض نے روایت کی ہے کہ نماز کے پانچوں وقت غسل کرتے تھے۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ تین چیزیں کہ شیخ کبیر فریدالحق والدین کو حاصل تھیں جو میں نہیں کر سکتا اوّل یہ کہ وہ ہر روز غسل کرتے تھے ، دوسرے یہ کہ وہ غلام و باندیاں خریدتے تھے ، تیسرے یہ کہ سحری نہیں کھاتے تھے اور میں البتہ کھاتا ہوں۔

فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ جمعہ کی شب میں ہر گھڑی میں ستر ہزار دوزخی بخشے جاتے ہیں۔ نیز اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ جو

دعا اس گھڑی میں کی جائے ، قبول ہوتی ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ گھڑی اقامتِ جمعہ کے وقت ہوتی ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ عصر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک ہے ۔ چنانچہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض کسی کو اس بات کے لیے مقرر فرمایں کہ جمعہ کے دن غروبِ آفتاب کے وقت مجھے اطلاع دی جائے ۔ جیسے ہی آفتاب کے غروب ہونے کا وقت ہوتا تو وہ شخص آپ کو اطلاع دیتا ۔ آپ فوراً یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاتیں ۔

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے [۳۸۷] لکھا ہوا دیکھا کہ جو شخص پیر کی رات کو دو رکعت صلٰوۃ السعادت اس طرح ادا کرتا ہے ، وہ کبھی بدنصیب نہیں ہوتا ، یعنی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی ایک بار اور سورۃ اخلاص تین بار پڑھے ۔ سلام کے بعد دس بار درود شریف اور دس بار استغفار پڑھے ۔

شروع مہینے کی دعا :

نیز میں نے سلطان المشائخ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا کہ مہینے کے پہلے دن یہ دعا پڑھے ۔

اللهم لک الحمد علٰی آلائک و نعمائک مثل ما حمدت به نفسک و مثل ما حمدک به الحامدون الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبهم والصابرون علٰی ما اصابهم ولا قیمو الصلوۃ و مما رزقناهم ینفقون واستغفرک مثل ما استغفرک المستغفرون الذین اذا فعلوا فاحشۃً او ظلموا انفسهم ذکروا الله فاستغفروا لذنوبهم و من یغفر الذنوب الا الله و اتوب الیک مثل ما تاب جمیع التوابین الذین جعلت توبتهم مقبولة و علامة نجاتهم واعتق من کل سوءٍ یا غیاث المستغیثین و من کل مکروب یا من یجیب المضطرین اذا رجاک و اکشف السوء و انت القادر علٰی کل شیءٍ ما انا فیه من الهموم والغموم انک انت الغفور الرحیم ۔

بہتر ہے کہ یہ دعا پابندی سے پڑھا کرے ۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو یہ دعا پڑھے ۔

آخری چہار شنبہ :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ (بدھ) نہایت

ہی با برکت ہے ۔ اس دن آدمی سے جس قدر بھی ممکن ہو ، غریبوں کو کھانا کھلائے ، فقرا کو خیر خیرات دے اور خوش رہے ۔ پھر فرمایا کہ میں اسی روز پیدا ہوا تھا ۔

ماہ رجب کی پچیسویں تاریخ کا روزہ :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ۲۵ تاریخ ماہ رجب کو روزہ رکھا کرو ، اس لیے کہ جو نعمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو شبِ معراج میں دی گئی تھی ، اس سے اس تاریخ کے روزہ رکھنے والے کو حصہ ملے گا ۔ آپ اپنے مریدوں کو اس ماہ میں روزہ رکھنے کی وصیت فرماتے تھے ۔

نیز فرمایا کہ جو شخص رجب میں ہزار بار حسبِ ذیل استغفار پڑھتا ہے تو اس کے متعلق حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میں اپنے کرم سے اس کو نہ بخشوں گا تو میں اس کا پروردگار ہی نہیں ۔ وہ استغفار یہ ہے استغفراللہ ذالجلال والاکرام من جمیع الذنوب والآثام ۔

صلوٰۃ لیلۃ الرغائب :

فرمایا کہ لیلۃ الرغائب جمع منتہی الجموع رغیب [۳۸۸] کی ہے ، جس کے معنی ہیں عطائے کثیر (لیلۃ الرغائب کے ادا کرنے کی خوب کوشش کرو) ۔ سلطان المشائخ اس نماز کو با جماعت ادا کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ آپ نے یہ نماز پڑھی ۔ موسم نہایت گرم تھا ، چنانچہ آپ کا پیراہن مبارک آپ کے معطر آمیز پسینے سے تر ہوگیا ۔ نماز ادا کرنے کے بعد ایک کونے میں جا کر آپ نے وہ پیراہن اُتارا اور مولانا شہاب الدین امام کو وہ پیراہن عطا فرما دیا ۔ یہ دولت ان کو اسی رات عطا ہوئی ۔ پھر از سرِ نو وضو کرکے عشا کی نماز ادا کی ۔ پھر فرمایا کہ اس مہینے (رجب) میں خواجہ اویس قرنیؓ کی نماز ادا کرنی چاہیے ۔ یہ نماز رجب کی تیسری ، چوتھی اور پانچویں کو یا تیرھویں ، چودھویں اور پندرھویں کو ادا کرنی چاہیے ۔ پھر آپ نے اس نماز کے فضائل کثرت سے بیان کرکے یہ حکایت بیان فرمائی ۔

مدرسۂ معزی میں ایک دانش ور تھا ۔ جو مسئلہ اُس سے پوچھتے شافی جواب دیتا اور مباحثے میں عالمانہ اسلوب اختیار کرتا ۔ جب اس سے

اس کی تعلیم کے بارے میں پوچھا گیا تو اُس نے کہا کہ میں نہ کسی کا شاگرد ہوں اور نہ میں نے کچھ پڑھا ہے ۔ جب میں بڑا ہوا تو میں نے ایک مرتبہ خواجہ اویس قرنی کی نماز ادا کی اور نماز کے بعد دعا کی کہ الٰہی ! میں بڑا ہو گیا ہوں اور میں نے کچھ نہیں پڑھا ۔ الٰہی ! مجھے علم عطا فرما ۔ اللہ تعالیٰ نے اِس نماز کی برکت کی وجہ سے مجھ پر علم کا دروازہ کھول دیا ۔ یہاں تک کہ آج جب کسی علمی مسئلے میں کوئی پیچیدگی پڑتی ہے تو میں اس کو واضح کرتا ہوں ۔

درازیِ عمر کے لیے نماز :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ماہ رجب میں ایک نماز درازیِ عمر کے لیے بھی پڑھی جاتی ہے ۔ اس موقع پر آپ نے ایک حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے مولانا نظام الدین بن شیخ ضیاء الدین پانی پتی سے سنا تھا کہ شیخ بدرالدین غزنوی ہر سال یہ نماز ادا فرماتے تھے ۔ ایک سال اُنھوں نے یہ نماز نہیں پڑھی ۔ لوگوں نے پوچھا ، امسال آپ نے یہ نماز ادا نہیں فرمائی ؟ فرمایا کہ میری عمر میں سے کچھ باقی نہیں رہا ۔ چنانچہ اُنھوں نے اُسی سال وفات پائی ۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی آخر رجب میں یہ نماز ادا کرتا ہے اور اس کا مقصد درازیِ عمر ہوتا ہے تو اُسے زیادہ عمر ملتی ہے ۔ وہ نماز یہ ہے بارہ رکعت تین سلاموں کے ساتھ پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی ایک بار ، سورۂ اخلاص تین بار پڑھے اور سلام کے بعد دس مرتبہ یہ دعا پڑھے :

یا اجل من کل جلیل و یا اعز من کل عزیز یا احد خیر من کل احد انت ربی لا رب لی سواک یا غیاث المستغیثین [۳۸۹] و رجاهم اغثنی بفضلک و مد فی عمری مدا طویلا و اعطنی من لدنک عمراً فی رضاك برحمتک یا کریم یا وھاب ۔

تسبیحات تراویح :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مشائخ رمضان میں نمازِ تراویح میں یہ تسبیحات پڑھتے تھے ۔ پہلے ترویحے میں کلمۂ شہادت تین بار ، دوسرے ترویحے میں درود شریف تین بار ، تیسرے ترویحے میں سبحان اللہ والحمد للہ آخر تک

تین بار اور چوتھے ترویحے میں سبحان اللہ و بحمدہ، سبحان اللہ العظیم و بحمدہ، تین بار اور پانچویں ترویحے میں استغفراللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم غفار الذنوب آخر تک تین بار پڑھتے تھے ۔

مولانا حسام الدین ملتانیؒ جو سلطان المشائخ کے خلیفہ تھے ، ماہِ رمضان کی راتوں میں تراویح میں تین مرتبہ ختم قرآن کرتے ۔ سلطان المشائخ کے کچھ مرید ایک قرآن مجید کے ختم ہونے تک ان کی موافقت کرتے تھے، لیکن جب یہ مرید قاضی محی الدین کاشانی کے ساتھ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُنھوں نے قدم بوسی کے بعد عرض کیا کہ ہم ایک قرآن مجید مولانا حسام الدین کی اقتداء میں سن چکے ہیں ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک قرآن مجید ختم کرنا تراویح میں سنت ہے ، لیکن میرا امام سورۂ اخلاص پڑھا کرتا ہے اس لیے کہ کل قیامت کے روز خلقت گروہوں میں تقسیم ہوگی ۔ جنھوں نے حج کیا وہ ایک گروہ میں ہوں گے ۔ جنھوں نے جہاد کیا وہ ایک گروہ میں ہوں گے ۔ جنھوں نے تراویح میں قرآن مجید ختم کیا وہ ایک گروہ میں ہوں گے ۔ میں چاہتا ہوں کہ کل قیامت کے دن میں شیخ کبیر قدس سرہ کے گروہ میں ہوں ۔ کیونکہ میرے شیخ کے پیش امام تراویح میں سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے ، اس لیے میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں ۔

ایک دفعہ ایک شخص سلطان المشائخ کے جماعت خانے میں دہلی سے اس نیت سے آیا کہ وہ قرآن مجید تراویح میں ختم کرے ۔ جب اُس نے سلطان المشائخ سے اس بارے میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا ، تمھیں معلوم ہے ۔ پھر فرمایا ، اگر میں اس باب میں کچھ کہوں گا کہ نہ پڑھو تو ترک سنت ہے ۔ پھر آپ خاموش ہوگئے یہاں تک کہ عشا کا وقت آ گیا ۔ جب اُس نے سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن شریف پڑھنا چاہا تو خود بخود رک گیا اور نماز کو قطع کر دیا ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، مولانا ! اخلاص سے کام لو (یعنی سورۂ اخلاص پڑھو) ۔

نیز فرمایا کہ تراویح با جماعت ادا کرنا سنت ہے ۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ تراویح رسول اللہ کی سنت ہے یا صحابہؓ کرامؓ کی ؟ فرمایا ، تراویح صحابہؓ کرامؓ کی سنت ہے [۲۹۰] ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ایک روایت کے مطابق تین راتیں تراویح پڑھی اور ایک روایت کے مطابق ایک شب تراویح پڑھی ، لیکن اس سنت پر پابندی سے عمل حضرت عمر

خطابؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں کیا ۔ ایک شخص نے پوچھا کہ کیا صحابہؓ کے عمل کو بھی سنت کہتے ہیں ۔ فرمایا ، ہاں ہمارے منہب [مذہب امام ابو حنیفہ] میں عملِ صحابہ کو بھی سنت کہتے ہیں ، لیکن امام شافعی صرف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے عمل و قول کو سنت کہتے ہیں ۔

نیز فرمایا کہ امام اعظم (ابو حنیفہ) رمضان المبارک کے مہینے میں ساٹھ قرآن مجید ختم کرتے ، تیس تراویح میں اور تیس دن میں ۔

پھر فرمایا کہ امام اعظم نے چالیس سال تک صبح کے وضو سے عشا کی نماز ادا کی ۔ پھر فرمایا کہ اس قدر علما اور دانش مند گزرے ہیں لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون تھے ، لیکن جس کا شہرہ قیامت تک باقی رہے گا ، یعنی وہ معنوی زندگی حسنِ معاملہ ہے جسے آسانی سے حاصل نہیں کیا جا سکتا ۔ شبلی و جنید جیسے جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں ۔ اُن کے شرف و بزرگی کو تمام لوگ جانتے ہیں ۔ اُن کی یہ عظمت و بزرگی ان کے حسنِ معاملہ کی وجہ سے ہے ۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک درویش شیخ جنید بغدادی کی خانقاہ میں آیا ۔ رمضان کی چاند رات تھی ۔ اس درویش نے حضرت جنید سے عرض کیا کہ تراویح میں میں امامت کروں گا ۔ شیخ نے اس کو اجازت دے دی ۔ الغرض اُس نے تیس راتوں میں تیس قرآن مجید ختم کیے ۔ آپ نے حکم دیا کہ ہر روز اس کے حجرے میں ایک روٹی اور پانی کا ایک کوزہ رکھو ۔ القصہ جب رمضان کے تیس دن گزر چکے اور عید کا دن آیا تو شیخ نے اُسے رخصت کیا ۔ جب وہ رخصت ہوگیا تو لوگ اس کے حجرے میں گئے ۔ دیکھا تو روٹیاں اُسی طرح رکھی ہوئی ہیں ۔ اُس نے صرف ہر رات کو اُس کوزے کا پانی پیا تھا جو اس کے لیے رکھا جاتا تھا ۔

اعتکاف :

سلطان المشائخ کے ایک اعلیٰ مرید نے چاہا کہ وہ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف میں بیٹھیں ۔ وہ قاضی محی الدین کاشانی کے ساتھ اجازت لینے کے لیے سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، گو اعتکاف رمضان کے آخری عشرے میں سنتِ موکدہ ہے ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف

فرماتے تھے ۔ حضور اکرمؐ ایک سال غزوے میں تھے ، اس لیے آپ اس سال اعتکاف نہ فرما سکے اور آپ نے دوسرے رمضان میں اس کو ادا کیا اور بیس روز اعتکاف کیا لیکن بعض مشائخ نے اپنے مریدوں کو اس لیے حکم نہیں دیا کہ درویش کے اعتکاف کی شہرت ہوتی ہے اور شہرت [۳۹۱] ایک بڑی مصیبت ہے ۔ یہ فقیر بھی اپنے گھر میں یادِ الٰہی میں مشغول رہتا ہے اور تصور کرتا ہے کہ میں اعتکاف ہی میں ہوں ۔

نکتہ

سلطان المشائخ کی نماز کے بیان میں

رسولِ اکرمؐ کی نماز کی قسمیں :

سلطان المشائخ قدس سرہ نے فرمایا کہ جو نمازیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے پڑھیں ، وہ تین قسم کی ہیں ۔ ایک قسم کا تعلق وقت سے ہے ، دوسری قسم وہ ہے جو سبب سے تعلق رکھتی ہے ، تیسری وہ ہے جو نہ وقت سے تعلق رکھتی ہے اور نہ سبب سے ۔

وقت سے متعلق نمازیں :

اب ہم ان نمازوں کو بیان کرتے ہیں جن کا تعلق وقت سے ہے ۔ امام محمد غزالی طیب اللہ ثراہ نے "احیاء العلوم" میں بیان کیا ہے کہ جو نمازیں ہر روز ادا کی جاتی ہیں ، وہ آٹھ ہیں ۔ پانچ فرض نمازیں ، چھٹی چاشت ، ساتویں شام کے بعد کی بیس رکعتیں ، آٹھویں تہجد ۔

ہفتے اور مہینے کی نماز :

وہ نمازیں جو ہفتے میں ہر روز ادا کی جاتی ہیں ، تو وہ ہفتے بھر میں ہر روز کے لیے ایک نماز آئی ہے ، لیکن وہ نماز جو مہینے میں ادا کرنی چاہیے وہ بیس رکعت ہیں ، جیسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو ادا کیا کرتے تھے ۔

سال کی نماز :

وہ نمازیں جو سال میں ایک مرتبہ ادا کی جاتی ہیں ، وہ چار نمازیں ہیں ۔ دو عیدین کی نمازیں ، تیسری تراویح کی نماز ، چوتھی برأت کی نماز ۔

یہ وہ تمام نمازیں ہیں ، جن کا تعلق وقت سے ہے ۔ وہ نماز جس کا تعلق نہ وقت سے ہے اور نہ سبب سے ہے ، وہ نماز تسبیح ہے ۔ اس نماز کو جس وقت بھی چاہے ادا کر سکتا ہے ۔

امیر حسنؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید اضحیٰ کی نماز میں شدید بارش کی وجہ سے اکثر لوگ نماز میں شامل نہ ہو سکے ۔ لوگوں نے اس بارے میں سلطان المشائخ سے عرض کیا ، اگر عید کی نماز میں کسی وجہ سے لوگ نماز عید میں شامل نہ ہو سکیں تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ یہ نماز دوسرے روز ادا کر لیں ؟ فرمایا ، اگر کسی (شرعی) وجہ کی بنا پر لوگ عید کے روز نماز ادا نہیں کر سکے تو وہ دوسرے روز بلکہ تیسرے روز بھی ادا کر سکتے ہیں ، لیکن اگر عید الفطر میں کسی مانع (شرعی) کی وجہ سے یہ نماز میسر نہ ہو تو دوسرے روز نماز ادا کریں ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ مجھے اس عید میں خیال ہوا کہ اگر اس نماز میں لوگ کثرت سے نہ آ سکے ، اس حد تک کہ یہ نماز ادا نہ ہو سکے تو میں دوسرے روز یہ نماز ادا کروں گا ، لیکن حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے لوگ اس قدر آ گئے کہ نماز ادا کی جا سکے ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ہمیشہ عیدین کی نماز جماعت کے ساتھ ہونی چاہیے کہ انبیائے سابق کے زمانے میں یہ نماز سوائے مسجد کے ہر جگہ ادا نہ کی جا سکتی تھی ، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے زمانے میں کہ جس جگہ چاہیں ، یہ نماز ادا کریں ۔ اس کے بعد سلطان المشائخ نے اس باب میں تاکید سے فرمایا [۳۹۲] کہ اگر دو آدمی بھی ہوں تو انھیں یہ نماز جماعت سے ادا کرنی چاہیے ۔

راقم الحروف نے سلطان المشائخ کے دست مبارک سے لکھا ہوا دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے حکم دیا کہ نماز جماعت سے ادا کیا کرو ، یہاں تک کہ میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بغیر جماعت کے نماز قبول ہی نہ ہو ۔ دارنی فرماتے ہیں کہ مجھے تیس سال تک احتلام نہ ہوا ۔ ایک روز میں مکے میں نماز با جماعت ادا نہ کر سکا ، اُسی رات مجھے احتلام ہو گیا ۔

سلطان المشائخ سے لوگوں نے پوچھا کہ فرض کے ادا کرنے کے بعد جو جگہ بدلتے ہیں ، اس میں کیا حکمت ہے ؟ فرمایا ، اگر امام فرض ادا کرنے کے بعد جگہ نہ بدلے تو مکروہ ہوگا ، لیکن اگر مقتدی جگہ نہ بدلے

تو کراہت نہیں ، لیکن مقتدی کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ جگہ بدلے ۔ جب وہ جگہ بدلے تو اُسے اپنی بائیں جانب جانا چاہیے ، صرف اس قدر کہ دایاں بازو بائیں بازو کی جگہ پر قبلے کے مقابل ہو جائے ۔

نیز سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ نماز کی ہر دو رکعت میں بسم اللہ پڑھنی چاہیے ؟ یا ہر سورۃ کے شروع میں ؟ فرمایا کہ امام اعظمؒ پہلی رکعت میں ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھتے تھے ، بخلاف دوسرے ائمہ کے کہ وہ ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھتے تھے ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنی چاہیے ۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ سفیان ثوری ایک دوسرے بزرگ کے ساتھ امام اعظم کے پاس آئے اور اُنھوں نے امام اعظم سے سوال کیا کہ نماز پڑھنے والے کو بسم اللہ کب پڑھنی چاہیے ؟ کیا ہر رکعت کے شروع میں یا ہر سورۃ کے شروع میں اور کتنی مرتبہ پڑھنی چاہیے ۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ نے کہا کہ نہ پڑھے تو ہم آپ سے نہ پڑھنے کے بارے میں دلیل طلب کریں گے ، لیکن امام اعظم نے اپنے عالمانہ کمال سے اُن کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیا کہ بسم اللہ ایک مرتبہ پڑھنی چاہیے ۔

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ امام اعظم کا مقصد ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھنے سے یہ تھا کہ سائل خواہ اُسے کچھ تصوّر کرے ، خواہ وہ رکعت کے شروع میں تصوّر کرے ، خواہ سورۃ کے شروع میں ، خواہ ہر رکعت کے شروع میں ۔

بعد ازآں فرمایا کہ مقتدی کو چاہیے کہ ہر رکعت میں بسم اللہ اور فاتحہ پڑھے ، میں خود بھی پڑھتا ہوں ۔

اس پر سلطان المشائخ سے سوال کیا گیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا من قراء خلف الامام ففی فمہ الکثکث ۔ فرمایا ، اگر اس حدیث کو مدِنظر رکھا جائے تو وعید لاحق ہوتی ہے اور اگر ہم اس پر نظر کریں کہ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا : لاصلٰوۃ لمن لم یقرالفاتحۃ تو بغیر سورۃ فاتحہ کو پڑھے عدم جواز [۳۹۳] صلٰوۃ نظر آتا ہے ۔ پس وعید کو برداشت کرنا چاہیے اور فاتحہ پڑھ لینی چاہیے تاکہ اجماع کے مطابق نماز جائز ہو جائے ۔ ایسا کرنے سے اختلاف سے نکلو گے اور زیادہ احتیاط کے طریقے کو اختیار کرو گے ۔

نیز ارشاد فرمایا کہ نماز کی پہلی شرط حضورِ قلب ہے کہ جو کچھ مصلی پڑھے اس کے معانی پر بھی دل سے غور کرے ۔ پھر فرمایا کہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا رح کے مریدوں میں سے ایک مرید ، جن کو حسن افغان[1] کہا جاتا تھا ، جو صاحب ولایت اور نہایت بزرگ تھے ، ایک دفعہ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ مسجد میں اذان کی آواز سن کر مسجد میں آئے اور امام کے پیچھے جماعت سے نماز ادا کی ۔ جب نماز ختم ہو چکی اور لوگ نماز ادا کرکے واپس ہونے لگے تو خواجہ حسن افغان آہستہ سے امام کے پاس آئے اور کہا ، امام صاحب! جب آپ نے نماز شروع کی تو میں آپ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا ۔ آپ یہاں سے دہلی گئے اور وہاں سے غلام خریدے ۔ پھر ان غلاموں کو خراسان لے گئے ۔ پھر وہاں سے ملتان آئے اور میں آپ کے ساتھ سرگرداں رہا ۔ آخر آپ خود ہی انصاف کیجیے کہ یہ کس قسم کی نماز ہے ۔

کاتبِ حروف نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے :

> جو نمازی صرف جسمانی نماز ادا کرتا ہے اور قلب سے اس کی نماز کا تعلق نہیں ہوتا تو وہ اس آیت کے تحت شمار ہوتا ہے : فویل للمصلین (الخ) اور جو نمازی جسم کے ساتھ قلب کو بھی نماز میں شریک کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہوتا ہے ۔ قد افلح المومنون (الخ) اسلاف لوگوں کی آزمائش اُن کی نماز سے کرتے تھے ۔ کرتے تھے کہ آیا وہ نماز جسم کے ساتھ حضورِ قلب سے بھی ادا کرتا ہے یا نہیں ۔ اگر وہ نماز کو حضورِ قلب سے ادا کرتا تو اس سے محبت رکھتے اور اس کے مواعظ اور نصایح کو سنتے اور مانتے ۔

۱- خواجہ حسن افغان : سلسلہ سہروردیہ کے مشہور شیخ اور حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید و خلیفہ ، کوہ سلیمان کے رہنے والے تھے ۔ علمِ ظاہری سے محض امی تھے ۔ شیخ حسن افغان نے ۶۸۹ھ (۹۱ - ۱۲۹۰ء) میں وفات پائی ۔ آپ کا مزار پُر انوار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے روضۂ مبارک کے عقب میں واقع ہے ۔ (ماخوذ از تذکرہ صوفیائے پنجاب بحوالہ اخبار الاخیار ، ص ۷۶ ؛ خزینۃ الاصفیا ، جلد ۲ ، ص ۴۳ ؛ سیرالعارفین ، ص ۱۱۱)

ابوالقاسم فرماتے ہیں جو مستحبات میں سستی کرتا ہے، اسے سنت سے محروم رکھا جاتا ہے اور جو سنتوں کے ادا کرنے میں سستی کرتا ہے اسے فرضوں سے محروم رکھا جاتا ہے اور جو فرضوں میں سستی کرتا ہے اُسے توحید سے محروم رکھا جاتا ہے۔

ابن مبارک فرماتے ہیں کہ آداب علم کا دو تہائی حصہ ہیں، اس لیے کہ علم سے عزت حاصل ہوتی ہے اور آداب سے قرب حاصل ہوتا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس کا مقصد کیا ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں رکوع ایک ہے اور سجدے دو ہیں؟ فرمایا کہ رکوع عبودیت کا دعویٰ ہے اور دو سجدے اس کے گواہ ہیں اور مومنین کے لیے سجدوں میں اشارہ ہے ان کی پیدائش اور موت اور پھر زندہ کیے جانے کی طرف، یعنی پہلے سجدے میں اشارہ ہے اس کی پیدائش کی طرف یعنی ''منہا خلقنا کم'' کی طرف اور دوسرے سجدے میں اشارہ ہے موت کی طرف یعنی و فیہا نعید کم کی طرف اور سجدے سے سر کا اُٹھانا موت کے بعد اُٹھنے کی طرف اشارہ ہے، یعنی "منہا نخرجکم تارۃً اُخریٰ" کی طرف۔ سجدے کی خوبی یہ ہے کہ ہاتھوں کو پھیلائے اور کواھوں کو اوپر اٹھائے اور اعضا میں کشادگی کرے، پھر فرمایا کہ میں نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ خوی الفرس کے معنی آتے ہیں کہ گھوڑے نے اپنے ہاتھ پیر ہوا کھانے کے لیے کشادہ کر دیے (اسی طرح ہمیں بھی کرنا چاہیے سجدے میں ہاتھ پاؤں کے درمیان ہوا خوب گزرتی رہے بازووں کو اپنے پہلووں سے جدا رکھے تاکہ اُن کے درمیان فصل رہے)۔

نیز میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے:

[۳۹۴] جب مرد نماز پڑھے تو کشادگی رکھے اور جب عورت نماز پڑھے تو سمٹی ہوئی رہے اس طرح کہ بازو پہلوؤں سے ملا لے، یہاں تک کہ اس سمٹنے کے درمیان پیٹ زمین سے مل سا جائے۔

حضرت ابو درداء رض فرماتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کی دونوں آنکھوں کی درمیانی جگہ پر اونٹ کے گھٹنوں کی طرح کا ایک نشان اس کی پیشانی میں سجدوں کے اثر کی وجہ سے ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر یہ سجدے کا نشان نہ ہوتا تو بہتر تھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ سجدے کا نشان میری پیشانی پر (گہرا) نہ ہو جائے۔ میں نے اس سے کہا کہ جب تم سجدہ کیا کرو تو ہلکا کیا کرو۔ یعنی اپنی پیشانی زمین پر ہلکی رکھا کرو۔ اس پر سارا بوجھ نہ ڈالو۔

حضرت علی رض نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میری ساری عمر میں اللہ تعالیٰ نے دو رکعتیں بھی قبول کر لیں تو میں اتنا اہتمام نہ کروں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ متقیوں کی عبادت و ریاضت قبول کرتا ہے اور جب وہ قبول فرمائے تو میں سمجھ جاؤں گا کہ میں متقی ہوں اور میری نجات ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم متقیوں کو نجات دیتے ہیں۔ میں نے ایک چرواہے کو دیکھا کہ وہ خود نماز پڑھ رہا ہے اور بھیڑیا بکریوں کی حفاظت کر رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ بھیڑیے اور بکریوں میں کب صلح ہوئی ہے؟ کہا، جب سے چرواہے اور اللہ میں صلح ہوئی ہے تو بھیڑیے اور بکری میں صلح ہو گئی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی کثرت سے نماز پڑھتا ہے تو اس کے سارے گناہ اس کی پیٹھ پر جمع ہو جاتے ہیں۔ جب وہ رکوع میں جاتا ہے تو یہ گناہ اکٹھے ہو کر اس کے بائیں کندھے پر آ جاتے ہیں۔ پھر سرک کر اس کی گردن پر آ رہتے ہیں اور جب وہ سجدے میں جاتا ہے تو یہ سارے گناہ زمین پر گر جاتے ہیں۔ اب یہ ممکن نہیں اللہ دوبارہ اس پر ڈال دے۔

نیز میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے:

خضری سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ تکالیف شرعیہ کے سقوط

کے قائل ہیں ، اُنھوں نے جواب دیا کہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ احکام شریعہ کی بجا آوری میں جو کلفت ہوتی ہے وہ آہستہ چل کر ساقط ہو جاتی ہے اور میں احکام شریعہ کے سقوط کا کیسے قائل ہو سکتا ہوں کہ جب سالک کی اللہ کے نزدیک قرب و منزلت زیادہ ہوتی ہے تو عبادات میں اس کی مشغولیت زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ علامت اس کی قبولیت کی ہوتی ہے ۔ ہمارے شیخ روز بہان سے مصر میں کئی بار کہا گیا کہ آپ نماز چھوڑ دیں کہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں ۔ فرمایا کہ مجھ میں نماز چھوڑنے کی طاقت نہیں ، مجھے کسی اور چیز کی تکلیف دی جا سکتی ہے ۔ میں نے بعض طریقت کے جاہلوں کو دیکھا ہے کہ اُنھوں نے بغیر کسی اشارہ کے عبادت ترک کر دی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ سالک کے لیے واجب ہے کہ ہمیشہ نماز میں رہے ، لیکن ان بے چاروں کو یہ معلوم نہیں کہ نماز کے بھی جسم اور روح دونوں ہوتے ہیں ۔ اس کا جسم ارکانِ نماز ہیں اور اس کی روح حضورِ قلب ہے ۔ جس طرح کہ ہم روح کو انسان نہیں کہہ سکتے ، بلکہ وہ مجموعی انسان کا ایک حصہ ہے ، اسی طرح نماز کی بھی روح ہے ، لیکن جب تک کہ روح کا تعلق قالب سے باقی ہے ، واجب ہے قالب کی زینت ارکانِ نماز سے اور روح کی زینت حضورِ قلب سے ہے ، یہاں تک کہ عمل کی قوت سلب ہو جائے ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ۔ واعبد ربک حتی یاتیک [۳۹۵] الیقین ۔ یہاں یقین سے مراد موت ہے ۔

نیز ابوبکر وراقؒ نے کہا کہ میں ایک بنی اسرائیلی کے گھر میں تھا ۔ اس وقت میرے دل میں خیال گزرا کہ علمِ شریعت علمِ حقیقت کے مخالف ہے ۔ اسی وقت ایک شخص نے مجھ سے ڈانٹ کر کہا کہ اے ابوبکر ! جو حقیقت شریعت کے مخالف ہو وہ کفر ہے ، خواہ وہ اشارہ ہو ، یا غیبی آواز ہو ، یا دل کا خطرہ ہو ۔ خبردار اس کی طرف متوجہ نہ ہونا ، تا وقتیکہ تمھیں اس کا یقین نہ ہو جائے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے ، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے سنا ، پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے اس قدر زاری کی ، یہاں تک کہ اس سے نجات پائی ۔

ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ جو بات میرے قلب میں گزرتی ہے ، میں اُسے قبول نہیں کرتا جب تک کہ دو گواہ یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ اس پر گواہی نہ دیں ۔

ایک بزرگ بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کرتے تھے کہ مجھ کو محض اپنی الوہیت کے ساتھ باقی نہ رکھ ، بلکہ متابعت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باقی رکھ ۔ اُن سے پوچھا گیا کہ کیوں ؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ محض الوہیت میں دو باتیں ہوتی ہیں کہ یا تو انسان عرش پر ہوتا ہے یا تحت الثریٰ میں ۔ محفوظ وہی رہتا ہے جس کی اتباع رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی توفیق رہنمائی کرے اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شریعت کو کسی نبی کی شریعت سے منسوخ نہیں کیا تو وہ سالک کی اس خواہش پر کیسے منسوخ کر سکتا ہے ۔ اور جس نے یہ گمان کیا کہ شریعت کا خطاب اُٹھ جائے اور احکامِ شریعہ نہ ماننے پر عتاب زائل ہو جائے وہ جاہل ہے ۔ و اعملوا ما شئتم ، یہ آیت کفار کے حق میں نازل ہوئی ۔ جیسا کہ طبیب جب مریض کی صحت سے مایوس ہو جاتا ہے تو کہتا ہے کہ اس کو جو مانگے دو ۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان دونوں کا حال کس قدر مختلف ہے ۔ ایک وہ جو کہ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو حساب کے بعد داخل ہوتا ہے ۔ ابن عطا نے دوسرے کو ترجیح دی ہے ، کیونکہ وہ حق تعالیٰ کے عتاب کا مزہ بھی چکھے ہوئے ہوتا ہے ۔

نکتہ

صلوٰۃ نفل کے بیان میں

سلطان المشائخ قدس سرہ نے فرمایا کہ نماز نفل با جماعت بھی ادا کی جا سکتی ہے ۔ بعض مشائخ اور بزرگوں نے یہ نماز جماعت سے ادا کی ہے ۔

ایک شبِ براۃ کو شیخ شیوخ العالم نے مجھ سے فرمایا کہ جو نماز آج کی رات پڑھنے کا حکم ہے ادا کرو اور تم امامت کرو ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے گھر میں تھا اور خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اُن کے گھر میں تھے ۔ جب دو تہائی رات گزر چکی تو بیدار ہو کر اُٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر آپ نے یہ آیت ان فی خلق السمٰوات والارض و اختلاف اللیل والنہار آخر سورۃ تک پڑھی ۔ پھر اُٹھ کر وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے ۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں بھی اُٹھا [۳۹۶] اور وضو کیا اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا ۔ جب آپ نے تکبیر تحریمہ کہی تو میں پیچھے ہٹ گیا ۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے نماز توڑ کر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے برابر کھڑا کیا اور نماز شروع کی ۔ نماز کے بعد رسولِ اکرمؐ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ تم کیوں پیچھے ہٹے ۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ میری کیا مجال کہ میں رسول رب العالمین کے برابر کھڑا ہوتا ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میرے حسنِ ادب سے خوش ہوئے اور میرے حق میں دعا فرمائی کہ اے اللہ ! اس کو دین کی سمجھ عطا فرما ۔

سلطان المشائخ سے نفلی نماز کے متعلق سوالات :

سلطان المشائخ سے پوچھا گیا اگر کوئی نفل نماز پڑھ رہا ہے اور اچانک کوئی بزرگ آ جائے تو کیا وہ نماز چھوڑ کر اُس کے ساتھ مشغول ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ فرمایا ، پہلے نماز کو پورا کرنا چاہیے ۔ پھر پوچھنے والے نے پوچھا کہ اگر ایک شخص ثواب کے لیے نفلیں پڑھ رہا ہے ، اس اثنا میں اس کا پیر آ جائے ۔ ظاہر ہے کہ پیر کی قدم بوسی سب بڑی سعادتیں ہیں اور مریدوں کا اعتقاد یہ ہے کہ قدم بوسی کا ثواب نفلی نماز سے سو گونہ زیادہ ہے ۔ فرمایا کہ شرع کا حکم یہی ہے (کہ پہلے نماز پوری کرے) ۔

سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ علماءِ دین اور ائمۂ اسلام کہتے ہیں کہ سنتیں ، مستحبات ، واجبات اور نفلیں فرائض کے مکمل کرنے والے ہیں ۔ اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے ؟ فرمایا کہ سب سے بڑا مقصد نماز سے

ذکر حق ہے ، جیسا کہ اقم الصلوٰۃ لذکری فاسعوا الیٰ ذکر اللہ سے ظاہر ہے ۔ ذکر حضور قلب کے ساتھ ہونا چاہیے جیسا کہ لاصلوٰۃ الا بحضور القلب سے ظاہر ہے اور حضور قلب جس کا نام ہے وہ نماز میں اوّل سے آخر تک ہونا چاہیے ۔ پس انسان کو چاہیے کہ وہ سوچے کہ ان دو رکعت فرض میں جو صبح کو اس نے ادا کی تھیں کس قدر حضور قلب تھا ۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ایک رکعت میں حضور قلب تھا اور دوسری رکعت میں وہ غافل تھا تو اس کو چاہیے کہ وہ جو نفلیں اس کے بعد ادا کرے ، ان میں حضور قلب کی تلاش کرے اور فرض میں جس مقدار میں کمی محسوس کرے ، نوافل میں اُسی قدر حضور قلب کو بڑھائے تاکہ توازن برابر ہو جائے ۔

قاضی محی الدین کاشانی کا ایک سوال :

قاضی محی الدین کاشانی نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ ایک بزرگ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہوشیار آدمی جب بھی نفل ادا کرے ، اُسے چاہیے کہ وہ فوت شدہ فرض نمازوں کی نیت کرے ۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ کوئی فرض نماز فوت نہیں ہوئی ، تب بھی اس کا احتمال ہے کہ اُس سے کوئی فرض نماز فوت ہوئی ہو اور اُسے علم نہ ہو ۔ [۲۹۷] چنانچہ فجر کے دوگانے (دو سنتوں) میں پہلے فجر کے قضا شدہ فرض کی نیت کرے جس کا حق اس پر ہے اور ظہر کے وقت چہارگانہ (سنتوں میں) ، قضا شدہ اول ظہر کے فرضوں کی نیت کرے کہ خدا کی طرف سے ان کا ادا کرنا فرض ہے ۔ اسی طرح عصر و عشاء میں بھی جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ، ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ پڑھے ۔ مغرب اور وتروں کے لیے بھی چار رکعت نماز ادا کرے اور تیسری رکعت میں قعدہ کرے اور حسب دستور دعائے قنوت پڑھے ۔ لفظ نفل کے عموم میں وہ وقتی نفلیں یعنی ضحیٰ ، اشراق ، تحیۃ الوضو ، تحیت المسجد وغیرہ ہیں ، جن کا پڑھنا وقت معین کی طرف منسوب ہے اور اُن اوقات سے مناسب ہیں ، کیا نوافل کی یہ نوع بھی مراد ہے؟ یا کوئی دوسری نفلیں مراد ہیں؟ سلطان المشائخ نے فرمایا ، ہاں اور بھی ہیں کیونکہ نہ صفت اور قید نفل کے منافی نہیں ۔ جو بھی نفلیں ہوں وہ فوت شدہ فرض نمازوں میں شمار ہونے کے لائق ہیں ۔

نماز استخارہ :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کسی کو کوئی مشکل پیش آئے اور اُسے یہ معلوم نہ ہو کہ بھلائی اس کام کے کرنے میں ہے یا چھوڑ دینے میں تو اُسے چاہیے کہ دو رکعت نماز استخارہ ادا کرے ۔ اس کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل ھواللہ پڑھے ۔ اس کا اثر بہت ہوتا ہے اور جو نماز استخارہ اشراق کے وقت پڑھتے ہیں ، اسے سند نہیں بنانا چاہیے ۔

پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ نے سفر میں اپنے خادم سے پانی مانگا تاکہ وہ پیئیں ۔ جب وہ پانی لایا تو اس کے پینے کے لیے استخارہ کیا لیکن اُنھیں اجازت نہ ملی ۔ خادم سے کہا کہ میں یہ پانی پینا نہیں چاہتا ۔ خادم نے کہا کہ یہاں پانی دشواری سے ملتا ہے ۔ اُنھوں نے دوسری مرتبہ استخارہ کیا ، لیکن پھر بھی اجازت نہ ملی ، چنانچہ اُنھوں نے پانی گرا دیا ۔ ایک سانپ کا بچہ اُس پانی سے گرا ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک استخارہ ہر دن کی خیریت کے لیے کیا جاتا ہے ، جو اُس دن کی خیریت کے لیے ہوتا ہے ۔ ایک استخارہ ہر جمعہ کو کرتے ہیں ۔ یہ استخارہ اس ہفتے کی خیریت کے لیے ہوتا ہے اور ایک استخارہ عید کے دن کیا جاتا ہے ۔ یہ استخارہ اس سال کی خیریت کے لیے ہوتا ہے ۔

امیر خسرو کے نام ایک خط :

سلطان المشائخ نے ایک دفعہ امیر خسرو کو لکھا کہ اگر ضمیر میں انشراح ہوتا ہے تو اُسی انشراح پر عمل کرے ، یہ طریقت میں اصلی اور معتبر ہے اور تمام کاموں میں استخارے کو مقدم رکھو ۔ سفر میں جب کسی منزل پر پہنچو تو وہاں کی جامع مسجد میں جا کر محراب کے سامنے دوگانہ ادا کرو ۔ پھر اپنی جائے قیام پر واپس آؤ ۔ دو رکعت نماز اپنے [illegible] کی [illegible] کے [illegible] اسی طرح ادا کرنے کا حکم ہے ۔ ہر رکعت [illegible] کے [illegible] پڑھنی چاہیے ۔

نماز جنازہ غائبانہ :

نیز فرمایا کہ بعض لوگ نماز جنازہ غائبانہ ادا کرتے ہیں [۳۹۸] ۔ پھر فرمایا کہ یہ جائز ہے ، اس لیے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے نجاشی کی نماز اسی طرح ادا کی تھی ، جب کہ مردہ موجود نہ تھا ۔ امام شافعیؒ اس کو اس طرح جائز قرار دیتے ہیں ۔ مثلاً اگر مردے کا ہاتھ یا انگلی موجود ہے ، اس پر بھی نماز جنازہ ادا کی جا سکتی ہے ۔

اس موقع پر آپ نے حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی حکایت بیان فرمائی ۔

جب شیخ نجم الدین صغریٰ کی شیخ جلال الدین تبریزی سے عداوت ہو گئی ، تو انھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ انھیں ہندوستان روانہ ہو جانا پڑا ۔ جب وہ بدایوں پہنچے تو ایک دن وہ دریائے سوتھ کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے ۔ اچانک وہ اٹھے اور وضو کیا اور حاضرین سے کہا ، آؤ تاکہ شیخ الاسلام دہلی کی نماز جنازہ ادا کریں ۔ پھر نماز کے بعد حاضرین کی طرف رخ کر کے کہا کہ اگرچہ شیخ الاسلام دہلی نے ہم کو شہر سے باہر نکلوا دیا ، لیکن ہمارے شیخ نے بھی اس کو جہان سے نکال دیا ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک نماز محافظت نفس کے لیے بھی ادا کی جاتی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ جب آدمی گھر سے نکلے اسے چاہیے کہ وہ دوگانہ ادا کرے پھر گھر سے باہر نکلے تاکہ وہ بلا جو اس کے راستے میں ہو ، حق تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے اور جب وہ گھر میں آئے تب بھی دوگانہ ادا کرے تاکہ وہ بلا ، جو گھر میں ہو ، حق تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے ۔ ان دوگانوں میں خیر و سلامتی بہت ہے ۔

پھر فرمایا ، اگر کوئی شخص یہ دوگانے ادا نہیں کر سکتا ، تو اسے چاہیے کہ وہ گھر سے نکلنے اور آنے کے وقت آیت الکرسی پڑھے تو اس سے بھی یہ فائدہ حاصل ہوگا ۔ اگر آیت الکرسی نہ پڑھ سکے تو یہ کلمہ کہے : سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر و لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ یہ بھی کافی ہے ۔

اگر کوئی اوقات مکروہہ میں مسجد میں آئے اور وہ اس وقت تحیۃ المسجد نہیں پڑھ سکتا ، وہ اگر یہی چار کلمے کہے تو مقصد حاصل ہوگا ۔

اس کے بعد آپ نے حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ جو کوئی
ہی بلند مقام پر پہنچا ہے حسن عمل سے پہنچا ہے ، اگرچہ فیض
ق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے لیکن بندے کو بھی اس کے لیے
می و کوشش کرنی چاہیے - پھر آپ نے یہ شعر پڑھا :

گرچہ ایزد دہد ہدایت دیں
بندہ را اجتہاد باید کرد
نامۂ کاں بحشر خواہی خواند
ہم ازیں جا سواد باید کرد

راقم الحروف نے سلطان المشائخ کے قلم مبارک سے لکھا ہوا دیکھا
ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نماز [۳۹۹] کو اس طرح ادا کرتے کہ دونوں
یروں کو زمین پر کھڑا کرکے ایڑیوں پر بیٹھتے اور دونوں سجدوں میں
پنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھتے تھے اور یہ نوافل میں کبر سنی کے زمانے
یں کرتے تھے -

حکیم سنائی نے نماز کے بارے میں کہا ہے :

قصیدہ

بندہ تا از حدث بروں ناید
پردہ عز نماز نکشاید

سائے گر بر نہی ببام فلک
بادہ گر در کشی ز جام فلک

تات چوں خر در ایں مقام خراب
شکم از ناں پُراست بنت از آب

کے ترا حق ز لطف بر گیرد
تا نمازت بطوع بپذیرد

سگ ز دُم جائے خود بروبد باز
تو نروبی برائے جائے نماز

ہرچہ جز حق بسوز غارت کن
ہرچہ جز دیں ازو طہارت کن

ورنہ ابلیس از درونِ نماز
گوش گیرد سرولت آرد باز

گرچہ پاک است ہرچہ ہابتِ تست
ہمہ در جنبِ حق جنابت تست

تا بجا روبِ لا نروبی راہ
کے شوی در سرائے الا اللہ

چوں تو با صدق در نماز آئی
با ہمہ کام خویش باز آئی

یک سلامے دو صد سلام ارزد
سجدۂ صدق صد قیام ارزد

در خشوعِ دل است مغزِ نماز
ورنہ باشد خشوع، نیست نماز

ورنہ باشد خشوع و دم سازی
دیو بر سبلش کند بازی

نکتہ

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے روزے کے بیان میں

سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرماتا ہے کہ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا گویا کہ اس نے نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا ۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اُس پر جہنم تنگ ہو جاتی ہے اور اس میں نوے گرہ پڑ جاتی ہیں ۔ ان دونوں حدیثوں میں کس طرح مطابقت ہوگی ؟

پھر فرمایا کہ پہلی حدیث کا مطلب ہے کہ جو شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اور ان پانچ روز یعنی دو عیدین اور تین ایام تشریق کے بھی روزے رکھتا ہے ، تو اس کے متعلق یہ سمجھو کہ نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا ۔ بخلاف اس شخص کے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اور ان پانچ دن میں افطار کرتا ہے ، دوزخ اس پر تنگ ہو جاتی ہے اور نوے گرہ پڑنے کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ اس کا ٹھکانا نہیں ہوگی ۔

نیز فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ [۰۰۴] لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ

کے سامنے پیر اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال پیش ہوں تو میں روزہ دار ہوں ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے شیخ نجیب الدین متوکل[1] سے سنا ہے کہ جو شخص جمعہ اور ہفتہ کے دن کے مسلسل روزے رکھتا ہے اور تیسرے روز افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے اُمید ہے کہ وہ قبول ہوگی ۔

''عوارف'' میں لکھا ہے کہ خبر (حدیث) میں آیا ہے کہ جو شخص شہرالحرام میں تین روز یعنی جمعہ ، ہفتہ اور اتوار کے لگاتار روزے رکھے تو وہ دوزخ سے سات سو میل کی مسافت دور ہو جائے گا ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کے لیے دو فرحتیں ہیں ، ایک فرحت افطار کے وقت اور دوسری فرحت جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا ۔ (پہلی) فرحت کھانے پینے کی نہیں ، بلکہ یہ روزہ پورا ہونے کی فرحت ہے ، یعنی جب روزہ دار کا روزہ پورا ہوتا ہے تو اس کو روزہ پورے ہونے سے ایک فرحت حاصل ہوتی ہے ۔ الحمد للہ کہ اس اطاعت کی ایک جزا معین ہے اور وہ جزا دیدارِ الٰہی کی نعمت ہے ۔ جس طرح کہ روزہ دار روزے کے پورے ہونے سے خوش ہوتا ہے ، اسی طرح وہ دیدارِ الٰہی کی نعمت کی اُمید سے بھی خوش ہوتا ہے ۔

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ہر اطاعت کی جزا معین ہے ۔ روزے کی جزا نعمتِ دیدارِ الٰہی ہے ۔

اس موقع پر اس حدیث کے متعلق بات چل پڑی کہ الصوم لی و انا اجزی بہٖ (روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا) ۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ اس طرح بھی سننے میں آیا ہے ۔ الصائم لی (روزہ دار میرے لیے ہے) ۔ سلطان المشائخ نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے تو انا اجزی بہٖ کون کہے گا ؟ پھر اس کی بات اصلاح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں ''با'' بمعنی ''لام'' کے آئی ہے ۔

۱۔ شیخ نجیب الدین متوکل : برادرِ بابا فرید گنج شکر ۔ وفات : ۶۷۱ھ ۔ (خزینۃ الاصفیا ، ج ۱ ، ص ۳۰۵ - ۳۰۷)

نیز فرمایا کہ "احیاء العلوم" میں آیا ہے کہ روزہ نصف صبر ہے اور صبر نصف ایمان ہے ۔ پھر فرمایا کہ "روزہ نصف صبر ہے" کا کیا مطلب ہے ؟ پھر خود ہی اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ صبر غلبۂ باعثۂ حق کا نام ہے ۔ خواہشات کے بواعث پر ، خواہشات کی باعث اصل میں دو چیزیں ہیں ، ایک غصہ اور دوسرے شہوت ، اور روزہ چونکہ شہوت کو مغلوب کرتا ہے اس لیے میں اس کو نصف صبر پاتا ہوں ۔

پھر فرمایا کہ درویش کو چاہیے کہ وہ سال بھر میں تہائی سال کے روزے رکھے یعنی چار ماہ کے ۔ اس کو لوگوں نے اس طرح تقسیم کیا ہے ۔ وہ جو تین ماہ روزے رکھتے ہیں وہ تین ماہ کے علاوہ دس محرم ، دس ذی الحجہ اور دس دوسرے متبرک دنوں کے بھی روزے شریک کر لیتے ہیں ۔ یہ سب ملا کر ایک تہائی سال کے روزے ہو جاتے ہیں ۔

ایک دفعہ سلطان المشائخ کی مجلس میں مولانا حسام الدین حاجی[1] [۱۰۴] اور مولانا جہل اور دوسرے مریدین حاضر تھے ۔ نہ ایام بیض تھے ۔ کھانا لایا گیا ۔ کہا گیا ، جو روزہ دار نہیں وہ کھائے ۔ اکثر مرید ایام بیض کی وجہ سے روزے سے تھے ۔ پھر آپ نے وہ کھانا ان دو صاحبوں کے پاس بھجوانا جو روزے سے نہ تھے ۔ پھر فرمایا کہ جب عزیز آئیں تو کھانا لا کر سامنے رکھ دینا چاہیے اور کسی سے یہ نہ پوچھنا چاہیے کہ تم روزے سے ہو یا نہیں ۔ اس لیے اگر اس نے کہا کہ میں روزے سے ہوں تو اُس کا یہ کہنا ریا میں داخل ہوگا ۔ اگر روزے دار عقیدے میں اس قدر پختہ اور راسخ ہے کہ ریا اس کے پاس نہیں پھٹکتی اور وہ کہے کہ میں روزے سے ہوں تو فرشتے اس کے اس عمل کو پوشیدہ عبادتوں میں سے نکال کر علانیہ عبادتوں میں لکھیں گے ۔ اگر اس نے کہا کہ میں روزہ دار نہیں ہوں تو اُس نے جھوٹ بولا ۔ اگر وہ چپ رہا تو اس نے سوال کرنے والے کی تحقیر کی ۔

۱۔ شیخ حسام الدین ملتانی : مرید و خلیفہ سلطان المشائخ ۔ وفات : ۷۳۵ھ (۳۵ - ۱۳۳۴ء) ۔ مدفن : شہر پٹن (گجرات) ۔ (خزینۃ الاصفیاء ، ج ۱ ، ص ۳۴۳ ؛ گلزار ابرار (اُردو ترجمہ) ، ص ۱۰۳)

دل کا روزہ :

شیخ عزیزالدین[1] نے ، جو سلطان المشائخ کے مقربین میں تھے ، فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سلطان المشائخ مجھ سے فرماتے ہیں کہ کیا تم روزے رکھتے ہو ؟ میں نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو روزے رکھوں ۔ فرمایا ، دل کا روزہ رکھو ۔ کچھ دن کے بعد شیخ عزیزالدین نے شیخ نصیرالدین محمود سے پوچھا کہ سلطان المشائخ نے مجھے خواب میں دل کے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے ۔ یہ دل کا روزہ کیا ہوتا ہے ؟ شیخ نصیرالدین محمود نے فرمایا کہ سلطان المشائخ نے اس طرح تم کو مراقبے کا حکم دیا ہے ۔

صوم ریا :

سلطان المشائخ نے فرمایا ، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو طے کرتے ہیں (یعنی فاقہ کرتے ہیں) اور روزے رکھتے ہیں ، اس کا مقصد ریا ، دکھاوا اور تکبر ہوتا ہے ۔ اس موقع پر آپ نے یہ شعر پڑھا :

لنگھنت گر ترا کند فربہ
سر خوردن ترا ز لنگھن[2] بہ

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز بہت کم دن ایسے ہوتے تھے کہ جن میں آپ روزہ نہ رکھتے تھے ۔ اگرچہ آپ کو بخار آتا یا فصد کھلواتے ، تب بھی روزہ کا ناغہ نہ فرماتے تھے اور شیخ الاسلام بہاءالدین زکریا ملتانی نوراللہ مرقدہ اگرچہ اطاعت و عبادت کثرت سے کرتے تھے ، لیکن روزے کم رکھتے تھے۔ یہ آیت اکثر پڑھتے تھے : کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً (پاکیزہ

۱- شیخ عزیزالدین : ابن خواجہ ابوبکر ، سلطان المشائخ کے عظیم المرتبت خلفاء میں ہیں ۔ اُن کی والدہ حضرت بابا فرید گنج شکر کی صاحبزادی تھیں ۔ ''تحفۃ الابرار'' کے نام سے اُنھوں نے سلطان المشائخ کے ملفوظات جمع کیے تھے۔شیخ عزیزالدین نے ۷۳۱ھ (۳۱ - ۱۳۳۰ء) میں دہلی میں وفات پائی ۔ (خزینۃ الاصفیا ، جلد ۱ ، ص ۳۳۸ - ۳۳۹ ؛ گلزار ابرار (اُردو ترجمہ) ، ص ۱۱۱ ؛ نزہۃ الخواطر ، جلد ۲ ، ص ۷۹)

۲- لنگھن ، لنگھنت ہندی لفظ بمعنی روزہ ۔

کھانا کھاؤ اور عمل صالح کرو)۔ اس آیت کی تلاوت سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ یہ آیت اُن کے عمل کے مطابق ہے۔ اس موقع پر کسی نے سوال کیا کہ ان طیبات سے کیا مراد ہے؟ اور اصحاب کہف نے جو ''طعاماً'' کہا تھا، وہ کون سا کھانا تھا۔ ارشاد فرمایا، طعاماً سے مراد وہ کھانا ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو۔ پھر اسی سلسلے میں ارشاد فرمایا کہ بعض کا قول ہے کہ اس کھانے سے مراد چاول تھے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ مسافر کو میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ (نفلی) نہ رکھنا چاہیے، کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی قوم کے پاس مہمان ہو وہ نفلی روزہ بغیر اپنے میزبان کی اجازت کے نہ رکھے۔

نیز میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک [۲۰۳] سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ روزہ گناہ گاروں کے لیے ڈھال ہے اور نیک کام کرنے والوں کے لیے جنت ہے۔ ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ اگر تم اپنے قلب سے قساوت دور کرنا چاہتے ہو تو روزے پر مداومت کرو اور رات کو نمازوں میں قیام کرو۔ اگر پھر بھی کچھ باقی رہ جائے تو یتیموں سے مہربانی سے پیش آؤ۔ ایک اعرابی سے جنگل کی گرم ہوا میں روزہ رکھنے کی بابت پوچھا گیا کہ تم جنگل میں بادِ سموم میں کیسے روزہ رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جب دنیا تھی میں نہ تھا اور جب میں نہیں رہوں گا تب بھی دنیا رہے گی۔ میں دعا کرتا ہوں کہ میرے دن جلد گزر جائیں۔

نکتہ

زکٰوۃ و صدقے کے بیان میں

زکٰوۃ کی قسمیں :

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین نے فرمایا کہ زکٰوۃ کی تین قسمیں ہیں۔ زکٰوۃ شریعت، زکٰوۃ طریقت، زکٰوۃ حقیقت۔

زکٰوۃ شریعت یہ ہے کہ دو سو درہم میں پانچ درہم راہِ خدا میں دیں۔

زکٰوۃِ طریقت یہ ہے کہ دو سو درہموں میں سے پانچ درہم کو محفوظ رکھ کر باقی سب راہِ خدا میں دیں۔

زکٰوۃِ حقیقت یہ ہے کہ سارا مال خدا کی راہ میں دے دیں اور باقی کچھ نہ رکھیں۔

پھر ارشاد فرمایا کہ جو دو سو درہموں میں سے پانچ درہم راہِ خدا میں دیتا ہے، اس کا درجہ یہ ہے کہ وہ بخیل نہیں کہلاتا، لیکن اس کو سخی بھی نہیں کہہ سکتے۔ سخی وہ کہلاتا ہے جو زکٰوۃ سے زیادہ دے۔ سخی اور جواد میں فرق یہ ہے کہ سخی کے متعلق میں پہلے تشریح کر چکا ہوں لیکن جواد وہ ہے کہ بہت زیادہ بخشش کرے، مثلاً دو سو درہم میں پانچ درہم باقی رکھ کر سب راہِ خدا میں خرچ کر دے۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جنیدؒ اپنے دور کے علماء سے کہتے تھے، اے عمل نہ کرنے والے علما! اپنے علم کی زکٰوۃ دو۔ دو سو مسئلوں میں سے جو تم نے سیکھے ہیں کم از کم پانچ مسئلوں پر تو عمل کرو اور دو سو حدیثوں میں سے کم از کم پانچ حدیثوں پر تو عمل کرو۔

نیز میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا جو قوم زکٰوۃ ادا نہیں کرتی، خدائے تعالیٰ اس پر بارش کو روک دیتا ہے اگر اُس سرزمین میں چوپائے نہ ہوں، تو بارش بالکل ہی بند ہو جائے۔

نیز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو زکٰوۃ نہ دینے والا مر جاتا ہے، تو بیس بیس فرسخ تک اس کے اردگرد کی خلقت سے اس کے گناہوں کا مواخذہ کیا جاتا ہے۔

حضرت موسٰی علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا جو اچھے کپڑے پہن کر نماز ادا کر رہا تھا۔ پھر اُسے چند سال بعد اپنی سابق حالت پر دیکھا (یعنی نماز میں مشغول تھا) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسٰی علیہ السلام پر وحی کی کہ اے موسٰی! اس کی نماز کیا کرے گی۔ جب یہ اپنے مال کی زکٰوۃ ہی ادا نہیں کرتا۔ اے موسٰی زکٰوۃ اور نماز جڑواں ہیں۔ میں ایک کے بغیر دوسری کو قبول نہیں کرتا۔

صدقہ، مروّت، وقایہ:

فرمایا تین چیزیں ہیں، صدقہ، مروت اور وقایہ۔ صدقہ یہ ہے کہ

آدمی کوئی چیز کسی محتاج کو دے ۔ لیکن مروت یہ ہے کہ کسی دوست کو کوئی چیز دے اور وہ بھی اس کے مقابل [۲۰۳] کوئی چیز اُسے دے ۔ وقایہ یہ ہے کہ لوگ خود کو بدگویوں کے طعن و تشنیع سے محفوظ رکھنے کے لیے انہیں کچھ دیں ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے یہ تینوں باتیں کی ہیں ۔

پھر ارشاد فرمایا کہ مؤلفہؑ قلوب کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے شروع زمانے میں کچھ دیا کرتے تھے ؛ لیکن جب اسلام کو قوت حاصل ہوئی تو اس کے بعد آپ نے نہیں دیا ۔

پھر فرمایا کہ صدقے میں پانچ شرطیں ہیں ۔ جب یہ شرائط صدقے میں موجود ہوں گی تو اُس وقت بلاشبہ صدقہ قبول ہوگا ۔ ان پانچ شرطوں میں سے دو شرطوں کا تعلق صدقہ دینے کے پہلے سے ہے ۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی دے وہ اس نے حلال ذریعے سے حاصل کیا ہو ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مردِ صالح کو دے اور دو شرطیں صدقہ دینے کے وقت کی ہیں ۔ ایک یہ کہ جو صدقہ بھی دے خوش دلی اور بشاشت کے ساتھ دے ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ خفیہ دے اور ایک شرط کا تعلق صدقہ دینے کے بعد سے ہے وہ شرط یہ ہے کہ جو کچھ صدقہ دے اُسے زبان پر نہ لائے اور لوگوں سے اس کا ذکر نہ کرے ۔

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ العزیز بہت زیادہ خرچ (خیر خیرات) کیا کرتے تھے ۔ کسی نے آپ سے کہا لا خیر فی الاسراف (زیادہ خرچ کرنا اچھا نہیں) ۔ آپ نے جواب دیا کہ لا اسراف فی الخیر (خیر میں کوئی فضول خرچی نہیں) ۔

امیرالمومنین حضرت علیؓ نے ایک دن خطبے میں فرمایا کہ مجھے کبھی یاد نہیں پڑتا کہ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے کوئی چیز اپنے لیے رکھی ہو ۔ صبح سے لے کر قیلولے کے وقت تک جو کچھ آپ کے پاس ہوتا ، وہ سب دے دیتے تھے ۔

فرمایا کہ جب دنیا آئے تو راہِ خدا میں دینا چاہیے کہ اس سے کمی واقع نہیں ہوگی اور جب دنیا جائے تب بھی راہِ خدا میں صرف کرنا چاہیے کہ وہ جانے سے نہیں رکے گی ۔ انسان کو اپنے ہاتھ سے دینا چاہیے ۔

شیخ نجیب الدین متوکل اسی بات کو اس انداز سے کہتے تھے کہ جب دنیا آئے تو راہِ خدا میں خوب دو کہ اس سے کمی واقع نہیں ہوگی

اور جب دنیا جانے لگے تو ذخیرہ نہ کرو کیونکہ وہ رکے گی نہیں ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ دنیا کو جمع نہیں کرنا چاہیے ۔ جو کچھ ملے اُسے راہِ خدا میں خرچ کرو اور ذخیرہ نہ کرو ۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا :

زر از بہر خوردن بود اے پسر
ز بہر نہادن چہ سنگ و چہ زر

بعد میں فرمایا کہ خاقانی نے بھی اسی خیال کو نرم و نازک انداز میں اپنے ایک شعر میں نظم کیا ہے :

چوں خواجہ نخواہد راند از ہستی خود کامے
آں گنج کہ او دارد پندار کہ من دارم

کاتبِ حروف ایک دن اپنے نانا مولانا شمس الدین دامغانی کے ساتھ حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا [۴۰۴] ۔ محبتِ دنیا کے بارے میں بات نکلی ۔ مولانا شمس الدین دامغانی نے سلطان المشائخ کے سامنے خاقانی کا یہ شعر پڑھا :

زر دوست از دست جہاں در زیر ہائے پیل داں
در زیر ہائے دوستاں زر پیل بالا ریختہ

سلطان المشائخ پر اس شعر کے سننے سے انبساط کی کیفیت طاری ہوئی اور اس شعر کی بہت تعریف فرمائی ۔ پھر فرمایا کہ حق تبارک و تعالیٰ نے مختلف طبائع کے انسان پیدا کیے ہیں ۔ ایک وہ لوگ ہیں کہ اگر ان کی آمدنی دس درہم بھی ہو ، تو ان کو قرار نہیں آتا جب تک کہ وہ اُس آمدنی کو خرچ نہ کر لیں ۔ کچھ اس طبیعت کے لوگ ہیں کہ ان کی آمدنی زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے ، لیکن وہ اس سے زیادہ کے طلب گار رہتے ہیں لیکن وہ مال دوسروں کی قسمت کا ہوتا ہے ۔ پھر فرمایا کہ راحت اسی میں ہے کہ روپے کو خرچ کیا جائے ۔ آدمی کو کسی چیز سے راحت نہیں ملتی جب تک کہ وہ روپیہ خرچ نہ کرے ۔ پس معلوم ہوا کہ راحت روپے کے خرچ کرنے میں ہے ۔

پھر ارشاد فرمایا کہ سونے چاندی کے جمع کرنے سے یہ مقصد ہے کہ دوسروں کو اس سے نفع پہنچے ۔ پھر اسی سلسلے میں ارشاد فرمایا کہ شروع ہی سے میرا دل مال جمع کرنے کی طرف مائل نہ تھا ۔ میں

کبھی بھی دنیا کے طلب کرنے کے پیچھے نہیں پڑا - پھر میرا تعلق باطنی بھی ایسی ذات سے ہوا کہ دونوں جہان ان کی نظر میں ہیچ تھے اور دنیا کو بالکلیہ ترک کیے ہوئے تھے - پھر فرمایا کہ اس سے پہلے مجھ پر معاش کی تنگی تھی ، لیکن میں اس پر بھی خوش تھا - ایک روز بے وقت ایک شخص میرے پاس آدھا ٹنکہ لے کر آیا - میں نے خیال کیا کہ آج بے وقت ہوگیا ہے اور میری ضرورت بھی پوری ہوگئی ہے - اس کو کل صبح خرچ کروں گا - جب رات کو یادِ الٰہی میں مشغول ہوا تو وہ آدھا ٹنکہ میری عبادت میں مخل ہونے لگا - وہ مجھے دامن پکڑ کر نیچے کھینچنے لگا - جب میں نے یہ حال دیکھا تو میں نے خدا سے التجا کی الٰہی ! کب صبح ہوگی تاکہ میں اسے اپنے سے دور کروں -

بعد میں ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس سرہ سے ایک شیخ کے متعلق کہا جو اُس زمانے میں موجود تھا کہ اس شخص کے پاس مال بہت ہے لیکن وہ لوگوں سے کہتا ہے کہ مجھے اس مال کے دینے کی حق تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہیں ہے - جب شیخ شیوخ العالم نے اُس شیخ کی بات سنی تو تبسم فرمایا اور کہا کہ یہ بہانہ ہے - اگر وہ مجھے اپنے خرچ کا وکیل بنائے تو میں تین روز میں اس کا تمام خزانہ خالی کر دوں اور ایک درہم بھی بغیر حق تعالیٰ کی اجازت کے نہ دوں -

کاتبِ حروف نے سلطان المشائخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ایک فرشتہ آسمان کے دروازوں سے آواز دیتا ہے کہ کون اُسے [۵۰۴] قرض دیتا ہے ، جو اُسے کل مل جائے گا - نیز یہ کہ ولی سے حسنِ خُلق اور سخاوت کا عہد لیا جاتا ہے - ایک شخص سے پوچھا گیا کہ اللہ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا ؟ اُس نے کہا کہ میری نیکیوں کا پلڑا ہلکا کردیا - میں نے مٹھی بھر (خاک) دیکھی - میں نے اُسے پلڑے میں ڈال دیا جس سے نیکیوں کا پلڑا جھک گیا - پوچھا گیا ، وہ کیسے ؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ایک مٹھی بھر مٹی ایک مسلمان کی قبر میں ڈالی تھی

عبداللہ بن ابی بکر نے ایک لونڈی دس ہزار درہم میں خریدی - اس کو لے جانے کے لیے سواری منگوائی گئی - ایک شخص سواری کے لیے چوپایہ لایا - عبداللہ نے اس سے کہا کہ اسے اپنے چوپائے پر سوار کرکے گھر تک پہنچا آؤ - مہربانی کا بخل ، ظلم و تشدد کی بخشش سے اچھا ہے -

ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے سات سو درہم مانگے ۔ اُنھوں نے اپنے خزانچی کو لکھا کہ اسے سات ہزار درہم دے دو ۔ جب خزانچی نے رقم کے متعلق پوچھا تو اُس آدمی نے وہی سات سو درہم بتائے ۔ خزانچی نے کہا ، اس میں تو سات ہزار درہم لکھے ہوئے ہیں ۔ اس سے تو خزانے میں کمی آ جائے گی ۔ عبداللہ بن مبارک نے اسے لکھا کہ تھوڑا ہو یا زیادہ ، خرچ ہو جائے گا ، بلکہ ایک دن اس کا مالک بھی خرچ ہو جائے گا ۔

ارسطا طالیس نے ذوالقرنین سے کہا کہ ملکوں کی رعیت پر تُو نے اپنے سواروں اور گھوڑوں سے قبضہ کر لیا اور دلوں کا تو احسان سے مالک ہو گا ۔

ایک اعرابی سے مروّت کے بارے میں پوچھا گیا ۔ اس نے کہا کہ جس کے پاس سے بھی گزرو اس کی مراد پوری کرو اور اس کی مراد پوری کرکے غرور نہ کرو ۔ احسان سے پہلے احسان کرنا فضیلت ہے اور احسان کے بعد احسان کرنا بدلہ ہے اور جتا کر احسان کرنا ظلم ہے اور اشارہ قبل از اقدام ظلم ہے اور احسان کے بعد اشاعت قابل ملامت ہے ۔

ابن مبارک نے فرمایا ، نفس کی سخاوت لوگوں کے ساتھ مال کی سخاوت سے بہتر ہے ۔ قناعت کی مردانگی عطا کی مردانگی سے اچھی ہے ۔ عالم کی بقا لینے دینے پر ہے ۔ اگر تو نے لیا اور کسی کو نہ دیا تو گویا تُو نے عالم کو خراب کرنے کا ارادہ کیا ۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ اس بخیل سے ناراض ہوتا ہے جو زندگی بھر بخل کرتا ہے اور اس سخی سے بھی جو مرنے کے وقت اپنی سخاوت دکھاتا ہے ۔ ابلیس نے کہا کہ انسانوں میں مبغوض ترین میرے نزدیک فاسق سخی ہے اور مجھے جو پیارا ہے وہ بخیل عالم ہے ۔ خواجہ حکیم سنائی فرماتے ہیں :

ہر چہ داری برائے حق بگزار
کز گدایاں ظریف تر ایثار
و ز تن و جان و عقل و دل بگزار
در رہِ او دلے بدست بیار [۴۰۶]
سیّد سرفراز آلِ عبا
بات تشریف سورۃ ھل اتٰی

زآں سہ قرص جوین بے مقدار
یافت درپیش سید آں بازار

نکتہ

حج کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر کوئی حج کی نیت سے اپنے گھر سے روانہ ہو یا خانہ کعبہ سے اپنے گھر لوٹ رہا ہو۔ اگر دونوں صورتوں میں راستے میں اس کا انتقال ہو جائے تو ہر سال حج مبرور کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔

کاتب حروف نے سلطان المشائخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا کہ جو مکہ معظمہ سے آتے ہوئے یا جاتے ہوئے مر جائے، وہ شہید ہے۔

سفر حج کی باتیں :

نیز فرمایا کہ بعض لوگ حج کے لیے جاتے ہیں۔ جب وہ حج کے بعد واپس آتے ہیں، تمام دن سفر حج کے تذکرے میں لگے رہتے ہیں اور مجلسوں میں سفر کے واقعات کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ اچھا نہیں ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے کہا کہ میں فلاں جگہ گیا۔ فلاں جگہ کی سیر کی۔ ایک عزیز نے اس سے کہا کہ اے خواجہ! کسی ایسی جگہ بھی گئے ہو، جہاں سے واپس نہیں آتے۔

اس موقع پر امیر خسروؒ نے عرض کیا کہ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے، جو آپ کی ارادت میں منسلک ہیں۔ پھر دوسری طرف جاتے ہیں۔ اپنے اس خیال کی وضاحت کرتے ہوئے یہ ایک لطیف حکایت بیان کی کہ میرا ایک دوست تھا۔ میں نے ایک مرتبہ اس سے ایک بات سنی جو میرے دل نشین ہو گئی۔ وہ بات یہ ہے کہ اس نے کہا کہ حج کو وہ جاتا ہے، جس کا پیر نہیں ہوتا۔ سلطان المشائخ نے جب یہ بات سنی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا :

ع ایں رہ بسوئے کعبہ رود آں بسوئے دوست

بعد ازاں فرمایا کہ حج کے لیے جانا ان لوگوں کا کام ہے جو ذکر حق

اور یادِ الٰہی اور مشغولی حق سے تنگ آ جاتے ہیں اور اس پر مواظبت نہیں کر سکتے ، تو وہ باہر جاتے ہیں ۔

لاہور کے ایک مذکّر کا واقعہ :

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ لاہور میں ایک واعظ تھا ۔ اس کے وعظ میں بڑی تاثیر تھی ۔ وہ حج کے لیے گیا اور فریضۂ حج کے ادا کرنے کی سعادت حاصل کی ۔ پھر وہاں سے لوٹ کر آیا ، تو اس کے وعظ میں وہ تاثیر نہ رہی ۔ لوگوں نے اس سے اس کا سبب پوچھا ۔ اس نے کہا ، بے شک اب میرے وعظ میں وہ گرمی نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سفر میں میری دو نمازیں فوت ہوگئی تھیں ۔

پھر فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز کی وفات کے بعد مجھے حج کا شوق ہوا ۔ میں نے خیال کیا کہ میں پہلے اجودھن جاؤں اور شیخ کی زیارت کروں ۔ چنانچہ جب میں شیخ شیوخ العالم کے آستانے پر پہنچا تو میرا مقصد حاصل ہوگیا ۔ [۲۰۴ ب] بلکہ اپنے مقصد سے کچھ زیادہ ہی حاصل ہوا ۔ میں دوسرے سال بھی اسی غرض سے شیخ کی زیارت کے لیے گیا اور مجھے وہ غرض حاصل ہوئی ۔[1]

فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ نے چند مرتبہ حج کا ارادہ کیا ، بلکہ آپ اس ارادے سے اُچ تک گئے تھی ، لیکن آپ کے دل میں خیال آیا کہ میرے شیخ قطب الدین بختیار قدس سرہ نے حج نہیں کیا ۔ میں کیوں کروں ۔ کیوں کہ ایسا کرنے میں پیر کی مخالفت ہے اور وہیں سے لوٹ آئے ۔[2]

---

۱ ، ۲ - یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ حضرت سلطان المشائخ اور حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہا حج کی اہمیت اور اس کی فرضیت سے عیاذاً باللہ منکر تھے ، بلکہ بات یہ ہے کہ ان حضرات کے پاس فقر اختیاری اور درویشی کے سبب اتنا مال ہی جمع نہ ہوتا تھا کہ جس بنا پر ان پر حج فرض ہوتا ۔ حج کی فرضیت کے لیے زاد راہ اور راستے کا امن ضروری ہے ۔ مال تو فقر اختیاری کی بنا پر جمع نہ ہوتا اور راستے اُس زمانے میں خاصے مخدوش تھے ، جس میں ہر وقت جان کا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

میں نے سلطان المشائخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ حج میں عمرہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فرض کے بعد نفل یا زکواۃ کے بعد صدقہ۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس پر راہِ خدا میں یا حج و عمرے کے موقع پر سورج چمکا، اُس پر دوزخ کی آگ اثر نہیں کرے گی۔ خبر میں ہے کہ قیامت کے دن مقام ابراہیم، رکنِ یمانی اور حجر اسود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کریں گے کہ آپ ان لوگوں کی شفاعت کیجیے، جنھوں نے ہماری زیارت نہیں کی۔ ہم ان کی شفاعت کریں گے جنھوں نے ہماری زیارت کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ! اگر تو نے میرے عمل میں کوئی گناہ یا گڑبڑ لکھ دی ہے تو تو اُسے مٹا دے، کیوں کہ تو اس پر قادر ہے کہ تو جسے چاہے مٹا دے اور جسے چاہے ثابت رکھے اور تیرے ہی پاس اُم الکتاب ہے۔ ایک عارف نے حج کے بعد کہا، الٰہی! اگر تو نے اس حج کو قبول کر لیا ہے تو اس کو ثابت رکھ اور مجھے مقبولیں کا ثواب عطا فرما، اگر قبول نہیں کیا تو عذاب دے اور مجھے تکلیف اُٹھانے والوں کا ثواب عطا فرما۔ فضل نے بیان کیا کہ ابراہیم کی والدہ، جو حج کے لیے گئی تھیں حاملہ تھیں۔ ان کے مکہ ہی میں صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے۔ وہ طواف کرتی جاتی تھیں اور لوگوں سے کہتی جاتی تھیں، لوگو! میرے بیٹے کے لیے دعا کرو کہ اللہ! میرے بیٹے کو مردِ صالح بنائے۔

کسی شخص نے یحیٰی ابن معاذ رازی سے کہا کہ میرا ارادہ جنگل میں بغیر زاد راہ کے جانے کا ہے۔ انھوں نے کہا، اچھا ارادہ ہے، اگر تو تین باتیں نہ کرے۔ اس نے پوچھا، وہ تین باتیں کون سی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ صوف نہ پہنو کہ وہ دوکانداری ہے، اور اپنے زہد کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

خطرہ تھا۔ اب رہا حج نفل کا شوق اگر کبھی ستاتا تو اس کا مداوا یہ بزرگ اس طرح کرتے تھے جس کا ذکر یہاں مذکور ہے۔ اس سلسلے میں ان حضرات پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔ حج بھی عبادات میں سوز و سازِ عشقِ الٰہی کا مظاہرہ ہے۔ اس عشقِ الٰہی کی آگ کو یہ بے سر و سامان مرشد کے پاس آ کر بجھایا کرتے تھے۔ (مترجم)

بارے میں باتیں نہ کرو ، یہ اس کا پردہ فاش کرنے کے مترادف ہے ، (ریاکارانہ) نوافل نہ پڑھے جاؤ کیونکہ یہ ریاکارانہ گدائی ہے ۔

نیز فرمایا کہ کعبے کو دو مرتبہ خراب کیا گیا ، جب تیسری بار اُسے خراب کرنے کا ارادہ کیا جائے گا تو اُسے آسمان پر اُٹھا کر لے جائیں گے ۔ یہ قیامت کے نزدیک ہوگا ، اس کے بعد قیامت قائم ہوگی ۔ یہ سب اُس وقت ہوگا ، جب قیامت قریب ہوگی اور کعبے میں بت رکھے جائیں گے اور قبیلہ دوس کی عورتیں آئیں گی اور ان بتوں کے سامنے ناچیں گی ۔ اس وقت کعبے کو آسمان پر لے جایا جائے گا ۔

نکتہ

ضیافت کی فضیلت کے بیان میں

سلطان المشائخ [۳۰۸] قدس سرہ نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام کے اصحابؓ آپ کی خدمت میں آتے ، تو کوئی نہ کوئی چیز کھائے بغیر نہ جاتے تھے ۔

نیز فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے ۔ حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا ، اے جبرئیل ! کیا پیغام لے کر آئے ہو ؟ حضرت جبرئیلؑ نے کہا ، آج مجھے حکم ملا ہے کہ خدا کے بندوں میں سے ایک بندے کو خلّت کا خلعت پہناؤں اور اس کو خلیل اللہ کا خطاب دوں ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا وہ بندہ کون ہے ؟ مجھے بتاؤ تا کہ میں اس کی پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا ، وہ بندے آپ ہی ہیں ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بشارت کو سن کر فرطِ مسرت میں بے ہوش ہو گئے اور بہت دیر کے بعد ہوش میں آئے اور فرمایا ، مجھے کس عمل کی بنا پر اس انعام سے سرفراز فرمایا گیا ۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ کھانا کھلانے کے بدلے میں ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب کھانا کھانے کا ارادہ کرتے تو مہمان کی تلاش میں گھر سے باہر آتے اور ایک دو میل مہمان کی تلاش میں جاتے ۔ جب تک کوئی مہمان نہ مل جاتا کھانا نہ کھاتے ۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت ابوالضیفان پڑ گئی تھی ۔ آپ کی صدقِ نیت کا یہ

نتیجہ ہے کہ مشہد میں آپ کے نام کا دستر خوان قیامت تک باقی رہے گا۔

ایک دن ایک مشرک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بطور مہمان آیا۔ آپ نے یہ دیکھ کر کہ یہ غیر مذہب کا ہے، کھانا نہیں کھلایا۔ باری تعالٰی کا حکم ہوا، اے ابراہیم! ہم نے اس کو جان [جیسی قیمتی چیز] دے رکھی ہے اور تو اس کو روٹی بھی نہیں دے سکتا۔

نیز فرمایا کہ سید احمد کبیرؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں اپنے نفس سے مجادلہ کر رہا تھا۔ میں جو بھی اُس سے کہتا وہ اس کو قبول کرتا تھا۔ جب میں نے اُسے کھانا کھلانے اور ایثار کے لیے کہا تو اس نے انکار کیا اور مختلف عذر اور بہانے شروع کیے۔ میں اس کی اس حرکت سے سمجھ گیا کہ حق تعالٰی کی رضامندی ان ہی دو میں ہے اور دوسرے اعمال اور اوراد اس سے کم درجے کے ہیں۔ میں نے ان ہی دو باتوں کو اختیار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے خاندان میں ان دو باتوں پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے اور اوراد وظائف کا مرتبہ ان سے کم ہے۔

نیز فرمایا کہ بغداد میں ایک درویش تھا۔ اُس کے دسترخوان پر ہر روز ایک ہزار ایک سو بیس پیالے خرچ ہوتے تھے۔ اس کے تیرہ باورچی خانے تھے۔ اس نے ایک روز اپنے خدمتگاروں سے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ تم کسی کو کھانا دینا بھول جاؤ۔ خدمتگاروں نے کہا ایسا نہیں ہے، ہم سب کو کھانا دیتے ہیں۔ درویش نے کہا کہ ممکن ہے کہ تم سے اس کام میں بھول چوک ہو جاتی ہو۔ خدمتگاروں نے کہا کہ آج آپ یہ کیوں بار بار فرما رہے ہیں۔ شیخ نے کہا کہ آج تیسرا روز ہے کہ تم نے مجھے کھانا نہیں پہنچایا، جب تم نے مجھے بھلا دیا ہے، یہ کیوں کر [۹۰م] ممکن ہے کہ دوسروں کو نہ بھول جاتے ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شیخ کے باورچی خانے کئی تھے۔ بعض باورچی خانے کے خدمتگار یہ سمجھتے تھے کہ دوسرے مطبخ سے کھانا پہنچ گیا ہوگا۔ اسی طرح دوسرے مطبخ والے بھی یہی خیال کرتے تھے۔ جب تین دن گزر گئے تو اس وقت شیخ نے یہ بات کہی۔

پھر سلطان المشائخ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی مسلمان نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا اللہ تعالٰی اس کو جنت کے پھل کھلائے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ آسودہ اور مہمان نواز گھر کو پسند کرتا ہے۔

نیز فرمایا کہ مہمانوں کی جس قدر خاطر تواضع ممکن ہو سکے ، کرو۔
حدیث میں ہے کہ جو کسی زندہ شخص کی ملاقات کو گیا اور اُس نے کچھ نہ چکھایا تو گویا اس نے مُردے سے ملاقات کی۔
حدیث میں ہے کہ تین چیزوں کا حساب بندے سے نہیں لیا جائے گا۔ وہ جو نمازیوں نے کھایا ہو ، جس سے روزہ افطار کیا گیا ہو ، اور جو بھائیوں کے ساتھ مل کر کھایا گیا ہو۔
نیز فرمایا کہ کھانا کھلانا تمام مذاہب میں پسندیدہ عمل ہے۔
فرمایا کہ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ بیس درہم کے صدقہ دینے سے ایک درم کا یاروں کو کھانا کھلانا بہتر ہے۔
امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی ایک درم اپنے دوستوں پر خرچ کرے۔ وہ اس سے بہتر ہے کہ سو درم صدقہ کرے۔ اگر سو درم اپنے دوستوں پر خرچ کرے وہ ایسا ہے کہ جیسے اس نے ایک غلام آزاد کیا۔
سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک درویش چند سال تک سفر میں رہا۔ جب وہ اپنے وطن واپس آیا تو وہ اپنے پیر کی زیارت کے لیے گیا۔ اس کے پیر نے اس سے پوچھا کہ تم نے عجائبات عالم میں کیا کیا دیکھا۔ اس نے کہا کہ قطب عالم سے میری ملاقات ہوئی۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ تمام دنیا میں ایک آدھا آدمی ہے اور وہ آدھا آدمی وہ ہے کہ جو مصلیٰ ہوا میں بچھا کر نماز ادا کرتا ہے اور پورا مرد وہ ہے جو ایک پوری روٹی درویش کو دیتا ہے۔
سلطان المشائخ سے قاضی محی‌الدین کاشانیؒ نے عرض کیا کہ خواجہ ابو عثمان اسماعیلؒ کی تالیف جو دو سو حدیثوں پر مشتمل ہے ، میری نظر سے گزری ، جو انھوں نے سو مشائخ سے سنی تھیں اور ہر شیخ نے دو حدیثیں ایک ”صحیحین“ سے دوسری ”غرایب الاخبار“ سے بیان کی تھیں۔ ان میں سے ایک حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا۔ ساٹھ سال تک [۰ ۱۴] اس نے خدائے تعالیٰ کی عبادت کی تھی۔ آخر عمر میں ایک عورت پر عاشق ہو گیا۔ چنانچہ مسلسل چھ روز تک وہ اس کے عشق میں سرگرداں رہا۔ بعد میں اپنی اس غلطی پر پشیمان ہو کر مسجد میں گیا اور روزہ رکھا اور متواتر تین روز تک کچھ نہ کھایا۔ چوتھے روز ایک مسلمان ایک ٹکیہ اس کے لیے لے کر آیا۔ جب وہ افطار

کرنے لگا تو دو درویش دائیں اور بائیں اس کے پاس تھے ۔ اُس نے وہ ٹکیا ان کو دے دی ۔ اتفاق سے اُسی وقت اُس کی وفات ہو گئی ۔ اس کی وفات کے بعد اس کی ساٹھ سالہ عبادت کو ایک پلڑے میں رکھا گیا اور چھ روز کے گناہ کو ایک پلڑے میں رکھا گیا ۔ چھ روز کے گناہ کا پلڑا ساٹھ سالہ عبادت کے پلڑے سے جھک گیا ۔ پھر اس کی ٹکیا کو ، جو اس نے درویشوں کو دی تھی ، ایک پلڑے میں جس میں ساٹھ سالہ عبادت رکھی گئی تھی ، رکھا گیا ۔ وہ پلڑا جھک گیا اور اس عابد نے نجات پائی ۔

سلطان المشائخ قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ علیکم بحدیث صاحب الرغیف (روٹی والے) کا واقعہ بھی تمھارے لیے ابن حارث کی طرح ہے لیکن تھوڑا سا مختلف ہے ۔ حدیث میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا ، جس نے سالہا سال عبادت کی تھی ۔ آخرالامر ایک عورت کے عشق میں مبتلا ہوا ۔ اس کی ایک کرامت یہ بھی تھی کہ ہمیشہ ابر کا ایک ٹکڑا اس پر سایہ فگن رہتا تھا ۔ جب یہ گناہ اس سے سرزد ہوا تو یہ کرامت اس سے چلی گئی ۔ وہ زاہد شرمندگی کی وجہ سے وہاں سے بھاگ کر ایک مسجد میں چلا گیا ۔ اس مسجد میں ایک صاحب خیر نے دس آدمیوں کو توریت کے ختم کرنے کے لیے بٹھا رکھا تھا اور اُن کے لیے ہر روز دس روٹیاں بھیجتا تھا ، جو ہر ایک کو دے دی جاتی تھی ۔ اس میں سے ایک روٹی زاہد کو دی گئی ، جس کی وجہ سے توریت ختم کرنے والوں میں سے ایک شخص روٹی سے محروم رہا ۔ اس شخص نے ، جس کو روٹی نہیں ملی تھی ، کہا کہ میری روٹی زاہد نے لے لی ۔ جب یہ بات زاہد نے سنی اُس نے وہ روٹی فوراً اسے دے دی ۔ جس کے بعد فوراً وہی ابر کرامت اس کے سر پر سایہ فگن ہوگیا ۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کی توبہ قبول ہو گئی ۔ اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا علیکم بحدیثِ صاحب الرغیف (روٹی والے کی حدیث کو یاد رکھو) ۔

بعد میں قاضی محی الدین کاشانی نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ اس واقعہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کے لیے ترغیب و تحریص دلانے کی کیا وجہ ہے ؟ فرمایا کھانا کھلانا اور ایثار ۔

پھر فرمایا کہ میں نے بی بی فاطمہ سام رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا

ہے کہ فرماتی تھیں کہ جو شخص کسی کو روٹی کا ٹکڑا اور پانی کا ایک کوزہ دیتا ہے ۔ اس کے عوض اس کو اس قدر دینی اور دنیوی نعمتیں ملتی ہیں جو لاکھوں روزوں اور نمازوں سے حاصل نہیں ہو سکتیں ۔

ابو اسحاق گاذرونی :

پھر فرمایا شیخ ابو اسحاق [۱۰۴] گاذرونی ، جن کا نام شہریار اور کنیت ابو اسحاق ہے ، جولاہے کے بیٹے تھے ۔ بچپن میں سوت کا تانا بانا کر رہے تھے کہ شیخ عبداللہ خفیف نے آپ کو دیکھا ۔ خدا جانے انھوں نے اُن کی پیشانی میں کیا دیکھا کہ اُن سے کہا ، آؤ اور میرے مرید ہو جاؤ ۔ ابو اسحاق اُن کی یہ بات سن کر حیران ہوئے اور کہا کہ میں کیا جانوں کہ پیری مریدی کیا ہے ؟ فرمایا کہ تم اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھو اور کہو کہ میں تمھارا مرید ہوں ۔ ابو اسحاق نے ایسا ہی کیا ۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ اب میں کیا کروں ؟ شیخ نے فرمایا ، جو کھانا کھاؤ اس میں سے دوسروں کا بھی حصہ نکالو ۔

الغرض یہ کہ ایک روز تین درویش اُس گاؤں سے گزرے ، جس میں ابو اسحاق رہتے تھے ۔ ابو اسحاق گاذرونی اُسی وقت تین روٹیاں لے کر اُن کے پاس گئے اور ان کی نذر کیں ۔ ان درویشوں نے وہ روٹیاں کھائیں ۔ کھانے کے بعد وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس نے یہ کام خود سے کیا ہے ۔ اب اس کا بدلہ ہونا چاہیے ۔ ایک درویش نے کہا کہ میں نے اسے دنیا بخشی ، دوسرے درویش نے کہا کہ دنیا سے تو یہ فتنے میں پڑ جائے گا ، میں نے اس کو دین بخشا ، تیسرے درویش نے کہا کہ درویش جواں مرد ہوتے ہیں ، میں نے اس کو دنیا اور عقبیٰ بخشی ۔

الغرض شیخ ابو اسحاق اس کھانے کی برکت سے شیخ کامل ہوئے اور آج تک آپ کے روضے میں وہ نعمتیں اور راحتیں ہیں کہ ان کی کوئی حد اور شمار نہیں ۔

طاعت لازمی و متعدی :

نیز فرمایا کہ طاعت کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک لازمی ، دوسری متعدی ۔ طاعت لازمی یہ ہے کہ اس کا نفع صرف اطاعت کرنے والے کو پہنچے ، وہ نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ اور اوراد ہیں ۔

طاعت متعدی یہ ہے کہ جس کی منفعت اور راحت دوسروں کو بھی پہنچے ، اس کا ثواب بے حد و بے شمار ہے۔
طاعت لازمی میں اخلاص قبولیت کی شرط ہے ، لیکن طاعتِ متعدی جس طرح بھی کرے اس میں ثواب ملتا ہے۔
شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی کتنی راہیں ہیں ؟ فرمایا ، یوں تو کائنات کا ہر ذرہ حق تعالیٰ کی رہنمائی کرتا ہے ، لیکن کوئی راستہ قریب تر دلوں کے راحت پہنچانے سے نہیں ۔ ہم نے جو کچھ پایا ہے ، اسی راہ سے پایا ہے اور میں اسی کی وصیت کرتا ہوں۔
اُنھوں نے یہ بھی فرمایا کہ آدمی کو چاہیے کہ دو کاموں میں مشغول ہو ۔ ایک یہ کہ جو چیز انسان کو حق تعالیٰ سے دور رکھتی ہے ، اسے اپنے سے دور کرے ۔ دوسرے دلوں کو راحت پہنچائے ۔ جو ان دو صفتوں کو اختیار کرتا ہے ، اُسے ابدی راحت ملتی ہے ، ورنہ خسرالدنیا والآخرہ (دنیا میں بھی نقصان اور آخرت میں بھی نقصان) کے قول کے مطابق پریشان رہتا ہے۔
سلطان المشائخؒ نے فرمایا ، بدایوں میں ایک دیوانہ تھا ۔ اُس کو مسعود نخاسی کہتے تھے ۔ [۲۱۲م] خواجہ زین الدین ساکن مدرسہ معزی نے اس سے کہا کہ ہمیں فائدے کی کوئی بات بتاؤ ۔ دیوانے نے کہا ، شراب لاؤ ۔ خواجہ زین الدین نے اپنا غلام بھیج کر اُس کے لیے شراب منگوائی اور دیوانے کے سامنے رکھی ۔ دیوانے نے کہا دریائے سوتھ کے کنارے چلو ، وہاں ہم شراب پئیں گے ۔ دونوں گئے اور دریا کے کنارے بیٹھ گئے ۔ دیوانے نے کہا ، اُٹھو اور ساقی گری کی خدمت بجا لاؤ ۔ چنانچہ وہ پیالہ بھر بھر کر دیوانے کو دیتے جاتے تھے ، یہاں تک کہ وہ مست ہو گیا ۔ پھر اُس نے کہا کہ ہم کپڑے اُتار کر پانی میں نہائیں گے ۔ جب وہ نہا کر دریا سے نکلا تو دیوانے نے خواجہ زین الدین سے کہا کہ تمھیں چاہیے کہ پانچ خصلتوں کو لازم پکڑو ۔ پہلے یہ کہ گھر کے دروازے کو ہر آنے والے کے لیے کھلا رکھو ، دوسرے یہ کہ لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آؤ ، تیسرے یہ کہ جو کچھ میسر آئے اُسے حاجت مندوں کو دینے میں دریغ نہ کرو ، خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ، چوتھے یہ کہ اپنا بوجھ کسی پر نہ ڈالو ، پانچویں یہ کہ دوسرے کے بوجھ کو اُٹھاؤ ۔

سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ جب کوئی مہمان آئے تو کوئی تکلف مت کرو اور اگر مہمانوں کو بلایا ہے تو انھیں بوجھ نہ سمجھو ۔

پھر فرمایا کہ درویش وہ ہے جو ہر آنے والے کو ، جب وہ آئے ، پہلے سلام کرے پھر اُس کے لیے کھانا لائے ، پھر اُس سے بات چیت میں لگے ۔ پھر ارشاد فرمایا ، پہلے سلام بعد ازآں طعام پھر کلام ۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ امام شافعیؒ ایک دوست کے مہمان ہوئے ۔ وہ دوست ایک کاغذ پر کھانوں کے نام لکھ کر کنیز کو دے کر کسی کام کے لیے باہر چلا گیا کہ یہ کھانے مہمان کے لیے پکانا ۔

امام شافعیؒ نے کنیز سے وہ کاغذ لے کر دیکھا اور اس پر اپنی منشا کے مطابق چند کھانوں کے نام اور اضافہ کر دیے ۔ کنیز نے وہ کاغذ دیکھا تو اُس نے وہ تمام کھانے ، جو میزبان نے لکھے تھے اور مزید وہ کھانے جو امام شافعیؒ نے لکھے تھے ، سب پکائے ۔ جب میزبان گھر آیا اور دستر خوان پر کھانے اس فہرست سے زیادہ دیکھے جو اس نے لکھی تھی تو اُس نے کنیز سے پوچھا کہ کیا بات ہے ۔ یہ کھانے زیادہ کیوں ہیں ؟ کنیز نے وہ کاغذ پیش کیا ، جس پر امام شافعی نے اپنے پسندیدہ کھانے بڑھائے تھے ۔ جب میزبان نے امام شافعی کے اضافہ کیے ہوئے کھانوں کی فہرست دیکھی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس کنیز کو آزاد کر دیا ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا ، انسان جو مالی ، بدنی یا خلقی اطاعت کرتا ہے ، اگر اُس میں سے کچھ حصہ بھی قبول ہو جاتا ہے تو اس بندے کے کام سنور جاتے ہیں ۔

پھر فرمایا کہ سعادت کے قفل کی کئی چابیاں ہیں ۔ ہر چابی سے کام لینا چاہیے [۳۱۴] ۔ اگر وہ ایک چابی سے نہ کھُلے گا تو دوسری چابی سے کھُلے گا ، اگر اس سے بھی نہ کھُلا تو تیسری سے کھُلے گا ۔

نکتہ

کھانے کے آداب میں

سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے چاہییں ۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو چاہتا ہے کہ اس کے گھر کی برکت بڑھ جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ کھانے سے پہلے وضو کرے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

جب ہاتھوں سے کام کیا جاتا ہے تو ہاتھ مختلف آلایشوں سے بھر جاتے ہیں ۔ پس ہاتھوں کا دھونا پاکیزگی اور نظافت کے لیے ہے ۔

نیز فرمایا کہ کھانا کھانا محض اس لیے ہے کہ عبادات اور نیک اعمال میں قوت حاصل ہو ۔ اس کے لیے مناسب ہے کہ طہارت کو کھانے پر مقدم کرے ۔

نیز فرمایا کہ میزبان کے لیے سنت ہے کہ اپنے مہمان کے خود ہاتھ دھلوائے ۔

ایک دفعہ امام شافعیؒ ، امام مالکؒ کے گھر میں مہمان ہوئے ۔ خود امام مالک نے ان کے ہاتھ دھلائے ۔ ہر چند امام شافعیؒ انھیں منع کرتے رہے ، لیکن امام مالک نے امام شافعی سے کہا ، آپ اس کا کچھ خیال نہ کیجیے ، کیونکہ مہمان کی خدمت سنت ہے ۔

نیز اس موقع پر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ہرون الرشید نے ابومعاویہؒ ضریر کو اپنا مہمان بنایا ۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو ہارون الرشید نے اُن کے ہاتھ دھلائے ۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے ہاتھ کس نے دھلائے ؟ کہا ، میں نہیں جانتا ۔ لوگوں نے کہا ، امیرالمؤمنین نے ۔ یہ سن کر ابومعاویہ نے کہا کہ جس طرح تُو نے علم کی قدر و منزلت کی ، اسی طرح اللہ تعالیٰ تیری قدر و منزلت کرے ۔

فرمایا ، جب مہمان کے ہاتھ دھلائے تو پہلے اپنے ہاتھ دھونے چاہیں ۔ ہاتھ دھلانے کا حکم پانی پلانے کے حکم کے خلاف ہے ، یعنی پہلے پانی مہمان کو پلانا چاہیے پھر خود پینا چاہیے ۔

پھر فرمایا کہ ہاتھ کھڑے ہوکر دُھلانے چاہییں ۔ اس کے بعد ارساد فرمایا کہ ایک شخص حضرت جنیدؒ کے پاس آیا ، تا کہ اُن کے ہاتھ دھلوائے ، لیکن وہ بیٹھ گیا ۔ جنید فوراً کھڑے ہو گئے ۔ لوگوں نے پوچھا ، آپ کیوں کھڑے ہو گئے ؟ حضرت جنید نے فرمایا کہ اس کے لیے واجب تھا وہ کھڑے ہو کر ، ہاتھ دھلاتا ، مگر جب وہ بیٹھ گیا تو مجھے کھڑا ہی ہو جانا چاہیے تھا ۔

ابوالیاس اور ابوالفتح :

ایک دفعہ سلطان المشائخ کی مجلس میں کھانا لایا گیا ۔ سلطان المشائخ

نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ عربوں میں وہ طشت اور پانی کا لوٹا ، جو کھانے کے بعد لاتے ہیں ، اُسے ابوالیاس کہتے ہیں ۔ یعنی لا اُمیدی کا باپ ۔ یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس کے بعد کوئی کھانا نہیں لایا جائے گا ۔ پھر اس کے بعد خوش طبعی سے فرمایا کہ ہندوستان میں ابوالیاس پان ہے کہ پانوں کے بعد کوئی کھانا نہیں لاتے ۔ [۳۱۳] پھر فرمایا کہ عرب میں پان نہیں ہوتا ، اس لیے وہ اس طشت اور پانی کے لوٹے کو ، جو کھانے کے بعد لاتے ہیں ، اُسے ابوالیاس کہتے ہیں اور وہ نمک کو ابوالفتح کہتے ہیں ۔ پھر فرمایا کہ کھانے کی ابتدا اور انتہا نمک سے کرنا جذام کی بیماری سے محفوظ رکھتا ہے ۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ دوستی اور تواضع کا ہاتھ بڑھاؤ خواہ وہ گرم پانی ہی سے کیوں نہ ہو ۔ پھر فرمایا کہ آپ دہن سے اُنگلی تر کر کے نمک لیتے ہیں ، لیکن اس کی بابت کہیں حکم نہیں آیا ہے ۔

امیر حسن شاعر نے نمک کے اس فائدے کے علم میں آنے کے بعد شکریے کے طور پر کہا ۔ الحمدللہ حق نمکے بتجدید شد [الحمدللہ حقِ نمک کی تجدید ہوئی] ۔ سلطان المشائخ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا ، تم نے بہت اچھا کہا ۔

قاضی محی الدین کاشانی ایک مجلس میں حاضر تھے ۔ اُنھوں نے دورانِ گفتگو ملیح کیا ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ملوح کہو کہ ملوح صحیح ہے ۔

کھانے سے پہلے کی دعا :

سلطان المشائخ نے فرمایا ، جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے کھانا لایا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھتے :

اللھم بارک لنا فی رزقنا فاعذنا عذاب النار ۔

[اے اللہ ! ہمارے رزق میں برکت عطا فرما اور عذابِ نار سے ہمیں بچا ۔]

جب کھانا شروع کرتے تو پہلے لقمے پر بسم اللہ کہتے اور دوسرے لقمے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتے ، تیسرے لقمے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے فرماتے تاکہ

دوسروں کو بھی یاد دلا دیا جائے ۔ اگر ہر لقمے پر بسم اللہ کہے تو یہ اور بھی بہتر ہے ، تاکہ کھانا کھاتے وقت کوئی لمحہ ذکر سے خالی نہ رہے ۔ اور کھانا ختم کرنے پر الحمد للہ کہے ۔

کاتب حروف نے سلطان المشائخ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب کھانا آدمی کے سامنے رکھا جائے تو کہے :

بسم اللہ عنی عن کل آکلٍ معی ۔

[بسم اللہ میری طرف سے اور ہر اس شخص کی طرف سے جو میرے ساتھ کھا رہا ہے ۔]

کاتب حروف نے مولانا فخرالدین زرّادی خلیفہ سلطان المشائخ کو دیکھا تھا کہ وہ ہر لقمے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتے تھے ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک بزرگ تھے ، جو ہر لقمے پر اخذ باللہ (میں اسے اللہ کے نام سے لیتا ہوں) کہتے تھے ۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب تم گوشت کھانے بیٹھو تو گوشت سے پہلے ثرید سے شروع کرو ۔

نیز فرمایا کہ دوسروں کے لقموں کی طرف نہ دیکھو اور بڑے لقمے نہ بناؤ اور لقمے کو (کاٹ کر) دوسری مرتبہ پیالے میں نہ ڈالو اور ہاتھ اور منہ کو دستر خوان اور روٹی سے صاف نہ کرو اور ہڈی کا گودا نکالنے کے لیے روٹی پر نہ مارو اور کوئی چیز زبان پر نہ رکھو ۔

نیز فرمایا ، جب تک ممکن ہو دستر خوان پر پانی نہ پیو ، اور دائیں ہاتھ کی انگلیاں خنصر اور بنصر جو کھانے میں نہیں بھرتیں ، ان سے پانی کے گلاس کو پکڑو ۔

پھر اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کیا کہ شیخ بدرالدین غزنویؒ [۳۱۵] کے ہاں دعوت تھی ۔ جب کھانا کھا چکے اور دستر خوان بڑھایا گیا تو ایک درویش نے ہاتھ دھونے سے پہلے ان بھرے ہوئے ہاتھ سے پانی کا برتن لیا اور پی لیا ۔ شیخ بدرالدینؒ نے اُسے جھڑکنا چاہا کہ اس نے کھانے کے آداب کے خلاف یہ طریقہ کیوں اختیار کیا ، لیکن قاضی منہاج الدین جورجانی کی سفارش پر رک گئے ، کیونکہ اگر بھرے ہوئے

ہاتھوں اور منہ سے گلاس میں پانی پیے گا تو گلاس اُس سے آلودہ ہوگا ، جو کوئی دوسرا اس گلاس میں پانی پیے گا اُسے کراہت آئے گی ۔

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا کہ آدمی پانی میں پھونک مارے اور اُس کے منہ میں تھوک ہو تو اس تھوک کی بھاپ میں کوئی قباحت نہیں ، ایک شخص نے چند الفاظ پڑھ کر کہا کہ یہ حدیث ہے کہ جو پانی پیتے وقت ہاتھ آگے بڑھاتا ہے وہ بخشا جاتا ہے ۔ سلطان المشائخ اس کو سن کر سوچ میں پڑگئے ۔ پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ یہ حدیث ، حدیث کی معتبر اور مستند کتابوں میں نہیں آئی ہے ، ممکن ہے کہ یہ حدیث ہو ، جو حدیث لوگوں سے سنی گئی ہو ، اس کے متعلق قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ حدیث نہیں ہے ، لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث ، حدیث کی معتبر کتابوں میں نہیں آئی ۔

نیز فرمایا کہ کھانا کھاتے وقت بالکل خاموش نہیں رہنا چاہیے ، کیونکہ یہ عادت آتش پرستوں کی ہے اور کھانے کی برائی یا تعریف نہیں کرنی چاہیے ۔ پیالے کو دستر خوان پر رکھ کر صاف نہیں کرنا چاہیے ، کیونکہ اس طرح پیالہ اچھی طرح صاف نہیں ہوتا ، بلکہ پیالے کو ہاتھ میں لے کر صاف کرنا چاہیے ۔

امیر خسرو کا عمل :

ایک دفعہ سلطان المشائخ کی مجلس میں کھانا لایا گیا ۔ جب کھانا ختم ہوگیا تو امیر خسروؒ نے پیالے کو صاف کرنے کے لیے چاٹنا شروع کیا ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، یہ کیا کرتے ہو ؟ عرض کیا ایک بزرگ تھے ، انھیں "خواجہ لیس" [پیالہ چاٹنے والا] کہا جاتا تھا اور وہ خود بھی اپنے آپ کو "خواجہ کاسہ لیس" کہا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس نام کے لینے میں تامل نہ کرو ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھانے میں پھونکیں مارنے سے اس کی برکت جاتی رہتی ہے ۔ اپنے سے چھوٹوں کو نوالہ نہ دے ، البتہ شیخ اپنے اُس مرید کو نوالہ دے سکتا ہے ، جس کو ولایت دینی ہو ۔ اگر وہ لقمہ دے تو اس کو رد نہیں کرنا چاہیے ، جب تک کہ دستر خوان پر بیٹھنے والے کھانے سے ہاتھ نہ کھینچ لیں ، خود بھی ہاتھ نہ کھینچے ۔ دستر خوان بڑھانے سے

پہلے نہ اٹھے ، روٹی کے ٹکڑے کسی کے سامنے نہ رکھے ، کسی دوسرے کو کام کرنے کے لیے نہ کہے ، کھانے کے درمیان سلام کا جواب نہ دے۔

پھر اسی موقع پر فرمایا کہ شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ کے مرشد شیخ ابوالقاسم نصر آبادی اپنے مریدوں کے ساتھ [۳۰۶] کھانا کھانے میں مشغول تھے کہ اتفاقاً امام غزالی کے استاد امام الحرمین کے والد ابو محمد جوینی وہاں تشریف لائے اور سلام کیا ، لیکن اُن کے سلام کا جواب کسی نے نہ دیا ۔ جب کھانا کھا چکے تو ابو محمد جوینی نے کہا کہ میں آپ حضرات کے پاس آیا ۔ میں نے آپ حضرات کو سلام کیا ، لیکن آپ میں سے کسی نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا ۔ ابوالقاسم نے کہا ہمارا طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جماعت کے پاس آئے اور وہ کھانے میں مشغول ہو ، اس آنے والے کو چاہیے کہ وہ سلام نہ کرے اور بیٹھ جائے۔ جب وہ لوگ کھانے سے فارغ ہو جائیں اُس وقت اُسے سلام کرنا چاہیے ۔ ابو محمد جوینی نے ان سے پوچھا کہ یہ بات آپ کس دلیل کی بنا پر کہتے ہیں ۔ اس کے لیے آپ کے پاس کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہے ؟ ابوالقاسم نے جواب دیا کہ میں یہ بات از روئے عقل کہتا ہوں ۔ وہ یہ ہے کہ کھانا اس لیے کھایا جاتا ہے کہ طاعت کے لیے قوت حاصل کی جائے ، پس جو اس بقا کے لیے کوشش کرتا ہے تو وہ بھی عین طاعت میں ہے ۔ جو طاعت میں مستغرق ہو ، مثلاً نماز میں ہو وہ سلام کا جواب کیسے دے گا ۔

نیز فرمایا کہ دستر خوان پر کھانے والوں کو سلام کرنا ان کی پریشانی کا موجب ہوگا ۔ وہ تعظیماً اس کے لیے کھڑا ہونا چاہیں گے اور یہ بات منع ہے ، جیسا کہ حدیث میں رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ، نماز میں مشغولی ہے ۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اس اطاعت کی مشغولی میں سلام نہیں کرنا چاہیے ۔

نیز فرمایا حدیث میں ہے ۔ جو کھانا کھائیں وہ متقی ہوں اور جن کو کھلایا جائے وہ بھی متقی ہوں ۔ پھر فرمایا کہ کھانے کے لیے متقیوں کو تلاش کرنا مشکل ہے ، اس لیے کہ مہمانوں میں یہ معلوم کرنا کہ کون متقی ہے ، دشوار ہے ۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ "مشارق الانوار" میں ایک حدیث آئی ہے کہ کھانا دو اور سلام کرو ، خواہ وہ کوئی ہو ۔

نیز فرمایا کہ پیٹ بھر کر کھانے کے بعد دوبارہ کھانا کھانا سوائے دو شخصوں کے روا نہیں ، ایک تو وہ جس کے پاس اچانک مہمان آ جائیں اگرچہ وہ پیٹ بھر کر کھانا کھا چکا ہو ، لیکن اُسے مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے کچھ کھانا روا ہے ۔ دوسرے روزہ رکھنے والے کے لیے اگر پیٹ بھر کر کھا لینے کے بعد کچھ کھا لے تو کوئی حرج نہیں ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا ، اگر کسی درویش کو کھانے میں لذت آئے تو بہتر ہے کہ وہ نہ کھائے ، کیونکہ اگر وہ صحیح معنی میں یادِ حق میں ہوتا تو وہ کھانا اسے لذیذ نہ معلوم ہوتا ۔ شیخ سعدی کہتے ہیں :

اگر لذتِ ترکِ لذت بدانی
وگر لذتِ نفس ، لذت نخوانی

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جو شخص کھانا کھلاتے ہوئے خاموش رہے ۔ وہ جنت میں داخل ہوگا ۔ [یعنی جتنا کسی کی مرضی ہو کھائے ، وہ تھوڑا بہت کھانے کے لیے اصرار نہ کرے] ۔ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا گیا ، کیا آپ پر کھانا آسمانوں سے اُترا ہے ؟ فرمایا ، ہاں میری مسجد میں میرے لیے کھانا اُتارا گیا [۳۱۷] لیکن اتنا سا کہ جس کی بنا پر میں گدھے پر بیٹھ کر بازار تک جا سکوں ۔[1] نیز فرمایا کہ ایک مچھلی سالم کی شکل کی ہوتی ہے اسے نہ کھایا جائے ، اور بن بلائے کسی کے ہاں طفیلی بن کر نہ جاؤ ، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں رسم تھی ۔ اسلام میں مقلد اسے کہتے ہیں جو اپنے دین کو غیر کے دین کا تابع بنائے ۔

نکتہ

دستر خوان کے آداب کے بارے میں

حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز نے فرمایا ، جب دستر خوان

۱۔ شرفائے عرب گدھے پر سواری کرتے تھے اور اُن کے یہاں یہ عیب نہ تھا ۔ سیرۃ النبی جلد دوم ، ص ۱۸۹ پر آپ کے متروکات کی جو فہرست دی گئی ہے اُس میں جانوروں کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ عفیر ایک گدھا تھا ۔ حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے اپنے ساتھ اس پر بٹھایا تھا ۔ (مترجم)

بھ جائے تو پہلے آستینیں چڑھا لے ۔ اوّل دائیں پھر بائیں ، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ داہنا ہاتھ پاک کاموں اور کھانے کے لیے ہے ۔ دستر خوان پر کثرت سے لوگوں کو جمع کرو تاکہ تمھارے کھانے میں برکت دی جائے ۔ اکیلے آدمی کا ہونا مکروہ ہے اور کثرت سے لوگوں کا دستر خوان پر ہونا سنت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اپنے کھانے میں بہت سے لوگوں کو شریک کیا کرو ۔ تاکہ تمھارے اُس کھانے کی برکت بڑھا دی جائے ۔ جب کھانا چُن لیا جائے تو پھر خادم آ کر اور ہاتھوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر صلٰوۃ کہے ۔ لفظ صلٰوۃ صحابہؓ سے شروع ہوا ہے ۔ وہ جب لوگوں کو جمع کرنا چاہتے تو آواز دیتے الصلٰوۃ جامعۃ تاکہ سب حاضر ہو جائیں ۔ خادم کو اس وقت تک کھڑے رہنا چاہیے کہ جب تک لوگ کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں ۔ حضرت قتادہؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رفقا آئے ۔ آپ اُن کی خدمت میں مشغول ہوئے ۔ آپ کے اصحاب نے عرض کیا کہ آپ زحمت نہ فرمائیں ۔ یہ سب کام ہم خود کر لیں گے ۔ فرمایا ، نہیں ۔ بے شک آپ اپنے اصحاب کی توقیر کرنے والے تھے ۔ آپ نے ان کو جواب دیا ۔ میں تمھاری خدمت کے لیے کافی ہوں ۔

جب کھانا ختم ہو تو چراغ والا چراغ لے جائے اور پانی پلانے والا کوزے اُٹھا لے ۔ پھر بعد میں خادم برتن ، نمکدان ، ہڈیاں اور روٹیوں کے ریزے وغیرہ اکھٹے کرے اور جس ترتیب سے دستر خوان کا سامان چُنا تھا ، اس کے برعکس اُٹھائے ، جیسا کہ مسجد کے باہر آنے جانے کے آداب ہیں ۔ متاہل لوگوں کو صبح کو کھانا بھجوائے اور رات کو دسترخوان پر بٹھائے اور مجردوں کو دونوں وقت دستر خوان پر بٹھائے ۔ یہ صفت اہلِ بہشت کی ہے ، جن کی شان میں قرآنِ حکیم میں آیا ہے ، اُن کے لیے جنت میں صبح و شام رزق ہے ۔ جب خلالدان سے خلال اُٹھائے ، بشرک اللہ بالجنۃ کی دعا کرے ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ، میری امت کے لوگ وضو اور کھانے میں خلال کرنے والے ہیں ۔ اس کے بعد خادم بائیں ہاتھ میں جھاڑو پکڑے اور جھاڑو دے ، پھر ہاتھ دھوئے اور آستین چڑھا کر ہاتھ پاؤں دھلائے ۔ پہلے خادم دعا کرے طھرک اللہ من الذنوب و ترک اللہ من العیوب ۔ پھر قوالوں سے سماع شروع کرائے ۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شربت دیا گیا ۔ پہلے آپ نے

پیا - آپ کے داہنی طرف ایک نو عمر تھا اور دائیں طرف بوڑھے لوگ تھے -
آپ نے غلام سے فرمایا ، اگر تم اجازت دو تو میں یہ ان سب کو پلاؤں -
غلام نے کہا ، یہ آپ کا پیا ہوا ہے - بخدا میں اس معاملے میں اپنی ذات
پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا - رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
نے فرمایا ، اللہ تعالیٰ تم سب کو جنت کی شراب پلائے - چراغ جلانے
والے کو نور اللہ علیک کہنا چاہیے (منوّر کرے اللہ تیرے دل کو) -
الغائب بلا نصیب (غائب کا کوئی حصہ نہیں) کا اطلاق دور کے غائب
پر ہوتا ہے -

پھر سلطان المشائخؒ نے فرمایا ، [۲۱۸] کھانے کے بعد تکبیر بھی آئی
ہے - وہ تکبیر بمعنیٰ حمد کے ہے یعنی نعمت کے شکرانے میں خدا کی
حمد کی جائے -

پھر فرمایا کہ رسولِ اکرمؐ نے صحابہؓ سے فرمایا ، مجھے اُمید ہے
کہ کل قیامت کے دن چوتھا حصہ اہلِ بہشت میں سے تم ہو گے اور پھر
دوسری اُمتیں ہوں گی - صحابہ کرام نے اس کے شکریے میں اللہ اکبر کہا -
پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تیسرا حصہ تم ہو گے
اور باقی دو تہائی دوسری اُمتیں ہوں گی - پھر صحابہؓ نے اللہ اکبر کہا -
پھر حضورِ اکرمؐ نے فرمایا کہ نصف اہلِ بہشت میں سے تم ہو گے اور
نصف دوسری اُمتیں ہوں گی - صحابہؓ نے پھر تکبیر کہی -

اس کے بعد سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ اس موقع پر صحابہؓ کا
تکبیر کہنا بجائے حمد کے ہے ، لیکن بعض درویش جو ہر بار اور ہر
مصلحت پر تکبیر کہتے ہیں ، کسی جگہ نہیں آیا ہے -

کاتبِ حروف نے ''جامع الاصول فی احادیث الرسول'' میں دیکھا ہے
کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ، جب دستر خوان
بڑھانے کے بعد تکبیروں کی آواز بلند کی جاتی ہے تو اُس سے آسمانوں کی
گردش کھل جاتی ہے -

گھر کو مکڑی کے جالوں سے پاک کرے ، کیونکہ یہ شیطان کے
رہنے کا گھر ہوتے ہیں -

ہاتھ دھونے والے کو چاہیے کہ ہاتھ دھوتے وقت ہاتھوں کو کہنیوں
سے اُوپر نہ لے جائے اور ہاتھوں کو ہتھیلیوں سے ملے ، نہ کہ اُنگلیوں سے -

جن مریدوں میں تکبر اور غرور کا شائبہ ہو ، ان کو وضو کرانے
ی خدمت سپرد کرے ۔

نکتہ

کم کھانے کے فوائد میں

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ ایک بزرگ ن قول
ہ کہ میں بھوک سے ایک لقمہ کم کھاؤں اور تمام رات سوتا رہوں ، یہ
ں سے بہتر ہے کہ میں پیٹ بھر کر کھاؤں اور تمام رات جاگتا رہوں ۔
پھر فرمایا کہ شیطان کہتا ہے جو پیٹ بھر کر کھانا کھا کر نماز
ں مشغول ہوتا ہے ، میں اُس سے معانقہ کرتا ہوں ۔ یہ پیٹ بھرا جب
ماز سے فارغ ہو چکتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ میرا اس پر کس قدر غلبہ
وگا ۔ اسی طرح جب بھوکا سو رہتا ہے ۔ میں اس سے بھاگتا ہوں ۔ جب
، بھوکا نماز میں ہوتا ہے تو جان لینا چاہیے کہ میری نفرت اس سے کس
ر بڑھی ہوئی ہوگی ۔

رویش کی شب ِ معراج :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ درویشی میں پوری راحت ہے اور درویش
ملم آفتوں سے امن میں رہتا ہے ۔ درویشی میں زیادہ سے زیادہ سختی یہ ہے
کہ انسان فاقے سے رہتا ہے ، لیکن جس رات اس پر فاقہ ہوتا ہے ، اُس کی
ب ِ معراج ہوتی ہے ۔
نیز فرمایا کہ درویش کو چاہیے کہ پے در پے تین روز کچھ نہ
کھائے اور یہ بھی فرمایا کہ درویش کو چاہیے کہ پیٹ بھر کر نہ کھائے
ر دیر سے نہ سوئے تاکہ اس کے افطار اور سحری میں فرق نہ آئے ،
یکن افطار اور سحری اس قدر ہونی چاہیے کہ نفس عبادت کے لیے چست و
والا رہے ۔

انسانی کمال کی چار چیزیں :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ انسانوں کا کمال [۹ ۱م] چار چیزیں
یں ، کم کھانا ، کم بولنا ، کم سونا اور لوگوں سے میل جول کم رکھنا ۔

نیز فرمایا کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے منقول ہے کہ ملکوت کا دروازہ بھوک اور پیاس سے کھٹکھٹا سکتے ہیں ۔
نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مولانا علاء الدین اصولی نہایت بزرگ آدمی تھے کہ وہ بیس روز تک بھوکے رہتے ۔ بھوک کی شدت کی وجہ سے درس دینے میں اُن کے منہ سے جھاگ نکلتے ۔ نیز فرمایا کہ وہ سحر میں برائے نام کھاتے تھے ۔
نیز فرمایا کہ جب تک انسان تنگی نہیں اُٹھاتا ، راحت نہیں پاتا ۔ زیادہ کھانے اور زیادہ سونے سے کام آگے نہیں بڑھتا ۔

شعر

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

کم کھانے کے فوائد پر متفقہ فیصلہ :

کاتبِ حروف نے سلطان المشائخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ میں نے ہمیشہ کا روزہ اس وقت اختیار کیا ، جب کہ میں نے ہر گروہ سے سوال کیا تو اُن سب نے متفقہ طور پر ایک ہی جواب دیا ۔ میں نے اطباء سے بیماریوں سے شفا کے بارے میں دوا کو پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ بھوک اور کم کھانا ۔ پھر میں نے عابدوں سے نفع بخش چیز کے لیے پوچھا کہ کون سی چیز خدا کے بندوں کو نفع پہنچاتی ہے ، تو اُنھوں نے جواب دیا ، بھوک اور کم کھانا ۔ میں نے زاہدوں سے پوچھا کہ قوت دینے والی کون سی چیز ہے ، تو اُنھوں نے جواب دیا ، بھوک اور کم کھانا ۔ میں نے علماء سے سوال کیا کہ افضل کون سی چیز ہے جس سے حافظہ قوی ہوتا ہے ۔ اُنھوں نے جواب دیا ، بھوک اور کم کھانے سے ۔ میں نے بادشاہوں سے پوچھا کہ بہترین غذا کون سی ہے ؟ انھوں نے کہا ، بھوک اور کم کھانا ۔ ابو طالب مکی نے فرمایا ، مومن کی مثال بانسری کی طرح ہے ، اس کی آواز اچھی نہیں ہوتی ، جب تک اس کا جوف خالی نہ ہو ۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ، ایسے پیٹوں سے بھلائی کی اُمید نہ رکھو ، جو پہلے بھرے ہوئے تھے ، پھر بھوکے ہوئے ، کیونکہ اس میں بخشش اور عزت ہے اور ایسے پیٹ سے بھی خیر کی اُمید نہ

رکھو جو پہلے بھوکے تھے ، پھر بھرے ہوئے ہوئے ، کیوں کہ اس میں کنجوسی ہوتی ہے ۔ بھوک اصول کا مظنّہ اور وصول کی سواری ہے ۔ حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے زیادہ کھانے سے بچاتا ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ، بھوکے کا ہنسنا پیٹ بھرے کے رونے سے بہتر ہے ۔ ایک صحابی کا قول ہے کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے اپنے گھر میں ایک دن اور ایک رات کے کھانے کی اشیاء کا ذخیرہ کبھی نہیں کیا اور کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا ، کیوں کہ پیٹ بھر کر کھانا کفر کی طرف لے جاتا ہے ۔ حماد بن ابی حنیفہ نے کہا کہ میں داؤد طائی کے پاس گیا ۔ ان کا دروازہ بند تھا ۔ میں نے سنا کہ وہ [۲۰۳] فرما رہے تھے ، تُو نے سبزی کی خواہش کی ، میں نے تجھ کو سبزی کھلائی ، اب تُو کھجوریں مانگتا ہے ، یاد رکھ میں تجھے کبھی کھجوریں لہ دوں گا ۔ جب میں اندر گیا تو دیکھا وہ بالکل تنہا تھے اور یہ باتیں وہ اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے ۔

مالک بن دینار نے فرمایا کہ کہا جاتا ہے جو شخص چالیس روز تک گوشت نہیں کھاتا اس کی عقل ناقص ہو جاتی ہے ، لیکن میں نے بیس سال سے گوشت نہیں کھایا مگر میری عقل کامل ہے ، بلکہ پہلے سے زیادہ ہے ۔

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں ۔

شعر

ان ارذل النـــــــاس
من اشتغل بالاکل واللباس

[سب سے زیادہ رذیل آدمی وہ ہے جو کھانے اور لباس میں مشغول رہے ۔]

خواجہ حکیم سنائی نے کیا اچھا کہا ہے :

ہر کس امروز قبلہ مطبخ شد
و آنکہ فرداش جا بدوزخ شد

آدمی را دریں کہن برزخ
ہم ز مطبخ درے ست در دوزخ

بہر کم خوردن است بے آبی
دہن بشد ، لطق اعرابی

چون خوری بیش پیل باشی تو
کم خوری جبرئیل باشی تو

خور اندک فزون کند حکمت
خور بسیار کم کند علمت

لقمۂ گر کنی ز خوردن بیش
ہیضہ آرد کلید گلخن پیش

ہاضمہ چون بدو بپردازد
از زنخ گلخنے دگر سازد

نکتہ

اہل تصوف کے لباس کے بارے میں

سپید رنگ :

کاتب حروف نے سلطان المشائخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ سپید کپڑا بہتر ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کپڑوں میں تمہارے لیے بہتر رنگ سپید ہے کیونکہ وہ پاکیزہ اور طیب ہے ، اپنے مُردوں کو بھی سپید کپڑوں میں کفن دو ۔ اور مشائخ نے بھی اسے پسند کیا ۔

نیلا رنگ :

بے شک مشائخ نے نیلا رنگ اپنے مریدوں کے لیے تین وجوہ سے پسند کیا ہے ۔ اوّل یہ کہ وہ میل کو جذب کر لیتا ہے ، جس میں جلد جلد دھونے کی تشویش نہیں ہوتی ۔ دوسرے یہ کہ یہ رنگ اہل مصیبت کے لیے مخصوص ہے کہ وہ بھی ماضی میں اپنا وقت جو اُنھوں نے غیر حق میں صرف کیا ہے ، اہل مصیبت ہوتے ہیں ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک درویش ، جو یاد الٰہی میں نہایت

مشغول رہتا تھا ، شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آیا ۔ وہ چند دن آپ کی خدمت میں رہا ۔ اس کے کپڑے بہت میلے ہو گئے تھے ۔ ایک دن لوگوں نے اس سے کہا کہ تمھارے کپڑے بہت میلے ہو گئے ہیں ، تم اپنے کپڑے کیوں نہیں دھوتے ؟ چونکہ وہ ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول رہتا تھا ، اس نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ جب لوگوں نے اصرار کیا تو [٦٢١] اُس نے نہایت عاجزی سے کہا ، بابا ! مجھے کپڑے دھونے کی فرصت کہاں ہے ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا ، جب بھی مجھے اس درویش کا جواب یاد آتا ہے ، جو اُس نے نہایت عجز و مسکنت سے دیا تھا ، تو مجھ میں بھی عجز و مسکنت اور نرمی پیدا ہوتی ہے ۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اُن کی عادت ایسا رنگ پہننے کی ہے جس کا رنگ انوارِ مشاہدہ سے ملتا جلتا ہو ۔ نفس کے کئی رنگ ہوتے ہیں اور وہ نیلے ہوتے ہیں ، البتہ نفس مطمئنہ کا نور تاریک ہوتا ہے ۔ جب اس کے ساتھ نورِ ذکر ملتا ہے تو ان دونوں کے اختلاط سے نیلا رنگ پیدا ہوتا ہے ۔ نفس کے انوار کبھی نیلے اور کبھی سبز ہوتے ہیں اور قلب کے انوار کبھی زرد اور کبھی سبز اور کبھی سرخ ہوتے ہیں ۔ صوفیہ نے اس لیے نیلے رنگ کو اختیار کیا ہے کہ اس میں اظہارِ عجز ہے ۔ اسی لیے بعضوں نے کہا ہے کہ اگر ابن منصور معرفت کا حق جانتا تو بجائے اناالحق کے اناالتراب (میں مٹی ہوں) کہتا ۔ اُنھوں نے سیاہ رنگ کو دو وجہ سے چھوڑ دیا ہے ۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس میں عباسیوں کا احترام پایا جاتا ہے ، دوسری وجہ یہ ہے کہ معتوب کفاروں سے یہ رنگ ملتا جلتا ہے ۔

روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا ، جو زرد کپڑے پہنے ہوئے تھا ۔ آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اگر تیرا یہ لباس تنور یا چولھے میں ہوتا تو تیرے لیے بہتر ہوتا ۔ اُس آدمی نے اُسی وقت وہ لباس تنور میں پھینک دیا ۔ وہ دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے وہ لباس کیا کیا ؟ اُس آدمی نے عرض کیا کہ میں نے وہی کیا جس کا آپ نے حکم دیا

تھا ۔ آپ نے فرمایا کیا میں نے یہ کہا تھا ؟ میرے کہنے کا مطلب تو یہ تھا کہ اس کی قیمت عورتوں کو دو ، تاکہ وہ اس کی قیمت اُس آٹے میں صرف کریں جس سے وہ تمھارے لیے روٹی پکاتی ہیں ، یا ان لکڑیوں پر صرف کرو جن سے کھانا پکایا جاتا ہے ۔ جب سالک اپنے نفس سے مامون ہو جائے تو پھر اُسے اجازت ہے کہ وہ مردوں کا جو لباس چاہے ، پہنے ۔

حضرت براء بن عازب رض سے روایت ہے کہ میں نے فتح مکہ کے دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سرخ لباس میں دیکھا جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جسمِ مبارک پر نہایت بھلا معلوم ہو رہا تھا ۔ آپ کے سر پر سیاہ رنگ کا عمامہ تھا ۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ عمامہ سرمئی رنگ کا تھا ۔ اس کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان پڑا ہوا تھا ۔

حضرت عمر رض کی روایت میں ہے کہ اُنھوں نے اپنے عمّال کے لیے اس عمامے کو تبدیل کرنا چاہا تو ایک عربی [اعرابی] نے کہا ، سرمئی رنگ مائل بہ نیلاہٹ صوف پہننا سنت ہے ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دو جبّے ہوا کرتے تھے ۔ آپ ان کو پہنتے رہتے تھے ، یہاں تک کہ وہ جب تک پھٹ نہ لیتے آپ اور نہ پہنتے تھے ۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صوف کے ہی لباس میں وفات پائی ۔ جس میں گیارہ پیوند لگے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رض نے جب وفات پائی تو آپ کے صوف کے لباس میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے اور جب حضرت عمر رض نے وفات پائی تو صوف کا لباس پہنے ہوئے تھے اور اس میں تیرہ پیوند لگے ہوئے تھے ۔ [۴۲۲] اہلِ قبائیہ بہت پہنتے آئے ہیں ۔

عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عمامہ آگے اور پیچھے سے ٹوپی سے سلا ہوا تھا ، جو سلطان خوارزم شاہ کے خزانے میں دیکھا گیا ہے اور جو منتقل ہوتے ہوتے ہم تک پہنچا ہے ۔

پاجامہ ستر کو چھپاتا ہے ۔ طریقت میں جائز نہیں کہ اس پر غیر کی نظر پڑے ۔ پاجامے کے اُتارنے میں بائیں پائنچے سے ابتدا کرے اور پہننے میں دائیں پائنچے سے شروع کرے ۔

تکملہ

وہ ماثورہ دعائیں جو شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس سرہ سے منقول ہیں

ابراہیم بن ادہمؒ کی دعا :

شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین نے فرمایا کہ رقت کے وقت دعا کو غنیمت جانو کہ وہ قبولیت سے ملی ہوئی ہوتی ہے ۔ روایت ہے کہ ابراہیم بن ادہمؒ نے ذاتِ باری تعالٰی کو خواب میں دیکھا اور یہ دعا تعلیمِ حق سے سیکھی ۔ حضرت رب العزت نے اُن سے پوچھا کہ تم کب تک لغو حاجات کے لیے دعا مانگتے رہو گے جو تمہیں غنی نہیں بناتیں ۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ پھر اے رب ! میں کس طرح اپنی حاجتوں کو آپ سے طلب کروں ؟ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ کہو :

الٰھی ارضنی بقضائک و صبر علی بلائک واورعنی شکر نعمائک واسئلک تمام نعمتک و دوام عافیتک اللھم حببنی فی قلوب المؤمنین ۔

[الٰہی ! مجھے اپنی قضا پر راضی رکھ اور اپنی آزمائشوں میں مجھے صبر عطا کر اور اپنی نعمتوں کے شکر کی توفیق عطا فرما ۔ میں تجھ سے تیری پوری نعمت مانگتا ہوں اور دائمی عافیت چاہتا ہوں ۔ الٰہی ! مومنوں کے قلب میں میری محبت ڈال ۔]

مہم کے لیے وظیفہ :

خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جس کو کوئی مشکل کام یا مہم پیش آئے تو اسے چاہیے کہ وہ پندرھویں رات کو قبلہ رو بیٹھ کر نوے ہزار مرتبہ واللہ المستعان پڑھے ۔ جب ہر دفعہ ایک ہزار مرتبہ پورا کر لے تو سر سجدے میں رکھ کر تین مرتبہ آمین ، آمین ، آمین کہے ۔ پھر حق تعالٰی سے اپنی حاجت طلب کرے ۔ حق تعالٰی اس کی حاجت کو پورا کرے گا ۔

شیخ شیوخ العالم کی دعائیں :

شیخ شیوخ العالم نے مجھے یہ دعا پڑھنے کی وصیت فرمائی :

الحمد للہ علی الاسلام الحمد للہ علی السنۃ و الجماعۃ الحمد للہ الذی

علمنا علماً نافعاً و لم یترکنا عمیان القلوب ، الحمد للہ علی الصحة و السلامة ، الحمد للہ الذی اذ ھب عنا الغضب والحسد والحزن و لم یجعلنا من المغضوبین علیھم ، الحمد للہ بکل نعمة دیناً و دنیاءً ، الحمد للہ علی التوفیق والحمد للہ علیٰ کل حال ، الحمد للہ علیٰ نعمائہ فی السر و العلانیة ، الحمد للہ [۴۴۳] رب العالمین ، الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور الحمد للہ الذی احلنا دارالمقامة من فضلہ ۔

نیز مجھے شیخ شیوخ العالم نے اس دعا کی وصیت فرمائی :

اللھم ادخل فی قلبی السرور و اذھب عنا الھم و الحزن ۔

[اے اللہ ! میرے قلب میں مسرتوں کو داخل کر اور رنج و غم کو ہم سے لے جا ۔]

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ شیوخ العالم سے سنا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ انسانی قلوب بھی زنگ آلود ہوتے ہیں جیسے آئینہ زنگ آلود ہوتا ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قلوب کس چیز سے جلا پاتے ہیں ؟ فرمایا ، موت کے یاد کرنے اور تلاوت قرآن مجید سے ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے شرماتا ہے ، جب بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے شرم آتی ہے کہ اس بندے کو اپنے در سے ناکام واپس کرے ۔

سلطان المشائخ نے یہ بھی فرمایا کہ شیخ شیوخ العالمؒ نے مجھے یہ دعا سکھائی :

ربنا آمنا بما انزلت و اتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاھدین ۔ اللھم اجعل من بین ایدینا نوراً و من خلفنا نوراً و اجعلہ قائداً و ضیاءً و دلیلاً الیٰ جناتک النعیم ۔

[اے ہمارے رب ! ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو تو نے نازل کیا اور ہم تیرے رسول کا اتباع کرتے ہیں ، پس ہم کو اپنے گواہوں میں سے لکھ

لیے - اے اللہ ! ہمارے آگے بھی نور کر اور ہمارے پیچھے بھی نور کر اور اس کو ہمارے لیے رہبر اور روشنی بنا اپنی نعمتوں کی جنتوں اور تیرے گھر کی طرف جو دارالسلام ہے ان لوگوں کے ساتھ جن پر تو نے انعام کیا ، نبیوں ، صدیقوں ، شہدا اور صالحین میں سے اور یہ بہترین رفیق ہیں -]

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم نے مجھے اس دعا کی وصیت فرمائی :

بسم اللہ الرحمن الرحیم آت نفسی تقویھا و زکّھا انت خیر من زکّھا ولیھا و مولٰھا ، فاغفرھا و اقبل معذرتھا اللھم انت لی کما احب فاجعلنی لک کما تحب اللھم اجعل سیرتی طاھرۃً و خیراً من علانیتی طاھرۃً و صالحۃً ، اللھم ارزقنی حسن الاختیار و صدق الافتقار و صحبۃ الاخیار والابرار ، یا خالق الجنۃ والنار -

[اے اللہ میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما اور اس کو پاک صاف کر - تو نفس کو سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے - تو ہی اس کا ناصر و مددگار ہے ، پس اس کو بخش دے اور اس کی معذرت قبول فرما - اے اللہ ! تو میرے لیے ایسا ہی ہے جیسا میں پسند کرتا ہوں مجھے ویسا کر دے جیسے تو پسند کرتا ہے - اے اللہ ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے زیادہ پاک اور بہتر کر دے - اے اللہ ! مجھے حسن انتخاب عطا فرما اور تیری طرف سے سچی احتیاج عطا فرما اور نیکوں اور بزرگوں کی صحبت عطا فرما - اے دوزخ و جنت کے پیدا کرنے والے -]

مناجات :

سلطان المشائخ نے فرمایا ، یہ وہ مناجات ہے کہ جو مجھ کو شیخ شیوخ العالم نے سکھلائی :

الٰہی ضاقت المذاھب الا الیک و خابت الاٰمال الا لدیک و انقطع الرجاء الا عنک و بطل التوکل الا علیک ، رب لا تذرنی فرداً و انت خیر الوارثین و بحق انزلناہ و بحق نزل و بحق کھیعص و حم عسق و صلی اللہ علی محمد و آلہ و اجمعین -

[اے میرے خدا تیری راہ کے علاوہ سارے راستے بند ہیں اور تیری آرزو کے علاوہ ساری آرزوئیں نا کام ہیں ، اور تیرے سوا سب اُمیدیں منقطع

ہیں اور تیرے سوا دوسروں پر بھروسا غلط ہے ۔ اے اللہ ! تو مجھے تنہا نہ چھوڑ ۔ تو ہی وارثوں میں سب سے اچھا وارث ہے ۔]

کن چیزوں کی دعا مانگنی چاہیے :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین سے سنا ہے کہ مناجات کے وقت بارگاہ رب العزت میں یہ چیزیں مانگنی چاہییں ۔

بیت

از حضرتِ تو سہ چیز می خواہم من
وقتِ خوش و آب دیدہ و راحتِ دل [۲۲۳]

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مجھے شیخ شیوخ العالم نے یہ دعا سکھلائی :

اللھم ان دخل الشک فی ایمانی بک و لم اعلم بہ تبت عنہ ، و اقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ، اللھم ان دخل الکفر فی اسلامی و لم اعلم بہ تبت عنہ و اقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللھم ان دخل الشرک فی توحیدی بک لم اعلم بہ تبت عنہ و اقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللھم ان دخل الشبھۃ فی معرفتی ایاک و لم اعلم بہ تبت و اقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللھم ان دخل النفاق فی قلبی و لم اعلم بہ تبت عنہ و اقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ اجمعین ۔

[اے اللہ ! اگر نادانستہ طور پر تیرے متعلق شک میرے ایمان میں داخل ہوگیا جسے میں نہیں جانتا تو میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول کہتا ہوں ۔

اے اللہ ! اگر کفر میرے اسلام میں داخل ہوگیا ، جسے میں نہیں جانتا تو میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہوں ۔

اے اللہ ! اگر شرک نادانستہ طور پر میری توحید میں داخل ہوگیا تو میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہوں ۔

اے اللہ ! اگر نادانستہ طور پر شبہ تیری معرفت میں داخل ہو گیا تو میں توبہ کرتا ہوں اور میں کہتا ہوں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔

اے اللہ ! اگر نفاق نادانستہ طور پر میرے قلب میں داخل ہو گیا جسے میں نہیں جانتا تو میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور لاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم کہتا ہوں اور صلٰوۃ و سلام ہو خلق میں سب سے بہتر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تمام آل پر ۔]

نکتہ

اُن ماثورہ دعاؤں کے متعلق جو سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز سے منقول ہیں

دعا کا طریقہ :

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے کہ دعا مانگنے کے وقت اپنے گناہ کو ، جو اُس نے کیا ہو ، خیال میں نہ لانا چاہیے ۔ اسی طرح نہ اپنی نیکیوں کو دھیان میں لانا چاہیے ، کیونکہ ایسا کرنا تکبر ہے اور متکبر کی دعا قبول نہیں ہوتی ۔ اگر گناہوں کا خیال کرے گا تو ایقان میں سُستی ہوگی ۔ اس لیے دعا کے وقت خاص طور پر انسان کی نظر رحمتِ حق پر ہونی چاہیے اور [قبولیتِ دعا پر] یقین رکھنا چاہیے تو ایسی دعا قبول ہوگی ۔

دعا کے وقت دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے ملے ہوئے رکھنے چاہییں اور ان ہاتھوں کو اتنا زیادہ بلند رکھنا چاہیے اور اس صورت سے رکھنا چاہیے کہ گویا اسی وقت کوئی چیز اس کے ہاتھوں میں ڈال دی جائے گی ۔

اس موقع پر سلطان المشائخ نے یہ بھی فرمایا کہ دعا دل کی تسکین ہے ورنہ خدائے عز و جل زیادہ جانتا ہے کہ اُسے کیا کرنا چاہیے ۔

نیز فرمایا کہ دعا بلاؤں کے نازل ہونے سے پہلے مانگنی چاہیے ، کیونکہ بلائیں اُوپر سے نازل ہوتی ہیں اور دعا نیچے سے اُوپر جاتی ہے ۔ جب فضا میں یہ ایک دوسرے کے مقابل ہوتی ہیں تو ان دونوں میں کشمکش ہوتی ہے ۔ اگر دعا قوی ہوتی ہے تو بلا کو لوٹا دیتی ہے ، ورنہ دعا نیچے آ جاتی ہے ۔

پھر اس ضمن میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب مغلوں کی بلا کی اطلاع نیشا پور پہنچی تو وہاں کے حاکم نے شیخ فرید الدین عطارؒ کے پاس آدمی بھیج کر آپ سے دعا کی درخواست کی ۔ آپ نے فرمایا ، دعا کا وقت گزر چکا ہے ، اب رضا کا وقت ہے ۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ نزولِ بلا کے بعد بھی دعا کرنی چاہیے ۔ اگرچہ اس سے بلا دور نہیں ہوتی ، لیکن بلا کی صعوبت کم ہو جاتی ہے ۔

پھر فرمایا کہ جب بلا نازل ہو جائے تو اُس بلا کو برا نہیں سمجھنا چاہیے اور فرمایا [۲۰۵] کہ متکلمین اس بات کے منکر ہیں کہ کسی کو تکلیف پہنچے اور وہ اُسے ناگوار نہ ہو ۔ فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے پاؤں میں راستہ چلتے ہوئے کانٹا چبھ جاتا ہے اور خون جاری ہو جاتا ہے لیکن وہ اس قدر جلدی میں ہوتا ہے اور اپنے خیال میں اس قدر مگن ہوتا ہے کہ اسے اس کی خبر ہی نہیں ہوتی ۔ نیز اسی طرح اگر آدمی جنگ میں مشغول ہوتا ہے اور اُسے زخم لگتا ہے ، وہ جنگ میں اس قدر منہمک ہوتا ہے کہ اس کو ذرا بھی اس زخم لگنے کی خبر نہیں ہوتی ۔ جب وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچتا ہے تو اُسے اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ اُسے زخم لگا ہے ۔

پھر سلطان المشائخؒ نے ارشاد فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک آدمی کو کسی اتہام میں گرفتار کیا گیا اور اس کے ہزار بند لگائے گئے ۔ لیکن اس نے اُف تک نہ کی اور ذرا تکلیف محسوس نہ کی ۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ یہ کیا بات ہے کہ تم نے اس قدر مار پر بھی ذرا تکلیف محسوس نہ کی تو اُس نے جواب دیا کہ جس وقت مجھے مار رہے تھے تو میری آنکھوں میں میرا معشوق جلوہ گر تھا ۔ اس کے جلووں کے سامنے مجھے ذرا بھی درد محسوس نہیں ہوا ۔

پھر فرمایا ، جب اس استغراق سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ انسان کو اپنے درد کی خبر نہیں رہتی تو شغلِ الٰہی سے اگر نزولِ بلا کی تکلیف محسوس نہ ہو تو یہ بدرجۂ اولٰی ممکن ہے اور یہ بات حقیقت سے قریب تر ہے ۔

سلطان المشائخ کی دعائیں :

اب ہم ان دعاؤں کی طرف آتے ہیں جو سلطان المشائخ سے منقول ہیں ۔
سلطان المشائخ نے اپنے بعض مریدوں سے فرمایا کہ میں تم کو بتاؤں آسمانوں اور زمین کی چابیاں کون سی ہیں ۔ وہ یہ دس تسبیحیں ہیں ۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہر ایک کو سو بار پڑھو تاکہ ہزار بار ہو جائے یا ہر دن دس بار پڑھو تاکہ سو بار ہو جائے ۔

اوّل لا الہ الااللہ وحدہٗ آخر تک ، دوسرے سبحان اللہ والحمد للہ آخر تک ، تیسرے سبحان اللہ بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم و بحمدہ آخر تک ، چوتھے سبحان الملک القدوس سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح ، پانچویں استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھوالحی القیوم و اسئلہ التوبۃ ، چھٹے اللھم لا مانع لما اعطیت و لامعطی لما منعت و معت ولا راد لما قضیت ولاینفع ذالجد منک الجد ، ساتویں لا الہ الا اللہ الملک الحق المبین ، آٹھویں بسم اللہ خیر الاسماء بسم اللہ رب الارض والسماء بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہٖ شیٔ فی الارض ولا فی السماء و ھوالسمیع العلیم ، نویں درود شریف اللھم صل علیٰ محمد عبدک و نبیک و حبیبک آخر تک ، دسویں رب اعوذبک من ھمزات الشیاطین و اعوذبک رب ان یحضرون ۔

اسمِ اعظم :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اسمِ اعظم [۴۲۹] عربی زبان میں یا حیٌ یا قیوم ہے اور سریانی زبان میں اہیاً اشراہیاً اور فارسی زبان میں امید امیدواراں ہے ۔

نیز فرمایا کہ خواجہ ابراہیم ادھم سے سوال کیا گیا کہ اگر آپ کو اسمِ اعظم یاد ہو تو بتلائیے؟ فرمایا ، معدے کو حرام لقمے سے پاک رکھو اور دل سے دنیا کی محبت دور کرو ۔ بعد میں جس نام سے بھی خدا کو یاد کرو گے ، وہی اسمِ اعظم ہوگا ۔

نیز فرمایا ، اگر کوئی شخص یہ کلمہ پچیس مرتبہ پڑھے تو اللہ کے نزدیک اس کا شمار ابدالوں میں ہوگا ۔

اللھم اغفر لامۃ محمد ، اللھم ارحم امۃ محمد اللھم اصلح امۃ محمد اللھم فرج امۃ محمد اللھم تجاوز عن امۃ محمدؐ ۔

[اے اللہ ! امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش ۔ اے اللہ ! امت محمدؐ

پر رحم فرما - اے اللہ ! امت محمدؐ کی اصلاح فرما - اے اللہ ! امت محمدؐ سے مصیبتوں کو دور کر دے - اے اللہ ! امت محمدؐ سے درگزر فرما -]

قاضی محی الدین کاشانیؒ نے فرمایا کہ میں نے سلطان المشائخؒ سے عرض کیا کہ محمد حاجی مجھے راستے میں ملا تھا اور کہتا تھا کہ جب سے میں حج کر کے آیا ہوں میرا دل ڈانواں ڈول ہے اور مجھے گھر میں آرام و قرار نہیں - کبھی ارادہ ہوتا ہے کہ سفر کروں اور کبھی خیال ہوتا ہے کہ عزیزوں کی جدائی ٹھیک نہیں ہے - میری التجا یہ ہے کہ میرے لیے سلطان المشائخؒ سے دعا کی درخواست کیجیے تاکہ مجھے فرحت حاصل ہو - چنانچہ میں نے سلطان المشائخؒ کی بارگاہ میں اس کی التجا پہنچا دی - سلطان المشائخؒ نے فرمایا ، اس سے کہو کہ یہ آیت ہر روز سات بار پڑھا کرے :

ھوالذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین لیزدادوا ایماناً مع ایمانھم و للہ جنود السمٰوٰت والارض و کان اللہ علیماً حکیماً -

[وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ وہ ایک ایمان اور بڑھا لیں زمین اور آسمانوں کے سب لشکر اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور وہ علیم و حکیم ہے -]

اور پڑھتے وقت داہنا ہاتھ سینے پر رکھے اور اس پر پابندی کرے - وہ جو شکایت کرتا ہے وہ دور ہو جائے گی -

شعر

دوائے دردِ منست ایں سخن کہ میگوئی
بگوئی ہر چہ تو گوئی موجّہ است و متیں

تنگی معیشت کے لیے عمل :

سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ تنگی معیشت کے دور کرنے کے لیے ہر جمعہ کی شب میں سورۂ جمعہ پڑھنی چاہیے - شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر فرید الحق والدین ہر جمعہ کی شب میں سورہ جمعہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے ، مگر میں کہتا ہوں کہ ہر رات میں پڑھنی چاہیے ، مگر میں نے

کبھی اپنے لیے نہیں پڑھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ کو منظور ہے رکھے ۔

اس موقع پر ایک حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ایک جماعت کو دیکھا جو صوفیوں کا لباس پہنے ہوئے تھی ۔ اس جماعت کے لوگ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ میں نے ایک ایسا خواب دیکھا ہے ۔ دوسرا اس کی تعبیر دے رہا تھا کہ بہت اچھا خواب ہے ۔ تمھارا روزگار اچھا ہو جائے گا [ص ۲۰۴] ۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس تعبیر دینے والے سے کہوں اے خواجہ ! تم جس لباس میں ہو ، اس لباس کے پہننے والے اس قسم کی تعبیر نہیں دیتے ۔ پھر میرے خیال میں آیا کہ مجھے کیا پڑی ہے ، اس لیے میں خاموش ان کے پاس سے گزر گیا ۔

ایک دفعہ میں نے سنا کہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس سرہ العزیز نے اپنے صاحبزادے کو ایک دعا سکھلائی ہے ۔ میں نے اُس دعا کو منگوایا وہ مجھے مل گئی ۔ اس دعا میں ایک لفظ تھا یا مسبب الاسباب چونکہ اس میں لفظ اسباب ہے ، اس لیے میں نے شیخ شیوخ العالم کے حرمے کی حرمت کی وجہ سے اُس دعا کو دوسری دفعہ نہ دیکھا ۔

فرمایا ، شیخ صدر الدین نے شیخ الاسلام شیخ بہاءالدین قدس سرہ العزیز سے پوچھا کہ یہ دعا کس وقت پڑھنی چاہیے؟ فرمایا ، ہر شب عشا کے فرضوں کے بعد ۔ وہ دعا یہ ہے :

اللھم انک تعلم سریرتی و علانیتی فاقبل معذرتی و تعلم حاجتی ، فاعطنی سوالی و تعلم ما فی نفسی فاغفرلی ذنوبی ۔ اللھم انی اسئالک ایماناً یباشر قلبی و یقیناً صادقاً حتیٰ اعلم انک لن یصیبنی الّا ما کتبت لی و رضنا بما قسمت لی یا ذی الجلال و الاکرام ۔

[اے اللہ ! تو میرے بھید جانتا ہے اور میرے ظاہر کو جانتا ہے میری معذرت قبول فرما ، اے اللہ ! تو میری حاجت کو جانتا ہے تو میری حاجت عطا فرما اور میرے دل میں جو ہے اس سے تو واقف ہے لہٰذا میرے گناہوں کو بخش دے ۔ اے اللہ ! میں تجھ سے اُس ایمان کا طلب گار ہوں جو میرے دل میں پیوست ہو جائے اور ایسا سچا یقین جس سے میں جان لوں کہ مجھے وہی پہنچے گا جو تو نے میرے مقدر میں

لکھ دیا ہے اور میرے مقدر میں جو ہے اُس پر رضا کا طالب ہوں ۔ یا ذالجلال والاکرام ۔]

امیر حسن سجزی کا ایک سوال :

امیر حسن سجزیؒ نے سلطان المشائخؒ سے پوچھا کہ لوگ اعینونی عباد اللہ یرحمکم اللہ (اے اللہ کے بندو میری مدد کرو ، تم پر اللہ رحم کرے گا) پڑھتے ہیں ۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ مدد غیر حق سے چاہنا کیسے جائز ہو سکتا ؟ فرمایا ، یہ دعا پڑھی جاتی ہے اور اس میں عباد اللہ مخلصین مسلمین (خدا کے وہ بندے جو مخلص مسلمان ہیں) مضمر ہے ۔ شیخ نجیب متوکل بھی اس دعا کو پڑھا کرتے تھے ۔

شیخ کبیر بابا فرید گنج شکر کی خواب میں ایک دعا کی تلقین :

نیز سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر کو دیکھا کہ آپ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ تمھیں چاہیے کہ ہر روز اس دعا کو ایک سو مرتبہ پڑھو :

لا الہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر ۔

[نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے ۔ وہ اکیلا ہے ۔ اُس کا کوئی شریک نہیں ، راج اسی کا ہے ، اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں ، وہ ہر شے پر قادر ہے ۔]

میں خواب سے بیدار ہوا اور میں نے اس دعا کو پابندی سے پڑھنا شروع کیا ۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آپ کے اس حکم میں بھی کوئی مقصد ہوگا ۔ بعد میں میں نے مشائخ کی کتابوں میں لکھا ہوا دیکھا کہ جو شخص ہر روز سو مرتبہ اس دعا کو پڑھتا ہے ، وہ بغیر اسباب کے عمدہ زندگی بسر کرتا ہے ۔ اُس وقت میں سمجھا کہ شیخ کا مقصود اس دعا کی تلقین کرنے سے یہ تھا ۔

آپ کے اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ حدیث میں اس دعا کو دس بار پڑھنا بھی آیا ہے ۔ حدیث میں ہے کہ جو اس دعا کو دس بار پڑھے گا ، وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے دس غلاموں کو آزاد کیا ۔

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک بار دوسری مرتبہ بھی شیخ شیوخ العالم نے خواب میں مجھ سے ارشاد فرمایا [۳۲۸] کہ نماز عصر کے بعد تم کتنی مرتبہ سورۂ نبا پڑھتے ہو؟ میں نے کہا کہ ایک مرتبہ۔ فرمایا، پانچ مرتبہ پڑھا کرو، جیسا کہ دن کے اوراد و وظائف کے نکتے میں تحریر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ جو طاعت یا ورد کسی صاحبِ نعمت کی زبانی قبول کیا جائے، اُس کے ادا کرنے کی راحت ہی کچھ اور ہے۔

اس موقع پر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ چند اوراد ایسے ہیں کہ جن کے پڑھنے کو میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور چند اوراد دوسرے ایسے ہیں جنھیں میں نے اپنے مرشد سے حاصل کیا ہے، مگر ان دونوں اوراد میں بہت فرق ہے۔

مسبعاتِ عشر:

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ حاجات کے پورا ہونے کے لیے مسبعاتِ عشر علٰحدہ پڑھنی چاہییں۔

نیز فرمایا کہ نوافل کے بعد جو شخص گوشے میں خلوت اختیار کرکے سو مرتبہ ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے یا رب کہے گا، جو کچھ خدا سے چاہے گا اسے ملے گا اور اگر ہزار مرتبہ کہے گا تو یقیناً اس کی مراد پوری ہوگی۔

نیز فرمایا کہ جس کو کوئی ضرورت پیش آئے، اسے تکبیر (اللہ اکبر) بکثرت کہنا چاہیے۔ اگر بہت زیادہ تکبیریں نہیں کہہ سکتا تو کم از کم سو بار تو تکبیر کہے۔

جو شخص خواب سے بیدار ہو کر حق تعالٰی سے اپنی حاجت کے لیے دعا مانگتا ہے، اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

جعفر خالدی کی ایک حکایت:

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جعفر خالدیؒ کے پاس ایک نگینہ تھا۔ وہ ایک دن کشتی پر سوار ہوئے۔ جب ملاح کو اس کا کرایہ دینے کے لیے کپڑا کھولا تو اتفاقاً وہ نگینہ کپڑے میں سے پھسل کر دجلے میں گر پڑا۔ ان کو ایک مجرب دعا یاد تھی۔ اُنھوں نے اس دعا کو پڑھا۔

کچھ دن کے بعد ایک کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے وہ نگینہ اس کتاب کے اوراق میں ملا ۔ وہ دعا یہ ہے :

یا جامع الناس ایوم لا ریب فیہ اجمع علیٰ ضالتی ۔

[اے لوگوں کے جمع کرنے والے اس دن جس میں کوئی شک نہیں ، میری گم شدہ چیز مجھے واپس دلا دے ۔]

اگر کسی درویش کا وقت ضایع ہو جائے تو اس وقت کے پانے کے لیے بھی یہی دعا پڑھے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا ، جس کسی کو کوئی مشکل پیش آئے تو سجدے میں سر رکھ کر یہ دعا پڑھے :

اللھم الانستفتحک بامّ یحییٰ ابن زکریا یا مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین ۔

[اے مالک یوم الدین ہم یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام کے وسیلے سے تجھ سے کشائش کے طلب گار ہیں ۔]

یہ دعا ہر نماز کے بعد سر بسجود ہو کر پڑھے ، یہاں تک کہ وہ مشکل حل ہو جائے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جب لوگ دشمن کے مقابلے کے لیے جائیں تو یہ بزرگ ترین نام پڑھیں : یا سبوح ۔ یا قدوس ۔ یا غفور ۔ یا ودود ۔ انشاء اللہ دشمن مقہور ہوگا ۔

نیز فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے میرے لیے لکھا کہ بدھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیانی وقت کو غنیمت سمجھو ۔

اس موقع پر سلطان المشائخ کے ایک مرید نے عرض کیا کہ مجھے لمبی دعاؤں کے پڑھنے کی طرف رغبت نہیں ہے ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، تمھارے لیے یہ دعا کافی ہے :

اللھم انی اسئلک ان لا اسئلک سواک ۔

[اے اللہ ! میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ بجز تیری ذاتِ عالی کے تجھ سے کچھ نہ مانگوں ۔]

اس کے بعد فرمایا [۹ ۲ ۹ م] کہ میں نے تمام دعاؤں میں سے اس دعا کو پسند کیا ہے۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شہر میں ایک بہت بڑا دانش مند تھا۔ اس کا بیٹا کسی قصور کی باداش میں بادشاہِ وقت کے سامنے لایا گیا۔ جب اس کے بیٹے کو بادشاہ کے پاس لے گئے، وہ دانش مند ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں "صحیحین" [صحیح بخاری و صحیح مسلم] لے کر قبلہ رخ کھڑا ہوگیا اور اپنے بیٹے کی سرخ روئی کے لیے دعا کی۔ چنانچہ اس کا بیٹا اُس کی برکت سے بری ہو گیا۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ یوسف یاد کر کے اُسے ہزار مرتبہ پڑھے، حق تعالیٰ کی نعمتوں کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ مولانا جمال الدین ہانسوی کا بیٹا دیوانہ ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی ہوش میں آتا تو عقل مندوں کی سی باتیں کرتا۔ یہ لڑکا اہل اور دانش مند تھا۔ چند روز ہانسی کے قیام کے زمانے میں میں اس کے ساتھ رہا۔ ایک دن، جب وہ ہوش میں تھا، میں نے اس سے پوچھا کہ کب سے تمھاری یہ حالت ہوئی ہے؟ کہا، اس وقت سے جب سے میرے والد، شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین سے سورۂ یوسف ایک ہزار مرتبہ پڑھنے کی اجازت لے کر آئے ہیں۔ میں نے اس سے کہا، تم نے سورۂ یوسف پورے ایک ہزار مرتبہ پڑھی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ کیا تم اس کا اثر نہیں دیکھتے۔

تعویذ کے متعلق ارشاد:

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امیرالمومنین حسنؓ اور حسینؓ کے لیے یہ تعویذ لکھنے کے لیے فرمایا اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر کل شیطان و ھامة و عین لامة۔

قاضی محی الدین کاشانی نے عرض کیا کہ کیا تعویذ گلے ہی میں لٹکانا چاہیے؟ فرمایا، نہیں بازو پر باندھنا چاہیے تاکہ جسم سے ملا رہے، لٹکانا نہیں چاہیے۔ بعد میں یہ حدیث بیان فرمائی، ان النبی نھی عن التمائم والتولیت (رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منع کیا ہے تمائم اور تولیت سے)۔ جو گردن میں تعویذ اور گنڈے پہنائے جاتے ہیں، وہ سب

تمیمہ ہیں اور تولیت وہ ہے جو مرد اور عورت کی باہمی محبت کے لیے لکھا جائے ۔ یہ دونوں ممنوع ہیں ۔ صرف تعویذ کی اجازت ہے ۔

فرمایا ، ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر نے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز سے عرض کیا کہ لوگ مجھ سے تعویذ مانگتے ہیں ، اس کے متعلق کیا ارشاد ہے ؟ کیا میں اُن کو تعویذ لکھ کر دوں یا نہیں ۔ فرمایا کہ لکھنا میرے ہاتھ میں ہے نہ تمھارے ہاتھ میں اور تعویذ خدا کا نام ہے ، لکھو اور دو ۔

سلطان المشائخ کو تعویذ لکھنے کی اجازت :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میرے دل میں بارہا خیال آیا کہ میں اپنے شیخ سے تعویذ لکھنے کا اجازت نامہ حاصل کروں ۔ ایک دفعہ مولانا بدرالدین اسحاق ، جن کے سپرد تعویذ لکھنے کی خدمت تھی ، [۳۰۴] موجود نہ تھے ۔ لوگوں کے ٹھٹ تعویذ لینے کے لیے آئے ہوئے تھے ۔ شیخ کبیر کا مجھے حکم ہوا کہ تم تعویذ لکھو ۔ جب میں بہت سے تعویذ لکھ چکا تو شیخ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم کچھ ملول نظر آتے ہو ۔ میں نے عرض کیا کہ حضور کو معلوم ہے ۔ آپ نے اُس وقت فرمایا کہ میں تمھیں اجازت دیتا ہوں تم تعوید لکھو اور لوگوں کو دو ۔ بعد ازاں فرمایا کہ تعویذ کو بزرگوں کے ہاتھ کا چھونا بھی بڑا اثر رکھتا ہے ۔

نیز فرمایا کہ سحر کا وقت بھی اچھا ہوتا ہے ۔ جب حضرت یعقوب پیغمبر علیہ السلام کے بیٹوں سے قصور سرزد ہوا اور اُنھوں نے یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں معافی کے لیے درخواست کی تو اُنھوں نے فرمایا ، میں تمھاری مغفرت کے لیے سحر کے وقت دعا کروں گا ۔ چنانچہ وہ سحر کے وقت اُٹھے اور اُنھوں نے اپنے بیٹوں کے لیے دعا مانگی ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ میں نے اُن کو بخش دیا اور انھیں نبی کیا ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ خواجہ حکیم علی ترمذی نے ہزار مرتبہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور ہر مرتبہ یہ عرض کیا کہ میں دنیا میں کون سی دعا کیا کروں ۔ حکم ہوا کہ یہ دعا پڑھو :

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یا حی یا قیوم یا حنّان یا منّان یا بدیع السمٰوات والارض یا ذالجلال والاکرام اسئلک ان تحیٰ قلبی بنور معرفتک ، یا اللہ یا اللہ یا اللہ ۔

[بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اے حی ، اے قیوم ، اے حنان ، اے منان ، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ، اے صاحبِ جلال و صاحبِ عظمت ، میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ میرے قلب کو اپنے نورِ معرفت سے زندہ رکھ ۔ اے اللہ ! اے اللہ ! اے اللہ ۔]

بعض کی روایت یہ ہے کہ خواجہ حکیم علی ترمذی نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا کہ میں ایمان کے زوال سے ڈرتا ہوں ۔ حکم ہوا کہ فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان اکتالیس مرتبہ یہی دعا پڑھا کرو ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ صبح کے وقت سات مرتبہ اور ضرورت کے وقت بھی یہ دعا پڑھا کرو کہ مجھے یہ دعا بغیر کسی واسطے کے ملی ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھم احینی محباً لک و امتنی محباً لک و اکنفنی ل تحتِ اقدام کلابِ احبالک ۔

[اے اللہ ! مجھے اپنی محبت میں زندہ رکھ اور اپنی محبت میں موت دے اور مجھے پناہ دے دے اپنے محبوبین کے کتوں کے قدموں تلے ۔]

حدیث میں یہ دعا اس طرح آئی ہے :

اللھم انی اسئالک احب من احبتک آخر تک ۔

نارو کے مریض کا واقعہ :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میرا ایک ہمسایہ تھا ۔ اس کے کئی سال سے نارو بہت نکلتے تھے ۔ ایک دفعہ اس کی بیماری کے زمانے میں شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر کی زیارت کے لیے جانے کا اتفاق ہوا ۔ چلتے وقت اس نے مجھ سے کہا کہ جب تم شیخ کبیر کی خدمت میں پہنچو تو شیخ سے میرے لیے تعویذ مانگو ۔ جب میں شیخ کی خدمت میں پہنچا ، میں نے اس ہمسائے کی ساری کیفیت بیان کرکے آپ سے اس کے تعویذ کی التجا کی ۔ شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تم ہی لکھ دو ۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میں نے تعویذ لکھ کر شیخ کے ہاتھ میں دیا ۔ شیخ شیوخ العالم نے اس تعویذ کو دیکھا اور ارشاد فرمایا کہ اس کو دے دینا ۔ [۲۳۱] جس

میں شہر واپس ہوا تو وہ تعویذ اس کو دیا ۔ اُس تعویذ کا یہ اثر تھا کہ بقیہ تمام عمر اس کو نارو نہیں نکلے ۔

حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ آپ نے اس تعویذ میں کیا لکھا تھا ؟ فرمایا اللہ الشافی ۔ اللہ الکافی ۔ اللہ المعافی ۔

نیز فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ حق تعالیٰ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو ہماری طرف سے وہ جزا عطا فرمائے جس کے وہ مستحق ہیں ، اللہ تعالیٰ ایک ہزار دن تک صبح ہوتے ہی ستّر کاتبوں کو بھیجتا ہے، جو اُس کے حق میں نیکی لکھتے رہتے ہیں ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے مجھے اس دعا کے پڑھنے کی وصیت فرمائی :

اللھم ارزقنی طیباً و استعملنی صالحاً ۔

[اے اللہ ! مجھ کو رزقِ طیب دے اور عملِ صالح کی توفیق عطا کر ۔]

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا کہ اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اپنی امت سے کہہ دیجیے کہ جو شخص دس مرتبہ صبح کو لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور دس مرتبہ شام کو اور دس مرتبہ سوتے وقت پڑھے گا تو سوتے وقت اس سے دنیا کی بلائیں ہٹا دی جائیں گی اور شام کے وقت مکر شیطانی اور صبح کے وقت میرا غضب اُٹھا دیا جائے گا ۔

نیز میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ایک شخص ایک عابد کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ میرے لیے اللہ سے دعا کرو ۔ اس عابد نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور دعا مانگی :

اللھم ارحمنا بہٖ ولا تعذبہ بناری باخلاص ولا تعذبہ بریاءٍ بما فی الاعمال ۔

[اے اللہ ! اس شخص کے طفیل میں ہم پر رحم فرما اور نہ اس کو اخلاص کی کمی کا عذاب دے اور نہ اس ریاکاری کا جو اعمال کے منافی ہے ۔]

نیز فرمایا کہ عشا کی نماز کے بعد وتر سے پہلے اللہ کے ننانوے نام پڑھے تو ان کے پڑھنے میں بہت ثواب ہے ۔

نیز فرمایا کہ جسے کوئی حاجت پیش آئے ہر فرض کے بعد ستر مرتبہ پڑھے یا شفیق یا رفیق نجنی من کل ضیق ۔ اس کی حاجت پوری ہوگی ۔

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا ہے ، آپ فرماتے تھے کہ جو کوئی یہ کلمات سونے کے وقت پڑھے وہ مجھ کو خواب میں دیکھے گا ۔ وہ کلمات یہ ہیں :

اللهم رب بیت الحرام والشهر الحرام والرکن والمقام ، إقراء علی روح محمد منی السلام ۔

جو کوئی حاجتوں کے پورا ہونے کے لیے یہ دعا پڑھے گا اس کی عرض پوری ہوگی ۔ وہ دعا یہ ہے :

یا حی یا حلیم یا عزیز یا کریم سبحانک ۔ یا کریم تو کنی کا رصعب را سلیم بحق ایاک نعبد و ایاک نستعین ۔

سلطان المشائخ کے خادم خواجہ اقبال[1] فرماتے ہیں کہ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے مشکل ترین کاموں کے لیے مندرجہ بالا دعا کو تین سو بار پڑھا ۔ خدائے تعالیٰ نے ان مشکلوں کو آسان کر دیا ۔

خواجہ علی زنبیلی نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ میں نے شیخ بدرالدین غزنوی سے سنا [۲۰۳] ۔ انھوں نے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس سرہما العزیز کے حوالے سے روایت کی ۔ آپ نے فرمایا کہ حاجت اور مشکل امور کے لیے دو رکعت نماز جدید وضو سے پڑھے اور قرآنِ حکیم کا جو حصہ چاہے اور جتنا ہو سکے پڑھے ۔ تلاوتِ قرآن مجید سے فارغ ہونے کے بعد پانسو مرتبہ درود شریف پڑھے اور داہنا زانو اٹھا کر رخسار اس پر رکھے ۔ زبان سے کچھ نہ کہے اور کچھ دیر اسی طرح بیٹھا رہے ۔ صرف

۱- خواجہ اقبال : محمد اقبال نام حضرت سلطان المشائخ کے خادم خاص اور مرید تھے ۔ وضو کے لیے پانی بھر کر رکھنا ، لنگر خانے کی اجناس کا انتظام اور دوسرے گھریلو کام ان کے سپرد تھے ۔ اس تقرب کی وجہ سے ، جو اُن کو سلطان المشائخ کی بارگاہ میں حاصل تھا ، لوگ اپنی درخواستیں ان ہی کے ذریعے سے آپ کی بارگاہ میں پیش کرتے ۔

خواجہ اقبال نے ۲۷ صفر ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں وفات پائی ۔ ان کا مزار امیر خسرو کی قبر سے گوشۂ جنوب میں متصل درگاہ قطبی بلند چبوترے پر ہے ۔ (اقبال کے محبوب صوفیہ ، ص ۳۰۰ تا ۳۰۲)

نیت کرے کہ خدائے تعالیٰ اس کی حاجت کو بر لائے ۔ شیخ بدرالدین نے کہا کہ مجھ کو ایک مشکل پیش آئی تھی ۔ میں نے ایسا ہی کیا ۔ میں نے جس مشکل کے لیے یہ عمل اختیار کیا تھا ، وہ پورا ہوگیا ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک بزرگ نے اُن سے کہا کہ میں نے ایک بادشاہ کے خزانے میں ایک ڈبیا دیکھی ، جس پر چمڑا چڑھا ہوا تھا ۔ اس کی پشت پر لکھا ہوا تھا کہ اس میں ہر ایک غم کی شفا ہے ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

آدمی اندھیری رات میں دو رکعت نماز ادا کرے اور بعد سلام کے کہے :

اللھم ان ذالنون عبدک و نبیک دعاک من ضر اصابہ و ناداک من بطن الحوت فانک قلت فاستجبنا لہ و نجیناہ من الغم و کذلک ننجی المؤمنین ۔

اللھم فانی عبدک و ابن عبدک و ابن امتک ناصیتی بیدک ادعوک بضر اصابنی و اقول کما قال یونس علیہ السلام لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین فاستجب لی کما استجبت یونس فانک لا تخلف المیعاد و انت علیٰ کل شیٔ قدیر ۔

[اے اللہ ذوالنون تیرے بندے اور تیرے نبی تھے ۔ اُنھوں نے اپنی مصیبت کے وقت تجھ کو پکارا اور مچھلی کے پیٹ سے تجھ کو ندا دی ۔ پس تو نے ان سے کہا کہ ہم نے تمھاری دعا کو قبول کر لیا اور ہم نے تجھ کو غم سے نجات دی اور ایسے ہی ہم مؤمنین کو نجات دیتے ہیں ۔ اے اللہ ! میں بھی تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں ۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے ۔ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اس ضرر کے لیے جو مجھے پہنچا ہے اور میں بھی وہی کہتا ہوں جو یونس علیہ السلام نے کہا ۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین ۔ میری دعا قبول کر جیسا کہ تو نے یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی ۔ تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور تو ہر شے پر قادر ہے ۔]

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ قبولیتِ نماز کے لیے یہ دعا پڑھنی چاہیے :

اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام ۔

سلطان المشائخ سے کسی نے پوچھا کہ بزرگوں نے جو دعائیں اور نمازیں مقرر فرمائی ہیں ، وہ یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے منی گئی ہیں یا صحابہ کرام سے ، لیکن خواجہ اویس قرنیؒ نے جن نمازوں کے لیے فرمایا اور ان کی سورتیں متعین کی ہیں ان کو دعا کا نام دیا ہے ۔ یہ کہاں سے ہے ۔ فرمایا ، یہ بات الہام سے بھی ہو سکتی ہے ۔

بعد ازآں فرمایا کہ جب میں دہلی سے شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں جایا کرتا تھا تو یہ تین نام راستے میں پڑھتا جاتا تھا ۔ یا حافظ ، یا ناصر ، یا معین ۔ میں نے یہ دعا کسی سے نہ سنی تھی ۔ میں یہ تین نام راستے میں حق سے مدد چاہنے کے لیے [۳۲-م] لیتا تھا ۔ ایک مدت کے بعد ایک عزیز نے یہ دعا لکھ کر دی ۔ وہ دعا یہ ہے :

یا حافظ یا ناصر یا معین یا مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین ۔

[اے حافظ ، اے ناصر ، اے معین ، اے یوم جزا کے مالک ، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں ۔]

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ صلٰوۃ الاوابین کے بعد سجدے میں سر رکھ کر استقامت توبہ کے لیے یہ دعا پڑھے :

اللھم ارزقنی توبۃً توجب محبتک فی قلبی یا محب التوابین ۔

[اے اللہ ! میرا مقدر کر اس توبہ کو جو تیری محبت کو میرے قلب میں لازم کر دے ۔ اے توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھنے والے ۔]

نیز سلطان المشائخ سے استقامت کے لیے یہ دعا منقول ہے :

اللھم ارزقنی خیر دار مع القرینۃ والاخلاص والاستقامۃ برحمتک یا ارحم الراحمین ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ نے ایک مرید سے فرمایا کہ اگر تم خدا سے نزدیک ہونا چاہتے ہو تو یہ شعر پڑھا کرو ، یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے :

بے یادِ تو من قرار نتوانم کرد
احسان ترا شمار نتوانم کرد

کہ بر تنِ من زبان شود ہر موئے
یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

مریدین صاحب استغراق کی خدمت میں اس کتاب کا مصنف عرض پرداز ہے کہ خواجہ موید الدین عمر انصاری[1] نے فرمایا کہ میرے سلطان المشائخ سے مرید ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں چند آدمیوں کی وجہ سے ، جو میرے اہتمام میں تھے ، میرا دل پریشان رہتا تھا ۔ قاضی محی الدین کاشانی کے ساتھ میں حاضرِ خدمت ہوا ۔ میں نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ ان لوگوں کے سبب میرا دل پریشان رہتا ہے اور ذکرِ الٰہی کا ذوق پورے طور پر حاصل نہیں ہوتا ، کوئی ایسا ورد میرے لیے متعین فرمائیے ، جو میرے مناسبِ حال ہو اور یہ تشویش سلطان المشائخ کی برکت کی وجہ سے دور ہو ۔ سلطان المشائخ نے قاضی محی الدین کاشانی کی طرف رخ کرکے فرمایا کہ امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہر سال بارہ ہزار دینار فقرائے مکہ کو دیتے تھے ۔ جب حضرت امیرالمؤمنین حضرت حسن رض خلیفہ ہوئے تو فقرا نے یہ رقم آپ سے طلب کی ۔ آپ نے فرمایا کہ آج عنانِ حکومت مطلقاً معاویہ رض کے ہاتھ میں ہے ، اُن سے طلب کرو ۔ فقرائے مکہ نے اُن سے اصرار کیا کہ یہ وظیفہ آپ کے والد کا مقرر کیا ہوا ہے ۔ یا تو آپ دیں یا معاویہ رض کو لکھیں تاکہ وہ دیں ۔ امیرالمؤمنین حضرت حسن رض نے چاہا کہ امیر معاویہ رض کو کچھ لکھیں ۔ ان کو خط لکھنا شروع کرنا چاہتے تھے ، یہاں تک کہ قلم کاغذ پر لکھنے کے لیے رکھا ، لیکن قلم کی نوک ٹوٹ گئی ۔ امیرالمؤمنین حسن رض نے فرمایا کہ حکمِ الٰہی اس بارے میں یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ میں [۳۴۴] اس بارے میں معاویہ رض کو کچھ نہ لکھوں گا ۔ لیکن آپ اس خیال سے غمگین ہوئے ۔ رات کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں ، میرے بیٹے ! کیوں مغموم ہو ؟ آپ

۱۔ مولانا موید الدین عمر انصاری کڑوی ، سلطان جلال الدین خلجی کے مصاحبوں میں تھے اور شیر گڑھ کے حاکم تھے ۔ اس خدمت سے معزول کیے گئے اور گوشہ نشین ہو کر سلطان المشائخ کے مرید ہوئے ۔ جب علاء الدین فرماں روا ہوا تو اُس نے ان کو دوبارہ یہ خدمت دینی چاہی ، لیکن اُنھوں نے انکار کر دیا ۔ اُنھوں نے ۷۲۶ھ (۲۶-۱۳۲۵ء) میں وفات پائی ۔ (نزہۃ الخواطر ، جلد ۲ ، ص ۱۷۲)

نے فرمایا ، یا رسول اللہ ! میں کیسے مغموم نہ ہوں ۔ بارہ ہزار درم امیرالمؤمنین حضرت علیؓ فقرائے مکہ کو دیتے تھے ۔ اب وہ مجھ سے طلب کرتے ہیں ۔ میں اس پر قادر نہیں ہوں کہ ان کو ادا کر سکوں ۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ سن کر سوچ میں پڑ گئے کہ اتنے میں حضرت جبریل صلٰوۃ اللہ ، حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ جس کو کوئی دینی یا دنیوی حاجت ہو یا اس کا کام نہ ہوتا ہو ، تو اسے چاہیے کہ اس دعا کو اپنا ورد بنائے ۔ دعا یہ ہے :

اللھم اقذف فی قلبی رجاک و اقطع رجائی عمن سواک حتٰی لا ارجو احداً غیرک ۔

[اے اللہ ! میرے قلب میں صرف اپنی ذات سے اُمید کو ڈال اور میری اُمید کو اپنی ذات کے سوا سب سے منقطع کر دے ۔ یہاں تک کہ میں تیرے سوا کسی سے توقع نہ رکھوں ۔]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تین مرتبہ یہ دعا امیرالمؤمنین حضرت حسنؓ کو خواب میں تعلیم فرمائی ۔ اسی عرصے میں آسمان سے ایک تھیلی نیچے گری ۔ حضرت حسنؓ اس ہیبت سے خواب سے بیدار ہوئے اور اس تھیلی کو حقیقت میں اپنے ہاتھ میں دیکھا ۔ جب انھیں گنا تو اس تھیلی میں پورے بارہ ہزار درم تھے ۔ حضرت امام حسنؓ نے فقرائے مکہ کو بلوایا اور ان کا وظیفہ اُن کو دیا ۔

جب سلطان المشائخ یہ واقعہ بیان کر چکے تو آپ نے خواجہ مویدالدین کی طرف رخ کرکے فرمایا کہ تم اس شعر کو اپنا ورد بناؤ تاکہ وہ تھوڑی سی تشویش جو تمہارے دل کو ہے ، بالکلیہ رفع ہو جائے ۔

شعر

آمد کہ آب کہ عہد ہا تازہ کنم
شد آنچہ بد اے صنم ! گزشت آنچہ گزشت

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ سلطان المشائخ کی کمال عظمت و کرامت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک بزرگ کو اُن کے مناسبِ حال و معاملہ حکم دیا ، اس لیے کہ قاضی محی الدین کاشانی

کثرتِ علم و کمال اور تقویٰ سے آراستہ تھے اور خواجہ موید الدین کمالِ عشق و ذوقِ محبت سے پیراستہ تھے۔

کاتبِ حروف نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم [۲۳۵] نے فرمایا کہ فلاں قبیلے میں ایک بالدی ہے، اُسے میرے واسطے دیکھو۔ جب میں نے دیکھی تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی اور میں روتی ہوئی واپس ہوئی۔ راستے میں مجھے ایک بدو ملا۔ اس نے کہا کہ تم کیا چاہتی ہو کہ وہ عورت مر جائے؟ میں نے کہا، ہاں۔ اس نے کہا، رات کو اُٹھ کر دو رکعت نماز اس طرح ادا کرو کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد اذا زلزلت دو مرتبہ پڑھو، پھر دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ و العادیات دس مرتبہ پڑھو۔ سلام کے بعد سو مرتبہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد، یحی و یمیت و بیدہ الخیر و ھو علیٰ کل شیٔ قدیر اور سو مرتبہ درود اور ستر مرتبہ یا غیاث المستغیثین اغثنی کہو۔ پھر قبلہ رُو ہو کر یا من لیث کمثلہ شیٔ یا من لا یشھد شیٔ یا کافی کل شیٔ اکفنی من کل شیٔ یا ذی الجلال والاکرام اور قبلے کی طرف پھولک مارو۔ اُم المؤمنین نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ وہ عورت اُسی رات مر گئی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا، اے عائشہؓ وہ بدو جبرئیل تھے۔[1]

بواسیر کا عمل:

شیخ نصیرالدین محمودؒ سے منقول ہے، جو کوئی اپنے داہنے ہاتھ پر یہ دعا پڑھے اور اس ہاتھ کو اپنی کمر پر پھیرے تو اللہ تعالیٰ کے

۱۔ یہ روایت صوفیہ کی سنی سنائی ہے، وہ مومنین سے حسنِ ظن کی بنا پر راوی کے بارے میں کھود کرید نہیں کرتے تھے۔ اس لیے بعض روایات کو صحیح باور کر لیتے تھے۔ محدثین اس روایت سے نا آشنا ہیں، اس لیے جب تک اس روایت کی سند نہ بیان کی جائے ماہلِ اعتبار نہیں۔ (مترجم)

لطف و کرم سے اسے بواسیر کی تکلیف سے شفا ہوگی - وہ دعا یہ ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا ھو الحی القیوم و عنت الوجوہ للحی القیوم ، سلامٌ علیٰ نوحٍ فی العالمین ، سلامٌ علیٰ ابراھیم قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً علیٰ ابراھیم ، سلامٌ علیٰ موسیٰ و ھارون ، سلامٌ علیٰ الیاسین ما عندکم ینفذ الم اللہ لا الٰہ الا ھوالحی القیوم و ما عند اللہ باقٍ استمسک ھیا بحق نام بزرگ خدای و بحق لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ از مقعد من برو -

یہ دعا چند مرتبہ ہر روز پڑھے -

نکتہ

فضیلتِ قراءتِ قرآن کے بارے میں

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ کتاب اللہ چار چیزوں پر مشتمل ہے ، عبارت ، اشارت ، لطائف اور حقائق -

عبارت عوام کے لیے ہے ، اشارت خواص کے لیے ہے ، لطائف اولیاء اللہ کے لیے ہیں اور حقائق انبیاء علیھم السلام کے لیے ہیں -

تلاوت کے آداب :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے کے وقت اس کے معنی بھی دل ہی دل میں ادا کرتا جائے - یہ بھی چاہیے کہ پڑھنے والے کا دل بھی حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور تلاوت کرنے والے کے دل میں حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصور بھی دل نشین ہو - اس موقع پر ایک شخص نے پوچھا کہ یہ بات بھی تو حق تعالیٰ کے متعلق ہے جو کہ [۳۰٦] آپ نے پہلے بیان فرمائی - فرمایا کہ نہیں وہ ذات حق کے متعلق ہے ، اور یہ صفات حق سے متعلق ہے -

دوسری بات یہ ہے کہ تلاوت کی حالت میں قرآن مجید کے پڑھنے والے پر انکسار اور حیا غالب ہونی چاہیے - یہ دولت بے حد غنیمت ہے ، کسی کو نصیب ہوتی ہے - اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا خیال کرنا چاہیے کہ تلاوت کے مقابل خدا ہے ، وہ اس کی جزا دے گا -

اس موقع پر امیر حسن علای سجزی نے سوال کیا کہ جس وقت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہوں تو زیادہ تر اس کے متعلق ، جو کچھ

بھی مجھے معلوم ہوتا ہے ، اس کا خیال کر لیتا ہوں ۔ اگر اثنائے تلاوت میں میرا دل کسی اور اندیشے میں گرفتار ہوتا ہے تو میں خود کہتا ہوں کہ یہ گیا بے ہودہ خیال اور اندیشہ ہے ۔ پھر میں اس آیت کو دوبارہ واضح طور پر پڑھتا ہوں ، تاوقتیکہ اس آیت کا مطلب اور خیال دل میں نہیں آ لیتا اسی طرح کرتا رہتا ہوں ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، یہ بات تم اچھی کرتے ہو اور تم اچھی نگہداری کر رہے ہو ۔

نیز فرمایا کہ قرآن مجید با ترتیل اور با تردید پڑھنا چاہیے ۔ ایک شخص نے حاضرین میں سے پوچھا کہ تردید سے کیا مراد ہے ؟ فرمایا ، تردید کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو جس آیت کے پڑھنے میں ذوق نہ آئے یا رقت طاری نہ ہو ، اس آیت کو بار بار پڑھنا چاہیے ۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک دفعہ چاہا کہ قرآن مجید کی تلاوت کریں ۔ جب آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تو آپ پر رقت طاری نہ ہوئی ، پھر آپ نے بسم اللہ کو مکرر پڑھا ۔

کاتبِ حروف نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا دیکھا کہ ایک شخص نے کہا کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس آیا ۔ وہ اُس وقت نماز (چاشت) پڑھ رہی تھیں اور یہ آیت پڑھ رہی تھیں :

فمن اللہ علینا و وقینا عذاب السموم ۔

وہ اس آیت کو دہراتی رہیں ۔ میں کھڑا سنتا رہا یہاں تک کہ میں مغلوب ہو گیا ۔ پھر میں بازار چلا گیا اور اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر واپس آیا تو اس وقت بھی وہ بدستور یہی آیت تلاوت کر رہی تھیں اور رو رہی تھیں ۔

ختمِ قرآن مجید :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اگر قرآن مجید دن میں ایک مرتبہ ختم کرے تو اگرچہ یہ جلدی جلدی پڑھا جائے گا ، لیکن پھر بھی برکت سے خالی نہیں ۔ لیکن بہت زیادہ تیز سے تیز پڑھنے کی حد یہ ہے کہ انسان تین روز میں ختمِ قرآن کرے ، مگر جن سے یہ ممکن نہ ہو تو وہ ایک ہفتے میں ختم کریں اور جن سے یہ بھی ممکن نہ ہو تو وہ ایک ماہ میں ختم کریں ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا ، قرآنِ حکیم کی ناظرہ پڑھنے کی برکتیں بہت زیادہ ہیں اور ناظرہ پڑھنے میں قرآن مجید کی چھونے کی دولت مزید حاصل ہوتی ہے ۔

نیز فرمایا کہ ایک سپارہ حرف بہ حرف ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا پندرہ سپاروں کے پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے جلدی پڑھنے سے ۔ اور حرف بہ حرف ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے میں تلاوت کا نور زیادہ ہوتا ہے ، اگرچہ رواں پڑھنا بھی نور سے خالی نہیں ۔

قرآن مجید کی تلاوت کے وقت دل کو حاضر رکھنا چاہیے اور دوسرے خیالات سے دل کو بچانا چاہیے ۔ [۲۳۷م] اگر کوئی شخص کلام اللہ کے معنی سے واقف ہو تو وہ تلاوت کے وقت معنی کو بھی دل ہی دل میں ادا کرے اور اس کے بعد بھی جو خیالات دل میں آئیں ، وہ نیک ہیں ۔

لیکن اگر پڑھنے والا معنی سے واقف نہیں تو اُسے خیالات کو دل سے نکال کر خضوع و خشوع سے تلاوتِ قرآن مجید کرنی چاہیے ۔ اس قسم کا پڑھنا بہت مؤثر ہوتا ہے ۔

بعد میں حاضرین میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ ہر روز قرآن مجید کے کتنے پاروں کی تلاوت کرتے ہیں ؟ فرمایا کہ ایک سپارے کی ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے ذات باری تعالیٰ کو ایک ہزار مرتبہ خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ سب سے افضل ترین چیز جس سے مقربین آپ کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرتے ہیں ، کیا ہے ؟ فرمایا ، میرے کلام کی تلاوت ۔ اُنھوں نے پھر پوچھا کہ سمجھ کر پڑھنے سے یا بغیر سمجھ کے پڑھنے سے ۔ فرمایا ، خواہ کسی صورت سے ہو ، جس طرح بھی چاہیں پڑھیں ۔

نیز فرمایا کہ شیخ جنید نور اللہ مرقدہ کو کہا گیا کہ ہم تمھیں تمھارا اصل وہ مرتبہ ، جس پر تم فائز ہو ، دکھانا چاہتے ہیں ۔ چنانچہ اُن کے سامنے سے حجاب اُٹھایا گیا اور اُن کا اصل مرتبہ ان کو دکھایا گیا ۔ وہ اپنے بلندی مرتبہ کو دیکھ کر خوش ہوئے اور خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کی ۔ اسی حالت میں اُنھیں اس سے بلند تر مرتبہ دکھایا گیا ۔ وہ حیران ہوئے اور اُنھوں نے عرض کیا ، الٰہی ! آپ نے مجھے جو اپنے لطف و کرم سے نوازا ہے ، وہ محض آپ کا کرم اور مرحمت ہے ۔ میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا ، لیکن میری التماس یہ ہے کہ یہ دوسرا بلند مرتبہ

جو مجھ کو دکھایا گیا ہے ، وہ کس کا ہے ۔ اور یہ مرتبہ کس کو عنایت ہوتا ہے ۔ جواب دیا گیا کہ یہ مرتبہ اس شخص کا ہے جو حافظِ کلام مجید ہوتا ہے ۔ اگر تم قرآن مجید کے حافظ ہوتے تو تمھیں بھی یہ مرتبہ دیا جاتا ۔

ایک عزیز نے اسی مجلس میں سلطان المشائخ سے فاتحہ کی درخواست کی اور دعا چاہی کہ اس کو قرآن مجید حفظ ہو جائے ۔ سلطان المشائخ نے فاتحہ کے بعد دعا کی ۔ پھر اس سے پوچھا کہ تم کو کتنا قرآن مجید یاد ہے ؟ اس نے عرض کیا کہ تقریباً تیسرا حصہ ۔ فرمایا کہ تھوڑا تھوڑا یاد کرو اور یاد کیے ہوئے حصے کو دہراتے رہو ۔

بعد میں سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے شیخ بدر الدین غزنوی[رح] کو خواب میں دیکھا ۔ اُن سے میں نے اس دعا کے لیے درخواست کی کہ قرآن مجید مجھے حفظ ہو جائے ۔ اُنھوں نے خواب ہی میں دعا فرمائی ۔ جب صبح ہوئی ، تو میں ایک عزیز کی ملاقات کے لیے گیا ۔ میں نے اس سے اپنا یہ خواب بیان کیا اور اس سے بھی دعا کی درخواست کی ۔ اس عزیز نے فاتحہ پڑھ کر دعا کی اور یہ عمل بتایا کہ جو شخص کہ رات کو سوتے وقت ان دو آیتوں کو پڑھے ، وہ قرآن مجید کا حافظ ہو جاتا ہے ۔ وہ دو آیتیں یہ ہیں :

و الٰھکم الٰہ و احد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم ان فی خلق السمٰوات والارض و اختلاف الیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس و ما انزل اللہ من السماء من ماءٍ فاحیا بہ الارض بعد موتھا و بث فیھا من کل دابۃ [۳۳۸] و تصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون ۔

[تمھارا ایک ہی خدا ہے ، اس رحمان اور رحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے ۔ جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں اُن کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں ، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں ، ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں ، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اُوپر سے برساتا ہے ، پھر اس کے ذریعے سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کے بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے ، ہواؤں کی گردش میں اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں بے شمار نشانیاں ہیں اُس قوم کے لیے جو سمجھ رکھتی ہے ۔]

سلطان المشائخ کے ایک مرید کا ارادہ قرآن مجید کے حفظ کرنے کا ہوا ۔ اس نے اپنے ارادے کا اظہار سلطان المشائخ سے کیا ۔ فرمایا ، تمھیں چاہیے کہ پہلے قرآن مجید کسی قاری سے پڑھو اور ابو عمرو کی قراءت پر حفظ کرو اور سب سے پہلے سورۂ یوسف یاد کرو ۔

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جب حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بنی غفار کے قبیلے کے تالاب پر تھے ، تو آپ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حکمِ الٰہی سنایا کہ اللہ ! آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ [قرآن] کو اپنی اُمت کو سات قراءت میں پڑھائیں ۔

نیز فرمایا کہ شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز قرآن مجید کے حفظ کرنے والوں کو پہلے سورۂ یوسف کے حفظ کرنے کے لیے فرمایا کرتے تھے ، تاکہ اس کی برکت سے قرآن شریف حفظ ہو جائے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا ، جس شخص کی نیت قرآن حکیم کے حفظ کرنے کی ہو ، وہ اپنا ارادہ پورا نہ کر سکے اور اسی ارادے میں اس کی وفات ہو جائے تو جب اس کو قبر میں رکھتے ہیں تو ایک فرشتہ آتا ہے اور بہشت کا ایک ترنج لا کر اس کو دیتا ہے ۔ اُس ترنج کے چوستے ہی تمام قرآن مجید اس کو حفظ ہو جاتا ہے ۔ جب قیامت ہوگی تو وہ حافظوں کے زمرے میں اُٹھایا جائے گا ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جب حافظ قرآن کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو زمین کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اس کے جسم کو نہ کھانا ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھیں کیونکہ سورۂ اخلاص تہائی قرآن ہے ۔ تین مرتبہ پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کے ختم کرنے میں کوئی نقص رہ گیا ہو ، تو سورۂ اخلاص کے تین مرتبہ پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب مل جائے ۔

نیز فرمایا کہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد تین بار سورۂ الحمد اور چند آیتیں سورۂ بقر کی پڑھتے ہیں ۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا کہ لوگوں میں کون آدمی بہتر ہے ۔ فرمایا ، حال اور مرتحل ۔ پھر حال اور مرتحل کی تشریح کرتے

ہوئے فرمایا ، حال اس کو کہتے ہیں کہ جو کسی منزل پر اُترے اور مرتحل اسے کہتے ہیں جو کسی منزل سے کوچ کرے ۔ یہ حدیث اس پر صادق آتی ہے جو قرآن مجید ختم کرتا ہے اور قرآن مجید ختم کرنے کے بعد سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی چند آیتیں پڑھتا ہے ۔ گویا وہ منزل پر پہنچ کر پھر روانہ ہو جاتا ہے ۔ لوگوں میں بہترین وہ ہے کہ جو قرآن مجید ختم کرنے کے بعد پھر اسے شروع کرتا ہے ۔

سورۂ فاتحہ کی فضیلت :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ تمام قرآن مجید میں دس چیزوں کا ذکر ہے ، جن میں سے آٹھ چیزیں سورۂ فاتحہ میں موجود ہیں ۔

وہ دس چیزیں ، جو تمام قرآن میں موجود ہیں ، وہ یہ ہیں ۔ ذکرِ ذات ، افعال ، صفات ، ذکرِ معاد و تزکیہ و تحلیہ ، ذکر اولیا ، ذکرِ اعدا ، محاجۂ کفار اور احکامِ شریعت ۔ ان میں سے آٹھ سورۂ فاتحہ میں موجود ہیں ، یعنی الحمد ذکرِ ذات ہے ، [۴۳۹] رب العالمین ذکر افعال ہے ، الرحمٰن الرحیم ذکرِ صفات ہے ، مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین ذکرِ معاد ہے ، اھدنا ذکرِ تزکیہ ہے ، الصراط المستقیم ذکرِ تحلیہ ہے ، صراط الذین انعمت علیھم ذکرِ اولیا ہے ، غیرالمغضوب علیھم ولاالضالین ذکرِ اعدا ہے ۔ پس دس چیزوں میں سے ، جو تمام قرآن مجید میں ہیں ، میں نے آٹھ سورۂ فاتحہ میں پائیں ۔ اس میں محاجۂ کفار اور احکامِ شریعت نہیں ہیں ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ صاحبِ "کشاف" نے الحمدُ کے ضمن میں لکھا ہے کہ حسن بصری کی قراءت کے مطابق الحمد للہ میں دال کا زیر ہے اور یہ دال کا زیر بسبب محاورۂ للہ کے لام کی وجہ سے ہے کہ اس لام کی یہ حرکت معنی کی وجہ سے ہے ، لیکن ابراہیم نخعی کی قراءت دال اور لام کے پیش کے ساتھ ہے ۔

مختصر یہ ہے کہ صاحبِ "کشاف" نے لکھا ہے کہ ابراہیم نخعی کی قراءت حسن بصری کی قراءت سے احسن ہے ، کیونکہ حسن بصری دال کا زیر صرف للہ کے لام کی وجہ سے پڑھتے ہیں ، کیونکہ لام کا زیر مبنی ہے اس لیے الحمد کی دال پر بھی زیر ہوگا ۔ لیکن ابراہیم نخعی الحمدُ کے دال کی مجاورت کی وجہ سے للہ کے لام پر پیش پڑھتے ہیں ۔ یہ دال کی حرکت

عامل کی وجہ سے ہے اور عامل کی وجہ سے جو کسی حرف پر حرکت آتی ہے ، وہ مبنی حرکت سے قوی تر ہوتی ہے ۔

میں نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ الحمد کی دال اس شخص کی مانند ہے ، جس کا کوئی پیر ہو اور وہ اسے کہے کہ اس طرح کرو اور للہ کا لام اس شخص کے مانند ہے جس کا کوئی پیر نہ ہو اور وہ ویسا ہی (ایک حالت میں) رہے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ قرآن مجید سے فال لے تو اُسے چاہیے کہ قرآن مجید کھول کر اُس کے داہنے صفحے کی ساتویں سطر دیکھے ۔ وہ بمنزل وحی ہے جو نازل ہوئی ۔ اگر دائیں صفحے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم یا سات اسم ہوں تو یہ اس کے لیے بہتر ہوگا ۔ اس صورت میں آیت رحمت کی تلاش کی ضرورت نہیں ۔

نیز فرمایا ، جب فال کے لیے قرآن مجید کھولیں ، تو قرآن مجید دائیں ہاتھ سے کھولنا چاہیے ، بائیں ہاتھ کو اس میں شامل نہ کریں ۔

امیر حسن علا سجزی نے آپ سے پوچھا کہ قرآن مجید لشکر میں کس طرح لے جایا جا سکتا ہے کہ اس کی حفاظت بہت دشوار ہوتی ہے ؟ فرمایا ، لے جانا چاہیے ، کیونکہ اسلام کے شروع زمانے میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم قرآن مجید ساتھ نہیں لے جاتے تھے کہ خدا نخواستہ اگر شکست ہو جائے تو قرآن مجید کفار کے ہاتھ پڑ جائے گا ، لیکن جب اسلام کو قوت حاصل ہوئی تو اس کے بعد آپ لے جانے لگے ۔

پھر انھوں نے سوال کیا کہ خیمے میں قرآن شریف کا رکھنا مشکل ہے ۔ [۳۰۳] فرمایا کہ سر کی جانب رکھنا چاہیے اور پاک جگہ پر رکھنا چاہیے ۔

منقول ہے کہ سلطان محمود کی وفات کے بعد لوگوں نے اُن کو خواب میں دیکھا ۔ پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے تم سے کیا سلوک کیا ہے ۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ میں ایک رات ایک گھر میں آرام کرنا چاہتا تھا ۔ اس گھر میں ایک طاق تھا ۔ اس میں قرآن شریف رکھا ہوا تھا ۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ قرآن مجید باہر بھجوا دوں ۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ میں اپنے آرام کی خاطر کیوں قرآن مجید کو باہر بھجواؤں ۔ الغرض میں نے وہ تمام رات بیٹھ کر کاٹی ۔ جب میری وفات ہوئی تو مجھے اس قرآن مجید کے احترام کی وجہ سے بخش دیا گیا ۔

اشعار

سخنش را ز بس لطافت و ظرف
صدمتِ صوت نے و زحمتِ حرف

بہر نا محرمانِ بہ پیش جمال
بستہ از مشک پردہ ہائے جلال

پردۂ و پردہ را از شاہ
نبود دل ہیچ شان آگاہ

داند آں کس کہ وے بصر دارد
پردہ از شاہ کے خبر دارد

کس چہ بیند مگر بصورتِ لغز
مغز داند کہ چیست اندر مغز

حرف را زاں نقاب خود کردہ است
کہ ز نامحرمے تو در پردہ است

حرفِ قراں ز معنیِ قرآں
ہمچناں است کز لباس تو جاں

حرف را بر زباں تواں راندن
جانِ قراں بجاں تواں خواندن

باش آگہ کہ صبح دیں بدمد
شبِ وہمِ خیال کیں بدرد

سترِ قراں ترا چہ بنماید
پردہ ہائے حروفِ بکشاید

خاک اجزائے خاک را بیند
پاک باید کہ پاک را بیند

پاک شو تا معانیِ مکنوں
آید از پردۂ حروف بروں

تا نماید بتو چو مہر و چو ماہ
روئے خوبے خود از نقابِ سیاہ

چوں عروسے کہ از لباسِ تنک
بدر آید لطیف روحِ سبک

در بُنِ چاہ جالت را وطن است
نورِ قرآں بسوئے ایں رسن است

خیز خود را رسن بچنگ آور
تا بیابی نجاتِ خویش مگر

زادِ مرداں رسن بدل دارند
تا بر آں جانِ خود بدست آرند

[۱۴۴] تو رسن را بر آں ہمی سازی
تا کنی بہر ناں رسن بازی

رسن از درد ساز و دلو از راہ
یوسفِ خویش را برآر ز چاہ

بہر یک مشت کو دل از وسواس
باشد اغیار کردہ و اخماس

کہ بعلم خودش کنی تقریر
گہ برائے خودش کنی تفسیر

زیں ہوس شرم شرع دینت باد
تا اجل با خرد قرینت باد

باشد از روز عرض بر یزداں
کلۂ جانِ تو کنند قرباں

کہ بسے لاف زد ز دعوی ما
پس ندانست قدرِ معنیِ ما

سوئے میدانِ خاص اسپ بتاخت
روے ما از نقابِ خود بشناخت

گرچہ ماند بنزدِ ما نامش
نیست ماندہ شروع احکامش

نکتہ

ورد کے فوت ہونے کے بیان میں

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے لیے کسی ورد کو لازم کر لیا ہے۔ اگر وہ کسی بیماری یا تکلیف کی

وجہ سے ناغہ ہو جائے اور کبھی پڑھا نہ جائے تو وہ اس کے حساب میں شمار ہوتا ہے ۔ اگر کسی سے کوئی ورد ناغہ ہوتا ہے تو وہ تین حال سے خالی نہیں ہوتا ۔ ان تین باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوتی ہے ۔ یا تو وہ خواہشوں کی طرف مائل ہوگا ، یا بے محل غصہ ظاہر کرے گا ، یا کوئی اور مصیبت اُسے پیش آئی ہوگی ۔

مولانا عزیزالدین زاہد کا واقعہ :

اس ضمن میں سلطان المشائخ نے مولانا عزیزالدین زاہدؒ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک روز مولانا عزیزالدین زاہد گھوڑے پر سے گر پڑے اور اُن کا بازو ٹوٹ گیا ۔ لوگوں نے اُن سے ان کا حال پوچھا تو فرمایا کہ میں ہر روز سورۂ یٰسین پڑھا کرتا تھا ۔ آج مجھ سے سورۂ یٰسین کا پڑھنا ناغہ ہو گیا ۔

حضرت بہاء الدین زکریاؒ کی تعبیر خواب :

ایک دوسرے موقع پر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک شخص شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا ، آج رات میں نے ایسا خواب دیکھا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ تمھاری موت کا دن نزدیک ہے ، توبہ کرو ۔ جب وہ چلا گیا تو ایک صوفی نے آپ کی خانقاہ سے آ کر کہا کہ میں نے بعینہٖ ایسا خواب دیکھا ہے ۔ جب اُس نے اپنا خواب بیان کیا تو شیخ حیران ہوئے ، کیونکہ پہلا شخص تو لشکری تھا ۔ شاید لڑائی میں مارا جائے ، لیکن یہ صوفی تندرست ہے ۔ اس قسم کے کوئی آثار اس میں نہیں پائے جاتے ۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ خبر آئی کہ وہ لشکری مارا گیا ہے اور اس صوفی کی فجر کی نماز قضا ہو گئی تھی ۔

بعد ازاں سلطان المشائخ نے فرمایا کہ غور کرو کہ صوفی کی فجر کی نماز کا قضا ہو جانا موت کے برابر سمجھا جاتا ہے ۔

صوفی امیر گرامی کا واقعہ :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک بزرگ تھے ۔ جو امیر گرامی کے لقب سے مشہور تھے ۔ ایک درویش کو آپ کی ملاقات کا شوق ہوا کہ

وہ ان کی زیارت کرے ۔ [۲۳۳] اُس درویش کی بڑی کرامت یہ تھی کہ وہ جو خواب دیکھتا تھا وہ سچا ہوتا تھا ۔ چنانچہ وہ ان کی ملاقات کے لیے روانہ ہو گیا ۔ راستے میں ایک منزل پر پہنچ کر اس نے خواب میں دیکھا کہ امیر گرامی وفات پا چکے ہیں ۔ جب وہ بیدار ہوا تو اُسے افسوس ہوا کہ میں نے ان کی ملاقات کے لیے اتنا راستہ طے کیا اور ان کی وفات ہوگئی ۔ چنانچہ اس نے ارادہ کیا اب میں جاؤں گا اور ان کی قبر کی زیارت کروں گا ۔ جب وہ ان کے مقام پر پہنچا تو اس نے لوگوں سے پوچھنا شروع کیا کہ امیر گرامی کی قبر کہاں ہے ؟ لوگوں نے کہا ، وہ تو زندہ ہیں ۔ وہ درویش حیران رہ گیا کہ اس کا خواب کس طرح جھوٹا ہوا ۔ الغرض جب وہ امیر گرامی کی خدمت میں پہنچا ، اس نے سلام کیا ۔ امیر گرامی نے و علیکم السلام کہا ۔ پھر فرمایا کہ خواجہ ! تمھارا خواب اس اعتبار سے سچا ہے کہ میں ہمیشہ یادِ الٰہی میں مشغول رہتا ہوں اُس رات غیرحق میں مشغول تھا ، چنانچہ یہ آواز لگا دی گئی کہ امیر گرامی مر گیا ۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے : صاحب الورد ملعون و تارک الورد ملعون (صاحبِ الورد ملعون ہے اور تارک الورد ملعون ہے) ۔ فرمایا ، یہ حدیث اہلِ کتاب سے متعلق ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ فلاں یہودی ورد پڑھتا ہے ، تو آپ نے فرمایا کہ صاحبِ ورد ملعون ہے ۔ پھر آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ فلاں یہودی نے ورد کو ترک کر دیا ہے ، تو فرمایا کہ تارک الورد ملعون ہے ۔

اس کے بعد فرمایا کہ بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث عام ہے اور اس کی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ مثلاً کوئی شخص کسی قوم کا سردار ہو اور مسلمانوں کی ضروریات اس سے متعلق ہوں اور مسلمانوں کے امور اس کی بات سے وابستہ ہوں ، ایسا شخص اوراد و نوافل میں مشغول رہے اور مسلمانوں کی ضروریات کا خیال نہ کرے تو ایسے شخص کو کہا جائے گا کہ صاحبِ الورد ملعون ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ المشائخ شیخ کبیر کا مسلک یہ تھا کہ عصر کی نماز کے بعد جس سے بات کرنی ہوتی بات کرتے اور جس کسی کو روانہ کرنا ہوتا روانہ کرتے ۔ پھر یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے ، کیونکہ آپ کو یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا کہ راستے میں محتاج

کھڑا ہوا ہو اور وہ اوراد و وظائف میں مشغول ہوں ۔ ایسی حالت میں اگر کوئی شخص ورد اور وظائف میں مشغول رہے تو اُسے ان اوراد و وظائف میں کیا لذت حاصل ہو سکتی ہے ۔

نیز فرمایا کہ عام مشائخ کا طریقہ یہ ہے کہ عصر اور فجر کی نماز کے بعد کسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے ، لیکن میرا یہ طریقہ نہیں ۔ جب بھی جس کا جی چاہے میرے پاس آ سکتا ہے ۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا :

در کوئے خرابات و سرائے او باش
منع نبـود بیـا و بنشیـں و بباش

اسی دوران میں ایک مرید نے عرض کیا کہ اگر کسی ضروری کام کی وجہ سے یا کسی خاص عذر کی بنا پر کسی شخص سے ورد ناغہ ہو جائے اور رات کو [۳۴۳] وہ ورد پڑھ لے توکیا یہ ہو سکتا ہے ؟ فرمایا ، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر دن کا ورد فوت ہو تو اس کو رات کو پڑھ لے اور اگر رات کا ورد فوت ہو تو دن میں پڑھ لے ، کیونکہ دن رات کا قائم مقام ہے اور رات دن کی قائم مقام ہے ۔

نکتہ

ظاہر و باطن کی مشغولی ، مراقبے اور ذکر خفی کے بارے میں

سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز نے فرمایا ، ہر وہ سانس جو باہر آتا ہے ، وہ ایک ایسا گوہرِ نفیس ہے کہ قیامت تک اس کا بدل نہیں ہو سکتا ۔ رات دن ، مہینے اور سال گزر جاتے ہیں ، ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ ہم نے اتنے کثیر دنوں اور راتوں میں کیا کام کیے ، لیکن عام آدمی جب ہمہ تن مستغرق ہو کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں تو اُکتا جاتے ہیں اور یہی اُکتا جانا عبادت سے بے رغبتی کا سبب ہوتا ہے ، لیکن اسی نیت کے ساتھ اگر صاحبِ ورد اپنی عبادت کو کچھ ہلکا کرے اور کسی سے تھوڑی دیر کے لیے ہم نشینی کرے تو اس کا یہ عمل اور وقت بھی عبادت میں شمار ہوگا ، لیکن اگر نیت یہ نہ ہو تو اس کے دونوں فعل ضایع ہو جاتے ہیں ۔

قرآن مجید میں و اذالموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت ۔ [اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی ۔] محققین کے نزدیک اس آیت کا مصداق وہ بھی ہیں ، جو اپنے سانسوں کو بغیر یادِ حق کے غفلت میں گزارتے ہیں ۔ ان سے بھی اس کے متعلق کل قیامت کے دن باز پُرس ہوگی ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

قدرِ شب و روز عاقبت بشناسی
یک روز چناں شود کہ تا شب نکشی

یادِ الٰہی کے سات وقت :

ایک درویش سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اس نے یہ شعر پڑھا :

میرود از جویبارانِ کہربا
ہر جوے سنگے بمعنی کیمیا

سلطان المشائخ نے یہ شعر سن کر بہت تعریف و تحسین کی اور فرمایا کہ یادِ الٰہی کے لیے سات وقت نہایت موزوں ہیں ۔ اُن میں تین ، دن میں ہیں اور چار رات میں ۔

دن میں ایک صبح سے لے کر اشراق تک ، دوسرے اشراق سے لے کر چاشت تک ، تیسرے عصر کی نماز کے بعد سے مغرب تک ۔

رات میں ایک مغرب کی نماز کے بعد سے عشا کے وقت تک ، دوسرے عشا کی نماز کے بعد سے تہجد کے وقت تک ، تیسرے تہجد کے وقت سے سحر کے وقت تک ، چوتھے سحر کے وقت سے صبح تک ۔

نیز فرمایا کہ حدیث میں تین چیزیں آئی ہیں جو جنتی ہونے کی دلیل ہیں ۔ ایک تو یہ کہ صبح کی نماز کے بعد سے جس قدر یادِ الٰہی میں مشغول رہے گا اس کو کل قیامت کے دن ایسی بہشت ملے گی جس کی وسعت دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہوگی ۔ دوسرے بہشت اس شخص کو دی جائے گی کہ جو نماز عصر کے بعد یادِ الٰہی میں مشغول رہتا ہے ، تیسرے بہشت اس شخص کو دی جائے گی جو رباط میں رہتا ہے ۔ رباط خانقاہ کو کہتے ہیں ۔

شیخ جلال الدین [۴۴۴] تبریزیؒ نے فرمایا کہ عبادت کے لیے مسجد، مشغولی کے لیے خانقاہ اور گھر میں بیٹھنا دلوں کے دریافت کرنے کے لیے ہے ۔ خانقاہ کے معنی بیت العبادت ہے اور خانقاہ سے مراد عبادت ہے ۔

ایک آدمی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا ، میں اہلِ القا سے ہوں ۔

یادِ الٰہی کے وقت نشست کا طور و طریق :

سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ یادِ الٰہی کے وقت زانوؤں کو اُٹھا کر بیٹھنا چاہیے اور کس طرح بیٹھنا چاہیے ۔ آیا کسی چیز کا سہارا لے سکتا ہے یا نہیں ؟ فرمایا ، درویشوں کا طریقہ یہ نہیں ہے ۔ بہترین نشست یہ ہے کہ نماز میں جس طرح قعدہ میں بیٹھتا ہے ، بیٹھے اور دونوں ہاتھ دونوں زانوؤں پر رکھے ، لیکن اگر زانوؤں کو اُٹھا کر بیٹھے تو سہارا نہ لے اور تکیہ نہ لگائے اور سر کو زانو پر رکھے ۔ شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر اور مولانا بدرالدین اسحاق بہت زیادہ اس ہیئت در بیٹھتے تھے ۔

اس موقع پر یہ رباعی سلطان المشائخ کی زبانِ مبارک پر آئی :

معشوق چو خورشید گزینی اے دل !
او بر فلک و تو در زمینی اے دل !
سر بر سر زانـوئے نشینی اے دل !
او را چو برِ خویش نہ بینی اے دل !

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ بعض لوگوں نے یادِ الٰہی کے وقت مربع بیٹھنا بھی جائز بتایا ہے ، لیکن چونکہ مربع بیٹھنا تحقیق سے ثابت نہیں ، اس لیے مربع بیٹھنے سے دل کو تسکین نہیں ہوتی ۔

نیز فرمایا کہ مربع بیٹھنا ایک طرح جائز ہے اور ایک طرح جائز نہیں ہے ۔ جائز تو وہ بیٹھنا ہے جو جوگیوں کے خلاف ہے ۔ مربع بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں قدم دونوں زانوؤں کے نیچے ہوں ۔ اس طرح بیٹھنے سے باطن مطمئن ہوتا ہے ۔ جوگیوں کے بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک قدم یا دونوں قدم رانوں کے اُوپر لاتے ہیں ۔ کوئی پیغمبر مربع نہیں بیٹھا ہے ۔

نیز فرمایا کہ ایک دفعہ ایک درویش تنہا بیٹھا ہوا تھا ۔ ایک شخص اس کے پاس آیا اور کہا میں تمھیں تنہا بیٹھے ہوئے دیکھ رہا ہوں ۔ اس

درویش نے جواب دیا کہ اب میں تنہا ہوا ہوں جب سے تم آئے ہو - پھر سلطان المشائخ نے یہ اشعار پڑھے :

قطعہ

جائے خالی بود حاجتہائے خود (می) گفتمش
ای نصیحت گو کہ بے حاجت بہ ایں جا آمدی
سر بزالـو بـود درویشے بکے الدر رسیـد
گفت تنہـائی بگفت آرے شدم تـا آمدی

نیز فرمایا کہ لوگ جب اطاعت شروع کرتے ہیں تو شروع شروع میں وہ اطاعت گراں اور مشکل معلوم ہوتی ہے ، لیکن جب انسان سچے دل سے اس میں مشغول ہو جاتا ہے ، حق تبارک و تعالیٰ بھی اس [۴۴۵] کی توفیق عطا کرتا ہے اور کام اس کے لیے سہل ہو جاتا ہے -

اس کے بعد فرمایا کہ جب کوئی اشغالِ دنیا سے منہ پھیر لیتا ہے اور حق کی مشغولی اختیار کرتا ہے ، اس طریقے پر کہ کچھ عرصے کے لیے مطمئن اور گوشہ گیر ہو کر خلقت کے شور و شغب سے دور رہے اور خلوت میں اپنے وقت کو معمور رکھے اور مراقبے میں مستغرق ہو اور اپنی ساری ہمت و قوت اس پر صرف کرے کہ پوشیدہ رہے -

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ بعض مشائخ نے دوامی طور پر خلوت کو اختیار کیا تھا ، جیسا کہ ابی یعقوب ہمدانیؒ اور بعض کبھی کبھی خلوت اختیار کرتے تھے ، جیسے ابی نجیب سہروردیؒ - پہلے گروہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس قول پر عمل کیا کہ اعمال وہی اچھے ہیں جن کو مداومت سے کیا جائے ، خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہوں - یا اے انسان ! تو اس شخص کی طرح نہ ہو جو پہلے رات کو جاگا کرتا تھا ، پھر اس نے جاگنا ترک کر دیا ہے -

دوسرے گروہ نے اس پر عمل کیا کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہفتے یا دو ہفتے غارِ حرا میں خلوت میں یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور یہ کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے -

پس ضروری ہے کہ ایسی خلوت ہر روز بلکہ ہر ساعت ترقی پر ہو اور اس کا حال ، ماضی سے بہتر ہو - یہ بات صرف انبیاء علیہم السلام کو

حاصل ہوتی ہے ۔ ان کا حال ماضی سے بہتر ہوتا ہے ۔ چونکہ انبیاء کو یہ بات میسر بھی ہوتی ہے ۔ اس لیے دوسروں کے لیے بھی ممکن ہو سکتی ہے ۔ اس بات کے حاصل ہونے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ انبیاء کا حال ماضی سے بہتر ہوتا ہے ۔ اگر اُن کا حال ماضی سے بہتر نہ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ ذلت ہے اور ذلت کی حالت عدم ذلت کے برابر نہیں ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شبِ معراج میں جو مقامِ قرب حاصل ہوا وہ دوسری راتوں میں کیوں کر ہو سکتا ہے ۔

سو پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ حالتِ ذلت میں بھی بہت سے فضائل شامل ہیں جو حالت عدمِ ذلت میں ان میں سے کسی کو نہیں پا سکتا ۔ مثلاً ندامت ، انکسار اور افتقار ، جن میں سے ہر ایک نعمتوں کا سرچشمہ ہے ۔ جیسا کہ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ گنہکار حالتِ گناہ میں تین صفت سے مطیع ہوتا ہے ۔ اول یہ کہ وہ جانتا ہے کہ میں جو کام کر رہا ہوں یہ کام اچھا نہیں ہے [۶۸۴] ۔ دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ میرے اس کام کو دیکھ رہا ہے ، تیسرے یہ کہ اسے اپنے اس کام سے ندامت ، انکسار اور تنبیہ ہوتی ہے ۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا شبِ معراج کے علاوہ دوسری شبوں میں بھی قرب کم نہ تھا ، بلکہ زیادہ تھا ۔ معراج کی شب میں آپ کو جو کچھ ملا ، اس میں مزید دوسرے قرب بھی شامل ہو گئے تھے ۔ آپ کے دن مبارک گزرتے تھے ، لیکن شبِ معراج کا قرب شہرت کے سبب سے سارے عالم پر روشن ہو گیا اور دوسری راتوں کا قرب خلق سے پوشیدہ رہا ۔

مولانا فخرالدین زرادیؒ کا ایک سوال :

مولانا فخرالدین زرادی نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا زیادہ بہتر ہے یا ذکرِ الٰہی کرنا ، فرمایا ، ذاکر جلد تر واصل ہو جاتا ہے ، لیکن اس کو زوال کا خوف ہوتا ہے ، البتہ تلاوت کرنے والا واصل دیر میں ہوتا ہے لیکن اُسے زوال کا چنداں خوف نہیں ہوتا ۔

نیز فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جو شخص ساٹھ سال تک خدا کی طرف رجوع کرتا اور اللہ کی اطاعت کرتا وہ پیغمبر ہو جاتا ۔ ساٹھ سال کے بعد اس پر وحی آنے لگتی یا الہام ہونے لگتا ۔ اگر

کوئی بارہ سال عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتا اور اس نسبت سے لد پھرتا ، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ولی ہو جاتا ۔ جب وہ ولی ہو جاتا تو خدائے تعالیٰ کے حکم سے سفید بادل اس کے سر پر اس کے قد و قامت کے برابر سایہ فگن ہوتا ۔

فارغ مشغول و مشغول فارغ :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ فارغ مشغول اُسے کہتے ہیں جو بظاہر یادِ الٰہی میں مشغول ہو ، لیکن اس کا باطن مختلف علل و اسباب سے پراگندہ ہو ۔

مشغول فارغ وہ ہے جو ظاہر میں خلقت کی تکلیفوں کے بوجھ کو برداشت کرتا ہے اور باطن کو یادِ الٰہی میں مشغول رکھتا ہے ۔ سالک کو مکڑی سے کم نہیں ہونا چاہیے ۔

متعبد ، مجنون ، عوام ، مشائخ :

بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ لوگ چار قسم کے ہیں ۔ بعض ایسے ہیں کہ اُن کا ظاہر آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے لیکن ان کا باطن خراب ہوتا ہے ۔ بعضوں کا باطن آراستہ ہوتا ہے اور ظاہر خراب ہوتا ہے ۔ بعضوں کے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں اور بعضوں کے ظاہر و باطن دونوں خراب ہوتے ہیں ۔

وہ گروہ جس کا ظاہر آراستہ اور باطن خراب ہوتا ہے ، وہ متعبد ہیں کہ بظاہر اطاعت بہت کرتے ہیں ، لیکن اُن کا دل دنیا میں مشغول ہوتا ہے اور ایک گروہ وہ ہے کہ ان کا باطن آراستہ ہوتا ہے اور ظاہر خراب ہوتا ہے ، یہ مجنون ہیں کہ اُن کا باطن یادِ الٰہی میں مشغول ہوتا ہے اور ظاہر میں وہ سر و سامان نہیں رکھتے ۔ ایک وہ گروہ ہے کہ ان کا ظاہر و باطن دونوں خراب ہیں ، وہ عوام ہیں [۳۳۷] ۔ ایک وہ گروہ جن کا ظاہر و وطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں ، وہ مشائخ ہیں ۔ ''گلستاں'' میں شیخ سعدی کہتے ہیں کہ شام کے ایک شیخ سے لوگوں نے پوچھا کہ حقیقت کیا ہے ؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ اس سے پہلے جہان میں ایک گروہ تھا جو ظاہر میں پراگندہ اور بباطن جمع تھا ۔ اب جو لوگ ہیں وہ بظاہر جمع اور بباطن پراگندہ ہیں ۔

اسی معنی کو ایک شاعر نے نظم کرتے ہوئے کہا ہے :

نظم

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل
بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
گرت مال و جاہ است و زرع و تجارت
چو دل با خدایست خلوت نشینی

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ عمرو نامی ایک درویش تھا ، وہ کہتا تھا کہ جو شخص میرے پاس آتا ہے ، اس کا باطن حق میں مشغول ہو جاتا ہے اور چالیس روز کے بعد وہ واصلانِ حق میں ہو جاتا ہے ۔ اس کے مریدوں سے پوچھا گیا کہ یہ درویش تمھیں کس بات کا حکم دیتا ہے ۔ اُنھوں نے کہا ، باطنی مشغولی کا اور وہ بھی مشائخ کے طریقے کے برخلاف ، اس لیے کہ مشائخ پہلے ظاہری مشغولی کا حکم دیتے ہیں تاکہ یہ مشغولی ظاہر و باطن میں سرایت کرے ۔

کاتبِ حروف نے اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ ظاہر کی مشغولی بمنزل عشق مجازی کے ہے اور مشغولیِ باطن بمنزلِ عشق حقیقی کے ہے اور یہ بات اس سے ثابت ہے کہ المجاز قنطرة الحقیقة (مجاز حقیقت کا پُل ہے) ۔ پس جس طرح عشق مجازی سے عشق حقیقی تک پہنچ سکتے ہیں ، اسی طرح ظاہری مشغولی سے باطنی مشغولی تک پہنچ سکتے ہیں ۔

نیز فرمایا کہ شروع میں یکبارگی باطنی مشغولی نہایت نازک کام ہے ، لیکن اُس درویش کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اسی طرح واصل بنا دیتا تھا ۔

مراقبۂ قلب :

سلطان المشائخ نے فرمایا ، اصل کام دل کا مراقبہ ہے کہ وہ اعضا کی تمام عبادتوں پر راجح اور مؤثر ہے ۔

قاضی محی الدین کاشانی نے پوچھا کہ نمازی یا ذاکر جب حضور میں ہو اور مذکر کا باطن یادِ الٰہی میں مشغول ہو ، کیا اسے اس حال میں مراقب کہہ سکتے ہیں ؟ اور کیا یہ حقیقت میں اس کا مراقبہ ہے ؟ فرمایا ، مراقبہ لغت کے اعتبار سے یہی ہے ، لیکن مشائخ طریقت کی اصطلاح میں دل میں جمالِ حق کو دیکھنا ہے اور قلب کا عمل مخفی ہوتا ہے ۔ چنانچہ وہی جانتا ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کیا دیکھ رہا ہوں ۔ لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے کار ہے ، لیکن حقیقت میں وہ کام میں لگا ہوا ہے ۔

ذکرِ خفی :

پھر فرمایا کہ ذکرِ خفی ، مراقبے سے ستر درجے بالاتر ہے ، کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ مراقبہ قلب سے جمالِ حق کو دیکھنا ہے ، لیکن ذکرِ خفی ذاتِ حق تعالیٰ کا علم ہے جو بندے کے ظاہر و باطن پر طلوع ہوتا ہے [۴۴۸] اور اس عالم میں بندے کو شعور ہوتا ہے ، اس دیکھنے کا اور علم کا ، لیکن جب یہ رؤیت اور علم بندے کے دل پر غالب آ جاتے ہیں تو شعور سے بے شعور ہو جاتا ہے ، اس کو ذکرِ خفی کہتے ہیں ۔

قاضی محی الدین کاشانیؒ نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ مرید کو حق تعالیٰ ، جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اپنے پیر کا مراقبہ علاحدہ علاحدہ کرنا چاہیے یا اکٹھے ؟ فرمایا کہ ان کو جمع بھی کیا جا سکتا ہے اور علاحدہ علاحدہ بھی ۔ جب وہ ان سب کو اکٹھا کرنا چاہے ، تو اسے چاہیے کہ وہ یہ سمجھے کہ وہ اللہ کے سامنے حاضر ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے دائیں جانب اور بائیں جانب اُس کے پیر ہیں اور جو حرکات و سکنات اس سے ظاہر ہو رہی ہیں اور جو خطرہ اس کے دل میں گزر رہا ہے ، حق تعالیٰ عزّ و جل اس کو دیکھتا اور جانتا ہے ۔

خواجہ شبلی کی ایک حکایت :

ایک دفعہ خواجہ شبلیؒ ایک مقام پر اس طرح مراقبے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بال بھی اُن کے جسم کا نہیں ہل رہا تھا ۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ آپ نے ایسا مراقبہ کہاں سے سیکھا ؟ فرمایا کہ ایک دفعہ ایک بلی چوہے کے بل پر اس طرح تاک لگائے ہوئے بیٹھی تھی کہ ایک بال بھی اس کے جسم کا نہیں ہلتا تھا ۔ جو لوگ اُس وقت نزدیک تھے ، انھیں بھی اس کی خبر نہ تھی ۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ ایک بے عقل حیوان اپنے اعضا کی خوراک کے لیے اس حضورِ دل سے مشغول ہے ، پھر انسان جو عقل و معرفت بھی رکھتا ہے اور اس سے اولیٰ تر ہے ، کیوں اس بلی سے کم رہے ۔

دو متقی :

سلطان المشائخ نے فرمایا ، ہمارے زمانے میں دو متقی ہیں ۔ ایک مولانا تقی الدین محبوب ، دانش مند ، صالح ، متورع جو آنے جانے والوں

کی خدمت کرتے ہیں اور خلقِ خدا ان کی شکر گزار ہے -

دوسرے شیخ تقی الدین جو ایک صاحبِ حال مرد ہیں - ہمیشہ مراقبے میں مستغرق رہتے ہیں - انھیں اس استغراق کی وجہ سے کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی - یہاں تک کہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ آج کون سا دن اور کون سا مہینہ ہے - عظیم مشغولی رکھتے ہیں -

ایک دفعہ ایک آدمی اُن کے پاس کاغذ لایا اور کہا کہ شیخ ! اس کاغذ پر اپنا نام لکھ دیجیے - اُنھوں نے قلم اُٹھایا اور حیران تھے کہ کیا لکھیں ؟ خادم سمجھ گیا کہ وہ اپنا نام بھول گئے ہیں - اس نے کہا کہ آپ کا نام شیخ محمد ہے - اس کے بعد اُنھوں نے اپنا نام کاغذ پر لکھا -

ایک دفعہ وہ جامع مسجد جا رہے تھے - جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو وہیں کھڑے ہوکر سوچ میں پڑ گئے - خادم نے اندازہ کر لیا کہ [۹۳۳] شیخ اپنا داہنا پاؤں بھول گئے ہیں - خادم نے اپنا ہاتھ ان کے پاؤں پر رکھ کر کہا کہ داہنا پاؤں یہ ہے - شیخ داہنا پاؤں مسجد میں رکھ کر داخل ہوئے -

کاتبِ حروف نے خواجہ عزیزالدین سے سنا جو شیخ الاسلام فریدالحق والدین کے نواسے ہیں ، جن کے مناقب و فضائل لکتہ بیان مناقب نبسگانِ شیخ شیوخ العالم میں تحریر کیے جا چکے ہیں - آپ فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا - اُس وقت آپ قبلہ رخ کھاٹ پر بیٹھے آسمان کی جانب ٹکٹکی لگائے ہوئے جمالِ حق تعالٰی کی رویت میں مستغرق تھے - میں ڈرا کہ میں بڑے نازک موقع پر آیا ہوں - میں عجیب مشکل میں تھا - میرے لیے نہ جانے کا موقع تھا ، نہ ٹھہرنے کا - میں تھوڑی دیر وہیں کھڑا رہا - اتفاق سے اس وقت خادموں میں سے بھی کوئی موجود نہ تھا - بعد ازاں سلطان المشائخ اس طرح تڑپے ، جس طرح چڑیا پھڑپھڑاتی ہے - پھر ہوش میں آئے اور آنکھیں مل کر مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو ؟ میں نے عرض کیا ، عزیز - بعد ازاں از راہِ شفقت میرا حال پوچھا اور بے حد عنایت فرمائی -

مولانا علی شاہ جالدار[1] نے ''خلاصۃ المناقب'' میں لکھا ہے کہ میں نے شیخی و مخدومی سلطان المشائخ نظام الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز

۱- ''اخبارالاخیار'' میں جالداد ہے اور یہ صحیح معلوم ہوتا ہے -

کو مراقبے میں دیکھا ۔ جب میں ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ اسی طرح ساکن بیٹھے ہیں کہ آپ کا ایک بال بھی حرکت نہیں کرتا ۔ آپ آنکھیں کھولے ہوئے تھے ۔ میں نے آپ کو اطلاع دی ، لیکن آپ نے مجھے پہچانا نہیں اور مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو ؟ میں نے آپ کو جب اس حالت میں دیکھا ، تو میں نے ارادہ کیا کہ اُلٹے پاؤں لوٹ جاؤں کہ اتنے میں آپ نے آنکھیں مل کر مجھے پہچانا اور مجھ سے کہا کہ بیٹھ جاؤ ۔ میں بیٹھ گیا ۔ پھر آپ مجھ سے باتیں کرنے لگے ۔ دورانِ گفتگو آپ آنکھوں کو اس طرح پھراتے تھے گویا کہ آپ مست ہیں ۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ تم گھر میں کیا شغل کرتے ہو ؟ میں نے عرض کیا ، جو میرے مخدوم نے فرمایا ہے ۔ فرمایا ، اللہ کی یاد میں مشغول رہا کرو ۔ پھر فرمایا ، فقیر کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے قلب میں نہایت خشوع کے ساتھ تصور کرے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے روبرو بیٹھا ہوں اور اس تصور پر مداومت کرے ۔ پھر فرمایا ، جاؤ اور مریدوں میں بیٹھو ۔ میں اس وقت مشغول ہوں ۔

سلطان المشائخ سے لوگوں نے پوچھا کہ اعمال میں افضل ترین عمل کون سا ہے ؟ فرمایا "سر" ، یعنی ظاہر میں مجلس میں ہونا اور باطن میں مراقبہ کرنا ۔

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے [۳۵۰] ، اے لوگو ! اپنے اعمال کا حساب کیا کرو ۔ پس جو شخص اپنے اعمال کا حساب کرتا ہے ، حساب کے مطابق اس کا اجر لکھا جاتا ہے ۔ لفظ احتساب ، حسب سے مشتق ہے جیسا کہ اعتداد عِدّہ سے مشتق ہے ۔ کہا گیا ہے کہ احتساب کا مطلب یہ ہے کہ احتساب کے وقت یہ نیت کرے کہ میں یہ کام اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کی نیت سے کرتا ہوں ، حسبہ احتساب سے مشتق ہے ، جیسا کہ عِدّہ اعتداد سے مشتق ہے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے ان کتابوں میں سے ، جنھیں میں نے پڑھا تھا ، مطالعہ کرنا چاہا ۔ مجھے وحشت ہونے لگی اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ پھر میں کہاں آ پڑا ۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جب شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ کو کمال حاصل ہوا تو جو کتابیں اُنھوں نے پڑھی تھیں ، اُنھیں ایک کونے میں رکھ دیا ، یہاں تک کہ ایک دن اُن کتابوں

کا مطالعہ کرنے لگے ۔ ایک ہاتف نے آواز دے کر اُن سے کہا کہ اے ابو سعید ! عہد نامہ واپس کر کہ تو ہمارے غیر میں مشغول ہو گیا ہے ۔ جب سلطان المشائخ یہ واقعہ بیان کر چکے تو رو کر یہ دو مصرعے پڑھے :

تو سایۂ دشمنی کجا در گنجی
جائے کہ خیال دوست دشمن باشد

یعنی جہاں پر کتبِ فقہ اور حکامِ شریعت کی کتابیں بھی حجاب ہیں ، وہاں دوسری چیزوں کا کیا ذکر ہے ۔

اندرونی صفائی کے لیے پانچ چیزیں :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر نے اندرونی صفائی کے لیے پانچ چیزوں کو لازمی قرار دیا ہے ۔ اول مسواک کی پابندی ، دوسرے کلام اللہ کی تلاوت ۔ اگر قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا تو سورۂ اخلاص ہی پڑھے ، تیسرے ہمیشہ روزے رکھنا ۔ اگر ہمیشہ روزے نہیں رکھ سکتا تو ایامِ بیض ہی کے روزے رکھے ، چوتھے قبلہ رو بیٹھنا ، پانچویں باوضو رہنا ۔

مردانِ خدا کا کام :

شیخ نصیرالدین محمودؒ نے فرمایا کہ ایک دن میں سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا ۔ آپ نے فرمایا ، بہت نماز پڑھنا اور وظائف میں بکثرت مشغول رہنا ، بہت روزے رکھنا ، قرآن مجید کی تلاوت میں بہت مصروف رہنا ۔ یہ کام چنداں مشکل نہیں ہیں ۔ ہر با ہمت شخص کر سکتا ہے ، بلکہ ایک ضعیف بڑھیا بھی کر سکتی ہے کہ وہ روزے پر مداوست کرے ، رات میں عبادت کرے ، قرآن مجید کے چند سیپارے پڑھے ۔ لیکن مردانِ خدا کا کام کچھ اور ہی ہے ۔ اول یہ کہ روٹی اور کپڑے کا غم اس کے پاس نہ پھٹکے ، کیونکہ جس درویش کے دل میں ان دو چیزوں کا غم گزرتا رہتا ہے ، وہ زندگی کے اعلیٰ مقصد کو حاصل نہیں کر سکتا ۔ دوسرے یہ کہ وہ خلوت و جلوت میں ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے ۔ یہ تمام مجاہدوں کی بنیاد ہے ۔ تیسرے یہ کہ اس نیت سے کبھی بات نہ کرے کہ لوگوں کے قلوب اس کی طرف مائل ہوں ۔ اگر وہ وعظ و نصیحت کرتا ہے تو وہ خالصتہً للہ ہونے چاہئیں ۔ اس میں اپنی ذاتی کوئی غرض نہ

ہونی چاہیے اور ریا کا شائبہ نہ ہونا چاہیے ۔ نہ وعظ و تذکیر اخلاص کے ساتھ ہونی چاہیے ۔ جب درویش یہ طریقہ اختیار کرتا ہے [۱۵۴] تو حق تعالٰی اپنے تمام بزرگوں کو ، جو اس وقت موجود ہوتے ہیں اس کا خادم بنا دیتا ہے ۔

ذکر :

نیز فرمایا کہ ذکر کے وقت پہلے تین بار لا الہ الا اللہ کہے ۔ چوتھی مرتبہ محمد رسول اللہ ، پانچویں بار لا الہ الا اللہ ، چھٹی بار محمد رسول اللہ کہے ، ساتویں بار لا الہ الا اللہ ، آٹھویں بار محمد رسول اللہ ، نویں بار لا الہ الا اللہ ، دسویں بار محمد رسول اللہ کہے ۔

راقم الحروف نے سلطان المشائخ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ مشائخ کے نزدیک پسندیدہ ذکر لا الہ الا اللہ و اللہ ہے ، لیکن ہمارے مشائخ نے لا الہ الا اللہ کو پسند کیا ہے ، اور شیخ ابو سعید ابن ابوالخیر نے صرف اللہ کو پسند کیا ہے ۔

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جو شخص چاہے کہ (قیامت کے دن) محل اس کا گھر ہو اور جنت اس کا ٹھکانا ہو ، اسے چاہیے کہ ہمیشہ بغیر کسی تکبیر کے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ ہو کہے ۔

ذکر کے آداب :

شیخ نصیرالدین محمودؒ نے فرمایا کہ ذکر کے وقت دونوں ہاتھ دونوں زانوؤں پر رکھے اور کہے لا الٰہ الا اللہ ۔ لا الٰہ الا اللہ کہنے کے وقت سر کو ہلائے پھر لا الٰہ کہنے کے وقت بائیں جانب سر کو لے جائے اور یہ تصور کرے کہ جو چیز سوائے حق کے ہے اُسے میں نے اپنے دل سے باہر نکال دیا ہے ، پھر سر کو داہنی طرف لے جائے اور الا اللہ کہے اور تصور کرے کہ میں دل سے حق تعالٰی کا اثبات کر رہا ہوں اور اس طریقے پر ذکر اس وقت تک کرتا رہے کہ اپنے دل کے ذکر کی آواز اپنے کان سے سنے ۔

بعض درویش ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اُن کی زبان خاموش رہتی ہے اور اُن کا دل ذکرِ حق میں مشغول رہتا ہے ، جسے وہ اپنے کان سے سنتے ہیں ۔

ذکر کی تین قسمیں :

شیخ نصیرالدین محمودؒ کا بیان ہے کہ ذکر کی تین قسمیں ہیں ، اوّل یہ کہ قبلہ رو بیٹھے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں زانوؤں پر رکھے اور یہ تصوّر کرے کہ حق تعالیٰ حاضر و ناظر ہے اور میرے ساتھ ہے ۔ دوسری قسم یہ ہے کہ یہ تصوّر کرے کہ حق تعالیٰ میرے دل میں ہے اور سوائے حق کے کوئی چیز میرے دل میں نہیں ۔ اگر تم یہ کہو کہ یہ طریقہ مذہب حلولی کی طرف لے جاتا ہے تو در اصل اس صورت کا مطلب یہ ہے کہ حق ہر جگہ موجود ہے اور میرے دل میں بھی ہے یہ (بظاہر تو حلول نظر آتا ہے) لیکن دراصل حلول نہیں ۔

ذکر کی تیسری قسم یہ ہے کہ ذاکر آنکھیں کھول کر نظر آسمان کی طرف رکھے اور ذکر میں مشغول ہونے کے وقت یہ تصوّر کرے کہ میری روح [۴۵۲] میرے قالب سے نکل کر پہلے آسمان ، دوسرے ، تیسرے یہاں تک کہ ساتویں آسمان سے گزر کر مشاہدۂ حق تعالیٰ میں مصروف ہے ۔ اگر کوئی شخص اس طریقے پر استقامت کرے گا ۔ تو اس کو ایک دھاگا نظر آئے گا ۔ اس کا ایک سرا اُوپر ہوگا اور دوسرا سرا اس کے دل میں ہوگا ۔ یہ ذکر کا آخری اور اعلیٰ مرتبہ ہے اور مشائخ جسے مشغولیِ باطن کہتے ہیں وہ یہی ہے اور یہ تصوّف میں آخری طریقہ ہے ۔ حکیم سنائی فرماتے ہیں :

مثنوی

این ہمہ علم جسم مختصر است
علم رفتن بسوئے حق دگر است

روئے سوئے جہاں حی کردن
عقبیٰ و جاہ زیر پے کردن

جاہ و حرمت ز دل رہا کردن
پشت در خدمتش دوتا کردن

تنقیہ کردنِ نفوس از بد
تقویت کردنِ روان بخرد

رفتن از منزلِ سخن کوشان
برنشستن بصدر خاموشان

رفتن از فعلِ حق سوئے صفتش
در صفت این مقامِ معرفتش

آنکہ از معرفت بعالمِ راز
پس رسیدن بہ آستانِ دراز

در درونِ تو نفس دل گردد
ز آں ہمہ کردہ ہا خجل گردد

خان و مانش ہمہ بر اندازد
در رہِ امتحانش بگدازد

در تن تو چو نفس تو بگداخت
دل بتدریج کار خویش بساخت

نہ ز بیہودہ گفت و نادانی
بایزید ار بگفت سبحانی

پس زمانے کہ راز مطلق گفت
راست منصور گو اناالحق گفت

راست گفت آنکہ گفت از سرِ حال
گفت دع نفسک بستر و تعال

ز تو تا دوست نیست رہ بسیار
رہ توی پس بزیر پائے دراز

تا بہ بینی بدیدۂ لاہوت
خطہ ذی الملک و خطۂ ملکوت

بانیاز آں گہے کہ گشتی یار
دل برآرد ز نفسِ تیرہ دمار

کے بود ما ز ما جدا ماندہ
تو و من رفتہ و خدا ماندہ

[۴۵۳] شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

بشتاب گر تو عاقلی ، درباب گر صاحب دلی
باشد کہ نتواں یافتن دیگر چنیں ایام را

• • •

آٹھواں باب

محبت و شوق و عشق اور رویت باری تعالیٰ کے بیان میں

کاتب حروف محمد مبارک علوی معروف بہ امیر خورد عرض پرداز ہے کہ سالک کو چاہیے کہ اپنے پیر کی محبت ، اشتیاق اور پیر کے جمال ولایت کا عاشق ہو تا کہ وہ اپنے تھوڑے سے عمل اور کثرت نیاز مندی سے اپنے اصلی مقصد کو ، جس پر طالبان حق فائز ہوئے ہیں ، وہ بھی پہنچ جائے۔ اگر اس بارے میں اُسے لطف حاصل نہ ہو ، یا اس کی فطرت میں اس بارے میں کمی ہو تو وہ کئی سال تک اس کام میں کوشش کرے ، روزے رکھے ، راتوں کو جاگے اور عبادت و تہجد سے کام لے ، اپنے نفس کو جلانے اور خون جگر کرکے اس راہ میں کوشش کرے ، اخلاص اس کا مددگار ہو ، تب کہیں جا کر روشنی کا دروازہ اس پر کھولا جاتا ہے۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

عمرے باید دراز و صبرے درپیش کنم
تابا تو رسم و حکایت خویش کنم

غم کی یہ دولت ، اندوہ اور عشق کی یہ سعادت ہر کسی کو نہیں دی جاتی۔

یہ ضعیف کہتا ہے :

غم و درد آمد نصیب ولے
کہ در عشق او بشکفد چو گلے
غمت خاصہ آدمی را ست و بس
ندادند ایں چاشنی را بکس

عشق کا یہ خلعت مخلوقات میں سے سوائے آدم صلٰوۃ اللہ و سلامہ علیہ کے کسی اور مخلوق کے قد پر راس نہیں آیا ۔ تاج ریزہ کہتے ہیں :

خلعتے یا رب چہ گویم چوں عروس آراستہ
راست بر بالائے شاہِ راستیں آوردہ اند

یہ جوہرِ عشق صرف گوہرِ انسانی کے لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ اس کو لباسِ محبت سے آراستہ اور جوہرِ عشق سے پیراستہ کرکے قیامت کے میدان میں جلوہ گر کریں ۔

یہ ضعیف کہتا ہے :

ہیچ کس را دریں جہاں نرسید
جوہرِ عشقِ او مگر ما را

پھر یہ ضعیف کہتا ہے :

جز من ہر کہ کند دعویِ عشقِ تو خطاست
ز آنکہ عشق تو نصیبِ دلِ دیوانۂ ماست

اس موقع کے مناسب حاجی محمد کی یہ حکایت ہے کہ اُنھوں نے قاضی محی الدین کاشانی سے کہا کہ سلطان المشائخ سے عرض کیجیے کہ جب سے میں حج سے آیا ہوں میرے دل کو قرار و آرام نہیں اور میرے لیے آپ سے دعا کی درخواست کیجیے ۔ یہ واقعہ باب اوراد میں بضمنِ نکتۂ ادعیۂ ماثورہ تحریر کیا جا چکا ہے ۔ قاضی صاحب نے اُن کے متعلق سلطان المشائخ سے عرض کیا ۔ فرمایا ، اس شخص کو دو کاموں میں سے ایک کرنا چاہیے یا تو کسب و حرفت میں مشغول ہو جانا چاہیے [۳۵۴] ، تاکہ اسے ذریعۂ معاش حاصل ہو یا گوشہ نشین ہو کر عبادت و ریاضت میں زندگی گزارنی چاہیے ، لیکن یہ طریقہ اس وقت ٹھیک رہتا ہے ، جب عشق کی چاشنی بھی اس میں شامل ہو ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

دلے کہ در غمِ عشقت نسوخت باز نیافت
بماند بے دل و حیراں کہ روے یار نیافت

ویسے ان دونوں کاموں میں اعضا کا عمل مشترک ہے۔ وجہ معاش، نماز و تلاوت و ذکر، اعضا کا عمل نہیں تو اور کیا ہیں۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا:

طاعتِ ابلیس را گر چاشنی بودے ز عشق
در خطابِ اسجدوا بے شک مسلماں آمدے

اسی اثناء میں قاضی محی الدین کاشانی نے عرض کیا کہ وہ دعوئ عشق کرتا ہے، بلکہ اپنے آپ کو عاشقِ صادق کہلواتا ہے۔ فرمایا سچی محبت وہ ہے کہ عاشق سوائے محبوب کے کسی کی تعظیم نہ کرے، بلکہ موجود ہی نہ جانے، پھر ایسا شخص جو غیر کو مسجود بناتا ہے، کیوں کر عاشقِ صادق کہلا سکتا ہے۔ یہ ضعیف کہتا ہے:

دعوئِ عشق میزنی لاف دروغ میکنی
عشق ہمہ تواضع است کارِ تو لیست جز منی

اس کے بعد فرمایا کہ فرشتوں کو محبت کا حظ حاصل نہیں ہوتا۔ شرابِ محبت صرف جوہرِ انسانی کا مقدر ہے۔ درد کا نام بھی فرشتے نہیں جانتے نہ ان کو محبت سے حظ حاصل ہوتا ہے۔ جو کوئی بھی ان کی جنس سے محبت کا دعوئ کرتا ہے، اُسے زیب نہیں دیتا۔

اگر کوئی اس دلیل سے یہ سوال کرے کہ شیطان فرشتوں کی جنس سے نہیں؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ وہ جنّوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے رب کا حکم ماننے سے انکار کیا، تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا کہ وہ فرشتوں کی جنس سے ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن حکیم میں ہے: پس تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا، کیونکہ استثنا غیر جنس سے نہیں ہوتا۔ منصور کا قول بھی یہی ہے۔ رہا یہ امر کہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ جنّوں میں سے تھا، اس کی تاویل یہ ہے کہ ملائکہ کی ایک جماعت کو بھی جن کہتے ہیں جو اجتنان سے مشتق ہے، کیونکہ وہ انسانوں کی آنکھ سے چھپے رہتے ہیں، اسی لیے جن کو نصف فرشتہ کہتے ہیں۔

نکتہ

محبت اور عوارض محبت کے بارے میں

مولانا فخرالدین مروزی کے نام ایک مکتوب :

سلطان المشائخ نے ایک رقعہ مولانا فخرالدین مروزی کے نام لکھا تھا ، جن کا تذکرہ باب بیان فضائل یاران اعلیٰ میں تحریر کیا گیا ہے ۔ اس رقعے کی نقل یہ ہے :

اصحاب طریقت اور ارباب حقیقت سب اس پر متفق ہیں کہ انسان کے پیدا کرنے کا سب سے بڑا مقصد محبت رب العالمین [۳۵۵] ہے ۔ یہ محبت دو قسموں پر مشتمل ہے ، محبت ذات اور محبت صفات ۔

محبت ذات وہبی بخشش ہے اور محبت صفات کسبی ہے ۔ جو وہبی ہے اس کا بندے کے عمل اور کسب سے تعلق نہیں ۔ جو کسبی ہے اس محبت دوام کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دل کو غیر اللہ سے خالی کرکے ذکر الٰہی میں مشغول رہے ۔ اس کے لیے فراغت ضروری ہے اور فراغت سے روکنے والی چار چیزیں ہیں ، جو مانع شرط ہیں ۔ وہ مانع مشروط بھی ہیں ۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں : خلق ، دنیا ، نفس ، اور شیطان ۔

خلق کو دور کرنے کا طریقہ گوشہ نشینی ہے اور دنیا کو دور کرنے کا طریقہ قناعت ہے اور نفس و شیطان کے دفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر لمحہ اللہ سے التجا کی جائے ۔

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر روز صبح کو جب سورج نکلتا تو یہ دعا مانگتے : الٰہی ! اگر محمدؐ کو آج اللہ تعالیٰ کا نیا قرب اور نئی طلب حاصل نہ ہو تو آج کے دن آفتاب کے نکلنے میں برکت نہ ہو ۔

پس اللہ سے محبت کرنے والوں اور عاشقوں پر یہ واجب ہے کہ وہ ہر روز نیا درد اور نیا سوز حاصل کریں تاکہ ہر روز محبت الٰہی میں مزید اضافہ ہو ۔ اس اضافے سے مراد جسمانی طاعت کی ترقی نہیں ، بلکہ اس سے نیا عشق ، نیا درد ، نیا ذوق مراد ہے ۔ جس طرح مشاہدات کے درجوں کی

ترقی کی دنیا و آخرت میں کوئی انتہا نہیں ہے ، اسی طرح قابلیت کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے - کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

از دولت حسنت بمن ارزانی باد
داغِ نو ، سوزے نو و دردِ تازہ

یہ ضعیف کہتا ہے :

نظم

دردِ نو و سوزے نو و عشقِ ہر روز
بر جان و دل شکستگاں افزوں باد
از دستِ خیال تو کہ در جان منست
تا روزِ قیامت دل من پرخوں باد

نیز فرمایا کہ ہر عضو کو عمل کے لیے بنایا گیا ہے ، اگر اس سے وہ کام نہ لیا جائے تو وہ عضو بیکار اور بیمار ہو جاتا ہے جیسا کہ دل خاص محبتِ الٰہی کے لیے بنایا گیا ہے :

بیت

ولے کہ در غمِ عشقت نسوخت خام بماند
چو مرغِ خانگی اندر میانِ دام بماند

کل قیامت کے دن ایسے دل سے کوئی فائدہ نہ ہوگا ، جب تک کہ قلبِ سلیم نہیں لے جائے گا - (قیامت کے دن مال اور اولاد کام نہ آئیں گے جب تک کہ بارگاہِ الٰہی میں قلبِ سلیم لے کر نہ آئے گا) - یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

سلامتی دل عشاق از محبتِ تست
وگرنہ ایں دلِ پرخوں [۳۵۶] چہ جائے منزلِ تست

کاتبِ حروف نے گیارہ کلمے اور دو حدیثیں محبت کے باب میں حضرت سلطان المشائخؒ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں ، جو اس کتاب میں لکھی گئی ہیں کہ ہر کلمے کے نیچے اس کا ترجمہ لکھا ہوا تھا ، وہ یہ ہیں :

محبت اس کا نام ہے کہ تو ایثار کر ، اس کے لیے جس کو تو دوست

رکھتا ہے اور جس کے لیے تو دوست رکھتا ہے اور یہ عین باری تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ہے کہ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون (تم ہرگز نیکی کو اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے ، جب تک کہ تم ان اشیاء کو راہِ خدا میں صرف نہ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو) ۔ خواجہ حکیم سنائی نے کیا اچھا کہا ہے :

ابیات

گر بخواہی کہ دوست مانند دوست
آں طلب زو کہ طبع و طایع اوست
آستین گر ز ہیچ خواہی پر
از صدف مشک جوئے و آہو دُر

یعنی اپنے ظاہر و باطن کو رضائے دوست میں وقف رکھ ، بلکہ پورے طور پر اپنے آپ کو اس کے تفویض کر دے تاکہ غیریت اُٹھ جائے اور معیّت حاصل ہو ۔ جب معیّت حاصل ہوگی تو پھر غرض پوری ہو جائے گی ۔

نیز کہا گیا ہے کہ محبت جھوٹے اور سچے کے فرق کو ظاہر کرتی ہے یعنی محبت مرد اور نامرد کے فرق کو ظاہر کرتی ہے ، اگر یہ مرد سچا عاشق ہے تو اپنے محبوب کی جفاؤں اور اپنی وفا پر صبر کرے گا اور ساری عمر اس نہج پر بسر کرے گا کہ اپنے محبوب کے اتباع سے ذرہ بھر تجاوز نہ کرے اور سچی محبت کے ساتھ اس کے دروازے کو کھٹکھٹائے اور اس کی محبت میں مستقیم رہے ۔ اس عمل کے نتیجے میں محبوب کی طرف سے محبت کا آغاز ہوگا اور عالمِ غیب سے دمبدم نئی نئی عشق بازیاں ظاہر ہوں گی ، جن کی کوئی انتہا نہ ہوگی ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

ہر زماں از دردِ عشقت ذوقہا گیرم از آنکہ
کیں سعادت ہر دلے از غیب نو نو حاصل است

جو دولتِ محبت حاصل کرنا چاہتا ہے ، جب تک وہ اپنے عزیز جان و تن کو رضائے دوست کے لیے مصیبتوں میں نہیں ڈالتا ، اسے ہرگز

یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی :

بیت

چوں شانہ بزیر ارہ تا تن ننھی
ہرگز بسرِ زلف نگارے نرسی

تین آدمیوں کی زیارت کعبہ اور اُن کی دعائیں :

جیسا کہ سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ تین آدمیوں کو خانہ کعبہ کی زیارت کا اتفاق ہوا - ان میں سے ایک بلخ کے قاضی کا بیٹا تھا ، دوسرا بلخ کے شیخ الاسلام کا بیٹا اور تیسرا ایک درویش تھا - یہ سب کے سب ایک ساتھ روانہ ہوئے - راستے میں اُنھوں نے سوچا کہ جب کعبے پر نظر پڑتی ہے تو جو دعا مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے - قاضیِ بلخ کے بیٹے نے کہا کہ میں تو بلخ کے قاضی ہونے کے لیے دعا کروں گا - شیخ الاسلام کے بیٹے نے کہا کہ میں بلخ کے شیخ الاسلام ہونے کے لیے دعا کروں گا - درویش نے سوچا کہ وہ حق تعالیٰ سے اس کی محبت کی دعا کرے گا - جب یہ تینوں کعبے پہنچے اور ان کی نظر کعبے پر پڑی تو [۷۰۰] تینوں نے اپنی اپنی دعائیں مانگیں - تقدیرِ الٰہی سے اسی سال یہ دونوں لڑکے اپنے اپنے باپ کی جگہ مقرر ہو گئے - درویش نے التجا کی کہ اے بار الٰہ، ہم تینوں اکٹھے زیارت کعبہ کے لیے گئے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر تینوں نے اپنے اپنے مقصد کے لیے دعائیں کیں - یہ دونوں اپنے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ، لیکن مجھے اپنی دعا کا حال معلوم نہ ہوا - اسی زمانے میں اس درویش کو آکلہ (گوشت خورہ) کی بیماری ہوئی - اس بیماری کے زمانے میں درویش کے دل میں خیال گزرا کہ پروردگار ! میں نے تجھ سے تیری محبت چاہی تھی تو نے مجھے زحمت میں مبتلا کر دیا - غیب سے آواز آئی کہ یہ زحمت ہماری محبت کا آغاز ہے - شیخ سعدی کہتے ہیں :

بیت

دریں رہ جاں بدہ یا ترکِ ما گیر
بریں در سر بنہ یا غیر ما جوئی

میں پھر اصل مضمون محبت کی طرف آتا ہوں - اگر یہ مدعی دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے تو تمام کام دوست کے مخالف کرے گا - اس کی جفا سے بھاگے گا اور تمام عمر نفاق سے بسر کرے گا اور اُمید رکھے گا کہ

میں محب مقبول ہو جاؤں گا ۔ بزرگوں نے ایک علامت بدبختی کی یہ بھی لکھی ہے کہ آدمی گناہ کرتا ہے اور اُمید رکھتا ہے کہ میں مقبول ہو جاؤں گا ۔ محبت نہ سونے کا اور خلقت سے گوشہ نشینی اختیار کرنے کا نام ہے ، یعنی محبت صادق کو رات دن برابر ہیں ۔ محب صادق محبوب کی محبت میں رات دن بے قرار رہتا ہے ۔

خواجہ سری سقطی نے ، جو شیخ جنید بغدادی قدس سرہما العزیز کے پیر ہیں ، ایک شعر میں اس موضوع کو بہت اچھا پیش کیا ہے :

ما فی النهار ولا فی الليل فرح
فما ابالی اطال الليل ام قصر

[نہ دن کو چین ہے ، نہ رات کو آرام ۔ اس لیے مجھے اس کی پرواہ نہیں ، خواہ رات چھوٹی ہو یا لمبی ۔] بلکہ عاشقوں کے راز و نیاز ، ذوق و گریہ اور دریافتِ درجات اور مشتاقوں کے مشاہدات کی ترقی زیادہ تر رات سے تعلق رکھتے ہیں ۔ جو کوئی ان نعمتوں کا اُمیدوار ہو اُسے نیند اور آرام سے کیا سروکار ۔ امیر خسرو کہتے ہیں :

بیت

خواب ز چشمِ من بشد ، چشمِ تو بست خوابِ من
تاب نمـــانـد در تنم ، زلفِ تو سرد تابِ من

جب محبِ صادق کا کام اس مقام تک ترقی کر چکتا ہے تو اس کا باطن ہمیشہ بے قرار ، اس کا ظاہر حسنِ اخلاق سے آراستہ ، اس کا چہرہ بشاش رہتا ہے اور یہی مقام حقیقت عزلت ہے ۔ اسی لیے عزلت کے معنی صرف یہی نہیں کہ خلقت سے منہ موڑ کر حق میں مشغول ہو جائے ۔ بلکہ عزلت کی حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کا وجود خلقت میں مشغول ہو اور اس کا دل یادِ الٰہی میں مصروف ہو ۔ یہ کام انبیاء اور اولیا کا ہے :

بر درِ دل شستہ اندک پردہ داری میکنم
تا بجز سلطانِ عشقت کس نیاید اندروں

[۸۵۸] یہ بھی کہا گیا ہے کہ محبت ایک پرندہ ہے جو صرف دلوں کے دانے پر گرتا ہے ، یعنی جب محبت سویدائے دل میں پیدا ہوتی ہے تو اس پرندے کی طاقت زائل ہو جاتی ہے ۔ جوں جوں محبت کا پرندہ دل کو

اشتیاق کی نوک سے کریدتا ہے ، اس سے مشاہدات کی آنکھیں کھلتی ہیں اور دمبدم محبوب کا کمال و جمال جلوہ گری کرتا ہے - یہ ضعیف کہتا ہے :

رباعی

بخوبی در جہاں چوں تو دگر نیست
کداسی دیدہ کز عشق تو تر نیست
عجب مرغیست آں طوطیِ عشقت
کہ قوتِ او بجز خونِ جگر نیست

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں میں محض اللہ تعالیٰ کے لیے محبت ہو ، اُن میں سے ایک مشرق میں رہتا ہو اور دوسرا مغرب میں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان دونوں کو یکجا کرے گا اور فرمائے گا کہ تم دونوں کی یہ ملاقات اس محبت کی بنا پر ہے جو تم ایک دوسرے سے رکھتے تھے - اب تم ملاقات کرو کہ تمھاری یہ محبت ہماری وجہ سے تھی -

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ جب حسبِ ارشاد نبویؐ مخلوق کی محبت کا یہ نتیجہ ہے کہ کل قیامت کے دن ضرور اکٹھے ہوں گے اور یہ محبت ایک دوسرے کی شفاعت کا باعث ہوگی - پس جو شخص کہ راہِ محبت حق جل و علیٰ میں قدم رکھتا ہے اور اس راہ کا سالک ہوتا ہے اور سچے دل سے اس نازک راہ میں قدم رکھتا ہے ، اُمید ہے کہ وہ اصل مقصد کو پا لے گا اور یہ بھی محبت کا پھل ہے -

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ایک ستون پر ہوں گے ، جو سرخ یاقوت کا ہوگا ، اُس ستون پر ستر ہزار کھڑکیاں ہوں گی - جب وہ اہلِ بہشت کو دکھائی دیں گی تو ان کی خوبی اہلِ بہشت پر اس طرح روشن ہو جائے گی ، جس طرح اہلِ دنیا پر آفتاب کی روشنی ہوتی ہے - اہلِ بہشت ان کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہمیں لے چلو تاکہ اُن کو دیکھ لیں جو محض اللہ کے لیے ایک دوسرے کو دوست رکھتے تھے - جب اہلِ بہشت ان کا جمال [۹۵م] دیکھیں گے تو انھیں معلوم ہوگا کہ وہ سبز لباس پہنے بیٹھے ہیں - یہ ہیں وہ لوگ جو ایک دوسرے سے محض اللہ کے لیے محبت کرتے تھے -

"حب" کے دو حروف ہیں ایک "ح" جو روح سے لی گئی ہے اور ایک "ب" جو بدن سے لی گئی ہے ، یعنی تن اور جان میں سے دوستی نکلی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ بدن سے محبوب کی خدمت کرے اور اس کے حکموں کی پوری پوری تعمیل کرے اور جان سے اس میں اخلاص اختیار کرے ۔

ان دو حروف کے متعلق اس ضعیف نے کہا ہے :

تن بخدمت دادم و جاں بر سرِ آں کردہ ام
دردِ خود را از دوائے دوست درماں کردہ ام
از برائے آنکہ باشم زیر پہائے دوستاں
نفس کافر کیش را اینک مسلماں کردہ ام

کہا گیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے ، لوگ اسے نہیں پہچانتے ۔ اسی معنی و مطلب کی حدیث رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے اولیا میری قبا کے نیچے ہیں ، جنھیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا ۔ چنانچہ خواجہ اویس قرنیؓ کا مرتبہ ، جو تابعین کے سردار اور سر برآوردۂ قوم تھے ، اہلِ دنیا سے پوشیدہ رہا اور آخرت میں بھی چھپا رہے گا ۔ چنانچہ تمام انبیاء کے سردار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بہشت میں اپنے محل سے ان کے لیے اس طریقے پر نکلیں گے ، جس طرح کوئی ڈھونڈھنے کے لیے نکلتا ہے ۔ حکم ربی ہوگا کہ کس کو تلاش کرتے ہو ؟ آپ فرمائیں گے کہ اویس قرنی کو ۔ آواز آئے گی کہ جس طرح تم نے اسے دنیا میں نہیں دیکھا ، یہاں بھی نہ دیکھ سکو گے ۔ اپ عرض کریں گے کہ الٰہی ! وہ کہاں ہے ؟ جواب ملے گا کہ وہ سچوں کے ٹھکانے پر ہے ، مقتدر فرشتوں کے ساتھ ۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ہزار فرشتے حضرت اویس قرنیؓ کی شکل و صورت کے پیدا کرے گا ۔ وہ اُن کے ساتھ میدانِ قیامت میں آئیں گے ۔ پھر اویس قرنی کو جنت میں لے جائیں گے تاکہ کوئی ان کو پہچان نہ لے ۔

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ سلطان المشائخ ، جو محبانِ درگاہ الٰہی کے بادشاہ تھے ، اگرچہ آپ کی محبت اہلِ عالم پر ضوفگن ہوئی ۔ آپ کی

ذاتِ مبارک سر تا پا محبت تھی ، لیکن حق جل و علیٰ نے آپ کی عظمت و جلال کو کاحقہٗ کوتاہ نظروں سے پردۂ کرامت میں [۳۹۰] چھپا کر رکھا ، یہاں تک کہ ہر ایک نے اپنی قابلیت کے مطابق (آپ کے سمجھنے میں) قدم رکھا اور آپ کی محبت میں اگرچہ شور و غل کو آسمان تک پہنچا دیا ، لیکن وہ اس بادشاہ کے جمال و کمال کو اس حد تک نہ پا سکے جیسا کہ اس کا حق ہے ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

درختِ میوۂ مقصود از آں بلند تر است
کہ دستِ ہمتِ کوتاہِ ما بداں برسد

یہ ضعیف کہتا ہے :

رباعی

مرا حاجت از عشقِ تو روئے تست
ہمہ میلِ دل جانب سوئے تست
ہمہ شور و غوغائے ایں عاشقاں
بگردِ سرائے سرکوئے تست

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دوستی قدیم کے محفوظ رکھنے کو پسند کرتا ہے ۔ یہاں محبتِ قدیم سے مراد محبتِ الست ہے ، جو خواہشاتِ نفسانی اور القائے شیطانی کی وجہ سے پردۂ حجاب میں آ گئی ہے ، جیسا کہ سلطان المشائخ نے اس بارے میں حسبِ ذیل شعر پڑھا :

آں نافہ کہ می جستی ہم با تو در گلیم است
تو از سیہ گلیمے بوئے از آں نداری

جب عاشق آئینۂ دل کو صیقلِ محبت سے روشن کر لیتا ہے تو اُس وقت محبتِ الست جان کے دریچے سے سر باہر نکال کر جلوہ گری کرتی ہے :

بیت

از در دل بمنظر جاں آئی
بتماشائے باغ جاناں آئی

مرد اس مرتبے پر اُس وقت تک نہیں پہنچ سکتا ، جب تک کہ اُسے خدائے تعالیٰ کی راہ میں کمال حاصل نہ ہو ۔ جیسا کہ سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ جب تک کہ کسی کے کمال پر اہلِ زمین اور اہلِ آسمان گواہی نہیں دیتے ، وہ شخص ہرگز حق تعالیٰ کی طرف سے مستحقِ ولایت نہیں ہوتا ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک شخص حق تعالیٰ کی محبت کی بہت خواستگاری کرتا تھا ۔ اُسے غیب سے آواز آئی کہ تیرے اعمال لکھ کر تیرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ، لیکن تو اُنھیں نہیں دیکھتا ۔ اگر تو ان اعمال کو پسند کرتا ہے تو ہماری محبت کی خواہش تیرے لیے مناسب ہے ۔

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے ، جب تمھارا اندرون شری کدورتوں سے ملوث ہو اور چہرہ حرص و ہوا کے غبار سے اٹا ہوا ہو ، تو وہ بادشاہوں کی مجلس کے لائق کب ہو سکتا ہے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

خیالت در دلم بنشستہ ہر دم عذر میخواہم
چہ جائے تست اے سلطان! دریں ویرانہ نشستن

مذکورہ بالا آفات کے دور کرنے کے لیے ہر گھڑی یکسوئی کے ساتھ حق تعالیٰ سے ہر لمحہ دعا کرنی چاہیے ۔ جیسا کہ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص دردِ معدہ میں مبتلا ہو تو دوا کھانے سے اس پر اثر ہوتا ہے ، پیٹ پر لیپ کرنے سے اس کا اثر نہیں ہوتا ۔ [۳۶۱] ظاہر ہے کہ پیٹ پر لیپ کرنے سے دوا پیٹ کے اندر کیا اثر کر سکتی ہے ۔ اسی بنا پر درویشوں نے مراقبۂ قلب کو محبّوں کا خاصہ اور عاشقوں کا وظیفہ قرار دیا ہے ۔ وہ اس کو تمام عبادتوں پر مقدم رکھتے ہیں ، مثلاً اگر کوئی چاہے کہ جنگل کو درختوں سے صاف کر دے اور اپنے ہاتھ سے اس مشکل کام کے کرنے میں مصروف ہو جائے ، تو ایک طویل عرصہ گزارنے پر بھی اس کی یہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی ، لیکن اگر وہی شخص اس جنگل میں آگ لگا دے تو وہ جنگل بہت جلد جل جائے گا ۔

یہی مثال مشغولیِ باطن کی ہے کہ جب محبت کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے تو اس آگ میں تمام اخلاقِ رذیلہ اور ذمیمہ بھسم ہو کر رہ جاتے ہیں

اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور وہ محبتِ حق کے لائق ہو جاتا ہے :

بیت

تا نسوزی بر نیاید بوئے عود

پختہ داند ایں سخن با خام نیست

یحیٰی بن معاذ رازی سے پوچھا گیا کہ انسان محبت کی حلاوت کو کب پہنچتا ہے ؟ فرمایا کہ جب جفا اسے شکر کی طرح شیریں معلوم ہونے لگے اور فقر شہد اور حزن کھجور کی طرح معلوم ہونے لگے ۔ یہ شعر اس وقت سلطان المشائخ کی زبانِ مبارک پر آیا :

ہر کہ ما را یار نبود ایزد او را یار باد

و آنکہ ما را رنجہ دارد راحتش بسیار باد

ہر کہ او در راہِ ما خارے نہد از دشمنی

ہر گُلے کز باغِ عمرش بشگفد بے خار باد

فقر شہد کی طرح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنا فائدہ فقر میں نظر آنے لگے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

نظم

تا ترا فقر اختیاری نیست

عشق را با تو ہیچ کاری نیست

پیش معشوق بادشاہ صفت

جز ہمیں عاجزی و زاری نیست

غم و اندوہ کے مثل خرما ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی غذا غم و اندوہ ہو :

من بغمہائے تو ام زندہ وگرنہ در حال

مردہ باشم کہ نماند زوجودم اثرے

ایک سرمہ فروش نے شبلی سے اس وقت کہا کہ جب اُن کو آشوب چشم تھا کہ اے شخص ! آ ، تاکہ میں تمھاری آنکھ میں سرمہ لگاؤں کہ تمھارا آشوبِ چشم جاتا رہے اور تم خلق کو دیکھنے لگو ۔ شبلی نے کہا ، اے سرمہ فروش ! آ کہ میں تمھاری آنکھ میں سرمہ لگاؤں تاکہ تم اندھے ہو جاؤ اور سوائے حق کے خلق کو نہ دیکھ سکو ۔

[۶۶۲] ایک آدمی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ میں تمھیں دوست رکھتا ہوں ۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ سوائے پروردگار کے کوئی مجھے دوست رکھے ، اس لیے کہ میرے باپ نے مجھ سے محبت کی ، اُن کی محبت نے مجھے کنوئیں میں ڈلوایا اور عزیز مصر کی عورت نے مجھ سے محبت کی ، اس کی محبت نے مجھے سالہا سال قید خانے میں رکھا ۔

میں نے ایک آدمی کو برف میں سوتے دیکھا ۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمھارا کیا حال ہے کہ تم برف میں سوتے ہو ۔ اُس نے کہا کہ جو حق تعالیٰ کی محبت میں مشغول ہو جاتا ہے گرمی و سردی اس پر اثر نہیں کرتی ۔

جیسا کہ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ خواجہ احمد معشوق[1] عین سردیوں کے چلتے کے زمانے میں اپنے مقام سے باہر آتے اور بہتے پانی میں کھڑے ہو کر ، جیسا کہ موضع تہلکہ میں ہے ، کہتے ، الٰہی ! میں اس جگہ سے باہر نہ آؤں گا ، جب تک مجھے یہ نہ بتایا جائے گا کہ میں کون ہوں ؟ غیب سے آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ کل قیامت کے دن تمھاری سفارش سے کئی ہی آدمی دوزخ سے چھٹکارا پائیں گے ۔ شیخ احمد نے کہا کہ میں اس پر اکتفا نہیں کرتا ۔ میں چاہتا ہوں کہ میں جان لوں کہ میں کون ہوں ۔ پھر غیب سے آواز آئی کہ ہم نے حکم دے دیا ہے کہ درویش و عارف ہمارے عاشق ہوں گے اور تم ہمارے معشوق ہو گے ۔ اُس وقت خواجہ احمد اُس آبِ رواں سے باہر آئے ۔ جب وہ شہر میں آئے تو ہر شخص جو اُنھیں ملتا تھا کہتا تھا ، السلام علیک یا احمد معشوق ۔

حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا کہ وہ نماز کیوں نہیں پڑھتے تھے ۔ فرمایا ، ہاں ۔ جب اُن سے بہت کہا جاتا تھا کہ آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو کہتے پڑھتا ہوں ، لیکن میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا ۔ لوگوں نے کہا ، یہ کیسی نماز ہے ، جس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی جاتی ۔ اُنھوں نے کہا کہ میں فاتحہ تو پڑھتا ہوں ، لیکن ایاک نعبد و ایاک نستعین

۱۔ خواجہ احمد معشوق : ''نفحات الانس'' میں ان کا نام محمد طوسی اور لقب معشوق طوسی درج ہے ، عاقل و مجنون تھے ۔ طوس میں رہتے تھے ، ان کی قبر بھی وہیں ہے ۔ (نفحات ، اُردو ترجمہ ، ص ۳۲۹)

نہیں پڑھتا ۔ لوگوں نے پھر اصرار کیا کہ یہ بھی پڑھا کرو ۔ مختصر یہ کہ طول و طویل گفتگو کے بعد وہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے ۔ جب وہ اس آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین پر پہنچے تو اُن کے ہر بُنِ مو سے خون جاری ہوگیا ۔ اس وقت اُنھوں نے حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ میں حائضہ عورت ہوں ، مجھ پر نماز نہیں ہے ۔

اس کے بعد سلطان المشائخ [۴۶۳] نے فرمایا کہ ایک بزرگ نے نے بیان کیا کہ میں نے خواجہ احمد غزالی سے سنا کہ قیامت کے دن تمام صدیق تمنا کریں گے کہ کاش کے ہم خاک ہوتے تاکہ کسی روز خواجہ معشوق اس پر پاؤں رکھتے ۔

ایک حکیم نے کہا کہ کسی فلک کی گردش یا طبیعتوں کی ترکیب میں ، نہ قیاس میں ، نہ وہم میں ، نہ حس میں ، نہ ممکن میں ، نہ واجب میں جائز نہیں کہ تم کسی کو محبوب رکھو اور محبوب تمھاری طرف میلان نہ رکھے ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

آخر نہ دل بدل رود انصافِ من بدہ
چونست من بوصلِ تو مشتاق و تو ملول

نیز کہتے ہیں کہ دل ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں ، ایک دوسرے کے گواہ ہوتے ہیں ۔ یہ بات اُس بات کے مطابق ہے کہ ایک دفعہ سلطان المشائخ سے لوگوں نے سوال کیا کہ محب کے تعلقِ خاطر اور اضطراب سے محبوب پر کیا واضح ہوتا ہے ؟ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ یہ بھی اُسی کی طرف سے ہے ، جو وہ کھینچتا ہے ۔ مصرع :

اے بے خبر ! من می روم او میکشد قلاب را

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ ابتدا میں تمام روحیں ایک تھیں ، لیکن اشخاص کی تعداد کی وجہ سے روحیں بھی متعدد ہوگئیں ۔ ایک خدا کے محب سے پوچھا گیا کہ اگر خدائے تعالیٰ نے تمھیں دوزخ میں داخل کیا تو تم کیا کرو گے ؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ میں دوزخ کے سات طبقوں میں گھوم کر کہوں گا کہ یہ جزا اس شخص کی ہے ، جس نے اس سے محبت کی اور یہ ندا بھی دوں گا کہ تیری محبت

نے مجھ پر نیند حرام کر دی اور میرے خون کو حلال کر دیا ۔ حرام و حلال محبت کی شریعت میں اسی طرح ہوتا ہے ۔ پس رات کو دوست کا خیال و جاں میری آنکھوں میں بستا ہے اور میری آنکھیں اس کا صومعہ اور میری آنکھوں کی پتلیاں اس کی راہب ہیں اور جو آنسو اُن سے بہتے ہیں وہ صومعہ کی قندیلیں ہیں

[۳۶۴] نیز فرمایا کہ جب لیلیٰ کی وفات ہوگئی تو مجنوں قبرستان میں داخل ہوا اور ہر قبر کی مٹی کو سونگھنا شروع کیا ۔ آخر جب لیلیٰ کی قبر کی مٹی کو سونگھا تو یہ شعر کہا :

اراد وعر قبرها عن محبته
فطب تراب القبر دل علی القبر

[ارادہ کیا اس کی محبت کی وجہ سے اس کی قبر کی تہ کی مٹی کا ، پس سونگھی قبر کی اُوپر کی مٹی ، جو تہ کی مٹی کی آئینہ داری کرتی ہے ۔]

لیلیٰ نے زبانِ حال سے اس شعر کا جواب دیا :

اگر تو بر گلِ گورم گزر کنی روزے
ببوئے چوں بشناسی کہ ایں کدام گل است

پھر مجنوں نے لیلیٰ کی قبر کی کچھ مٹی اُٹھا کر سونگھی ۔ ایک چیخ ماری اور مرگیا اور لیلیٰ کی قبر کے پاس دفن کیا گیا ۔

حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ کل قیامت کے دن حکم باری تعالیٰ ہوگا کہ ان لوگوں کو حاضر کیا جائے جو دنیا میں ہماری محبت کا دعویٰ کرتے تھے ۔ چنانچہ اُن سب کو حاضر کیا جائے گا ۔ جب وہ حاضر ہوں گے تو حکم ہوگا کہ جس نے ہم سے لیلیٰ و مجنوں کی محبت سے کم محبت کی ہے ، اُس کو میدانِ قیامت میں سزا دی جائے ۔

نیز فرمایا کہ جب مجنوں کو خبر پہنچائی گئی کہ لیلیٰ مرگئی تو مجنوں نے کہا کہ مجھ پر افسوس کہ میں نے ایسی ذات سے کیوں محبت کی کہ جو مر جائے ، یعنی قابلِ اعتبار صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہے ، جو قائم و دائم ہے ۔ اس مفہوم کی مناسبت سے یہ شعر شیخ شیوخ العالم

فریدالحق والدین کی زبان گہربار پر آیا تھا ، وہ شعر یہ ہے :

بیت

رو دل بکسے دہ کہ نمیرد تا تو
از دردِ فـراق او نگری بارے

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس بندے کا گناہ اس کو نقصان نہیں پہنچاتا ۔

پھر سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ کتنے ہی ایسے بندے گزرے ہیں جو ابتدائے حال میں ناشائستہ افعال کرتے تھے ۔ توفیقِ الٰہی اُن کے شاملِ حال ہوئی اور انھیں ان ناشائستہ کاموں سے روک دیا ۔ بعد میں یہ شعر پڑھا :

بیت

تا زاں خودی مگرد گردِ درِ مـا
یا چاکرِ خویش باش یا چاکرِ مـا

چنانچہ مالک دینارؒ نے اپنے ایک جوان ہمسائے کے حق میں بد دعا کرنی چاہی ۔ شاید اس سے ان کو کوئی تکلیف پہنچی تھی ۔ غیب سے آواز آئی کہ اے مالک ! اس جوان کے حق میں بد دعا نہ کرنا [۶۵م] کہ یہ جوان میرے دوستوں میں سے ایک دوست ہے ۔ مالک یہ آواز سن کر حیران و شرمندہ ہوئے ۔ صبح کو اُٹھ کر وہ اس جوان کے پاس آئے ۔ اس نے پوچھا کہ آپ کیسے تشریف لائے ہیں ؟ اُنھوں نے فرمایا کہ میں تم سے معافی چاہنے کے لیے آیا ہوں ۔ اس نے بھی رات کو کچھ دیکھ لیا تھا ۔ وہ بال بچوں کو رخصت کرنے کے لیے گھر میں گیا ، پھر باہر آیا اور کہا میں تمھارے درمیان سے اور تمھارے شہر سے جا رہا ہوں ، پھر اُس نے جنگل کی راہ لی ۔ ایک مدت کے بعد اس جوان کو خانۂ کعبہ میں طواف کرتے ہوئے اس عالم میں دیکھا گیا کہ اس کی پیشانی سے انوارِ ولایت تاباں تھے ۔

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ اس جوان کی جو بھی حالت رہی ہو ، لیکن عشق و محبت کی چاشنی اس کی فطرت میں موجود تھی اور یہی چاشنی اس کی سعادت کا موجب بنی اور اسی محبت کی وجہ سے اس کی گزشتہ نافرمانیوں اور گناہوں نے اس کو نقصان نہ پہنچایا ۔

اب میں پھر اصل مقصد ذکر محبت کی طرف آتا ہوں ۔ مولانا حسام الدین ملتانیؒ خلیفۂ حضرت سلطان المشائخ نے ایک دفعہ فرمایا کہ خدائے تعالیٰ سے اپنے حال کے مطابق درخواست کرنی چاہیے ۔ محبت الٰہی بھی ایک حال ہے ۔ جو شخص کہ منازل سلوک میں مستقیم نہ ہو ، مقامات پر مستقیم نہ ہو ۔ اُس کی اس قسم کی درخواست خدائے تعالیٰ سے حیلہ و مکر ہے ۔ اُن کی یہ بات سلطان المشائخ کے کانوں تک پہنچی ۔ فرمایا ، ایسا نہیں ہے ، بلکہ ہر وقت حق تعالیٰ سے اس کی محبت طلب کرنی چاہیے اور یہ دعا بہت زیادہ پڑھنی چاہیے :

اللھم انی اسئالک حبک و حب من یحبک والعمل الذی یادی الیٰ حبک ۔ اللھم اجعل حبک احب الیٰ من نفسی و اھلی و ما لی من الماء البارد للعطشان ۔

[اے اللہ ! میں تجھ سے تیری محبت اور ان لوگوں کی محبت مانگتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور ایسا عمل مانگتا ہوں کہ جو مجھے تیری محبت کی طرف لے جائے ۔ اے اللہ ! تو اپنی محبت کو میری ذات سے ، میرے مال اور میرے اہل و عیال سے بھی بڑھ کر عطا کر اور اس سے بھی بڑھ کر عطا کر جیسا کہ ٹھنڈا پانی پیاسوں کے لیے عزیز ہے ۔]

یہ دعا رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم [۳۶۶] سے مروی ہے ،

میں نے شیخ الاسلام شیخ معین الدین سنجری کے ملفوظات میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ سلی سے کسی نے پوچھا محبت غالب ہے یا شوق؟ فرمایا کہ محبت ، اس لیے کہ شوق محبت کے بطن سے پیدا ہوتا ہے ۔

نکتہ

اشتیاق اور شوق کے بیان میں

سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز نے فرمایا ، جو اللہ کا مشتاق ہوتا ہے ، ہر شے اس کی مشتاق ہو جاتی ہے ۔

نیز فرمایا کہ حق تعالیٰ نے پیغمبر داؤد علیہ السلام پر وحی کی کہ اے داؤد ! بنی اسرائیل کے جوانوں کو کہو کہ تم نے اپنے نفس کو میرے سوا دوسروں میں کیوں مشغول کر رکھا ہے ، در آنحالیکہ میں تمہارا مشتاق ہوں ۔ یہ کیا ظلم ہے کہ تم غیر میں مشغول ہو ۔

شیخ ابوالقاسم قشیری نے لکھا ہے کہ جب اشتیاق کی آگ مشتاق کے باطن میں شعلہ زن ہوتی ہے تو اس کی روشنی سے زمین و آسمان کے درمیان ہر شے منور ہو جاتی ہے ۔ جو دل کہ نورِ الٰہی سے منور ہوتا ہے ، وہ بارگاہِ لایزال کا مشتاق ہو جاتا ہے ۔ پھر اس کو تمام ملک و ملکوت میں جلوہ گر کیا جاتا ہے اور کونین میں ندا دی جاتی ہے کہ یہ وہ قوم ہے کہ جن کے قلوب ہمارے نورِ اشتیاق سے منور ہیں اور ہماری ذات کے مشتاق ہیں ، تم گواہ رہو کہ میں اُن کا اُن سے زیادہ مشتاق ہوں ۔ کسی ولی نے فرمایا ہے :

ما من شئی عندالرحمٰن اعلٰی منزلة من الشوق والشوق المحمود ۔

[کوئی شے اللہ کے نزدیک شوق کے مرتبے سے اعلٰی نہیں اور شوق کی تعریف کی گئی ہے ۔]

دس انوار :

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ مومن کے لیے دس انوار ہیں ، نورِ روح ، نورِ عقل ، نورِ معرفت ، نورِ علم ، نورِ یقین ، نورِ توفیق ، نورِ بصر ، نورِ حیا ، نورِ محبت اور نورِ شوق ۔

شعر

شوق الٰی و جناب وجہک سیدی
شوق المریض الی البــاب العــافیہ

[میرا شوق اے محبوب ! تیرے چہرے کی طرف ایسا ہے ، جیسے مریض کا شوق صحت و عافیت کے دروازے کی طرف ۔]

نکتہ

عشق کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ عشق محبت کا آخری درجہ ہے اور محبت عشق کا پہلا مرحلہ ہے ۔

عشق کی لغوی تحلیل :

نیز فرمایا کہ عشق عشقہ سے لیا گیا ہے ۔ عشقہ ایک گھاس ہے ، جو باغوں میں اُگتی ہے اور بیل کی صورت میں درخت پر پھیلتی ہے ۔ پہلے وہ زمین میں اپنی جڑیں مضبوط کرتی ہیں ، پھر اس کی شاخیں نکلتی ہیں اور درخت کو اس طرح لپٹتی ہیں کہ تمام درخت کو گھیر لیتی ہیں اور درخت کو اپنے شکنجے میں لے لیتی ہیں کہ نمی درخت کی رگوں میں نہیں رہتی ۔ جو بھی آب و ہوا اس بیل کے توسط سے درخت کو پہنچتی ہے ، اسے تاراج کر دیتی ہے ، یہاں تک کہ درخت خشک ہو جاتا ہے :

بیت

تاراج خوبروئے در ملکِ جاں [۳۹۷] در آمد
آں دل کہ بود وقتے گوئی نبود ما را

نیز فرمایا ، جب عشق آدمی کو لپٹ جاتا ہے اُس وقت تک آدمی سے جدا نہیں ہوتا جب تک کہ وہ انسانیت کو باطل نہیں کر دیتا ، جیسا کہ عشقہ کی بیل جس درخت کو لپٹتی ہے ، جب تک اس درخت کو خشک نہیں کر لیتی دم نہیں لیتی ۔ عشق بھی آدمی کے ساتھ وہی کرتا ہے کہ جو عمل عشقہ کی بیل درخت پر کرتی ہے ، جیسا کہ ایک ولی نے اولیاء میں سے کہا ہے :

شعر

عشق و تجلد و صبر و سکوت
ما اظفر بالمراد والعمر یفوت

[عشق اور وابستگی ، صبر اور خاموشی ، مقصود کے لیے اعلیٰ درجے کی کامیابی ہے اور عمر گزرتی جا رہی ہے ۔]

قالوا اتتشد قلت لا یمکننی
قالوا اتموت ھکذا قلت اموت

[اُنھوں نے کہا سختی قبول کرو گے ۔ میں نے کہا ممکن نہیں ۔ انھوں نے کہا ، کیا تم ایسے ہی مر جاؤ گے ، میں نے کہا ہاں مر جاؤں گا ۔]

نیز میں نے سلطان المشائخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جناب

نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جو عشق غیر اللہ سے کیا جاتا ہے ، وہ بھی عاشق بیچارے کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے ۔ اے عزیز ! اس حدیث سے بہت کچھ اُمید بندھتی ہے ۔

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جب مخلوق کا عشق عاشق کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے ، تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ذاتِ الٰہی کا عشق کیا اثر رکھتا ہوگا ۔ جہاں تک ہو سکے عشقِ الٰہی کے دروازے کو کھٹکھٹاؤ ۔ اگرچہ داناؤں نے کہا ہے کہ عشق خود بخود آتا ہے ، سیکھنے سے نہیں آتا ۔ تاہم ہم کو اس کے کے لیے کوشش اور جد و جہد کرنی چاہیے ۔ شیخ سعدی کہتے ہیں :

بیت

حیف بود مردن بے عاشقی
تا نفسے داری نفسے بکوش

تا کہ تم اس دعا کے مستحق ہو ، جس کی طرف اشارہ اس شعر میں کیا گیا ہے ۔ جو سلطان المشائخ کی زبانِ مبارک سے نکلا ، وہ یہ ہے :

بر روئے زمیں بہر کجا بر لائیست
عاشق بادا کہ عشق خوش سودائیست

عاشقوں کی خاکِ پا کو اپنی جہان کی دیکھنے والی آنکھوں کے لیے سرمہ بناؤ ۔ حکیم سنائی نے کیا اچھا فرمایا ہے :

بیت

بخ بخ اے عاشقانِ خوش رفتار
خہ خہ اے عارفانِ شیریں کار
در جہاں شاہدے و ما غافل
در قدح جرعہ و ما ہشیار
پس ازیں دستِ ما و دامن دوست
بعد ازیں گوش ما و حلقۂ یار

عاشق صادق کا دامن پکڑو ۔ جیسا کہ سلطان المشائخ نے اس بارے

میں فرمایا ہے:

فتراک بکے ز عاشقاں گیر
پس تیغ بر آورد جہاں گیر

نیز آپ نے یہ شعر پڑھا اور فرمایا کہ یہ شعر شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ کا ہے:

با عاشقاں نشین و غمِ عاشقی گزین
باہر کہ نیست عاشق کم کن ازو قرین

شاید کہ عاشقوں کے عشق کے باغ کی خوش بو تمہارے دل کے پھول کو کھلا دے۔ امیر خسرو [۳۹۸] کرک اللہ نے کیا اچھا کہا ہے:

بیت

صبا نسیم تو آورد و تازہ شد دل خسرو
گلے چنیں نشگفتہ است ہیچ بادِ صبا را

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت زینب بنت جحشؓ کا جو قصہ "روح الارواح" میں لکھا ہے اسے پڑھو اور دیکھو کہ خدائے عزوجل نے عاشقوں کے حق میں کیا کرم فرمائے ہیں اور کس کس قسم کی ترغیبیں دی ہیں۔ اے اللہ! اپنی، اپنے حبیبؐ اور اپنے اولیاء کی محبت کی حلاوت ہمیں عنایت فرما۔ اس قصے کی تفصیل یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے شبِ معراج میں اس بے وفا دنیا نے زیور سے آراستہ ہو کر عرض کیا، اگر سیّد عالم ہماری طرف نظر کریں تو ہمارے عیب ہنر بن جائیں اور ہمارا سارا زہر شکر سے تبدیل ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جواب دیا، اے دنیائے فرومایہ! تیری یہ طمع کتنی خام ہے۔ آج فردوس اعلیٰ کی بھی یہ جرأت نہیں کہ ہمارے سرا پردۂ عزت کے گرد پھٹکے۔

اے درویش! یہ عجب راز ہے کہ شبِ معراج میں ملک و ملکوت کی زینت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہ کی، لیکن جب زید کے دروازے پر آئے تو شور برپا ہوا۔ کلبیؒ کا قول ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب زیدؓ کی ملاقات کے لیے آئے تو آپ کی نظر زینب

بنت جحشؓ پر پڑی جو زیدؓ کی منکوحہ تھیں ۔ اس وقت زینبؓ کھڑی ہوئی تھیں ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پسند آئیں اور آپ نے یہ کلمات فرمائے : سبحان اللہ مقلب القلوب (پاک ہے اللہ جو قلوب کو بدلنے والا ہے) ۔ جب یہ بات زینبؓ نے سنی تو وہ بیٹھ گئیں ۔ جب زیدؓ گھر میں واپس آئے تو اُنھوں نے یہ سارا واقعہ زیدؓ سے بیان کیا ۔ زید سمجھ گئے ۔ اُنھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری بیوی زبان دراز اور متکبر ہے ۔ مجھے اجازت دیجیے کہ زینبؓ کو طلاق دوں ۔ آپ نے فرمایا ، امسک علیک زوجک (اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو) ، لیکن اس وقت آپ کے دل میں بالکل اس کے خلاف تھا جسے آپ نے پوشیدہ رکھا ۔ حق تعالیٰ نے اُسے ظاہر کر دیا ۔ اس بارے میں مختلف قول ہیں ۔

اول یہ کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پہلے اس بات کو زیدؓ سے چھپائے [۹۶۹] رکھا اس لیے کہ جب زیدؓ زینبؓ کو طلاق دیں گے تو وہ اُن سے نکاح کر لیں گے ، پس اس کے ظاہر کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔

دوسرا قول یہ ہے کہ خدائے عزوجل نے آپ سے فرمایا تھا کہ زینب بنتِ جحشؓ تمھاری بیویوں میں ہوں گی ۔ حضرت زینبؓ سے نکاح کرنے سے پہلے آپ لوگوں کی زبان سے ڈرتے تھے ، اس لیے فرمانِ الٰہی صادر ہوا کہ واللہ احق ان تخشاہ (اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے) ۔ جب زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زیدؓ سے فرمایا کہ جاؤ زینبؓ کو بلا لاؤ ، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ ہم نے زینبؓ کو تمھارے نکاح میں دیا ہے ۔ چنانچہ وہ حضرت زینبؓ کے گھر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا ۔ حضرت زینبؓ نے پوچھا کون ہے ؟ اُنھوں نے کہا ، زیدؓ ۔ حضرت زینبؓ نے کہا ، تم تو مجھے طلاق دے چکے ہو ، اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو ؟ زیدؓ نے کہا ، مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تمھیں بلانے کے لیے بھیجا ہے ۔ حضرت زینبؓ نے کہا ، مرحبا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ۔ اس کے بعد حضرت زینبؓ نے سجدۂ شکر ادا کیا ۔

قتادہ کا قول یہ ہے کہ زینبؓ آخر عمر تک رسول اکرمؐ کی دوسری بیویوں سے فخر کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں کہ تمھارے والدین نے تمھیں

رسولِ اکرمؐ کے نکاح میں دیا ہے اور مجھے حق تعالیٰ نے آپ کے نکاح میں دیا ہے۔

اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب زیدؓ کے گھر کے دروازے پر آئے ، آپ کی نظر حضرت زینبؓ پر پڑی۔ یہ پہلی نظر تھی اور پہلی نظر کا شریعت میں مواخذہ نہیں ، لیکن پہلی ہی نظر میں خرمنِ صبر برباد ہوگیا۔ غیب سے ندا آئی کہ اے محمد! تمہاری وہ نظر جو ہمارے سوا غیر پر پڑی ، ہم اس پر قادر تھے کہ اس نگاہ اور خیال کو تمہارے دیدہ و دل سے بالکل نکال دیتے ، لیکن اس میں یہ راز تھا کہ ہم نے اس طرح مفلسوں اور شکستہ دلوں کے دل کو خوش کیا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم باوجود منصبِ رسالت اور قوتِ نبوّت کے اپنے دل کو قابو میں نہ رکھ سکے تو اس بےچاری مشتِ خاک کی کیا ہستی ہے کہ دیدہ و دل کو قابو میں رکھ سکے[1] ، چنانچہ شیخ سعدی فرماتے ہیں :

قطعہ

نظر بر نیکواں رسمے است معہود
نہ ایں بدعت من آوردم بعالم

حدیثِ عشق اگر گوئی گناہ است
گناہ اوّل ز حوّا بود و آدم

اگر دعوئ کنی پرہیزگاری
مسلم دارمت واللہ اعلم

وگر گوئی کہ میلِ خاطرم نیست
من ایں دعوئ نمی دارم مسلّم

کاتبِ حروف نے ایک عزیز مسافر سے سنا تھا کہ تبریز میں ایک دیوانہ [۲۰۷م] تھا۔ اگر وہ کسی حسین اور خوبصورت کو دیکھتا تو کھڑے ہوکر خوب غور سے اس کے روئے زیبا پر ایک نظر ڈالتا ، پھر

۱۔ "روح الارواح" کی یہ روایت بہت سی ذہنی اشتباہ و اشکال پیدا کرتی ہے۔ اس پر مفصل بحث کے لیے دیکھیے ، راقم کی کتاب "پاک بیبیاں" ص ۱۲۱ تا ۱۳۰۔

روتا اور چلا جاتا :

بیت

ایں چہ لطف بود کہ خونم بریخت
ویں چہ نمک بود کہ ریشم بخست

پھر اسی عاشق صادق نے کہا ہے کہ :

سرشکِ یار کہ در میرسد از عالمِ غیب
بر دلِ ریش عزیزان نمکے می باشد

پھر اسی صاحب دل نے کہا ہے :

قطعہ

در تو اے خواجہ ! اگر صبر و شکیبائی ہست
در من اینست کہ صبرم ز لیکو رویان نیست
اے کہ مطبوع ! بہ بینی و تامل نکنی
گر ترا قوتِ آن ہست مرا امکان نیست

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ بعض کہتے ہیں کہ ہم حسن میں کرشمۂ قدرت کو دیکھتے ہیں ، نہ کہ معشوق کی خوب صورتی کو ۔
شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے داماد عراقی نے بھی یہی فرمایا کہ حسن میں ہماری نظر خدائے تعالیٰ کی صنعت پر ہوتی ہے ۔
شیخ سعدی فرماتے ہیں :

بیت

مرد باریک نظر در ملخ و مور کند
آن تامل کہ در زلف و بنا گوش کنی

اس کام کی اصل یہ ہے کہ عشق ورع کو ڈھانپ نہیں سکتا ۔ وہ نظر کوئی حیثیت نہیں رکھتی لیکن جب ورع جاتا رہتا ہے تو عشق تسلیم کیا جاتا ہے ۔
نیز فرمایا کہ جو شخص لڑکوں کی صحبت میں رہتا ہے وہ اس راہ کی نعمت سے محروم رہتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ اس راہ میں جو بھی گرا ہے عورتوں کی صحبت سے گرا ہے ۔
نیز فرمایا کہ درویش کو چاہیے کہ درد سے لذت حاصل کرے ۔

ہمارا یہ اندازہ ہے کہ جب لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے تو وہ دنیا و مافیہا کو بھول جاتے ہیں ۔

اس کے بعد فرمایا کہ وہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا نہیں ، جسے اپنے مولیٰ کی دی ہوئی تکلیف میں لذت نہیں آتی اور آقا اُسے مارتا ہے ۔

کاتب حروف نے امام ابوالقاسم قشیری کے رسالے میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ابو سعید خراز نے ابلیس کو خواب میں دیکھا تو اس سے کہا کہ آؤ ۔ ابلیس نے کہا کہ میرا تم سے کیا واسطہ ، اس لیے کہ تم نے تو اپنے نفس سے اس چیز کو دور کر لیا ہے ، جس سے میں لوگوں کو دھوکا دیتا ہوں ۔ ابوسعید خراز نے کہا ، وہ چیز کیا ہے؟ ابلیس نے کہا ، وہ دنیا ہے ۔ یہ کہہ کر اس نے پیٹھ پھیری اور چلا گیا ۔ پھر اس نے مڑ کر مجھے دیکھا اور کہا کہ سوائے ایک لطیفے کے جو مجھے تم میں دکھائی دیتا ہے ، مجھے آپ سے کچھا ہے ۔ ابوسعید خراز نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ نوخیزوں کی صحبت ہے ، (شاید اس کے ذریعے سے میرا کام بن جائے) ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اس راہ کی سب سے بڑی مصیبت نوخیز لڑکوں کی صحبت ہے ۔ جو اس میں مبتلا ہوا وہ اتفاقی مشائخ ایسا شخص ہے جسے خدائے تعالیٰ سخت ذلیل کرتا ہے ۔ (۴۷۱)

نیز لکھا ہے کہ فتح موصلیؒ نے کہا کہ میں تیس بزرگوں کے پاس گیا جو ابدال تھے ۔ سب نے مجھے رخصت کرتے وقت یہی بات کہی کہ نوخیزوں کی صحبت سے پرہیز کرنا ۔

جو شخص اس بارے میں القا کرتا ہے تو یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی حالت فسق و عشق کی ہے ، کیونکہ یہ روح کی بلا ہے ۔ اس بارے میں مشائخ کے شواہد اور حکایات بہت سی بیان کی جاتی ہیں ۔ بہتر یہ ہے کہ ان ہفوات اور آفات سے (بخیر و خوبی) گزر جائے ۔ امام قشیری[۱] نے لکھا ہے کہ اس نگاہ سے دیکھنا بھی شرک ہے ۔

۱۔ امام قشیری نے ''رسالہ قشیریہ'' کے ساتویں باب (مریدوں کو وصیت) کی فصل دوم میں لکھا ہے کہ : اس راہ میں سخت ترین آفت نوخیز لڑکوں کی صحبت ہے ۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی صحبت میں مبتلا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

خواجہ سنائی فرماتے ہیں :

ابیات

سـاہـد ہیچ ہیچ را چہ کنی
اے کم از ہیچ ، ہیچ را چہ کنی

چہ کنی یـاد خوبیِ خوباں
عمـرِ خود بر زۂ نکو روباں

شاہدانِ زمانہ خورد و بزرگ
چشم را گوسفند و دل را گرگ

گرچہ از چشم عـالم افروزند
از مژہ دل برند و جاں سوزند

آن نگارے کہ سوئے او نگری
او دلت بُرد ازو تو درد بری

سالک کے لیے واجب ہے کہ وہ نوخیز لڑکوں کی ہمنشینی سے پرہیز کرے ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

خدنگِ غمزۂ خوباں خطا نمی افتد
اگرچہ طائفۂ زہـد را اسیر کند

کاتبِ حروف اس مسئلے میں عرض پرداز ہے کہ معشوق کو چاہیے کہ وہ بادشاہ ہو اور عاشق ، اُس بادشاہ کا فقیر ہو ۔ اگرچہ بادشاہوں اور

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)
کر دیا تو اس پر تمام شیوخ کا اتفاق ہے کہ اس کو اللہ تعالٰی نے ذلیل و خوار کر دیا . . . یہ سب ان لوگوں کے وسوسے ہیں جو صنعتِ خداوندی کا مشاہدہ کرنے کے قائل ہیں اور وہ اس سلسلے میں بعض شیوخ کی حکایات بھی بیان کرتے ہیں ، حالانکہ اُن کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ ان شیوخ کے عیوب پر پردہ ڈالتے ۔ یہ تمام قسم کے خیالات شرک اور کفر کے برابر ہیں ۔ (ترجمہ رسالہ قشیریہ ۔ مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن ، صفحات ۶۴۵ - ۶۴۶)

فقیروں میں کوئی مناسبت نہیں ۔ امیر خسرو فرماتے ہیں :

بیت

یُسْتم سلطانِ ملکِ حسن ما در سلکِ درویشاں
دلا ! دامنِ فراہم کن کجا ماؤ کجا ایشاں

لیکن عاشق پوشیدگی میں نظر نہیں کرتا ۔ جیسا کہ شیخ سعدی نے کہا ہے :

سعدی نہ حریفِ غم او بود و لیکن
با رستمِ دستاں بزند ہر کہ سر الداخت

اسی کے مناسب سلطان المشائخ نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے شیخ بدرالدین غزنوی قدس اللہ سرہ العزیز سے سنا تھا کہ کہتے تھے کہ میرے والد شیخ محمد اجل شیرازیؒ کے مرید تھے ۔ میں نے اُن سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ شیخ بایزید بسطامی قدس سرہ العزیز اپنے چالیس مریدوں کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے ۔ اگر پانی گہرا آتا تو پانی کی سطح پر پاؤں رکھ کر پار ہو جاتے [۲۷۳] ۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں بھی خواجہ محمد اجل کا مرید ہوں اور مجھے پانی پر چلنے کی قدرت نہیں ، یا تو یہ ہمارے شیخ کی کمی ہے ، یا ہم میں اس کی صلاحیت نہیں ہے ۔ ایک دن میں نے اپنے اس خطرے کا ذکر اپنے شیخ خواجہ محمد اجل سے کیا ۔ خواجہ محمد اجل نے جواب دیا کہ شیخ بایزید قدس سرہ کے مرید صرف اپنی جان کے لیے صاحبِ کرامت تھے اور ہمارے مرید بادشاہوں کی سی ہمت رکھتے ہیں ۔ میری سمجھ میں ان کا شاہانِ ہمت ہونے کا اشارہ نہ آیا ، یہاں تک کہ میں دہلی آیا اور قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے وعظ میں حاضر ہوا ۔ میں قاضی حمیدالدین سے چھپ کر مسجد کے ایک ستون کی آڑ میں بیٹھا ۔ میں نے ایک کاغذ پر لکھ کر قاضی حمید الدین کی خدمت میں بھجوایا کہ شاہانِ ہمت کون لوگ ہوتے ہیں ؟ جب قاضی حمیدالدین نے میرا پرچہ ہاتھ میں لیا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میری یہ سیاہ ڈاڑھی آپ کے پیروں تلے ہو ۔ مجھے یہ بتائیے کہ شاہانِ ہمت کون ہیں ؟ یہ بات ابھی میرے دل میں گزر رہی تھی کہ قاضی حمید الدین نے منبر پر سے فرمایا کہ میری سفید ڈاڑھی تیرے قدموں تلے ہو ۔ شاہانِ ہمت وہ لوگ ہیں جو بے تابی کی بھٹی میں جل رہے ہوں اور بادشاہوں کے عشق کا سودا اُن کے سر میں ہو ۔

یہ ضعیف کہتا ہے :

شاہان ہمت اند ہمہ دوستان ما
اندر خرابہ ساکن و مالک جہاں بدست

''روح الارواح'' میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ زادہ اپنے حسن و جمال ، صباحت و ملاحت میں اپنے زمانے میں اپنی مثال نہ رکھتا تھا :

بیت

گوئے ملاحت ربود زلف تو در دلبری
زیبد اگر ملک حسن زیر نگین آوری
لالہ رخ و نوش لب و خوب خط و مشک خال
سرو قد راستیں ، عشوہ دہ دلبری

یہ بادشاہ زادہ سواری ، چالاکی اور خوب صورتی میں بے نظیر زمانہ تھا :

قطعہ

تو بدیں شوخی و چالاکی و شکالی و ناز
تو بدیں غمزۂ دل دوز و شکارے انداز
قصد جاں کردہ و دل دوختہ و دیں بُردہ
گشتہ تاراج ز تو جملہ مسلمانان باز

یہ بادشاہ زادہ جیسا کہ شاہزادوں کا طریقہ ہوتا ہے ، کبھی کبھی گیند بلا کھیلنے کے لیے میدان میں جاتا اور عاشقوں کے دلوں کی گیند کو اپنی زلف کے بلتے کے خم میں لایا کرتا ۔ [۴۷۳] الغرض ایک درویش عارف کی نظر اُس بادشاہزادے کے جمال جہاں آرا پر پڑی تو اس کا دل بے قابو ہو گیا :

اے متقی ! گر اہل دلی دیدہ ہا بدوز
کیناں بدل ربودن مردم مقیّد اند
یا برقعہ بچشم تامل فرو گزار
یا دل بنہ کہ پردہ ز کارت بر افگنند

ہر روز یہ درویش جانباز اس میدان میں جہاں شہزادہ گیند بلا

کھیلتا تھا ، اُس دلوں کے آشوب (شہزادے) کو دیکھتا ۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں :

قطعہ

نظرے مباح کردہ ز ہزار چوں معطل
دل عارفاں بردند و قرار ہوشمنداں
مگر آنکہ ہر دو چشمش ہمہ عمر بستہ باشد
بورع خلاص یابد ز فریب چشم بنداں

جب بادشاہ زادہ گیند کھیلنے کے لیے آتا تو درویش اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر بے ہوش ہو جاتا ۔ جب ہوش میں آتا تو دعا کرتا اور یہ شعر پڑھتا :

بیت

گوئے برنن زخم از چوگاں خورد
ایں فدائے دل شدہ برجاں خورد

شیخ سعدی کہتے ہیں :

در حلقۂ صولجانِ زلفش
بے چارہ دلم فتاد چوں گوست
می سوزد و ہمچناں نکو خواہ
می میرد و ہمچناں دعا گوست
خونِ دلِ عاشقانِ مسکیں
در گردن و دیدۂ بلا جوست

اُس درویش کے عشق کی حکایت فاش ہوئی اور یہ حکایت عام و خاص کے کانوں تک پہنچی ، کیونکہ جب آفتابِ عشق سوختہ دلوں اور عارفوں کے دل پر چمکتا ہے تو صبر کا پردہ اُسے جھپا نہیں سکتا ۔ جیسا کہ امیر خسرو ترک اللہ فرماتے ہیں :

سر پنجۂ عقلم را بپیچیدہ بروں شد دل
اے صبر ! ہمیں بودہ است بازوئے توانائی

بادشاہ زادے کے ندیموں نے درویش کی ساری کہانی شاہزادے کو سنائی ۔ شاہزادہ یہ داستان سن کر مسکرایا اور ادائے خاص سے اس پر اظہار

راۓ سے اغماض کیا ۔ دوسرے دن اُس نے اپنے ندیموں سے کہا کہ میں اُس درویش کو پہچانتا نہیں ۔ مجھے بھی دکھاؤ کہ وہ جان سے بے زار کون ہے ؟ جو مجھ جیسے کی کمر میں ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے ۔ لوگوں نے کہا کہ وہ بے چارہ ایک مسکین ہے کہ جس کی پیشانی سے عاشقوں کا نور تاباں ہے ۔ جب آپ میدان میں گیند کھیلنے کے لیے جائیں گے ، تو ہم آپ کو اس درویش کو دکھائیں گے ۔ الغرض شاہزادے نے یہ بات دل میں رکھتے ہوئے خود کو آراستہ کیا ۔ شاہی تاج سر پر رکھا اور شاہی پٹکا کمر میں باندھا ۔ اس واقعہ کی مناسبت سے ایک شعر شیخ شیوخ العالم فرید الحق والشرع والدین کی زبانِ مبارک پر آیا ہے :

قبایش را شدم بندہ کہ چوں بکشاد بنشیند
ولے خصمِ کمر بندم کہ چوں برپشت برخیزد

---

[۷۲۴] من سرو را قبا نہ شنیدم کہ کمر بست
بر فرق آفتاب ندیدم کلاہ را

گر صورتے چنیں بقیامت بر آورند
فاسق ہزار بار بگوید گناہ را

قبا را باز پوشیدی بصد ناز
بر آں بندے کمر بستی بہ اعزاز

کلاہِ نازنین بر سر نہادی
ترا زیبد کہ دادِ حسن دادی

بدورانِ کلہ دلہاست گرداں
فدائے آں کمر جانہائے مرداں

خیال جعد پیچا پیچ اے یار !
بگردا گرد دل پیچید چوں مار

دو دیدہ منتظر دارم براحت
فتادہ درمیانِ خاک راہت

مگر وقتے نہد بر دیدہ ہا پائے
سمندِ نازنینِ باد پیمائے

مختصر یہ ہے کہ شاہزادہ اُس درویش کی جان لینے کے لیے میدانِ بدل رُبائی کی طرف روانہ ہوا ۔ جب وہ اُس میدان میں پہنچا تو جس قدر وہ اپنے چوگان بازی کے فن کا مظاہرہ ہر روز کرتا تھا ، اُس سے زیادہ اُس دن کیا ۔ اس موقع پر اُس نے اپنے ندیموں سے کہا کہ مجھے اُس درویش کو بتاؤ ، جس کی موت اس کے سر پر کھڑی ہے ۔ اُنھوں نے کہا ، دیکھیے وہ درویش وہ ہے ، جو تماشائیوں کے درمیان زرد رو گدڑی پہنے ہوئے ، ضعیف و کمزور ، حیران و پریشان دانتوں میں انگشتِ حسرت دبائے متحیر کھڑا ہے ۔ شاہزادے نے اپنے شکار کو دیکھ کر اُس کی جانب سے عمداً تغافل اختیار کیا ۔ امیر خسرو فرماتے ہیں :

بیت

تغافل کردنت بے فتنہ نیست
فریبے مرغ باشد خواب صیاد

پھر بلے سے گیند اس درویش کی طرف پھینکی ۔ جیسے ہی گیند درویش کے پاس آئی تو شاہزادہ تیزی سے گھوڑے پر سوار درویش کے پاس پہنچا اور جان لیوا ادا سے اس درویش کی طرف اشارہ کیا کہ گیند مجھے دو ۔ جان باز درویش نے گیند زمین پر سے اُٹھائی اور نہایت ادب سے گیند شاہزادے کو دینے کے لیے اس کے پاس گیا ۔ شاہزادے نے وہ گیند اپنے یدِ بیضا اور ساعد سیمیں سے اس درویش کے ہاتھ سے لی ۔ اسی وقت اُس درویش نے اپنی جان کی گیند ، جو میدانِ عشق میں رکھی ہوئی تھی ، جاناں کے سپرد کی :

بسم ساعدت جاناں بجز کالائے جانم را
تو سیم از آستیں برکش من از تن برکشم کالا

جب شاہزادے نے دیکھا کہ درویش نے اپنی جان ، جاناں کو دے دی تو وہ فوراً سمندِ ناز سے اُترا [۵۷۰] اور اس عاشق صادق درویش کا سر بغل میں لیا ، جیسا کہ ایک عزیز نے کہا ہے :

بیت

جز تو دریں زمانہ ملک با ہزار چشم
ہرگز ندیدہ است کہ درویش بادشاہ

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور اس کی غریبی پر افسوس کرنے لگا - پھر اس نے کہا کہ اس شہید عشق کو ، جو دین کا بادشاہ ہے ، ہمارے آبا و اجداد کے قبرستان میں ، جو دنیا کے بادشاہ تھے ، دفن کیا جائے ، تا کہ اس کی برکت سے وہ سب بھی بخشے جائیں -

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ عاشق کے لیے جہاں تک ممکن ہو سکے معشوق کے رموز و اشارات کو جو اس کے اور محبوب کے درمیان پیش آئے ہیں پوشیدہ رکھے ، یہاں تک کہ وہ شایانِ اسرار ہو جائے اور معشوق کا محرم راز بننے کے قابل ہو جائے - اگرچہ عشق میں یہ بات میسر ہونا مشکل بلکہ ناممکن ہے - شیخ سعدی کہتے ہیں :

رباعی

گر بگویم کہ مرا با تو سرو کارے نیست
در و دیوار گواہی بدہد کارے ہست
عشقِ سعدی نہ حدیثے ست کہ پنہاں ماند
داستانے است کہ بر ہر سرِ بازارے ہست

لیکن کمالِ عشق کا مرتبہ یہ ہے ، جیسا کہ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ عشق میں انسان کو وسیع حوصلہ ہونا چاہیے ، تا کہ وہ اسرارِ دوست کے قابل ہو سکے - نیز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ، جو عاشق ہوا اور پرہیزگار رہا اور اس نے اپنے عشق کو چھپایا اور مر گیا ، تو وہ شہید مرا - بے شک کاملوں اور واصلوں کا مرتبہ یہی ہے ، جیسا کہ شیخ فریدالدین عطار نے فرمایا ہے :

گرمیِ وصلش چو دریا در کشد
مست لایعقل مستو مخمور باش
گنجِ وحدت گیر چوں عطار پیش
بس بگنجے در شود مستور باش

جس نے بھی دوست کے اسرار کو ظاہر کیا ہے اس کی جان پر بن آئی ہے -

حکایت عین القضات ہمدانیؒ :

جب عین القضات ہمدانی پر تجلیِ خاص واقع ہوئی ، عین اس عالم میں اُنھوں نے تمنا کی کہ لوگ مجھے جلائیں اور تُو دیکھے :

من خس را کہ بسوزند بکویت غم نیست
غمم اینست کہ پیشِ در سو درد کنند

ان کے اس خیال کو بدعقیدگی سے منسوب کیا گیا۔ خواجہ احمد غزالی نے اُن سے کہا کہ اپنے اعتقاد کے بارے میں کچھ لکھیے تاکہ آپ رہائی پائیں۔ اُنھوں نے کہا کہ میں نے تو اسی دن کے لیے یہ دعا کی ہے۔ اُس زمانے میں عین القضات کی عمر پچیس سال کی تھی۔ ان کو زندہ جلایا گیا۔ [۷۲۶م] عین جلنے کی حالت میں اُنھوں نے آہ کی۔ لوگوں نے اُن سے کہا کہ تم تو کہتے تھے کہ میں نے اس دن کے لیے دعا کی ہے۔ اب آہ آہ کیوں کرتے ہو ؟ فرمایا ، میں جلنے پر آہ نہیں کرتا ، بلکہ اس پر آہ کرتا ہوں کہ جلدی جل رہا ہوں۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

غمم از سوزِ تنم نیست ازآں می سوزم
کہ من سوختہ پیشِ تو رواں می سوزم
سوختن لبود آں گونہ کہ ساکن سوزی
تابہ پیشِ رخِ تو شعلہ زناں می سوزم

کہتے ہیں کہ جب عین القضات کو جلایا گیا تو اُس جگہ سے ایک ڈبیا نکلی جس پر مہر لگی ہوئی تھی :

بیت

مسکیں دلم کہ حقہٗ رازِ نہانِ تست
ترسم کہ باز در کفِ نامحرم اوفتد

الغرض اُس ڈبیا کو کھولا گیا تو اُس میں سے یہ رباعی لکھی ہوئی نکلی :

ما مرگ شہیدے ز خدا خواستہ ایم
از حق دو سہ چیز کم بہا خواستہ ایم

گر یار بہاں کند کہ ما خواستہ ایم
ما آتش و نفت و بوریا خواستہ ایم

ان کو بھی بورے میں لپیٹ کر ، نفت ڈال کر جلایا گیا ۔

قاضی حمیدالدین ناگوری فرماتے ہیں :

رباعی

ابجدِ عشقت چو بیا موختم
پیرہن محنت و غم دوختم
حاصل عشق ازیں سخن بیش نیست
سوختم و سوختم و سوختم

منصور حلاج کا واقعہ :

"روح الارواح" میں لکھا ہے کہ جب منصور حلاج کو دار پر چڑھایا گیا تو شبلیؒ نے فرمایا کہ میں نے اس شب میں تمام رات خدائے تعالیٰ سے التجا کی ، یہاں تک کہ صبح صادق کے وقت سر سجدے میں رکھ کر عرض کیا کہ اے خدائے تعالیٰ ! یہ بھی تیرا بندہ مومن ، موحد ، معتقد اور اولیاء اللہ میں سے تھا ، پھر اس سے کون سی ایسی خطا سر زد ہوئی کہ اس کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ۔ جب میں سو گیا تو غیب سے میرے کان میں آواز آئی ، یہ ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ تھا ، جس پر ہم نے اپنے بھیدوں میں سے ایک بھید ظاہر کیا ، مگر اس نے اس کو فاش کر دیا ، اس لیے ہم نے اس پر وہ نازل کیا جو تم دیکھ رہے ہو :

بیت

گر زبانِ تو راز وار ستی
تیغ را با سرت چہ کار ستی

منصور کے متعلق بابا فرید گنج شکر کی ایک رباعی :

خواجہ منصور پر جو کچھ گزری اس کے متعلق اکثر یہ رباعی

شیخ شیوخ العالم کی زبانِ مبارک پر آتی تھی :

رباعی

از نــورِ جــلال مرد مطلــق خیزد
و از شوق خــدا نگر چــہ رونق خیزد
این خاطر مرداں چہ عجائب بحرے است
چوں موج زند ہمہ اناالحق خیزد

صلٰوۃُ العاشقین :

سلطان المشائخ [۷۲۷ھ] نے فرمایا کہ صلٰوۃُ العاشقین کی چار رکعت نماز آئی ہے ، جو اس طرح ادا کی جاتی ہے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد یہ ذکر کیا جاتا ہے ۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد یا اللہ سو مرتبہ ، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد یا رحمٰن سو مرتبہ ، تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد یا رحیم سو مرتبہ اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد یا ودود سو مرتبہ پڑھے ۔

نیز فرمایا ، نمازِ درود بھی نمازِ تسبیح کی طرح ہے ۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس میں بجائے تسبیح کے درود پڑھتے ہیں ۔ یہ نماز حاجتوں کے بر آنے کے لیے پڑھتے ہیں ۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ قاضی حمیدالدین نے ، جو عاشقوں کے پیشوا تھے ، اپنی تالیفات میں لکھا ہے کہ جس شخص کو کوئی دینی اور دنیوی حاجت پیش آئے ، اُسے چاہیے کہ وہ تازہ غسل کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کرے ، الٰہی ! اس گھڑی کی حرمت سے ، جب کہ تُو نے خواجہ احمد نہاوندی سے صلح کی ، میری یہ حاجت پوری کر ۔ پھر ارشاد فرمایا ، پھر بھی اس کی حاجت پوری نہ ہو تو قیامت کے دن میرا دامن اُس کے چنگل میں ہوگا ۔

شیخ ابو احمد اسحاق نہاوندی کا قصہ یہ ہے کہ بادشاہِ عراق نے ان کو ملک نہاوند میں بطور سفیر بھیجا ۔ اس وقت نہاوند میں ایک نصرانی عورت کی حکومت تھی ، جو درویشوں کے دین کے لیے آفت تھی ۔ اس نے اپنے امورِ سلطنت کو مردوں کی طرح اُستوار کیا تھا ۔ خواجہ سنائی نے

گیا اچھا کہا ہے :

ابیات

زنگیان زلفِ او چو تاب دہند
چینیان نقش خود بر آب دہند
حلقۂ زلفِ او معما گوے
نقش سودائے او ہویدا جوے
قد او درد و دیدہ دل جوی
ہمچو سرو رواں ست بر لبِ جوی
عاشق از دست آن لبِ خنداں
سر انگشت ماندہ در دنداں

جب ابو احمد اسحاق نہاوند پہنچے تو ملکہ اس وقت پردۂ ناز میں بیٹھی ہوئی تھی ۔ اس نے شیخ کو بلایا ۔ چونکہ اس نے سنا تھا کہ وہ اہلِ صلاح میں سے ہیں ، اس لیے اُس نے حکم دیا کہ پردۂ درمیان سے اُٹھا دیا جائے ۔ شیخ سعدی کہتے ہیں :

روے کشادہ اے صنم ! طاقتِ خلق می بری
چوں پسِ پردہ میشوی پردۂ صبر میدری

جب خواجہ اُس کے دربار میں پہنچے تو ان کی نظر اُس سراپا جمال غارت گر دین و دنیا پر پڑی :

اے بسا غارت دیں کردہ نمی دانم چیست
چشمِ شوخِ توکہ از مستی خود بے خبر است

[۴۷۸] خواجہ صاحب اُس کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر بے اختیار ہوگئے ۔ ان کا دل ہاتھ سے جاتا رہا ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

عقلش ز دست رفت بہانجا نشستہ ماند
آن شیخ با کرامت و آن صاحبِ نفس

جب ملکہ کو یہ قصہ معلوم ہوا تو اُس نے کہا کہ میرا تمھارا جوڑ کیسے ہو سکتا ہے ؟ تم مسلمان ہو اور میں عیسائی ۔ اگر تم ہم سے ملاپ

چاہتے ہو تو کلیسا میں آؤ اور ہمارے طریقے کے مطابق ناقوس بجاؤ :

روزے بکلیسائے رویم یعنی
ناقوس بہ بینی و ببوسی دستم

شیخ نے ایسا ہی کیا۔ دین اسلام سے پھر گئے ۔ زنّار گلے میں ڈالی اور معشوق کا دین اختیار کیا :

مجنونِ عشق را دگر امروز حالت است
کاسلام دینِ لیلی دگر ضلالت است

دونوں کی شادی ہونے کے لیے تاریخ مقرر ہوئی ۔ جو مرید اُن کے ساتھ تھے وہ شیخ کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گئے اور منکر ہو گئے ، لیکن شیخ یہی کہتے تھے :

گر ہمہ دینِ عاشقاں دارید
بعد زین بیخ بُت نماز کنید

شیخ کی اس حرکت پر سب مریدوں نے شیخ سے قطع تعلق کر لیا اور راہِ فرار اختیار کی ۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ۔

منکر حالِ عارفان سر سماع میشود
زمزمۂ یار خوش تا بروند ناخوشان

صرف ایک خوش اعتقاد مرید اُن کی خدمت میں رہ گیا ۔ اس سے لوگوں نے پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا کہ تم دوسرے مریدوں کے ساتھ نہیں گئے ۔ اُس مرید نے جواب دیا کہ میں نے اپنے پیر کو اُس کے پیر کی نظر سے دیکھا ہے ۔ یہ حالت ، جس سے وہ گزر رہے ہیں ، باقی نہ رہے گی اور ان کا انجام بخیر ہوگا ، کیونکہ پیروں میں اثر ہوتا ہے اور اُن کے شجرۂ قبول پر پھل ضرور لگتا ہے ۔ الغرض جب شادی کی مقررہ تاریخ آ گئی تو اُس مرید نے رات کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ میں اس لیے آیا ہوں تاکہ ابو اسحاق اور اللہ تعالٰی کے درمیان صلح کرا دوں ۔ جب وہ مرید خواب سے بیدار ہوا ، تو اس نے دیکھا کہ ابو اسحاق نے بیگانوں (نصاریٰ) کا لباس اُتار کر یگانوں (مسلمانوں) کا لباس پہن لیا ہے اور توبہ کرکے از سرِ نو مسلمان ہو گئے ہیں ۔ والحمد للہ علٰی ذلک ۔

کسی عارف نے کیا اچھا کہا ہے :

قطعہ

گر توئی یار مرا مت نکنم یار دگر
گوشہ گیرم و در گوشہ نہم کار دگر

نقش زیبائے تو آوردہ مرا بر در تو
فارغم کرد ز نقش در و دیوار دگر

جو حکایت کہ حضرت سلطان المشائخ سے منقول ہے وہ بھی اس کے ہم معنی ہے - وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک درویش کی نگاہ ایک بادشاہ کی لڑکی پر پڑی - بادشاہ کی لڑکی کا دل بھی اس درویش کی طرف مائل ہوگیا ، کیونکہ عشق درویشی اور بادشاہی کے فرق کو نہیں دیکھتا ، چنانچہ دونوں کے درمیان معاشقہ ہوگیا - اس بادشاہزادی نے کسی آدمی کو اس درویش [۹ ے م] کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ تو ایک درویش ہے ، میرا اور تیرا ملاپ مشکل نظر آتا ہے ، لیکن ایک طریقہ ہے اگر تو وہ اختیار کرے تو میں تجھ تک پہنچ سکتی ہوں - وہ طریقہ یہ ہے کہ تو عبادت گزار بن کر کسی مسجد میں اپنا ٹھکانا بنا تاکہ شہر میں تیرا شہرہ ہو تو اس وقت میں اپنے باپ سے اجازت لے کر تجھے دیکھنے کے لیے آؤں گی - چنانچہ اس درویش نے اپنی معشوقہ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا - وہ درویش ایک مسجد میں عبادت میں مشغول ہو گیا - جب اسے عبادت میں ذوق حاصل ہوا تو وہ واقعی دل سے عبادت میں مشغول ہوگیا - جب اس درویش کی شہر میں عبادت و ریاضت کی شہرت ہوئی تو شاہزادی اپنے باپ سے اجازت لے کر درویش کی ملاقات کو آئی - درویش بھی وہی تھا اور لڑکی کا حسن و جمال بھی وہی - لیکن لڑکی نے محسوس کیا کہ درویش میں اس کے لیے کوئی جذبۂ دل فریبی باقی نہیں رہا - لڑکی نے اس درویش سے کہا کہ میں نے ہی تجھے یہ سبق پڑھایا تھا - اب تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو میری طرف التفات بھی نہیں کرتا - ہر چند کہ وہ یہ بات درویش سے بار بار کہتی تھی ، لیکن درویش نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا ، بلکہ اس درویش نے کہا کہ میں تجھے جانتا ہی نہیں تو کون ہے -

جب سلطان المشائخ یہ حکایت یہاں تک بیان کر چکے تو آب دیدہ ہوکر فرمایا ، جس نے عشق الٰہی کا مزا چکھ لیا وہ پھر کب غیر سے

محبت کر سکتا ہے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

کسے کہ روئے تو بیند حدیثِ گُل نکند
کسے کہ مست تو باشد حدیثِ مُل نکند

خواجہ عبداللہ مبارک کا واقعہ :

حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ خواجہ عبداللہ مبارک قدس اللہ سرہ العزیز ایامِ جوانی میں ایک عورت پر عاشق ہوگئے ۔ ایک دفعہ وہ اپنی معشوقہ کی دیوار تلے آ کر اُس سے گفتگو کرنے لگے ۔ عشاء سے لے کر سحر تک اس سے باتوں میں مشغول رہے ، یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوئی تو اُنھوں نے خیال کیا کہ شاید عشاء کی اذان ہے ۔ لیکن جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سورج نکلنے کے قریب ہے :

موذن حی علی گویان من از بہرِ بُتے در خون
نمازے ایں چنیں آلودہ یعنی ہم روا باشد

اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ اے عبداللہ ! تو ایک عورت کے عشق میں عشاء سے لے کر صبح تک جاگتا رہا ، کیا تُو نے ایک رات بھی حق تعالیٰ کے لیے ایسا کیا ہے ۔ جب اُنھوں نے یہ بات سنی تو فوراً توبہ کی اور ہمہ تن یادِ الٰہی میں مشغول ہوگئے ۔

''انوارالمجالس'' میں ، جو سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے ملفوظات ہیں ، اس کے مؤلف خواجہ محمد نبیرۂ شیخ شیوخ العالم سلطان المشائخ سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بدایوں کے کوتوال کا ایک بیٹا نہایت حسین و جمیل تھا ۔ وہ اپنے گھر سے باہر نکلتا تو اس کے عاشقوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ اس کے نظارۂ حسن کے لیے جمع ہو جاتے ۔ [۳۸۰] میں بھی اُن دنوں اُس کا شیفتہ تھا ۔ خدائے تعالیٰ نے اُسے ایسا حسن و جمال عطا فرمایا تھا کہ جو اُسے دیکھ لیتا اس کا دل اس کے قابو میں نہ رہتا اور اس کا پیچھا کرنے سے باز نہ رہتا ۔ ایک روز میں بھی اس کے دیکھنے کے لیے گھر سے باہر نکلا ، لیکن جب وہاں پہنچا تو ملاقات نہ ہو سکی ۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ جب تک وہ گھر سے باہر نکلے ، میں اپنے گھر ہو آؤں ۔

چنانچہ میں اپنے گھر لوٹ آیا ، مگر مجھے گھر میں چین نہ آیا - بے قرار ہوکر پھر محبوب کے گھر کی طرف روانہ ہوا ، لیکن جب میں وہاں پہنچا تو پھر بھی اس کو نہ پایا - پھر میرے دل میں خیال آیا کہ اتنی دیر میں کہ وہ گھر سے نکلے ، میں دوبارہ گھر ہو آؤں - میں پھر لوٹ کر گھر آیا اور گھر آ کر پھر بے قرار ہوا - پھر اس کے دیکھنے کے لیے روانہ ہوا - میرے گھر سے اس کے گھر کا فاصلہ چار پانچ کوس تھا - پھر میں تیسری مرتبہ گھر سے اس کی ملاقات کو نکلا ، لیکن پھر بھی ملاقات نہ ہوئی - آخر میں اُس کے گھر سے ناکام واپس لوٹا - اس طرح تقریباً بیس (بائیس) کوس کا سفر میں نے طے کیا ، چونکہ سخت تھک چکا تھا ، اس تھکان کی وجہ سے مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے سو گیا - جب بیدار ہوا ، تو بے خود ہوگیا اور کپڑے پھاڑ ڈالے - اسی وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے کہ عصر کی نماز کے بعد سونا نہیں چاہیے - پھر میری والدہ علیہا الرحمہ میرے پاس آئیں اور مجھے دوسرے کپڑے پہنائے - مجھ پر اس لڑکے کی محبت کا اس درجہ غلبہ تھا کہ میں دوسرے روز بھی اس کی ملاقات کے لیے روانہ ہوا - چلتے چلتے راستے میں اچانک ایک ایسی خوشبو آئی کہ میرا دماغ معطر ہوگیا - میں نے سوچا کہ یہ مقام تو عود جلانے کا نہیں - پھر یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے - بہت غور کرنے کے بعد مجھے یاد آیا کہ یہ وہ جگہ تھی کہ میں نے اور میرے محبوب نے یک جا کھڑے ہوکر باتیں کی تھیں - یہ خوشبو اس وصال کی علامت تھی - الغرض میں ایک طویل مدت تک اس کا والہ و شیفتہ رہا - لوگ اس کے پیچھے جاتے اور میں بھی اس کے پیچھے جاتا :

بیت

کس نیست نہانے نظرے با تو ندارد
من نیز بر آنم کہ ہمہ خلق بر آنند

ایک روز اس نے مجھ سے کہا کہ لوگ مجھے بڑا دق کرتے ہیں ، لیکن جس کے متعلق مجھے ہر وقت خیال رہتا ہے ، وہ صرف تم ہو - اس کی یہ فرحت بخش بات سن کر میری محبت اور بڑھ گئی -

کاتبِ حروف نے اپنے والد سیّد مبارک محمد علوی کرمانی سے سنا ہے کہ غیاث پور میں ایک دانش مند رہتے تھے ، جن کو لوگ مولانا یمنی خطاط

کہتے تھے ۔ اُن کا خط اتنا پاکیزہ تھا کہ ان کے خط کی لطافت و خوب صورتی کو دیکھ کر اس زمانے کے خوش نویس ان پر رشک کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ عطارد ، جو منشی فلک ہے ، ان کے خط پر سر رکھتا تھا :

عطاردے کہ دبیرے فلک ہمی گوید
بہ پیش خط تو گشتہ است عاجز و ملجاء [۷۸۱]

از خون دو چشم خویش ہر دم
نقش خط تو بدل نویسم

کاتب حروف کے دونوں چچا اور دوسرے خوش نویس اُن کے شاگرد تھے ۔ مولانا یمنی سلطان المشائخ کے مرید تھے ۔ مولانا کی ایک باندی تھی ، جس کی طرف وہ میلان طبع رکھتے تھے ، لیکن کسی شدید ضرورت کی وجہ سے مولانا نے اس باندی کو فروخت کر دیا ۔ فروخت کرنے کے بعد ان کے میلان طبع نے عشق کی صورت اختیار کی ۔ وہ باندی کے نئے مالک کے پاس گئے اور اس باندی کی دگنی قیمت دے کر اسے خریدنا چاہا ، لیکن مالک نے اُن کے آثار دیکھ کر اس کے فروخت کرنے سے انکار کر دیا ، جیسا کہ شیخ سعدی نے کہا ہے :

ما یوسف خود نمی فروشم
تو قلب سیاہ خود نگہ دار

مولانا نے باندی کی قیمت اس کی اصل قیمت سے دس گُنا بڑھا دی ، لیکن وہ پھر بھی بیچنے پر تیار نہ ہوا ۔ آخر مولانا کو معلوم ہوا کہ باندی کا مالک سلطان المشائخ کا مرید ہے ۔ جب مولانا کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ سمجھے کہ اب درد کا علاج آسانی سے ہو جائے گا ، لیکن یہ معلوم ہونے پر بھی مولانا یمنی نے سلطان عشق کے غلبے کی وجہ سے دل میں یہ ٹھانی کہ راہ محبت میں یہ جائز نہیں کہ محبوب کو سیاہ درموں کے عوض فروخت کیا جائے ۔ الغرض یہ کہ عشق کے غلبے اور اشتیاق وصال محبوب کی وجہ سے مولانا کے ہاتھ سے صبر و شکیبائی کا دامن چھوٹ گیا ۔ مولانا کی حالت دگرگوں ہوگئی ، یہاں تک کہ خواب وخور چھوٹ گیا ۔ ہر وقت

گریہ و نالہ کرنے لگے اور دیوانگی تک نوبت پہنچی :

بیت

روئے مہوش اے قمر خانگی
تا لکشد عقل بدیوانگی

آخر مولانا کو یاد آیا کہ میرے درد کی دوا میرے مرشدِ برحق کے پاس ہے ، چنانچہ وہ روتے ہوئے اور کپڑے پھاڑتے ہوئے سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا سارا حال آپ سے بیان کیا ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جس وقت باندی کا مالک میرے پاس آئے تم بھی آ جاؤ ۔ مولانا اس ارشاد کے بعد سلطان المشائخ کے آستانے ہی پر معتکف ہو گئے :

بیت

رقیب گفت بریں در چہ میکنی شب و روز
چہ میکنم دل گم گشتہ باز می جویم
اگر نصیحتِ دل می کنم کہ عشق مباز
سیاہیِ تنِ زنگی بہ آب می شویم

یہاں تک کہ ایک روز اس باندی کے مالک نے سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی ۔ اُس وقت مولانا یمنی بھی آ گئے ۔ مولانا نے بھی سر زمین پر رکھا ۔ [۳۸۲] حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا ، مولانا ! سر زمین سے اُٹھاؤ ، اُمید ہے کہ تمھاری آرزو پوری ہو جائے گی ۔ سلطان المشائخ نے باندی کے مالک کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ ایک آدمی کے پاس باندی تھی ۔ اس آدمی کو اُس باندی سے محبت تھی ۔ اس نے باندی کو کسی شدید ضرورت کے تحت فروخت کر دیا ۔ اُس آدمی پر اس باندی کو فروخت کرنے کے بعد اس کے عشق کا غلبہ ہوا ۔ وہ آدمی اُس باندی کے خریدار کے پاس آیا ۔ اُس کے سامنے نہایت آہ و زاری کی ، یہاں تک کہ قیمت بھی بڑھا دی ، لیکن اس کا نیا مالک اس کے فروخت کرنے پر تیار نہ ہوا ۔ جب اُس آدمی کو مایوسی ہوئی اور دوست کے حاصل کرنے کی کوئی صورت نہ نکلی تو اس نے مایوس ہو کر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے ، چہرہ سیاہ کر لیا ، خاک سر پر ڈالی اور بازار میں آ کر یہ نعرہ لگایا کہ اے مسلمانو ! اُس شخص کی سزا اس سے بہتر کیا ہو گی جو اپنے محبوب کو درموں کی خاطر بیچتا ہے ۔

جب سلطان المشائخ یہ حکایت بیان کر چکے تو اُس باندی کا مالک اُٹھا اور سعادت قدم بوسی حاصل کرکے اس نے عرض کیا کہ میں نے جناب کے طفیل اس باندی کو مولانا کو بخشا ۔ سلطان المشائخ اس کے اس عمل سے خوش ہوئے اور اس کے لیے دعائے خیر کی ۔ اس کے مالک نے وہ باندی مولانا کے سپرد کر دی ۔ اس طرح مولانا یمنی اپنی مراد کو پہنچے ۔ الحمد للہ علی ذلک ۔

نکتہ

سلطان المشائخ سے مصنف کے ولولۂ عشق کے بیان میں

سلطان المشائخ سے ولولۂ عشق ، جو اس راقم حروف ضعیف کے دل میں ہے ، اگرچہ اس کا دعویٰ کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے ۔ مثل مشہور ہے کہ ہاتھیوں کا لقمہ چڑیوں کے دوئے میں کس طرح سما سکتا ہے ۔ کیا پدی کیا پدی کا شوربا ۔ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگوا تیلی :

لاف وفات میزنم در قدمِ سگانِ تو
خاک چرا نمی‌شوم ، خاک برین وفائے من

حق تعالیٰ جانتا ہے کہ سماع اور غیر سماع دونوں حالتوں میں میرے دل میں آتا ہے کہ سوزِ عشق سے خانماں اور ننگ و ناموس کو آگ لگا دوں ۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں :

بیت

روزے بدر آیم من ازیں جامۂ ناموس
ہر جا کہ بُتے چوں تو ببینم بپرستم

اے خواجہ ! مجھے چھوڑ دو تاکہ میں سر و سامان کو چھوڑ کر اور خان و مان کو آگ لگا کر جنگل کی راہ لوں اور واویلا کروں :

بیت

چند پنہاں غمِ عشق تو خورم طاقت نیست
وقت آں شد کہ بروں آیم و صد شور کنم
داشت دلم طاقتِ صبر ، بودم شکیبائی
چوں کار بجاں آمد زیں بس من و رسوائی

اور سر بیابانِ عشق میں رکھوں :

قطعہ

صیدِ بیابانِ عشق خوش بخورد تیر او
سر نتواند کشید پائے ز زنجیرِ او [۳۸۳]
خواہم از آسیبِ عشق روئے بعالم نہم
عرصۂ عالم گرفت ، حسنِ جہالگیرِ او

اور بیابان کو اپنی شور انگیز آنکھوں کے آنسوؤں سے دریا بنا دوں :

بیت

خوشا آبِ دو چشمِ من ہمہ روئے زمیں گیرد
نباید کرد غیرے دامنِ آں نازنیں گیرد

اور دریا کو اپنے سینے کی آہ سے خشک جنگل کر دوں ۔ امیر خسرو فرماتے ہیں :

دریا ز آہِ سینۂ من خشک شد چنانکہ
ہرگز بچشمِ خویش نہ بیند کسے نمی

اور جب میں اس سے باز آؤں ، سلطان المشائخ کے کتّوں کی زنجیر سر سے باندھوں ۔ امیر خسرو کہتے ہیں :

زنجیرِ سگاں در خود بر سر من بند
اکنوں سرِ این نیست کہ دستار بہ بندم

اور بقیہ عزیز عمر جو عاشقوں کا سرمایہ ہے بغیر کسی مزاحمت کے آنجناب (سلطان المشائخ) کی یاد میں بسر کردوں :

بیت

عمرم ہماں آنست آنچہ کنم یاد روئے تو
جانم ہماں ست آنچہ نہم زیر پائے تو

اور اپنی گزشتہ عمر کو سلطان المشائخ کی محبت کے وسیلے سے واپس لاؤں :

کیست کہ آرد آنچہ رفت از عمر باز
آں مہم امروز کارِ لعل تست

نور آرزو ہے کہ میرا آخری سانس سلطان المشائخ کی یاد میں نکلے :

اگر جنازۂ سعدی بکوئے دوست برند
زہے کمالِ سعادت ، زہے حیاتِ نکو

نکتہ

حقیقتِ عشق کے بیان میں

دلبرِ جاں ربائے عشق آمد
سر بسر رہنمائے عشق آمد

عشق با سر بریدہ گوید راز
ز آنکہ داند کہ سر بود غماز

خیز و بنمائے عشق را قامت
کہ بوقت است گفت قد قامت

عشق گویندۂ نہاں سخن است
عشق پوشندۂ برہنہ تن است

آب آتش فروزِ عشق آمد
آتشِ آب سوزِ عشق آمد

عقل مردے است ، خواجگی آموز
عشق دردے است بادشاہی سوز

خطۂ خاک لہو و بازی ماست
عالمِ پاک ، پاکبازیِ ما است

نیست در عشق خطۂ موجود
عاشقاں را چہ کار با مقصود

عشق مقصود کار می باشد
عشق را خود نگار می باشد

عشق را رہنما و رہ نبوَد
در طریقش سر و کلہ نبود

[۳۸۴] عشق با عقل ناتمام بود
عشق با کفر و دیں کدام بود

پیش آنکس کہ عشق بہرۂ اوست
کفر و دیں ہر دو بندۂ رہِ اوست

ہرچہ در کائنات جزؤ و کل اند
در رہِ عشق طاقہائے بلند
ہرچہ از تو ز دورِ گردون است
از سرِ ضرب عشق بیرون است
عشق برتر ز عقل و ز جان است
لی مع اللہ وقت مردان است

کاں ملاقاتِ وصل یزدانی است

دل خریدار نیست جز غم را
آں نشینندہ تخت آدم را
غمِ علمش سوے جناں آورد
باز عشقش بخاکداں آورد
چون رہِ خلد رفت عریاں شد
چون رہِ عشق رفت سلطان شد
گرچہ جانت ز عقل فرزانہ است
عقل بگزار کو ہم از خانہ است
قدمِ عقل نقد خالی داں
شعلۂ عشقِ لا اُبالی داں
بالغ عقل را بسے یابی
بالغ عشق کم کسے یابی
عشق را جان بوالعجب داند
زآں شیونِ کہ شہد لب داند
ہر کجا عشق چہرہ بنماید
دل و جانش بجملہ برباید
چون بترسی ہمی ز مردن خویش
عاشقے باش تا نمیری بیش
عاشقاں سر نہند بر سرِ دار
تو بر آنی کہ چوں بری دستار
صفتِ عاشقاں ز من بشنو
ورنہ ندانی تو این مرا بدوجو

نکتہ

ترغیبِ عشق اور بیدردوں کی معذرت کے بیان میں

[۳۸۵] خداوندا ! بخود دہ آشنائی
نمیرانم چراغِ روشنائی

بہ عشقِ خود دلم معمور گرداں
ز نورِ دوستی پُرنور گرداں

بزلف و خال خوباں دادہ پیوند
دلِ عشاق را لطفِ خداوند

برو اے جاں ! بکارِ عشق میکوش
ز جامِ عشق خوں ہا دمبدم نوش

اگر خواہی حیاتِ جاودانی
براہِ عشق میر ار مینوانی

شہیدِ عشق را مُردہ نگویند
براہِ عشق جز زندہ نگویند

دریں عالم ز ایجاد تو مقصود
رضائے حق تعالیٰ دوستی بود

وگرنہ من کیائے آں کہ جاں را
دہم از دیدۂ و دل نیکواں را

بعشقِ زلفِ شاں گردم ہوسناک
کنم دل را ز غمہا چاک در چاک

تو اے زاہد ! ز عشق خوب رویاں
مشو منکر ، مرو لاحول گویاں

شدی غافل ز دردِ دُرد نوشاں
گدا محروم شد از حسنِ سلطاں

کرشمہ کردنِ خوباں نظر کن
بعشقِ شکل شاں جاں در خطر کن

بکنجِ مسجدے منشیں گرفتار
بکار خود پرستی نیک ہوشیار
ز صانع صنعِ حق را در نظر آر
حسیاتِ بے نظر را ہیچ مشار
کمالِ زاہداں از عشق بازیست
نشان عافیت در جاں گدازی است
صلٰوۃ عاشقاں از دیدہ بگذار
نماز زاہداں را خشک انگار
نظر کردن بخوباں مذہب ماست
مرا از ہر دو عالم ایں تمناست
کہ من بارے ز مذہب برنگردم
اگر گردم ازیں مذہب نہ مردم
بہ لعل دل فریبِ خوب رویاں
برغبت می کنم اینک دل و جاں
بزاری می کنم زاں لب گدائی
تو اے زاہد! دریں معنٰی کجائی
ترا گر عقل ہست اے مردِ ہشیار
ہمیں جا گیر ذوقے از لبِ یار
کہ فردا ذوقِ لب ہرگز نیابی
اگرچہ جنت الفردوس یابی

[۴۸۶] نکتہ

رویتِ باری تعالٰی کے بیان میں

رویت باری تعالٰی :

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ مولانا فخرالدین زرادی کی ایک کتاب، جس کا نام "خمسین" ہے جو "اربعین" سے بھی زیادہ مختصر ہے، اس میں بعض ایسی باتیں درج ہیں، جن کی بعض کتابوں میں تصدیق اور بعض کتابوں میں ان کی نفی اور ابطال آیا ہے۔ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ بعضوں نے کہا ہے کہ عقلی دلائل

پر رویتِ باری تعالیٰ منحصر نہیں ہے اور جو کچھ ابو منصور ماتریدی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ رویتِ باری تعالیٰ عقلی دلائل سے ثابت ہے ، وہ درست نہیں ہے -

ابو منصور ماتریدیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جسم مرئی ہے اور اس کی حرکت بھی مرئی ہے - پس رویت ایک ایسی صفت ہے جو جسم اور حرکت میں مشترک ہے - اس لیے جواز رویت کی علت بھی مشترک ہے -

پس ہم کہتے ہیں کہ جسم اور حرکت میں وجود حدوث کے ساتھ ہے اور حدوث اس لیے جائز نہیں ، کیونکہ اس سے مراد عدم سے پہلے وجود ہے اور عدم نہ علت ہو سکتا ہے نہ جز علت - پس وجود جواز رویت کی پر علت سے ثابت ہوا اور جب حق تعالیٰ کا وجود ثابت ہے تو یہ بات درست ہوئی کہ حق تعالیٰ مرئی ہے -

مولانا فخرالدین زرادی کا اعتراض یہ ہے کہ جسم و حرکت کے درمیان مخلوقیت مشترک ہے ، اس سے لازم آتا ہے کہ ذات باری بھی مخلوق ہو ، جو دعویٰ کے خلاف ہے - یہ اعتراض اس قدر محکم ہے کہ اس کا جواب آج تک کسی نے نہیں دیا -

بعد میں سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اہلِ سنّت و جماعت نے اس مسئلے میں یوں تاویل کی ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فان استقر مکانہ فسوف ترانی (پس اگر پہاڑ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو البتہ تو مجھے دیکھ سکے گا) - یہ رویت استقرار جبل سے مشروط ہے اور استقرار جبل ممکن ہے اور یہ بات معلق بممکن ہے - اس حیثیت سے کہ وہ ممکن ہے ، اس دلیل پر بھی اعتراض کیا گیا ہے ، وہ بھی نہایت لطیف اور پختہ ہے - وہ یہ ہے کہ رویت باری تعالیٰ کا جواز استقرار جبل کی شرط کے ساتھ ہے - وہ کون سا استقرار جبل ہے - کیا یہ استقرار جبل کی حالت میں ہے یا تحویلِ جبل کی حالت میں - اگر حال کا استقرار جبل کی حالت میں ہے تو جو شرط ہے ثابت ہو گئی (یعنی رویت باری تعالیٰ) اور تحقیق کی ضرورت نہیں - لیکن اگر تحویل جبل کی حالت میں ہے تو استقرار جبل یہ کوئی شرط نہیں ، وہ معلق بالتحقیق ہے اور معلق بالتحقیق متحقق ہے اور تحویلِ جبل کی حالت میں استقرار جبل ممتنع ہے - پس میں نے یہ سمجھا کہ یہ نکتہ حقیقت میں ضعیف ہے -

رویت باری تعالیٰ کے متعلق مولانا کاشانی کا ایک سوال :

قاضی محی الدین [۴۸۷] کاشانیؒ نے سلطان المشائخ سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال رویت اور باری تعالیٰ کے جواب لن ترانی کے بعد قرآن حکیم میں آیا ہے کہ فلما تجلّٰی ربه للجبل جعله دکًّا و خرّ موسیٰ صعقا (چنانچہ اس کے رب نے جب پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰؑ غش کھا کر گر پڑے) - سوال یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں ؟

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ظاہرا طور پر یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے دیکھا ہوگا ، لیکن مفسرین نے تفسیروں میں لکھا ہے کہ تجلّیٰ نور ربه سے مراد تجلّیٰ ملکوت ربه ہے - گو یہ بلا ضرورت ایک ظاہر بیں چیز سے عدول ہے - کیونکہ اہل سنّت و جماعت اس پر متفق ہیں کہ رویت باری تعالیٰ جائز ہے اور دراصل از روئے صفات وہ ذات باری مرئی ہے اور وہ ذات تمام صفات کمال کی جامع ہے - اگر کہا جائے کہ دلیل سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ دنیا میں کسی کو رویت نہیں ہوئی ، کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی مثال موجود نہیں کہ جس سے ثابت ہو کہ کسی کو ان آنکھوں سے رویت باری تعالیٰ ہوئی ہے ، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم صرف انسانوں کی جنس کے لیے ہے - اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان کے سوا جبل کو بھی رویت باری تعالیٰ نصیب نہیں ہو سکتی - ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں پہاڑ کو کچھ دیر کے لیے قوت دی گئی ہو اور اس کو سمع و بصر اور عقل عطا کی گئی ہو تاکہ وہ دیکھے اور دیکھنے کے بعد وہ ہیبت سے ریزے ریزے ہوگیا ہو اور اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس واقعہ سے حقیقت حال روشن ہو گئی ہو اور وہ سوال رویت ، جو انھوں نے کیا تھا ، اس حقیقت کو دیکھ کر اپنے سوال سے باز آ گئے ہوں -

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ جو لوگ رویت حق تعالیٰ کے منکر ہیں ، معلوم نہیں کہ وہ کس اُمید پر زندگی بسر کرتے ہیں اور جو لوگ رویت باری تعالیٰ کے قائل ہیں ، وہ قیامت کے دن دیدار الٰہی کی امید پر خوش ہیں اور رویت کی حلاوت ہر شخص کو اس کے ذوق کے مطابق حاصل ہوگی ، جب تک کہ شوق نہ ہو دیدار

کا ذوق اور لذت حاصل نہیں ہو سکتی ۔ بعض اس دنیا سے دیدار کے مشتاق جاتے ہیں اور بعضوں کو وہاں جا کر شوق پیدا ہوتا ہے تاکہ ذوق حاصل کر سکیں لیکن وہ بات ہی اور ہے کہ اس دنیا سے دیدارِ الٰہی کے مشتاق بن کر جائیں ۔

سلطان المشائخ کا ایک اشکال :

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ اشکال تھا کہ جو لوگ اس دنیا سے جاتے ہیں ، قبل اس کے کہ وہ جنّت میں پہنچیں کیا ان کو رویتِ باری تعالیٰ ہوگی یا نہیں ؟ یہاں تک کہ ایک رات میں نے شیخ نجیب الدین متوکل کے خادم رئیس نامی کو ، جو وفات پا چکا تھا ، خواب میں دیکھا ۔ میں نے اس سے خواب ہی میں یہ سوال کیا ۔ اس نے جواب میں کہا کہ یہ کہاں ممکن ہے ۔ اس کے اس جواب سے اندازہ ہوا کہ وہ اس کو بعید تر سمجھتا ہے ۔ اس خواب کے دیکھنے کے بعد میرا اشکال اور بھی قوی ہوگیا اور میری مشکل اور بھی بڑھ گئی ۔

[۴۸۸] یہاں تک کہ ایک رات میں نے زیبا نامی خاتون کو ، جس نے مجھے بھانجا بنا رکھا تھا ، اس کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا ۔ اس سے بھی میں نے یہی سوال کیا ۔ اس نے کہا کہ ہاں بعض لوگوں کو دیدارِ الٰہی نصیب ہوتا ہے ، چنانچہ مجھے بھی دو مرتبہ دیدارِ الٰہی نصیب ہوا ۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمھیں یہ دولت دیدار کس عمل کی بنا پر حاصل ہوئی ؟ اس نے کہا ، جو چند روٹیاں مجھے اپنے مخدوموں سے ملتی تھیں ، اس میں سے ایک روٹی میں فقیروں کو دے دیا کرتی تھی ۔

حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک درویش تھا جو گھڑی گھڑی سر کو گدڑی میں ڈالتا اور ہر گھڑی سر کو باہر نکال کر کہتا کہ عجیب بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باوجود کمالِ نبوت کے دولت دیدار میسر نہیں ہوئی اور ان میں طاقت نہ رہی کہ جمالِ الٰہی دیکھ سکیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کو وہ اپنا جمال دکھانا چاہتا ہے ، وہ دیکھتا ہے ۔

حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل نے ایک ہزار مرتبہ خدائے تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ۔ بعد میں انھوں نے پوچھا کہ اے بارِ الٰہ ! بندہ اپنے کس عمل سے اس نعمت سے نوازا جاتا ہے ۔

ارشاد ہوا کہ تلاوتِ قرآن مجید سے ۔ پھر اُنھوں نے عرض کیا کہ تلاوت قرآن مجید معنٰی کو سمجھ کر ہو یا بغیر معنٰی کے سمجھے ہوئے ؟ ارشاد ہوا کہ خواہ وہ کسی طرح تلاوت کرے ۔

نیز فرمایا کہ شاہ شجاع کرمانی قدس اللہ سرہ العزیز چالیس سال تک رات کو نہ سوئے ۔ اُنھوں نے ایک رات باری تعالٰی کو خواب میں دیکھا ۔ اس کے بعد وہ جہاں بھی جاتے ، سونے کا بستر ساتھ لے جاتے تاکہ وہ سوئیں ، اس اُمید پر کہ اُنھیں خواب میں دولتِ دیدار خداوندی دوبارہ حاصل ہو ۔ ایک رات اُنھوں نے آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے کہ یہ دولت اس چالیس سال کی بیداری کا نتیجہ تھی ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ''قوت القلوب'' میں لکھا ہے کہ شیخ الاسلام علی موفق[1] قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بہشت میں گیا ہوں ۔ میں آگے بڑھا تو میں حظیرۂ قدس میں پہنچا ۔ میں نے وہاں دیکھا کہ ایک شخص عرش کے پردوں کو اُٹھائے ہوئے اور نظر حضرت جل و علٰی پر اس طرح جمائے ہوئے ہے کہ پلک نہیں جھپکاتا ۔ میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے ؟ کہا ، خواجہ معروف[2] ہیں ، جنھوں نے خدا کی پرستش نہ خوف دوزخ سے کی ہے اور نہ اُمیدِ جنت میں کی ہے ۔ بلکہ اُنھوں نے اللہ سے محبت محض اس کے دیدار کے لیے کی ہے ۔ باری تعالٰی عز اسمہ نے اپنا دیدار روزِ قیامت تک اُن کے لیے مباح کر دیا ہے ۔

حضرت سلطان المشائخ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم [۴۸۹] نے شبِ معراج میں اللہ تعالٰی کو دیکھا تھا ؟ فرمایا ، اس بارے میں بہت سی روایات ہیں ۔ لیکن مختار مذہب یہ ہے کہ شبِ معراج میں رویت باری تعالٰی متحقق نہیں ۔ سائل نے اپنی

۱- شیخ الاسلام علی موفق : عراق کے قدیم مشائخ میں ہیں ۔ بہت سے سفر کیے ۔ اُنھوں نے ذوالنون مصری کو دیکھا تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے چوہتر حج کیے تھے ۔ (نفحات الانس ۔ اُردو ترجمہ ، ص ۱۲۳ - ۱۲۴)

۲- خواجہ معروف کرخی ۔

دلیل میں اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کے نور کو دیکھا ؟ فرمایا ، ہاں ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، دوسری حدیثیں اس کے خلاف بھی آئی ہیں ، پس شبِ معراج میں رویتِ حق کی تحقیق نہیں ۔

حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ حضرت امام جعفر صادقؓ ، حضرت مرتضٰی علیؓ کے فرزندوں میں ہیں اور حضرت امیرالمؤمنین علی مرتضٰیؓ کے خرقے کی ایک شاخ اُن سے بھی رائج ہے ۔

ایک دفعہ ایک شخص امام جعفر صادقؓ کے پاس آیا اور اُن سے کہا کہ اللہ کو مجھے دکھلاؤ ۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ موسٰیؑ کی قوم نے یہی خواہش کی تھی ، اس کا انجام بھی تمھیں معلوم ہے کہ اس پر عذاب آیا ۔ قرآنِ حکیم میں ہے کہ اُنھوں نے حضرت موسٰیؑ سے کہا کہ ہمیں خدا کو علانیہ دکھاؤ ۔ بس اس قوم کو بجلی (چکاچوند کرنے والی) نے پکڑ لیا ۔ حضرت موسٰیؑ نے دیدارِ الٰہی کی خواہش کی ، جواب ملا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے ، تم یہ خواہش کر کے کیوں گستاخی کرتے ہو ؟ اُس شخص نے کہا کہ وہ عہد موسٰیؑ کا تھا اور یہ زمانہ حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہے ، جن کے کمترین چاکر با یزید تھے ، جنھوں نے کہا تھا کہ میرے جبّے میں سوائے اللہ کے کچھ نہیں ۔ اس قسم کی اور چند نظیریں اس شخص نے پیش کیں ۔ امام جعفر صادقؓ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ اس کو پکڑ کر پانی میں غوطے دو ۔ جب اُسے غوطے دیے گئے تو وہ فریاد کرتے ہوئے کہتا تھا یا ابنِ رسول اللہ الغیاث الغیاث ، لیکن آپ برابر فرمائے جاتے تھے کہ اُسے پانی میں غوطے دیتے رہو ، یہاں تک کہ وہ الٰہی الغیاث کہے ۔ آخر جب اس شخص نے کہا اے اللہ ! مجھے بچا لے ۔ تو آپ نے اپنے غلاموں سے کہا ، اب اسے چھوڑ دو ۔ جب اُسے چھوڑ دیا گیا تو اس نے حضرت امام جعفر صادقؓ کے قدموں پر سر رکھا اور کہا ، میں نے دیکھ لیا ۔ حضرت امام جعفر صادقؓ نے فرمایا کہ کیسے دیکھا ۔ اس نے عرض کیا کہ جب آپ نے میری فریاد پر کوئی توجہ نہ دی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب مجھے خدائے تعالٰی سے فریاد کرنی چاہیے ۔ اُس وقت ایک سوراخ میرے سینے میں پیدا ہوا ۔

میں نے اُس میں سے وہ دیکھا جسے میں دیکھنا چاہتا تھا ۔ اُس شخص کا سوال اور حضرت امام جعفر صادقؓ کا جواب دونوں قابلِ تعریف ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؓ نے اُس کو کس عقل مندی سے جواب دیا ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ صیفورا ، حضرت موسیٰؑ کی بیوی تھیں ۔ وہ حضرت موسیٰؑ [۷۰۹] کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ میری آرزو ہے کہ میں جمالِ الٰہی کو دیکھوں ۔ فرمایا ۔ تم نہیں دیکھ سکو گی ۔ ہر چند کہ آپ انکار کرتے تھے ، لیکن صیفورا کا اصرار بڑھتا جاتا تھا ۔ آخر اُنھوں نے برقعہ اُٹھایا ۔ امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

بروں آ از دروں دیوانہ گرداں ہوشیاراں را
و لیکن خسروِ دیوانہ را دیوانہ تر گرداں

جب صیفورا نے جمالِ الٰہی پر نگاہ ڈالی تو نابینا ہو گئیں ۔ بعض روایات کے مطابق تین مرتبہ اور بعض روایات کے مطابق ستر مرتبہ وہ برقعہ اُٹھاتی تھیں اور ہر مرتبہ نابینا ہو جاتی تھیں اور ہر دفعہ حضرت موسیٰ کی دعا سے بینائی پاتی تھیں ۔ اس موقع پر غیب سے آواز آئی کہ اے موسیٰ ! محبت کرنا اس عورت سے سیکھو کہ کتنی مرتبہ نابینا ہوئی ، لیکن دیدارِ الٰہی کی خواستگار رہی اور تم ایک ہی دفعہ میں پکار اُٹھے ۔ انی تبت الیک (میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں) ۔ حضرت موسیٰؑ یہ بات سن کر حیرت میں پڑ گئے ۔

حضرت سلطان المشائخ نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے کہ جب اہلِ بہشت جمع ہوں گے تو وہ رب ذوالجلال لایزال کی ملاقات کی تمنا کریں گے ، پھر دارالضیافت میں جمع ہوں گے ۔ ان کے گرد سفید بادل کا پردہ ہوگا ۔ اس سفید بادل میں موتی جڑے ہوں گے اور اس محل میں بادل سے مشک برسنا شروع ہوگا ، جس سے تمام بہشت کی فضا معطر ہو جائے گی ۔ پھر رب ذوالجلال اپنا دیدار کرائے گا اور اہلِ بہشت اسّی ہزار سال تک اس لذتِ دیدار میں مست رہیں گے ۔ یوم یقوم الناس لرب العالمین (یعنی جب لوگ پروردگار عالمین کے نزدیک کھڑے ہوں گے) ۔ ”تفسیر حقائق“ میں بیان کیا گیا ہے کہ جب لوگ پروردگار عالم کے سامنے کھڑے

ہوں گے تو خطاب ہوگا کہ تم نے دنیا میں شریعت کے احکام اوامر و نواہی پر عمل کیا ہے ، اس لیے بیٹھ کر ہمارے جمال کا مشاہدہ کرو ۔ وہ ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہ بیٹھیں گے ۔ پھر حق سبحانہ و تعالیٰ فرشتے پیدا کرے گا جن پر وہ تکیہ لگائیں گے اور جمالِ الٰہی کا دیدار کریں گے۔ جب ایک مدت اس طرح گزر جائے گی تو پھر یہ لوگ اپنے ماں باپ کے دیکھنے کی تمنا کریں گے ۔ باری تعالیٰ اُن سب کے والدین کو جمع کرے گا جیسا کہ لوگ جمعہ کے روز جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں ۔ پھر حکم صادر ہوگا ، بتاؤ اور تم کیا آرزو رکھتے ہو ، جو بھی تمھاری آرزو ہوگی پوری کی جائے گی ۔ ولکم فیھا ما تشتیھه الانفس و تلذ الاعین و انتم فیھا خالدون ۔ اللھم ارزقنا لقاءک بکرمک (مومنوں ! یہ تمھاری خاص رعایت ہے کہ جو تمھارے نفوس اور آنکھیں چاہیں گی وہ تمھیں بہشت میں مل جائے گا اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے - [۳۹۱] اے اللہ ! اپنے فضل و کرم سے اپنا دیدار ہمارا مقدر کر)۔ شیخ نے کیا اچھا کہا ہے :

شادی بروزگار گدایانِ کوئے اوست
بر خاکِ رہ نشستہ بر اُمیدِ رویت اند

امیر حسن شاعر نے حضرت سلطان المشائخؒ سے عرض کیا کہ رویتِ باری تعالیٰ جس کا وعدہ کیا گیا ہے کہ کل قیامت کے دن ہوگی ، جب یہ نعمت حاصل ہو جائے گی تو اس کے بعد وہ اور کیا دیکھیں گے ؟ فرمایا کہ یہ سخت کوتاہ نظری ہوگی کہ اس کے بعد کسی اور چیز پر نظر کی جائے ۔ اس موقع پر انھوں نے عرض کیا کہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں :

افسوس برآں دیدہ کہ روئے تو ندیدہ است
یا دیدہ کہ بعد از تو بروئے نگریدہ است

حضرت سلطان المشائخ نے اس شعر کی بہت تعریف کی اور فرمایا کہ بہت اچھا کہا ہے ۔

کاتبِ حروف نے حضرت شیخ الاسلام معین الدین سنجریؒ کے ملفوظات میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ایک بزرگِ طریقت نے ، جو اہلِ عشق میں سے تھے ، اپنی مناجات میں کہا ۔ الٰہی ! اگر تو مجھ سے ستر سال کا

حساب لے گا تو میں تجھ سے ستر ہزار سال کا حساب مالکوں گا ، اس لیے کہ آج ستر ہزار سال گزر چکے ہیں کہ جب تو نے الست بربکم (کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں) کہا تھا ، جس کی وجہ سے سارے عالم میں شور مچ گیا اور ہر ایک مسرت سے پاؤں پٹکنے لگا ۔ پھر اس نے کہا کہ یہ تمام شور جو زمین و آسمان میں مچا ہوا ہے ، شورِ الست ہی کی وجہ سے ہے ۔ ابھی یہ بات اُن بزرگ کی زبان سے نکلی ہی تھی کہ اتنے میں آواز آئی کہ ذرا اس کا جواب سن لے ۔ وہ یہ ہے کہ روزِ حساب کو میں تیرے اعضا کو ریزہ ریزہ کروا کے ہر ذرے کو اپنا دیدار کرا کر کہوں گا کہ یہ ہے ستر ہزار سال کا حساب اور کفارہ ۔

• • •

باب نہم

سماع ، وجد و رقص وغیرہ کے بیان میں

نکتہ

حضرت سلطان المشائخؒ کے سماع کے بیان میں

سماع کی چار قسمیں :

حضرت سلطان المشائخؒ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ سماع کی چار قسمیں ہیں : حلال ، حرام ، مکروہ اور مباح ۔

سماع مباح :

اگر صاحبِ وجد و حال حق تعالیٰ کی طرف زیادہ راغب ہے ، تو اس کے لیے سماع مباح ہے ۔

سماع مکروہ :

اگر اس کا میلان مجاز کی طرف زیادہ ہے تو اس کے لیے سماع مکروہ ہے ۔

سماع حرام :

اگر اس کا میلان بالکلیہ مجاز کی طرف ہے تو اس کے لیے سماع حرام ہے ۔

سماع حلال :

اگر اس کا میلان بالکلیہ حق کی طرف ہے تو اس کے لیے سماع حلال ہے ۔ صاحب سماع کو چاہیے کہ وہ اس کام میں حلال و حرام ، مکروہ و مباح کو پہچانے ۔

مسمع ، مستمع ، مسموع و آلۂ سماع :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ سماع کے لیے چند چیزیں چاہییں تاکہ سماع مباح ہو ۔ مسمع ، مستمع ، مسموع ، آلۂ سماع ۔ مسمع یعنی کہنے والا پورا مرد [۷۹۲] ہو ، لڑکا اور عورت نہ ہو ۔ مستمع سے مراد یہ ہے کہ جو سماع سنتا ہے اُس کا دل یادِ حق سے خالی نہ ہو ۔ مسموع یہ ہے کہ جو کچھ کہا جائے وہ فحش اور مسخرگی نہ ہو ۔ آلۂ سماع سے مراد آلات مزامیر ہیں ، چنگ و رباب اور اُن کے مثل آلات مجلس سماع میں نہیں ہونے چاہییں ۔ اس قسم کا سماع حلال ہے ۔ سماع تو ایک موزوں آواز ہے ، وہ کیسے حرام ہو سکتی ہے ۔

نیز فرمایا کہ سماع مطلقاً حلال نہیں ہے اور نہ مطلقاً حرام ہے بلکہ ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ سماع کیا ہے ۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ پہلے یہ بتاؤ کہ سننے والا کون ہے ؟

بابا فرید شکر گنج کی سماع کے متعلق رائے :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے سامنے اباحت اور حرمتِ سماع میں علماء کے اختلاف کے متعلق گفتگو چھڑی ۔ فرمایا ، سبحان اللہ ! ایک جل کر خاکستر ہو گیا او دوسرا ابھی اختلاف میں ہے ۔ یہ تفاوت تو دیکھو ۔ شیخ سعدی کہتے ہیں :

بیت

آتش اندر پختگاں افتاد و سوخت
خام طبعاں ہمچناں افسردہ اند

نیز سلطان المشائخ نے شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ فرماتے تھے کہ سماع سننے والوں کے قلوب میں حرکت پیدا کرتا ہے اور مشتاقوں کے سینے میں محبت کی آگ کو روشن کرتا ہے ۔

نیز فرمایا کہ مشائخ کی ایک جماعت سماع کو اس لیے جائز رکھتی ہے کہ وہ بے اختیار ہوتے ہیں ۔ جب وہ با اختیار ہوتے ہیں تو وہ سماع معلول ہوتا ہے ۔

مولانا علامۃ الوریٰ فخرالدین زرادی خلیفۂ حضرت سلطان المشائخ نے اپنے رسالے "اباحت سماع" میں امام غزالی کے حوالے سے لکھا ہے کہ سماع کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ سننے والا جو کچھ سنے اس کے معنی اور مفہوم کو سمجھے ، یعنی جو کچھ سنے ، اس کے معنی و مطالب کا دل میں اثر جاتا ہے ، جس کا ثمرہ یہ ہے کہ سمجھنے کے بعد اس میں وجد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے ، پھر وجد کا ثمرہ اعضا کی حرکت کی صورت میں حاصل ہوتا ہے ۔ یہ بات سننے والے کے حالات کی بنا پر مختلف ہوتی ہے ۔ کیونکہ سننے والا چار حالات سے خالی نہیں ہوتا ۔ اول یہ کہ سننے والا مجرد طبع ہو یعنی اس کا مقصد لذت اور حظ نہ ہو سوائے ذکرِ الٰہی ، خوش آوازی اور نغمات کے ۔ یہ سماع مباح ہے ، لیکن اس بات میں دوسرے حیوانات بھی شریک ہیں ۔ دوسرے یہ کہ سننے والا جب کچھ سنے اُسے کسی مقررہ یا غیر مقررہ صورت (مجازی) پر محمول کرے ۔ اس قسم کا سماع ذی شہوت نوجوانوں کا ہوتا ہے ۔ یہ سماع وہ ہے جس کی [۲۹۳م] خباثت اور کمینگی کو بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ تیسرے یہ کہ سننے والا سماع کو اپنے احوال پر محمول کرے ۔ یہ احوال کا انقلاب خدائے تعالیٰ کی جانب سے ہے ۔ یہ سماع مریدوں کا ہے ، بالخصوص مبتدی مریدوں کا اس لیے کہ مریدوں کا کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے اور وہ معرفتِ الٰہی اور وصالِ حق ہے ۔ ان مریدوں کو سلوک میں احوال پیش آتے ہیں جیسے قبول ، رد ، وصل و ہجر ، طمع اور نا اُمیدی اور وہ تمام چیزیں جو اشعار میں پائی جاتی ہیں ۔ چوتھے یہ کہ سننے والا سماع کو عین حق پر محمول کرے اور سماع کے وقت عین شہود میں ہو ، بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مشاہدے کے وقت مصر کی عورتوں کی تھی ، جنھوں نے اپنی اُنگلیوں کو کاٹ لیا تھا ، لیکن انھیں خبر نہ ہوئی ۔ اس مرتبے پر جو لوگ فائز ہیں وہ سوائے ذاتِ حق کے تمام فانی چیزوں سے گزر گئے ہیں ۔ یہ مقام واصلوں اور کاملوں کا ہے ۔

نکتہ

آداب سماع کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ سماع کے لیے چند چیزیں ضروری ہیں ۔ اوّل یہ کہ وقت عمدہ ہونا چاہیے کہ جس میں دل کو فراغت حاصل ہو اور دل متردد نہ ہو ۔ کسی قسم کا فکر و غم نہ ہو ۔ دوسرے یہ کہ جگہ عمدہ ہو ، جس کے دیکھنے سے روح کو تازگی حاصل ہو ۔ تیسرے یہ کہ سماع کے سننے والے ہم جنس ہوں یعنی سب کے سب سماع کا ذوق رکھتے ہوں ۔ جو اس مجلس میں موجود ہوں ، اہلِ سماع سے ہوں ۔

نیز فرمایا کہ سماع کی مجلس میں بیٹھنے کے وقت خوشبو لگانی چاہیے اور پاکیزہ لباس پہننا چاہیے ۔

مولانا فخر الدین زرادیؒ نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ سماع کے دوسرے آداب یہ ہیں کہ سماع گوش ہوش سے سننا چاہیے ۔ باقی سننے والوں کی طرف توجہ سے پرہیز کرنا چاہیے اور ان کی طرف دیکھنا نہ چاہیے ۔ گلا صاف کرنے اور جمائی اور انگڑائی سے پرہیز کرنا چاہیے ۔ سر کو جھکائے رکھنا چاہیے ۔ فکر میں مستغرق رہنا چاہیے اور تمام حرکات و مرادات ، رقص اور تالیاں بجانے سے نفس کو قابو میں رکھنا چاہیے ۔ اگر بے اختیار ہو جائے اور پھر وہ گریہ و رقص کرے ، تو مباح ہے ۔ بشرطیکہ ریا کا ارادہ نہ ہو ، اس لیے کہ گریہ ، غم کو دور کرتا ہے اور رقص تحریکِ سرور کا موجب ہے اور تمام سرور مباح ہیں ۔

محفلِ سماع میں اہلِ سماع کی موافقت :

آداب سماع میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اہلِ سماع کی موافقت کرے ۔ اگر ایک شخص وجدِ صادق میں با اظہارِ وجد [۴۹۴] کی نیت سے کھڑا ہو گیا ہے ، تو ضروری ہے کہ اہلِ مجلس اس کی موافقت میں کھڑے ہو جائیں ۔

جب شیخ بدرالدین سمرقندیؒ رحمتِ حق سے جا ملے تو ان کو سنکولہ میں دفن کیا گیا ۔ تیسرے روز سلطان المشائخ تشریف لائے ۔ سماع کی مجلس منعقد ہوئی ۔ سلطان المشائخ ذرا دیر سے پہنچے ، اس لیے دوسرے قبرستان کے احاطے میں تشریف فرما ہوئے ۔ جب اہلِ مجلس کھڑے ہوئے

تو آپ بھی کھڑے ہوئے - مجلس کے بعض حاضرین نے عرض کیا کہ آپ کے اور مجلس کے درمیان کافی فاصلہ ہے - آپ تشریف رکھیے - آپ نے فرمایا کہ اہل مجلس کی موافقت کرنا ضروری ہے -

کاتب حروف نے اپنے والد سے سنا تھا کہ شیخ بدرالدین سمرقندیؒ نہایت بزرگ تھے اور شیخ سیف الدین باخزری کے خلیفہ تھے - انھوں نے شیخ نجم الدین کبریٰؒ کو پایا تھا - سیّد زائرالحرمین تھے - حافظ اور دانش مند تھے - جس میں یہ کمال ہوں اس کی فضیلت کا کیا پوچھنا - سماع کا غیر معمولی ذوق رکھتے تھے - بغیر سلطان المشائخؒ کے سماع نہ سنتے تھے - نہایت خوب صورت اور نیک سیرت تھے - خدا کی رحمت ہو اُن پر -

مذکورہ آداب سماع کے علاوہ سماع کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ ایسا رقص نہ کرے جو دوسروں کے لیے گراں ہو اور جس سے دلوں کو تشویش ہو -

''عوارف'' میں خواجہ ممشاد علو دینوریؒ کی روایت ہے کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ ! کیا آپ سماع کو اچھا نہیں سمجھتے ؟ فرمایا ، میں اس کا منکر نہیں ہوں ، لیکن بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس کے شروع کرنے سے قبل قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کے ختم کرنے کے بعد تلاوت قرآن مجید کرتے ہیں - پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! لوگ مجھے ایذا دیتے ہیں اور میری ہنسی اُڑاتے ہیں ؟ فرمایا ، ابو علی ! برداشت کرو کہ وہ تمھارے ساتھی ہیں - ممشاد علو دینوری فخر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (کے غلاموں) میں ہیں -

نکتہ

ان الفاظ کے بیان میں جو اصطلاح شعرا میں معشوق کے اوصاف کے لیے استعمال ہوتے ہیں

زلف ، رنگ ، چشم :

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ زلف سے استعارہ ہے قرب کی طرف جیسا کہ قرآن مجید میں ہے لیقربونا الی اللہ زُلفٰی یعنی تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرب کر دیں - رنگ سے جنت اور آنکھ سے

نظر رحمت کا تصور کرنا چاہیے ۔ "و لتصنع علی عینی یعنی مجھ پر نظر رحمت کر ۔ کفر بمعنی ڈھانپنے کے ہے ، چونکہ زلف خال کو ڈھانپتی ہے اس لیے اُسے کافر کہتے ہیں ۔ مصرعہ :

کافر نشوی قلندری کار تو نیست

یعنی جب تک کہ ہستی ، اعمال اور صدق تجھ پر پوشیدہ نہ ہوں گے تو عشق کا سچا دعویدار نہ بن سکے گا [۹۵م] اور جب تک کہ تو نفس کا مرتد نہ بنے گا تجھ سے کوئی کام نہ ہو سکے گا ۔

وقت :

کاتب حروف نے "رسالہ سماع" میں ، جو مولانا فخرالدین زرادی کی تالیف ہے ، لکھا ہوا دیکھا ہے کہ وقت سے مراد وہ چیز ہے جو بندے اور حق تعالیٰ کی اطاعت میں حائل ہوتی ہے ۔

چہرے کی چمک اور سواد خال :

چہرے کی چمک سے نور ایمان مراد ہے اور سواد خال سے مراد گناہوں کی تاریکی ہے ۔ ان معانی کے سوا ان الفاظ کے کوئی دوسرے معنی و مطلب لینا ، مقام اور حال کا نقصان ہے ۔ پس الفاظ (شاعرانہ) کو اوصاف حق پر محمول کرنا اس شخص کا کام ہے ، جو انھیں اس طرح سمجھتا ہو اور ظاہری الفاظ کو ان کے مناسب و موزوں طور پر امور حق پر ڈھال سکتا ہو ۔

اشعار کے اصطلاحی الفاظ مثال کی طرح ہیں :

پس اشعار کے (مصطلحہ) الفاظ امثال کی طرح ہیں ، جن کا موقع اور محل استعمال خاص ہوتا ہے اور اُن سے مراد ایک خاص چیز یا وصف ہوتا ہے ۔ امثال سے مطلب کی وضاحت ہوتی ہے ۔ وہ نفوس پر اثر انداز ہوتی ہے اور ان کا اثر بھی قلوب پر گہرا پڑتا ہے ، کیونکہ امثال خیال کو صورت تحقیق میں لاتی ہیں اور وہم و گمان کو یقین سے بدلتی ہیں ۔ غائب کو حاضر کا لباس عطا کرتی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ جل و علیٰ نے قرآن مجید میں بہت سی امثال بیان فرمائی ہیں ، چنانچہ قرآن مجید اور کتب نازلہ اور احادیث نبوی اور تمام انبیا کا کلام اور کلام صحابہ رضوان اللہ

علیہم اجمعین امثال سے بھرا ہوا ہے ۔ قرآن مجید میں ہے کہ تلک الامثال نضربھا [یہ مثالیں تو ہم لوگوں کے واسطے بیان کرتے ہیں ۔] وما یعقلھا الا العالمون [لیکن ان (امثال) کو سمجھ نہیں پاتے مگر عالم ہی سمجھ سکتے ہیں ۔]

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جو حرف کہ میں نے سماع میں سنا ہے ، صفات حق تعالیٰ میں سے گویا صفت حق سنی ہے ۔ یہاں تک کہ میں نے اس حرف کو شیخ کبیر فرید الحق والدین کے اوصاف حمیدہ پر محمول کیا ہے ۔ چنانچہ ایک روز شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز کی زندگی میں میں نے یہ شعر سنا :

خرام بدین صفت مبادا

کز چشم بدت رسد گزندے

اس شعر کو سن کر مجھے شیخ شیوخ العالم کے اخلاق پسندیدہ ، اوصاف برگزیدہ ، کمال بزرگی اور انتہائے لطافت یاد آئی ۔ ان یادوں کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں رونے لگا ۔ اس واقعے کے چند روز بعد ہی شیخ شیوخ العالم رحمت حق سے جا ملے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ارشاد حق تعالیٰ ہوگا کہ جو شعر تم نے سنا اس کو ہمارے اوصاف پر محمول کیا یا نہیں ؟ [۴۹۶] لوگ عرض کریں گے ، ہاں ۔ ارشاد ہوگا کہ ہمارے اوصاف حادث ہیں اور ہماری ذات قدیم ۔ حادث کو قدیم پر محمول کرنا کس طرح جائز ہے ۔ لوگ عرض کریں گے کہ ہم نے انتہائے محبت میں ایسا کیا ۔ ارشاد ہوگا کہ چونکہ تم نے محبت میں ایسا کیا ہے اس لیے ہم تم پر رحم کرتے ہیں ۔ بعدہ' آپ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ جو مستغرق محبت حق ہے اُس پر یہ عتاب ہے دوسروں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا ۔

اس موقع پر امیر حسن شاعر نے عرض کیا کہ مجھے جو سماع میں ذوق حاصل ہوتا ہے ، وہ کسی وقت حاصل نہیں ہوتا ۔ فرمایا کہ اصحاب طریقت ، اہل محبت اور مشتاقوں کو اسی وقت ذوق حاصل ہوتا ہے ، جب وہ آگ میں جھونکے جاتے ہیں ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بقا کہاں سے نصیب ہوتی اور بقا میں ذوق ہوتا ہے ۔ اس موقع پر آبدیدہ ہوکر اور ایک آہ سرد بھر کر فرمایا کہ ایک دفعہ مجھے خواب میں کوئی چیز دکھلائی گئی ۔

میں نے یہ مصرع پڑھا :

اے دوست ! بدست التظارم کُشتی

پھر میں نے خواب ہی میں اس مصرعے کو اس طرح دہرایا :

اے دوست ! بہ تیغِ انتظارم کُشتی

جب میں بیدار ہوا تو مجھے یاد آیا کہ یہ مصرع اس طرح ہے ۔ ع :

اے دوست ! بزخمِ انتظارم کُشتی

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ مالک بسو ، مچھر ، مکھی وغیرہ کے کلام کو سن کر سمجھتا ہے ۔ نیز پرندوں وغیرہ کی زبان کو بھی سمجھتا ہے ۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ناقوس کی آواز سنی ، تو لوگوں سے کہا ، کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا کہتا ہے ؟ لوگوں نے کہا ، نہیں ۔ فرمایا ، یہ کہہ رہا ہے کہ سبحان اللہ حقاً حقاً ان المولٰی قد یبقٰی ۔

نکتہ

اہلِ سماع کے وجد کے بیان میں

وجد کی حقیقت :

حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ خدائے تعالٰی کے ننانوے نام ہیں ۔ اُن میں سے ایک نام الواجد بھی ہے ۔ واجد وجد سے مشتق ہے ۔ اس کے معنٰی ہیں بخشنے والا صاحبِ وجد کا اور دوسرے معنٰی صاحبِ وجد بھی ہیں ۔ موخرالذکر معنی ذاتِ حق پر صادق نہیں آ سکتے ، اس لیے پہلے معنٰی (بخشندۂ صاحبِ وجد) درست ہیں ۔

لیکن مولانا فخر الدین زرادی اپنے رسالے میں لکھتے ہیں کہ خواجہ عثمان مکی وجد کی حقیقت کے بارے میں کہتے ہیں کہ وجد سے اس کا اشتقاق ممکن ہے ، اس لیے کہ وجد اسرارِ الٰہی میں سے ایک راز ہے جس کے صاحب یقین مؤمن امانت دار ہیں ۔

ابو سعید خراز نے وجد کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وجد حجاب کو دور کرنا ، رقیب کا مشاہدہ کرنا ، دشمن کو پہچاننا ، شر سے لڑنا اور مقصود کو قائم رکھنا ہے ۔

[۷۹۴] کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ وجد صحیح کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا کہ وجد کرنے والوں میں سے اس کی قبولیت ہی وجد صحیح ہے۔
لیکن حکماء کا بیان ہے کہ وجد فضل شریفہ کے دل میں ہونے کا نام ہے۔ جس کے بیان کرنے سے زبان قاصر ہے اور الفاظ اس کی حقیقت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ پس نفس اس کو خوش الحانی اور نغمات کے ذریعے سے باہر لاتا ہے اور جب ظاہر ہوتا ہے تو اعضا میں سرور اور حرکت پیدا ہوتی ہے۔

نکتہ

وہ حالات جو سماع میں پیدا ہوتے ہیں

انوار ، احوال ، آثار :

حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ سماع میں جو حالات پیش آتے ہیں وہ تین قسم کے ہیں : انوار ، احوال ، آثار اور یہ تین عالموں سے نازل ہوتے ہیں ، یعنی عالمِ ملک ، ملکوت اور اُن کے مابین جو عالمِ جبروت ہے ، یعنی حالتِ سماع میں عالمِ ملکوت سے روحوں پر انوار نازل ہوتے ہیں۔ جب ان انوار کا اثر دل پر ظاہر ہوتا ہے ان کو احوال کہتے ہیں۔ ان احوال کا تعلق عالمِ جبروت سے ہے ، جن کا اثر دل پر ظاہر ہوتا ہے۔ پھر پورے طور پر حرکت ظاہر ہوتی ہے ، جس کو آثار کہتے ہیں ، اس کا تعلق عالمِ ملک سے ہے۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دفعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کسی غزوے سے تشریف لائے۔ فرمایا ، کوئی ہے جو دف بجائے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ نے دف اُٹھا کر بجایا اور یہ شعر پڑھے :

اینا کم اتینا کم فحیونا نحیا کم
اتینا کم اتیانکم تحبونا نحبیکم

[ہم تمھارے پاس آئے ہم تمھارے پاس آئے۔ ہم نے تمھیں مرحبا کہا تم نے ہمیں مرحبا کہا ـــــ ہم تمھارے پاس آئے ہم تمھارے پاس آئے۔ تم ہم سے محبت رکھتے ہو ہم تم سے محبت رکھتے ہیں۔]

ولو لا التمرة الحمراء ما کنا بوادیکم
ولو لا دعوۃ الرحمٰن ما کنا بواریکم

[اگر سرخ کھجوریں نہ ہوتیں تو ہم تمھاری وادی میں نہ آتے ،
اگر اللہ تعالیٰ کی دعوت نہ ہوتی تو ہم تمھارے مہمان نہ ہوتے -]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا ، اے عائشہؓ !
پھر کہو -

نیز فرمایا کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنے صحابہؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر تشریف لائے :

و اذا سمعوا ما انزل اللہ الی الرسولِ تریٰ اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق -

[جو کچھ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے ، جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں چونکہ اُنھوں نے حق کو پہچان لیا ہے -]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اس آیت کو سن کر اُٹھے اور تنہائی میں بیٹھ گئے اور اس قدر خوش ہو کر اُٹھے کہ چادر مبارک کندھوں پر سے گر پڑی - یہ واقعہ اس لیے بھی مشہور ہے کہ اُس مجلس میں صحابہؓ موجود تھے اور وہ تبرکاً چادر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے لے گئے تھے -

سماع میں مکرر شعر پڑھنے اور قوالوں کو خرقہ دینے کا ماخذ :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے زمانے میں ایک شخص کعب بن زہیر تھا - اُس نے جاہلیت کے زمانے میں چند شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ہجو میں کہے تھے - جب آپ نے مکہ فتح کیا تو وہ مکے میں تھا کہ اُسے معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم صلی علیہ و آلہٖ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا ہے کہ وہ جہاں بھی زہیر کو پائیں ، قتل کر دیں - جب یہ خبر کعب بن زہیر کو معلوم ہوئی ، تو اس نے صحابہؓ کے ڈر سے عورتوں کا لباس پہن لیا اور اس لباس کو تبدیل کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوکر ایمان لایا اور شعر پڑھنے شروع کیے - [۹۸م] رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو ؟ اس نے کہا کہ میں کعب ابن زہیر ہوں - میں نے آپ کے صحابہؓ کے ڈر سے یہ لباس پہنا ہے - میں نے ساٹھ شعر آپ کی ہجو میں کہے تھے اور اب اس کے دگنے ایک سو بیس اشعار میں نے آپ کی مدح میں کہے ہیں - رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس سے فرمایا ، سناو - اس نے اپنے اشعار سنانے شروع کیے - جب وہ اس شعر پر پہنچا :

نبئت ان رسول اللہ اوعدنی
و العفو عند رسول اللہ ماسول

[مجھے یہ خبر ملی تھی کہ رسول اللہؐ نے میری تہدید فرمائی ہے ، حالانکہ عفو کی رسول اللہؐ سے اُمید کی جاتی ہے -]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ، اس شعر کو دوبارہ پڑھو - اُنھوں نے اس شعر کا اعادہ کیا - یہیں سے سماع میں دوبارہ شعر پڑھنے کا رواج ہوا - رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انھیں اپنی چادر عنایت فرمائی - اس سے درویشوں میں قوالوں کو خرقہ دینے کا رواج ہوا - جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وفات پائی تو امیر معاویہ نے کعب بن زہیر کو اس چادر کی قیمت پہلے سو دینار ، یہاں تک کہ دس ہزار دینار دینا چاہے ، لیکن کعب بن زہیر نے منظور نہیں کیے ، یہاں تک کہ امیر معاویہ خلیفہ ہوئے - ان کی خلافت کے زمانے میں کعب بن زہیر نے وفات پائی - امیر معاویہؓ نے ان کے بیٹوں کے پاس آدمی بھیجا اور کہلایا کہ اگر وہ چادر تم مجھے دے دو تو میں بیس ہزار دینارؓ تم کو دوں گا - انھوں نے منظور کر لیا اور امیر معاویہؓ نے اُن سے چادر خرید لی -

شیخ الشیوخ نے ”عوارف“ میں لکھا ہے کہ اب وہ چادر خلیفہ ناصر الدین کے خزانے میں ہے -

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے - حضرت ابو موسٰی اشعریؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم باغ کے دروازے پر ٹھہرو - اگر کوئی آئے تو بغیر میری اجازت کے اندر نہ آنے دو - اس باغ میں ایک کنواں تھا - رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اُس کنویں میں پاؤں لٹکا کر

بیٹھ گئے ۔ اتنے میں امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اُن کے آنے کی اطلاع رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دی ۔ حضور نے فرمایا ، اُنھیں آنے دو ۔ وہ آنحضرتؐ کے داہنی طرف اُسی طرح پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے ۔ اس کے بعد امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ تشریف لائے ۔ رسولِ اکرمؐ نے ان کو بھی اجازت دے دی ۔ وہ رسولِ اکرمؐ کے بائیں جانب آ کر اُسی طرح بیٹھ گئے ۔ پھر امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ آئے اور آپ کی اجازت کے بعد اُسی ہیئت سے آپ کے بالمقابل بیٹھ گئے ۔ اس کے بعد امیرالمؤمنین حضرت علیؓ آئے اور اجازت کے بعد اسی طرح بیٹھ گئے ۔ پھر رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ ہم جس طرح آج [۹۹م] یک جا جمع ہیں ، ہماری موت بھی یک جا ہوگی ۔ اسی طرح قیامت کے دن بھی ہم اکٹھے اُٹھائے جائیں گے ۔

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اہلِ دل درویشوں کو جو حال آتا ہے ، اس کی بنیاد یہ ہے ۔

نیز فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کسی چیز سے وحشت ہوتی ، تو اُن کا عصا تسبیح کرنے لگتا ، جس سے پھر انھیں انس پیدا ہو جاتا ۔

شیخ احمد غزالی نے لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ کی شرفِ ہم‌کلامی سے مشرف ہوئے ، تو اس کے بعد یہ حال تھا کہ جس کی نظر آپ کے جمال پر پڑ جاتی ، وہ جل جاتا ۔ حکم ہوا کہ برقع اپنے چہرے پر ڈال لو ، چنانچہ انھوں نے برقع ڈال لیا ، لیکن وہ برقع بھی جل گیا ۔ پھر آپ نے اون کا برقع ڈال لیا ، وہ بھی جل گیا ۔ اس کے بعد آپ نے لوہے کا برقع ڈالا ، وہ بھی جل گیا ۔ اس کے جلنے کے بعد حضرت موسیٰ نہایت متحیر ہوئے ، یہاں تک کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ اے اللہ کے نبی کسی درویش کے خرقے کا برقع بناؤ ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسے درویش کا پتا پوچھا ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ فلاں جگہ درویش ہیں ۔ حضرت موسیٰ اُن درویشوں کے پاس گئے ۔ ان سے خرقہ حاصل کیا اور اس کا برقع بنایا اور وہ برقع اپنے چہرے پر ڈالا ، جو نہیں جلا اور صحیح سلامت رہا ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ پر حال کا غلبہ تھا ، یہاں تک کہ انھوں نے اسی عالم میں آہ بھری تو ٹوپی جل گئی ۔

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ بعض پر سماع میں ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ ہوش و حواس نہیں رہتے اور بعض پر اگرچہ یہ حالت طاری ہوتی ہے ، لیکن وہ مغلوب نہیں ہوتے ، مگر کمال یہ ہے کہ سماع میں مغلوب نہ ہو۔ بعض لوگ سماع میں خود سے بے خبر ہو جاتے ہیں ، یہاں تک کہ اگر لوہے کی میخ ٹھوک دی جائے تب بھی ان کو خبر نہیں ہوتی۔ بعض لوگ سماع میں خدا کے سامنے اس طرح حاضر ہوتے ہیں کہ اگر پھول کی پتی بھی ان کے پاؤں کے نیچے آ جائے تو بھی جان جاتے ہیں۔ یہ مرتبہ کاملوں کا ہے۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ بدرالدین غزنوی نے شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہما العزیز سے سوال کیا کہ اہلِ سماع کیوں بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ فرمایا ، اس لیے کہ وہ الست بربکم کی آواز سن کر روزِ میثاق میں بے ہوش ہو گئے تھے۔ اُس دن سے بے ہوشی ان میں رچی اور بسی ہوئی ہے۔ جب وہ سماع سنتے ہیں ، تو وہ بے ہوشی اُن پر اثر کرتی ہے۔ حیرت اور حرکت [۵۰۰] ان میں ظاہر ہوتی ہے۔

سماع کی دو قسمیں :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ سماع کی دو قسمیں ہیں ، ایک ہاجم اور دوسرے غیر ہاجم۔ سماع ہاجم یہ ہے کہ اوّل سماع ہجوم لاتا ہے اور وہ شخص حرکت میں آتا ہے۔ اُس کی شرح نہیں ہو سکتی۔

دوسری قسم غیر ہاجم ہے۔ غیر ہاجم سماع وہ ہے کہ جب اُس شخص پر سماع اثر کرے تو وہ اسے حق سبحانہ' تعالٰی پر یا اپنے مرشد پر یا کسی ایسے شخص پر ، جس کا خیال اس کے دل میں ہو ، محمول کرے۔

نیز فرمایا کہ حکیم فارابی ایک دن خلیفہ کی مجلس میں اس طرح آیا کہ وہ مختصر اور حقیرانہ لباس پہنے ہوئے اور فقیرانہ صورت بنائے ہوئے تھا۔ خلیفہ کے سامنے سماع شروع کیا اور چنگ لے کر بجانا شروع کیا۔ یہ حکیم سماع کی تین قسمیں جانتا تھا ، اوّل مضحک یعنی ہنسانے والا ، دوسرے مبکی یعنی رولانے والا ، تیسرے مغمی یعنی بے ہوشی لانے والا۔ القصہ جب اُس نے چنگ بجانا شروع کیا تو پہلے ساری مجلس قہقہے مارنے لگی۔ پھر اس نے چنگ کو اس طرح بجایا کہ تمام حاضرین مجلس رونے لگے۔ تیسری مرتبہ اُس نے چنگ کو اس طرح بجایا کہ سارے

اہل مجلس بے ہوش ہوگئے - پھر اس نے دیوار پر یہ عبارت لکھی کہ فارابی یہاں آیا اور غائب ہوگیا - جب اہلِ مجلس ہوش میں آئے تو اس لکھی ہوئی عبارت سے انھیں معلوم ہوا کہ وہ حکیم فارابی تھا -

نیز فرمایا کہ یہی حکیم تھا کہ جس نے خلیفہ کو بد عقیدہ بنا دیا تھا ، لیکن شیخ شہاب الدین سہروردی نے اس پر اس کی بد عقیدگی کو واضح کرکے پھر اہلِ سنت و جماعت کا مذہب اختیار کرایا - دسویں باب کے لکتۂ حکایات میں یہ حکایت بھی قلم بند کی گئی ہے -

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک روز حضرت خضر علیہ السلام شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں آئے - درویشوں نے مجلس سماع کا آغاز کیا اور شیخ شیوخ العالم سجادے پر تشریف فرما تھے - آپ نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر یہ شعر بلند آواز سے پڑھا :

صاحبِ درد کجاست تا بنمائیم
صد گریۂ زار زیرِ ہر خندۂ خویش

نیز فرمایا کہ شیخ ضیاء الدین رومی[1] سے میں نے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میرا ایک مرید تھا ، جسے سماع میں ذوق و شوق حاصل ہوتا تھا - میں نے اس کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ اگرچہ اس کو بہشت میں بلند مقام ملا ہے ، لیکن غمگین ہے - میں اُس کو مبارک باد دینے کے لیے اُس کے مقام پر گیا اور میں نے اس سے کہا کہ اس بلند مقام کے باوجود پھر تم اُداس کیوں ہو ؟ اُس نے جواب دیا کہ اگرچہ مجھے یہ بلند مقام ملا ہے ، لیکن سماع میں جو لذت و ذوق تھا مجھے یہاں حاصل نہیں -

نیز فرمایا کہ میں نے جنید نامی ایک قوال سے سنا کہ شیخ شرف الدین کرمانی قصبہ سرستی کے رہنے والے تھے - اُنھوں نے سماع میں [۵۰۱] اس

۱- شیخ ضیاء الدین رومی : سلسلۂ سہروردیہ کے بزرگ تھے ، جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے - جب وہ ہندوستان آئے تو سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی اُن سے بیعت ہوئے - اُنھوں نے عہدِ مبارک شاہ میں دہلی میں وفات پائی اور یحییٰ منڈل کے قریب مدفون ہوئے - (نزہۃ الخواطر ، جلد ۲ ، ص ۶۵ ، بحوالہ اخبارالاخیار)

شعر پر جان دی :

ہر روز دہد جانِ من آواز مرا
زنہار براہِ دوست در باز مرا

شیخ شرف الدین نے اس شعر کو سن کر کہا "در باختم و جان دادم"۔ یہ کہہ کر جان ، جانِ آفرین کے سپرد کی ۔ الحمد للہ علٰی ذلک ۔

نیز فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوری سے ہم تک پہنچا ہے کہ ایک روز مجلس سماع تھی اور ماہر قوال بھی حاضر تھے ، لیکن حاضرینِ مجلس پر سماع کا اثر نہ ہوتا تھا ۔ بانیِ مجلس نے اس بے اثری کو دیکھ کر کہا کہ آؤ اگر کسی کو کسی سے کوئی رنجش ہو تو صفائی کر لے ۔ چنانچہ لوگوں نے اٹھ کر صفائی کی ، لیکن مجلس سماع کی بے اثری نہ گئی ۔ پھر بانیِ مجلس نے کہا کہ شاید اس مجلس میں کوئی بیگانہ موجود ہو ، لیکن تلاش کیا گیا کوئی بیگانہ نہ ملا ۔ پھر تمام اہلِ مجلس سماع چھوڑ کر استغفار میں مشغول ہوگئے ۔ اسی اثنا میں ایک درویش آیا اور یہ شعر پڑھا :

بیت

کس را تو چوں معشوق مبارک پے نیست
اے جانِ جہاں ! مثلِ تو در روئے زمیں نیست

درویش سے اس شعر کے سنتے ہی مجلس میں ایک کیفیت پیدا ہوگئی ، اور حاضرینِ مجلس پر ایسا اثر ہوا کہ اُن میں سے ایک عزیز نے جان دے دی ۔ مجلس کے دوسرے لوگوں نے درویش کو منع کیا کہ دوبارہ یہ شعر سماع میں مت پڑھنا ۔

نیز فرمایا کہ خواجہ یوسف چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کی خانقاہ میں عزیزانِ چشت نے ایک دفعہ سماع کی مجلس منعقد کی تھی ۔ قوال نے یہ شعر پڑھا :

بیت

عاشق ہموارہ مست و مدہوش بود
و ز یادِ محبِ خویش بے ہوش بود
فردا کہ ہمہ بحشر حیران باشند
نامِ تو درونِ سینہ و گوش بود

ان دونوں شعروں نے اہلِ مجلس پر گہرا اثر کیا ۔ اس مجلس میں سے دو شخص ایسے مدہوش ہوئے کہ اُن کے خرقے موجود رہے اور وہ دونوں غائب ہو گئے ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دن قاضی منہاج الدین جوزجانیؒ کو شیخ بدرالدین غزنویؒ نے بلوایا ۔ وہ پیر کا دن تھا ۔ اُنھوں نے وعدہ کیا کہ وہ وعظ سے فارغ ہو کر آئیں گے ۔ جب قاضی منہاج تشریف لے آئے تو مجلس سماع شروع ہوئی ۔ قاضی منہاج الدین پر اس شعر پر کہ :

نوحہ میکرد بر من نوحہ گر در مجمعے
درد دل سوزم برآمد نوحہ گر آتش گرفت

اس قدر کیفیت طاری ہوئی کہ اپنی دستار اور خرقہ ، جو پہنے ہوئے تھے ، ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ۔ امیر خسرو نے کیا اچھا کہا ہے :

خوش آں حالے کہ باشم گرد کویت
رُخے پُرخوں ، گریباں پارہ پارہ

سلطان المشائخ کی قاضی منہاج کے وعظ میں حاضری :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ قاضی منہاج الدین جوزجانی[1] ایک صاحبِ ذوق انسان تھے ۔ [۵۰۲] ہر دو شنبے کو میں اُن کی مجلس وعظ میں جاتا تھا ۔ ایک دن اُنھوں نے وعظ کے دوران یہ رباعی پڑھی :

لب بر لبِ دلبرانِ مہوش کردن
آہنگِ سرِ زلفِ مشوش کردن
امروز خوش است ولیک فردا خوش نیست
خود را چوخسے طعمۂ آتش کردن

میں یہ رباعی سن کر بے خود ہوگیا ۔ ایک گھڑی کے بعد ہوش میں آیا ۔

۱- قاضی منہاج الدین جوزجانی : نام : عثمان ۔ لقب : منہاج الدین جوزجانی ۔ کنیت : ابو عمرو ۔ ولادت : ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) ۔ وفات : بعد ۶۵۸ھ (۱۲۶۰ء) تصانیف : طبقاتِ ناصری ۔ (ماخوذ از طبقاتِ ناصری ، جلد اول (ترجمہ اُردو ، مولانا مہر ، ص ۲ - ۱۸)

نیز فرمایا کہ میں نے شیخ نظام الدین ابوالمؤید کو دیکھا کہ مسجد کے دروازے پر جوتا پہنے ہوئے تشریف لائے۔ پھر اُنھوں نے جوتا نکالا اور ہاتھ میں لے کر مسجد میں آئے اور اس طرح دوگانہ ادا کیا کہ میں نے اس طرح دوگانہ ادا کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔ پھر منبر پر تشریف لے گئے۔ ایک اچھے اور خوش الحان قاری نے قرآن مجید کی آیت پڑھی۔ اس کے بعد شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے وعظ کا آغاز کیا اور فرمایا کہ میں نے اپنے بابا کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے۔ ابھی یہ بات پوری بھی کرنے نہ پائے تھے کہ اُن کی اتنی ہی بات نے حاضرینِ مجلس پر گہرا اثر کیا۔ اس وقت آپ نے یہ دو شعر پڑھے:

بیت

نہ از تو نہ از عشقِ تو حذر خواہم کرد
جاں از غمِ تو زیر و زبر خواہم کرد
ہر درد دلے بخـــاک در خواہم شد
ہر عشق سرے ز گور بر خواہم کرد

قاضی حمید الدین ناگوری کا ایک خط شیخ شیوخ العالم کے لیے سماع کا قائم مقام بنا

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دن شیخ شیوخ فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ نے سماع سننا چاہا، لیکن اتفاق سے قوال حاضر نہ تھے۔ آپ نے مولانا بدرالدین اسحاق سے فرمایا، جاؤ اور وہ خط لے کر آؤ جو ہمیں قاضی حمیدالدین ناگوری نے بھیجا ہے۔ مولانا بدرالدین اسحاق خطوط کا تھیلہ لے کر آئے اور تھیلے میں ہاتھ ڈالا تو اتفاق سے مولانا بدرالدین اسحاق کا وہی خط نکلا۔ شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ اسے پڑھو۔ مولانا بدرالدین اسحاق نے اسے کھڑے ہو کر پڑھا۔ اس خط میں یہ لکھا ہوا تھا:

فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطا کہ بندۂ درویشانست
و از سر و دیـــدہ خـــاک قـــدم ایشانست

[فقیر، حقیر، ضعیف نحیف محمد عطا کہ درویشوں کا غلام ہے اور سر تا پا ان کے قدموں کی خاک ہے۔]

شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر پر خط کے ان کلمات کے سننے سے حال طاری ہوا ۔ بعد میں اس خط میں یہ رباعی لکھی ہوئی تھی جو انہوں نے پڑھی :

آں عقل کجا کہ در کمالِ تو رسد
و آں روح کجا کہ در جلالِ تو رسد
گیرم کہ تو پردہ بر گرفتی ز جمال
و آں دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد

مکتوب سلطان المشائخ بنام شیخ شیوخ العالم :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے حضرت شیخ شیوخ العالم [۵۰۳] شیخ کبیر کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا ، جس میں یہ رباعی تحریر کی :

رباعی

ز آں روئے کہ بندۂ تو دانند مرا
بر مردمکِ دیدہ نشانند مرا
لطفِ عامت کہ عنایتے فرمودہ است
ورنہ لکثیم و چہ ام چہ خوانند مرا

بعد میں میں جب حضرت شیخ شیوخ العالمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے وہی رباعی پڑھی اور فرمایا ، جو رباعی تم نے مجھے لکھی تھی وہ مجھے یاد ہو گئی ۔

نیز فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ شیوخ العالمؒ نے یہ شعر پڑھا :

بیت

نظامی ایں چہ اسرار است کز خاطر عیاں کردی
کسے سرّش نمی داند زباں در کش زباں در کش

جوں جوں آپ یہ شعر پڑھتے تھے ، آپ پر کیفیت طاری ہوتی جاتی تھی ، یہاں تک کہ رات ہو گئی اور آپ یہ شعر پڑھتے رہے اور آپ پر کیفیت طاری رہی ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ معلوم نہیں وہ کون سا خیال تھا جو آپ سے یہ شعر بار بار پڑھواتا تھا ۔

حکیم سنائی کا ایک اہم شعر :

نیز فرمایا کہ شیخ سیف الدین باخرزی کہتے تھے کہ میں سنائی کے اس شعر کا مسلمان کیا ہوا ہوں ۔ حاضرینِ مجلس میں سے ایک عزیز نے یہ شعر پڑھا ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ وہی شعر ہے :

بر سرِ طور ہوا طنبورِ شہوت میزنی
عشق میرد لن ترانی را بدیں خواری مجو

بعدہٗ حضرت سلطان المشائخ نے یہ شعر پڑھا :

بیت

خاک پائے راہِ عیّارانِ ایں درگاہ را
بر کفِ دستِ عروسِ سہد عماری مجو

امیر حسن نے سوال کیا کہ یہ عماری کیا ہے ؟ فرمایا کہ جسے عام طور پر لوگ عماری کہتے ہیں ، یہ وہ عماری نہیں ، بلکہ عمار ایک شخص کا نام تھا ، اُسی کی بنائی ہوئی یہ عماری ہے ۔

نیز سیف الدین باخرزی بار بار یہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش لوگ مجھے اس جگہ لے جائیں کہ جہاں سنائی کی قبر ہے ، تاکہ اُن کی خاک کو میں اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں ۔

فخری نامہ کی اہمیت :

نیز فرمایا کہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے وصیت کی کہ ''فخری نامہ'' یاد کرو ۔ پھر آپ نے اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بدایوں میں ایک بزرگ تھے کہ اُن جیسا کوئی بزرگ نہ تھا ۔ وہ کہا کرتے تھے کہ افسوس ہے کہ ''فخری نامہ'' مجھے پیرانہ سالی میں ملا ۔ اگر یہ جوانی میں میرے ہاتھ آ جاتا تو میں بہت سے عجیب و غریب کام اس کے ذریعے انجام دیتا ۔

لکتہ

سماع میں رقص اور کپڑے پھاڑنے کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ جو تحریکہ

یادِ حق تعالیٰ کی بنا پر ہوتی ہے ، وہ مستحب ہے ۔ اگر فساد کی طرف مائل ہو [۵۰۴] وہ حرام ہے ، لیکن جو شخص سماع میں رقص و حرکت کرتا ہے اور کپڑے پھاڑتا ہے ، وہ بندہ مغلوب الحال ہے ۔ اس سے مواخذہ نہ ہوگا اور جو دیدہ و دانستہ اپنے اختیار سے کرتا ہے ، تاکہ لوگوں کو دکھائے ، تو وہ حرام ہے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ درویش جب سماع میں تالی بجاتا ہے ، جو شہوت اس کے ہاتھوں میں ہوتی ہے ، گر جاتی ہے ۔ جب پاؤں زمین پر مارتا ہے تو پاؤں کی شہوت گر جاتی ہے ۔ جب وہ نعرہ مارتا ہے تو اندر کی شہوت گر جاتی ہے ۔

نیز فرمایا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم امیرالمؤمنین حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو جب رقص میں لاتے تو یہ کلمات فرماتے ۔ حرقہ حرقہ عین لغتہ حرقہ شیٔ صغیر ۔ یعنی آنکھ کے شعلوں نے اُسے جلا دیا ایسی چھوٹی چیز نے جلا دیا ۔

نیز فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ (سماع کا سننے والا) بے خبری کے عالم میں قوالوں کے بجانے پر کیوں کر رقص کر سکتا ہے ؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان نفسانی خیالات اور شہوانی خواہشات سے دور ہو جاتا ہے ، تو یہ اس کے قرب کی علامت ہوتی ہے ۔

نیز فرمایا کہ الست بربکم کے جواب میں قالوا بلیٰ بعضوں نے زبان سے اور بعض نے ہاتھ کے اشارے سے اور بعضوں نے سر کے اشارے سے کہا ۔ چنانچہ سماع میں وہی حرکت اس سے ظاہر ہوتی ہے ، جس سے اُس نے قالوا بلیٰ کہا تھا ۔

مولانا فخرالدین زرادی نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں سے پوچھا گیا کہ طبعی طور پر لحن کے موقع در اعضا کے ہلنے کی کیا وجہ ہے ؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ عشق عقلی ہے اور عشق عقلی محتاج نہیں معشوق کے بولنے کا بلکہ بیان ، تبسم ، حکایت اور چشم و ابرو کی حرکات لطیفہ اور اشارے کافی ہیں ۔ ان کو گفتگوئے روحانی کہتے ہیں ۔ امیر خسرو فرماتے ہیں :

آں چشم سخن گو نگرد آں لبِ خاموش
و آں تلخی گفتار و شکر خندہ چو یوسف

میں نے ابرو سے کہا اور آنکھوں سے سنا ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

اشاراتِ تو پنہاں نیست اے یار
دل و جاں میبری جاناں بگفتار
بہ چشمِ نازنیں کردی حکایت
بخونِ رازیِ ما دادی روایت

نیز فرمایا کہ بدایوں میں ایک واعظ تھے ۔ اُن سے کسی نے پوچھا کہ سماع اور رقص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ؟ فرمایا ، میں اس کے بارے میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ جو بے خود ہوتا ہے وہ گرم توے پر بھی رقص کر سکتا ہے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مولانا بدر اسحاق فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے رقص کرتے ہوئے اپنا ہاتھ میرے کاندھے پر رکھا ۔ [۵۰۵] وہ اس پر فخر کرتے ہوئے یہ واقعہ بیان کیا کرتے تھے ۔ اس مجلس میں سماع گرم ہونے سے پہلے حضرت شیخ شیوخ العالم نے اپنے ایک مرید محمود نٹوہ سے فرمایا کہ اے محمود! تو مُردہ ہے یا زندہ ۔ یہ سنتے ہی محمود رقص کرنے لگا ۔

کاتبِ حروف نے اپنے والد سے سنا تھا کہ جس تاریخ سے کہ آپ نے خواجہ محمود پٹوہ سے یہ ارشاد فرمایا تھا ، اُسی دن سے خواجہ محمود آخر عمر تک ان لوگوں میں تھے کہ جس مجلس سماع میں جاتے ، سب سے پہلے ان پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ۔

نیز فرمایا کہ گزشتہ زمانے میں اجودھن کا ایک قاضی ہمیشہ شیخ شیوخ العالم سے جھگڑا کرتا رہتا تھا ، یہاں تک کہ وہ اس دشمنی کی بنا پر ملتان گیا اور اس کی مخالفت یہاں تک بڑھی کہ اس نے ملتان کے صدور اور ائمہ سے کہا کہ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مسجد میں بیٹھ کر مجلسِ سماع منعقد کرے اور کبھی کبھی رقص بھی کرے ۔ اُنھوں نے کہا ، قاضی صاحب! آپ کس کے متعلق یہ بات کہہ رہے ہیں ۔ اس نے کہا ، میں شیخ شیوخ العالم کے متعلق یہ بات کہہ رہا ہوں ۔ اُن بزرگوں نے کہا کہ ہم ان کو کچھ نہیں کہہ سکتے ۔

منقول ہے کہ محمد بیرم نامی ایک قوال تھا ، جس سے شیخ اوحد الدین کرمانی قدس اللہ سرہ العزیز سماع سنا کرتے تھے ۔ وہ شیخ شیوخ عالمؒ کی

خلعت میں آیا ۔ شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ، مجلسِ سماع قائم کرو ۔ جب سماع کے کہنے والوں نے مجلس شروع کی تو شیخ بدرالدین غزنوی اور شیخ جمال ہانسوی پر رقص کی کیفیت طاری ہوئی اور رقص کرنے لگے ۔ قوال نظامی کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے :

ملامت کردن اندر عاشقی لاست
ملامت کے کند آنکس کہ بیناست
نہ ہر تر دامنے را عشق زیبد
نشانِ عاشقاں از دور پیداست
نظامی ! ناتوانی پارسا باش
کہ نورِ پارسائی شمعِ دلہاست

حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ بدرالدین بڑی عمر کے بزرگ تھے ۔ مسافر ان کی نسبت کہا کرتے تھے کہ اگرچہ شیخ بدرالدین بوڑھے ہوگئے مگر یہ رقص کس طرح کرتے ہیں ۔ شیخ نے فرمایا ، وہ رقص نہیں کرتے بلکہ عشق رقص کرتا ہے ۔ جسے عشق کی دولت حاصل ہے ، وہ ہمیشہ رقص میں ہے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ بدرالدین غزنوی بڑھاپے کی وجہ سے اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے تھے ، لیکن جب سماع سنتے ، تو اس طرح رقص کرتے جس طرح دس سال کا بچہ رقص کرتا ہے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دن شیخ بدرالدین غزنوی نے مجھ سے کہا کہ آؤ میں تمھیں سماع کا اجازت نامہ لکھ کردوں ۔ میں نے کہا ، مجھ میں اس کی قابلیت نہیں ۔ جس کی قابلیت شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھ میں دیکھی اس کے کرنے کا حکم مجھے فرما دیا [۵۰٦] اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے ، اس کے کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا ۔ اس بنا پر میں اس کے ناقابل ہوں اور یہ خود میرا قصور ہے کہ میں اس کے قابل نہیں ہوں ۔ یہ بات مجھے ناگوار گزری اور میں گھر آیا ۔ دوسرے دن میں شیخ شیوخ العالم کی زیارت کے لیے گیا ۔

نیز فرمایا کہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں کبھی سماع کی مجلس سے پہلے (وجد کے لیے) اٹھا ہوں ، مگر صرف ایک مرتبہ ۔ میں ایک مجلس میں تھا ، وہاں سماع کا آغاز ہوا ۔ سماع نے مجھ پر غیر معمولی اثر کیا ،

یہاں تک کہ میں بے خود ہو گیا - جب میں ہوش میں آیا تو اپنے آپ کو کھڑا ہوا پایا - جو شخص سماع میں پہلے اُٹھتا ہے ، پھر اس سماع کی مجلس میں جو کچھ ہوتا ہے ، اس کی پرسش اسی شخص سے ہوگی - کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

رقص آن نبود کہ ہر زمان برخیزی
بے درد چو گرد از میان برخیزی
رقص آن باشد کز دو جہان برخیزی
دل پارہ کنی و ز سر جان برخیزی

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اگر کوئی شخص سماع کے وقت چت گر پڑے کہ اُس کی پیٹھ زمین سے لگ جائے ، تو اُسے اپنا لباس فدیہ دینا چاہیے ، یعنی اس مجلس میں سے اُس کے کپڑے کوئی خریدے اور پھر وہ اس سے بطور شکریہ خریدے - اگر سماع میں کوئی شخص اپنے آپ کو آگ میں ڈال لے یا بلندی سے گرا لے تو اگر اس کا سماع حقیقی ہے تو اُسے نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر محض دکھاوے کے لیے ہے تو وہ جلے گا اور مر جائے گا -

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ دارالامان دہلی میں کافور نامی ایک خواجہ سرا تھا ، جو دو ٹنکے میرے لیے لے کر آتا - میں نے انھیں قبول کر لیا - اس نے کہا ، مجھے حکم ہے کہ ہر جمعہ کو سلطان غیاث الدین بلبن کی روح کے لیے کچھ دوں - اگر آپ اجازت دیں تو میں ہر جمعہ کو آپ کی خدمت میں کچھ غیاث پور میں پہنچا دیا کروں - میں نے اس کو قبول کر لیا - چنانچہ وہ برابر پہنچاتا ، یہاں تک کہ ایک جمعہ کو مجلسِ سماع تھی - ایک شعر نے میرے دل پر گہرا اثر کیا اور میں رقص کرنے لگا - میں نے ہاتھ اُٹھائے - میرے دل میں خیال آیا کہ کیا رقص کرتے ہو جب کہ ہر جمعہ کو دو ٹنکے تمھارے لیے مقرر ہیں - پھر میں اپنی جگہ پر آ کر کھڑا ہو گیا اور توبہ کی کہ اب میں اُس سے دو ٹنکے نہیں لوں گا - پھر میں سماع میں آیا - شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

رقص وقتے مسلّمت باشد
کاستیں کز دو عالم افشانی

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ ایک دفعہ امیر خسرو رقص کرنے

لگے اور اپنے ہاتھ بلند کیے ۔ حضرت سلطان المشائخ نے امیر خسرو کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا ، تمھارا تعلق دنیا داری سے ہے ، تمھارے لیے مناسب نہیں کہ ہاتھوں کو بلند کرکے رقص [۵۰۷] میں آؤ ۔ جبؔ سے امیر خسرو ہاتھوں کو لپیٹ کر اور مٹھیوں کو بند کرکے رقص کرتے تھے ۔ کاتبِ حروف نے بارہا امیر خسرو کو اس طرح رقص کرتے دیکھا ہے :

بیت

رقص گر ہمی کنی رقصِ عارفانہ کن
دنیا زیر پائے نہ ، دست آخرت افشاں

نیز فرمایا کہ رقص اُسی وقت اچھا ہے ، جب کہ انسان بے قرار اور بے اختیار ہو جائے ، یہاں تک کہ سلطان عشق اس پر اس قدر غالب آ جائے کہ اگر وہ رقص نہ کرے گا تو اس کو نقصان ہوگا ۔

سیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز نے "عوارف" میں لکھا ہے کہ بعض سچا رقص کرنے والے آواز اور وزن پر رقص کرتے ہیں ، لیکن ظاہر نہیں ہونے دیتے ۔ ان کا وجد و حال اور نیت مقرا کے مطابق ہوتا ہے ۔ ان کا رقص ایک طرح کی مناجات ہوتا ہے ، جیسا کہ اہل اور اولاد کے ساتھ ہنسی کھیل ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ سماع میں ناموزوں رقص درویشوں میں معیوب سمجھا جاتا ہے ، چنانچہ قاضی حمید الدین ناگوری قدس اللہ سرہ العزیز مجالس سماع میں ایک شخص کو مقرر کرتے کہ جو شخص رقص میں بے اصولی اختیار کرے اُسے میرے دروازے سے باہر نکال دو ۔ ایک دفعہ اُن کی مجلسِ سماع میں ایک شخص مجلس میں بے اصول رقص کرنے لگا ۔ وہ آدمی جس کو قاضی حمیدالدین نے مقرر کیا تھا ، آیا اور اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اُسے رقص سے روک دیا ۔ جب محفلِ سماع ختم ہوئی تو وہ بے اصول انسان انصاف چاہنے کے لیے قاضی حمیدالدین ناگوری کے پاس آیا اور کہا کہ عین اس وقت ، جب سماع نے مجھ پر گہرا اثر کیا تھا ، آسمان کے دروازے کھل چکے تھے اور میرا ایک قدم بہشت میں تھا تاکہ میں اندر جاؤں کہ یہ شخص آیا ، مجھے روک دیا اور میں اس نعمت سے محروم ہوگیا ۔ قاضی حمید الدین ناگوری نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ بہشت بے اصولوں کی جگہ نہیں ہے ۔

نکتہ

سماع کے سننے ، بکا اور رقص کے بارے میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کی عادت تھی کہ اگر سماع سننے کا ارادہ فرماتے تو دو روز پہلے سے کھانا کم کرتے ۔ کھانے میں جو آپ کی عادت مبارک تھی ، اس کی مقدار نکتہ مجاہدہ میں تحریر کی گئی ہے ۔ الغرض نماز اشراق کے بعد مجلس سماع میں سجادۂ محبت و عشق پر صدر نشین ہو کر تشریف رکھتے ۔ ایک شاعر [۵۰۸] کہتا ہے :

فیا احسن الزمان و قد تجلٰی
بھٰذا العز والاقبال صدرہ

[وہ زمانہ بھی کتنا اچھا تھا کہ جب کہ تو اس شان اور خوبی سے جلوہ گر ہوا اور اس عزت و اقبال سے صدر بنا ۔]

اس وقت کے مشائخ کبار شیخ ضیاء الدین رومی، کاتب حروف کے نانا مولانا شمس الدین دامغانی ، مولانا حسام الدین اندرپتی ، مولانا نظام الدین پانی پتی اور شیخ علی زنبیلی جیسے بزرگ زمانے کے سجادہ دار "در یگانہ" پرمعنی اور حیدریوں ، قلندریوں کے سرحلقہ تھے ۔ اس کے علاوہ بحری اور بری مسافر ، جو شہر میں ہوتے ، آپ کی محفل سماع میں حاضر ہوتے ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

طوبٰی لاعین قوم انت بینھم
فھو من نعمۃ من وجھک الحسن

[مبارک ہو اس قوم کو جس کی آنکھوں کے سامنے تو ہو ، یہ نعمت تیرے چہرے کی خوب صورتی کی وجہ سے ہے ۔]

سلطان المشائخ کے دو قوال :

جب دوپہر کا کھانا ختم ہو چکتا ، تو وہ خوش گو قوال ، جو آپ کی خدمت میں رہتے ، جیسے حسن پیہدی کہ جو صورت و سیرت کے اعتبار سے صوفیوں میں تھا اور صامت قوال آپ کی مجلس میں یہ دونوں باری باری اشعار پڑھتے ۔

حسن پیہدی عجیب قوال تھا کہ وہ اشعار کے شروع کرتے ہی عاشقوں

کے دلوں میں آگ لگا دیتا تھا اور سنگ دل سے سنگ دل انسان بھی اپنی جگہ سے ہل جاتے تھے اور انھیں چکی کی طرح گھما دیتا تھا ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

از صوتِ خوشِ تو خرقہ پوشاں
چوں صبح دریدہ اند گریباں

اس کے بعد صامت قوال ، جو علمِ موسیقی میں ناطق معانی تھا ، شعر پڑھتا ۔ جب وہ سماع شروع کرتا تو اس کا سماع سلطان المشائخ پر اثر کرتا ، لیکن جب کوئی صاحبِ سماع نہ ہوتا ، جیسا کہ نکتہ رقص میں تحریر کیا گیا ہے ، تو جو عزیز مسافر اس کام میں ہوتا ، وہ صاحبِ سماع ہوتا اور درویش و عزیز رقص میں آتے ۔ حضرت سلطان المشائخ اپنے مقام پر ایک گھڑی سجادۂ کرامت پر کھڑے ہو کر روتے رہتے ۔ جب آستین کے اوپر کا رومال آنسوؤں سے تر ہو جاتا ، ہنگامۂ سماع برپا ہو جاتا ، آپ کی موافقت میں سب کے سب سکون کے ساتھ اطراف سے جمع ہو کر رقص کرنے لگتے اور عاشقانہ طریقے پر گردش کرتے ۔ پھر آپ اپنے مقام پر کھڑے ہو جاتے اور آپ پر اس قدر گریہ غالب ہوتا کہ تین چار گز کا رومال آنسوؤں سے تر ہو جاتا ۔ آنکھ کے آنسوؤں کو آپ اُس رومال سے اس طرح پونچھتے کہ ایک قطرہ بھی آنسوؤں کا کسی کو نظر نہ آتا تھا [۵۰۹] ۔ صرف یہی رومال آنسوؤں سے تر نہ ہوتا بلکہ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ اپنی ہتھیلیوں سے بھی آنکھوں کو پونچھتے ۔ چنانچہ سلطان المشائخؒ نے اپنے قلمِ مبارک سے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے توریت میں فرمایا کہ اے آدم کے بیٹے ! جب آنسوؤں سے تیری آنکھیں نمناک ہوں تو انھیں کپڑے سے مت پونچھ ، بلکہ ہتھیلی سے پونچھ ، اس لیے کہ وہ آبِ چشمِ رحمت کا پانی ہے ۔ اس رحمت کے پانی کو اپنے اعضا پر مل ، عجب نہیں کہ تو آتشِ دوزخ سے امن پائے ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

ز عشق چشم تو از چشمِ من شد چشمۂ پیدا
ولے ز آب چشمہاد ایم رواں خونِ جگر باشد

گریہ کے وقت آپ کے چہرۂ مبارک پر کوئی تغیر ظاہر نہیں ہوتا تھا

جیسا کہ عام لوگوں کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی آپ نعرہ یا آہ نہ بھرتے، صرف ٹھنڈا سانس بھرتے۔ کسی قوال کی یہ مجال نہ تھی کہ اس مجلس اس مقام سے، جہاں اس نے سماع شروع کیا ہے، ہلے، مگر اس حالت میں کہ کوئی درویش سوختہ انتہائے ذوق میں قوال کو پکڑ لیتا اور اس کو اپنی جگہ سے ہلا دیتا۔

منکرینِ سماع میں سے بعض فقہا اور جیّد علماء آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ کا گریہ دیکھ کر کمرِ محبت باندھ کر حضرت سلطان المشائخ کے قدموں میں گرتے۔ شیخ سعدی کہتے ہیں :

بیت

ہمہ سر و پا را بباید خمید
کہ در پائے آن سرو بالا رود

اور جس کام سے انکار کرتے تھے، لبِ اقرار سے سلطان المشائخ کی زمیں بوسی کرتے تھے :

بیت

سر کہ نہ در پائے عزیزاں رود
بارِ گراں است کشیدن بدوش

امیر خسرو کہتے ہیں :

خسرو از بخت خوشت یاری کند آنجا رسی
ہم بر زمیں نِہ دیدہ را گستاخیِ با ما مکن

اگر عین سماع و حال میں چاشت کا وقت ہو جاتا تو مجلس سے باہر تشریف لاتے [۵۱۰]۔ دل سے نماز چاشت ادا کرتے، پھر سماع میں شریک ہو جاتے۔

کپڑے اور دستار کو قوالوں کے دینے میں طریقِ عمل :

اکثر طریقۂ عمل یہ تھا کہ سماع میں جو عزیز اپنے کپڑے اور دستار قوالوں کو دیتے تھے، پھر نہیں لیتے تھے۔ کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ قوالوں سے وہ جبّہ و دستار واپس لے۔

بعض دفعہ سلطان المشائخ کی دستار مبارک کے چند پیچ کھل جاتے۔ آپ کھڑے ہو کر ان پیچوں کو پھر باندھتے ۔ اکثر سلطان المشائخ وہ رومال قوالوں کو عطا فرماتے ، جو آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا ۔ جب آپ گھر میں ہوتے تو رات دن سماعِ الست اور گریہ میں مشغول رہتے ۔ مصرع :

عشق را مطرب از دروں باشد

شیخ سعدی کہتے ہیں :

بیت

مطرباں رفتند و صوفی در سماع
عشق را آغاز ہست انجام نیست

اگر حظیرے یا کسی دوسری جگہ یا کسی باغ میں جانے کو دل چاہتا تو سلطان المشائخ تنہا جاتے ۔ امیر خسرو کہتے ہیں :

بیت

رفتم بسوئے باغ و بیادت گریستم
بر ہر گلے وگرنہ مرا یاد باغ بود

اثنائے راہ میں اقبال خادم اور عبداللہ کولی آپ کے ڈولے کے دائیں اور بائیں جانب نہایت نرم آواز سے جگر سوزی کے ساتھ درد ناک اشعار پڑھتے ہوئے اور روتے ہوئے ساتھ چلتے تھے ۔

جب حضرت سلطان المشائخ سرمست ہو کر گریہ کناں ڈولے میں سوار ہوتے ، تو عجب سماں ہوتا تھا ۔ اُس زمانے میں جس لہجے یا شعر سے حضرت سلطان المشائخ پر سماع کا اثر ہوتا تھا ، وہ لہجہ اور شعر طویل مدت تک لوگوں میں مشہور ہو جاتا ۔ چھوٹے اور بڑے ، شریف اور رذیل مختلف مجمعوں ، جگہوں ، محفلوں ، گلی کوچوں میں سلطان المشائخ کے طفیل میں اُس لہجے اور شعر سے لذتِ ذوق حاصل کرتے تھے اور جہان میں اس شعر اور لہجے سے کاروبارِ عشق و محبت کی گرم بازاری ہوتی تھی ۔ شیخ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

بیت

بادشاہاں بگنج و جند خوش اند
عارفاں در سماع ہا یا ہوئے

اور خلقت کو اُن دنوں سوائے حکایاتِ سماع ، اخلاص و نیازمندی ، شفقت و نرمی اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو تسلی دینے اور اہلِ دل کے قدموں پر سر رکھنے کے سوا کسی اور چیز سے سروکار نہ تھا ۔ دنیا جہان کے [۵۱۱] بے نظیر شاعر اور دل پذیر ندیم اور لطیفہ گو جوان ، سب سلطان المشائخ کے آستانے پر سر رکھے ہوئے تھے ۔ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق ، جس صنف سے وہ تعلق رکھتا تھا ، اپنے ذوق کے مطابق فائدہ اُٹھاتا تھا ۔ خوش گو قوال ، جو سلطان المشائخ کے ملازم تھے اور شہر کے تمام قوال اس لطف الطبع بادشاہِ عشق کی لطافتِ طبع کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علمِ موسیقی کے موجد بن گئے تھے ، چنانچہ دمبدم تازہ غزلیں اور نئے نئے راگ اور راگنیاں بنا کر لاتے اور موسیقی اور گانے کے فن کو اعلیٰ منزل پر پہنچاتے تھے :

بیت

خلق شادی کناں بہر کوئے
مطربان در سماع ہر سوئے
زہرہ ننگر بدستِ دف کردہ
از خوشی خویش را صرف کردہ

یہ سب کچھ اس ذوق و محبت کا ثمرہ تھا ، جو حضرت سلطان المشائخ ذاتِ حق تعالیٰ سے رکھتے تھے ۔

نکتہ

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کی بعض
مجالسِ سماع کے بیان میں

کاتبِ حروف نے اپنے والد سے سنا تھا کہ ایک دن سلطان المشائخ اپنے گھر کی دہلیز میں بیٹھے ہوئے تھے اور ضامت نامی قوال آپ کے سامنے گا رہا تھا ۔ سلطان المشائخ پر اثر ہوا اور آپ پر گریہ و حال غالب آئے ۔ اس موقع پر کوئی مرید وہاں موجود نہ تھا کہ جو رقص میں آتے ۔ حاضرینِ مجلس متفکر ہوئے ۔ اسی اثناء میں ایک شخص باہر سے آیا اور قدم بوس ہو کر رقص کرنے لگا ۔ سلطان المشائخ بھی اُس کی موافقت میں رقص

کرنے لگے ۔ جب سماع سے فارغ ہوئے ، تو وہ شخص فوراً باہر نکل گیا ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، اس مردِ غیب کو بلاؤ ۔ لوگ بے در بے اُس کے ڈھونڈھنے کے لیے باہر گئے ۔ دائیں بائیں اس کو ڈھونڈھا ، لیکن وہ شخص نہ ملا ۔

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ یہ مرد مردانِ غیب میں سے تھا ۔ جب کوئی محب یا عاشق دریائے محبت میں غرق ہوتا ہے اور آشنائی کے دریا میں شناوری کرتا ہے اور ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور انوارِ تجلی سے مخصوص ہوتا ہے ، تو بے شبہ عالمِ غیب سے ایک شخص [۵۱۲] اس کے پاس پہنچایا جاتا ہے ۔

دوسری مجلس

کاتبِ حروف نے اپنے والد سے سنا تھا کہ ایک دن میرے بھائی سیّد حسین کے گھر "چہار ستون" میں ایک مجلس تھی ۔ اس مجلس میں سلطان المشائخ بھی تشریف فرما تھے ۔ ایک قوال نے مولانا وجیہہ الدین کی کہی ہوئی جگری نہایت رقت آمیز لہجے میں پڑھی ۔ میرا گمان غالب یہ ہے کہ یہ جگری اس طرح تھی :

(بینا بن بھاجی ایسا سکھ سین باسُوں)

سلطان المشائخ پر اس ہندی جگری نے اثر کیا اور ایک عزیز صاحبِ سماع بنا اور حضرت سلطان المشائخ رقص کرنے لگے ۔ آپ پر گریہ و حال غالب ہوا ۔ جب ایک گھڑی گزر چکی اور سماع ختم ہوا ، تب بھی سلطان المشائخ پر سماع کا اثر تھا اور گریہ غالب تھا ۔ جب قوالوں نے یہ حال دیکھا تو فوراً اُسی سماع کا آغاز کیا ۔ اسی اثنا میں سلطان المشائخ نے اپنی اُنگلی اپنے زانو پر بطورِ قلم کے رکھ کر اُسے قلم کے طور پر چلایا ۔

اس موقع پر کاتبِ حروف کے چچا سیّد کمال الدین احمد اور اقبال خادم اور امیر خسرو ملک الشعرا سلطان المشائخ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے ۔ سید کمال الدین احمد اُنگلی کو زانو پر چلانے کا اشارہ سمجھ گئے اور اقبال خادم سے کہا کہ حضرت دوات ، قلم اور کاغذ طلب فرماتے ہیں ۔ اقبال خادم اس موقع پر ایک باریک کاغذ اور قلم دوات لے کر آئے اور سلطان المشائخ کے سامنے پیش کیا ۔ حضرت سلطان المشائخ نے اس

کاغذ کو ہاتھ میں لے لیا ، پھر آپ نے حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کے نواسے شیخ محمد کو رقص کے لیے اشارہ کیا ۔ خواجہ محمد رقص کے لیے اُٹھے ۔ اس موقع پر سلطان المشائخ نے وہ کاغذ ، جو آپ کے ہاتھ میں تھا ، اوپر اُٹھا لیا ۔ کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ کاغذ آپ کے ہاتھ سے لے لے ، اس لیے اقبال خادم آگے بڑھے تاکہ وہ کاغذ آپ کے دستِ مبارک سے لے لیں ، تاکہ وہ دیکھیں کہ اس میں آپ نے کیا لکھا ہے ۔ چنانچہ وہ کاغذ اقبال خادم نے لے لیا ۔ بعض لوگوں نے چاہا کہ وہ بھی دیکھیں کہ اس کاغذ پر کیا لکھا ہوا ہے ۔ چونکہ اقبال سلطان المشائخ کے تربیت یافتہ تھے اور آپ کی مزاج شناسی میں پختہ ہو چکے تھے ، اس لیے انھوں نے کسی کو [۵۱۳] اس راز سے واقف نہ بنایا ۔ اُنھوں نے اسی وقت کاغذ کو منہ میں رکھا اور نگل گئے ۔

بعض خواجہ اقبال سے روایت کرتے ہیں کہ اس کاغذ پر یہ مصرع لکھا ہوا تھا :

ع — از دستِ تو بستدم بدستِ تو دہم

چونکہ میرے نانا مولانا شمس الدین دامغانی حضرت سلطان المشائخ کے یارِ غار تھے ، جب وہ سلطان المشائخ سے ملنے کے لیے آئے تو بعض لوگوں نے سماع اور کاغذ کا واقعہ بیان کرکے ان سے عرض کیا کہ یہ مشکل آپ سے حل ہو سکتی ہے ۔ آپ کو چاہیے کہ سلطان المشائخ سے کیفیت اور اس کاغذ پر تحریر کے متعلق دریافت کریں ۔ چنانچہ عندالملاقات مولانا شمس الدین دامغانی نے سلطان المشائخ سے سماع کی کیفیت اور اُس کاغذ کے متعلق دریافت کیا ۔ سلطان المشائخ نے چشمِ پُرنم ہو کر اور ایک آہ سرد بھر کر فرمایا کہ مولانا ! وہ مصرع یہ تھا :

نامہ نوشتن چہ سود چوں نرود سوئے دوست

تیسری مجلس

کاتبِ حروف نے اپنے والد سے سنا تھا کہ ایک روز سلطان المشائخ اپنے قدیم حجرے میں ، جو ستون خورد کے صفے میں ہے ، بیٹھے ہوئے تھے ۔ اس مقامِ خلوت میں صامت نامی قوال نے سماع شروع کیا ۔ اس وقت سلطان المشائخ عالمِ بسط میں تھے ۔ آپ نے تجرید کی ، یعنی فرمایا

جو کچھ گھر میں ہو سب بندگانِ خدا کو دے دو ۔ آخر میں اس ضعیف کے والد بھی پہنچے ۔ سلطان المشائخ اس وقت سب دے چکے تھے ۔ سلطان المشائخ نے نظر ڈالی تو چمڑے کے ایک دسترخوان پر نظر پڑی جو لٹکا ہوا تھا ۔ آپ نے میرے والد سے فرمایا ، مطبخ میں جاؤ اور چند گرم روٹیاں لے کر آؤ ۔ میرے والد نے فوراً آپ کے حکم کی تعمیل کی ۔ جب وہ روٹیاں لے کر آئے تو فرمایا ، انھیں اس دسترخوان میں نپیٹ کر لے جاؤ ۔ یہ دسترخوان ان روٹیوں کے ساتھ تم بھی لے لو ۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی ولی یا عاشق اپنے ذوق و شوق سے کوئی نعمت کسی درویش کو دیتا ہے تو امید ہے کہ وہ نعمت اس کے باقی ماندہ خاندان میں نسلاً بعد نسلاً رہے گی ۔

یہ ضعیف کہتا ہے :

رباعی

این نعمتے ست دینی و دلیا طفیلِ آن
وین ذوقہائے غیبی در خاندانِ ماست
ہر روز نعمتے و ہر لحظہ راحتے
این یاد دوست مونسِ جان و رُوان است

چوتھی مجلس

میں نے اپنے والد سے سنا تھا کہ جب ملک قیربک[1] [۵۱۴] سلطان المشائخ کا مرید ہوا اور بال کٹوائے ، تو کچھ عرصے کے بعد اسے سر منڈوانے کی آرزو ہوئی ۔ اس نے ایک نہایت عمدہ مجلس ترتیب دی ۔ اس نیت سے کہ سلطان المشائخ اُس کے گھر تشریف لائیں اور وہ سر منڈوائے ، اس نے عرض کیا کہ حضور ! اگر میرے گھر میں تشریف لائیں اور اپنے قدم میمنت لزوم سے میرے گھر کو منور فرمائیں ، تو یہ عاجز کی اگلی اور پچھلی نسل کے لیے باعثِ شرف ہوگا ، لیکن سلطان المشائخ نے قبول نہیں کیا ، مگر جب قیربک نے بہت منت ساجت کی تو آپ نے با دلِ ناخواستہ اس کی دعوت کو منظور فرما لیا اور اس کے گھر تشریف

۱۔ ملک قیربک سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے دور کا امیر تھا ۔ (تاریخ فیروز شاہی ، ضیا برنی ، اردو ترجمہ ، ص ٦٠٧)

لے گئے ۔ قیربک نے تمام مشائخ اور عمائدین شہر کو جمع کیا تھا ۔ جب دوپہر کا کھانا ختم ہو چکا تو اس کے بعد مجلسِ سماع منعقد ہوئی ۔ قوال اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کرتے رہے ، لیکن حاضرینِ مجلس میں سے کسی پر اثر نہیں ہوا ۔ مجلس بے کیف تھی ، یہاں تک کہ آخر حسن پیہدی قوال نے سماع میں یہ شعر پڑھا :

در کلبۂ درویشی در محنتِ بے خویشی
بگزار مرا با من ہر سو مکنِ افسانہ

اس شعر نے سلطان المشائخ پر اثر کیا اور گریہ و حال آپ پر غالب آیا اور دوسرے عزیزوں اور درویشوں پر بھی سلطان المشائخ کے اس اثر سے کیفیت طاری ہوئی ۔

الغرض اس وقتِ خیر میں جو کچھ کہ سلطان المشائخ کے دل میں خیال آتا ، اُسی خیال کے مطابق قوال شعر پڑھتے تھے ۔

پانچویں مجلس

کاتبِ حروف کو خوب یاد ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں مجلسِ سماع جماعت خانے کی چھت پر منعقد ہوئی تھی اور اس مجلس میں سلطان المشائخ کے مرید اور عزیز موجود تھے ۔ امیر خسرو کھڑے ہوئے تھے اور سلطان المشائخ کسی تکلیف کی وجہ سے کھاٹ پر بیٹھے ہوئے تھے ۔ حسن پیہدی اس مجلسِ سماع میں یہ شعر پڑھ رہا تھا :

سعدی! تو کیستی کہ در آئی دریں کمند
چندان فتادہ اند کہ ما صیدِ لاغریم

حضرت سلطان المشائخ پر اس شعر نے اثر کیا اور رونے میں مستغرق ہو گئے ۔ خواجہ اقبال خادم کھاٹ کے سرہانے کھڑے ہوئے تھے اور ایک باریک کپڑے سے رومال پھاڑ پھاڑ کر سلطان المشائخ کو دیتے جاتے اور سلطان المشائخ اُن رومالوں سے آنسو پونچھتے جاتے تھے اور آپ اُن رومالوں کو حسن پیہدی کی طرف پھینکتے جاتے تھے ۔ شیخ سعدی نے

گیا اچھا کہا ہے :

قطعہ

ناوذان۔ چشم رنجوران۔ عشق
گر فرو ریزند نجوں آید ہمے
شاد باش اے مجلس روحانیاں ! [۵۱۵]
تا خورند ایں مے کہ من مستم ہمو

جب ایک گھڑی گزر گئی اور سماع فرو ہوا ، امیر خسرو کے صاحبزادے امیر حاجی نے امیر خسرو کی یہ غزل پڑھنی شروع کی ۔ جب اس شعر پر پہنچے :

خسرو ! تو کیستی کہ در آئی دریں شمار
کیں عشق۔ تیغ بر سر۔ مردان۔ دیں زدہ است

اس شعر کے سننے سے سلطان المشائخ پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی ۔ الغرض ہر مرتبہ کہ امیر حاجی اس شعر کو مکرر پڑھتے ، تو سلطان المشائخ ایک رومال امیر حاجی کی جانب اور ایک رومال امیر خسرو کی جانب پھینکتے جاتے تھے ۔ جب حسن پیھدی قوال نے سلطان المشائخ کو اس عالم میں دیکھا ، تو اس نے شیخ سعدی کے وہ اشعار ، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ، پڑھنا شروع کیے ۔ اس موقع پر سلطان المشائخ نے خواجہ موسیٰ بن مولانا بدرالدین اسحاق کو ، جو شیخ شیوخ العالم کے نواسے ہیں ، سماع کے لیے اشارہ کیا ۔ خواجہ موسیٰ سلطان المشائخ کے قدموں پر سر رکھ کر اُٹھے اور ایک گھڑی تک وجد کر کے سلطان المشائخ کے قدموں پر سر رکھا اور بیٹھ گئے ۔ سلطان المشائخ پر بدستور گریہ اور ذوق۔ سماع طاری تھا ۔ سبحان اللہ ! وہ وقت بھی کتنا اچھا اور کتنا عجیب تھا ۔ میں نے سلطان المشائخ کا جو ذوق اس وقت دیکھا اس کی یاد میرے دل کی گہرائیوں سے مرتے دم تک فراموش نہیں ہو سکتی اور سلطان المشائخ کا وہ ذوق جو میں نے اُس دن دیکھا تھا اُس کی آرزو میں اور سلطان المشائخ کی یاد میں جان دوں گا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔ یہ ضعیف کہتا ہے :

بیت

دل برلف تونہم عشق۔ ابد در یابم
جان بیاد۔ تو دہم زندگی از سر یابم

چوتھی مجلس

کاتبِ حروف کو یاد ہے کہ میرے چچا حضرت سیّد السادات سیّد خاموش ، جن کے حالات و مناقب لکتۂ سادات میں تحریر کیے گئے ہیں ، کے گھر میں ایک مجلس سماع تھی اور اُس مجلس میں سلطان المشائخ تشریف فرما تھے ۔ حسن بیھدی قوال محفلِ سماع میں شیخ اوحد کرمانیؒ کی نہایت دلسوز لہجے میں یہ غزل گا رہا تھا ۔ جب وہ اس شعر پر پہنچا :

گفتی از آنِ دیگراں اوحد شدی دائم کنوں
تا مہر تو بر جاں بود اوحد کیائے دیگراں

حضرت سلطان المشائخ [۵۱۶] پر اس شعر نے اثر کیا اور آپ پر گریہ و حال طاری ہوا اور رقص میں آ کر ذوق حاصل کرنے لگے ، یہاں تک کہ اسی عالم میں زوال کا وقت ہوگیا ۔ سماع کو فرو کرکے اور لوگ تو بیٹھ گئے ، لیکن سلطان المشائخ پر کیفیت طاری تھی ۔ آنکھوں سے مروارید کے مانند آنسو رواں اور بدستور سرمست تھے ۔ عین اس موقع پر امیر خسرو نے غزل پڑھنی شروع کی ، اس کا پہلا شعر یہ پڑھا :

رخ جملہ را نمود مرا گفت تو مبیں
رہی ذوقِ مست بے خبرم کیں سخن چہ بود

یہ شعر جیسے ہی سلطان المشائخ کے کانوں تک پہنچا تو سلطان المشائخ نے گوشۂ چشم سے ، جو چشمۂ محبت تھا ، امیر خسرو کی طرف دیکھا ۔ پھر سلطان المشائخ پر وہی گریہ اور حال طاری ہوا ۔ امیر خسرو نے یہ شعر بار بار پڑھا ۔ حسن بیھدی نے اندازہ کر لیا کہ اس وقت حضرت سلطان المشائخ پر ذوقِ سماع غالب ہے ۔ اُس نے پھر وہی شیخ اوحد الدین کرمانی کے اشعار پڑھنے شروع کیے ۔ ان اشعار نے سلطان المشائخ پر غیر معمولی اثر کیا ، چنانچہ وہ عزیز ، جو اس مجلس میں موجود تھے ، حضرت سلطان المشائخ کے صدقے میں وہ بھی ذوقِ وجد سے مستفیض ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کاتبِ حروف کو جب بھی اس مجلس میں حضرت سلطان المشائخ کے ذوقِ سماع کا خیال آتا ہے ، میرے دل میں جمال ولایت پیر یعنی سلطان المشائخ کے دیکھنے کی آتشِ شعلہ زن ہوتی ہے ۔ یہ ضعیف

کہتا ہے :

بیت

ز آتشِ شوق تو دل خواہم سوخت
جاں را بسوئے زلفِ تو خواہم داد

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ میں نے حضرت سلطان المشائخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ شیخ مجد الدین بغدادی شہادت کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے :

گہ گہ دلِ پُر خوں شدہ غارت می کن
ویں جانِ خراب را عمارت می کن
بے ہیچ گناہ عاشقاں را می کش
و آنگہ سر خاک شاں زیارت می کن

شیخ مجد الدین اور شیخ نجم الدین کبرا کی شہادت کا واقعہ :

شیخ مجدد الدین کی شہادت کا واقعہ خلقت کو معلوم ہے کہ آپ شیخ نجم الدین کبراؒ کے مرید تھے ۔ شیخ مجدد الدین سماع میں غیر معمولی شغف رکھتے تھے ۔ بغیر سماع کے نہ رہ سکتے تھے ۔ عوام و خواص میں غیر معمولی مقبولیت رکھتے تھے [۵۱۷] ۔ اہلِ زمانہ اُن کے مطیع اور مرید تھے ۔ خوارزم شاہ اُن کی عوام و خواص میں غیر معمولی شہرت اور خلق کی اطاعت سے بہت ڈرتا تھا ۔ شیخ نجم الدین کبرا نے ان کو کثرتِ سماع سے بارہا منع کیا تھا ۔ چنانچہ ایک دن شیخ مجد الدین سماع میں تھے کہ شیخ نجم الدین نے اپنے خادم کو بھیجا کہ وہ ان کو بلا کر لائے ۔ خادم پہنچا ، تو اس نے دیکھا کہ وہ سماع اور رقص میں ہیں ۔ خادم نے واپس آ کر شیخ نجم الدین سے سارا واقعہ بیان کیا ۔ شیخ نے فرمایا ، پھر جاؤ اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر سماع سے اُٹھا لاؤ ۔ چنانچہ خادم دوبارہ اُن کے پاس واپس آیا ۔ اُس نے دیکھا کہ شیخ مجد الدین اُسی طرح سماع میں مستغرق ہیں اور یہ مصرع پڑھ رہے ہیں ۔ ع :

ما ز بالا آمدیم و باز بالا میرویم

خادم نے شیخ مجد الدین کا ہاتھ پکڑا ۔ اس نے چاہا کہ ان کو رقص

سے باز رکھ کر لے جائے ، لیکن یہ ممکن نہ ہوا ۔ خادم پھر اُسی طرح لوٹ گیا اور وہ مصرع ، جو وہ عالمِ رقص میں کہہ رہے تھے ، شیخ نجم الدین کبرا کو سنایا ۔ آپ نے فرمایا ، میں نے اُسی دم ، جب وہ مجلس میں کہہ رہے تھا ، وہ بات اس کے حق میں کر دی ۔

الغرض جب شیخ مجد الدین سماع سے فارغ ہوئے اور عالمِ صحو میں آئے ، تو اس وقت انہیں خیال ہوا کہ میں نے جو کیا وہ ٹھیک نہیں کیا ۔ اس کی سزا میں وہ ایک طست آگ سے بھر کر اور اپنے سر پر رکھ کر شیخ نجم الدین کی خدمت میں آئے اور جوتوں کے اُتارنے کی جگہ کھڑے ہوگئے ۔ شیخ نجم الدین نے انھیں دیکھ کر فرمایا ، اس کی ضرورت نہیں ، وہی تمھارا مصرع تمھارے حق میں ہے ۔

الغرض اُسی زمانے میں سلطان خوارزم شاہ ، جو جلیل القدر بادشاہ تھا ، جس کا لشکر چھ لاکھ سواروں پر مشتمل تھا ، ترکستان ، خراسان اور اصفہان سے عراق کی سرحدوں تک اور ہندوستان کی طرف سے دریائے سندھ کے کنارے تک اس کے قبضے میں تھا ، اس کی والدہ بادشاہ خفچاق کی اولاد سے تھی جو ملک کی حکومت چلانے میں اور تجربہ کاری میں اپنی مثال نہ رکھتی تھی ، اس کا خطاب ”خداوند جہاں“ تھا ۔ خوارزم شاہ اور اس کی والدہ یہ دونوں کے دونوں شیخ نجم الدین کبرا کے مرید تھے ۔ دونوں کا ارادہ ہوا کہ حج کے لیے جائیں ۔ وہ اس غرض کے لیے شیخ نجم الدین کبرا کی خدمت میں آئے اور آپ سے عرض کیا کہ ہمارا ارادہ زیارتِ خانہ کعبہ کا ہے ۔ اگر مخدوم از راہِ شفقت [۵۱۸] اپنے مریدوں میں سے کسی مرید کو ہمارے ہمراہ کر دیں ، تو نہایت کرم ہوگا ۔ شاید اس کے طفیل میں ہمارا حج بھی قبول ہو جائے ۔ شیخ نجم الدین کبرا نے بہت غور و فکر کے بعد اُن کے ساتھ مجد الدین[1] کو روانہ کیا ۔ سمندر کے کنارے پہنچ کر یہ تینوں خاص جہاز میں سوار ہوئے ۔ شیخ مجد الدین حسن و جمال ، خوب صورتی اور ملاحت و صباحت میں اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے ۔ خوارزم شاہ کی والدہ کی جیسے ہی نظر اُن کے حسنِ جگر

۱- شیخ مجدالدین بغدادی : مجد الدین شرف بن موید بن ابی الفتح بغدادی ۔ کنیت ابو سعید مرید شیخ نجم الدین کبریٰ ۔ شہادت : ۶۱۰ھ (۱۲۱۳-۱۲۱۴ء) (نفحات الانس ، اردو ترجمہ ، ص ۴۵۳-۴۵۸)

سوز پر پڑی ، تو بے اختیار اُن کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی :

بیت

ترا خود ہر کہ بیند دوست دارد
گناہے نیست بر سعدیِ مسکیں

ادھر شیخ مجد الدین حق تعالیٰ کی محبت میں اس قدر محو تھے کہ انھیں اپنی بھی خبر نہ تھی ۔ بھلا ان کو دوسروں کی کیا خبر ہوتی ۔ جب خوارزم شاہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ غرورِ سلطنت کی وجہ سے اس پر تیار ہو گیا کہ شیخ مجد الدین کو ہلاک کر دے تاکہ عشق کے یہ چرچے جو پھیل رہے ہیں ، بیٹھ جائیں ۔ چنانچہ اس نے شیخ مجدالدین کو شہید کر کے اُن کا سر مبارک ایک طشت میں رکھ کر ایک ہزار دینار کے ساتھ شیخ نجم الدین کبرا کی خدمت میں بھجوایا اور کہلایا کہ شیخ مجد الدین شہید ہوئے اور یہ دینار اُن کا خون بہا ہیں ۔ جب خوارزم شاہ کا یہ پیغام شیخ نجم الدین کبرا[۳] کو پہنچا تو فرمایا کہ ہمارے مجدالدین کا خون بہا ہم ، خوارزم شاہ اور اس کی تمام سلطنت ہے ۔ جب یہ الفاظ شیخ نجم الدین کبرا کی زبانِ مبارک سے نکلے تو فرمایا کہ کاش ہم اپنے دل کی بات کو (بد دعا کی صورت میں) زبان پر نہ لاتے ۔ اس کے چند روز بعد ہی چنگیز خاں نے چین کی جانب سے نو لاکھ سواروں ، گھوڑوں ، اونٹوں اور بکریوں کے گلّوں کے ساتھ خروج کیا اور خوارزم شاہ[۱] کی سلطنت کو برباد کر دیا ۔ خوارزم شاہ کو اور کئی ہزار علماء اور اولیاء اور چھوٹوں بڑوں کو ہلاک کر دیا ، یہاں تک کہ خوارزم شاہ اور اس کے تمام مددگاروں کا نام صفحہٗ ہستی سے مٹا دیا ۔

چنانچہ "طبقاتِ ناصری" میں ہے کہ الغرض شیخ[۴] نجم الدین کبرا کی دعا کے اثر کی وجہ سے خوارزم پر اُس زمانے میں خدا کا قہر نازل ہوا ۔ [۵۱۹] جب چنگیز خاں خوارزم میں آیا تو ترک برہنہ تلواروں کے ساتھ شیخ نجم الدین کبرا کی خانقاہ میں آئے ۔ انھوں نے دیکھا کہ شیخ مصلیٰ

۱- سلطان محمد خوارزم شاہ : وفات : ۶۱۶ھ (۱۲۲۰ء) مقامِ وفات : بحیرۂ خزر کا ایک جزیرہ ۔ (طبقاتِ ناصری ، جلد اول ، اردو ترجمہ ، ص ۵۶۵ - ۵۶۷)

پر قبلہ رو بیٹھے ہیں - جب انھوں نے آپ پر تلوار کا وار کرنا چاہا تو وہ حیرت میں پڑ گئے - شیخ نے فرمایا کہ میں نے چالیس مریدوں کو چالیس حجروں میں چالیس دن کے لیے بٹھایا ہے ، جن میں سے سینتیس روز گزر چکے ہیں - اُن کے خدا رسیدہ ہونے میں صرف تین دن باقی ہیں - جب تک وہ چالیس روز پورے نہ ہو لیں، تم مجھے کچھ نہیں کہہ سکتے - چنانچہ جب تین روز گزر گئے اور وہ چالیس مرید مرتبۂ کمال کو پہنچ گئے تو پھر وہ کافر ملعون پھر برہنہ تلواروں کے ساتھ خانقاہ میں آئے - پہلے انھوں نے شیخ نجم الدین کبرا کو سجادے پر شہید کیا ، پھر اُن چالیس ولیوں کو آپ کے متعلقین کے ساتھ شہید کیا - انھیں دنوں ان کافروں کے ہاتھوں نیشا پور میں شیخ فرید الدین عطار کی شہادت کا واقعہ پیش آیا - جب یہ کافر نیشا پور میں آئے تو انھوں نے پہلے شیخ فرید الدین عطار کے مریدوں کو قتل کرنا شروع کیا ، جس پر شیخ عطارؒ نے فرمایا کہ یہ کیا قہاری و جبّاری ہے - جب آپ کی شہادت کا وقت آیا تو فرمایا ، سبحان اللہ ! یہ کیا لطف و کرم ہے - قدس اللہ سرّہ العزیز -

نکتہ

حضرت سلطان المشائخ کی بعض مجالس کے فوائد کے بیان میں

سلطان المشائخ نے سماع کے متعلق فرمایا کہ اس شہر میں سماع کا سکہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے بٹھایا - قاضی منہاج الدین جوز جانی[1] جب دہلی کے قاضی مقرر ہوئے ، چونکہ وہ خود صاحبِ سماع تھے اُن کے زمانے میں سماع نے استقامت حاصل کی ، لیکن قاضی حمید الدین ناگوری باوجود اس کے کہ لوگ اُن کے مخالف تھے ، پھر بھی سماع سے باز نہ آئے اور اس پر ثابت قدم رہے -

ایک دن کوشک سعید کے قریب ایک شخص کے گھر میں دعوتِ سماع تھی - شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرّہ العزیز اس دعوت میں

۱- معز الدین بہرام شاہ کے عہد میں قاضی منہاج سراج جوزجانی کو ۱۰ جمادی الاول ۶۳۹ھ (۱۲۴۱ء) کو سلطنتِ ہند کا قاضی القضاۃ بنایا گیا - (طبقاتِ ناصری ، اردو ترجمہ ، جلد اوّل ، ص ۱۵)

دوسرے عزیزوں کے ساتھ موجود تھے ۔ مولانا رکن الدین سمرقندی کو ، جوکہ سماع کے سخت مخالف تھے ، لوگوں نے اطلاع دی تو وہ اپنے خدام اور متعلقین کے ساتھ روانہ ہوئے تاکہ سماع سے روکیں ۔ قاضی حمید الدین کو اس کی خبر ہوئی ، تو آپ نے گھر کے مالک سے کہا کہ جاؤ اور کہیں چھپ جاؤ ۔ اگر وہ تمھیں بلائیں تو نہ آنا ۔ صاحبِ خانہ [۵۲۰] نے ایسا ہی کیا ۔ بعد ازاں قاضی حمید الدین نے فرمایا ، گھر کا دروازہ کھول دو اور سماع شروع کرو ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔ قاضی رکن الدین سمرقندی اپنے متعلقین کے ساتھ گھر میں آئے اور پوچھا کہ گھر کا مالک کہاں ہے ؟ بہت تلاش کیا گیا مگر وہ نہ ملا ۔ لوگوں نے کہا ، گھر کا مالک غائب ہے ، موجود نہیں ۔ آخر قاضی رکن الدین واپس چلے گئے ۔

یہ واقعہ بیان کرکے سلطان المشائخ نے مسکرا کر فرمایا کہ قاضی حمید الدین کو خوب سوجھی کہ گھر کے مالک کو غائب کر دیا ، یعنی صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر وہ گھر میں داخل نہیں ہو سکتے تھے ۔ اگر بغیر اجازت داخل ہوتے تو ان سے مواخذہ ہوتا ۔

بحریوں کی مخالفت :

سلطان المشائخ نے اس کے بعد فرمایا کہ بحری بھی قاضی حمید الدین ناگوری کے مخالف تھے ۔ چنانچہ جب مولانا شرف الدین بحری بیمار ہوئے تو قاضی حمید الدین صفائیِ قلب کی بنا پر ، جو درویشوں کا خاصہ ہے ، اُن کی عیادت کے لیے اُن کے گھر گئے ۔ مولانا شرف الدین کو اطلاع دی گئی کہ قاضی حمید الدین عیادت کے لیے آئے ہیں ۔ مولانا شرف الدین نے نے کہا ، میں اُس سخص کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا جو خدا کو معشوق کہتا ہے ۔

اس موقع پر امیر حسن نے عرض کیا کہ اس معشوق سے مقصود محبوب (مجازی) نہیں ؟ سلطان المشائخ نے فرمایا ، اس بارے میں بڑی بحثیں ہیں ۔ لوگ اپنی اپنی سمجھ اور علم کے مطابق کہتے ہیں ، لیکن اگر گھر بیٹھے کوئی کچھ کہہ دے تو اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے ۔

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جب قاضی حمید الدین کے سماع کا چرچا خوب ہوا تو آپ کے مخالفوں نے آپ کے متعلق فتویٰ لیا ۔ سب نے یہی جواب دیا کہ سماع حرام ہے ۔ ان میں سے ایک فقیہ ایسا تھا

کہ اس کی آمد و رفت قاضی صاحب کے پاس بھی تھی ۔ اُس نے بھی اس سلسلے میں کچھ لکھا تھا ۔ لوگوں نے اس کی اطلاع قاضی حمید الدین کو بھی پہنچائی ۔ جب وہ فقیہ قاضی صاحب کی خدمت میں آیا تو اس سے قاضی صاحب نے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا تم نے بھی اس فتویٰ کا جواب لکھا تھا ؟ فقیہ نے شرمندہ ہو کر کہا ، ہاں میں نے بھی لکھا تھا ۔ قاضی حمید الدین نے فرمایا کہ جن مفتیوں نے جواب لکھا ہے میرے نزدیک ابھی وہ شکم مادر میں ہیں ، لیکن تم پیدا ہو چکے ہو ، مگر ابھی عالمِ طفلی میں ہو ۔

سماع مع مزامیر کے متعلق سلطان المشائخؒ کا اظہار خیال ۔

اس مجلس میں کسی نے سلطان المشائخؒ سے عرض کیا کہ ان دنوں بعض آستانہ دار درویشوں نے ایک مجمع میں رقص کیا ہے ، جس میں چنگ و رباب اور مزامیر موجود تھے ۔ فرمایا ، اچھا نہیں کیا ، جس بات کی شریعت اجازت نہ دے ، وہ نا پسندیدہ ہے ۔

بعد ازاں [۵۲۱] ایک شخص نے کہا کہ جب یہ لوگ وہاں سے نکلے تو لوگوں نے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا ۔ اس مجمع میں تو مزامیر موجود تھے ۔ تم نے سماع کیسے سنا اور کیسے رقص کیا ۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم تو سماع میں اس قدر مستغرق تھے کہ ہمیں یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ یہاں مزامیر بھی موجود ہیں یا نہیں ۔ حضرت سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ یہ جواب کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور اس جواب میں معصیت کی بُو آتی ہے ۔

اس درمیان میں امیر حسن نے عرض کیا کہ ''مرصاد العباد'' کے مصنف نے اس بارے میں لکھا ہے :

گفتی کہ بنزدِ من حرام است سماع
گر بر تو حرام است حرامت بادا

حضرت سلطان المشائخؒ نے فرمایا ، ہاں ۔ پھر یہ رباعی زبانِ مبارک سے پڑھی :

دنیا طلبِ جہاں بکامت بادا
و ایں جیفۂ مردار بدامت بادا

گفتی کہ بنزدِ من حرام است سماع
گر بر تو حرام است حرامت بادا

پھر امیر حسن نے عرض کیا کہ علماءِ دین اس بارے میں بحث کریں یا وہ سماع سے انکار کریں تب تو ایک حد تک صحیح بھی ہے ، لیکن وہ ، جن کا فقیروں کے زمرے میں شمار ہوتا ہے وہ کس طرح سماع کا انکار کر سکتے ہیں ۔ اگر وہ سماع کو حرام بھی سمجھتے ہیں تو اُنھیں چاہیے کہ وہ خود سماع نہ سنیں ، لیکن دوسروں کے ساتھ ، جو سماع سنتے ہیں ، جھگڑا نہ کریں ، کیونکہ درویشوں سے جھگڑا کرنا اچھا نہیں ۔

سلطان المشائخ نے ان کی اس بات پر تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ کچھ علماء تو ایسے ہیں جو کچھ نہیں کہتے اور ایک غدّار آدمی غدر کرتا ہے ۔ پھر اس موقع کے مناسب حال یہ حکایت بیان فرمائی ۔

ایک دفعہ ایک طالب علم نے امامت کی اور عالموں کی ایک جماعت نے اس کی اقتدا کی ، جن میں ایک عامی بھی شامل ہو گیا ۔ اس نے بھی اس طالب علم کی اقتدا کی ۔ یہ نماز چار رکعت کی تھی ۔ اس طالب علم کو قعدۂ اولیٰ میں سہو ہو گیا اور بغیر قعدۂ اولیٰ کے وہ تیسری رکعت میں کھڑا ہو گیا ، لیکن چونکہ یہ طالب علم دانش مند تھا ، وہ جانتا تھا کہ اُسے کس طرح نماز ختم کرنی چاہیے ، اس لیے وہ علماء جو اُس کے مقتدی تھے خاموش رہے ، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کس طرح وہ اس نماز کو مکمل کرے گا ، لیکن وہ عامی پکار اُٹھا ۔ اُس نے کئی مرتبہ سبحان اللہ کہا اور اپنی نماز باطل کر لی ۔ اس طالب علم نے سلام کے بعد اُس عامی سے کہا کہ اے احمق ! اتنے عالم میرے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے ، اُنھوں نے کچھ نہ کہا ، خاموش رہے ، لیکن تُو نے شور و غل مچا کر اپنی نماز باطل کر لی ۔

پھر امیر حسن نے عرض کیا کہ جو لوگ سماع کے منکر ہیں ، میں اُن کو بخوبی جانتا ہوں اور اُن کے مزاج سے واقف ہوں ۔ وہ سماع کو نہیں سنتے اور کہتے ہیں کہ ہم اس لیے سماع نہیں سنتے کہ سماع حرام ہے ۔ میں قسم کھا کر تو نہیں کہتا ، لیکن سچ سچ عرض کرتا ہوں [۵۲۲] کہ اگر بالفرض سماع حلال بھی ہوتا ، تب بھی وہ نہ سنتے ۔ سلطان المشائخ

اُن کی یہ بات سن کر ہنسے ۔ امیر حسن نے کیا اچھا کہا ہے :

در ایتام چو تو شکر لبے تا کے کشم تلخی
بزن یک خندہ و دامانِ عیشم شکریں گرداں

فرمایا ، بے شک جب اُن میں ذوقِ سماع ہی نہیں تو وہ کس طرح اور کس بنا پر سماع سن سکتے ہیں ۔

کاتبِ حروف نے حضرت سلطان المشائخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ سماع کا انکار کرنے والا تین حال سے خالی نہیں ہوتا ، یا تو وہ سنن و آثار سے جاہل ہے ، یا کوئی ایسا شخص ہے کہ جسے اپنے نیک اعمال پر غرور ہے اور ان پر غترہ ہے ، یا بے ذوق ہے جو اپنے بے ذوق ہونے کی وجہ سے سماع سے ذوق نہیں رکھتا ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک شخص اپنی خوش آوازی سے چند بوجھ سے لدے ہوئے اُونٹوں کو دور دراز کی منزل طے کرا رہا تھا ۔ جب وہ خوش آوازی سے رکا تو تمام اُونٹ ہلاک ہو گئے ۔ فرمایا :

شتر را کہ شور و طرب در سر است
اگـر آدمی را نبـاشـد خر است

جز خداوندانِ معنٰی را نہ غلطاند سماع
اولت مغزے بباید تا بروں آید ز پوست

ایک مجلس میں سلطان المشائخ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اس وقت فلاں جگہ آپ کے بہت سے مرید جمع ہیں ، مزامیر اور محرمات اُن کے درمیان ہیں ۔ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے منع کیا ہے کہ سماع کے دوران مزامیر اور محرمات نہ ہونے چاہییں ۔ اُنھوں نے اچھا نہیں کیا ۔

اس بارے میں سلطان المشائخ نے اس حد تک غلو فرمایا کہ اگر کوئی شخص امام ہو اور اُس کے پیچھے مقتدیوں کی جماعت ہو تو اس جماعت میں عورتیں بھی ہوں ، اگر اس نماز میں امام کو سہو ہو جائے ، وہ مرد ، جو اس کے مقتدی ہیں ، اُن میں سے کوئی سبحان اللہ کہہ کر امام کو اس کے سہو پر متنبہ کر سکتا ہے ۔ اگر جماعت میں سے کوئی

عورت امام کے سہو سے واقف ہو تو اُسے سبحان اللہ نہ کہنا چاہیے ۔ اُسے چاہیے کہ وہ ہاتھ کی پشت پر ہتھیلی مارے اور ہتھیلی پر ہتھیلی نہ مارے کہ وہ بھی لہو و لعب میں شمار ہوتا ہے ۔ جب اس درجہ لہو و لعب اور ان کے امثال سے پرہیز آیا ہے تو سماع میں تو بطریق اولیٰ مزامیر منع ہیں ۔

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ سماع مشائخ نے سنا ہے ، جو اس کام کے اہل ہیں [۵۲۳] اور صاحبِ ذوق و اہلِ درد ہیں ۔ ان پر کہنے والے سے ایک شعر سن کر ہی ذوق اور رقت طاری ہو جاتی ہے ، خواہ مزامیر ہوں یا نہ ہوں ، لیکن جو عالمِ ذوق سے بے خبر ہیں اگر اُن کے سامنے قوال ہوں اور ہر قسم کے مزامیر بھی ہوں تو بے فائدہ ہیں ۔ جب کہ وہ اہلِ درد سے نہیں ، اس سے معلوم ہوا کہ سماع کا تعلق درد سے ہے مزامیر وغیرہ سے نہیں ۔

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ لوگوں کو تمام دن کہاں حضور حاصل ہوتا ہے ۔ اگر دن میں کوئی اچھا وقت آ جائے تو اُس دن کے اوقات متفرقہ اُس وقت کی پناہ میں ہوتے ہیں ۔ اگر مجمع میں کوئی آدمی صاحبِ ذوق اور صاحبِ نعمت ہوتا ہے تو تمام لوگ اس شخص کی پناہ میں ہوتے ہیں ۔

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ خواجہ جنید فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم جان جائیں کہ نماز نفل ادا کرنا مجلسِ سماع سے بہتر ہے ، تو ہم (نفل) نماز میں مشغول نہ ہوں اور سماع سنیں ۔[1]

مولانا برہان الدین بلخی :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مولانا برہان الدین بلخی علم و کمال سے آراستہ ہونے کے علاوہ نہایت با صلاحیت انسان تھے ۔ چنانچہ بارہا کہا کرتے تھے کہ خدائے عز و جل مجھ سے کسی گناہ کبیرہ کے متعلق نہیں پوچھے گا ۔ اس کے بعد سلطان المشائخ نے مسکرا کر فرمایا کہ وہ یہ بھی کہتے کہ ایک گناہ کبیرہ کے متعلق اُن سے پوچھا جائے گا ۔ جب

۱۔ حضرت جنید بغدادی کی یہ روایت حجت نہیں ، بلکہ ہر ایک کا اپنا اپنا ذوق ہے ۔

لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ وہ گناہِ کبیرہ کون سا ہے ؟ فرمایا کہ سماع چنگ کے ساتھ کہ جنگ میں نے بہت سنا ہے اور اب بھی سنتا ہوں ، اگر ممکن ہوتا ہے۔

اس کے بعد مولانا برہان الدین بلخی کی بزرگی کا ذکر چل پڑا ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ برہان الدین نے بیان کیا کہ میں ابھی بچہ ہی تھا ، اندازاً میری عمر پانچ چھ سال سے کچھ کم یا زیادہ ہوگی ۔ میں اپنے والد کے ساتھ راستے میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک راستے میں مولانا برہان الدین مرغینانی صاحبِ ''ہدایہ'' سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے ۔ میرے والد ان کو دیکھ کر یک سُو ہو کر اور مجھے چھوڑ کر ایک گلی میں مڑ گئے ۔ جب مولانا برہان الدین مرغینانی کی سواری میرے قریب آئی تو میں ان کے پاس گیا اور سلام کیا ۔ اُنھوں نے مجھے غور سے دیکھ کر فرمایا کہ میں اس لڑکے میں نورِ علم دیکھ رہا ہوں ۔ میں نے یہ بات سنی اور آپ کی سواری کے ہمرکاب چلنے لگا ۔ پھر مولانا برہان الدین مرغینانی نے فرمایا مجھ سے خدائے تعالیٰ یہ کہلواتا ہے کہ یہ لڑکا اپنے زمانے کا علامۂ عصر ہوگا ۔ مولانا برہان الدین کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات بھی سنی اور آپ کی سواری کے ساتھ چلتا رہا ۔ پھر مولانا برہان الدین [۵۲۴] مرغینانی نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ مجھ سے کہلواتا ہے کہ یہ لڑکا ایسا بزرگ ہوگا کہ شاہانِ وقت اس کے دروازے پر آئیں گے ، لیکن باریاب نہیں ہو سکیں گے ۔

الغرض اب میں پھر اصل مقصد کی طرف آتا ہوں ۔ کاتبِ حروف نے اپنے والد سے سنا تھا کہ ایک مجلسِ سماع تھی ۔ اُس مجلس میں درویش اور عزیز سب ہی تھے ۔ شیخ بدرالدین سمرقندی خلیفہ حضرت شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے ۔ اس مجلسِ سماع کا آغاز چنگ سے ہوا ۔ شیخ بدرالدین سمرقندی نے سماع میں رقص کیا اور اپنی دستار ، جو اُون سے بنی ہوئی تھی ، چنگ کے سر پر رکھ دی ۔ جب وہ مجلسِ سماع ختم ہوئی تو ایک عزیز نے شیخ بدرالدین سے کہا کہ آج یہ کس قسم کا رقص آپ نے کیا تھا ۔ آپ نے اس کی یہ بات سن کر یہ شعر پڑھا :

ما را بزدی و چنگِ ما را بشکستی
فردا بکشی خمار کہ امشب مستی

بذوق چند دعا یا بلند خواہی خوالد
بدار گیں طرف آواز چنگ می آید

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ فرماتے تھے کہ جو خوبیاں بشر میں ممکن ہیں ، وہ تمام خوبیاں سوائے ذوقِ سماع کے شیخ شہاب الدین سہروردی کو عطا کی گئی تھیں ۔

نیز فرمایا کہ شیخ اوحد الدین کرمانی ایک دفعہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے پاس آئے ۔ شیخ نے مصلیٰ لپیٹ کر زانو کے نیچے رکھ لیا ۔ یہ بات مشائخ کے نزدیک نہایت تعظیم میں داخل ہے ۔ الغرض جب رات ہوئی ، شیخ اوحد الدین کرمانی نے سماع طلب کیا ۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے قوالوں کو بلوایا اور فرمایا کہ سماع کی مجلس منعقد کی جائے ، لیکن وہ خود ایک گوشے میں جا کر عبادت اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے ۔ جب صبح ہوئی تو خادم خانقاہ شیخ شہاب الدین کی خدمت میں آیا ۔ خادم نے عرض کیا ، ان لوگوں کے لیے ، جو سماع میں شریک تھے ، ناشتے کا انتظام کرنا چاہیے ۔ شیخ شہاب الدین نے فرمایا ، کیا رات مجلسِ سماع تھی ؟ خادم نے عرض کیا ، ہاں ۔ شیخ شہاب الدین نے فرمایا ، مجھے اس کی خبر نہیں ۔

بعدہٗ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ شہاب الدین کے استغراق کی انتہا دیکھو کہ وہ ذکرِ الٰہی میں اس طرح مشغول تھے کہ غلبۂ ذکر کی وجہ سے آپ کو سماع کی خبر بھی نہ ہوئی ۔ جب لوگ سماع کو ختم کرکے قرآن مجید پڑھتے تو شیخ شہاب الدین قرآن مجید سنتے تھے ، لیکن وہ غلبۂ ذکر کی وجہ سے سماع نہ سن سکتے تھے ۔ اس سے یہ بات جان لینی چاہیے کہ وہ ذکرِ الٰہی میں کس درجہ مشغول تھے ۔

شیخ شہاب الدین کا شیخ اوحد الدین کرمانی کو ایک تحفہ :

کاتبِ حروف نے اپنے نانا مولانا شمس الدین دامغانی سے سنا تھا کہ آپ فرماتے تھے [۵۲۵] کہ جب شیخ اوحد الدین کرمانی ، شیخ شہاب الدین کو رخصت کرنے لگے تو شیخ شہاب الدین نے ایک پاجامہ اُن کے سامنے رکھا ۔ شیخ اوحد الدین کرمانی نے اُسے قبول کر لیا اور اُسے بیچ میں سے پھاڑ کر دونوں ہاتھ اس کے پائنچوں میں ڈال کر پیراہن کے

اُوپر پہن لیا اور شیخ شہاب الدین کے ہاتھ چوم کر فرمایا کہ یہ ہمارے شیخ کا سب سے ادنیٰ کام ہے۔

اب میں پھر اصل مقصد کی طرف آتا ہوں۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک عزیز جسے عبداللہ رومی کہتے تھے شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ ایک دفعہ میں نے شیخ شہاب الدین کی خدمت میں سماع کیا ہے۔ شیخ بہاء الدین نے فرمایا کہ جب شیخ نے سماع سنا ہے تو ہمیں بھی سننا چاہیے۔ اس کے بعد وہ عبداللہ رومی کو حجرے میں لے گئے اور اُسے وہیں رکھا۔ جب رات ہو گئی تو آپ نے کسی مرید سے کہا کہ عبداللہ کو میرے حجرے میں لاؤ اور اس کے دوست کے سوا کوئی تیسرا شخص اس کے ساتھ نہ ہو۔ جب شیخ بہاء الدین نماز سے فارغ ہوئے تو حجرے میں تشریف لائے۔ اُس وقت حجرے میں شیخ عبداللہ اور اُس کے دوست کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ آپ حجرے میں آ کر بیٹھ گئے اور اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ تقریباً نصف پارہ پڑھا اور حجرے کی زنجیر لگا دی اور عبداللہ سے کہا کہ سماع شروع کرو۔ اس نے سماع شروع کیا۔ ایک گھڑی کے بعد شیخ میں جنبش پیدا ہوئی۔ اُٹھ کر چراغ بجھا دیا۔ حجرے میں اندھیرا ہو گیا۔ عبداللہ رومی بدستور سماع کہتا گیا۔ جب آپ کا دامن عبداللہ رومی کے دامن سے چھو جاتا تو اُس سے اسے معلوم ہوتا تھا کہ شیخ رقص میں ہیں لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا ضرب پر یا بغیر ضرب کے رقص کر رہے ہیں۔ آخر سماع ختم ہوا۔ شیخ نے دروازہ کھولا اور اپنی جگہ پر تشریف لے گئے۔ عبداللہ رومی اور اس کا دوست وہیں رہے۔ نہ اُنھیں کھانا بھیجا نہ پانی۔ جب صبح ہوئی تو آپ کا ایک خادم ایک عمدہ مہین کپڑا اور بیس ٹنکے لے کر آیا اور کہا کہ یہ شیخ نے تمھارے لیے بھجوائے ہیں۔

نکتہ

سماع کے محضر اور اُن مباحث کے بیان میں جو سماع کے متعلق سلطان المشائخ سے ہوئے

کاتبِ حروف محمد مبارک علوی المدعو بہ امیر خورد صاحبِ سماع عزیزوں کے شفقت پذیر [۵۲۶] دلوں پر واضح کرتا ہے کہ قاضی

حمید الدین ناگوری کے زمانے میں علمائے شہر حرمتِ سماع اور مستمع کے کفر کے بارے میں اُن کے خلاف ہوئے ۔ چنانچہ سماع کی حرمت اور مستمع کے کفر کے متعلق فتویٰ حاصل کرتے تھے ۔ اُس وقت کے اکثر علماء نے حرمتِ سماع کی موافقت میں ان فتووں کا جواب لکھا تھا ۔ کاتبِ حروف نے یہ سوالات دیکھے ہیں ۔ قاعدہ ہے کہ جیسا سوال ہوتا ہے ، ویسا ہی اس کا جواب ہوتا ہے ، لیکن حق تعالیٰ نے قاضی حمید الدین کو عشقِ کامل ، علمِ وافر اور کراماتِ ظاہر سے سرفراز فرمایا تھا ۔ با ایں ہمہ اُس وقت کے صدر جہاں قاضی منہاج الدین جوزجانی تھے ، جو علم و فضل اور لطافتِ طبع میں لاثانی تھے ۔ صاحبِ سماع تھے ۔ قاضی حمید الدین اور دوسرے بزرگوں کے ساتھ ، کہ جو اہلِ محبت و عشق تھے ، قاضی منہاج الدین جوزجانی سماع سنا کرتے تھے ، جیسا کہ اس کا کچھ حال نکتۂ اہلِ سماع میں تحریر کیا جا چکا ہے ، اس لیے قاضی حمید الدین کے مخالفوں کو مخالفت کی مجال نہ تھی ۔

لیکن جب حضرت سلطان المشائخ کی عظمت و کرامت اور دولت کا آفتاب اہلِ جہان پر طلوع ہوا اور شوقِ سماع دور و نزدیک کے علماء ، فضلاء ، صدور اور ہر اعلیٰ و ادنیٰ میں ، جن کی سرشت میں عشق کی چاشنی رکھی گئی تھی ، عام ہوا ، تو عالم میں شور مچ گیا ۔ ولولہ عشق نے دلوں میں جوت جگا دی ۔ عاشقی ، عشق بازی اور سماع کا کاروبار جہان میں از سرِ نو تازہ ہوا اور یہ عالم اس کی وجہ سے باغ و بہار بن گیا جیسا کہ خواجہ سنائی کہتے ہیں :

زیں جا نفیر ریزد و ز آنجـاں نوائے نائی
و آنجا خروش عاشق و ایں جا نشاطِ یار
ہر ہر طرف بہشتے و در ہر بہشت حـور
در ہر چمن نگارے و در ہر نگار یـار
روئے زمیں ز شاہدِ گل پُر زر و نگار
شاخِ شجر چو گوشِ عروسانِ شاہوار
مُرغے بہـر درخت و نوائے بہـر طرف
شاہے بہر طریق و عروسے بہـر کنـار

حسد کا کانٹا اس کام کے دعویٰ داروں کے سر میں ، جو اسے اپنا

موروثی کام جانتے تھے ، کھٹکنا شروع ہوا - یہ تعصب اُن کے دلوں میں اس قدر بڑھا کہ وہ سلطان المشائخ کو دیکھ نہیں سکتے تھے - یہ ضعیف کہتا ہے - ع :

مرا زیں عشق فیروزی است مطلق

لیکن چونکہ بہت سے بڑے بڑے لوگ ، علماء ، صدور ، اولیاء ، اُمرا ، بادشاہ ، اور شاہانِ وقت کے مقربینِ خاص کو حضرت سلطان المشائخ [۵۰۲] کا غلام اور معتقد دیکھتے تھے ۔ اس لیے اُن میں مجالِ دم زدن نہ تھی - جس طرح دیگ اپنے اندر جوش کھاتی ہے ، اُسی طرح یہ بھی اپنے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے تھے - وہ اس موقع کی تلاش میں تھے کہ اگر بادشاہ اس بارے میں تلائے تو ہم حسد کے زخم کو زبان کی نوک سے ٹپکائیں :

اللھم اجعلنی من المحسو دین ولا تجعلنی من الحاسدین -

[اے اللہ ! مجھے محسودین میں بنا اور حاسدین میں نہ بنا -]

باوجود علم و فضل کے دعویٰ کے ، رسول ؐ ربِ العالمین کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی یہ دعا اُن کے کانوں تک نہ پہنچی تھی -

شیخ زادہ حسام فرجام کی مخالفت :

الغرض سلطان علاء الدین اور سلطان قطب الدین[1] علیہما الرحمہ کے

۱- ''تاریخ فیروز شاہی'' (برنی) میں ہے کہ سلطان قطب الدین کی ایک اور نا انصافی یہ تھی کہ شیخ نظام الدین سے ، جو قطب عالم تھے ، عداوت رکھتا تھا - ان کے متعلق گستاخانہ الفاظ کہتا اور اس فکر میں رہتا کہ ان کو ایذا پہنچائے - صرف اس لیے کہ سلطان علاء الدین کا بیٹا خضر خاں سلطان المشائخ کا مرید تھا ، جسے اس نے قلعہ گوالیار میں قتل کرایا تھا - یہاں تک کہ نشے میں وہ کہا کرتا تھا کہ جو بھی نظام الدین کا سر لائے گا اس کو ہزار سونے کے ٹنکے دوں گا - (اُردو ترجمہ ، ص ۵۶۸ - ۵۷۱) - خود امیر خورد نے ''سیرالاولیاء'' کے اصل متن کے صفحہ ۱۵۰ پر قطب الدین کی مخالفت کا واقعہ مسجد میری کے سلسلے میں نقل کیا ہے - یہاں یہ لکھنا کہ اُن کی تمنا پوری نہیں ہوئی ، تعجب انگیز ہے -

عہد میں ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی اور ان کو بلایا نہیں گیا ۔ لیکن جب سلطان غیاث الدین تغلق تخت سلطنت پر بیٹھا تو شیخ زادہ حسام الدین فرجام[1] نے ، جس نے غریبی ہی میں سلطان المشائخ کے گھر میں پاؤں کھولے تھے اور جس نے سلطان المشائخ کی آغوش میں تربیت و شفقت میں پرورش پائی تھی ، لیکن وہ اپنے سر میں شہرت کا سودا رکھتا تھا ۔ اگرچہ اُس نے شہرت کے لیے بہت سے مجاہدے کیے تھے لیکن اس کے خمیر میں ذوق و شوق عشق نہیں رکھا گیا تھا اس لیے وہ اصل مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا ، اس بہانے سے اُس نے شہرت حاصل کرنے کے لیے سماع کی حلت و حرمت کے مسئلے کو ہوا دی اور مخالفین نے ، جو موقع کی تاک میں تھے ، اُسے اس مسئلے میں بحث کرنے کے لیے اپنا سرغنہ بنایا :

بارے چو فسانہ میشوی اے بے خرد
افسانۂ نیک شو نہ افسانۂ بد

سلطان المشائخ کی دربار شاہی میں شکایت اور طلبی :

قاضی جلال الدین لوالجی[2] نائب حاکم مملکت اہل عشق سے تعصب کے بارے میں مشہور تھا اور دوسرے دانشمندوں نے شیخ زادہ حسام کو بر انگیختہ کیا اور اپنا لیڈر بنایا تاکہ وہ بادشاہ کے سامنے اس مسئلے کو پیش کرے کہ شیخ نظام الدین محمدؒ ، جو اپنے وقت کے پیشوا ہیں ، سماع کو ، جو امام اعظم کے مذہب میں حرام ہے ، سنتے ہیں اور ہزاروں آدمی اس غیر مشروع کام میں ان کی پیروی کرتے ہیں ۔ شیخ زادہ حسام

۱۔ ''تاریخ فیروز شاہی'' (برنی) میں بجائے فرجام کے جام ہے ۔ برنی نے حسام فرجام کی سلطان قطب الدین کے دربار میں تقرب کی وجہ یہ لکھی ہے ۔ چونکہ خود سلطان قطب الدین سلطان المشائخ سے عداوت رکھتا تھا ، اس لیے اُس نے حسام فرجام کو اپنا مقرب بنا لیا تھا ۔ (اُردو ترجمہ ، ص ۵۲۷)

۲۔ اصل متن میں لوالجی ہے ، مگر ''تاریخ فیروز شاہی'' (برنی) میں ولوالجی ہے ۔ عہد علائی کے ابتدائی دور میں قاضی صدرالدین عارف ، منہاج جوزجانی کے نواسے تھے ۔ ان کے بعد قاضی جلال الدین ولوالجی کا تقرر بحکم شاہی بحیثیت نائب قاضی ممالک ہوا اور مولانا ضیاء الدین بیانہ بحیثیت قاضی ممالک مقرر ہوئے ۔ (اُردو ترجمہ ، ص ۵۱۲)

بادشاہ کے پاس تقرب حاصل کر چکا تھا ۔ اس نے یہ بات سلطان غیاث الدین کے کانوں تک پہنچائی ۔ سلطان غیاث الدین کو اس بات کا علم نہ تھا کہ سماع حلال ہے یا حرام ۔ وہ اس بات کو سن کر متعجب ہوا کہ اتنے بڑے بزرگ ، جو ایک عالم کے مقتدا ہیں ، یہ غیر مشروع کام کس طرح کرتے ہیں ، نعوذ باللہ عما یقول الظالمون (ہم اُس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں جو ظالم لوگ کہتے ہیں) ۔ پھر یہ لوگ قاضی [۵۲۸] حمید الدین ناگوری پر جو فتوے لگائے گئے تھے وہ شرعی کتابوں کی روایات بادشاہ کے پاس لے کر گئے ۔ بادشاہ نے کہا کہ جب علماء دین نے حرمتِ سماع پر فتویٰ دیا ہے اور وہ اس کام میں مانع ہوئے ہیں تو سلطان المشائخ کو حاضر کیا جائے اور شہر کے تمام علماء ، صدور اور اکابر کو طلب کیا جائے اور مجلسِ مباحثہ مقرر کی جائے تاکہ اس مسئلے میں حق ظاہر ہو جائے ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے کہ :

اخترانے کہ بہ شب در نظرِ ما آیند
پیش خورشید محال است کہ پیدا آیند
ہمچنیں پیش وجودت ہمہ خوباں عدم اند
گرچہ در چشم خلائق ہمہ زیبا آیند

الغرض یہ واقعہ ، جو بادشاہ کے دربار میں پیش آیا تھا ، اس کی خبر عقیدت مندوں نے سلطان المشائخ تک پہنچائی ، لیکن سلطان المشائخ نے اس کی ذرا بھی پروا نہ کی :

بیت

جہاں اگر ہمہ دشمن شود بدولتِ عشق
خبر ندارم از ایشاں کہ در جہاں ہستند

لیکن وہ علماء جو اس دور کے جیّد عالم تھے ، سلطان المشائخ کی خدمت گاری میں مشغول تھے ، جیسا کہ مولوی فخرالدین زرادی ، مولانا وحید الدین پائلی و غیرہما ، سماع کی اباحت کے بارے میں دلیلیں پیش کرتے تھے اس غرض سے کہ حاضر ہونے سے پہلے تمام دلیلیں مستحضر ہو جائیں ، لیکن سلطان المشائخ ، جن کا سینۂ مبارک علمِ لدنی سے دریا کی طرح موجیں مارتا تھا ، ان دلیلوں کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے اور اس بارے میں کوئی بات نہ کرتے تھے ۔ یہ سب علماء حیران تھے لیکن یہ سب

عالم سلطان المشائخ کے تبحر علمی پر یقین رکھتے تھے ، اس لیے وہ اس واقعے پر خوش اور مطمئن تھے ۔

دربار شاہی میں سماع کے متعلق مباحثہ :

الغرض جب حضرت سلطان المشائخ بادشاہ کے محل میں بلائے گئے ، تو آپ نے کسی عالم کو ساتھ نہیں لیا ۔ البتہ قاضی محی الدین کاشانی ، جو وفور علم سے آراستہ ، اُستاد شہر ، اور علامۂ عصر تھے اور مولانا فخر الدین زرادی جو قاضی جلال الدین لوانجی[1] سے بھی زیادہ عالم ، بزرگ زادہ اور کریم الطبع تھے ، یہ دونوں بن بلائے آپ کے ساتھ ہوگئے اور بادشاہ کے محل میں گئے ۔ بحث شروع ہونے سے پہلے قاضی جلال الدین نائب حاکم نے سلطان المشائخ سے نصیحت آمیز باتیں شروع کیں ۔ ساتھ ہی ایسی تعصب آمیز باتیں بھی کہیں جو سلطان المشائخ کی مجلس کے شایان شان نہ تھیں ۔ وہ طعن و طنز کی باتیں بھی کرتا جاتا تھا ، لیکن سلطان المشائخ حلم و برد باری سے کام لے رہے تھے اور برداشت کر رہے تھے ۔ یہاں تک کہ اُس نے تلخ کلامی کو یہاں تک پہنچا دیا اور کہا کہ اگر تم اس کے بعد بھی لوگوں کو سماع کی دعوت دو گے اور سماع سنو گے تو چونکہ میں حاکم شرع ہوں ، میں تم کو سزا دوں گا [۵۲۹] ۔ سلطان المشائخ اس کی یہ بات سن کر غصے میں آ گئے اور فرمایا کہ تم اس عہدے سے معزول ہو گے ۔ چنانچہ بارہ روز کے بعد قاضی جلال الدین اپنے عہدۂ قضا سے معزول کیا گیا اور جلد ہی دنیا سے کوچ کر گیا ۔

اب میں پھر اصل مقصد کی طرف آتا ہوں ۔ چنانچہ جب مجلس مباحثہ شروع ہوئی اس مجلس میں تمام علماء و اکابر ، صدور و ملوک و اُمرا حاضر تھے اور کیا بادشاہ اور امیر سب کی نگاہیں سلطان المشائخ پر لگی ہوئی تھیں ۔ اس موقع پر شیخ زادہ حسام نے سلطان المشائخ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا آپ کی مجلس میں سماع ہوتا ہے اور حاضرین رقص کرتے ہیں ، آہ اور نعرے لگاتے ہیں ۔ اُس نے اس قسم کی اور باتیں بہت سی کہیں ۔ سلطان المشائخ نے شیخ زادہ حسام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جوش و خروش مت دکھاؤ ، زیادہ اور فضول باتیں مت کرو ۔ پہلے یہ بتاؤ

۱۔ ”تاریخ فیروز شاہی“ (برنی) میں لوانجی کے بجائے ولوالجی ہے ۔

کہ سماع کے کیا معنی ہیں ؟ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ میں سماع کے معنی نہیں جانتا ، لیکن بڑے بڑے علماء کہتے ہیں کہ سماع حرام ہے۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، جب تم سماع کے معنی بھی نہیں جانتے ، تو تم سے اس بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی اور میں تم سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتا ۔ شیخ زادہ حسام ، جو آپ کے خلاف مدعی تھا ، اس جواب سے ملزم ہو کر شکستہ دل ہو گیا :

تا ست حجتِ قاطع بدست یعنی علم
چگونہ پیش رود دعوایٔ منِ نادان

بادشاہ کے کان سلطان المشائخ کی دل پذیر باتوں کے سننے پر لگے ہوئے تھے ۔ جب دورانِ بحث مخالفین شور و غل کرتے تو بادشاہ کہتا ، شور و غل مت کرو اور غور سے سنو کہ شیخ کیا فرماتے ہیں ۔ تمام علماء جو وہاں موجود تھے ان میں مولانا حمید الدین اور مولانا شہاب الدین ملتانی خاموش تھے ۔ ان دونوں نے کوئی وحشت آمیز بات نہیں کہی ، بلکہ مولانا حمیدالدین نے فرمایا کہ جس طرح مخالفین سلطان المشائخ کی مجلس کا ذکر کرتے ہیں ، در حقیقت معاملہ یہ نہیں ہے ، اس کے برخلاف ہے ۔ میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہے ۔ میں نے اُن کی مجلس میں تمام پیروں ، مشائخ اور درویشوں کو دیکھا ہے ۔ اسی اثنا میں قاضی کمال الدین نے کہا کہ میں نے ایک جگہ یہ روایت دیکھی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ سماع حرام ہے اور رقص فسق ہے ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اس میں امتناعی حکم نہیں ہے ۔

سماع کے متعلق مولانا علم الدین کا فیصلہ :

اسی اثنا میں جب کہ یہ بحث ہو رہی تھی مولانا علم الدین نواسۂ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی آ گئے ۔ بادشاہ نے اُن کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم دانش مند بھی ہو اور مسافر بھی ۔ آج سماع کے مسئلے پر میرے سامنے بحث ہو رہی ہے ۔ [۵۳۰] میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ سماع سننا حلال ہے یا حرام ؟ مولانا علم الدین نے فرمایا ، میں نے اس بارے میں رسالہ ''مقصدہ'' نامی لکھا ہے اور حلت و حرمتِ سماع کی تمام دلیلیں اس رسالے میں جمع کر دی ہیں ۔ جو لوگ سماع کو دل سے

سنتے ہیں اُن کے لیے مباح ہے اور جو حظ نفس کے لیے سنتے ہیں ، اُن کے لیے حرام ہے -

پھر بادشاہ نے مولانا علم الدین سے پوچھا ، تم نے بغداد ، شام اور روم کا سفر کیا ہے - یہ بتاؤ کہ ان شہروں کے مشائخ سماع سنتے ہیں یا نہیں اور کوئی ان کو اس کام سے روکتا ہے یا نہیں ؟ مولانا علم الدین نے فرمایا ، ان تمام شہروں کے مشائخ سماع سنتے ہیں اور بعض دف اور شبانہ (شہنائی) کے ساتھ بھی سنتے ہیں ، لیکن کوئی ان کو نہیں روکتا اور سماع شیخ جنید اور شبلی کے وقت سے مشائخ میں وراثتاً چلا آ رہا ہے - بادشاہ نے جب مولانا علم الدین سے یہ سنا تو خاموش ہو گیا اور کچھ نہ کہا ، لیکن مولانا جلال الدین نے کہا کہ بادشاہ کے لیے لازم ہے کہ حرمت سماع کا حکم دے اور مذہب امام ابو حنیفہؒ کو اس بارے میں ملحوظ رکھے -

اس موقع پر سلطان المشائخ نے بادشاہ سے فرمایا ، میں نہیں چاہتا کہ آپ اس بارے میں کوئی حکم دیں - بادشاہ نے سلطان المشائخ کے اس حکم کو قبول کر لیا اور اس بارے میں کوئی حکم نہیں دیا -

اس بارے میں دو روایتیں ہیں - ایک یہ کہ مولانا فخرالدین زرادی نے ، جو سلطان المشائخ کے خلیفہ ہیں ، اس مجلس مباحثہ کے بعد ایک رسالہ اباحت سماع کے بارے میں ''کشف المفتاح من وجوہ السماع'' کے نام سے تالیف کیا - بیان کیا جاتا ہے کہ یہ روایت زیادہ صحیح ہے ، اس لیے کہ یہ بزرگ اس مجلس مباحثہ میں حاضر تھے اور قاضی کمال الدین صدر جہاں سے زیادہ بحث اُنھوں نے ہی کی تھی - (اس مباحثے کی تفصیل جو اس رسالے میں ہے) وہ یہ ہے :

اور جو دلیلیں مخالف نے ایسے شخص کی گمراہی میں بیان کی تھیں ، جو سماع کے حلال ہونے کا قائل ہے ، وہ صریحاً باطل تھیں - اب حلت و حرمت پر بحث آ گئی ، پھر یہ بحث کرنے یا نہ کرنے کی اولویت کی طرف لوٹ آئی - یہ مباحثہ چاشت کے وقت سے ظہر تک رہا - پھر اہل مجلس بادشاہ کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوئے -

لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ حضرت سلطان المشائخ سماع سنیں اور کوئی اُن کو منع نہ کرے اور دوسرے لوگ جیسا کہ قلندریوں اور حیدریوں کا گروہ ہے جو لذت نفس کے لیے سماع

سنتے ہیں ، اُنھیں منع کیا جائے ، لیکن یہ روایت ضعیف ہے ، اس لیے کہ اُن میں سے کوئی بھی اُس مجلس میں حاضر نہ تھا ۔

بہر حال معتبر اور صحیح روایت وہی ہے کہ جو مولانا [۵۳۱] فخرالدین زرادی سے مروی ہے ۔ واللہ اعلم ۔

اُسی زمانے میں ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ سے پوچھا کہ آپ کے متعلق حکم ہوا ہے کہ مخدوم کی خدمت میں جو کسی وقت بھی آئے ، سماع سنے اس کے لیے سماع حلال ہے ۔ سلطان المشائخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جو چیز حرام ہے کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہوتی ، اگر کوئی شے حلال ہے کسی کے کہنے سے حرام نہیں ہوتی ۔

اب ہم اس مسئلہ اختلافی کا ذکر کرتے ہیں ۔ مثلاً استماع کا حکم ۔ امام شافعی کے نزدیک دف اور شبابہ سے مباح ہے ، لیکن ہمارے علماء مخالف ہیں ۔ اب جس طرح حاکم حکم دے اُس پر عمل ہوگا ۔

اس مباحثے کی مجلس سے فارغ ہو کر بادشاہ نے نہایت تعظیم و تکریم سے حضرت سلطان المشائخ کو رخصت کیا ۔

سلطان المشائخ کی مولانا کاشانی اور امیر خسرو کی طلبی :

مولانا ضیاء الدین برنی نے اپنے "حیرت نامہ" میں لکھا ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ ظہر کے وقت مجلس مباحثہ سے گھر تشریف لائے ، آپ نے مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو شاعر کو طلب فرمایا ۔ جب وہ قدم بوسی کی سعادت حاصل کر چکے تو اُن سے فرمایا کہ دہلی کے دانش مند میری عداوت اور حسد سے بھرے ہوئے تھے ۔ میدانِ مخالفت کو وسیع پا کر انھوں نے مخالفت کی بہت سی باتیں کیں اور ایک عجیب بات ، جو آج مشاہدے میں آئی ، وہ یہ کہ معرضِ حجت میں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی احادیثِ صحیح کو بھی نہیں سنتے اور یہ ہی کہے جاتے ہیں کہ ہمارے شہر میں حدیث سے روایتِ فقہ پر عمل مقدم ہے ۔ یہ باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جن کا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی احادیث پر اعتقاد نہیں ہوتا ۔ جب بھی اُن کے سامنے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی کوئی صحیح حدیث پیش کی جاتی تو وہ منع کرتے اور کہتے کہ یہ حدیث تو امام شافعی کی متمسک ہے ، جو ہمارے علماء کے دشمن ہیں ، اس لیے ہم اس حدیث کو نہیں سنتے ۔ خدا

جانے کہ یہ کیسا زمانہ آ گیا ہے - جس شہر میں اس قسم کے مکابرے کیے جاتے ہوں ، وہ کیسے آباد رہ سکتا ہے ، عجب نہیں کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجے - میں نے کوئی ایسا عالم نہیں دیکھا اور نہ سنا کہ اس کے سامنے احادیثِ نبویؐ بیان کی جائیں اور وہ کہے کہ میں نہیں سنتا - جب عام لوگ قاضیِ شہر اور علماء شہر سے سنیں گے کہ اس [۵۳۲] شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا تو کیوں کر وہ اعتقاد احادیثِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر راسخ ہوں گے - مجھے اندیشہ ہے کہ اس جرم کی سزا میں جو بد اعتقادی اس شہر کے علماء میں مشاہدہ کی گئی ہے ، آسمان سے بلا ، جلا وطنی ، قحط اور وبا جیسی مصیبتیں اس شہر پر نازل ہوں گی -

اس واقعے کو چار سال گزرے تھے ، وہ تمام علماء ، جو مخالفین کی طرف سے اس مجلسِ مباحثہ میں حاضر تھے ، دیوگیر جلا وطن کیے گئے - ان علماء میں سے بیشتر نے دیوگیر ہی میں وفات پائی - اس کے علاوہ شہر میں مہلک قحط اور سخت وبا پھیلی - جو پیش گوئی حضرت سلطان المشائخؒ کی زبانِ مبارک سے نکلی تھی ، وہ بعینہٖ مشاہدے میں آئی - واللہ اعلم -

نکتہ

اہلِ زمانہ کے استماعِ سماع کے بیان میں

صاحب دلانِ عالم پر واضح ہو کہ مبتدی مرید کو چاہیے کہ وہ سماع میں غلو نہ کرے ، جب تک کہ نفس کو ریاضتوں سے نہ گزارے اور اپنے آپ کو سخت مجاہدوں سے نہ جلا لے جیسا کہ نکتہؐ مجاہدات مشائخ میں تحریر کیا گیا ہے -

اہلِ سماع :

اہلِ سماع وہ ہوتا ہے کہ جس کی لوگوں کی نظر میں وقعت اور عظمت نہیں ہوتی ، ورنہ سماع اس کو فتنے میں ڈال دے گا اور اصل کام سے روک دے گا اور ایسے فتنے میں پھنسائے گا کہ سر نہ اٹھا سکے گا اور حرص کے بیابان میں تسبیح کا ڈورا ڈال کر اُسے جنگلوں میں پھرائے گا اور ایک گھڑی بھی اسے اپنے آپ میں نہیں آنے دے گا -

اہل ِ سماع کی ذلت یہ ہے کہ شب و روز سماع کو ، جو کہ مردان ِ خدا کی کسوٹی ہے اور مجاہدان ِ الٰہی کا میدان ِ کارزار ہے ، گمراہی کا طریقہ بنا کر پے در پے پاؤں کوٹنے میں رہے اور اپنے شور و شغب سے آسمان کو سر پر اُٹھا لے اور اس کے ذریعے سے اپنے آپ کو مشہور کرے :

حکحک اندر چراغ چیست تری است
سقشق انـدر سماع چیست بری است
در طریقے کہ شرط ہائے سپری است
نعـرۂ بیہـدہ سری و خسری است

اور نیک لوگ جو سماع کو ازروئے درد کرتے ہیں اور اُن کے نعرے کو جسے وہ شوق حق کی بنا پر لگاتے ہیں ، یہ شہرت کے لیے مصنوعی سماع کے علم بردار ان اہل ِ ذوق کے رقص و شور کو پریشان کرتے ہیں ، یعنی یہ رقاص جوانوں کی طرح رقص کرکے دیکھنے والوں کے لیے ہنسی کا سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور اس طرح سہرت کو اپنی روزی حاصل کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں ۔ خواجہ حکیم سنائی کہتے ہیں :

اے ہوا ہائے تـو خـدا انگیز
وائے خـدایا کہ تو جدائی ازآن

سماع اے برادر ! بگویم کہ چیست
[۵۲۳] اگر مستمع را بـدانم کـہ کیست
اگر بُـرج معنی پـرد طیر ِ او
فـرشتہ فـرومـانـد از سیر ِ او
اگر مرد ِ لہو است و بازی و لاغ
قوی تر شود دیوش انـدر دمـاغ

اور اپنے پیروں کے طور و طریقے کو چھوڑ کر خواہشات ِ نفس کی راہ پر چلتے ہیں ، پھر یہ توقع رکھتے ہیں کہ ان حرکات ِ ناپسندیدہ کے باوجود وہ اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے ۔ خدا کی قسم وہ کبھی منزل پر نہیں پہنچ سکتے ۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے :

ہرگز نـہ رسی بکعبـہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

خدا کے لیے ہمارے معظم طبقے کے مشائخ کی راہ و روش اور مناقب کو جو اس کتاب میں لکھے گئے ہیں ، پڑھو ، عمل کرو اور دیکھو کہ اُنھوں نے ابتدا سے لے کر انتہا تک کس قسم کے مجاہدے اختیار کیے اور تکلیفیں برداشت کیں اور کتنی ہی مرتبہ رضائے حق تعالیٰ اور مشغولی باطن کے لیے اپنے آپ کو معرضِ ہلاکت میں ڈالا اور کسی کو اپنے حال سے واقف نہ ہونے دیا ۔ جب جان پر بن گئی اور چاقو ہڈیوں تک پہنچ گیا ، اس وقت وہ سماع میں مشغول ہوئے اور دریائے آشنائی میں ہاتھ پاؤں مارنے لگے :

دست و پائے بزنم گرچہ نکو می دانم
کہ ترا بینم و از دستِ غمت جاں نہ برم

کیونکہ میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے ، جسے آپ نے "عوارف" سے نقل کیا ہے کہ سماع مریدوں ، معتقدوں اور اصحابِ ریاضت کا حق ہے ۔ جب نفس اور تن ہلاک ہونے لگتے ہیں ، تو وہ بر بنائے حدیث ان لنفسک علیک حقاً یعنی تجھ پر تیرے نفس کا حق ہے ، تو کچھ زمانے سماع کے ذریعے سے آرام لیتے ہیں ، پھر اُنھیں کام میں مشغول کرتے ہیں ۔ جب یہ حقیقت ہے تو ان بزرگوں کے متبعین کے لیے لازم ہے کہ وہ ان کی پیروی کریں اور دنیا سے قطع تعلق کریں کہ اس دنیا کا ظاہر بہت ہی چکنا چپڑا اور شیریں معلوم ہوتا ہے ، لیکن اس کا باطن زہرِ ہلاہل ہے اور یہ دنیا عنقریب جانے والی ہے ۔ بالآخر ہمیں ان مشائخ کرام کی نظر سے گزرنا ہے اور حق تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے ۔ جس طریقے پر بھی تم اس راہ میں قدم رکھو گے ، حق تعالیٰ تمھارے دلوں سے آگاہ ہے اور تمھارے حالات سے باخبر ہے ۔ اپنی زندگی اپنے پیروں کے طریقوں پر گزارو ، تاکہ اُن کے زمرے میں شمار ہو ۔

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں :

گر نیک آیم مرا از ایشاں گیرند
ور بد باشم مرا بدیشاں بخشند [۵۴۴]

کاتبِ حروف نے چند حروف راستی، اخلاص اور درد مندی سے لکھے ہیں۔ جب کسی کیمیا اثر کے منظورِ نظر ہوں گے تو معلوم ہو جائے گا۔
اگر کوئی اس لکھنے والے بیچارے کے حق میں جو نفسانی اور شیطانی حرص و ہوس میں مبتلا ہے، دعائے خیر کرے تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کا انجام بخیر ہوگا:

آنجا کہ سنم خصومتے نیست
ور ہست میانِ نست من ہیگہم

-- --

ما نصیحت بجائے خود کردیم
روزگارے دریں بسر بردیم

• • •

دسواں باب

حضرت سلطان المشائخ کے بعض ملفوظات اور نوشتے جو اس سے پہلے ابواب میں نہیں لکھے گئے اور اس بیچارے نے اپنی سمجھ کے مطابق لکھے ہیں ۔ یہ باب چوبیس نکتوں پر مشتمل ہے

نکتہ

علم اور علما کے بارے میں

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ علم اکتسابی ہوتا ہے اور عقل وہبی ۔ اس لیے کہ عالم ، معلم اور متعلم کہا جاتا ہے ، لیکن عقل میں عاقل ، معقل اور متعقل نہیں کہا جاتا ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مکحول شامی کو لکھا کہ میں نے علم حاصل کیا ، جس سے میں لوگوں میں عزیز ہو گیا ۔ اب میں اپنے علم کو اس لیے استعمال کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ کے نزدیک عزیز ہو جاؤں ۔

عثمان مغربیؒ نے شافعیؒ سے بیان کیا کہ علم دو ہیں ۔ علم ابدان اور علم ادیان ۔ علم ادیان حقائق و معارف ہیں اور علم ابدان ، علم ریاضیات اور مجاہدات ہیں ۔

ابن مبارکؒ نے کہا ، میں نے دنیاوی علم حاصل کیا لیکن میرے علم نے مجھے دلالت[1] دی ۔ میں نے دنیا کو چھوڑ دیا ۔

۱۔ دلالت : دلالت کے لغوی معنی راستہ دکھانے کے ہیں ، لیکن اصطلاح میں اس علم کو کہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے اُس کے جاننے سے دوسری شے کا علم ہو جائے جیسا کہ مصنوع سے صانع کا علم حاصل ہوتا ہے ۔ (غیاث ، ص ۲۱۳)

محمد بن الحسنؒ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا گیا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ؟ فرمایا ، مجھے بخش دیا گیا ۔ جب ابی یوسفؒ سے پوچھا گیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟ انھوں نے فرمایا کہ مجھے بخش دیا ۔ جب امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا ، میں اُن لوگوں کے ساتھ ہوں ، جن پر اللہ نے انعام کیا ۔ نبیوں ، صدیقوں اور شہدا میں سے ۔

یحییٰ بن رازی سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ علم ہماری شفاعت نہیں کرے گا ۔ فرمایا کہ ہمارا علم قائل کو بانجھ بنا دیتا ہے ۔

ابن مبارک کے دو سو سال بعد بلا چادر ایک بدو نے ، جو اپنے حجرے سے باہر نہیں نکلتا تھا کہا کہ کس نے اس کو میرے ساتھ عالم لکھا ۔[1]

احمد بن جنیدؒ کا قول ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور حمام میں داخل نہیں ہوتا ، میں اس کو بہشت کی خوش خبری دیتا ہوں ۔ میں نے اس رات کو دیکھا کہ ایک کہنے والا کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اتباع سنت کی وجہ سے بخشا اور تمھیں امام بنایا ۔ میں نے اس سے پوچھا کون ہے ۔ اس نے کہا ، میں جبرئیل ہوں ۔

حسن بن زیاد نے ابو یوسف [۵۳۵] سے مباحثے کے بعد کہا کہ خلیفہ کے کھانے سے تمھارا ذہن جاتا رہا ہے ۔ اپنا کھانا کھایا کرو تا کہ تمھارا ذہن لوٹ آئے ۔

لقمان کا قول ہے کہ علماء کی پیروی اُن کے علم میں کرو ، اُن کے فعل میں نہ کرو اور زاہدوں کی پیروی اُن کے زہد میں کرو اور ان کے حسن حیلہ میں نہ کرو ۔

حدیث میں ہے کہ برے علماء کا حشر قیامت کے دن بندر ، سور اور ریچھ وغیرہ کی صورت میں ہوگا ۔

غالباً حضرت سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ علم کا مقام عالی ہے ۔ کسی بزرگ نے کہا کہ جس وقت کوئی اہلِ علم کوئی مسئلہ حل کرتا ہے ، تو اللہ تعالیٰ پر اس کی بزرگی واجب ہو جاتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مشکل علمی مسئلے کے حل کرنے میں جو حلاوت عالم کو ہوتی ہے ،

۱۔ یہ عبارت خلط ملط ہے ۔

وہ بادشاہ کو اپنی بادشاہی میں بھی حاصل نہیں ہوتی ، لیکن اکثر علماء اس کے نتیجے سے واقف نہیں ۔ ایسے ہی درویش پر بھی ایک وقت آتا ہے کہ وہ اپنی عبادت سے حلاوت پاتا ہے ۔ ایسی حلاوت جس کے سامنے وہ حلاوت جو علماء مشکل مسائل حل کرنے میں پاتے ہیں ، ہیچ ہو جاتی ہے ، بس درویش کی اس حالت کی کیا توصیف کی جا سکتی ہے ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ خواجہ ابوالموید نے اپنے والد سے پوچھا کہ العلماء ورثۃ الانبیا (علماء انبیا کے وارث ہیں) کون سے علماء مراد ہیں ؟ فرمایا ، یہی علماء جنھیں تم دیکھ رہے ہو ۔ خواجہ ابوالموید نے کہا ، حاشا وکلّا یہ علماء نہیں ہو سکتے ، کیونکہ انبیاء کا علم اکتسابی نہیں ہوتا ۔ اُن کے والد نے کہا کہ الحمدللہ ان کلمات میں سے ، جن کا اظہار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا تھا ، ایک کلمہ ہمارے شاہ کی زبان سے جاری ہوا ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جو شخص علم سیکھتا ہے ، جلد مشہور ہو جاتا ہے اور علم حاصل کرنا درویشی سے زیادہ آسان ہے ۔ اگر دو شخص ایک عالم اور دوسرا غیر عالم درویش کے پاس جائیں اور درویش غیر عالم کی تختی پر کچھ لکھے اور وہ عالم ہو جائے تو وہ اس پائے کا عالم ہوگا کہ وہ جس مرتبے پر پہنچے گا ، عالم اس مرتبے پر دیر سے پہنچے گا ۔ لیکن اگر جاہل نہ ہو تو کامل اور مکمل نہ ہو سکے گا ۔

شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنی تصنیف ''عوارف'' میں لکھا ہے کہ اگر تم میں عقل نہ ہوتی تو علم الٰہی کے لیے وقت تنگ ہو جاتا ۔ ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کا علم اس سے سیکھو ، جس کسی کو حق تعالیٰ کی یاد میں مشغولیت ہے ۔ وہ ایسی باتوں میں مشغول نہیں ہوتا اور مشائخ اپنے مریدوں کو حصولِ علم کا حکم دیتے تھے ۔ جب وہ تحصیلِ علم سے فارغ ہو جاتے تو پھر انہیں علم سے حال میں مشغول کرتے ، پھر اُن میں سے جو مقام ابرار پر قانع ہوتے ہیں ، وہ [۵۳۶] مطالعۂ کتب اور تدریسِ علوم دینیہ میں مشغول ہو جاتے ہیں ۔

علم کی تعلیم میں مولانا برہان الدین نسفی کی تین شرطیں :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مولانا برہان الدین نسفی دانش مند کامل الحال بزرگ تھے ۔ اگر کوئی طالب علم علم حاصل کرنے کے لیے

اُن کے پاس آنا تو اس سے فرماتے کہ پہلے مجھ سے تین شرطیں کرو تا کہ میں تم کو کچھ سکھاؤں ۔ اوّل یہ کہ ایک وقت کھانا کھاؤ ، تا کہ خواہش علم کے لیے جگہ خالی ہو ۔ دوسرے یہ کہ سبق کو بالکل ناغہ نہ کرو ۔ اگر تم نے ایک روز بھی سبق ناغہ کیا ، میں دوسرے دن تمھیں سبق نہیں پڑھاؤں گا ۔ تیسرے یہ کہ جب تم راستے میں مجھے ملو تو سلام کرو اور راستے سے گزر جاؤ ، لیکن پاؤں میں نہ پڑو اور حد سے زیادہ تعظیم نہ کرو ۔

برہان الدین نامی چار بزرگ :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اگلے زمانے میں چار بزرگ برہان نام کے دہلی میں آئے ۔ ایک برہان الدین بلخی[1] ، دوسرے برہان الدین کاشانی ، تیسرے اور چوتھے مجھے یاد نہیں آتے ۔ الغرض ان چاروں کے درمیان اس قدر محبت اور دوستی تھی کہ چاروں اکٹھے ہی کھانا کھاتے تھے اور ایک ہی جگہ تحصیلِ علم کرتے تھے ۔ ابتداءً جب یہ دہلی آئے ، تو اُس زمانے میں قاضی نصیرالدین قاضیِ شہر تھے ۔ انھوں نے برہان الدین کاشانی سے کسی محفل میں کوئی مسئلہ پوچھا ۔ یہ ترک کوتہ قد تھے ۔ جب اُنھوں نے اُس مسئلے کو بیان کرنا شروع کیا تو جو طالب علم اس محفل میں موجود تھے ، انھوں نے خیال کیا کہ یہ ریزہ کیا جواب دے سکے گا ، جب ہی سے اُن کا عرف ریزہ پڑ گیا ۔ آخر عمر میں یہ برہان ابدال ہوئے ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ، میں نے ان کو دیکھا تھا ۔ ہر روز صبح کو آتے ۔ دس گھوڑے اور سو سے زیادہ اُن کے غلام تھے ، لیکن وہ تنہا آتے تھے ، کوئی غلام اُن کے ساتھ نہ ہوتا تھا ۔ اُن کے ایک صاحبزادے نورالدین نامی تھے ۔ ایک دن بیٹے نے باپ سے کہا کہ ہمارے دشمن بہت ہیں اور آپ ہر روز تنہا گھر سے باہر جاتے ہیں ، اگر ایک غلام کو اپنے ساتھ لے جایا کریں ، اور وہ پانی کا کوزہ آپ کو دے تو بہتر ہوگا ۔

۱۔ شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی نے ان کا نام شیخ برہان الدین محمود ابی الخیر اسعد البلخی لکھا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہ بلبن عہد کے اکابر علماء میں تھے اور علوم شریعت و طریقت کے بڑے ماہر اور علم و دانش وجد و سماع سے موصوف تھے ۔ (اخبارالاخیار ، ص ۷۵ ، تذکرہ علمائے ہند (اُردو ترجمہ) ، ص ۱۳۰)

مولانا برہان الدین نے فرمایا ، بابا نورالدین ! جہاں میں جاتا ہوں وہاں غلام کا دخل نہیں ۔ میں تمھیں بھی کہ تم میرے بیٹے ہو ، اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا ۔

تین دانش مند درویش صفت :

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے تین دانش مند درویش صفت دیکھے ہیں ۔ ایک مولانا شہاب الدین جو میرٹھ کے رہنے والے تھے ۔ دوسرے مولانا احمد حافظ ، تیسرے مولانا احمد کیتھلی ۔

پھر فرمایا کہ مولانا احمد حافظ مرد حق آگاہ تھے ۔ میری اُن سے حدودِ سرسی میں اُس وقت ملاقات ہوئی تھی ، جب میں شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدینؒ کی زیارت کے لیے جا رہا تھا ۔ [۵۳۷] اُنھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ جب تم شیخ کے روضۂ متبرکہ کے پاس پہنچو تو میرا سلام پہنچانا :

رو اے صبا سلامم بر آستانش رساں

بصحن و منظر و دیوار و گرد بامش رساں

اور میری طرف سے عرض کرنا کہ میں دنیا نہیں مانگتا کہ دنیا کے طالب بہت ہیں اور اسی طرح عقبیٰ بھی نہیں چاہتا کہ وہ بھی اسی حکم میں ہے بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ مجھے مسلمان موت دے اور میرا (حشر میں) نیک لوگوں کے ساتھ الحاق کر ۔

اس کے بعد مولانا احمد کیتھلی کا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ ایک بوڑھے آدمی تھے ۔ نہایت با برکت بزرگ اگرچہ کسی سے تعلق نہ رکھتے تھے لیکن مرادانِ حق کی صحبت بہت اُٹھائی تھی ۔ پہلی مرتبہ جب میری اُن سے ملاقات ہوئی تو مجھے اُن کی شکوہِ تقریر سے معلوم ہوا کہ وہ واصلانِ حق میں سے ہیں ۔ میرے دل میں ایک شبہ عرصے سے چلا آ رہا تھا ۔ میں نے اُن سے پوچھا ۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ وہ مرد ایسے ہی ہوتے ہیں ۔ اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد سلطان المشائخ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ اگر میں اپنے اس شبہے کو سو دانش مندوں سے بھی پوچھتا ، تو حل نہیں ہو سکتا تھا ۔

اس کے بعد ان ہی بزرگ کے اخلاق کے متعلق یہ حکایت بیان فرمائی

کہ ایک دفعہ مولانا احمد کیتھلی میرے پاس آئے ۔ اُس وقت میرے پاس بہت سے خدمت گار جمع تھے ۔ اُن میں سے ایک نے اُن کے ساتھ کوئی بے ادبی کی ۔ کسی نے اس بے ادبی کرنے والے کے لکڑی ماری ۔ مولانا کیتھلی اُس کے لکڑی مارنے پر اس قدر روئے کہ گویا اُن ہی کے لکڑی ماری گئی ہے ۔ فرمایا کہ میری شامت اعمال ہے کہ اس بے چارے کو یہ دکھ پہنچا ہے ۔ پھر سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ میرے دل میں اُن کی رقت و شفقت کی وجہ سے بے حد گداز پیدا ہوا ۔

مولانا احمد کیتھلی کی شہادت :

اس کے بعد سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں حدودِ سرمہی میں تھا کہ میں نے سنا کہ کل اس مقام کے گرد و نواح میں ڈاکا پڑا ہے اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے ہیں ۔ لوگوں نے بیان کیا کہ ان شہید ہونے والوں میں ایک دانش مند بھی تھے ، جنھیں مولانا احمد کیتھلی کہتے تھے ۔ وہ قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ انھیں شہید کیا گیا ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

جب میں دوسرے روز اس مقام پر پہنچا ، جہاں یہ لوگ شہید کیے گئے تھے ، تو میں نے جستجو کی ۔ وہ وہی مولانا احمد کیتھلی تھے جو شہید ہوئے ۔ غفراللہ لہ ۔

نیز سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ حضرت امام اعظمؒ کی وفات کے بعد خلقت کا رجحان امام احمد بن حنبلؒ کی طرف تھا ۔ امام شافعیؒ حیران تھے ۔ ایک روز امام حنبلؒ ، امام شافعیؒ کے مکان پر گئے ۔ اس کے بعد خلقت کا رجحان امام شافعیؒ کی طرف ہوا ۔ اس طرح امام احمد بن حنبلؒ اپنے آپ کو خلقت کے جھگڑوں بکھیڑوں سے علیحدہ کر کے یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے ۔

سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ مولانا فخرالدین زرادی شافعی مذہب کے پیرو تھے ، لیکن وہ جب کبھی امام اعظم کا ذکر کرتے ، تو رحمۃ اللہ علیہ کہتے ۔ خواجہ محمد اجل سرزی نے اُن سے فرمایا [۵۳۸] کہ مولانا ! کیا آپ نے قرآن شریف پڑھا ہے ؟ اور اس میں سے کچھ پڑھ سکتے ہو ؟ مولانا فخرالدین زرادی نے کہا ، ہاں میں نے چند کتابیں تصنیف کی ہیں ۔ خواجہ محمد اجل نے فرمایا کہ حق تعالٰی نے تابعین کے حق میں والذین

البعوهم باحسان رضی اللہ عنہم و رضواعنہ فرمایا ہے اور امام اعظم تابعین میں سے تھے ۔ (اُن کا مقصد یہ تھا کہ امام اعظم کے نام کے ساتھ لفظ رضی اللہ عنہ کا استعمال کرنا چاہیے) ۔

بعد ازاں سلطان المشائخ نے فرمایا کہ امام اعظمؒ نے سات صحابیوں کو دیکھا تھا ۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی فراست :

نیز فرمایا کہ کسی خلیفہ نے ملک الموت کو خواب میں دیکھا ۔ اُس نے ملک الموت سے پوچھا کہ میری عمر اس وقت کتنی ہے اور کتنی عمر باقی ہے ؟ ملک الموت نے پانچ اُنگلیوں سے اشارہ کیا ۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس نے شہر کے تمام معبروں کو بلوایا ۔ تمام حکماء اور علماء نے اپنی اپنی فہم و فراست کے مطابق اس خواب کی تعبیر دی ۔ کسی نے پچاس سال کہا ، کسی نے پانچ سال ، کسی نے پانچ روز کہا ، لیکن خلیفہ کا دل کسی بات پر مطمئن نہیں ہوا ۔ امام اعظمؒ نے فرمایا کہ ملک الموت کا اشارہ ان پانچ اُنگلیوں سے اس طرف ہے کہ پانچ چیزوں کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے کلام مجید میں خود فرمایا ہے :

ان اللہ عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام و ما تدری نفس ماذا تکسب غداً و ما تدری نفسٌ بای ارضٍ تموت ۔

[اللہ ہی کو علم ہے کہ قیامت کب آئے گی اور بارش کب برسے گی ، اور وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے (لڑکا ہے یا لڑکی) اور سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے اور سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ انسان کون سی سرزمین میں مرے گا ۔]

امام اعظمؒ نے فرمایا کہ ان پانچ باتوں سے خلقت کا ادراک عاجز ہے اور ان کا علم صرف ذاتِ حق کو ہے ، کیونکہ قرآن حکیم میں ان پانچ باتوں کے علم کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے ۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک بزرگ نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ۔ پوچھا کہ آپ کا یہ ارشاد مجھ تک پہنچا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہر زمانے میں کچھ ایسے

مردان خدا ہوتے ہیں کہ اُن کی برکت سے جہان قائم رہتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس زمانے میں وہ کون ہے ؟ فرمایا ، محمد ادریس[1] :

کوفی اندر طریقِ دیں کافی
شافعی دردِ جہل را شافی
آن قریشی ز اصل و آن کوفی
او ہمہ فقیہ ایں صوفی
ہمہ نیک اند بے حکومتِ تو
تو بدی و سبک خصومتِ تو

سلطان المشائخ نے فرمایا ، مولانا مجدالدین جاجری[2] روایت کرتے ہیں کہ ہر رات مولانا فخرالدین زرادی کے پاس تین جزو سفید کاغذ کے مع قلم و دوات کے رکھ دیے جاتے تھے۔ صبح کو وہ تمام کاغذ اُن کی تصنیف سے پُر ہوتے تھے۔ اکثر اوقات یہ تین جز شرح کلمۂ لا الہ الا اللہ سے بھرے ہوئے پائے جاتے تھے۔ مولانا شہاب الدین ادھمی ، جن کا تذکرہ باب مناقب یارانِ اعلیٰ میں تحریر کیا گیا ہے ، ایک دفعہ حاضر خدمت تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ کتاب خانۂ قاضی برہان الدین بلخی میں ایک نسخہ "اربعین رازی" کا مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ اس نسخے کے دو صفحے پر اول سے آخر تک مسلسل کلمۂ اللہ لکھا ہوا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کتاب کے لکھتے وقت مصنف پر ذکرِ حق جل و علیٰ کا اس قدر غلبہ تھا ، جب وہ چاہتے کہ کچھ لکھیں یہی کلمۂ اللہ لکھا جاتا تھا۔

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جو شخص علم حاصل کرے اس کے لیے علم ایک عمدہ اور قیمتی درخت کی طرح ہے جو بغیر رنج و محنت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ علم بھی خوش نصیبی سے حاصل ہوتا ہے۔

۱- مراد امام شافعی۔
۲- مولانا مجدالدین جاجری : "تاریخ فیروز شاہی" (برنی) میں مجدالدین چناری مرحوم ہے ، جو عہدِ علائی کے دور میں تھے۔ علامۂ وقت تھے۔ درس دیتے تھے۔ (تاریخ فیروز شاہی (برنی) ، اُردو ترجمہ ، ص ۵۱۱)

اگر علم کے ساتھ اطاعت بھی کرے تو نور علیٰ نور ہے ۔ جب دونوں حاصل ہو جائیں تو چاہیے کہ ان دونوں کو یعنی علم و عمل کو نظر انداز کر دے تاکہ تکبر میں مبتلا نہ ہو۔

نیز فرمایا کہ دنیا میں جتنے علماء اور دانش مند گزرے ہیں ، کون جانتا ہے کہ کہاں گزرے ہیں اور کون گزرے ہیں ۔ اگر کچھ باقی رہ جاتا ہے تو وہ حسن معاملہ ہے ۔ یہی حیات معنوی ہے ، جس کو آسانی سے حاصل کیا جا سکتا ہے ۔ شبلی اور جنید آج تک زندہ ہیں ۔

نیز فرمایا کہ جس رات کے اول حصے میں امام اعظمؒ نے وفات پائی اُسی رات کے آخری حصے میں امام شافعیؒ پیدا ہوئے ۔ اسی بارے میں خاقانی نے فرمایا ہے :

مثنوی

چوں فلک عہدِ سنائی در نوشت
آسماں چوں من سخن گستر نزاد
بو حنیفہ اولِ شب نقل کرد
شافعی آخر شب از مادر بزاد

حکیم سنائی علم کے بارے میں فرماتے ہیں :

علم رہ جانبِ اللہ برد
جہل رہ سوئے نفس و جاہ برد

جان بے علم تن بمیراند
شاخ بے برگ میوہ گیراند

حکم از علم نیک بے گردد
سنگ بے اصل لعل کے گردد

علم دان خاصہ خدا آمد
علم خوان شرح مصطفیٰؐ آمد

کیشت بے آب بار و بر ندہد
تخم بے مغز بس ثمر ندہد

درد بے علم تخم در شور است
علم بے درد سنگِ بر گور است

علم کز بہر حشمت آموزی
نیست جز رنج و محنت روزی

[۵۴۰] بد بخوانی ولے بتر گردد
ور بود نیک نیک تر گردد

سوئے عالم نہ است از سوئے ظن
دانش جاں بہ از تو آتش تن

برگ دہ دوست را و دشمن را
علم جاں را بہ عمل تن را

گاؤ یک سالہ را بہا دو درم
علم یک لحظہ را بہا عالم

عالماں خود کمند در عالم
بار عامل میان عالم کم

نکتہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے شب معراج کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز سے سوال کیا گیا کہ معراج کس قسم کی تھی ۔ فرمایا ، مکہ سے بیت المقدس تک اسرا تھا اور بیت المقدس سے فلک اوّل تک معراج تھی اور فلک اوّل سے قاب قوسین تک اعراج تھا ۔ سائل نے مزید پوچھا کہ قلب کی معراج اور قالب و روح کی معراج کس طرح ہوتی ہے ؟ آپ نے جواب میں یہ مصرع پڑھا :

فظن خیراً ولا تسال الخبر

[نیک گمان کر اور نیک کو نہ پوچھ ۔]

اُس وقت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ان چیزوں پر ایمان لانا چاہیے اور ان کی تحقیق و تفتیش میں غلو نہ کرنا چاہیے ۔

بعد ازاں فرمایا کہ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وہاں لے گئے ، جہاں عرش و کرسی و بہشت و دوزخ تھے یا عرش و کرسی ، بہشت و دوزخ وغیرہ کو یہاں

لائے ، جہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے ۔ دوسری صورت میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مرتبہ اور زیادہ بلند و بالا ہو جاتا ہے :

بر نہادہ ز بہر باغِ ارم
پائے بر فرق عالم و آدم

دو جہاں پیش ہمتش بدو جو
سرِ ما زاغ و ما طغیٰ بشنو

باز گردش سوئے معراج پرواز
گفتہ و ہم شنیدہ آمد باز

جسم جاں کردہ در خزانۂ راز
پیش محراب ابروانش نماز

منہج صدق در دو ابرو داشت
کششِ عشق در دو گیسو داشت

عزتش لانبی بعدی گو
ہمتش از رفیقِ اعلیٰ جو

قبہ بر فرق آفتاب زدہ
راہِ او جبرئیل آب زدہ

کے تواں زد ز روئے رحمتِ بیم [۵۳۱]
ایں چنیں نوبتے بہ دورِ کلیم

نکتہ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بارے میں

سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ، ہر پیغمبر کو رحلت کے وقت اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو دنیا میں اور کچھ عرصہ رہ لے ۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے دل میں خیال گزرا کہ کیا اچھا ہو کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اگر اور کچھ دن اصحابِ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ رہیں اور عالمِ بقا کی طرف تشریف نہ لے جائیں ۔ اُنھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف دیکھنا شروع کیا ۔ آپ کی زبان سے نکلا : مع النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین ۔

تاریخ وفات :

فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کی تاریخ یکم ربیع الاوّل ہے ۔[1] نو روز تک آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دفن نہیں کیا گیا ۔[2] نو روز تک رسولِ اکرمؐ کی نو بیویوں نے کھانا دیا ۔ دسویں روز حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس قدر وافر کھانا دیا کہ مدینے کے تمام لوگوں نے کھایا ۔

غسل :

منقول ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو غسل دینا چاہا ، تو متفکر ہوئے کہ کپڑوں کے ساتھ غسل دیں یا بغیر کپڑوں کے ۔ پہلے آواز آئی کہ بغیر کپڑوں کے ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ، ذرا ٹھہر جاؤ ۔ دوسری مرتبہ آواز آئی کپڑوں کے ساتھ غسل دو[3] ۔ چنانچہ آپ کو کپڑوں کے ساتھ

۱۔ علامہ شبلی نے بھی سیرۃ النبی (جلد دوم ، ص ۱۷۳) پر یکم ربیع الاول ۱۱ھ (۶۳۲ء) کی روایت کو زیادہ صحیح بتایا ہے ۔ لیکن ۱۲ ربیع الاول بھی بعض روایتوں میں آیا ہے اور جمہور کا رجحان اس روایت کی طرف ہے ۔

۲۔ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم کی تجہیز و تکفین کا کام دوسرے دن سہ شنبہ ۲ ربیع الاوّل کو شروع ہوا ۔ (سیرۃ النبی ، جلد ۲ ، ص ۱۸۲)

۳۔ یہ روایت کہ نو روز تک آپ کو دفن نہیں کیا گیا اور یہ روایت کہ آپ کے غسل کے وقت دو آوازیں آئیں یہ دونوں روایتیں میری نظر سے صوفیاء کرام عشقِ رسولؐ اور مومنین سے حسن ظن کی بنا پر راوی کے بارے میں کھود کر یہ نہیں کرتے تھے اس لیے جب تک کہ ان دونوں روایتوں کی سند نہ بیان کی جائے یہ دونوں روایتیں حجت نہیں ۔

غسل دیا گیا ۔ پہلی آواز شیطان کی تھی ، دوسری آواز خضر علیہ السلام کی ۔ حکیم سنائی کہتے ہیں :

مثنوی

در ترنم تبارک اللہ گوئی
بود مشتاق در کہہ حضرت

ز خمہا خورد و رحمہا کردہ
عاقبت رفت در پس پردہ

چوں دم از حضرت شہود زدہ
آتش اندر ہمہ وجود زدہ

طوطی جانش چوں قفس بشکست
رفت بر فرق جبرئیل نشست

آب کہ در پیش خلق زار نہفت
زاں ہمی الرفیق اعلیٰ گفت

تنش نالاں و جانش فرخندہ
از دروں سوز و از بروں خندہ

نکتہ

عقل کے بیان میں

میں نے حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے دست مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ۔

عقل ایک فطری نور ہے جو سننے اور کسب سے زیادہ ہوتا ہے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں [۵۴۲] کہ عقل کا تعلق دل سے ، رحمت کا تعلق جگر سے اور نرمی اور مہربانی کا تعلق تلّی سے ہے ۔ چودہ سے چوبیس سال تک آدمی کی قدرت مدرکہ پورے طور پر ترقی کر چکتی ہے اور عقل اٹھائیس سال تک کامل ہوتی ہے ۔

ابن عباسؓ نے امیرالمؤمنین سے کہا کہ کیا کوئی آدمی آپ نے دیکھا جس کا قیام تھوڑا اور توشہ زیادہ ہو ؟ اور کیا آپ نے کوئی آدمی ایسا بھی دیکھا جس کا قیام زیادہ اور توشہ تھوڑا ہو ۔ امیرالمؤمنین نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا

تھا جو سوال تم مجھ سے کر رہے ہو ، تو آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ پیری کی عقل دوسرے لوگوں کی بنسبت زیادہ ہے ، کیوں کہ دوسروں کی نسبت یہ سبب اپنے رحم کے زیادہ عقل مند ہے ۔ پس راوی چلا اٹھا اور کہنے لگا کہ عقل کا کون مالک ہے ؟ اور ان لوگوں کو اُن کے اعمال کی وجہ سے کیوں باز پُرس کی جاتی ہے ۔

رسولوں کی عقل اور دل ملکوتی ہوتے ہیں اور نفس اور بدن ارض ہوتے ہیں اور ملکی تو نور ہے اور یہ دونوں (نفس اور بدن) ظلمت سے ہیں ۔

عقل مشتمل دو جڑوں پر ہے ، ایک شاخ اطاعت کے ذریعے اللہ کی طرف جاتی ہے اور وہ نور ہے ۔ دوسری رحم ، وہ آسانی سے خلقت کی طرف آتی ہے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ، اے اللہ! میری عقل کو موت سے تین دن پہلے ڈھانپ لے ۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں اس وقت سے ڈرتا ہوں کہ میری زبان سے کوئی کلمہ نہ نکل جائے ، جس کے سبب مجھے قطعی شقاوت نصیب ہو ۔ اگر مجھ میں عقل نہ ہوگی تو مجھ سے مواخذہ بھی نہ ہوگا اور مجھ سے قلم اُٹھا لیا جائے گا۔[۱]

امام جعفر صادق رض نے فرمایا کہ انسان کی خوش نصیبی یہ ہے کہ اس کا دشمن عقلمند ہو ، لیکن میرا دشمن وہ ہے جس میں عقل نہیں یعنی نفس ۔ خواجہ حکیم سنائی فرماتے ہیں :

ہر چہ در زیر چرخ نیک و بد اند
خوشہ چینان خرمن خرد اند

عقل ہم گوہر است و ہم کان است
در تن مرد عقل سلطان است

عقل طرار و حیلہ گر نبود
عقل غماز و کینہ ور نبود

عقل جز خواجہ محقق نیست
نفس جز کافر و منافق نیست

۱۔ حضرت ابن عباس رض کی روایت جس کا سلسلہ حکیم سنائی کی نظم تک پہنچتا ہے ۔ یہ عبارت بہت زیادہ خلط ملط ہے ، اس کا ترجمہ چونکہ کسی دوسرے نسخے کے بغیر ممکن نہ تھا ، اس لیے اس خلط عبارت کا ترجمہ ہم نے اسی عبارت کے مطابق بڑی دقت سے کیا ۔

عقــل ہرگز بکذب راضی نیست
عقــل ہرگز وکیلِ قاضی نیست
و آنکہ راضی بکذب و سالوسی است
آنکہ غماز و آنکہ ناموسی است
آنکہ او آبرو و نان طلب است
و آنکہ امی و آنکہ بوالعجب است
آں ہمہ عقلہائے عاریتے است
کز پئے مال و جاہ و تربیتے است
درگزر ایں کیاستِ اوباش
عقل دیں جو و پس روِ او باش
عقــل دیں جز ادا عطـا نکنند
تا نبردہ است بحق رہـا نکنند
[۵۴۳] دایـہ ٔ زیر ایں کہن بنیاد
نیست کس را چو عقلِ مادر زاد
پدر و مـادر و حیـاتِ لطیف
نفس گـویـا شمار عقـل شریف
ز ایں دو جفتِ شریف طاق مباش
و الدیں ہر دو اصل عاق مباش

نکتہ

دنیا اور ترکِ دنیا کے بیان میں

دنیا کی قسمیں :

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ، ایک تو صورتاً اور معناً دنیا ہے ، ایک صورتاً دنیا ہے اور معناً دنیا نہیں ہے ۔ بعدہٗ فرمایا جو صورتاً اور معناً دنیا ہے ، وہ گزارے سے زیادہ آمدنی معصیت ہے اور جو صورتاً اور معناً دنیا نہیں ہے ، وہ طاعت ، اخلاص کے ساتھ ہے ۔ وہ جو صورتاً دنیا نہیں ہے اور معناً دنیا ہے وہ ریا کے ساتھ اطاعت سے رفع مضرت اور جلب منفعت کے لیے ۔ وہ جو صورتاً دنیا ہے اور معناً دنیا نہیں ہے وہ اپنی بیوی کا حق زوجیت ادا کرنا ہے یعنی اس نیت سے اپنی

بیوی کے پاس کہ اس کا حق ادا کرے ۔ فرمایا کہ اصل دانائی یہ ہے کہ دنیا سے پرہیز کرے ، اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ اُس کے بعد اُس کے مال کا تہائی حصہ ایسے شخص کو دیا جائے جو سب سے زیادہ عقل مند ہو ، تو اس کی اس وصیت پر کس طرح عمل کیا جائے گا؟ پھر خود ہی فرمایا کہ اس کے مال کا تہائی حصہ تارک الدنیا کو دینا چاہیے ۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ جو تارک الدنیا ہوگا وہ اس کا مال کیسے قبول کرے گا ۔ فرمایا ، بات تو خرچ کرنے کے بارے میں ہے اور یہ مسئلہ اُس کے بعد کا ہے ۔

ترکِ دنیا کا مفہوم :

پھر فرمایا کہ سونا ، چاندی ، گھوڑے اور سامان دنیا نہیں ہیں ، بلکہ اُن سے تعلق اور محبت رکھنا دنیا ہے ۔ اگر اُن سے محبت و تعلق نہ رکھے ، تو یہ دنیا نہیں ہے ۔

پیٹ در اصل دنیا ہے :

پھر فرمایا کہ تمھارا پیٹ تمھاری دنیا ہے ۔ اگر تم کم کھاؤ تو تارک الدنیا ہو ، اگر پیٹ بھر کر کھاؤ گے تو تارک الدنیا نہیں ہو ۔

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک بزرگ پانی پر مصلیٰ بچھا کر نماز ادا کر رہے اور کہہ رہے تھے تھے کہ اے اللہ ! خضر علیہ السلام کبیرہ گناہ کے مرتکب ہیں ، انھیں توبہ کی توفیق بخش ۔ اُسی وقت حضرت خضر علیہ السلام آ موجود ہوئے اور فرمایا کہ اے بزرگ ! بتاؤ وہ کون سا گناہ کبیرہ ہے جس کا میں مرتکب ہوا ہوں؟ اُس بزرگ نے کہا کہ تم نے ایک درخت جنگل میں لگایا ہے اور اُس درخت کے سائے میں آرام لیتے ہو اور کہتے ہو کہ میں نے یہ درخت خدا کے لیے لگایا ہے ۔ حضرت خضر[ع] نے اسی وقت توبہ و استغفار کیا ۔ پھر اُس بزرگ نے ترکِ دنیا کے بارے میں حضرت خضر[ع] سے کہا کہ اس طرح رہو جس طرح [۴۴۵] میں رہتا ہوں ۔ حضرت خضر[ع] نے پوچھا کہ تم کس طرح رہتے ہو اور کیا کرتے ہو؟ اُن بزرگ نے کہا کہ اگر تمام دنیا مجھ کو دیں اور کہیں کہ قبول کرو ، کل قیامت کے دن تم سے اس کا حساب نہ ہوگا اور ساتھ ہی یہ بھی کہیں کہ اگر تم دنیا نہ لوگے تو تمھیں دوزخ میں ڈالا جائے گا تو میں دوزخ

کو قبول کروں گا لیکن دنیا قبول نہیں کروں گا ۔ حضرت خضر ؑ نے پوچھا
کہ آپ دنیا کیوں نہیں قبول کریں گے ؟ اُن بزرگ نے جواب دیا کہ دنیا
حق تعالیٰ کی مبغوض ہے ۔ وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ دشمن جانتا ہے ،
تو میں اس کے بجائے دوزخ کو قبول کروں گا ، اس لیے کہ میرے نزدیک
دوزخ کا قبول کرلنا اولیٰ ہے بنسبت دنیا کے قبول کرنے کے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے شیخ شیوخ العالم ؒ سے سنا
تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص دنیا ترک کرتا ہے ، حق جل و علیٰ
دنیا اور دنیا داروں کو اس کے قدموں پر ڈالتا ہے ۔

نیز فرمایا ، جب خدا تعالیٰ کسی بندے کو عزیز رکھتا ہے تو
دنیا اور دنیا والوں کو اس کی نظر میں ذلیل کر دیتا ہے اور جس بندے
کو ذلیل کرتا ہے ، دنیا کو اس کی نظر میں عزیز کر دیتا ہے ۔

ترکِ دنیا کی تشریح :

نیز فرمایا کہ ترکِ دنیا کے یہ معنی نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا
کر لے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے ۔ بلکہ ترکِ دنیا یہ ہے کہ خود
بھی کھائے پیے اور پہنے اور دوسروں کو بھی کھلائے پلائے اور پہنائے
اور جو چیزیں خدائے تعالیٰ نے اُسے عطا کی ہیں اس کی منفعت شکستہ دلوں
اور مستحقوں کو پہنچائے اور اپنے دل کو دنیا کی ان چیزوں سے نہ لگائے
اور ہمت بلند رکھے اور شہوت کا خیال چھوڑ دے ۔ پھر یہ مصرع پڑھا :

یک لحظہ ز شہوتے کہ داری بر خیز

پھر ارشاد فرمایا کہ کون ہے کہ جس نے کمینگی سے قطع تعلق نہیں
کیا اور شرافت کی طرف اقدام نہیں کیا ۔

اطاعت و معصیت کے حجرے اور اُن کی کنجیاں :

نیز فرمایا کہ تمام گناہ ایک حجرے میں ہیں ۔ اُس کی کنجی محبتِ
دنیا ہے ۔ اسی طرح تمام طاعتیں ایک حجرے میں ہیں ، جس کی کنجی
فقرا کی محبت ہے ۔

فرمایا کہ ایک صاحبِ دل کو بہت مال بطور ورثہ ملا ۔ اس نے
بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ اے اللہ ! اگر میں اس مال کو اپنی نگرانی
میں رکھوں گا تو میرا دل اس سے متعلق رہے گا ، اس لیے میں اس مال کو

تیرے سپرد کرتا ہوں ۔ جب مجھے اس کی ضرورت ہو تو عنایت فرما ۔ یہ کہہ کر اس اہلِ دل نے وہ تمام مال درویشوں میں بانٹ دیا ۔ بعد ازاں اُس کو جتنی ضرورت ہوتی اُتنا ہی روپیہ اس کو مل جاتا ۔ گویا اُس نے اپنی ضرورتوں کے لیے بطور امانت اللہ تعالیٰ کو مال دے رکھا تھا ۔ جس وقت وہ مانگتا ، حق تعالیٰ اس کو دے دیتا تھا ۔

اس موقع پر محی الدین کاشانی نے یہ آیت پڑھی :

رب المشرق والمغرب لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلا ۔

[اللہ تعالیٰ مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اُسی کو اپنا وکیل بنالو ۔]

حضرت سلطان المشائخ کو اُن کی یہ بات پسند آئی ۔ ان کی تعریف فرمائی اور فرمایا :

مردے حکیم پیش پسر
داد چندیں [۵۰۵] ہزار بدرۂ زر

ایک روز بیٹے نے کہا :

گفت بابا نصیبۂ من کو
گفت اے پور ! در خزانۂ ہو
قسمِ تو بے وصی و بے انباز
من بحق دادم او دہد بتو باز
او بجز کار ساز جاں ہا نیست
بکند ظلم ہا تو ز آنہاں نیست

فرمایا ، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ ایک درویش کو اختیار دیا گیا کہ خواہ وہ دنیا و مافیہا کو اختیار کر لے خواہ عاقبت کو ۔ اُس نے عاقبت کو اختیار کیا ۔ جب رسولِ اکرمؐ یہ حکایت ختم کر چکے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اس حکایت کو سن کر رونے لگے ۔ صحابہؓ نے اُن سے رونے کی وجہ پوچھی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ جس درویش کا ذکر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے ، اُس سے مراد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذاتِ مبارک ہے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا ، اگر کوئی دن کو روزہ رکھے اور راتوں کو عبادتِ الٰہی میں مشغول رہے اور زایرالحرمین ہو لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ دنیا کی محبت اس کے دل میں نہ ہونی چاہیے -
پھر فرمایا کہ جس کے دل میں دنیا کی محبت ہے ، وہ دنیا پرست ہے :

مثنوی

چہ کنی بار کالدریں فرسنگ
بار بسیار بر سر و خرِ لنگ

خرِ لنگ و ضعیف و بارِ گراں
منزلت سنگلاخ و تو حیراں

راہِ تاریک و چراغ بے روغن
بادِ صرصر تو باد خانہ مکن

ہر صور کز وجود طاؤس است
باد مسعود ، پائے منحوس است

ہست نقشِ ریا چو صورتِ شمع
شمع او راست تابش اندر جمع

ہست در نقش و شکلہ گرد و نعم
شکلِ ابلیس ابلہ و ابکم

نفسِ اعجاب ہست در سینہ
قبہ بیرحم در آئینہ

ہمہ در نفس نا سپاس توالد
ہمہ در پردۂ حواس توالد

باش تا روئے ہند بکشاید
باش تا با تو در حدیث آید

تا کیانرا نشاندۂ بر در
از پئے پنج روزہ راہ گزر

گر بمیری نکشتہ ایشاں را
کم کنی ملک و ملکِ خویشاں را

نکتہ

فقر و غنا اور فضیلت فقر کی غنا کے مقابلے میں

میں نے سلطان المشائخؒ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے [۵۴۹] کہ کہا گیا ہے کہ فقر ، معدوم سے اُنس اور معلوم سے وحشت ہے ۔ فقر دنیا میں آخرت کے غنا کے دروازے کی کنجی ہے ۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص کوئی درہم و دینار چھوڑے بغیر مر گیا ، وہ (بغیر میری رفاقت کے) جنت میں داخل نہیں ہوگا ، میری مراد اس سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے جس میں فرمایا گیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایک روز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحابِ صُفّہ کی تکلیفوں اور اُن کے فقر ، جد و جہد اور تکلیفوں سے واقف ہوکر اور اُن کی پاکیزگیِ قلب کو دیکھ کر فرمایا کہ اے اصحابِ صُفّہ ! میں تمھیں خوش خبری دیتا ہوں ، جو تم میں سے اس سختی اور تکلیف پر راضی رہے گا ، جس کو تم آج برداشت کر رہے ہو وہ قیامت کے دن میرا رفیق ہوگا ۔

شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کا ارشاد ہے کہ علماء انسانوں میں سب سے اشرف ہیں اور فقرا اشراف میں سب سے زیادہ شریف ہیں ۔ فقیر علماء میں ایسا ہے ، جیسا کہ چودھویں رات کا چاند آسمان کے ستاروں میں ۔

درویش کو زنبیل کا کھانا کھانا چاہیے :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ درویش کو بیت المال میں سے لینے کا کوئی حق نہیں ۔ درویش کو زنبیل کی روٹی کھانی چاہیے ۔ افسوس ہے کہ اس زمانے میں مشائخ کی زنبیل نہیں بھرتی (یعنی زنبیل کا رواج نہیں) ۔ اجودھن میں شیخ شیوخ العالمؒ کی زنبیل بھرتی تھی ۔

فقر و غنا کی فضیلت میں علماء کا اختلاف :

نیز فرمایا کہ فقر و غنا کی فضیلت میں علماء کا اختلافِ رائے ہے ۔ خواجہ جنید ، ابراہیم خواص اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ فقیر صابر اُن شرائط پر کاربند جو صبر کے لیے ہیں ، غنیِ شاکر سے جو شرائطِ شکر پر کاربند ہے ، افضل ہے ۔

ابوالعباس ، ابن عطا اس کے مخالف ہیں ۔ اُن کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے و وجدک عائلاً فاغنیٰ ۔ اور پایا تم کو تنگ دست پس غنی کر دیا ۔

اس آیت میں باری تعالیٰ نے بندے پر احسان رکھا ہے ۔ اگر غنیٰ افضل نہ ہوتا تو باری تعالیٰ احسان نہ رکھتا ۔

علماء کے دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ ہر ایک کے لیے خرقہ ہے اور میرا خرقہ فقر اور جہاد ہے ۔ جو فقراء کو محبوب رکھتا ہے ، وہ مجھے محبوب رکھتا ہے اور جو اُن سے بغض رکھتا ہے ، وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے ۔

حضرت جنید بغدادی نے ابوالعباس کے حق میں کثرتِ مال میں مبتلا ہونے کی بد دعا کی ۔ ابوالعباس کہا کرتے تھے کہ یہ جنید کی بد دعا کا اثر ہے کہ مجھے کثرتِ مال کی مصیبت میں مبتلا کیا گیا ہے ۔ چنانچہ اس کے بعد ابوالعباس نے اپنے اس قول سے رجوع کیا ۔ علماء میں یہ اختلاف صدرِ اوّل میں تھا ۔ اس لیے کہ اُس زمانے میں کہ لوگوں کا اکثر مال حلال ہوتا تھا ، لیکن ہمارے زمانے میں لوگوں کا اکثر مال حرام اور مشتبہ ہے ۔ لہٰذا فقر غنا سے افضل ہے بلا اختلاف ۔

لوگوں کے چار طبقے :

میں نے حضرت سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ لوگوں کے بلحاظ تارک الدنیا اور تارک الآخرۃ ہونے کے چار طبقے ہیں ۔ [۵۴۷] پہلے مطلقاً نیک بخت ، دوسرے مطلقاً بدبخت اور باقی دو اُن کے بین بین ہیں ۔ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا ۔ جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام انبیاء کے سردار ہیں اور انبیاء علیہم السلام باقی تمام مخلوق سے افضل ہیں ۔ اگر یہ کہا جائے کہ دنیا اور آخرت دونوں ایک ساتھ حاصل نہیں ہو سکتیں تو دیکھیے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ دونوں حاصل تھیں ۔ جن و انس و ہوا سب اُن کے مطیع تھے ، لیکن ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ فقر میرے لیے باعثِ فخر ہے ، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ملک کی صورت بھی ہوتی ہے اور حقیقت بھی ۔ حقیقت استغنا اور قدرت ہے ۔

یہ دونوں چیزیں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں بدرجۂ اتم موجود تھیں ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ہمارے بھائی سلیمان علیہ السلام میں دعا اور قدرت نہ ہوتی تو (جو فرشتہ جن کی شکل میں آیا تھا) ایک کھیل بن کر رہ جاتا ۔

(دنیا اور آخرت) دونوں کا اکٹھا ہونا دو طرح پر ہے ۔ ایک یہ کہ آخرت کا پلّہ دنیا پر بھاری رہے ، دوسرے یہ کہ دنیا کا پلّہ آخرت پر بھاری رہے ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو دوسری قسم حاصل تھی اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پہلی ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کا جو حصہ حاصل ہوا ، وہ آخرت پر غالب تھا اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پہلی قسم حاصل تھی ، جس میں آخرت کا پلّہ دنیا پر بھاری ہے ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خاطر پیدا کیا اور آپ اس سے خیر و عافیت سے گزر گئے ، جیسا کہ خود آپ نے فرمایا ہے کہ حج معرفت کا نام ہے ۔

نکتہ

طبقات کے بیان میں

اُمت کے پانچ طبقے :

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے پانچ طبقے ہوں گے اور ہر طبقہ چالیس سال رہے گا ۔ پہلا طبقہ علم و مشاہدے کا ہے ۔ وہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے ۔ دوسرا طبقہ نیکی و پرہیزگاری کا ہے ، وہ تابعین تھے ۔ تیسرا طبقہ تواصل و ترحم کا ہے ۔ تواصل کا مطلب یہ ہے کہ جب دنیا ان کو حاصل ہو جائے اور اُن میں مشترک ہو تو دوسروں کے پہلو کو مقدم سمجھیں ۔ ترحم یہ ہے کہ اگر پوری دنیا اُن کی طرف آئے تو بغیر مشارکت کے اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں ۔ چوتھا طبقہ تقاطع اور تدابر کا ہے ۔ تقاطع یہ ہے کہ اگر دنیا اُن کو مشترکہ دی جائے تو دوسروں کا خیال کیے بغیر وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں اور اگر دنیا [۵۰۸] خالصتاً اُن کو بغیر شرکتِ غیرے حاصل ہو تو وہ ساری کی ساری لے لیتے ہیں ، خلقت سے منہ موڑ لیتے ہیں

اور کسی کو اس میں سے حصہ نہیں دیتے ۔ پانچواں طبقہ حرج و مرج کا ہے یعنی یہ لوگ ایک دوسرے کے بخیے ادھیڑتے ہیں اور غیبت کرکے ایک دوسرے کا گوشت و پوست کھاتے ہیں ۔ ان پانچوں طبقوں کی مدت دو سو سال ہوگی ۔ ان دو سو سال کے بعد نیا چاند طلوع ہوگا ۔

اس بات کو بیان کرنے کے بعد سلطان المشائخ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس ارشاد پر دو سو سال کی مدت گزر چکی ہے ۔ آج اس زمانے کے لوگوں کا اندازہ تم خود کر سکتے ہو ۔

نکتہ

نیت کے بیان میں

حقیقت نیت :

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ پہلے نیت نیک ہونی چاہیے کہ لوگوں کی نظر عمل پر ہے اور حق تعالیٰ کی نظر نیت پر ہے ۔ چونکہ خدائے تعالیٰ کی نظر نیت پر ہے ، اس لیے کہ جب خدا کی نظر نیت پر ہے تو (بغیر نیت نیک کے) ترک عمل پسندیدہ ہے ۔

نیت یہ نہیں کہ آدمی دل میں کہے کہ میں یہ کام کرتا ہوں یا کروں گا ۔ یہ تو نفس کی بات ہے ۔ بلکہ نیت تو وہ ہے کہ دل کی گہرائیوں سے نکلے ، خواہ وہ چیز دینی ہو یا دنیاوی ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گشائش اس کی قائم مقام ہے ۔ جو بعض دلوں ہی کو میسر ہوتی ہے اور بعض دلوں کو میسر نہیں ہوتی ۔ جس کا دل دنیا کی طرف مائل ہے ، اُس کو یہ اختیار نہیں ہے ۔ نیک اعمال میں اکثر یہ بات میسر نہیں ہوتی ، بڑی کوشش سے میسر ہوتی ہے ۔

اس کے بعد سلطان المشائخ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ دمشق کی جامع مسجد کے متعلق وقف بہت ہے اور اس مسجد کے اوقاف کا متولی بہت مالدار ہے ۔ یوں سمجھو کہ گویا وہ یہاں کا دوسرا بادشاہ ہے ۔ اگر وہاں کے بادشاہ کو بھی مال کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اس متولی سے قرض لیتا ہے ۔ الغرض ایک درویش نے اوقاف کی حرص و طمع میں جامع مسجد دمشق میں عبادت و ریاضت شروع کی ، تاکہ وہ شہرت حاصل کرکے اس

اوقاف کی تولیت حاصل کر لے اور لوگ اُسے اوقاف کا متولی بنا دیں ۔ ایک زمانے تک وہ عبادت و ریاضت کرتا رہا لیکن اس کا کسی نے نام بھی نہیں لیا ۔ یہاں تک کہ وہ ایک رات اپنی اس ریاکارانہ عبادت پر پشیمان ہوا ۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ اب میں بغیر کسی طمع و حرص کے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کروں گا ، چنانچہ وہ نیک نیتی کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو گیا ۔ اُسی زمانے میں اس کو متولی بنانے کے لیے طلب کیا گیا ۔ اس درویش نے کہا کہ میں ایک مدت تک اس کی طلب میں سرگرداں رہا ، مجھے کسی نے نہیں بلایا ۔ اب جب کہ میں اس کا سودا سر سے نکال چکا ہوں تو اب لوگ بلا کر مجھے اس کی تولیت دیتے ہیں ۔ الغرض وہ اُسی طرح خدا کی عبادت میں مشغول رہا اور اس شغل سے اس نے آپ کو آلودہ نہیں کیا ۔

نکتہ

صبر و رضا کے بیان میں

حقیقت صبر :

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ صبر وہ ہے کہ جب کوئی تکلیف انسان کو پہنچے تو اُس پر صبر کرے اور آہ و زاری نہ کرے ۔

حقیقتِ رضا :

رضا یہ ہے کہ اُس مصیبت سے ، جو انسان کو پہنچے ، کوئی شکن اپنی جبیں پر نہ آنے دے ، بلکہ ایسا معلوم ہو کہ کوئی مصیبت اُس کو پہنچی ہی نہیں ۔

لیکن متکلمین اس معنی کے منکر ہیں ، جیسا کہ حضرت سلطان المشائخ کی ماثورہ دعاؤں میں منقول ہے ۔

میں نے حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اکثر بارگاہِ الٰہی میں دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ ! میں تجھ سے صلح ، امن ، حسنِ خلق اور لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت اور اُن کی محبت مانگتا

ہوں ۔ نیز فرمایا کہ جو اللہ کی رضا طلب کرتا ہے ، اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور جو لوگوں کی رضا کی التجا کرتا ہے ، اُس سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہو جاتا ہے اور لوگ بھی ناراض ہوتے ہیں اور کافروں میں مؤمنین اور صالحین بہت کم ہیں اور مؤمنین میں صالحین اور صالحین میں صادقین کم ہیں اور صادقین میں راضی برضائے الٰہی کم ہیں ۔ بس ایسے لوگوں کو تلاش کرو اور اُن کی ہم نشینی کو غنیمت جانو ۔

ابو عثمان مغربیؒ سے رسولِ اکرم صلی اللہ و آلہ وسلم کی اس حدیث کے متعلق کہ اسئلک الرضا بعد القضا کا مطلب پوچھا گیا تو فرمایا کہ قضا کے بعد راضی رہنا ہی رضا ہے ۔

ایک نبی نے انبیاء میں سے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا ، اے پروردگار! مساکین تجھ سے کیسے راضی ہوتے ہیں ۔ ابو حامد نے کہا وہ صرف لقائے الٰہی سے راضی ہوتے ہیں ، لیکن مجھے معلوم ہے کہ الرضا بقضاء اللہ تعالیٰ کا کیا مطلب ہے ، یہاں تک کہ اگر انہیں تیری راہ میں نمک بھی مل جاتا ہے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں ۔ میں نے ایک اندھے کو دیکھا جو کہہ رہا تھا ، اے اللہ ! اُسے بخش دے جو میرا ہاتھ پکڑ کر میری منزل تک پہنچا دے ۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس سے پوچھا کہ تمہاری نماز کی جگہ کہاں ہے ؟ اس نے کہا ، بیت اللہ جہاں حج کیا جاتا ہے ۔ اُس وقت رضا بقضاء اللہ کا مطلب میری سمجھ میں آیا ۔[1] . . . . .

اشعار

باش در حکمِ صولجانش گوی
ہم سمعنا و ہم اطعنا گوی

بر درِ حق بباش دور مگرد
کہ بزاری شوی دریں رہ مرد

بہ بوے لیک نیست در کارے
تو کنی اندریں میان بارے

۱- ''فنودی فی بسّری'' سے وسہل ''انما یرضی'' تک ڈیڑھ سطر کی عربی عبارت اس قدر خلط ملط ہے کہ کوئی صحیح معنی نہیں بنتے مجبوراً اس ڈیڑھ سطر کو بغیر ترجمہ کے چھوڑ دیا گیا اور نقطے دے دیے گئے ۔

آب اوی مکن. ستیزه باو
گر گریزی ازو گزنده باو

قدرش را بچشم خویشتن بین
خواجه آزادگی مباش بمبن

جان و اسباب خویشتن در باز
بر رہِ سیل و رود خانه مساز

[۵۵۰] چند پرسی که بندگی چه بود
بندگی جز فگندگی نبود

آنکه دلہائے آشنا داند
دل ز خوردن چرا جدا ماند

نکتہ

خوف و رجا کے بیان میں

خوف و رجا :

میں نے حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے :

جب خوفِ خدا سے انسان کانپتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں ، جیسا کہ خشک درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ[ؑ] کیا تم میرے غیر سے ڈرتے ہو ۔ کہا ، ہاں میں اس سے ڈرتا ہوں جو تجھ سے نہیں ڈرتا ۔ ایک شخص نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے پوچھا کہ کیا گناہ کرتے وقت انسان مومن رہتا ہے ؟ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اُس شخص سے دریافت کیا کہ کیا گناہ کرتے وقت وہ ڈرتا ہے ؟ اُس نے عرض کیا ، ہاں ۔ آپ[ؐ] نے فرمایا کہ اس کا خوف اس کے ایمان کی دلیل ہے ۔

شاہ کرمانی سے پوچھا گیا کہ خوف کا کیا ثواب ہے ؟ فرمایا ، یہ کہ حساب سے ڈرے ۔ ایک شخص نے کسی عارف سے کہا کہ میں فلاں شخص سے ڈرتا ہوں ۔ اس نے کہا ، اُس سے مت ڈر بلکہ اُس سے ڈر جس سے تجھے کچھ اُمید ہو سکتی ہے ۔ جبرئیل[ؑ] نے میکائیل[ؑ] سے کہا کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے پیدا کیا اس

کو شکل و صورت دی اور اس کو اپنی مختلف نعمتوں سے لوازا۔ پھر بھی وہ گناہ اور نا فرمانی کرتا ہے۔ اگر انسان ایسا کرے گا تو اللہ کی ملک سے کچھ کم نہیں ہو جائے گا اور اس کا کچھ بڑھ نہیں جائے گا۔ پھر بھی اللہ اُنھیں عذاب نہیں دیتا ہے؟ میکائیل نے بھی وہی کہا جو جبرئیل علیہ السلام نے کہا تھا۔

مرجی و ناجی:

حضرت سلطان المشائخ سے سوال کیا گیا کہ مرجی اور ناجی کون ہیں؟ فرمایا، ناجی اسے کہتے ہیں کہ جب بھی بات کرے، رجا ہی کی بات کرے۔ پھر فرمایا کہ مرجی کی دو قسمیں ہیں، ایک مرجی خالص، دوسرے مرجی غیر خالص۔ مرجی خالص وہ ہے کہ جب بھی بات کرے رحمت ہی کی بات کرے۔

نکتہ

ریا کے بیان میں

میں نے حضرت سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ریا اور دکھاوے کو نہ حق تعالیٰ قبول کرتا ہے اور نہ لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ حضرت فضیل نے کہا کہ جو لوگ اپنے عمل کو لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرتے ہیں، قیامت کے روز اُن کے وہ اعمال سب کو دکھائے جائیں گے، جن پر وہ عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ جو آدمی لوگوں سے ملتا ہے ان کے گھروں پر یا گھروں سے لوگ اُس سے ملنے آتے ہیں تو اُس نے لوگوں کو دکھاوا کیا۔

حضرت سلطان المشائخ کی مجلس میں ایک شخص کا ذکر نکلا کہ وہ پہلے زمانے میں جامع مسجد میں ہمیشہ شب بیداری کرتا تھا اور عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتا تھا تاکہ کسی طرح اس کو شیخ الاسلامی کا عہدہ مل جائے۔

اسی درمیان میں سلطان المشائخ نے ایک بقال کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بقال تھا، جو بیس سال سے روزے رکھ رہا تھا۔ کسی کو اس کی حالت کی اطلاع نہ تھی، یہاں تک کہ انتہا یہ ہے کہ اس کے گھر والے

بھی نہ جانتے تھے کہ وہ روزے سے ہے ۔ اگر وہ گھر میں [۵۵۱] ہوتا تو گھر والوں کے سامنے ایسا ڈھنگ اختیار کرتا کہ دوکان میں اس نے کچھ کھا لیا ہے ۔ اگر دوکان میں ہوتا تو اس طرح ظاہر کرتا کہ وہ گھر سے کچھ کھا پی کر آیا ہے ۔

نکتہ

توکل کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ صرف اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے اور کسی مخلوق سے اُمید نہیں رکھنی چاہیے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ اُس وقت تک ایمان کامل نہیں ہوتا کہ جب تک تمام مخلوق اسے نزدیک سے اونٹ کی ایک مینگنی کی طرح نہ دکھائی دے ۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ابراہیم خواص[۱] سفرِ حج میں تھے ۔ راستے میں ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی ۔ حضرت ابراہیم خواص نے اس لڑکے سے کہا کہ اے لڑکے ! کہاں جا رہے ہو ۔ اس لڑکے نے کہا کہ کعبے جا رہا ہوں ۔ حضرت ابراہیم خواص نے اُس لڑکے سے پوچھا کہ تمھارے پاس زادِ راہ اور سامانِ سفر ہے ۔ لڑکے نے جواب دیا کہ اے ابراہیم ! جب خدائے تعالیٰ بغیر اسباب کے بندے کو رکھتا ہے تو کیا وہ مجھ کو بغیر زادِ راہ اور سامانِ سفر کے کعبے تک نہیں پہنچا سکتا ؟ جب ابراہیم خوص کعبے پہنچے ، اُس لڑکے کو دیکھا کہ وہ اُن سے پہلے کعبے پہنچ کر طواف کر رہا ہے ۔ جب لڑکے کی نظر ابراہیم پر پڑی تو اُس لڑکے نے کہا ، اے ضعیف الیقین ! جو تم نے مجھ سے کہا تھا اس سے توبہ کرو ۔

ایک کفن چور کی توبہ :

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک کفن چور خواجہ بایزید کی

۱۔ ابراہیم خواص کی کنیت ابو اسحاق تھی ۔ طبقہ دوم یا سوم کے صوفیہ میں ہیں ۔ حضرت جنید اور حضرت نوری کے ہمعصر تھے ۔ خود بغداد کے اور اُن کے والد آمل کے رہنے والے تھے ۔ ۲۹۱ھ (۹۰۳ - ۹۰۴ء) میں وفات پائی ۔ اُن کی قبر طبراک کے قلعے کے نیچے ہے ۔ (نفحات الانس ، (اُردو ترجمہ) ، ص ۱۵۵)

خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اس فعلِ شنیع سے توبہ کی ۔ خواجہ بایزیدؒ نے اس سے پوچھا کہ تو نے اب تک کتنے کفن چرائے ہیں ؟ اُس نے کہا ، ہزار کفن ۔ پھر خواجہ بایزیدؒ نے اُس سے پوچھا کہ ان میں سے کتنوں کا رخ قبلے سے پھرا ہوا تھا اور کتنوں کا رخ قبلے کی طرف تھا ، اس شخص نے کہا کہ میں نے ان میں سے صرف دو شخصوں کو قبلہ رُو پایا ۔ باقی سب کے منہ قبلے سے پھرے ہوئے تھے ۔ حاضرینِ مجلس نے خواجہ بایزیدؒ سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ صرف دو قبلہ رُو تھے اور اتنے بہت سوں کے منہ قبلے سے پھرے ہوئے تھے ؟ فرمایا ، ان دو کو حق تعالیٰ پر بھروسا تھا اور دوسروں کو نہ تھا ۔

رزق کی چار قسمیں :

بعدہٗ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مشائخ نے رزق کی چار قسمیں کی ہیں ۔ ایک رزقِ مضمون ، دوسرے رزقِ مقسوم ، تیسرے رزقِ مملوک ، چوتھے رزقِ موعود ۔

رزقِ مضمون :

رزقِ مضمون وہ ہے کہ جو چیز بندے کو کھانے پینے کی ملتی ہے اور جو آمدنی اُس کے لیے ذریعۂ گزر بسر ہو سکتی ہے ، وہ رزقِ مضمون کہلاتا ہے ، یعنی خدائے تعالیٰ اس کا ضامن ہے ۔ قرآنِ حکیم میں ہے کہ زمین میں چلنے والا کوئی جان دار ایسا نہیں ، جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے نہ ہو ۔

رزقِ مقسوم :

رزقِ مقسوم وہ ہے کہ جو روزِ ازل میں تقسیم [۵۵۲] ہوا ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے ۔

بیت

ز دنیا رزقِ ما غم خوردن آمد
نشاید خورد الا رزقِ معلوم[۱]

۱۔ ایک نسخے میں بجائے معلوم کے مقسوم ہے ۔ (دیکھیے فارسی متن "سیرالاولیاء" ، ص ۵۵۲)

رزقِ مملوک :

رزقِ مملوک وہ ہے جو انسان کے پاس بطورِ ذخیرہ ہو ، جیسے درہم و دینار اور دوسرا سامان و اسباب ۔

رزقِ موعود :

رزقِ موعود وہ ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے (قرآن مجید میں ہے) یعنی جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے ، اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی نہ کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اُسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اُس کا گمان بھی نہ جاتا ہو ۔

بعد ازاں فرمایا کہ توکل رزقِ مضمون میں ہے ، باقی دوسرے رزقوں میں نہیں ، اس لیے کہ جو رزقِ مقسوم ہے وہ ہر حال میں پہنچتا ہے ۔ اس میں توکل نہیں اور جو رزقِ مملوک ہے اس میں بھی توکل نہیں اور نہ ہو سکتا ہے ۔ اسی طرح جو رزقِ موعود ہے وہ بھی یقیناً اور بالضرور پہنچ کر رہے گا ۔

توکل کے تین مرتبے :

بعد ازاں سلطان المشائخ نے فرمایا کہ توکل کے تین مرتبے ہیں ۔ توکل کے پہلے مرتبے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے دعویٰ کے لیے کوئی وکیل کرے ، جو عالم بھی ہو اور موکل کا دوست بھی ۔ ایسی حالت میں موکل مطمئن ہوگا کہ میں ایسا وکیل رکھتا ہوں جو جواب دہی میں دانا بھی ہے اور میرا دوست بھی ہے ۔ اس صورت میں توکل بھی ہے اور سوال بھی ، کیونکہ کبھی کبھی وہ وکیل کو یہ بھی کہے گا کہ جوابِ دعویٰ اس طرح دینا کہ سب چپ ہو جائیں ۔

دوسرا مرتبہ توکل کا یہ ہے کہ مثلاً ایک بچہ شیر خوار ہے ۔ ماں اس کو دودھ دیتی ہے ۔ اُس بچے کا یہی توکل ہے ، لیکن اس توکل میں بچے کے دودھ طلب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ، اس لیے بچے کو ماں کی شفقت پر یقین ہے کہ جب اُسے دودھ کی ضرورت ہوگی ، ماں اس کو بغیر سوال کے دے گی ۔

تیسرے مرتبۂ توکل کی مثال یہ ہے کہ جس طرح مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے ۔ اُس میں کسی طرح کی حس و حرکت نہیں ہوتی ،

جس طرح غسال چاہتا ہے اسے غسل دیتا ہے خواہ وہ اُسے کسی طرح اُٹھائے پلٹائے ۔ یہ توکل کا سب سے بلند اور اعلیٰ مرتبہ ہے ۔

نکتہ

حلم ، عفو ، غضب اور حیا کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ ان اوصاف میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت امیرالمؤمنین ابوبکر صدیق رضؓ مشہور تھے ۔ نجاشی سے آپ نے کچھ فرمایا ، تو اُس نے آپ کو کسی عیب کا طعنہ دیا ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا کہ صاحب ! مجھ میں جتنے عیب ہیں ؛ اُن میں سے آپ کو میرا ادنیٰ سا عیب معلوم ہوا ہے ۔

بعد ازاں سلطان المشائخ نے فرمایا کہ امام عاصم ، جو صاحبِ قراءت ہیں ، ایک دفعہ جنگل کی طرف گئے ۔ راستے میں ایک کمینے نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کیا [۵۳د] ، لیکن آپ نے اُسے کچھ نہ کہا ، یہاں تک کہ جب آپ شہر کے پاس پہنچے وہ اُس وقت بھی اپنی بے ہودہ گوئی سے باز نہ آیا اور برابر کمینگی کی باتیں کرتا رہا ۔ آپ نے اس سے فرمایا دیکھو شہر قریب ہے اور یہاں میرے بہت سے دوست اور آشنا ہیں ، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمھاری اس یاوہ گوئی پر تمھیں نقصان پہنچائیں ۔

میں نے حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ علم انسان کی آنکھ اور حلم اس کی زینت ہے ، اسی لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ ! علم سے میری اعانت کر اور حلم سے مجھے زینت دے یا اس کے برعکس فرمایا (یعنی کہ حلم سے اعانت کر اور علم سے زینت دے) ۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے ۔ اے کریم ! میں تیری طرف آیا ہوں ۔ اگر تو عذاب کرے تو ہم اُس عقوبت کے اہل ہیں ۔ اگر تو ہمیں معاف کر دے تو تُو صاحبِ عفو ہے ۔ اللہ فرمائے گا کہ میں نے تم کو معاف کیا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ، جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ آج تم پر کوئی ملامت اور سرزش نہیں ۔ اللہ تمھاری مغفرت کرے ، وہ ارحم الرحمین ہے ۔ ایک حکیم نے کہا ، جب تم غصے میں ہو تو آسمان کی

طرف دیکھو ، پھر زمین کی طرف دیکھو ، پھر زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کی طرف دیکھو ، ایسا کرنے سے تمھارا غصہ جاتا رہے گا ۔ ۔ ۔ ۔[1]

حیا :

حیا دو قسم کی ہے ، حیا رب کی کرم سے اور حیا سائل کی ندامت سے ۔

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ معاف کر دینا غصہ پی جانے سے بہتر ہے ، کیونکہ اگر معاف نہ کرے اور غصہ پی جائے تو اندیشہ ہے کہ وہ دل میں حسد اور کینہ نہ بن جائے ۔

عفو :

اس موقع پر فرمایا کہ قیامت کے میدان میں خدائے تعالیٰ حکم دے گا کہ اعلان کرو کہ جس کا ہم پر حق ہو وہ آئے اور اپنا حق لے ۔ تمام انبیاء سر جھکائے ہوئے کھڑے ہوں گے ۔ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ دعویٰ کرے کہ میں حقدار ہوں ۔ بعدہٗ ندا دی جائے گی کہ وہ لوگ کہاں ہیں ، جنھوں نے زیردستوں کو معاف کیا ۔

نیز حدیث میں ہے کہ خدائے تعالیٰ بندے کے ہر روز ستر گناہ معاف کرتا ہے ۔ اس کے بعد بھی جو گناہ کرتا ہے وہ کرتا ہے ، بہت کم ایسے ہیں جو ستر گناہ معاف کرتے ہیں ۔

میں نے سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی لونڈیوں کو بڑے قصور پر بھی مت مارو ۔ اُن کے لیے اجل ہے ۔ جیسا کہ تمھارے لیے اجل ہے ۔

سلطان المشائخ کے عفو کی ایک حکایت :

ایک شخص کو سلطان المشائخ کے جماعت خانے میں چاقو کے ساتھ گرفتار کیا گیا ۔ اللہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے [۵۵۴] کہ اس کی نیت کیا تھی ۔ جب اس واقعہ کی اطلاع سلطان المشائخ کو ہوئی تو آپ نے ہر شخص کو

۱- یہاں ایک سطر کی عبارت غیر مربوط ہے ۔

اس سے روکا کہ اس کو کسی قسم کی تکلیف یا اذیت پہنچائی جائے - پھر آپ نے اس شخص کو اپنے پاس بلوایا اور اس سے فرمایا کہ عہد کرو کہ اس کے بعد کسی کو ایذا نہ دو گے - جب اس نے اس کا عہد کر لیا تو آپ نے اُسے سفر خرچ دے کر رخصت کیا -

اس کے بعد دشمنی کے بارے میں فرمایا کہ ظلم کو برداشت کر لینا بنسبت بدلہ لینے کے بدرجہا بہتر ہے - پھر یہ شعر پڑھے :

ہر کہ ما را رنجہ دارد راحتش بسیار باد
وانکہ ما را خوار دارد ایزد او را یار باد
ہر کہ او خارے نہد در راہِ من از دشمنی
ہر گلے از باغِ عمرش بشگفد بے خار باد

عفو میں درویشوں کا مسلک :

اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی تیری راہ میں کانٹا رکھے اور تو بھی اس کے عوض کانٹے رکھے ، تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے - اسی درمیان میں یہ کلمات ارشاد فرمائے کہ عام لوگوں میں تو یہی دستور ہے (کہ نیک کے ساتھ نیک اور بد کے ساتھ بد ہوتے ہیں) ، لیکن درویشوں میں یہ دستور نہیں - درویش نیک و بد دونوں کے ساتھ نیک ہوتے ہیں -

کاتبِ حروف نے اپنے والد سے اور میرے والد نے سلطان المشائخ سے اس بارے میں یہ رباعی سنی تھی :

رباعی

گیرم کہ نماز ہائے بسیار کنی
و ز روزۂ دہر بے شمار کنی
تا دل نکنی ز غصہ و کینہ تہی
صد من گل بر سرِ یک خار کنی

نفس و قلب :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ آدمی میں دو چیزیں ہیں ، نفس اور قلب - اگر کوئی کسی کے ساتھ نفس سے پیش آئے تو اُس کے ساتھ دوسرے کو قلب سے پیش آنا چاہیے ، یعنی نفس میں سراسر دشمنی اور سر تا پا فتنہ و فساد ہے اور قلب میں سر تا پا سکونت ، نرمی اور رضا ہے - جب اُس

شخص کے ساتھ جو نفس کے ساتھ پیش آ رہا ہے ، یہ قلب کے ساتھ پیش آئے گا تو اُس کا نفس مغلوب ہو گا ۔ اگر کوئی شخص نفس کا مقابلہ نفس سے کرے گا تو فتنہ و فساد اور دشمنی زیادہ ہوگی ۔ پھر آپ نے تحمل و حلم کی فضیلت میں یہ شعر پڑھا :

بیت

ز ہر بادے چوکاہے گر نہ لرزی
اگر کوہی بکاہے مسے نیرزی

ایک شخص نے حاضرین میں سے سلطان المشائخ سے کہا کہ بعض لوگ آپ کو بر سر منبر اور بعض دوسرے مقامات پر آپ کی شان میں گستاخانہ اور برے الفاظ استعمال کرتے ہیں ، جنھیں ہم برداشت نہیں کر سکتے ۔ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے اُن سب کو معاف کر دیا ۔ انسان کو اتنی فرصت کہاں ہے کہ لوگوں سے لڑائی جھگڑے میں مشغول ہو ۔ جس نے مجھے برا کہا ہے ، میں نے اُسے معاف کر دیا ۔ اب تمھارے لیے بھی مناسب ہے کہ تم بھی اُس کو معاف کر دو اور آیندہ اس قسم کا تذکرہ دوسری بار نہ کرو ۔

چھجو بدگو کو سلطان المشائخ کی معافی :

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ چھجو نامی ایک شخص ، جو اندرپت کا رہنے والا تھا ، ہمیشہ مجھے ُبرا بھلا کہتا اور میرا ُبرا چاہتا تھا ۔ اگرچہ ُبرا کہنا ُبرا چاہنے سے کم ہے ، لیکن ُبرا چاہنا اس سے زیادہ بدتر ہے ۔ [۵۵۵] الغرض جب وہ مرا تو تیسرے روز میں اس کی قبر پر گیا اور اس کے لیے دعائے خیر کی اور میں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا ، الٰہی ! اگرچہ یہ شخص مجھ کو ُبرا کہتا تھا اور میرے لیے ُبرا سوچتا تھا ، لیکن میں نے اس کو معاف کر دیا تو بھی اپنے کرم سے اُسے بخش دے ۔

اسی سلسلے میں فرمایا کہ اگر دو شخصوں میں دشمنی ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ایک اپنا دل صاف کر لے ، تو جب یہ اپنا دل دشمنی سے صاف کر لے گا تو دوسرے کی جانب سے بھی دشمنی کم ہو جائے گی ۔

اس کے بعد اسی معنٰی میں فرمایا کہ اگر دو آدمیوں میں کوئی آزاد ہو تو اُس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ آدمی اپنے دل کو صاف کرے ، جب یہ آدمی اپنے دل کو عداوت سے پاک کر لے گا تو دوسرے فریق کی طرف سے بھی آزار کم ہوگا ۔ پھر فرمایا کہ اس بد گوئی سے کیا رنجیدہ ہونا ، جب کہ کہا گیا ہے کہ صوفی وہ ہے کہ اس کا مال فی سبیل اللہ اور اس کا خون مباح ہے ۔ جب یہ معاملہ ہے تو اُسے کسی کے بُرا کہنے کی کیا پرواہ ہے اور اُسے کسی سے کیوں دشمنی رکھنی چاہیے ۔

بعد ازاں فرمایا کہ ایک مرتبہ ان بدگویوں میں سے کئی بدگو میرے پاس آئے اور بہت سی نا مناسب باتیں کہنے لگے ، میں نے اُنھیں کوئی جواب نہ دیا ۔ اس کے بعد اُن لوگوں سے فرمایا کہ یہ تمھارا شک ہے ۔

معاملۂ خلق کی تین قسمیں :

بعد ازاں فرمایا کہ خلقت کی تین قسمیں ہیں ۔ پہلی قسم یہ ہے کہ اُن سے لوگوں کو نہ نفع پہنچتا ہے اور نہ نقصان ۔ ایسے لوگ جمادات کی طرح ہیں ۔ ان پر جمادات کا حکم لگایا جائے گا ۔

دوسری قسم ان سے بہتر ہے ۔ وہ یہ ہے کہ اُن سے دوسرے لوگوں کو منفعت تو پہنچے لیکن ضرر نہ پہنچے ۔

تیسری قسم ان دونوں سے بہتر ہے ۔ وہ یہ ہے کہ ان سے دوسروں کو نفع پہنچتا ہے ۔ اگر کوئی ان کو ضرر پہنچاتا ہے تو وہ بدلہ نہیں لیتے بلکہ اُسے برداشت کرتے ہیں اور حلم اختیار کرتے ہیں ۔ یہ کام صدیقوں کا ہے ۔

شیخ سیف الدین باخرزی کے علو کا ایک واقعہ :

بعد ازاں فرمایا کہ ایک بادشاہ تارانی نامی تھا ، جس کو رعایا نے اس کے خلاف شورش کر کے قتل کر دیا تھا ۔ یہ بادشاہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے بہت محبت رکھتا تھا ۔ اس کے بعد جو بادشاہ ہوا اُس کے مصاحبین میں سے ایک شخص نے ، جو شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے دشمنی رکھتا تھا ، اس لئے بادشاہ سے ایک دن موقع پا کر کہا کہ اگر آپ اس ملک کی سلامتی چاہتے ہیں اور بادشاہ رہنا چاہتے ہیں ، تو شیخ

سیف الدین کا خاتمہ کر دیجیے ۔ بادشاہ نے اس کی یہ بات سن کر اس سے کہا کہ تم خود ہی جاؤ اور جس طرح ہو سکے ، شیخ کو یہاں لے کر آؤ ، چنانچہ وہ گیا اور شیخ کے ساتھ نہایت بے ادبی سے پیش آیا اور شاید آپ کے گلے میں آپ کی پگڑی ڈال کر کھینچ کر اور دوسری بے عزتی سے آپ کو لایا ۔ الغرض جب بادشاہ کی نظر آپ پر پڑی اور اس کو کیا دکھائی دیا ، وہ فوراً تخت سے [۵۵۶] اُتر کر آپ کے پاس آیا اور آپ کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کر کے معذرت کے ساتھ شیخ کے قدموں کو چھوتے ہوئے کہا کہ میں نے اس سے اس طرح کا سلوک کرنے کے لیے نہیں کہا تھا اور معافی چاہی ۔

مختصر یہ کہ جب شیخ سیف الدین گھر میں آئے ، دوسرے دن بادشاہ نے اُس شخص کو ، جس نے بادشاہ کو یہ غلط مشورہ دیا تھا ، ہاتھ پاؤں بندھوا کر شیخ کی خدمت میں بھجوایا اور کہلایا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ اس قسم کی کوشش کرنے والا مستحقِ کُشتنی ہے ۔ اب میں اسے آپ کے پاس بھیج رہا ہوں ۔ آپ کو اختیار ہے کہ آپ اسے جس طرح چاہیں قتل کریں ۔ شیخ نے جب اس چغل خور کو دیکھا تو اُس کے ہاتھ پاؤں کھول دیے اور اپنے کپڑے پہنا کر اس سے فرمایا کہ آج میرے ساتھ وعظ میں چلنا ۔ وہ پیر کا دن تھا ۔ وعظ کے لیے شیخ مسجد میں تشریف لائے اور چغل خور کو اپنے پاس بٹھا کر یہ شعر پڑھا :

بیت

آنہا کہ بجائے ما بدی ہا کردند
گر دست رسد بجز نکوئی نکنم

اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ برے یا بھلے کام ، جو بھی بندے سے صادر ہوتے ہیں اُن سب کا خالق اللہ ہے ۔ جو کچھ پہنچتا ہے اُسی کی طرف سے پہنچتا ہے ۔ کسی سے ناراض یا خوش نہ ہونا چاہیے ۔

شیخ ابو سعید ابوالخیر کے عفو کا ایک واقعہ :

پھر سلطان المشائخ نے اس موقع کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ خواجہ ابو سعید ابوالخیر راستے میں چلے جا رہے تھے ۔ ایک کمینے نے پیچھے سے آ کر آپ کی گردن پر تھپڑ مارا ۔ شیخ نے مڑ

کو اس کی جانب دیکھا ۔ اُس کمینے نے آپ سے کہا ، کیا دیکھتے ہو ، تمھیں تو کہتے ہو کہ ہر وہ چیز اور جو کچھ ہمیں پہنچتا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اُسی کی طرف سے ہوتا ہے ۔ شیخ نے فرمایا ، بے شک ایسا ہی ہے ، لیکن میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کام کے لیے کس بدبخت کو نامزد کیا گیا ہے ۔

نکتہ

ہم نشینی کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ ہم نشینی کا لطف تب ہے کہ آدمی جب کسی کا ہم نشین اور مصاحب ہو تو وہ اس پر کس قدر اثر انداز ہوتا ہے ۔ اس بارے میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز ایک سفر میں تھے ۔ ایک بیابان میں ایک درویش کو دیکھا تو اُس سے پوچھا کہ لوگ ایسے شخص کی تلاش کرتے ہیں جو صالحین کے لباس میں ہو ، لیکن بہت سے لوگ سر منڈائے ہوئے اور کندھے پر سجادہ ڈالے ہوئے ہونے کے باوجود نیکوں کے لباس میں حقیقتاً شیطان سیرت ہوتے ہیں ۔ ہم حقیقتِ حال کو کس طرح جانیں ؟ اُس درویش نے جواب دیا کہ تمھیں اپنے باطن پر غور کرنا چاہیے کہ اُس کی ملاقات سے تمھارے باطن پر کیا اثر پڑا ۔ یہی چیز تم پر حقیقتِ حال کو ظاہر کر دے گی ۔ بعد میں [۵۵۷] یہ اشعار پڑھے :

بیت

با ہر کہ نشستی و نہ شد شاد دلت
و ز تو نرمید زحمتِ آب و گلت
با او منشیں جانِ عزیزم زنہار
زیرا کہ کند جانِ عزیزاں بحلت

اخوت کی تین قسمیں :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اخوت تین طرح کی ہے ۔ ایک اخوتِ دوست ، دوسرے اخوتِ نسبت ، تیسرے اخوتِ دین ۔ اخوتِ

دین ان میں سب سے زیادہ قوی ہے - اس لیے کہ اگر دو بھائی ہوں ایک کافر اور دوسرا مسلمان تو کافر ، مسلمان کے ورثے کا حق دار نہیں ہو سکتا - اس سے معلوم ہوا کہ اخوتِ دین دوسری دونوں اخوتوں سے قوی ہے ، کیونکہ دینی اخوت ، جو دو دینی بھائیوں میں ہوتی ہے ، وہ دنیا اور آخرت میں برقرار رہتی ہے - پھر آپ نے یہ آیت پڑھی :

الاخلاء یومئذٍ بعضھم لبعضٍ عدوا الا المتقین -

[جو لوگ دنیا میں ایک دوسرے کے دوست تھے اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے ، سوائے متقین کے -]

پھر فرمایا کہ نیک لوگوں کی صحبت کا اثر ضرور پڑتا ہے - اس کے بعد یہ واقعہ بیان فرمایا کہ جب حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ ہوئے تو آپ کی جنگ شاہِ عراق سے ہوئی - اس جنگ میں شاہِ عراق گرفتار ہو کر امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا - حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ یا تو دینِ اسلام قبول کرو یا تلوار - اگر دینِ اسلام قبول نہ کرو گے تو میں تمھیں قتل کروں گا - پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا ، تلوار لاؤ اور جلاد کو بلوایا - یہ بادشاہ نہایت دانا تھا - جب اُس نے یہ حالت دیکھی تو اُس نے حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں پیاسا ہوں ، کسی سے کہیے کہ مجھے پانی پلائے - حضرت عمرؓ نے کسی کو حکم دیا کہ اس کے لیے پانی لایا جائے - اس کے لیے شیشے کے برتن میں پانی لایا گیا ، لیکن اُس نے نہ پیا - حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ یہ بادشاہ ہے - ممکن ہے کہ شیشے کے برتن میں پانی نہ پیتا ہو ، حکم دیا کہ سونے کے برتن میں پانی لایا جائے - چنانچہ سونے کے برتن میں اس کے لیے پانی لایا گیا ، لیکن پھر بھی اس نے پانی نہ پیا - حضرت عمرؓ نے فرمایا ، اس کے لیے مٹی کے کوزے میں پانی لاؤ - چنانچہ اس کے لیے مٹی کے کوزے میں پانی لایا گیا - اس نے کہا کہ آپ مجھ سے عہد کیجیے کہ جب تک میں یہ پانی نہ پیوں گا اس وقت تک مجھے قتل نہ کیا جائے گا - حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک تو پانی نہ پیے گا میں تجھ کو قتل نہیں کروں گا - یہ سن کر بادشاہ نے وہ کوزہ زمین پر پٹک دیا - کوزہ ٹوٹ گیا [۵۵۸] اور سارا پانی زمین پر گر پڑا - اُس وقت اس بادشاہ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ

آپ نے عہد کیا ہے کہ جب تک میں یہ پانی نہ پی لوں گا آپ مجھے قتل نہیں کریں گے حضرت عمرؓ اس کی فہم و فراست پر متعجب ہوئے اور فرمایا ، میں نے تجھ کو امان دی ۔

پھر حضرت عمرؓ نے غور کر کے اس کو ایک دوست کے ساتھ کیا جو نہایت باصلاحیت اور دیانت داری میں مشہور تھا ۔ جب یہ دوست بادشاہ کو اپنے گھر لے کر آیا ، آپ کے اس دوست کی صحبت نے بادشاہ پر نہایت اچھا اثر کیا ۔ بادشاہ نے امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ کو کہلا بھیجا کہ مجھے اپنے پاس بلوا لیجے تاکہ میں ایمان لاؤں ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو بلوایا اور اس کے سامنے اسلام پیش کیا ۔ الحمد للہ کہ وہ مسلمان ہو گیا ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب میں عراق کی سلطنت تجھ کو دوں گا ۔ اس بادشاہ نے کہا کہ اب عراق میرے کس کام کا ۔ اب تو آپ عراق میں مجھے ایک گاؤں دے دیجیے کہ جو میری معاش کے لیے کافی ہو ۔ حضرت عمرؓ نے اس کی یہ بات منظور کر لی ۔ پھر اس بادشاہ نے عرض کیا کہ مجھے ایک غیر آباد گاؤں چاہیے تاکہ میں اس کو آباد کروں ۔ حضرت عمرؓ نے اس کے لیے ملکِ عراق میں کچھ لوگوں کو بھجوایا ، لیکن انھیں عراق بھر میں کوئی غیر آباد گاؤں نہ ملا ۔ انھوں نے آ کر رپورٹ دی کہ عراق میں کوئی گاؤں خراب نہیں ہے ۔ اس بادشاہ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ میرا مقصد اس درخواست سے یہ تھا کہ آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ میں جو عراق آپ کو دے رہا ہوں ، وہ نہایت اچھی حالت میں ہے اور ایک گاؤں بھی اس ملک میں خراب نہیں ۔ اب اگر کوئی موضع خراب ہوگا ، تو کل قیامت کے دن اس کے ذمہ دار اور جواب دہ آپ ہوں گے ۔

اس موقع پر حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ تعالٰی سرہ العزیز نے آبدیدہ ہو کر روتے ہوئے بادشاہِ عراق کی بہت تعریف فرمائی اور فرمایا ، جب میری ملاقات سلطان قطب الدین سے ہوئی تو میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی کہ مجھ سے اور تم سے قیامت کے دن اس صحبت کی بابت پوچھا جائے گا کہ کس نیت سے تم مصاحب بنے اور حقوقِ صحبت کو کس طرح نبھایا ۔ تم نے اس صحبت میں خدائے تعالٰی کا حق بھی ادا کیا ہے یا نہیں ۔

حضرت جنیدؒ کا قول :

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ جنیدؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو مدینے کی گلیوں میں دیکھا ۔ لوگوں نے پوچھا ، کیسے ۔ فرمایا کہ ایک دن میں مدینے کے بازار میں چلا جا رہا تھا کہ چند خستہ حال لوگوں کو دیکھا ۰ [۵۵۹] جن کی پریشان حالی کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی ۔ مجھے اُن پر رحم آیا اور چاہا کہ میں بھی اُن کے ساتھ رہوں اور اُن سے موانست اختیار کروں ۔ چنانچہ میں ان کی صحبت میں رہا اور سمجھ گیا کہ خدا خستہ حالوں کے ساتھ ہے ۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شکستہ دلوں کے قریب ہوں ۔ حکیم سنائی فرماتے ہیں :

آنکـــہ خود را شکستـــہ دل بیند
او ست شایستـــۂ خـدائے کریم

مردم از زیرکان درم نشود
مهر گـر عقـل بـود کم نشود

مهرِ جاہل چو مُهره گرداں است
مهر کز عقل بـود مهر آنست

تو تــوئی و منم نزدیــک آنست
تو چناں من چنیں سرِ جنگ است

بـا خودی ہر دو دیــووش باشم
بے من و تو من و تو خوش باشم

دوستی تــا فگنــده او را بـــاش
یا مکن یا چو کردی او را باش

باید آں حکمت از عُلیٰ آموخت
دوست نادان بود بباید سوخت

تا نبــاسی حریفِ بے خردان
کہ نکوکار بد شود ز بدان

ہیــچ صحبت مبـاد بـا عـامت
کہ چو خود مختصر کند نـامت

ہر کہ تنهـا روی کنـد عـادت
ہمچو خورشید شب کند غـارت

جفت باشی خدائے بدہد یار
فرد باشی خدایے باشد یار
گرد توحید گرد با تفرید
چکنی صحبتے کہ ایں تقلید
بیدلی از تو اندر آویزد
پس بیاری کہ از تو بگریزد
ایں زماں دوستاں بہ اینساں اند
ہمہ از بیم جان ہراساں اند
من بعالم دروں نمی دانم
دوستی زاں ہمیشہ مے رانم

نکتہ

حسنِ اخلاق کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ حسنِ اخلاق یہ ہے کہ تیرا قلب فعلِ حق کے دیکھنے کی وجہ سے لوگوں کی جفا سے متاثر نہ ہو۔

[۵۶۰] خواجہ حسن بصری امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حسنِ خلق کا تیسرا حصہ حلال روزی ہے اور (دوتہائی) خدا کے بندوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا ہے۔

نیز فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت امام حسنؓ اور اور امام حسینؓ کو کندھوں پر بٹھا کر اُونٹ کی طرح آواز کرتے ہوئے گھر کے صحن میں پھر رہے تھے۔ حضرت امیرالمؤمنین علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھ کر فرمایا کہ زہے حسنِ خلق اور ان دونوں کے متعلق کہا کہ کیا عمدہ اُونٹ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علیؓ! یہ بھی تو کہو کہ یہ دونوں کتنے عمدہ سوار ہیں۔

بو علی سینا کے متعلق شیخ ابوسعید ابوالخیر کی رائے:

نیز سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ اور

بو علی سینا کی ملاقات ہوئی - جب ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے تو
بو علی سینا نے شیخ کے ایک ہمراہی بو علی صوفی سے جو شیخ کے ملازم
تھے ، کہا جب میں چلا جاؤں ، میرے چلے جانے کے بعد میرے متعلق
شیخ جو اظہارِ خیال فرمائیں مجھے بتانا - جب بو علی سینا چلے گئے تو
شیخ نے بو علی سینا کے متعلق برا بھلا کسی قسم کا اظہارِ خیال نہیں
فرمایا - آخر بو علی صوفی نے ایک روز شیخ سے پوچھا کہ بو علی سینا
کیسا آدمی ہے ؟ شیخ ابو سعید نے فرمایا کہ حکیم ہے ، طبیب ہے ، بڑا
عالم ہے ، لیکن مکارمِ اخلاق سے محروم ہے - شیخ نے جو کچھ اُن کے
متعلق فرمایا تھا ، وہ بجنسہٖ بو علی سینا کو لکھ دیا - بو علی سینا نے ایک
خط شیخ ابو سعید کو لکھا ، جس میں تحریر کیا کہ میں نے متعدد کتابیں
مکارمِ اخلاق پر لکھی ہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ میں مکارمِ اخلاق سے
محروم ہوں - شیخ نے اُس کا خط پڑھ کر تبسم فرمایا اور کہا کہ میں نے
یہ نہیں کہا تھا کہ بو علی مکارمِ اخلاق نہیں جانتا ، بلکہ میں نے تو یہ
کہا تھا کہ وہ مکارمِ اخلاق نہیں رکھتا -

نکتہ

نذرانوں کے قبول اور رد کرنے کے بارے میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ بعض مشائخ
روپیہ پیسہ قبول نہیں کرتے ، کیونکہ اس کے قبول کرنے اور خرچ کرنے
اور لینے میں بہت سی شرطیں ہیں - وہ یہ ہیں کہ لینے والے کو چاہیے کہ وہ
جو کچھ لے ، حق کے لیے لے - اس سلسلے میں سلطان المشائخ نے فرمایا کہ
ایک شخص ، ایک شخص کے پاس اس لیے روپیہ لاتا ہے کہ اُسے وہ علوی
سمجھتا ہے ، لیکن حقیقت میں وہ علوی نہیں یا اُس کے گیسو دیکھ کر وہ
خیال کرتا ہے کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اولاد ہے
اور وہ لینے والا اولادِ رسول ؐ نہیں [۵۶۱] - پس ایسا شخص جو اُس آدمی
سے لے گا ، وہ اس کے لیے حرام ہوگا ، لیکن اگر کوئی چیز کسی کو بغیر
زبان سے مانگے اور بغیر فکر و تردد کیے ملتی ہے تو اُسے رد نہ کرنا
چاہیے - پھر اس کے بارے میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضؓ کو کچھ دینا چاہا -

اُنھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ! یہ چیز میرے پاس موجود ہے ، کسی دوسرے کو دیجیے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اُن سے فرمایا ، جو کوئی چیز بغیر مانگے تم کو دے ، کھاؤ اور صدقہ کرو ۔

شیخ ابو سعید تبریزی کا واقعہ :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے پیر شیخ ابو سعید تبریزیؒ قدس اللہ سرہ العزیز کسی سے کوئی چیز نذرانے کی قبول نہ کرتے تھے ، اس لیے اکثر آپ اور آپ کے مرید فاقے سے گزارتے تھے ۔ دوسرے فاقے پر خربوزے یا تربوز سے افطار کرتے ۔ یہ بات جب بادشاہِ وقت کو معلوم ہوئی تو اس نے آپ کی خدمت میں نذرانہ بھیجا ، لیکن آپ نے قبول نہ کیا ۔ بادشاہ نے اس حاجب سے کہا ، جو آپ کی خدمت میں نذرانہ لے کر گیا تھا کہ نذرانے کا وہ روپیہ لے جا کر اس طرح شیخ کے خادم کو دو کہ شیخ کو معلوم نہ ہو ۔ اُس حاجب نے ایسا ہی کیا ۔ شیخ کے خادم نے رات کو اُسی روپے سے کھانا تیار کیا ۔ شیخ نے اُسی کھانے سے افطار کیا ، لیکن رات کو شیخ نے اپنی عبادت میں کوئی حلاوت محسوس نہ کی ۔ آپ نے خادم کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ سچ بتاؤ رات کھانا کس طرح تم نے تیار کیا تھا ۔ وہ اصل واقعہ شیخ سے چھپا نہ سکتا تھا ۔ اس نے تمام واقعہ شیخ سے بیان کر دیا ۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ شاہی حاجب جو روپیہ لے کر آیا تھا اُس کے قدم جہاں تک پہنچے ہوں اُس کی مٹی کھود کر باہر پھینک دو ، پھر اُس خادم کو علیحدہ کر دیا ۔ خواجہ سنائی فرماتے ہیں :

بیت

میوۂ ایں و آں چو درختانِ میوہ دار
دست در کرد درختِ خویش دار

نکتہ

ہمت کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ اللہ اعلیٰ کاموں کو پسند کرتا ہے اور سفیہانہ اور برے کاموں سے ناراض ہوتا ہے ۔

آدمی کو انسانی کاموں میں عالی ہمت ہونا چاہیے ، تاکہ وہ مردانگی کا مرتبہ حاصل کر سکے اور عالم کو علم کی ابتدا میں عالی ہمت ہونا چاہیے ، تاکہ وہ حکمت کا مرتبہ حاصل کر سکے ۔

ہمت کی حقیقت :

ہمت کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر روح کو اس کی حیثیت ، عمل اور فطرت کے مطابق اہلیت دی، ہے تاکہ وہ حق کے قبول کرنے میں اپنی اہلیت کے مطابق تیار ہو جائے ۔ حقوقِ ارواح میں سے ہر حق کی کوئی نہ کوئی انتہا ہے ۔ جب تک وہ اس انتہا کو نہیں پہنچتا [۵۶۲] ، سعادت حاصل نہیں کر سکتا ۔ حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان اپنے انتہائی مرتبے پر پہنچے ۔ اس کی طلب کی استعداد اس کی مدد کرتی ہے تاکہ وہ اس قوت کی مدد سے حرکت کرے اور اپنی غایت حاصل کرے ۔ جب حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر امر صادر ہوتا ہے تو اُسے توفیق کہتے ہیں اور جب وہ طلب میں جا رہے تو اُسے ہمت کہتے ہیں اور ہمت سعادت کی راہ کے سوا اور کچھ نہیں ۔ اگر کوئی شخص طالبِ دنیا ہوتا ہے تو دنیا میں اس کا انتہائی مرتبہ ، والی ہوتا ہے ، جس میں وہ حشمت کے دروازے پر پہنچ کر بہت دنیاوی مال و اسباب حاصل کرتا ہے ۔ وہ صاحبِ ہمت نہیں بلکہ حریص ہے ۔ حقیقت میں اہلِ علم اور اصحابِ عہد وہ ہیں کہ وہ علم کی حقیقت اور اپنے سرمایۂ عمل میں طالب اعلیٰ کی ہمت کرتے ہیں اور اُنھیں کوئی مطلوب سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے عزیز تر نہیں ہوتا ۔ پس طالبانِ جاہل اور عالمانِ وجود عالی نقسانِ مطلق ہیں اور وہ انبیاء ہیں اور اُن کے بعد اولیاء ہیں ۔

بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ ہمت کے مختلف درجے ہیں ۔ کسی بزرگ کے ایک، بیٹا تھا اور ایک غلام ۔ اس نے دونوں کو بٹھا کر پہلے بیٹے سے پوچھا کہ تمھاری ہمت کس بات کو چاہتی ہے ؟ بیٹے نے کہا کہ میری ہمت کا اقتضا یہ ہے کہ میرے پاس بہت سا مال و اسباب اور اچھے غلام ہوں ۔ پھر اُس نے غلام سے پوچھا کہ تمھاری ہمت کس بات کی مقتضی ہے ؟ غلام نے کہا کہ میری ہمت کا اقتضا یہ ہے کہ میرے پاس جس قدر غلام ہوں ان کو آزاد کروں اور آزادوں کو غلام بناؤں ۔

پھر فرمایا کہ لوگ طرح طرح کے ہوتے ہیں ۔ ایک کی ہمت اس میں

ہے کہ دنیا حاصل کرے ، دوسرے کی خواہش یہ ہے کہ دنیا اس کے پاس بھی نہ پھٹکے ۔ ان دو قسموں سے بہتر وہ شخص ہے کہ اگر اس کو کچھ پہنچے تو مرحبا کہے ۔ اگر کچھ نہ پہنچے تو صبر کرے ۔ دونوں حالتوں میں خوش ہو ۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے دنیا نہیں چاہیے ، در اصل اس کا نہ چاہنا بھی ایک خواہش ہے ۔ انسان کو چاہیے کہ ہر حالت میں وہ خدا کی رضا پر خوش رہے ۔

ایک مشائخ زادے کا واقعہ :

اسی اثناء میں مشائخ کے ایک فرزند نے سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ فلاں شخص بہت بلند ہمت ہے ۔ وہ میرے پاس دو سو تنکے چاندی کے لایا ۔ یہ بات اُس مشائخ زادے نے آپ کی دو تین مجلسوں میں دہرائی ۔ حضرت سلطان المشائخ کو اُس کی یہ بات ناگوار گزری ۔ آپ نے اس ضمن میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک ذی شان بادشاہ بڑا صاحبِ ایثار تھا ۔ چند دن کے بعد تمام علماء ، مشائخ [۵٦۳] اور درویشوں کو طلب کر کے اُن کو پُر تکلف اور گوناگوں کھانے کھلاتا تھا اور ہر ایک کو کچھ نقد رقم بھی پوشیدہ طور پر دیتا تھا ۔ غرضیکہ ہفتے میں دو تین مرتبہ اس قسم کی دعوتیں کرتا تھا ۔ ایک روز اُس بادشاہ کی بیگم نے اُس سے کہا کہ آپ اس قدر دعوتیں اور ضیافتیں اور درویشوں کی خدمت کرتے رہتے ہیں ، لیکن ایک درویش ہے جو سالہا سال سے آپ کے پڑوس میں رہتا ہے اور فقر و فاقے پر قانع ہے ۔ اپنا وقت غربت میں گزار رہا ہے ۔ اُسے آپ کبھی نہیں بلاتے ۔ بادشاہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا ، تم سچ کہتی ہو ، یہ میری غفلت ہے ، اب میں اُسے بلاؤں گا ۔ جب اس کے بعد بادشاہ نے دعوت کی تو اس درویش کو بھی بلایا ۔ اُس درویش نے کہا کہ میں کہیں نہیں جاتا ، لہٰذا مجھے معذور سمجھا جائے ۔ بادشاہ نے کہا کہ میں نے تم کو اپنا گھر بخشا ۔ درویش نے کہا کہ میں بغیر مال و اسباب اور سونے و چاندی کے خالی گھر کو کیا کروں گا ۔ بادشاہ نے کہا کہ میں نے جو کچھ اُس گھر میں ہے ، وہ بھی تمہیں بخشا ۔ درویش نے کہا کہ مالک ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے ۔ بادشاہ نے کہا کہ جاؤ اور تمام املاک اور سامان پر قبضہ کر لو ۔ درویش گھر میں گیا اور تمام بخشی ہوئی املاک اور اسباب پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ اور اس کی بیگم خالی ہاتھ گھر سے نکل گئے ۔ بادشاہ نے

کہا کہ سوائے بیگم کے تمام چیزیں اس درویش کی ملکیت ہیں ۔ درویش نے دیکھا کہ بادشاہ کی ملکہ خالی ہاتھ گھر سے باہر نکلی ہے ۔ درویش اُسی وقت اُٹھا اور کہا کہ یہ گھر اور اس کا تمام مال و متاع ، سونا ، چاندی وغیرہ ، جو مجھے بادشاہ نے بخشا ہے ، میں یہ سب اس بیگم کو بخشتا ہوں ۔ یہ کہہ کر وہ شاہی محل سے نکلا اور اپنے غربت کدے میں لوٹ آیا اور اُسی گھر میں رہا ۔

اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد سلطان المشائخ نے اُس مشائخ زادے کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ درویش کی ہمت اس قدر بلند ہونی چاہیے کہ وہ دونوں جہان کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے ۔

نکتہ

انصاف اور ظلم کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا معاملہ خلقت کے ساتھ دو قسم کا ہے ۔ عدل [۵٦٣] یا فضل ، لیکن خلقت کا معاملہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عدل ، فضل اور ظلم ہے ۔ اگر خلقت ایک دوسرے پر ظلم کرتی ہے ، خدائے تعالیٰ اُن کے ساتھ انصاف کرتا ہے اور جس کے ساتھ حق تعالیٰ انصاف کرتا ہے ، وہ عذاب میں مبتلا ہوتا ہے ۔ اگرچہ وہ اپنے وقت کا پیغمبر ہی کیوں نہ ہو ۔ اس پر لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ ایسا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر خدائے تعالیٰ مجھ کو اور میرے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کے دن دوزخ میں ڈال دے تو عدل ہے ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے ، کیونکہ تمام جہان اس کی ملکیت ہے اور جو مالک اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے ، وہ ظالم نہیں ہوتا ۔ ظالم وہ ہوتا ہے جو غیر کی ملکیت میں تصرف کرتا ہے ۔

بعد ازاں فرمایا کہ مذہب اشعری میں یہ جائز ہے کہ حق تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوزخ میں لے جائے اور ہمیشہ دوزخ میں رکھے اور کافر کو ہمیشہ کے لیے جنت میں رکھے ، اس لیے کہ وہ ایسا کرنے میں اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے ، کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں فرمایا ہے کہ دانا نادان کے برابر نہیں اور نابینا بینا کے برابر نہیں ۔

اسی۹ طرح کی قرآن مجید میں چند اور مثالیں بیان کی گئی ہیں ۔ اب یہ واضح ہوا کہ مومن کو دوزخ میں لے جائے لیکن اُسے ہمیشہ دوزخ میں نہ رکھے ، اس لیے کہ حق تعالیٰ حکیم ہے اور اس کا کام عین حکمت کے مطابق ہوتا ہے ۔ جو چیز ہے اس کو جس طرح چاہے صرف کر سکتا ہے لیکن اگر ہمیشہ کے لیے رکھے تو اس میں حکمت نہیں ۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر مومن توبہ کے بغیر دنیا سے رخصت ہو جائے ، اس میں تین طرح کا احتمال ہو سکتا ہے ۔ امکان ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو ایمان کی برکت سے بخش دے اور اگر چاہے تو دوزخ میں لے جائے اور وہاں اس کو اس کے گناہوں کے برابر عذاب کرے اور بعد میں بہشت میں لے جائے ، لیکن اسے بہشت میں ہمیشہ رکھے ۔

نکتہ

روح اور نفس کے بیان میں

روح :

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ روح کی کوئی ہیئت اور صورت نہیں ہے ، لیکن جب حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندے کو روح دکھائے اور روح کو اس پر منکشف کرے تو یہ تمثیل اس بندے کو دکھاتا ہے :

روحِ انساں عجایبے است عظیم
آدم از روح یافت ایں تعظیم
جانِ پاکاں خزینۂ فلک است
چشمِ نیکاں نشیمنِ ملک است

نیز فرمایا کہ کسی نے کہا ہے کہ ابتدا میں تمام روحیں ایک تھیں ، بعد میں اشخاص کی تعداد کے لحاظ سے متعدد ہوئیں ۔

نفس :

نیز فرمایا کہ ایک شخص نے نفس کو [۵۶۵] اپنی صورت و ہیئت میں اپنے گھر میں مصلیٰ پر بیٹھا ہوا دیکھا ۔ اُسے تعجب ہوا کہ میری شکل و صورت میں کون ہے جو مصلیٰ پر بیٹھا ہوا ہے ۔ اس نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو ؟ اس نے جواب دیا کہ میں تمھارا نفس ہوں ۔ پھر

اُس نے پوچھا ، یہاں تم کیا کر رہے ہو ؟ نفس نے کہا کہ میں تم سے نہایت رنجیدہ ہوں ۔ اس شخص نے کہا کہ میں تمھیں ماروں گا ۔ نفس نے کہا کہ میرا مارنا اس طرح ممکن نہیں ، لیکن تم مجھے میرے خلاف عمل کرکے مار سکتے ہو ۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا ۔

اشعار

نفس حس بخوردن ارزانیست
غذائے جان ز خوانِ یغمایست

بس ربیعے بصورتِ بنگر
نیست در گل کفن چون تو دگر

چہ کنی پیشِ مدبرِ پُر درد
در چنیں کنج گنج بار آورد

کلبۂ ہمچو دیو کس نرود
کرد از عکس روئے ز لا برود

ایں بود بعد و خلق امیران را
کہ اسیران کنند اسیران را

ایں چہ حالے کہ از جہاں بین است
گفت خود عالم از جہاں این است

کہ عمارت سرائے رنج بود
در خرابہ مقام گنج بود

جائے گنج است موضعِ ویران
برد او را بجائے آبادان

کشورش روز و شب فزایندہ
او و ہر چہ الدر دست پایندہ

ہر چہ در حصر او مکان دارد
پا بسنگ و کاوخ جان دارد

جان اگر گویمش کہ سِر خدائے
جائے جان است و جاندارد جائے

اجل از دستِ آں بلب خندان
سرِ انگشت مالد در دندان

مرکبے گو بزیر ران دارد
آخر از راہ کشتگان دارد

جان ما واللہ جلالت او
بدر کس نگشتہ حالت او

عشق در کوئے غیب حالت او
صدق در راہ دیں مقالت او

روح را کردہ از جواہر نور
گوش و گردن چو گوش و گردن حور

نیست بے رنج و راحت دنیا
خنک آنکس کہ کرد ہر دو رہا

نکتہ

الہام ، وسوسے ، خطرے اور عزیمت ، مجرد اور متاہل ہونے کے بیان میں

[۵۶۶] الہام ، وسوسہ ، خنّاس :

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ الہام اور وسوسے میں کوئی فرق نہیں کر سکتا ، مگر وہ شخص کہ جو غیب سے لقمہ کھاتا ہو ۔

نیز فرمایا کہ خنّاس ایک دیو ہے ، جو ابن آدم کے دل پر ہوتا ہے ۔ جب آدمی ذکر حق میں مشغول ہوتا ہے ، وسواس کو دفع کرتا ہے ۔

خنّاس کے متعلق ایک روایت :

بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ مولانا علاءالدین ترمذی نے "نوادرالاصول" میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت حوّا تنہا بیٹھی ہوئی تھیں کہ شیطان آیا اور اپنے ساتھ خنّاس کو لایا اور حضرت حوّا سے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے ، اس کو اپنے پاس رکھیے ۔ یہ کہا اور چلا گیا ۔ جب حضرت آدم علیہ السلام آئے اور انہوں نے حضرت حوّا سے پوچھا ، یہ کون ہے تو اُنہوں نے کہا کہ اس کو ابلیس ساتھ لے کر آیا تھا اور کہتا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے ، اس کو اپنے پاس رکھو ۔ حضرت آدم علیہ السلام

نے فرمایا کہ تم نے اسے منظور کیسے کیا ، ابلیس تو ہمارا دشمن ہے ۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے خنّاس کے چار ٹکڑے کیے اور چار پہاڑوں پر رکھ دیے ۔ شیطان نے جب یہ سنا تو آیا یا خنّاس کہہ کر آواز دی ۔ وہ اپنی پہلی صورت میں آ موجود ہوا ۔ جب ابلیس چلا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے ، انھوں نے پھر خنّاس کو دیکھ کر حضرت حوّا سے پوچھا تو اُنھوں نے سارا واقعہ بیان کیا ۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے خنّاس کو جان سے مار ڈالا اور جلا کر اس کی راکھ کو پانی میں بہا دیا ۔ جب حضرت آدم علیہ السلام چلے گئے ، پھر ابلیس حضرت حوّا کے پاس آیا اور اُس نے حضرت حوّا سے پوچھا کہ خنّاس کہاں ہے ؟ حضرت حوّا نے اس سے سارا واقعہ بیان کیا ۔ ابلیس نے پھر خنّاس کہہ کر آواز دی ۔ خنّاس فوراً موجود ہو گیا اور وہ اس کو حضرت حوّا کے سپرد کر کے چلا گیا ۔ جب تیسری مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام آئے تو اُنھوں نے خنّاس کو حضرت حوّا کے پاس دیکھ کر اس کی موجودگی کی وجہ پوچھی ۔ حضرت حوّا نے ساری کیفیت بیان کر دی ۔ اس مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام نے خنّاس کو مارا اور بھون کر کھا لیا ۔ ابلیس پھر آیا اور اس نے خنّاس کہہ کر آواز دی ۔ خنّاس نے ابلیس کو حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں سے جواب دیا ۔ ابلیس نے کہا ، اب آدم کے دل میں رہ ، میرا مقصد بھی یہی تھا ۔

پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اول خطرہ ہے ، یعنی پہلے آدمی کے دل میں خطرہ گزرتا ہے ، اس کے بعد عزیمت ہے ، یعنی وہ اس خطرے کو عملی جامہ پہناتا ہے ۔

بعد ازاں فرمایا کہ عوام جب تک خطرے کو عمل کی صورت نہیں دیتے اُن سے مواخذہ نہیں ہوتا ، لیکن خواص کا خطرہ بھی عزیمت ہے ، اُن سے مواخذہ ہوگا ۔ آدمی کو چاہیے کہ ہر حال میں خدا کی طرف متوجہ رہے اور اسی کی ذات کا طالب رہے کہ خطرہ و عزیمت سب کا پیدا کرنے والا وہی ہے ۔

تجرد و تاہل :

اس موقع پر سلطان المشائخ سے پوچھا گیا کہ مجرد رہنا بہتر ہے یا متاہل ہونا ؟ فرمایا کہ عزیمت تجرید ہے اور رخصت تاہل ۔ اگر کوئی

شخص اس طرح زندگی بسر نہ کر سکے [۵٦۷] تو کم از کم اُسے ان احوال کا خیال نہ کرنا چاہیے ، کیونکہ خیال کا اثر اعضا پر پڑتا ہے ۔ جب اس کی نیت دگرگوں ہوگی ویسا ہی اثر اعضا پر پڑے گا ۔

میں نے حضرت سلطان المشائخ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ الہامی خطرے کو نفس اور شیطان طوعاً و کرہاً قبول کرتے ہیں اور قلبی ، روحانی اور ملکیہ خطرات ابدا میں تغیر پذیر نہیں ہوتے اور خطرۂ نفسانیہ مقررہ چیز کے لیے ہوتا ہے ۔ اس وقت تک دل سکون حاصل نہیں کرتا ، جب تک کہ اس مقررہ چیز کو حاصل نہ کر لے ، جس کی وہ خواہش رکھتا ہے اور خطرۂ شیطانی کو اس وقت تک سکون حاصل نہیں ہوتا ، جب تک کہ وہ انسان کو ذکرِ الٰہی سے نہیں روک لیتا ۔ جب آدمی ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے تو شیطان اور وسوسہ نا اُمید ہو جاتے ہیں ، جیسا کہ حدیث میں ہے ۔ یہ ماثورہ دعائیں اور مقبول وظائف نکتۂ طہارت میں بھی لکھے گئے ہیں ۔

میں نے سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ اے نفسِ مطمئنہ[۱] ! اپنے رب کی طرف چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ۔ یہ آیت طبیعت کے لیے صیقل ہے ۔ اس میں طبیعت حقیقت القلب ہے ، جو پہلے نفس ہوتی ہے اور اس کے بعد قلب ہو جاتی ہے ۔

نکتہ

فضیلت مکان کی مکان پر اور زمان کی زمان پر اور حقیقت زمان و مکان کے بارے میں

جگہ کا جگہ پر فخر :

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ ہر روز زبانِ حال سے بعض جگہ بعض جگہ سے پوچھتی ہے کہ آج تجھ پر کسی ذاکر یا دردمند کا گزر ہوا ہے ۔ اگر وہ جگہ کہتی ہے کہ گزرا ہے تو

۱۔ قرآن مجید میں نفس انسانی کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں ، نفس امّارہ نفس لوّامہ اور نفس مطمئنہ ۔

وہ جگہ جس پر سے گزرا ہے ، اُس دوسری جگہ پر فخر کرتی ہے کہ جس سے ایسا شخص نہیں گزرا ۔ اس کی مناسبت سے میں نے یہ شعر سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے :

آسمان سر نہد پیشِ زمینے کہ بر او
یک دو کس بہرِ خدا یک نفسے بنشینند

زمانے کا زمانے پر فخر :

اسی طرح ایک زمانہ دوسرے زمانے پر فخر کرتا ہے ، جیسا کہ عید کا دن تمام دنوں سے خاص ہے اور بہت سے عام لوگوں کو کسی خاص مکان یا جگہ میں ایسی راحت حاصل ہوتی ہے ، جو دوسری جگہ حاصل نہیں ہوتی ، لیکن درویش وہ ہے جو زمان و مکان سے باہر ہوتا ہے ۔ اس کو نہ کسی خوشی سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور نہ کسی غم سے غمگین ہوتا ہے ۔ یہ وہ ہوتا ہے جو دنیاوی ملک سے گزر چکا ہوتا ہے ۔

فضیلت مکان پر شیخ شہاب الدین سہروردی کا ایک واقعہ :

نیز فرمایا کہ جب حضرت شیخ شیوخ العالم شہاب الدین [۵۶۸] سہروردی قدس سرہ حجاز جا رہے تھے تو ایک درخت کے نیچے ٹھہرے اور سر پر سے دستار اُتار لی ۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے سر سے پگڑی اُتار دی ۔ اس میں کیا حکمت ہے ؟ فرمایا کہ ایک بزرگ اس درخت کے نیچے بیٹھے تھے ۔ اُنھوں نے درخت پر نگاہ ڈالی ۔ اب میں اس تمنا میں سر برہنہ کیے ہوئے بیٹھا ہوا ہوں کہ شاید اس بزرگ کی نظر سے میرا بھی حصہ مقدر ہو ۔

حضرت سلطان المشائخ کا ایک واقعہ :

کاتبِ حروف عرض پرداز ہے کہ ایک دفعہ حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے تمام مرید شہر میں ایک دعوت میں گئے ۔ جب دعوت سے لوٹے تو تھوڑی دیر ایک باغ میں ایک درخت کے سائے تلے بیٹھے ۔ اس درخت کے سائے میں بیٹھ کر اُن کو ایسا کیف و فرحت حاصل ہوا کہ ہر ایک سماع اور رقص میں مشغول ہو گیا ۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو اُنھوں نے حضرت سلطان المشائخ سے اس کی وجہ پوچھی ۔

آپ نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس درخت کے سائے تلے کوئی صاحبِ دل بیٹھا ہوگا ، یہ سب اس کی تاثیر ہے ۔ پھر آپ نے اس موقع کی مناسبت سے یہ شعر پڑھا :

وینمی کل ارض ِسٹر کونہا
کانہم فی بقاع الارض امطار

[ہر زمین وہی اُگاتی ہے جو اُس کے اندر چھپا ہوا ہے ۔ گویا کہ یہ لوگ زمین کے خطّوں میں بارش کے مثل ہیں ۔]

میں نے حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ تمام حمد و ثنا اُس ذات کے لیے ہے ، جس کے لیے نہ کوئی مکان اور نہ کوئی زمانہ مخصوص ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، جب آپ سے میرے بندے میرے مکان کے متعلق سوال کریں ، تو اُن سے کہہ دیجیے کہ میں اُن کے نزدیک ہوں اور میں اُن کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں اور میں تمھاری بنسبت اُس بندے کے زیادہ نزدیک ہوں ، لیکن تم نہیں دیکھتے ۔ جہاں تک وہم پہنچتا ہے اور عقل اس کی صورت بنا سکتی ہے ، خیال اس کی گرفت کر سکتا ہے اور سمجھ اس کو پا سکتی ہے ، اُس کی ذات و صفات اُس سے پاک ہے ، لیکن اس کے باوجود وہ تمھاری رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے ۔ [۵٦۹] وہ تمھاری آنکھ کی بینائی اور دانائی سے بھی زیادہ قریب ہے اور تمھارے کان کی شنوائی سے بھی زیادہ نزدیک ہے ۔ وہ گویائی اور دانائی سے بھی قریب تر ہے ۔ حقیقی قرب اللہ تعالیٰ کا قرب ہے ، کیونکہ قرب حق تعالیٰ کی صفت ہے اور اُس کی صفت سوائے حقیقت کے نہیں ہوتی ۔ قرب حقیقی وہ ہے کہ کسی حال میں اس کو بُعد نہ ہو ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ تمھارے ساتھ ہے ، جہاں کہیں بھی تم ہو اور ہم بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس سے قریب ہیں ۔ صاحبِ راز فقط ذاتِ الٰہی ہے ۔ یہ تینوں آیتیں مشہور ہیں ۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ موجودات میں موجود ہے ، لیکن اس کی معیت اجسام کی سی معیت نہیں ، جیسا کہ اجسام کی معیت اجسام کے ساتھ ہوتی ہے ، نہ اس کی معیت جوہر کی طرح ہے ، جیسا کہ جوہر کی معیت جوہر کے ساتھ ہوتی ہے اور نہ ایسی ہے ، جیسا کہ عرض کی معیت عرض کے ساتھ ہوتی ہے ۔

یہ معیت ایسی ہے کہ جیسے تمام کائنات میں روح کی معیت جسم کے ساتھ نہ خارج قالب ہے ، نہ داخل ، نہ متصل ہے ، نہ منفصل ، عوارض کی اجسام کے ساتھ جگہ نہیں ، لیکن باوجود اس کے کوئی ذرۂ قالب انسانی اس سے خالی نہیں ۔ من عرف نفسہ کا مطلب یہی ہے ۔ قالب اس کے مکان میں ہے اور وہ اپنے لائق اور مناسب مقام میں ۔

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ، (قسم ہے) میری عزت و جلال ، میری وحدانیت اور اس احتیاج کی جو بندوں کو میری طرف ہے اور میرے عرش کی عظمت کی اور میری بلندی مقام کی کہ مجھے اپنے بوڑھے فرمانبردار بندوں سے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں حیا آتی ہے اور میں ان کی مدد کرتا ہوں ۔ حضرت علیؓ اور ثوبانؓ نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے رب ! کیا تو قریب ہے کہ میں تجھے آہستہ بلاؤں یا تو دور ہے کہ تجھے بلند آواز سے بلاؤں ؟ میں تیری اچھی آواز تو سنتا ہوں ، لیکن تجھے دیکھتا نہیں ، تو کہاں ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، میں تیرے پیچھے ، تیرے آگے ، تیرے دائیں ، تیرے بائیں ہوں ۔ بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں اور اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے ۔

مکان کی تین قسمیں :

مکان کی تین قسمیں ہیں ، اول مکان جسمانیات ، دوسرے مکان روحانیات ، تیسرے مکان اللہ تعالیٰ ۔ پھر مکان جسمانیات کی بھی یہ تین قسمیں ہیں ۔ پہلی یہ ہے کہ تمام کثیف جسمانیات کا مقام زمین ہے اور اس میں تنگی کی مزاحمت ظاہر ہے ، یعنی جب تک کہ ایک ذرہ اپنی جگہ موجود ہے ، دوسرا ذرہ اس کی جگہ نہیں لے سکتا ، یہاں تک کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائے ۔ قرب و بُعد اس میں معلوم ہے کہ یہ قریب ہے اور وہ دور ۔ اس جگہ سے اُس جگہ ہونا ممکن نہیں ، مگر تقیید کے ساتھ ۔

دوسرے مکان جسمانیات لطیف وہ ہوا ہے ، اُس میں بھی مزاحمت ہے ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تک ہوا مکان میں موجود ہے اور وہ ہوا اُس مکان میں موجود ہے اور وہ منفذ سے باہر نکل نہیں جاتی ۔ دوسری

ہوا اُس کی جگہ نہیں لے سکتی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہوا جگہ گھیرتی ہے۔

اس سے بھی مکانِ جسمانیات میں سب سے زیادہ لطیف مکانِ نور ہے۔ آفتاب و ماہتاب اگرچہ مشرق و مغرب میں نہیں پہنچتے، لیکن اُن کا نور فوراً مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر مکان کے متعلق ہوتا تو وہ نور اتنی جلد اور آسانی سے نہ پہنچ سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نور کا مکان بھی وہی ہے جو ہوا کا ہے، لیکن یہ نور ہوا کو خارج کیے بغیر اس میں داخل ہو جاتا ہے، بغیر اس کے کہ گھر کی شمع کا نور مکان سے باہر جائے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ نور کا مکان ہوا کے مکان سے زیادہ لطیف ہے۔

نور و نار کا فرق:

تمھیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آگ کی حقیقت، حرارت اور اس کی خاصیت جلانا ہے اور نور اس کی ضد ہے اور اجتماع ضدین محال ہے۔

واضح ہو کہ اس مکان میں گرم پانی میں آگ ہے، پس آگ کا مکان ہے، لیکن وہ مکان وہ نہیں جو پانی کا ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ اس کا بھی وہی مقام ہے، تو اجتماع ضدین ہوگا۔ اس کے بعد یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس مکان میں مزاحمت اور مضایقہ نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مکان میں شمع رکھ دو تو اس کی روشنی گھر کی تمام دیواروں کو پہنچے گی، لیکن اگر کئی شمعیں گھر میں لے آؤ تو جب تک کہ پہلی شمع کی روشنی نہ نکل جائے دوسری شمع کی روشنی اس کی جگہ نہیں لے سکتی۔

دوسری قسم مکانِ روحانیات ہے۔ یہ جتنے زیادہ لطیف ہوں گے، اتنا ہی اُن کا مکان لطیف تر ہوگا۔

روحانیات کی تین قسمیں ہیں۔ روحانیاتِ ادنیٰ، جیسا کہ زمین کے فرشتے، دوزخ کے فرشتے، دریاؤں اور پہاڑوں کے فرشتے۔

روحانیاتِ اوسط، جیسا کہ آسمانوں کے فرشتے۔ یہ دونوں روحانیات اپنے مکان سے ذرہ بھر جنبش نہیں کرتے، جیسا کہ ہے کہ و ما منا الا لہٗ مقام معلوم (ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا مقام معین نہ ہو) سے ظاہر ہے۔

تیسرے روحانیاتِ اعلیٰ ، جو مقربانِ حق تعالیٰ ہیں ۔ وہ بے حد لطیف ہیں ۔ اس قدر لطیف کہ اگر وہ ملائک ادنیٰ کے پاس سے گزریں تو وہ اُنھیں ان کی لطافت کی وجہ سے دیکھ نہیں سکتے ۔ جس طرح وہ دیوار سے آتے ہیں ، اسی طرح سخت پتھر سے گزر جاتے ہیں ۔ ان کی اہلیت کی بھی قسمیں ہیں ، اُن میں بُعد کی خاص انتہا ہے ۔

روحِ انسانی :

لیکن روحِ انسانی [۱۰۵] سب سے زیادہ لطیف تر ہے ۔ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ، اس لیے کہ متصل نہ داخل ہوتی ہے نہ خارج ، نہ ساکن ہوتا ہے ، نہ متحرک ۔ عرش سے تحت الثریٰ تک ایک لمحے میں پہنچ سکتا ہے ۔ اگر روح ریاضتوں کے ذریعے سے ترقی کرے تو اس قدر طاقتور ہو سکتی ہے کہ کثیف قالب کو چھوڑ کر لطیف جسمانیات تک جا پہنچے ، یہاں تک کہ ایک گھڑی میں دو ماہ کا راستہ طے کر لے ۔ اگر اس میں قوت زیادہ ہوتی ہے ، تو مکانِ جسمانیات الطف تک جا پہنچتی ہے ۔ اگر پانی سے گزرتی ہے ، تو تر نہیں ہوتی ، کیونکہ وہ آگ کے مکان میں چلی جائے گی جہاں پانی نہیں ہوتا ۔ ایک آن میں وہ مشرق سے مغرب تک پہنچ سکتی ہے ، لیکن اس ترقی پر بھی وہ آبگینۂ جسمانیات سے نہیں گزرتی ۔

اگر مکانِ روحانیات میں ترقی کرے تو آگ اس کو نہیں جلائے گی ، اس لیے کہ مکانِ روحانیات میں آگ نہیں ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کو دوزخ نہیں جلاتی ۔ اسی طرح تیرا خیال آگ میں جاتا ہے اور باہر نکل آتا ہے :

لقد اسمعت او نادیت حیاً
و لکن لا حیات لمن انادی
بنارٍ لو نفخت لها اضاءت
و لکن کنت ینفخ فی الرماد

[اگر میں زندہ کو آواز دیتا تو وہ سنتا ۔ لیکن جسے میں آواز دے رہا ہوں وہ زندہ نہیں ہے ۔

اگر میں آگ کو پھونکتا تو وہ جل اُٹھتی ، لیکن میں تو راکھ میں پھونکیں مار رہا ہوں ۔]

زمان کی قسمیں :

زمان کی تین قسمیں ہیں ۔ زمانِ جسمانیات ، زمانِ روحانیات ، زمانِ حق تعالیٰ ۔ زمانِ جسمانیات اور زمانِ حق تعالیٰ ۔ پھر اوّل کی دو قسمیں ہیں ۔ زمانِ جسمانیات اور زمانِ حق تعالیٰ حرکتِ افلاک سے پیدا ہوتے ہیں ۔ اُس میں کل گزشتہ ، آج اور کل آئندہ ہوتے ہیں ۔ ہم اس زمانے میں اس کو ماضی ، حال اور مستقبل کہتے ہیں ۔ زمان میں مضایقہ نہیں ہوتا اور ان تینوں زمانوں کا اجتماع محال ہے ۔

دوسرے جسمانیات لطیف کا زمانہ ۔ اس زمانے کی ایک ساعت ، جسمانیاتِ کثیف کے ایک ہزار سال کے برابر ہوتی ہے ۔ اس زمانے میں مضایقہ نہیں ۔ اس کا ماضی ازل اور مستقبل ابد ہے ۔ اس زمانے میں ہزار سال گزشتہ اور ہزار سال آیندہ برابر ہیں ، جیسا زمانۂ جسمانیاتِ کثیف کا دن اور رات ۔

فرمایا کہ میں نے مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام کو دیکھا ۔ یہ کئی ہزار سال گزشتہ کا واقعہ ہے ۔

فرمایا کہ میں نے عبداللہ الرحمٰن کو دیکھا کہ انھیں جنت میں داخل کیا گیا ہے ۔ یہ کئی ہزار سال آیندہ کا واقعہ ہے ۔ یہ دونوں واقعات ایسے ہیں جیسے کل گزشتہ اور کل آیندہ کے ہیں ۔

جان لے کہ زمانِ جسمانیات لطیف کے چند روزہ کام کو ختم کرنے کے لیے روحِ انسانی کو کئی ہزار قالب جسمانیات کثیف کے درکار ہیں ، تاکہ وہ چند روز میں وہ کام کر سکے ، جو دوسرے سالوں میں کرتے ہیں ۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک سال باغ سے گھاس اُکھاڑی یا یہ کہ ایک رات ہم کو ہم سے لیا گیا اور تمام واردات ہم پر گزری ، لیکن جب واپس آئے [۵۷۲] ، تو ابھی ہمارے چہرے کے بال وضو کے پانی سے تر تھے ۔

ہمارے مریدوں میں سے کوئی ایسا خوش نصیب نہیں ، جس میں اس کا سواں حصہ بھی پایا جاتا ہو ۔

پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ حضرت جنید بغدادیؒ کے اصحاب میں سے ایک شخص دجلے کے کنارے گیا ۔ جب اس نے کپڑے اُتار کر دریا میں غوطہ لگایا تو اس نے دیکھا کہ وہ ہندوستان میں ہے ۔ اس نے وہاں

ایک عورت سے شادی کی ۔ اُس کے بچے پیدا ہوئے ۔ وہاں سالہا سال رہا ۔ جب اُس نے پانی سے سر نکالا تو دیکھا کہ کپڑے اسی طرح دریا کے کنارے رکھے ہوئے ہیں (گویا ایک لمحے میں کئی سال کی منزلیں طے ہوگئیں) ۔

نکتہ

حضرت شیخ سیّد سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز کے لطائف کے بیان میں

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا ۔ پھر اس نے پوچھا کہ میرے باپ کا کیا حال ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے ۔ وہ شخص یہ سن کر پریشان ہو گیا ۔ اس نے واپس جانے کا ارادہ کیا ۔ جب وہ واپس ہونے لگا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کو دوبارہ بلایا اور فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دونوں دوزخ میں ہیں ۔ یہ خبر سن کر اس شخص کو سکون ہوا ۔

نیز فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ، امیرالمؤمنین حضرت علیؓ اور ایک اور صحابیؓ تینوں راستے سے چلے جا رہے تھے ۔ امیرالمؤمنین حضرت علیؓ اُن دونوں کے درمیان میں تھے ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دوسرے صحابیؓ دراز قد اور حضرت علیؓ کا قد ان کی نسبت چھوٹا تھا ۔ ان دونوں صحابیوں نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے درمیان ایسے ہیں جیسا کہ حرفِ نون کلمۂ "لنا" کے درمیان ۔ امیرالمؤمنین حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر لفظِ "لنا" میں نون نہ ہو ، تو وہ "لا" ہو جائے گا ۔

فرمایا کہ شیخ اجل سرزیؒ غزنی سے بلخ آئے ۔ بازار سے گزر رہے تھے تو وہاں مولانا برہان الدین بلخی کھڑے ہوئے تھے ۔ انھوں نے شیخ محمد اجل کی فربہی اور ان کے تن و توش کو دیکھ کر دل میں خیال کیا کہ کیا اولیاء اللہ ایسے ہی موٹے تازے ہوتے ہیں ۔ یہ خیال اُن کے دل میں گزرا ہی تھا کہ شیخ محمد اجل نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ میں اس لیے موٹا ہو گیا ہوں کہ میں نے اپنے باپ کی میراث خریدی ہے

[۵۷۳] - جب یہ بات مولانا نے سنی تو آگے بڑھ کر ان کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور اپنا عقیدہ درست کیا اور شیخ کے حالات دریافت کیے -

قاضی کبیرالدین کے ایک فقرے کی تحسین :

نیز فرمایا کہ ایک دفعہ قاضی کبیرالدین ، مولانا برہان الدین بلخی اور قاضی حمید الدین ناگوری تینوں اکٹھے جا رہے تھے - قاضی حمید الدین اونٹ پر سوار تھے اور یہ دونوں عمدہ گھوڑوں پر - قاضی حمید الدین سے قاضی کبیرالدین نے کہا ، اگرچہ تمھارا گھوڑا صغیر ہے ، لیکن اس کا براز[1] کبیر ہے - سلطان المشائخ نے فرمایا کہ یہ دیکھو کس عمدہ انداز سے فرمایا کہ اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا -

شمس الملک کی عادت تھی ، اگر کوئی شاگرد ناغہ کرتا یا کوئی دوست دیر سے آتا تو آپ اُس سے فرماتے کہ ہم نے کیا کیا جو تم نہیں آئے - اگر کوئی مطالعہ کرتا تو آپ فرماتے ہم نے کیا کیا ، کہو تاکہ ہم بھی ویسا ہی کریں - سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب میں دیر کرکے جاتا یا کبھی مجھ سے ناغہ ہو جاتا تو میں خیال کرتا کہ شاید مجھ سے بھی یہی فرمائیں گے ، لیکن مجھ سے فرماتے :

آخر کم از آنکہ گاہے گاہے
آئی و بما کنی نگاہے

یہ شعر پڑھ کر سلطان المشائخ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے - تمام حاضرین پر آپ کا گریہ اثر انداز ہوا ، کیونکہ آپ نے شمس الملک سے ''مقاماتِ حریری'' پڑھی تھی اور اُن کے حقوق کو ملحوظ رکھتے تھے - پھر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ بعد میں شمس الملک ہندوستان کے مستوفی الملک ہو گئے تھے - تاج ریزہ نے ان کی تعریف میں یہ شعر کہا ہے :

صدر اکنوں بکامِ دل دوستاں شدی
مستوفی الممالکِ ہندوستاں شدی

۱- براز : مرادفِ مبارزت : کسی سے لڑنے کی لیے صف سے نکلنا - بطور ایہام براز سے مراد سطوت رفتار بھی ہے اور لید بھی - (لغات فارسی ، ص ۸۷)

نہایت لطیف الطبع تھے ۔ پاکیزگیٔ طبیعت میں شہر میں اُن کی مثال نہ تھی ۔

ایک دوست نے شمس الملک کے نام ایک رقعہ خطِ معشوش میں لکھا ، جس کا پڑھنا نہایت دشوار ہوتا ہے ۔ شمس الملک نے فوراً اس رقعے کی پشت پر لکھا ، انما فیکم خطٌ کخط ابطٍ فی الشط فلا تکتب لنا ۔ [تمھارا خط ایسا ہے جیسا کہ بط کا خط دریا کے کنارے پر (یعنی سمجھ میں نہیں آتا) لہٰذا ہمیں خط نہ لکھا کرو ۔]

کاتبِ حروف عرض رد داز ہے کہ ایک دانش مند واعظ سلطان المشائخ کے خوش اعتقاد مریدوں میں تھا ۔ وہ خط معشوش میں لکھتا تھا ، جس کا پڑھنا نہایت دشوار ہوتا ہے [۵۲۴] ۔

ایک دن یہ مولانا ایک تحریر لکھ کر حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں لائے ، جس کے پڑھنے میں سلطان المشائخ کو دقت ہوئی ۔ حضرت سلطان المشائخ نے پوچھا ، مولانا ! یہ خط تمھارا ہے ۔ مولانا نے نہایت معذرت سے عرض کیا کہ ہاں اے مخدوم ! یہ بندے کا طبعی خط ہے ۔ سلطان المشائخ نے مسکرا کر فرمایا کہ سبحان اللہ کیا دقتِ طبع پائی ہے ۔

لوگ دھوپ میں بیٹھے ہیں اور میں جلتا ہوں :

ایک دفعہ بہت سے مرید حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ بعضوں کو سائے میں جگہ نہ ملی ، وہ دھوپ میں بیٹھ گئے ۔ آپ نے ان لوگوں سے ، جو دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے ، مخاطب ہو کر فرمایا کہ سائے میں بیٹھو اور ان لوگوں سے فرمایا ، جو سائے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اس طرف آ جاؤ تاکہ انھیں بھی سائے میں بیٹھنے کی جگہ ملے کہ وہ دھوپ میں بیٹھے ہیں اور میں جل رہا ہوں ۔

حکایت

ایک دن دو صوفی حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ آپ نے ان کی نہایت تعظیم و تکریم کی ۔ پھر اُن سے پوچھا ، کہاں سے آ رہے ہو ؟ اُن دونوں نے عرض کیا کہ ہم اُچ سے آئے ہیں ۔ سلطان المشائخ نے ان سے پوچھا ، شیخ جمال الدین اُچی کیسے ہیں ؟ اُنھوں نے کہا ،

خیریت سے ہیں ۔ سلطان المشائخ نے ان کی گفتگو سے سمجھ لیا کہ یہ دونوں فارسی نہیں جانتے ۔

بعدہ' فرمایا ، امام محمد حسن شیبانی رح کے پاؤں میں تکلیف تھی ، اس لیے پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہوئے تھے ۔ ایک طالب علم آیا اور سلام کیا ۔ امام محمد نے اس کے سلام کا جواب دیا اور پاؤں کو سکوڑ کر بیٹھ گئے ۔ رات کا وقت تھا اور اس طالب علم کو آپ کو کہیں بھیجنا تھا ۔ آپ اسے جس طرف بھیجنا چاہتے تھے وہاں عام راستہ نہ تھا ، بلکہ وہاں جانے والے کو جنگل اور بیابان سے گزرنا پڑتا تھا ۔ جب وہ شیخ کے حکم سے اُس طرف روانہ ہوا اور چند کوس چلا تو ایک بلند پہاڑ راستے میں پڑا ۔ اُس نے اس پہاڑ کی چوٹی پر دیکھا کہ وہاں ایک بوڑھا شخص نورانی شکل کا قبلہ رُو بیٹھا ہوا ہے ۔ اس پیر مرد نے دو گرم روٹیاں اور ایک ٹھنڈے پانی کا کوزہ اس کے سامنے پیش کیا ۔ جب اس نے کھا لیا تو پیر مرد نے دوسرے پہاڑ کی جانب اشارہ کرکے کہا ، اس طرف سے جاؤ ۔ یہ دوسرے پہاڑ پر گیا ۔ وہاں بھی اس نے ایک پیر مرد نورانی شکل کو دیکھا ۔ اس نے بھی دو روٹیاں گرم اور ایک ٹھنڈے پانی کا کوزہ پیش کیا ۔ طالب علم کا بیان ہے کہ جب میں نے اُسے کھا لیا تو اُس نے تیسرے پہاڑ کی طرف اشارہ کیا ۔ میں اسی طرح پہاڑ پہاڑ چلا جا رہا تھا ۔ ہر پہاڑ پر مجھے ایک پیر مرد نورانی صورت کا ملتا اور مجھے دو گرم روٹیاں اور ایک کوزہ ٹھنڈے پانی کا پیش کرتا ، یہاں تک کہ میں تیسرے پہاڑ پر پہنچا ۔ اُس پہاڑ کے پیر مرد نے کہا کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک بلند قلعہ کالیور[1] ہے [۷۰۵] ، جس کا محاصرہ سلطان شمس الدین نے سترہ مہینے سے کر رکھا ہے ، لیکن یہ قلعہ کسی وجہ سے فتح نہیں ہوتا اور وہ نہایت پریشان ہے ۔ تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ فلاں ماہ اور فلاں دن اور فلاں وقت لشکر بھیجنا ، یہ قلعہ فتح ہو جائے گا ۔ مولانا شمس الدین فرماتے ہیں کہ جب میں اُس پیر مرد کے حکم کی بنا پر سلطان شمس الدین کی بارگاہ میں پہنچا اور میں نے یہ پیغام شاہی دربان کے ذریعے سے سلطان شمس الدین تک پہنچوایا تو سلطان نے دربان سے کہا ، جاؤ اور اس سے پوچھو کہ تمھیں کیسے معلوم ہوا ۔ میں نے اس سے کہلوایا کہ آپ کا

۱۔ مراد قلعہ گوالیار ۔

مقصد قلعے کو فتح کرنا ہے ، آپ اُس وقت تک مجھے نظر بند رکھیے ، جب تک کہ قلعہ فتح نہ ہو ، اگر قلعہ فتح نہ ہو تو میرا خون آپ کے لیے مباح ہے ۔ سلطان نے حکم دیا کہ اسے نظر بند رکھو اور اس کی پوری حفاظت کرو ۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا ۔ جب قلعے کی فتح کا دن وعدے کے مطابق آیا ، تو مجھے بادشاہ کے پاس لے گئے ۔ میں نے کہا کہ سوار اور پیادوں کو حکم دیجیے کہ قلعے پر ہلہ بولیں ۔ بادشاہ کا خیال تھا کہ ہندوستان کی مملکت میں یہ قلعہ نہایت مضبوط ہے ۔ یہ قلعہ کیسے فتح ہوگا ، لیکن یہ بفضلِ الٰہی ایک لمحے میں فتح ہوگیا اور قلعے کے سات سو سوار مقدم اہم سوار جو راوتوں اور میو قوم کے سرداروں میں تھے ، بادشاہ کے حکم سے قتل کیے گئے ۔ سلطان شمس الدین نے میری نہایت تعظیم اور تکریم فرمائی اور بدایوں کے علاقے میں چار گاؤں مجھے بطور جاگیر دیے ۔

شیخ جلال الدین تبریزی کا واقعہ :

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جب شیخ جلال الدین تبریزی شہر (دہلی) میں آئے اور ارادہ کیا کہ شہر (دہلی) سے ہندوستان جائیں ، اس موقع پر شیخ جلال تبریزی نے فرمایا کہ جب میں شہر (دہلی) میں آیا تھا تو خالص سونا تھا اور اب چاندی ہوں ۔ اگر میں یہاں زیادہ قیام کروں گا تو خدا جانے کیا بن جاؤں گا ۔

شیخ جلال الدین تبریزی کے مناقب اور شیخ نجم الدین صغریٰ کے قبضِ روح کا سبب باب ادعیۂ ماثورہ و اورادِ مقبولہ میں نکتۂ صالثوہ نقل میں تحریر کیا گیا ہے ۔

نکتہ

حیدر زادیہ کی بزرگی کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ حیدر زادیہ کیچھ کے ایک سردار اور صاحبِ جال و حال درویش تھے ۔ جب کفار چنگیز خاں نے خراسان و نہاوند کی طرف چڑھائی کی ، تو اُس زمانے میں شیخ حیدر زادیہ نے اپنے مریدوں سے کہا کہ [٥٤٦] مغلوں سے بھاگ جاؤ کہ وہ غالب آئیں گے ۔ مریدوں نے پوچھا کہ وہ کس صورت میں

آئیں گے ؟ فرمایا کہ ایک درویش کو اپنے ساتھ لائیں گے اور اس کی پناہ میں آئیں گے ۔ میں نے عالمِ باطنی میں اس درویش سے کشتی لڑی ۔ اس نے مجھے زمین پر پٹک دیا ۔ اب حقیقتِ حال یہ ہے کہ وہ غالب آئیں گے ، لہٰذا تم سب بھاگ جاؤ ۔ چنانچہ حیدر زادیہ بھی ایک غار میں جا کر غائب ہو گئے ۔ آخر ایسا ہی ہوا جیسا کہ حیدر زادہ نے فرمایا تھا ۔

میر حسن نے اس موقع پر سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ کہا جاتا ہے کہ حیدر زادیہ کے ہاتھ میں لوہے کا طوق اور کڑا موم ہو جاتا تھا ؟ فرمایا ، ہاں اُن پر ایک حالت طاری ہوتی تھی ، جس میں وہ گرم لوہا لوہاروں کی بھٹی سے لے کر طوق بناتے اور اپنے گلے میں پہن لیتے اور کبھی کڑے بنا لیتے ۔ اُن کے ہاتھ میں لوہا موم تھا ۔ وہ گروہ ، جو لوہے کا طوق اور کڑا پہنتا ہے ، ان ہی کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے ، لیکن اب اُن میں وہ بات کہاں ، جو حیدر زادیہ کی بزرگی میں تھی ۔

نکتہ

بی بی فاطمہ سامؒ کی بزرگی کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اندرپت میں ایک عورت تھی جن کو بی بی فاطمہ سام کہتے تھے ، جو نہایت عفیفہ اور صالحہ تھیں ۔ چنانچہ حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ وہ عورت دراصل مرد ہے ۔ اُن کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی صورت میں بھیجا ہے ۔

پھر فرمایا کہ درویش جب دعا کرتے ہیں تو کہتے ہیں ، بحرمتِ نیک زناں و نیک مرداں ۔ پہلے وہ اپنی دعا میں نیک عورتوں کو یاد کرتے ہیں ۔ اس اعتبار سے کہ نیک عورتیں عزیز تر ہوتی ہیں ۔

بعد ازاں فرمایا کہ شیر جب جنگل سے نکلتا ہے تو کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ وہ نر ہے یا مادہ ۔ اسی طرح اگر کوئی بنی نوع انسان میں سے ، خواہ مرد ہو یا عورت ، نیکی اور پرہیزگاری میں شہرت رکھتا ہے تو اُن میں فرق نہیں کرنا چاہیے کہ وہ مرد ہے یا عورت ۔

پھر حضرت بی بی فاطمہ سام کی بے حد تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ نہایت صالحہ اور بڑی عمر کی تھیں ۔ میں نے ان کو دیکھا ہے ۔ وہ

شیخ کبیر فرید الحق والدین اور حضرت شیخ نجیب الدین متوکل قدس اللہ سرہما العزیز [۵۷۷] کی منہ بولی بہن تھیں اور وہ ان دونوں بزرگوں کو منہ بولا بھائی کہتی تھیں ۔ موقع کے مناسب حال شعر کہتی تھیں ، چنانچہ اُن کا یہ شعر مجھے یاد ہے :

بیت

ہم عشق طلب کنی و ہم جان خواہی
ہر دو طلبی ولے میسر نشود

نکتہ

شفقت اور نیّت کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ، حضرت امیرالمؤمنین عمر بن الخطاب رض نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ گہوارہ سر پر رکھے جا رہی ہے ۔ آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ یہ گہوارہ کس کا ہے اور اس گہوارے میں کیا ہے ۔ اس عورت نے کہا کہ میرا گہوارہ ہے اور اس گہوارے میں میرا باپ ہے ۔ میں اُس کو اس لیے سر پر اُٹھائے پھرتی ہوں تاکہ اس کا کچھ حق ادا کر سکوں ۔ حضرت امیرالمؤمنین عمر رض نے اس عورت سے فرمایا کہ تم نے باپ کے حق کو تو پورا کیا ہے لیکن اس کا بھی خیال کیا کہ ماں کا حق زیادہ ہے ۔ اُس عورت نے کہا ، صحیح ہے ، لیکن اعمال کا مدار نیّت پر ہے ۔ میری ماں نے مجھے اس لیے پرورش کیا تھا کہ میں بڑھاپے میں اس کی خدمت کروں ۔ میں اس کی بھی خدمت کرتی ہوں لیکن میرے باپ کی نیّت یہ نہ تھی ۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ جب تک میرا باپ زندہ ہے ، میں اس کے حقوق ادا کرتی رہوں ۔ جب وہ وفات پائے تو میں اس کے حقوق سے عہدہ برآ ہو چکی ہوں ، اس قسم کی نیّت پیغمبری کے درجے کے قریب ہے ۔

حضرت امیرالمؤمنین عمر رض نے اپنے عہدِ خلافت میں ایک شخص کو ایک ولایت کا حاکم مقرر کیا اور تقرری کا پروانہ اپنے قلم سے لکھ کر اُس کو دیا ۔ اُس وقت حضرت عمر رض ایک بچے کو گود میں لے کر اُسے پیار کر رہے تھے ۔ اس شخص نے حضرت عمر رض سے مخاطب ہو کر کہا

کہ میرے دس بچے ہیں ۔ میں اپنے کسی بچے سے اتنا پیار نہیں کرتا ، جتنا آپ اس بچے کو پیار کر رہے ہیں ۔ امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ نے اُس سے فرمایا کہ اپنی تقرری کا پروانہ مجھے واپس دو ۔ اس شخص نے اپنی تقرری کا پروانہ آپ کو دیا ۔ آپ نے اس تقرری کے پروانے کو واپس لے کر پھاڑ دیا اور فرمایا [۵۷۸] ، جب تم چھوٹوں پر شفقت نہیں کر سکتے ، تو بڑوں پر شفقت کیا کرو گے ۔

خراج کے لینے میں ظلم و زیادتی :

پھر حضرت سلطان المشائخ نے ان لوگوں کے بارے میں ، جو خراج کے لینے میں ظلم و زیادتی کرتے ہیں ، یہ حکایت بیان فرمائی کہ لاہور کے گرد و نواح میں ایک گاؤں تھا ۔ اس گاؤں میں ایک درویش رہتا تھا اور کھیتی باڑی کر کے اپنی روزی حاصل کرتا تھا ۔ کوئی شخص اس سے خراج یا لگان نہیں لیتا تھا ، یہاں تک کہ ایک درشت طبیعت انسان اس گاؤں کا کوتوال مقرر ہو کر آیا ۔ اُس نے اس درویش سے اس کی کھیتی کے لگان کا مطالبہ شروع کیا اور کہا کہ تم نے ایک مدت سے اپنے کھیت کا لگان نہیں دیا ہے اور بغیر روک ٹوک کے غلہ لے جاتے رہے ہو ، یا تو کوئی کرامت دکھاؤ ، ورنہ لگان ادا کرو ۔ درویش نے کہا ، تم کیا کرامت چاہتے ہو ، بولو ؟ اتفاق سے اس گاؤں کے نزدیک ایک دریا تھا ۔ اُس افسر نے درویش سے کہا کہ اگر تم میں کوئی کرامت ہے ، اس پانی پر سے گزر جاؤ ۔ درویش اللہ سے لَو لگا کر پانی سے اس طرح گزر گیا ، جیسے انسان خشکی سے گزرتا ہے ۔ دوسرے کنارے پر پہنچنے کے بعد اُس نے واپس آنے کے لیے کشتی منگوائی ۔ لوگوں نے درویش سے کہا ، تم اس طرح کیوں واپس نہیں آ جاتے ، جس طرح گئے تھے ۔ درویش نے جواب دیا ، نہیں ۔ ایسا کرنے سے میرا نفس موٹا ہوگا کہ میں بھی کچھ ہو گیا ہوں ۔

نکتہ

اُمرا اور خلفاء خوش اعتقاد کے بیان میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ خلفاءِ بغداد میں ایک خلیفہ تھا ۔ اس نے ایک نوجوان کو قید میں ڈال دیا ۔ اُس

نوجوان کی ماں روتی دھوتی خلیفہ کے پاس آئی تاکہ اُس کے بیٹے کو چھوڑ دیا جائے ۔ خلیفہ نے اس سے کہا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ اُس وقت تک تیرے بیٹے کو قید رکھا جائے ، جب تک کہ میرے اولاد نہ ہو ۔ اُس عورت نے جب خلیفہ کی یہ ہولناک بات سنی تو رونے لگی اور آسمان کی طرف رخ کرکے کہا کہ خداوندا ! تیرے خلیفہ نے یہ حکم دیا ہے ، اب میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تو کیا حکم دیتا ہے اور تیری کیا مرضی ہے ۔ خلیفہ نے جب عورت کی یہ بات سنی تو اس کا دل نرم ہو گیا ۔ حکم دیا کہ اس کے بیٹے کو رہا کر دیا جائے ۔ پھر اس نوجوان کو سوار کیا اور سواروں کو ساتھ کرکے حکم دیا کہ بغداد میں اس لڑکے کو گھمایا جائے اور منادی کی جائے کہ یہ اللہ کی بخشش ہے علی الرغم خلیفہ ۔

نکتہ

بادشاہوں کے تلونِ مزاج کے بارے میں

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ کلماتِ قدسیہ [۹۷۵] میں سے ایک یہ ہے کہ بادشاہوں کے دل اور اُن کی پیشانیوں کے بال میرے ہاتھ میں ہیں ۔ روایت ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں اور میں ان کا پھیرنے والا ہوں ۔ جب خلقت کا معاملہ حق تعالیٰ سے درست ہوتا ہے ، تو میں بادشاہوں کے دلوں کو خلقت پر مہربان کر دیتا ہوں ۔ جب خلقت کا معاملہ حق تعالیٰ سے درست نہیں ہوتا ، تو میں بادشاہوں کو خلقت پر سخت دل بنا دیتا ہوں ۔

بعد ازاں فرمایا کہ بندے کو ہر حال میں خدا پر نظر رکھنی چاہیے اور تمام باتوں کو وہیں سے جاننا چاہیے ۔

پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ جس زمانے میں کہ قباچہ ملتان کا حاکم تھا اور سلطان شمس الدین دہلی میں تھا ، ان دونوں میں دشمنی ہو گئی ۔ شیخ بہاء الدینؒ اور ملتان کے قاضی نے سلطان شمس الدین کو خطوط لکھے ۔ ان دونوں کے خطوط قباچہ کے ہاتھ پڑ گئے ۔ قباچہ نے غصے میں آ کر قاضی کو قتل کرا دیا اور شیخ بہاء الدین زکریا کو اپنے محل میں بلوایا ۔ شیخ اس کے حکم پر اس کے محل میں گئے ۔

اس کے سابقہ حکم کے مطابق اپنی مقررہ نشست پر اس کی داہنی جانب بیٹھ گئے ۔ قباچہ نے اُن کا خط اُن کے ہاتھ میں دے کر پوچھا کہ یہ خط کس کا ہے؟ شیخ نے خط پڑھ کر کہا کہ یہ خط میرا ہے اور میں نے لکھا ہے ۔ قباچہ نے پوچھا کہ یہ خط آپ نے سلطان شمس الدین کو کیوں لکھا؟ شیخ نے فرمایا ، میں نے جو کچھ لکھا ہے حق تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے ، اب تمہارا جو جی چاہے کرو اور تم کر بھی کیا سکتے ہو ، تمہارے ہاتھ میں کیا ہے ۔ قباچہ شیخ کی یہ باتیں سن کر فکر میں پڑ گیا اور اس نے حکم دیا کہ کھانا لایا جائے ۔ شیخ کی عادت یہ تھی کہ آپ کسی کے گھر میں کھانا نہ کھاتے تھے ۔ قباچہ کا مقصد کھانا طلب کرنے سے یہ تھا کہ جب آپ کھانا نہ کھائیں گے تو مجھے موقع ملے گا کہ میں آپ کو نقصان پہنچاؤں ۔ شیخ نے کشفِ باطنی سے اس کی نیت معلوم کر لی ۔ جب کھانا لایا گیا تو اُس نے شیخ سے کہا ، بسم اللہ کیجیے ۔ شیخ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کھانا شروع کیا ۔ قباچہ نے یہ حال دیکھا تو اس کا غصہ فرو ہو گیا اور وہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور شیخ صحیح سلامت اپنے گھر واپس آ گئے ۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ بعض لوگوں کا مزاج جلد متغیر ہو جاتا ہے ۔ پھر آپ نے اس موقع کی مناسبت سے یہ دو شعر پڑھے اور فرمایا کہ یہ شعر مولانا فخرالدین زرادی کے ہیں :

آنم کہ بہ نیم ذرہ ناخوش گردم
[۵۸۰] و ز نیمۂ نیم ذرہ دلکش گردم
از آبِ لطیف تر مزاجے دارم
در یاب مرا وگرنہ آتش گردم

میں نے سلطان المشائخ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ :

قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخبرنی و بحکم فی نفس اقدام علا ھو الذین یحرمن الشرک فیختارالقیل ان الجنۃ للحکمین و

روی بالکسر والنصف من نفس حکمه السیم کلیا یحکم ولدک ـ[۱]

پھر اس کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک شاہزادہ نہایت صالح اور صاحبِ کشف تھا ۔ ایک روز وہ دریچے میں بیٹھا ہوا تھا ۔ اُس نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی ۔ پھر اُس نے ادھر اُدھر دیکھا ، یہاں تک کہ اُس نے دوبارہ نظر آسمان کی طرف اُٹھائی اور وہ دیر تک آسمان کی طرف دیکھتا رہا ۔ اس کے بعد وہ اپنی بیگم کو دیکھ کر رونے لگا ۔ بیگم نے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ پہلے آپ نے آسمان کی طرف دیکھا ، پھر میری جانب دیکھ کر رونے لگے ۔ شاہزادے نے کہا ، یہ مت پوچھو ۔ جب اس کی بیگم نے بہت اصرار کیا تو شاہزادے نے کہا ، تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب میں آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا تو میری نظر لوحِ محفوظ پر تھی ۔ میں نے وہاں دیکھا کہ میرا نام زندہ لوگوں کی فہرست سے کاٹ دیا گیا ہے ۔ لوحِ محفوظ کی اس تحریر سے میں نے جان لیا کہ مجھے اس دنیا سے جانا ہے ۔ پھر میں نے دیکھا کہ میری جگہ ایک حبشی ہے جو اس سلطنت کا مالک ہوگا اور تم اس کے نکاح میں ہوگی ۔ بیگم نے جب یہ سنا تو اس نے شاہزادے سے کہا کہ اب آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں ؟ شاہزادے نے کہا کہ میں تمھیں کیا حکم دے سکتا ہوں ، حکم تو وہی ہے جو اللہ کا حکم ہے ۔ پھر شاہزادے نے حبشی کو بلوایا اور اپنا لباس پہنا کر اُسے اپنا ولی عہد نامزد کیا ۔ وہ حبشی شاہزادے کے حکم سے ملوک و امرا و تیغ زنوں کے ساتھ ایک مہم پر گیا ۔ اس مہم کو کامیابی سے انجام دے کر واپس ہوا ۔ اُس کی واپسی کے دوسرے دن شاہزادے نے وفات پائی ۔ جب وہ حبشی مہم پر گیا ہوا تھا ، اس مہم میں اُس نے لوگوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا کہ لوگوں کے قلوب اسی کی طرف مائل ہوگئے اور اُس ملک کا وہی حبشی بادشاہ قرار پایا ۔ پھر شریعت کے احکام کے مطابق اُس نے شاہزادے کی بیگم سے نکاح کر لیا ۔ اس طرح شاہزادے کی پیش گوئی پوری ہوئی [۵۸۱] ۔

۱۔ یہ عربی کی عبارت بہت غلط اور ناقابلِ فہم ہے ، اس لیے ترجمہ ممکن نہیں ۔

نکتہ

ان لوگوں کے بارے میں جو ہر وقت یادِ الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں ، یہاں تک کہ انھیں کھانا پینا بھی یاد نہیں رہتا

سلطان شمس الدین (ایلتمش) نے ۶۳۳ھ [۳۶-۱۲۳۵ء] میں وفات پائی اور اسی سال حضرت شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز نے رحلت فرمائی ۔ سلطان شمس الدین (ایلتمش) کی وفات کے بعد دس سال کی مدت میں اس کے چار بیٹوں کو تختِ سلطنت پر بٹھایا گیا ۔ دس سال گزرنے کے بعد اُس کے چھوٹے بیٹے سلطان ناصرالدین کو تختِ سلطنت پر بٹھایا گیا ۔ یہ وہی سلطان ناصرالدین ہے ، جس کے نام سے ''طبقاتِ ناصری'' منسوب ہے ۔ یہ نہایت حلیم و کریم بادشاہ تھا اور زیادہ تر اپنی روزی قرآن مجید کی کتابت کی اجرت سے حاصل کرتا تھا ۔ اس کی مدتِ حکومت بیس سال تھی ۔

اُس کی فرمانروائی کے زمانے میں تمام امورِ سلطنت و جہاں بانی سلطان غیاث الدین بلبن انجام دیتا تھا ، جو اُس زمانے میں الغ خاں کہلاتا تھا ۔

سلطان غیاث الدین بلبن :

سلطان ناصرالدین کی وفات کے بعد ۶۶۲ھ (۶۴-۱۲۶۳ء) میں غیاث الدین بلبن کو ، جو بندگانِ شمسی[1] میں سے ایک تھا ، تختِ سلطنتِ دہلی پر بیٹھا ۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے دو بیٹے تھے ۔ اس کا بڑا بیٹا وہ ملتان کا خان اور اس کا ولی عہد تھا جو ۶۸۴ھ (۸۶-۱۲۸۵ء) میں لاہور اور دیبال پور کے درمیان مغلوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوا اور تیس بہادر اور تجربہ کار جوانوں نے اس کے ساتھ اس جہاد میں شہادت

۱- **بندگانِ شمسی :** سلطان شمس الدین التمش کے چالیس ترک غلام تھے ، جنھوں نے متحد ہو کر ایک جماعت بنا لی تھی ۔ یہ بندگانِ شمسی یا چہل گانی کہلاتے تھے ۔ ان میں سے ہر ایک بعد میں مرتبۂ امارت پر پہنچا ۔

پائی ۔ اُس تاریخ سے خانِ ملتان کو خانِ شہیدا کہتے ہیں ۔

امیر خسرو بھی اُس جہاد میں مغلوں کے قیدی ہوئے اور کسی ترکیب سے رہائی حاصل کی ۔

خان شہید کے ایک بیٹا تھا ، جس کا نام کیخسرو تھا ۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے دوسرے بیٹوں کے نام بغرا خان اور محمود تھے ۔ محمود کا لقب ناصرالدین تھا ۔ ناصر الدین کے ایک بیٹا تھا ، جس کا نام کیقباد اور لقب معزالدین تھا ۔ خان شہید کی شہادت کے بعد خان شہید کا سارا مال و اسباب اُس کے بیٹے کیخسرو کے سپرد ہوا ، یہ اگرچہ کیخسرو کی نوجوانی کا زمانہ تھا اور سلطان کی نگرانی میں تربیت حاصل کر رہا تھا ، لیکن سلطان نے اس کو اُمراء ، وزراء اور نئے کارکنوں کے ہمراہ دہلی سے ملتان بھیج دیا ۔ (۵۸۲) سلطان بلبن کی عمر اسی سال سے متجاوز ہو چکی تھی ۔ خانِ شہید کی شہادت کے بعد روز بروز سلطنتِ بلبنی میں فتور پیدا ہونا گیا ، یہاں تک کہ خود بلبن بیٹے کی شہادت کے غم سے شکستہ دل ہو گیا ۔

عہدِ بلبن کے علماء :

صاحبِ ''تاریخ فیروز شاہی'' کا بیان ہے کہ میں نے معتبر ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ عہدِ شمسی کے چند بزرگ ، جن سے سلطان بلبن کا زمانہ آراستہ تھا ، زندہ تھے ، چنانچہ سادات میں سے جو بزرگ ترین اُمت ہیں ، سیّد قطب الدین شیخ الاسلام بدایوں کے قاضیوں کے جدِ اعلٰی اور سیّد منتخب الدین ، سیّد جلال الدین بن سیّد مبارک ، سیّد عزیز الدین و سیّد معین الدین بیانہ اور سادات کرام ، جو سیّد چھجو کے اجداد ہیں ،

۱۔ خان شہید : نہایت عمدہ اخلاق و عادات سے مزین تھا ۔ صوفیہ ، علماء اور شعرا اس کے دربار کی زینت تھے ۔ امیر خسرو اور امیر حسن سجزی اس کے پاس ملازم تھے ۔ یہ دونوں بزرگ پانچ سال تک اس کے پاس ملتان میں ملازم رہے ۔ ضیا برنی کا بیان ہے کہ میں نے بارہا امیر خسرو اور امیر حسن سجزی سے سنا ہے ، وہ حسرت کے ساتھ زمانے کی شکایت کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اگر ہم اور دوسرے اہلِ ہنر خوش نصیب ہوتے تو خان شہید زندہ رہتا اور جملہ ہنر مندوں کو مالا مال کر دیتا ، لیکن اہلِ ہنر خوش نصیب کم ہوتے ہیں - (تاریخ فیروز شاہی ، (ضیا برنی (اردو ترجمہ) ، ص ۱۳۱ - ۱۳۲)

سادات عظام کیتھل ، سادات خجستہ ، سادات بیانہ ، سادات بدایوں اور چند دوسرے سادات ، جو حادثہ چنگیز خاں ملعون کی وجہ سے یہاں آ گئے تھے ، صحت نسب اور بزرگی میں عدیم المثال تھے اور کمال تقویٰ اور تدیّن سے آراستہ تھے ۔ یہ سب لوگ عہد بلبنی میں زندہ تھے ۔ ان میں سے چند علماء تو عہد بلبنی میں ایسے تھے کہ جن کا شمار نوادر اساتذہ میں ہوتا تھا اور تدریس کا کام انجام دیتے تھے مثلاً مولانا برہان الدین ملخی ، مولانا برہان الدین بزاز ، مولانا نجم الدین دمشقی شاگرد مولانا فخرالدین رازی ، مولانا سراج الدین سنجری ، قاضی شرف الدین اوانچی ، صدر جہاں منہاج جوزجانی ، قاضی رفیع الدین گازرونی ، قاضی شمس الدین درمراجی ، قاضی رکن الدین سامانہ ، قاضی جلال الدین کاشانی بن قاضی قطب الدین کاشانی ، قضاۃ لشکر قاضی سدید الدین و قاضی ظہیر الدین و قاضی جلال الدین اور بہت سے اور اساتذہ و مفتی اور سربرآوردہ علماء ، جو عہد شمسی کے علماء کے شاگرد یا ان کی اولاد میں تھے ، درس دینے اور فتاویٰ کے جواب لکھنے پر متعین تھے ۔

عہد بلبن کے مشائخ :

اسی طرح یہ عہد ایسے مشائخ کی موجودگی سے مزیّن تھا کہ ان کا مثل زمانے میں مشکل ہی سے ملے گا ۔ اسی عہد کے ابتدائی دور میں حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین مسعود[1] ، جو قطب عالم اور مدار جہاں تھے [۵۸۳] اسی خطّہ زمین کے لوگوں کو انھوں نے اپنی پناہ اور سائے میں لے رکھا تھا اور ہر وقت اُن کی کرامتیں ظاہر ہوتی رہتی تھیں ۔ اُن کے قرب اور برکت انفاس کی وجہ سے لوگ دین و دنیا کی مصیبتوں سے نجات پاتے تھے اور جو اس کے اہل تھے اُن کی ارادت کے ذریعے درجات عالیہ حاصل کرتے تھے ۔ شیخ صدرالدین بن شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ ، شیخ بدر الدین غزنویؒ خلیفہ شیخ قطب الدین بختیار کاکی اوشی چشتیؒ ، شیخ ملکیار پرّاں ، حضرت بی بی فاطمہ سام ،

۱- شیخ فرید الدین گنج شکر نے ۵ محرم ۶۶۴ھ (۱۲۶۵ء) کو وفات پائی ، سلطان غیاث الدین بلبن اُسی سال تین ماہ بعد جمادی الاول میں تخت پر بیٹھا ۔

سیدی مولہ[1] اور ایسے ہی دوسرے مشائخ تھے ، جن کے یُمن و برکت سے آسمان کی رحمتیں متواتر اس زمین پر نازل ہوتی رہتی تھیں -

عہدِ بلبنی کے حکماء و اطبّا :

اسی طرح عہدِ بلبنی کے حکماء و اطبّا حکمت و طب میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے ، مثلاً مولانا حمید الدین مطرز ، مولانا بدر الدین دمشقی ، مولانا حسام الدین ماریکلہ وغیرہ تھے -

عہدِ بلبنی کے اُمراء و ملوک :

سلطان بلبن کے عہد کے نوادر ملوک میں اُس زمانے میں ملک علاء الدین کشلی خاں تھا ، جو سلطان بلبن کا بھتیجا تھا - سخاوت و فیاضی

۱- سیدی مولہ : ایک درویش تھے ، جو شمالی علاقے (ولایت ملک بالا) سے عہدِ بلبنی میں دہلی آئے تھے - خرچ کرنے اور کھانا کھلانے میں بے نظیر تھے - جمعہ کو جامع مسجد میں نماز کے لیے نہیں آتے تھے - اگرچہ نماز پڑھتے تھے ، لیکن نماز باجماعت کے شرائط پوری نہیں کرتے تھے - مجاہدات و ریاضت بہت کرتے تھے - صرف ایک کپڑا اور چادر استعمال کرتے - چاول کی روٹی ملائم گوشت سے کھاتے تھے - کسی سے کچھ نہ لیتے ، لیکن خرچ اتنا کرتے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی - اپنے دروازے کے سامنے شاندار خانقاہ بنوائی تھی ، جس میں ہر طرف سے مسافر آتے - ان کے لیے دو وقت دستر خوان لگایا جاتا - سیدی مولہ کے پاس نہ کوئی گاؤں تھا نہ وظیفہ - ضیا برنی کا بیان ہے کہ میرے والد بھی اپنے اساتذہ اور رفقا کے ساتھ ان کی زیارت کے لیے جاتے تھے - سلطان معز الدین کے زمانے میں انھوں نے بے پناہ خرچ کرنا شروع کیا ، لیکن سلطان جلال الدین کے زمانے میں ان کو اس الزام میں گرفتار کیا گیا کہ اُنھوں نے بادشاہ کے قتل کی سازش کی تھی - سیدی مولہ کو باندھ کر کوشک سلطانی کے سامنے لایا گیا - ارکلی خاں نے پیل بانوں کو اشارہ کیا - انھوں نے ایک ہاتھی کو دوڑا کر سیدی مولہ کو مار ڈالا - ضیا برنی کا بیان ہے کہ سیدی کے قتل کے روز ایسی کالی آندھی آئی کہ آسمان سیاہ ہو گیا - سیدی مولہ کے قتل کے بعد سے ہی جلال الدین کی سلطنت میں فتور پیدا ہونا شروع ہوا ، حالانکہ وہ نہایت نیک دل ، حلیم بادشاہ تھا - ان کا قتل سراسر زیادتی تھی - (تاریخ فیروز شاہی ، اردو ترجمہ ، ص ۳۱۸)

میں حاتم طائی سے بھی گوئے سبقت لے گیا تھا ۔ میں نے بہت سے معتبر لوگوں سے خاص طور پر امیر خسرو سے سنا ہے کہ جود و سخا ، تیراندازی ، چوگان بازی اور شکار کرنے میں اس جیسا ماہر کسی ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوا ۔ اُسی زمانے میں وہ اپنے باپ کشلی خاں کی جگہ ، جو سلطان بلبن کا بھائی تھا ، باربک مقرر ہوا ۔

بغرا خاں کی لکھنوتی سے طلبی :

جب سلطان بلبن خان شہید کے واقعہ سے شکستہ دل ہوا اور اس کے غم میں بیمار ہو گیا تو اُس نے اپنے بیٹے بغرا خاں کو لکھنوتی سے دہلی بلوایا اور اس سے کہا کہ تمھارے بھائی کی جدائی نے مجھے صاحبِ فراش بنا دیا ہے ۔ اے میرے بیٹے ! اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ تم مجھ سے دور رہو ۔ تمھارے سوا میرے اور کوئی بیٹا نہیں ، جو میری جگہ لے سکے ۔ کیخسرو اور کیقباد ، جو تم دونوں کے بیٹے[1] ہیں اور میری تربیت میں رہے ہیں ، ابھی بچے ہیں ۔ انھیں زمانے کے گرم و سرد کا تجربہ نہیں ۔ اگر میرے بعد حکومت اُن کو ملی تو جوانی کے غلبے اور نفس پرستی کی وجہ سے وہ بادشاہی کا حق ادا نہ کر سکیں گے اور پھر حکومت دہلی ایسی ہی [۵۸۳] بازیچۂ اطفال بن جائے گی ، جیسی کہ سلطان شمس الدین کے بعد ہو گئی تھی ۔ اگر تم لکھنوتی میں رہو گے اور دہلی کے تخت پر کوئی دوسرا بیٹھ گیا تو تمھیں اس کی تابعداری (چاکری) کرنی پڑے گی ۔ اس بات پر تم اچھی طرح غور کرو ۔ میرے پاس سے دور نہ ہو اور لکھنوتی جانے کی خواہش نہ کرو ، لیکن بغرا خاں ایک جلد باز شہزادہ تھا ، وہ تین ماہ دہلی میں رہا ۔ سلطان کی بیماری میں کچھ کمی ہوئی تھی کہ وہ بہانہ کرکے باپ کی رضامندی کے بغیر لکھنوتی چلا گیا ۔

سلطان بلبن کی وفات اور اس کی وصیت :

بغرا خاں کا بیٹا کیقباد سلطان بلبن کے پاس رہا ۔ بغرا خاں ابھی لکھنوتی پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ سلطان بلبن پھر بیمار ہو گیا ۔ اس نے

۱۔ خان شہید کے لڑکے کا نام کیخسرو تھا اور بغرا خاں کے لڑکے کا نام کیقباد تھا ۔

ارکانِ دولت کو بلا کر وصیت کی کہ اگرچہ کیخسرو چھوٹا ہے اور بادشاہی کے پورے حق ادا نہیں کر سکتا ، لیکن اس کو تخت پر بٹھاؤ ۔ میں کیا کروں کہ محمود (بغرا خاں) جس سے کچھ کام چل سکتا تھا اور لوگوں کو اس سے اُمید بھی تھی ، وہ لکھنوتی چلا گیا ، جب تک اس کو بلایا جائے گا سو پیالے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے (یعنی سلطنت کا شیرازہ بکھر جائے گا) اور تختِ شاہی برباد ہو جائے گا ۔

اس وصیت کے بعد تیسرے دن سلطان رحمتِ حق سے جا ملا ۔ اُسی دن کیخسرو کے بلانے کے لیے ، جو خان شہید کا بیٹا تھا ، ملتان آدمی بھیجا گیا ۔

کیقباد کی تخت نشینی :

اور کیقباد بن بغرا خاں کو سلطان معزالدین کا خطاب دے کر دہلی کے تخت پر بٹھایا ۔[1]

سلطان بلبن کی میّت کو رات کے آخری حصے میں کوشک لال سے باہر لائے اور دارالامان میں دفن کر دیا ۔

سلطان غیاث الدین بلبن نے ۲۳ سال حکومت کی ۔

سلطان معزالدین کیقباد ۶۸۵ھ (۸۷ - ۱۲۸۶ء) میں تخت بلبنی پر دہلی میں بیٹھا ۔ اُس وقت اس کی عمر سترہ سال کی تھی ۔

سلطان معزالدین ایک خوش اخلاق اور حسین شہزادہ تھا ۔ اس کے سینے میں کامرانیوں کے حاصل کرنے کی آرزو ، جوانی کی خواہشات پورا کرنے کی تمنا اور دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے شوق سے معمور تھا ۔

محل کیلوکھری میں قیام :

کیقباد نے شہر کے لال محل کی سکونت ترک کرکے کیلوکھری میں دریائے جمنا کے کنارے ایک عالی شان محل تعمیر کرایا اور ایک فرحت افزا

۱- ضیا برنی نے کیقباد کی تخت نشینی کا سنہ ۶۸۵ھ (۸۷ - ۱۲۸۶ء) بتایا ہے ، لیکن امیر خسرو نے ''قِران السعدین'' میں ۶۸۶ھ (۱۲۸۷ء) نظم کیا ہے ۔

باغ لگوایا ۔ ملوک و اُمراء خاص مصاحبین اور مقربین اور ملازمین درگاہ اور معتبر لوگوں نے بھی اس محل شاہی کے نزدیک مکانات بنوائے ۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ بادشاہ کیلوکھری کی سکونت [۵۸۵] کی طرف مائل ہے تو لوگوں نے بھی وہاں قصر اور محل بنوانے شروع کر دے اور وہیں رہنے لگے ۔ اس طرح کیلوکھری ایک پُر رونق اور آباد شہر ہو گیا ۔

عیش و عشرت میں غرق بادشاہ :

الغرض سلطان معزالدین رات دن عیش و عشرت میں پڑ گیا ۔ ادھر ملک نظام الدین ، جو ملک الامراء کوتوال دہلی کا بھتیجا اور داماد تھا ، تختِ شاہی کے سامنے موجود رہتا ۔ ظاہر میں تو وہ شہر دہلی کا دادبک[1] تھا ، لیکن باطن میں وہ نائب ملک تھا اور مملکت کا سارا انتظام اُسی کے ہاتھ میں تھا ۔ ملک نظام الدین کے دماغ میں اقتدار کا سودا سمانے لگا اور وہ حرص کے دالت تیز کرنے لگا ۔ وہ سوچنے لگا کہ سلطان بلبن جو سِن رسیدہ اور گرگِ باراں دیدہ تھا ، جس نے ساٹھ سال تک دہلی کا انتظام سنبھالا اور اہلِ مملکت کو مختلف تدبیروں سے اپنے قابو میں رکھا ، اب موجود نہیں ۔ اس کے دل میں خیال گزرا کہ اس کا وہ بیٹا ، جو بادشاہی اور جہاں بانی کی صلاحیت رکھتا تھا ، اپنے باپ کی زندگی میں شہید ہو گیا ۔ نیز بغرا خاں نے لکھنوتی میں سکونت اختیار کر لی ۔ سلطان معزالدین اپنی رنگ رلیوں اور عیش و عشرت کی وجہ سے فرمانروائی کی صلاحیت نہیں رکھتا ۔ اگر میں خان شہید کے بیٹے کیخسرو کو اپنے راستے سے ہٹا دوں اور چند قدیم ملکوں کو سلطان معزالدین سے علیحدہ کرلوں ، تو میں دہلی کی حکومت پر آسانی سے قبضہ کر لوں گا ۔ پس مصلحت اس میں ہے کہ کیخسرو کو ملتان سے بلوایا جائے اور راستے میں اس کا خاتمہ کر دیا جائے ۔

۱۔ دادبک یا امیرداد ۔ یہ بہت اہم عہدہ تھا ، جس کا تعلق عدلیہ سے تھا ۔ اس کے فرائض میں تھا کہ عدالتوں نے جو فیصلے صادر کیے ہیں ، انھیں نافذ کرائے ۔ اس کے علاوہ مساجد اور وہ عمارتیں جن کا تعلق رفاہِ عام سے تھا ، اس کی نگرانی میں ہوتی تھیں ۔

کیخسرو کا قتل :

اس خیال سے اُس نے سلطان معزالدین کے فرمان سے کیخسرو کو
ملتان سے بلوایا ۔ حالتِ سرمستی میں اُس نے سلطان معزالدین سے اس کے
قتل کی بھی اجازت لے لی اور کیخسرو کے قتل کے لیے دربار سے کچھ آدمیوں
کو متعین کیا گیا ، چنانچہ ان لوگوں نے کیخسرو کو رہتک میں قتل کر دیا ۔

کیخسرو کے قتل سے تمام بلبنی سردار ، جو سلطان معزالدین کی
حکومت کے اعوان و انصار بنے ہوئے تھے ، ملک نظام الدین سے خوف
کھانے لگے ۔

معزالدین کی وفات :

ایک مدت کے بعد سلطان معزالدین بیمار ہوا اور فالج و لقوہ کی بیماری
میں اس کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی ۔ جب اس کی صحت کی اُمید
نہ رہی تو ارکانِ دولت اور ملوک و امراء اور لشکریوں نے بالاتفاق
[۵۸۶] اُس کے بیٹے کو ، جو ابھی خورد سال تھا ، محل شاہی سے لا کر
تختِ شاہی پر بٹھایا ، تا کہ بادشاہی بلبن کے خاندان میں رہے ۔ اس لڑکے
کو سلطان شمس الدین کا خطاب دیا اور سلطان معزالدین کا کیلوکھری
کے محل میں علاج کرنے لگے ۔

سلطان جلال الدین خلجی :

(جلال الدین ، جس کو عارض ممالک مقرر کیا گیا تھا) اپنے خاندان
کے افراد اور رشتہ داروں کے ساتھ بہاپور (بہار پور) میں قیام پذیر تھا اور
لشکر کی دیکھ بھال اور جائزے میں مصروف رہتا تھا ۔ چونکہ وہ دوسری
نسل سے تھا اس لیے 'ترکوں سے اُس کے تعلقات استوار نہ تھے اور 'ترک
اُسے پست تر خیال کرتے تھے ۔ ایتمر کچھن اور ایتمر کلدر نے آپس میں
طے کیا کہ چند اُمرا ، جو بیگانہ دکھائی دیتے ہیں ان کا قصہ ختم کرنا
چاہیے ، چنانچہ اُن کے ناموں کی ایک فہرست تیار کی ۔ اس میں سرِ فہرست
جلال الدین کا نام رکھا ۔ سلطان جلال الدین کو جب اس کی خبر ملی تو
وہ ہوشیار ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو تیار کر لیا ۔ اس نے اپنے لوگوں
کو اور اُمرائے خلج کو جمع کرکے بہا پور (بہار پور) کو لشکرگاہ بنا لیا ۔
بعض بڑے بڑے امرا اس کے معاون بن گئے ۔

ایتمر کجھن چند سواروں کے ہمراہ بہاپور (بہار پور) پہنچا تاکہ وہ وہاں سے سلطان جلال الدین کو کسی بہانے سے لے آئے اور سرائے شمسی میں اس کا کام تمام کر دے ۔ سلطان جلال الدین کو بھی یہ خبر معلوم ہو گئی ۔ جب ایتمر کجھن باربک اُس کے بلانے کے لیے گیا ، لوگوں نے ایتمر کو گھوڑے سے گرا کر اُس کے گلے پر تلوار چلا دی ۔ جلال الدین کے بیٹے ، جو ہر ایک شیر نر کی مانند تھا ، پچاس سواروں کے ساتھ محل شاہی میں داخل ہوئے اور سلطان معزالدین کے بیٹے کو تختِ سلطنت سے اُٹھا کر لے گئے اور اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا ۔

ایتمر سرخہ ، جلال الدین کے بیٹوں کے تعاقب میں گیا ، لیکن اُنھوں نے اس کو تیر چلا کر گرادیا اور ملک الامرا کے بیٹے اس کو بہا پور (بہار پور) لے گئے اور نظر بند رکھا ۔ شہر میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا ۔ خواص و عوام ، چھوٹے بڑے سب شہر کے دروازے سے سلطان معزالدین کے بیٹے کی مدد کے لیے باہر آ گئے اور بہا پور (بہار پور) کی طرف روانہ ہو گئے کیونکہ شہر کے لوگوں کو خلجیوں کی حکومت سخت ناگوار تھی ۔ کوتوال نے اپنے لڑکوں کے ذریعے سے اس شورش کو فرو کیا اور شہر کے لوگوں کو واپس کرایا ۔

بہت سے ملوک و اُمرا ، جو ترکی النسل نہ تھے ، وہ سلطان جلال الدین کے ساتھ ہو گئے ۔

اس واقعہ کے دو روز بعد ملک لالہ کو کہ جس کے باپ کو [۵۸۷] سلطان معزالدین نے قتل کرا دیا تھا ، سلطان معزالدین کے قتل کے ارادے سے کیلوکھری بھیجا ۔ جب وہ کیلوکھری کے محل میں پہنچا ، تو سلطان معزالدین میں کچھ جان اور کچھ سانس باقی تھے ۔ اس نے اسے خواب کے کپڑوں میں لپیٹا ، دو چار لاتیں ماریں اور دریائے جمنا میں بہا دیا ۔

ملک چھجو نے تین سال تک سلطان معزالدین کے بعد بادشاہی کی ، یہ ملک کا وارث اور سلطان بلبن کا بھتیجا تھا ۔ جلال الدین نے ملک چھجو کو کڑہ کی جاگیر دے کر وہاں روانہ کر دیا ۔

سلطان جلال الدین کی بیعت :

اب موافقین اور مخالفین نے سلطان جلال الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور وہ بہا پور (بہار پور) سے سوار ہو کر ایک کثیر لشکر کے ساتھ کیلوکھری

میں قصر معزی میں فروکش ہوا اور وہیں شاہی تخت پر بیٹھا ۔ چونکہ شہر کے لوگوں کو اس کی بادشاہی ناپسند تھی ، وہ بھی شہر کے لوگوں کے خوف سے دہلی کے اندر داخل نہیں ہوتا تھا اور سلاطینِ ماضیہ کے ڈر سے دولت خانے میں نہیں جاتا تھا اور نہ قدیم تخت پر بیٹھتا تھا ۔

جلال الدین کی تخت نشینی کا سنہ :

واضح ہو کہ سلطان جلال الدین خلجی ۶۸۸ھ (۱۲۸۹ء) میں کیلوکھری کے شاہی محل میں تخت پر بیٹھا اور تیرہ سال حکومت کی ۔

کیلوکھری کا دوسرا نام :

چنانچہ اُس نے کیلوکھری کا نام ''شہر نو'' رکھا اور پتھر کا ایک مضبوط قلعہ بنوایا ، امیر خسرو نے کہا ہے :

شہا در شہر نو کردی حصارے
کہ رفت از کنگرِ او تا قمر سنگ

سلطان علاء الدین :

سلطان علاء الدین ، جو سلطان جلال الدین کا بھتیجا ، داماد اور پرورش یافتہ تھا ، ۱۷ رمضان ۶۹۵ھ (۱۲۹۶ء) کو اپنے چچا سلطان جلال الدین کو شہید کرکے تختِ سلطنت پر بیٹھا ۔

عہدِ علائی کے مشائخ :

معلوم ہونا چاہیے کہ عہدِ علائی کے مشائخ میں سے شیخی کا سجادہ ، جو پیغمبری کی نیابت ہے ، شیخ الاسلام شیخ نظام الدین ، شیخ الاسلام علاء الدین نبسہؒ ، شیخ فرید الدین ، شیخ الاسلام شیخ رکن الدین نبسہؒ شیخ بہاء الدین زکریا سے آراستہ تھا اور اُن کے انفاسِ متبرکہ سے ایک عالم منور تھا ۔ ایک عالم اُن کے ہاتھ پر بیعت کرتا تھا ۔

شیخ نظام الدین اس زمانے میں غیاث پور میں رہتے تھے ۔ شیخ علاء الدین بن شیخ بدرالدین سلیمان بن شیخ فرید الدین پورے عہدِ علائی میں اجودھن میں مقیم رہے اور شیخ رکن الدین ابن شیخ صدرالدین [۵۸۸] بن شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتان میں قیام پذیر تھے ۔

پورے عہدِ علائی میں شیخ رکن الدین طریقت۔ مشائخ کی داد دیتے رہے اور اپنے مریدوں کی تعلیم باطنی کی تکمیل کا حق ادا کرتے رہے۔ اس طرح وہ اپنے والد کے سجادے کو منور کرتے رہے۔ ملتان سے اُچ تک سندھ کے علاقے کے تمام لوگ شیخ رکن الدین کے متبرک آستانے سے تعلق اور آمد و رفت رکھتے تھے اور شیخ رکن الدین کی کشف و کرامات میں کسی کو شک و شبہ نہ تھا۔

سفید باز :

شیخ رکن الدین کے اعلیٰ خاندان کی بزرگی اور فضیلت حدِ توصیف سے باہر ہے۔ شیخ بہاء الدین زکریا کو سالکوں اور خدا طلبوں میں "سفید باز" کہتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کسی نے بھی اپنے آپ کو اُن کے بازوؤں سے باندھ لیا وہ خدا تک پہنچ گیا۔

شیخ صدرالدین اپنے روحانی کمالات و تکمیل کے ساتھ نہایت درجہ سخی تھے۔ اُن کی بخششیں اس قدر زیادہ تھیں کہ باوجود کثیر دولت کے، جو اُن کو اپنے والد کے ورثے میں ملی تھی اور اُس آمدنی پر بھی جو اُن کو دیہات سے ملتی تھی، اپنی سخاوت کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے۔

عہدِ علائی کے شعرا :

عہدِ علائی میں شعرا بھی ایسے تھے کہ اُن کے بعد بلکہ اُن سے پہلے بھی زمانے کی آنکھ نے ان کی مثل کوئی شاعر نہیں دیکھا تھا۔ خاص طور پر امیر خسرو، جو قدیم شعرا اور بعد کے آنے والے شعرا کے بادشاہ ہیں، جو اختراعِ معنیٰ اور نادر تصانیف کی کثرت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، اپنے اس فضل و کمال، فنون و بلاغت کے باوجود وہ مستقیم الحال صوفی تھے۔ اُنھوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ صوم و صلوٰۃ اور تلاوتِ قرآن مجید میں گزارا۔ امیر خسرو حضرت سلطان المشائخ شیخ شیوخ العالم سید نظام الحق والدین (بن) محمد احمد بدایونی بخاری چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کے خاص مریدوں میں تھے۔ میں نے ایسا عقیدت مند کوئی اور مرید نہیں دیکھا۔ عشق و محبت (الٰہی) سے ان کو پورا حصہ ملا تھا۔ صاحبِ سماع و وجد اور صاحبِ حال تھے۔ علم موسیقی میں کمال رکھتے تھے۔

اُن کا وجود عدیم المثال تھا اور آخر زمانے میں ان کی شخصیت نوادرِ روزگار میں تھی -

امیر حسن سجزی :

عہدِ علائی کے دوسرے یگانہ عصر شعراء میں امیر حسن سجزی تھے - نظم و نثر دونوں کی طرف ان کی توجہ تھی - تراکیب کی سلاست ترکیب اور سخن کی روانی میں وہ ایک آیت اور مثال تھے - چونکہ اُنھوں نے بہت سی وحدانی غزلیں کہی ہیں ، جن میں بے حد روانی ہے ، اس لیے اُن کا خطاب "سعدیِ ہندوستان" ہوگیا تھا - امیر حسن مذکور پاکیزہ اخلاق [۵۸۹] سے متصف تھے - سالہا سال میرے امیر خسرو اور امیر حسن سے خلوص و یگانگت کے تعلقات رہے ہیں - وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اور نہ میں اُن کی ہم نشینی کے بغیر زندگی بسر کر سکتا تھا -

چونکہ امیر حسن حضرت سلطان المشائخ سے نہایت عقیدت رکھتے تھے ، اُنھوں نے اپنی ارادت مندی کے زمانے میں شیخ کی مجالس میں ان کی زبانِ مبارک سے جو کچھ سنا ، وہ شیخ کے الفاظ میں جمع کر لیا - ان ملفوظات کا نام "فوائد الفواد" رکھا - آج کل اُن کی اس تالیف یعنی "فوائد الفواد" نے صادق ارادت مندوں کے لیے دستور العمل کی حیثیت حاصل کر لی ہے -

امیر حسن کا دیوان ہے اور نثر میں بھی کئی کتابیں اور کئی مثنویاں ہیں - وہ ایسے شیریں مجلس ، ظریف و خوش طبع ، مہذب اور شایستہ تھے کہ مجھے جو راحت اور کشش اُن کی ہم نشینی میں حاصل ہوتی تھی ، وہ کسی اور کی صحبت میں نہیں ملتی تھی -

امیر خورد کا سلطان علاء الدین سے شکوہ :

اس تمام تمہید سے مقصد یہ تھا کہ سلطان علاء الدین کی قساوت قلبی دیکھیے ، اس کے دل کو کون سا دل کہا جا سکتا ہے کہ لوگ ہزاروں کوس سے سلطان المشائخ کی زیارت کے لیے آتے ، لیکن اس کے دل میں کبھی خیال نہ آیا کہ وہ بھی شیخ الشیوخ محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرے یا حضرت اقدس و اعلیٰ کو اپنے پاس

بلوائے اور ملاقات کرے ۔ اس کا دل خدائے تعالٰی نے عجیب قسم کا بنایا تھا ۔

چنانچہ امیر خسرو ، جو نوادر روزگار عالم تھے ، اگر سلطان محمود یا سلطان سنجر کے عہد میں ہوتے ، تو وہ ان کی نہایت تعظیم و تکریم اور قدر دانی کرتے ، لیکن علاء الدین نے ان کو صرف ہزار ٹنکے دیے ۔ اس کے علاوہ اُن کی کسی قسم کی تعظیم و تکریم نہ کی ۔ اس قسم کے عجائبات سے اس کا زمانہ آراستہ تھا اور یہ سب باتیں اس کے حق میں مکر و استدراج نہیں ۔

سلطان علاء الدین کی وفات :

آخرکار سلطان علاء الدین کو استسقا کی بیماری ہوئی اور اسی بیماری میں اُس نے وفات پائی ۔ اس کی مدتِ سلطنت بیس سال تھی ۔

بعض کہتے ہیں کہ ملک نائب نے ، جس کا آگے کا حصہ کٹا ہوا اور پیچھے کا حصہ پھٹا ہوا تھا ، مرض کے غلبے کے وقت اُس کا کام تمام کر دیا ۔

۶ شوال کی رات کے آخری حصے سنہ ۷۱۵ھ (۱۶ - ۱۳۱۵ء) میں اس کی نعش کو محل شاہی سیری سے باہر لائے [۵۹۰] اور جامع مسجد میں اس کے مقبرے میں دفن کیا گیا ۔

سلطان قطب الدین مبارک شاہ :

اسی سال سلطان قطب الدین بن علاء الدین ملک نائب کے قتل کے بعد ، جو سلطان علاء الدین کے پینتیس روز بعد ہوا ، تخت پر بیٹھا ۔

۷۱۸ھ (۱۹ - ۱۳۱۸ء) میں دیوگیر کے علاقے پر ، جو باغی ہو گیا تھا ، سلطان قطب الدین نے لشکرکشی کی ۔ یہ علاقہ وہ ہے جسے ملک نائب نے فتح کیا تھا ، جس کی وجہ سے سلطان علاء الدین ملک نائب[1] کا فریفتہ

۱۔ ملک نائب کو سلطان علاء الدین بہت چاہتا تھا ۔ وہ اس کا محبوب و مابون (مفعول) تھا ۔ اس نے اس کو ساری مملکت کے لشکر کا سردار اور وزیر بنایا تھا۔ (تاریخ فیروز شاہی ۔ برنی (اُردو ترجمہ) ، ص ۵۲۲)

ہو گیا تھا ۔ جس طرح سلطان علاء الدین ملک نائب کا فریفتہ تھا ، اُسی طرح سلطان قطب الدین خسرو خاں کا دل دادہ و شیفتہ ہوا ۔

اس ردیل برادو بچہ حرام خور مفعول کو سردار لشکر مقرر کیا ، اس کے ہاتھوں سلطان قطب الدین اور اس کے خاندان اور اولاد پر جو کچھ گزری وہ حدِ تحریر سے باہر ہے ۔ اسی نے سلطان قطب الدین کو قتل کیا اور اس خاندان کے بچے بچے کو قتل کرایا ۔

سلطان قطب الدین کی سلطان المشائخ سے دشمنی :

سلطان قطب الدین کی ساری مصیبتوں کا باعث وہ دشمنی تھی جو وہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا سے جو قطبِ عالم تھے اس وجہ سے رکھتا تھا کہ وہ خضر خاں[1] کو سلطان المشائخ کا مرید جانتا تھا ، اس لیے اس نے سلطان المشائخ سے دشمنی کی بنیاد رکھی اور آپ کو برا بھلا کہنا شروع کیا ۔ اس فکر میں رہنے لگا کہ آپ کو ایذا پہنچائے ۔ سلطان قطب الدین کے چند بدخواہ جو خود کو اس کا خیر خواہ ظاہر کرتے تھے ، سلطان کے ہاتھوں سے شیخ کو ایذا پہنچانے کا باعث تھے ۔

چونکہ اس کے زوال کا زمانہ قریب آ چکا تھا ، اس لیے وہ شیخ کی شان میں بد زبانی اور علانیہ آپ کی مخالفت کرنے لگا ۔ دربار سے وابستہ ملوک اور امرا کو منع کرتا کہ کوئی شیخ کی زیارت کے لیے غیاث پور نہ جائے اور بارہا کہتا تھا جو کوئی شیخ کا سر لائے گا ، میں سونے کے ہزار ٹنکے اس کو دوں گا ۔

سلطان المشائخ کے احترام سے روگردانی :

ایک دفعہ حظیرۂ شیخ ضیاء الدین رومی میں (اُن کے سوئم میں) سلطان قطب الدین سے سلطان المشائخ شیخ نظام الدین کا سامنا ہوا ۔ اُس نے

۱۔ خضر خاں بن سلطان علاء الدین سلطان قطب الدین کے زمانے میں قلعۂ گوالیار میں قید تھا ۔ جھائن میں سلطان قطب الدین نے شادی کتہ کو حکم دیا کہ وہ گوالیار جا کر سلطان علاء الدین کے تینوں بیٹوں یعنی خضر خاں ، شادی خاں اور ملک شہاب الدین کو ، جنھیں اندھا کر دیا گیا تھا ، صرف روٹی کھوڑا دیا جاتا تھا ، قتل کرا دے ۔ (تاریخ فیروز شاہی ، برنی (اُردو ترجمہ) ، ص ۵۶۷)

شیخ سے ملاقات نہیں کی ، یہاں تک کہ شیخ کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا اور عدم التفاقی کا برتاؤ کیا ، یہاں تک کہ اُس نے شیخ زادہ حسام کو ، جو شیخ سے مخالفت رکھتا تھا ، اس لیے اپنا مقرب بنا لیا کہ وہ شیخ کی سرگرمی سے مخالفت کرے گا اور شیخ الاسلام شیخ رکن الدین کو ملتان سے بلایا تھا ۔

سلطان قطب الدین کا انجام :

القصہ خسرو خاں نے سلطان قطب الدین کی چار سال کی حکومت کے بعد ایک گروہ کے ساتھ ہزار ستون کی بالائی منزل میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور اس کے دھڑ کو بالائی منزل سے [۵۹۱] جنگل میں پھینک دیا ۔ لوگ اس کے لاشے کو دیکھ کر کنارہ کر گئے اور اپنی جان سے نا اُمید ہو گئے ۔ خسرو خاں اور اس کے برادوں نے جس کو قتل کرنا چاہا ، قتل کیا اور سر بازار قتل کیا ۔

اسی آدھی رات کے وقت انھوں نے ملک عین الملک ملتانی ، ملک وحید الدین قریشی ، ملک فخرالدین جونا یعنی سلطان محمد (بن) تغلق شاہ[1] وغیرہ کو طلب کیا اور ہزار ستون کی بالائی منزل پر نظر بند رکھا ۔

جب صبح ہوئی تو خسرو خاں نے اپنے وزیر کو ناصرالدین کا اور اپنے بھائی کو خان خاناں کا خطاب اور منصب دیا اور ہر ایک کے لیے خطاب اور منصب متعین کیا ۔ اگر کوئی خطرہ تھا تو غازی ملک یعنی تغلق شاہ سے تھا ، جو دیپال پور میں متعین تھا ۔

جب تغلق شاہ نے یہ خبر سنی تو وہ سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا ، اس لیے کہ سلطان محمد تغلق[2] ، سلطان قطب الدین کے دربار میں نہایت مقرب تھا ۔ اپنے ولی نعمت کے قتل ہونے کی وجہ سے اس کا خون کھولنے لگا ۔ وہ فوراً ایک لشکر لے کر دہلی آیا اور خسرو خاں سے

۱۔ ''تاریخ فیروز شاہی'' میں ہے کہ سلطان محمد بن تغلق موقع پا کر خسرو خاں کی قید سے بھاگ کر اپنے باپ غازی ملک سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے پاس دیپال پور چلا گیا ۔ اس کے بھاگ جانے سے خسرو خاں اور اس کے مددگاروں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ۔

۲۔ یہاں بھی سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ۔ ہماری رائے میں سلطان محمد تغلق کی بجائے سلطان غیاث الدین تغلق ہونا چاہیے ۔

لڑ کر اسے شکست دی ۔ خسرو خاں شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا ۔ دوسرے روز اُسے گرفتار کر کے لایا گیا[1] اور قتل کر دیا گیا ۔ خسرو خان نے چار ماہ حکومت کی ، جس کا سنہ ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) تھا ۔

سلطان غیاث الدین تغلق عرف غازی ملک :

سلطان غیاث الدین تغلق انار اللہ برہانہ' نے ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) میں کوشک سیری میں تخت شاہی پر جلوس فرمایا اور شاہی نے اس کی ذات سے زیب و زینت حاصل کی - ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں وہ رحمتِ حق سے جا ملا ۔

سلطان محمد بن تغلق شاہ :

اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمد بن تغلق شاہ ، جسے اس نے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا ، تغلق آباد میں تخت نشین ہوا ۔ اس کی بادشاہی میں ممالک اسلام کو رونق حاصل ہوئی ۔

سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات کا واقعہ :

جب سلطان محمد تغلق نے سنا کہ سلطان (غیاث الدین) تغلق شاہ آج کل میں لکھنوتی سے تغلق آباد پہنچنے والا ہے ، اُس نے حکم دیا کہ تغلق آباد سے تین کوس کے فاصلے پر افغان پور کے قریب ایک چھوٹا سا خوب صورت محل تعمیر کیا جائے ۔ جس میں اس کا باپ رات کو ٹھہرے اور صبح کو بادشاہی حشم و قدم کے ساتھ شہر میں داخل ہو ۔

چنانچہ عصر کی نماز کے وقت سلطان (غیاث الدین) تغلق شاہ نئے محل میں [۵۹۲] داخل ہوا اور اس محل میں ٹھہرا ۔ اس کے بیٹے سلطان محمد تغلق اور دیگر اکابر و اشراف نے اس کا استقبال کیا اور پابوسی کا شرف حاصل کیا ۔ شاہی دسترخوان بچھایا گیا ۔ سب نے کھانا کھایا ۔ جب کھانا کھا چکے تو سب ہاتھ دھونے کے لیے باہر آئے ، اچانک بلائے آسمانی کی بجلی زمین کے رہنے والوں پر گری اور محل کی چھت یکایک سلطان تغلق پر گر

۱۔ خسرو خاں کو حظیرۂ شادی خاں سے پکڑ کر لائے تھے ، جہاں وہ چھپا ہوا تھا ۔ (فیروز شاہی ، برنی (اُردو ترجمہ) ، ص ۶۰۳)

پڑی ۔ سلطان پانچ چھ آدمیوں کے ساتھ چھت کے نیچے دب گیا اور رحمتِ حق سے جا ملا ۔

اس کے بعد سلطان محمد بن تغلق شاہ تخت شاہی دہلی پر بیٹھا ۔ اس نے ستائیس سال حکومت کی ۔

سلطان محمد تغلق کی وفات :

سلطان محمد تغلق لشکر میں بیمار ہوا ۔ اس کا مرض بڑھتا گیا ، یہاں تک کہ دریائے سندھ کے کنارے ، جب وہ ٹھٹھہ کے قریب تھا ، اُس نے وفات پائی ۔[۱] لشکر میں اس کی وفات سے شور و شغب برپا ہوا ۔ قریب تھا کہ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو جائیں کہ ۲۴ محرم ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) میں خواص و عوام کے اتفاق سے سلطان العہد والزمان فیروز شاہ کو لشکرِ سلطانی میں تختِ شاہی پر بٹھایا گیا ۔

شیخ نصیرالدین محمود (چراغ دہلی) اور دوسرے مشائخ و علماء ، ملوک و اُمرا ، وزرا اور رؤسا اور تمام معتبر لوگ اور عوام جمع ہو کر سرائے سلطانی میں آئے اور فیروز شاہ سے کہا کہ آپ ولی عہد بھی ہیں ، سلطان محمد تغلق کے وصی بھی اور سلطان محمد تغلق کے بھتیجے بھی ہیں سلطان محمد کے کوئی بیٹا نہیں تھا اور دوسرا کوئی شہر اور لشکر میں ایسا نہیں کہ جو بادشاہی کی قابلیت رکھتا ہو ۔ خدا کے لیے خلقِ خدا کی جان بچایے اور ہزاروں آدمیوں اور اس لشکر کی شاہی قبول کرکے مغلوں کے ہاتھوں سے نجات دلالیے ۔ فیروز شاہ نے ہر چند معذرت کی ، لیکن لوگوں کا اصرار بڑھتا گیا ۔ لوگ کہتے تھے کہ لشکر گاہ اور دہلی میں کوئی شخص فیروز شاہ سے زیادہ فرماں روائی کی صلاحیت نہیں رکھتا ۔ اگر آج

۱۔ سلطان محمد تغلق کا ایک غلام طغی نامی تھا ، جس نے سلطان محمد تغلق کے خلاف بغاوت کی تھی اور بھاگ کر جام ٹھٹھہ کے پاس پناہ لی تھی ، سلطان محمد اس کا تعاقب کرتے ہوئے ٹھٹھہ آیا ۔ ابھی وہ ٹھٹھہ سے تیس کوس کے فاصلے پر تھا کہ ۱۰ محرم ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) کو وفات پائی ۔

تاریخ مبارک شاہی میں اس کی تاریخِ وفات ۲۱ محرم ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) ہے ، تاریخ مبارک شاہی ، اردو ترجمہ ، مترجم ڈاکٹر آفتاب اصغر ، حاشیہ نمبر ۲ ، ص ۲۰۳ ۔

فیروز شاہ تختِ سلطنت پر نہیں بیٹھے گا اور مغلوں کو معلوم ہوگا کہ وہ بادشاہ نہیں ہوا تو ہم میں سے ایک کو بھی مغل وحشی زندہ نہ چھوڑیں گے ۔ فیروز شاہ نے مجبور ہو کر تختِ سلطنت پر جلوس فرمایا اور لوگوں نے رنج و غم سے آسودگی پائی ۔

تاریخِ وفات سلطان فیروز شاہ :

سلطان فیروز شاہ کی تاریخِ وفات ''فوت فیروز'' (۷۸۹ھ) ہے ، جس سے سنہ ۷۸۹ھ (۱۳۸۷ء) نکلتا ہے ۔ اس کی مدتِ حکومت سینتیس سال تھی[1] ۔

تم بعونہٖ و ہو العلی العظیم

• • •

۱۔ اس مطبوعہ نسخے کو تاریخ وفات فیروز پر ختم کیا گیا ہے ۔ برٹش میوزیم کے کیٹلاگ ، جلد ۳ ، ص ۹۲۶ پر مطبوعہ نسخے کی تمام عبارت کو ، جو ''تاریخِ وفات فیروز شاہ'' سے متعلق ہے ، الحاق قرار دیا ہے ۔ اگر ہم اس مطبوعہ نسخے کی اس عبارت کو صحیح مان لیں ، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امیر خورد فیروز شاہ کی وفات کے بعد بھی زندہ تھا ، لیکن یہ صحیح نہیں ہے ۔

"سیرالاولیاء" کی تاریخی سرگزشت[1]

۲۰ جلوس محمد شاہی مطابق ۱۱۵۰ھ (۳۷-۱۷۳۶ء) "سیرالاولیاء" (فارسی) کا ایک مخطوطہ سید عبداللہ بن سید خیراللہ کو ملا ، جو سلطان المشائخ کی اولاد میں سے تھے ، اس کا کاتب سید محمد حسن بن سید فضل اللہ تھا ، لیکن یہ نسخہ ان کے کتاب خانے سے گم ہو گیا ۔ ایک مدت کے بعد اتفاق سے بازار سے سید عبداللہ کو ایک اور مخطوطہ ملا جو انھوں نے منہ مانگے دام دے کر خرید لیا ، لیکن یہ خطی نسخہ خاصا بد خط تھا اور اس کے الفاظ اور عبارت کو سمجھنے کے لیے نہایت غور و فکر کرنا پڑتا تھا ۔

سید عبداللہ نے اس نسخے کو شیخ نور محمد سے صاف کرایا ۔ شیخ نور محمد خوش نویس بھی تھے اور فارسی نظم و نثر پر بھی گہری نظر رکھتے تھے ۔ پھر انھوں نے صرف و نحو کی تحصیل خاص طور پر کی تھی ۔ گویا وہ اس نسخے کو صاف کرنے کے لیے موزوں ترین انسان تھے ۔

کچھ دن کے بعد حبیب اللہ نامی ایک بزرگ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ سید عبداللہ کا نسخہ ، جسے شیخ نور محمد نے صاف کیا تھا ، عاریتاً ان کو مل جائے لیکن ایسا نہ ہو سکا ۔ انھیں بھی بازار سے ایک مخطوطہ ، جو غلطیوں سے پُر اور نہایت بد خط تھا ، ہاتھ لگا ۔

ایک مرتبہ اتفاق سے حبیب اللہ کی ملاقات سید عبداللہ سے ہوئی تو

۱- "سیرالاولیاء" (فارسی ، مطبوعہ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء) کے شروع میں چرنجی لال نے ایک دیباچہ تحریر کیا تھا اور اس کے آخر میں اس کتاب کے بارے میں بعض مفید معلومات فراہم کی گئی تھیں (صفحہ ۶۰۳ - ۶۰۶) - یہاں ان حصوں کے پیش نظر بعض تفصیلات درج کی جا رہی ہیں ۔

اس مخطوطے کا تذکرہ ہوا اور دونوں اصحاب نے طے کیا کہ ان مخطوطوں کی تصحیح و مقابلہ کیا جائے۔

چنانچہ رمضان المبارک سنہ مذکور میں مختلف شہروں سے اس کے نو نسخے جمع کیے گئے۔ تمام نسخوں میں عربی اور فارسی عبارات خصوصاً عربی اشعار کو غلطیوں سے پاک کر کے ان میں سے دو نسخوں کو تیار کیا گیا۔

۲۷ سال کے بعد اس کتاب کو ۴۶ جلوس شاہ عالم مطابق ۱۲۱۷ھ (۱۸۰۲ء) شیخ بدرالاسلام فخری نظامی نے میاں جان محمد، جو حضرت شیخ الشیوخ کلیم اللہ جہان آبادیؒ کے پوتے ہیں، کی فرمائش پر میاں نور محمد کے لکھے ہوئے نسخے سے نقل کیا۔ شیخ بدرالاسلام کا بیان ہے کہ نور محمد کا نسخہ اگرچہ کمال صحت کے ساتھ نقل کیا ہے، لیکن پھر بھی اصل نسخے میں جو اسقام تھے، میں نے ان کو اسی طرح نقل کر دیا ہے۔ لیکن بعض بعض جگہ حد ادب سے متجاوز ہو کر ان کو درست کیا ہے۔ لیکن پھر بھی بمقتضائے بشریت اگر کوئی سہو و خطا نظر آئے تو اس کی اصلاح فرمائیں اور مجھے معاف فرما دیں۔

شیخ بدرالاسلام فخری نظامی کا یہ مخطوطہ، جو میاں شیخ نور محمد کاتب کے مخطوطے کی نقل ہے، ملکہ وکٹوریہ کے عہد ۴۷ جلوس میں منشی چرنجی لال انجہانی کو سید شاہ ظہور علی سے، جو درگاہ موصوف کے قاضی زادوں میں تھے، دستیاب ہوا۔ انھوں نے میر خورد کے اس آراستہ کیے ہوئے گلدستے کی مہک اور خوش بو کو اس طرح اس برِصغیر پاک و ہند میں عام کیا کہ اہلِ نظر کے مشام جان اس کی خوش بو سے مہک اٹھے۔

چرنجی لال اپنے دیباچے میں لکھتا ہے کہ مجھ پر واجب آیا کہ ان بزرگان دین کے حالات کو اہتمام سے طبع کروں۔ میں نے اس کے لیے مطبع محب ہند، دہلی قائم کیا۔ سید عبداللطیف کو اس کی کتابت کے لیے مقرر کیا۔ تصحیح و مقابلے کے لیے علماء اور منشی مقرر کیے۔ ''سیرالاولیاء'' کا مخطوطہ، جو منشی چرنجی لال کے ہاتھ لگا، وہ مولانا شیخ فخرالدین نظامی چشتی کے دستخط سے مزین تھا۔

اس مخطوطے کی طباعت کی تکمیل آٹھ ماہ میں ہوئی۔ سنہ تکمیل ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۵ء) ہے۔

تمام اہلِ علم اور صوفیائے کرام پر تحقیقی کام کرنے والے منشی چرنجی لال آنجہانی کے ممنون ہیں کہ اُنھوں نے اس برِ صغیر پاک و ہند میں سب سے قدیم صوفیہ کے تذکرے کو ، جو بالخصوص سلسلۂ چشتیہ نظامیہ پر ایک عینی دستاویزی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے ، شایع کرکے اس گوہر گراں مایہ کی درخشانی کو عام کیا اور رواداری اور وسعتِ نظر کی ایک بہتر مثال قائم کی ہے ۔

آخر میں میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ چرنجی لال کے اس مطبوعہ فارسی نسخے میں جو عبارات بالخصوص عربی عبارات ہیں ، وہ بیشتر غلطیوں سے پُر ہیں ۔ یوں تو فارسی عبارات بھی غلطیوں سے مبرا نہیں ، لیکن ان کی تعداد عربی عبارات کے اسقام کے مقابلے میں کم ہے ۔ راقم نے ان غلطیوں کو دور کرنے کے لیے دوسرے نسخے کو بہت تلاش کیا ، لیکن وہ دستیاب نہ ہو سکا ۔ باامر مجبوری اسی مطبوعہ نسخہ سے کام لیا گیا اور بعض عربی فقروں کا مفہوم جو سیاق و سباق سے نکلتا تھا ، درج کر دیا اور جہاں بالکل کوئی بات نہ بن سکی ، اُسے چھوڑ دیا کہ اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا ۔ مطبع محبِ ہند (دہلی) کے مہتمم چرنجی لال کا یہی احسان کیا کم ہے کہ اس نے یہ نادر اور نایاب قلمی نسخہ طبع کرکے ہم تک پہنچا دیا ۔

مترجم

اشاریہ

(i) اشخاص

(ii) مقامات

(iii) کتب و رسائل

(i) اشخاص

پ

ت

ث

ج

چ

د

۴۰۷ ، ۴۰۸ ، ۴۰۹ ، ۴۱۰ ،
۴۱۱ ، ۴۱۲ ، ۴۱۳ ، ۴۱۴ ،
۴۱۵ ، ۴۱۶ ، ۴۱۷ ، ۴۱۸ ،
۴۱۹ ، ۴۲۰ ، ۴۲۱ ، ۴۲۲ ،
۴۲۳ ، ۴۲۴ ، ۴۲۶ ، ۴۲۷ ،
۴۲۸ ، ۴۳۰ ، ۴۳۳ ، ۴۳۴ ،
۴۳۵ ، ۴۳۶ ، ۴۳۷ ، ۴۳۸ ،
۴۳۹ ، ۴۴۰ ، ۴۴۱ ، ۴۴۲ ،
۴۴۳ ، ۴۴۴ ، ۴۴۵ ، ۴۴۶ ،
۴۴۷ ، ۴۴۸ ، ۴۴۹ ، ۴۵۰ ،
۴۵۱ ، ۴۵۲ ، ۴۵۳ ، ۴۵۴ ،
۴۵۵ ، ۴۵۷ ، ۴۵۸ ، ۴۵۹ ،
۴۶۰ ، ۴۶۱ ، ۴۶۲ ، ۴۶۳ ،
۴۶۴ ، ۴۶۵ ، ۴۶۶ ، ۴۶۷ ،
۴۶۸ ، ۴۶۹ ، ۴۷۰ ، ۴۷۱ ،
۴۷۲ ، ۴۷۳ ، ۴۷۴ ، ۴۷۵ ،
۴۷۶ ، ۴۷۷ ، ۴۷۸ ، ۴۷۹ ،
۴۸۰ ، ۴۸۱ ، ۴۸۳ ، ۴۸۴ ،
۴۸۵ ، ۴۸۶ ، ۴۸۷ ، ۴۸۸ ،
۴۸۹ ، ۴۹۰ ، ۴۹۱ ، ۴۹۲ ،
۴۹۳ ، ۴۹۴ ، ۴۹۵ ، ۴۹۶ ،
۴۹۷ ، ۴۹۸ ، ۴۹۹ ، ۵۰۰ ،
۵۰۱ ، ۵۰۲ ، ۵۰۳ ، ۵۰۵ ،
۵۰۶ ، ۵۰۷ ، ۵۰۸ ، ۵۰۹ ،
۵۱۰ ، ۵۱۱ ، ۵۱۲ ، ۵۱۳ ،
۵۱۴ ، ۵۱۵ ، ۵۱۶ ، ۵۱۹ ،
۵۲۰ ، ۵۲۱ ، ۵۲۲ ، ۵۲۳ ،
۵۲۴ ، ۵۲۵ ، ۵۲۶ ، ۵۲۷ ،
۵۲۸ ، ۵۲۹ ، ۵۳۰ ، ۵۳۱ ،
۵۳۲ ، ۵۳۳ ، ۵۳۵ ، ۵۳۶ ،

۵۳۷ ، ۵۳۸ ، ۵۳۹ ، ۵۴۰ ،
۵۴۱ ، ۵۴۳ ، ۵۴۴ ، ۵۴۵ ،
۵۴۶ ، ۵۴۷ ، ۵۴۸ ، ۵۴۹ ،
۵۵۰ ، ۵۵۱ ، ۵۵۲ ، ۵۵۳ ،
۵۵۵ ، ۵۵۶ ، ۵۵۷ ، ۵۵۸ ،
۵۵۹ ، ۵۶۰ ، ۵۶۱ ، ۵۶۲ ،
۵۶۳ ، ۵۶۴ ، ۵۶۵ ، ۵۶۶ ،
۵۶۷ ، ۵۶۸ ، ۵۶۹ ، ۵۷۰ ،
۵۷۲ ، ۵۷۳ ، ۵۷۴ ، ۵۷۵ ،
۵۷۶ ، ۵۷۷ ، ۵۷۸ ، ۵۷۹ ،
۵۸۰ ، ۵۸۱ ، ۵۸۲ ، ۵۸۳ ،
۵۸۴ ، ۵۸۵ ، ۵۸۶ ، ۵۸۷ ،
۵۸۸ ، ۵۸۹ ، ۵۹۰ ، ۵۹۱ ،
۵۹۲ ، ۵۹۳ ، ۵۹۴ ، ۵۹۵ ،
۵۹۶ ، ۵۹۷ ، ۵۹۸ ، ۵۹۹ ،
۶۰۰ ، ۶۰۱ ، ۶۰۲ ، ۶۰۳ ،
۶۰۴ ، ۶۰۵ ، ۶۰۷ ، ۶۰۸ ،
۶۰۹ ، ۶۱۰ ، ۶۱۱ ، ۶۱۲ ،
۶۱۳ ، ۶۱۴ ، ۶۱۵ ، ۶۱۶ ،
۶۱۷ ، ۶۱۸ ، ۶۱۹ ، ۶۲۰ ،
۶۲۱ ، ۶۲۳ ، ۶۲۴ ، ۶۲۵ ،
۶۲۶ ، ۶۲۷ ، ۶۲۸ ، ۶۲۹ ،
۶۳۱ ، ۶۳۲ ، ۶۳۳ ، ۶۳۴ ،
۶۳۵ ، ۶۳۶ ، ۶۳۸ ، ۶۴۰ ،
۶۴۱ ، ۶۴۲ ، ۶۴۴ ، ۶۴۵ ،
۶۴۸ ، ۶۴۹ ، ۶۵۰ ، ۶۵۱ ،
۶۵۲ ، ۶۵۳ ، ۶۵۴ ، ۶۵۶ ،
۶۵۷ ، ۶۵۸ ، ۶۵۹ ، ۶۶۰ ،
۶۶۱ ، ۶۶۲ ، ۶۶۳ ، ۶۶۴ ،
۶۶۵ ، ۶۶۶ ، ۶۶۷ ، ۶۶۸ ،

ش

ط

ظ

ع

غ

ق

ک

و

ہ

ی

• • •

(ii) مقامات

خ

د

ڈ

ذ

ر

س

ش

ط

ظ

ع

غ

ف

ق

ک

ن

ہ

ی

• • •

(iii) کتب و رسائل

ث

ج

ح

ش

ص

ط

ع

غ

ف

ق